وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں اسے لیا کرو، اور جس سے تمہیں منع فرمائیں اس سے رُک جایا کرو۔

فیوض الزاھی

فی شرح

سنن النسائی

جلد پنجم

حدیث نمبر

۴۴۷ ـــ ۵۵۷

تصنیف

ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

پروگریسو بکس

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

جو کچھ رسول ﷺ تمہیں عطا فرمائیں اسے لے لیا کرو، اور جس سے تمہیں منع فرمائیں اس سے رُک جایا کرو۔

فیوض الزہی

فی شرح

سنن النسائی

جلد پنجم

حدیث نمبر

٤٤٧ ــــ ٥٥٧

تصنیف

ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
فون 042 97124354 فیکس 042 97352708

فیوض الزاهی

فی شرح

سنن النسائی

جلد پنجم
حدیث نمبر
۴۴۷ ــ ۵۵۷

ترجمہ و تخریج
ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

باراول	....	نومبر 2017ء
پرنٹرز	....	آصف صدیق، پرنٹرز
تعداد	....	-/1100
ناشر	....	چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول میاں شہزاد رسول
قیمت	....	=/ روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941
0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5۔ مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

بسم الله الرحمن الرحيم

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

فہرست

فہرست مشمولات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	نماز کے احکام	۴۵
۲	نماز کی فرضیت اور اہمیت وضرورت	۴۷
۳	صلوٰۃ کا لغوی معنی	۵۴
۴	اقامت صلوٰۃ کے معانی اور محامل	۵۴
۵	عبادات میں نماز کی جامعیت	۵۸
۶	نماز پڑھنے کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیث طیبات	۶۱
۷	خشوع اور حضورِ قلب کی شرط	۶۸
۸	باطنی امور جن سے حیاتِ نماز مکمل ہوتی ہے	۷۴
۹	دل کی حاضری	۷۴
۱۰	حضورِ قلب کے لیے نافع دوا	۷۸
۱۱	خشوع کرنے والوں کی نماز کے بارے میں دو واقعات	۸۱
۱۲	نماز کے اسرار	۸۵
۱۳	كِتَابُ الصَّلَاةِ	۸۸
۱۴	باب انماز کی فرضیت اور حدیث انس رضی اللہ عنہ کی سند وروایت کے اختلاف کا بیان	۸۸
۱۵	مطابقت	۹۱
۱۶	اطراف	۹۱
۱۷	تعارفِ رجال	۹۱
۱۸	حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ	۹۱
۱۹	حکم روایت	۹۲
۲۰	خصوصیاتِ سند	۹۲
۲۱	مطابقت، لغات	۹۲
۲۲	اطراف	۹۵
۲۳	تعارف رجال	۹۶
۲۴	حضرت ابن حزم کا تعارف	۹۶
۲۵	شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی کا تسامح	۹۶
۲۶	حکم روایت	۹۷
۲۷	خصوصیاتِ سند	۹۷
۲۸	لغات	۹۷
۲۹	مطابقت	۱۰۰
۳۰	اطراف	۱۰۰
۳۱	تعارفِ رجال	۱۰۰
۳۲	حضرت سعید بن عبدالعزیز کا تعارف	۱۰۰
۳۳	نام ونسب	۱۰۰
۳۴	فضل اور کمال	۱۰۱
۳۵	تلامذہ	۱۰۱
۳۶	قرآن	۱۰۲
۳۷	حدیث	۱۰۲
۳۸	فقہ	۱۰۲

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۳۹	ثقاہت	۱۰۲	۶۳	مکاشفات	۱۳۰
۴۰	قوت حافظہ	۱۰۳	۶۴	معراج از مسجد اقصیٰ تا سدرۃ المنتہیٰ وماوراء	۱۳۴
۴۱	خشیت الٰہی	۱۰۳	۶۵	دیدار الٰہی	۱۴۷
۴۲	خشوع وخضوع	۱۰۳	۶۶	اوقاتِ نماز کا تعین	۱۵۶
۴۳	اقوال زریں	۱۰۳	۶۷	شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں علماء امت کے مذاہب	۱۵۷
۴۴	وفات	۱۰۴	۶۸	سورہ بنی اسرائیل میں معراج کا ذکر اور اس کے فوائد اور نکات	۱۵۸
۴۵	حضرت یزید بن ابی مالک کا تعارف	۱۰۴	۶۹	لفظ سبحان کے اسرار	۱۵۹
۴۶	حکم روایت	۱۰۴	۷۰	لفظ اسریٰ کے اسرار	۱۶۲
۴۷	خصوصیاتِ سند	۱۰۴	۷۱	معراج کے متعلق سورہ النجم کی آیات	۱۶۳
۴۸	لغات	۱۰۵	۷۲	والنجم اذا ھوی کے اسرار	۱۶۴
۴۹	مطابقت	۱۰۶	۷۳	ثم دنیٰ فتدلیٰ کے اسرار	۱۶۵
۵۰	اطراف	۱۰۶	۷۴	فکان قاب قوسین'' کے اسرار	۱۶۶
۵۱	تعارفِ رجال	۱۰۷	۷۵	شب معراج دیدار الٰہی کے بیان میں احادیث اور آثار	۱۶۸
۵۲	حضرت زبیر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف	۱۰۷	۷۶	شبِ معراج دیدار الٰہی کے متعلق علماء مالکیہ کا نظریہ	۱۷۱
۵۳	حضرت مرہ بن شراحیل کا تعارف	۱۰۷	۷۷	شب معراج دیدار الٰہی کے متعلق علماء حنبلیہ کا نظریہ	۱۷۵
۵۴	حکمِ روایت	۱۰۸	۷۸	شب معراج دیدارِ الٰہی کے متعلق علماء شافعیہ کا نظریہ	۱۷۶
۵۵	خصوصیاتِ سند	۱۰۸	۷۹	شبِ معراج دیدارِ الٰہی کے متعلق علماء احناف کا نظریہ	۱۸۰
۵۶	لغات	۱۰۸	۸۰	واقعہء معراج کی تاریخ	۱۸۳
۵۷	مسائل ونصائح	۱۰۹	۸۱	واقعہء معراج کی ابتدائی جگہ	۱۸۴
۵۸	معراج کا لغوی معنیٰ	۱۰۹	۸۲	معراج کی احادیث میں تعارض کی توجیہہ	۱۸۴
۵۹	معراج کا اصطلاحی معنیٰ	۱۰۹	۸۳	کتب احادیث کے مختلف اقتباسات سے واقعہء معراج کا مربوط بیان	۱۸۵
۶۰	اسراء	۱۱۳	۸۴	رات میں معراج کرانے کے اسرار	۲۰۲
۶۱	جسمانی معراج کے منکرین کے دلائل	۱۱۹	۸۵	معراج کی ابتداء کی جگہ کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق	۲۰۴
۶۲	منکرین معراج کی دوسری قسم	۱۲۲	۸۶	حضرت ام ہانی کے گھر کی چھت شق کر کے فرشتہ کے آنے کی وجوہات کے اسرار	۲۰۴

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۸۷	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے سفر معراج شروع نہ ہونے کے اسرار	۲۰۵	۱۰۶	شب معراج عالم برزخ کے واقعات دکھائے جانے کے اسرار	۲۳۰
۸۸	شق صدر کے متعلق احادیث کی تخریج اور تحقیق	۲۰۶	۱۰۷	مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرانے کے اسرار	۲۳۰
۸۹	تین بار شق صدر کرنے کے اسرار	۲۰۹	۱۰۸	آسمانوں پر جانے کے اسرار	۲۳۳
۹۰	ھذا احظك من الشیطن کے اسرار	۲۰۹	۱۰۹	سدرۃ المنتہیٰ سے آگے گذرنے کے اسرار	۲۳۳
۹۱	قلب اطہر کو غسل دینے کے اسرار	۲۱۱	۱۱۰	قف یا محمد فان ربك یصلی کے اسرار	۲۳۴
۹۲	قلب اطہر کو سونے کے طشت میں رکھنے کے اسرار	۲۱۱	۱۱۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے نمازوں میں کمی کے اسرار	۲۳۵
۹۳	شق صدر کے اسرار کا تتمہ	۲۱۲	۱۱۲	الصلوٰۃ معراج المومنین کے اسرار	۲۳۵
۹۴	براق پر سواری کے اسرار	۲۱۳	۱۱۳	کفار قریش کو دیے ہوئے جوابات کے اسرار	۲۳۶
۹۵	قبر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کے اسرار	۲۱۴	۱۱۴	شب معراج دیدار الٰہی کے اسرار	۲۳۸
۹۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی تحقیق	۲۱۷	۱۱۵	شب معراج حضرت موسیٰ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مکالمہ	۲۴۰
۹۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر انور میں سلام کا جواب دینا	۲۱۸	۱۱۶	خلاصہ	۲۴۳
۹۸	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبر انور میں درود شریف پیش کیا جانا	۲۱۸	۱۱۷	امام نسائی کا استدلال	۲۴۳
۹۹	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر انور میں نماز پڑھنا	۲۱۹	۱۱۸	پانچ نمازوں کی فرضیت	۲۴۳
۱۰۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبر انور میں امت کے اعمال کو پیش کیا جانا	۲۲۰	۱۱۹	☆☆☆	۲۴۳
۱۰۱	اعمال امت کو ملاحظہ فرمانے کے متعلق عبارات علماء	۲۲۰	۱۲۰	حدیث انس کی روایت میں راویوں کا اختلاف	۲۴۳
۱۰۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام کائنات کو ملاحظہ فرمانا	۲۲۲	۱۲۱	روایات میں الفاظ کا اختلاف	۲۴۳
۱۰۳	صالحین امت کا نیند اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا	۲۲۲	۱۲۲	فوائد و مسائل	۲۴۳
۱۰۴	اجسام مثالیہ کا تعدد	۲۲۶	۱۲۳	باب ۲: نماز کہاں فرض ہوئی؟	۲۴۷
۱۰۵	انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کا آن واحد میں متعدد جگہ موجود ہونا	۲۲۷	۱۲۴	مطابقت	۲۴۷

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۲۵	اطراف	۲۴۷	۱۴۹	علم وفضل	۲۵۴
۱۲۶	تعارفِ رجال	۲۴۷	۱۵۰	آئمہ حدیث کی رائے	۲۵۵
۱۲۷	حضرت عبدربہ بن سعید کا تعارف	۲۴۷	۱۵۱	جرح	۲۵۶
۱۲۸	حکمِ روایت	۲۴۸	۱۵۲	عقل وفرزانگی	۲۵۶
۱۲۹	خصوصیاتِ سند	۲۴۸	۱۵۳	اخلاق وعادات	۲۵۶
۱۳۰	لغات	۲۴۸	۱۵۴	وفات	۲۵۶
۱۳۱	مسائل ونصائح	۲۴۹	۱۵۵	تصنیفات	۲۵۷
۱۳۲	خلاصہ	۲۵۰	۱۵۶	حکمِ روایت	۲۵۷
۱۳۳	امام نسائی کا استدلال	۲۵۰	۱۵۷	خصوصیاتِ سند	۲۵۷
۱۳۴	باب ۳: نماز کیسے فرض ہوئی؟	۲۵۱	۱۵۸	لغات	۲۵۸
۱۳۵	مطابقت	۲۵۱	۱۵۹	مطابقت	۲۵۸
۱۳۶	اطراف	۲۵۱	۱۶۰	اطراف	۲۵۸
۱۳۷	تعارفِ رجال	۲۵۱	۱۶۲	تعارفِ رجال	۲۵۹
۱۳۸	حکمِ روایت	۲۵۲	۱۶۳	حکمِ روایت	۲۵۹
۱۳۹	خصوصیاتِ سند	۲۵۲	۱۶۴	خصوصیاتِ سند	۲۵۹
۱۴۰	لغات	۲۵۲	۱۶۵	لغات	۲۵۹
۱۴۱	مطابقت	۲۵۳	۱۶۶	مطابقت	۲۶۰
۱۴۲	اطراف	۲۵۳	۱۶۷	اطراف	۲۶۰
۱۴۳	تعارفِ رجال	۲۵۳	۱۶۸	تعارفِ رجال	۲۶۰
۱۴۴	حضرت محمد بن ہاشم کا تعارف	۲۵۳	۱۶۹	حضرت بکیر بن اخنس کا تعارف	۲۶۰
۱۴۵	حضرت ولید بن مسلم کا تعارف	۲۵۴	۱۷۰	حکمِ روایت	۲۶۰
۱۴۶	نام ونسب	۲۵۴	۱۷۱	خصوصیاتِ سند	۲۶۰
۱۴۷	وطن اور ولادت	۲۵۴	۱۷۲	لغات	۲۶۱
۱۴۸	تحصیل علم اور شیوخ	۲۵۴	۱۷۳	مطابقت	۲۶۱

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۷۴	اطراف	۲۶۲	۱۹۸	روایات میں تطبیق	۲۷۹
۱۷۵	تعارفِ رجال	۲۶۲	۱۹۹	وجوبِ قصر میں مذاہب	۲۸۰
۱۷۶	محمد بن عبداللہ کا تعارف	۲۶۲	۲۰۰	آئمہ ثلاثہ کے دلائل اوران کے جوابات	۲۸۰
۱۷۷	عبداللہ بن ابی بکر کا تعارف	۲۶۲	۲۰۱	منیٰ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصر نہ کرنے کی وجہ	۲۸۳
۱۷۸	امیہ بن عبداللہ کا تعارف	۲۶۲	۲۰۲	دیگر دلائل کا جواب	۲۸۴
۱۷۹	حکمِ روایت	۲۶۳	۲۰۳	وطن کی اقسام اوراحکام	۲۸۴
۱۸۰	خصوصیاتِ سند	۲۶۳	۲۰۴	سفر معصیت کے احکام	۲۸۴
۱۸۱	لغات	۲۶۳	۲۰۵	سنن کا حکم	۲۸۴
۱۸۲	مسائل ونصائح	۲۶۳	۲۰۶	کیا ہوائی جہاز سے کم وقت میں بغیر مشقت کے سفر کرنا رخصت قصر کے منافی ہے	۲۸۵
۱۸۳	قصر کے معنیٰ	۲۶۴	۲۰۷	حافظ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سفر میں نماز کے قصر کے وجوب اور عزیمت کی نفی کرنا	۲۹۱
۱۸۴	مسافر کا معنیٰ	۲۶۴	۲۰۸	خلاصہ	۲۹۵
۱۸۵	مسافت قصر میں مذاہب	۲۶۴	۲۰۹	امام نسائی کا استدلال	۲۹۵
۱۸۶	تین ایام کی مسافت پر احناف کے دلائل	۲۶۵	۲۱۰	باب ۴: رات اوردن میں کتنی نمازیں فرض ہیں؟	۲۹۷
۱۸۷	امام مالک کے دلائل	۲۶۸	۲۱۱	مطابقت	۲۹۸
۱۸۸	علامہ ابن رشد مالکی کی دلیل کا جواب	۲۶۹	۲۱۲	اطراف	۲۹۸
۱۸۹	علامہ ابن قدامہ حنبلی کے استدلال کا جواب	۲۶۹	۲۱۳	تعارفِ رجال	۲۹۸
۱۹۰	علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۲۷۱	۲۱۴	ابو سہیل کا تعارف	۲۹۸
۱۹۱	علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب	۲۷۱	۲۱۵	مالک کا تعارف	۲۹۸
۱۹۲	مسافت کا تفصیلی خاکہ	۲۷۶	۲۱۶	حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف	۲۹۸
۱۹۳	قصر کی ابتداء اورانتہا	۲۷۶	۲۱۷	نام ونسب، خاندان	۲۹۸
۱۹۴	مدتِ قصر	۲۷۷	۲۱۸	اسلام	۲۹۹
۱۹۵	آئمہ ثلاثہ کے دلائل	۲۷۷	۲۱۹	مواخات	۲۹۹
۱۹۶	آئمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات	۲۷۷	۲۲۰	ہجرت	۳۰۰
۱۹۷	امام ابوحنیفہ کے دلائل	۲۷۸	۲۲۱	غزوات اوردیگر حالات	۳۰۰

نمبر	عنوان	صفحہ
۲۲۲	غزوہ احد	۳۰۰
۲۲۳	متفرق غزوات	۳۰۱
۲۲۴	عہد صدیقی رضی اللہ عنہ	۳۰۲
۲۲۵	عہد فاروقی رضی اللہ عنہ	۳۰۳
۲۲۶	عہد عثمانی رضی اللہ عنہ	۳۰۳
۲۲۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بادل نخواستہ بیعت کی	۳۰۴
۲۲۸	خلیفہ وقت کے مقابلہ میں خروج اور اس کی وجہ	۳۰۴
۲۲۹	بصرہ پر قبضہ	۳۰۵
۲۳۰	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مقابلہ کے لیے بڑھنا	۳۰۵
۲۳۱	شہادت	۳۰۵
۲۳۲	تجہیز و تکفین	۳۰۵
۲۳۳	اخلاق و عادات	۳۰۶
۲۳۴	بخاری باب غزوہ تبوک	۳۰۷
۲۳۵	حسن معاشرت	۳۰۸
۲۳۶	ذریعہ معاش	۳۰۸
۲۳۷	تمول	۳۰۸
۲۳۸	غذا و لباس	۳۰۹
۲۳۹	حلیہ	۳۰۹
۲۴۰	اولاد و ازواج	۳۰۹
۲۴۱	حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم انور کا تیس سال بعد بھی قبر سے تر و تازہ نکلنا	۳۰۹
۲۴۲	حضرت طلحہ بن عبداللہ کو تیس سال بعد قبر سے تر و تازہ نکالنے کے متعلق مزید حوالہ جات	۳۱۰
۲۴۳	حکم روایت	۳۱۰
۲۴۴	خصوصیاتِ سند	۳۱۰
۲۴۵	لغات	۳۱۱
۲۴۶	مطابقت	۳۱۲
۲۴۷	اطراف	۳۱۲
۲۴۸	تعارفِ رجال	۳۱۲
۲۴۹	حکم روایت	۳۱۳
۲۵۰	خصوصیاتِ سند	۳۱۳
۲۵۲	لغات	۳۱۴
۲۵۳	مسائل و نصائح	۳۱۴
۲۵۴	تاریخ نماز، نوعیت فرضیت اور اس کے فرائض	۳۱۴
۲۵۵	نفلی عبادات کو پورا کرنے کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل	۳۱۶
۲۵۶	فرائض میں کمی اور اضافہ کرنے کی توجیہہ	۳۱۷
۲۵۷	تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا بیان	۳۱۸
۲۵۸	خلاصہ	۳۱۹
۲۵۹	امام نسائی کا استدلال	۳۱۹
۲۶۰	باب ۵: پانچ نمازوں کی ادائیگی پر بیعت کرنا	۳۲۰
۲۶۱	مطابقت	۳۲۰
۲۶۲	اطراف	۳۲۱
۲۶۳	تعارفِ رجال	۳۲۱
۲۶۴	ابو مسہر کا تعارف	۳۲۱

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۲۶۵	ولادت اور وطن	۳۲۱	۲۸۹	استاد کے سوال کا جواب دینے کے آداب	۳۴۸
۲۶۶	فضل وکمال	۳۲۱	۲۹۰	خلاصہ	۳۴۹
۲۶۷	شیوخ وتلامذہ	۳۲۲	۲۹۱	امام نسائی کا استدلال	۳۴۹
۲۶۸	مرویات کا پایہ	۳۲۲	۲۹۲	باب۶: پانچوں نمازوں کی محافظت کرنا	۳۵۰
۲۶۹	فتنہ خلق قرآن	۳۲۲	۲۹۳	مطابقت	۳۵۱
۲۷۰	ابومسہر کی آزمائش	۳۲۲	۲۹۴	اطراف	۳۵۱
۲۷۱	وفات	۳۲۵	۲۹۵	تعارف رجال	۳۵۱
۲۷۲	حکم روایت	۳۲۶	۲۹۶	نام ونسب	۳۵۲
۲۷۳	خصوصیاتِ سند	۳۲۶	۲۹۷	اسلام	۳۵۲
۲۷۴	لغات	۳۲۷	۲۹۸	غزوات ودیگر حالات	۳۵۳
۲۷۵	مسائل ونصائح	۳۲۷	۲۹۹	ملکی خدمات	۳۵۳
۲۷۶	توحید اور اس کے مراتب	۳۲۸	۳۰۰	وفات	۳۵۴
۲۷۷	حقیقتِ شرک اور اقسامِ شرک	۳۳۰	۳۰۱	حلیہ	۳۵۵
۲۷۸	شرک کی اقسام	۳۳۳	۳۰۲	اولاد	۳۵۵
۲۷۹	نماز کے دینی اور معاشرتی فوائد	۳۳۵	۳۰۳	فضل وکمال	۳۵۵
۲۸۰	نماز کے معاشرتی فوائد	۳۳۷	۳۰۴	اخلاق وعادات	۳۵۶
۲۸۱	سوال کرنے اور نہ کرنے کی صورتیں	۳۳۸	۳۰۵	حکم روایت	۳۵۸
۲۸۲	سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ سوال وآداب	۳۳۸	۳۰۶	خصوصیاتِ سند	۳۵۸
۲۸۳	مسائل ونصائح	۳۳۸	۳۰۷	مصنف ذخیرۃ العقبیٰ کا تسامح	۳۵۸
۲۸۴	مسائل ونصائح	۳۴۱	۳۰۸	لغات	۳۵۸
۲۸۵	حدیث مبارکہ	۳۴۲	۳۰۹	مسائل ونصائح	۳۵۹
۲۸۶	**سوال کے جائز ہونے کی تین صورتیں**	۳۴۴	۳۱۰	**نمازوں کی محافظت**	۳۵۹
۲۸۷	**حکایت**	۳۴۴	۳۱۱	وتر کا وجوب اور عدم وجوب	۳۷۹
۲۸۸	استاد سے سوال پوچھنے کے آداب	۳۴۶	۳۱۲	فریق اول کا موقف اور دلیل	۳۷۹

۳۱۳	جماعت اول	۳۸۰	۳۳۵	باب ۸: نماز چھوڑنے والے کا حکم	۴۰۵
۳۱۴	جماعت دوم	۳۸۱	۳۳۶	مطابقت	۴۰۵
۳۱۵	فریق ثانی کی جماعت دوم (احناف) کے دلائل	۳۸۲	۳۳۷	اطراف	۴۰۵
۳۱۶	روایت دوم: لیث عن ہشام	۳۹۵	۳۳۸	تعارفِ رجال	۴۰۵
۳۱۷	کیفیت وتر	۳۹۷	۳۳۹	حضرت الفضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف	۴۰۵
۳۱۸	خلاصہ	۳۹۷	۳۴۰	نام ونسب	۴۰۵
۳۱۹	امام نسائی کا استدلال	۳۹۷	۳۴۱	مولد اور وطن	۴۰۶
۳۲۰	باب ۷: پانچ نمازوں کی فضیلت	۳۹۸	۳۴۲	ترک وطن کا واقعہ	۴۰۶
۳۲۱	مطابقت	۳۹۸	۳۴۳	فضل وکمال	۴۰۷
۳۲۲	اطراف	۳۹۸	۳۴۴	حدیث	۴۰۷
۳۲۳	تعارفِ رجال	۳۹۹	۳۴۵	تلامذہ	۴۰۷
۳۲۴	حکمِ روایت	۳۹۹	۳۴۶	تثبت وثقاہت	۴۰۷
۳۲۴	خصوصیاتِ سند	۳۹۹	۳۴۷	عقل وفرزانگی	۴۰۸
۳۲۵	لغات	۳۹۹	۳۴۸	اعتراف علماء	۴۰۸
۳۲۶	مسائل ونصائح	۴۰۰	۳۴۹	وفات	۴۰۸
۳۲۷	گناہ کبیرہ کی بخشش کے لیے توبہ کا ضروری ہونا	۴۰۰	۳۵۰	حضرت الحسین بن واقد کا تعارف	۴۰۸
۳۲۸	علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں	۴۰۰	۳۵۱	حکمِ روایت	۴۰۹
۳۲۹	پانچ نمازوں کے پڑھنے سے ان کے درمیان کے گناہوں کی معافی سے متعلق احادیث	۴۰۱	۳۵۲	خصوصیاتِ سند	۴۰۹
۳۳۰	علامہ بلقینی کے جواب پر علامہ سعیدی کا تبصرہ	۴۰۲	۳۵۳	لغات	۴۰۹
۳۳۱	اشکال مذکور کا جواب علامہ عینی کی طرف سے	۴۰۳	۳۵۴	مطابقت	۴۱۰
۳۳۲	علامہ عینی کے جواب پر علامہ سعیدی کا تبصرہ اور پھر علامہ سعیدی کا جواب	۴۰۳	۳۵۵	اطراف	۴۱۰
۳۳۳	خلاصہ	۴۰۳	۳۵۶	تعارف رجال	۴۱۰
۳۳۴	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۴۰۳	۳۵۷	حضرت محمد بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف	۴۱۰

۳۵۸	حکمِ روایت	۴۱۰	۳۸۱	خصوصیاتِ سند	۴۲۱
۳۵۹	خصوصیاتِ سند	۴۱۰	۳۸۲	لغات	۴۲۱
۳۶۰	لغات	۴۱۱	۳۸۳	مطابقت	۴۲۲
۳۶۱	مسائل ونصائح	۴۱۱	۳۸۴	اطراف	۴۲۲
۳۶۲	نماز چھوڑنے والے کے بارے میں فقہاء کا نقطۂ نظر	۴۱۱	۳۸۵	تعارفِ رجال	۴۲۲
۳۶۳	نماز کی فرضیت کا تاعمر برقرار رہنا	۴۱۴	۳۸۶	حضرت شعیب کا تعارف	۴۲۳
۳۶۴	تارکِ نماز کا فاسق ہونا	۴۱۵	۳۸۷	حضرت ابوالعوام کا تعارف	۴۲۳
۳۶۵	خلاصہ	۴۱۷	۳۸۸	حکمِ روایت	۴۲۳
۳۶۶	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۴۱۷	۳۸۹	خصوصیاتِ سند	۴۲۳
۳۶۷	اہل اسلام کا اجماع	۴۱۷	۳۹۰	لغات	۴۲۴
۳۶۸	تارکِ نماز کی سزا	۴۱۷	۳۹۱	مطابقت	۴۲۴
۳۶۹	فقہاء احناف کا مؤقف	۴۱۷	۳۹۲	اطراف	۴۲۴
۳۷۰	فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کا مؤقف	۴۱۸	۳۹۳	تعارفِ رجال	۴۲۴
۳۷۱	فقہاء حنابلہ کا مؤقف	۴۱۸	۳۹۴	حضرت ازرق بن قیس کا تعارف	۴۲۴
۳۷۲	علماء ظواہر کا مؤقف	۴۱۸	۳۹۵	حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف	۴۲۵
۳۷۳	**باب ۹: نماز کے بارے میں پوچھ کچھ ہونا**	۴۱۹	۳۹۶	نام ونسب	۴۲۵
۳۷۴	مطابقت	۴۲۰	۳۹۷	فضل وکمال	۴۲۵
۳۷۵	اطراف	۴۲۰	۳۹۸	قرآن	۴۲۵
۳۷۶	تعارفِ رجال	۴۲۰	۳۹۹	حدیث	۴۲۵
۳۷۷	حضرت ہارون بن اسماعیل کا تعارف	۴۲۰	۴۰۰	فقہ	۴۲۵
۳۷۸	حضرت ہمام بن یحییٰ کا تعارف	۴۲۰	۴۰۱	زبان وادب	۴۲۵
۳۷۹	حضرت حریث بن قبیصہ کا تعارف	۴۲۱	۴۰۲	فصاحت وبلاغت	۴۲۶
۳۸۰	حکمِ روایت	۴۲۱	۴۰۳	قضاءت میں سہولت	۴۲۶

نمبر	عنوان	صفحہ
۴۰۴	ایک اہم کارنامہ	۴۲۶
۴۰۵	اہل بیت نبوی سے عقیدت	۴۲۶
۴۰۶	وفات	۴۲۶
۴۰۷	حکمِ روایت	۴۲۷
۴۰۸	خصوصیاتِ سند	۴۲۷
۴۰۹	لغات	۴۲۷
۴۱۰	مسائل ونصائح	۴۲۷
۴۱۱	اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرض کی کمی کو نفل سے پورا کرنا	۴۲۷
۴۱۲	نماز اور خون کے حساب والی روایات میں تطبیق	۴۲۸
۴۱۳	حضرت ابوالعوام رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی سند کا فرق	۴۲۹
۴۱۴	خلاصہ	۴۲۹
۴۱۵	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۴۲۹
۴۱۶	عصرِ حاضر کے طالب علموں کا المیہ	۴۳۰
۴۱۷	**باب ۱۰: نماز قائم کرنے کا ثواب**	۴۳۱
۴۱۸	مطابقت	۴۳۱
۴۱۹	اطراف	۴۳۱
۴۲۰	تعارفِ رجال	۴۳۱
۴۲۱	حضرت محمد بن عثمان کا تعارف	۴۳۲
۴۲۲	حضرت محمد بن عثمان بن عبداللہ کا تعارف	۴۳۲
۴۲۳	حضرت عثمان بن عبداللہ کا تعارف	۴۳۲
۴۲۴	حضرت موسیٰ بن طلحہ کا تعارف	۴۳۲
۴۲۵	حکمِ روایت	۴۳۳
۴۲۶	لغات	۴۳۳
۴۲۷	مسائل ونصائح	۴۳۴
۴۲۸	خلاصہ	۴۳۴
۴۲۹	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۴۳۴
۴۳۰	سوال کرنے والے صحابی کا نام	۴۳۴
۴۳۱	زرھا کا مفہوم	۴۳۴
۴۳۲	**باب ۱۱: حالتِ اقامت میں نماز ظہر کی رکعتیں**	۴۳۵
۴۳۳	مطابقت	۴۳۵
۴۳۴	اطراف	۴۳۵
۴۳۵	تعارفِ رجال	۴۳۶
۴۳۶	حضرت ابراھیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف	۴۳۶
۴۳۷	حکمِ روایت	۴۳۶
۴۳۸	خصوصیاتِ سند	۴۳۶
۴۳۹	لغات	۴۳۷
۴۴۰	مسائل ونصائح	۴۳۷
۴۴۱	شہر کی حدود اور مضافات سے نکلنے کے بعد نماز کو قصر کیا جائے گا	۴۳۷
۴۴۲	خلاصہ	۴۳۷
۴۴۳	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۴۳۷
۴۴۴	**باب ۱۲: سفر میں نماز ظہر کی رکعتیں**	۴۳۸
۴۴۵	مطابقت	۴۳۸
۴۴۶	اطراف	۴۳۹
۴۴۷	تعارفِ رجال	۴۳۹
۴۴۸	حکمِ روایت	۴۳۹
۴۴۹	خصوصیاتِ	۴۳۹
۴۵۰	لغات	۴۳۹
۴۵۱	مسائل ونصائح	۴۴۰

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۴۵۲	خلاصہ	۴۴۰	۴۷۵	حکمِ روایت	۴۴۶
۴۵۳	امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال	۴۴۰	۴۷۶	خصوصیاتِ سند	۴۴۶
۴۵۴	**باب ۱۳: نماز عصر کی فضیلت**	۴۴۱	۴۷۷	لغات	۴۴۶
۴۵۵	مطابقت	۴۴۲	۴۷۸	مطابقت	۴۴۷
۴۵۶	اطراف	۴۴۲	۴۷۹	اطراف	۴۴۷
۴۵۷	تعارفِ رجال	۴۴۲	۴۸۰	تعارفِ رجال	۴۴۷
۴۵۸	حضرت اسمعیل بن ابی خالد احمسی رحمہ اللہ کا تعارف	۴۴۲	۴۸۱	حضرت ابوحسان کا تعارف	۴۴۸
۴۵۹	نام ونسب	۴۴۲	۴۸۲	حضرت عبیدہ کا تعارف	۴۴۸
۴۶۰	فضل وکمال	۴۴۲	۴۸۳	حکمِ روایت	۴۴۹
۴۶۱	حدیث	۴۴۲	۴۸۴	خصوصیاتِ سند	۴۴۹
۴۶۲	عمل کا درجہ	۴۴۳	۴۸۵	لغات	۴۴۹
۴۶۳	کسب حلال	۴۴۳	۴۸۶	**باب ۱۵: نمازِ عصر چھوڑنے والے کے لیے وعید**	۴۵۰
۴۶۴	وفات	۴۴۳	۴۸۷	مطابقت	۴۵۰
۴۶۵	حضرت بختری بن ابی البختری کا تعارف	۴۴۳	۴۸۸	اطراف	۴۵۰
۴۶۶	حضرت ابوبکر بن عمارہ کا تعارف	۴۴۳	۴۸۹	تعارفِ رجال	۴۵۰
۴۶۷	حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ کا تعارف	۴۴۴	۴۹۰	حکمِ روایت	۴۵۱
۴۶۸	حکمِ روایت	۴۴۴	۴۹۱	خصوصیاتِ سند	۴۵۱
۴۶۹	خصوصیاتِ سند	۴۴۴	۴۹۲	لغات	۴۵۱
۴۷۰	لغات	۴۴۴	۴۹۳	مسائل ونصائح	۴۵۱
۴۷۱	**باب ۱۴: نماز عصر کی پابندی کرنا**	۴۴۵	۴۹۴	حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور ترک کرنے پر وعیدات	۴۵۲
۴۷۲	مطابقت	۴۴۵	۴۹۵	صلوۃ وسطیٰ کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء	۴۵۶
۴۷۳	اطراف	۴۴۵	۴۹۶	فجر کی نماز کے صلوۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث	۴۵۷
۴۷۴	تعارفِ رجال	۴۴۶	۴۹۷	ظہر کی نماز کے صلوۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث	۴۵۷
۴۷۵	حضرت ابویونس کا تعارف	۴۴۶	۴۹۸	عصر کی نماز کے صلوۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث	۴۵۸

نمبر	عنوان	صفحہ
۴۹۸	قضاء نماز کے واجب ہونے کی تحقیق	۴۶۰
۴۹۹	قضاء نماز پڑھنے کے وجوب پر دلیل	۴۶۰
۵۰۰	قضاء کا معنیٰ اور اس کا شرعی حکم، قضاء کے اعذار اور وجوب قضاء کے دلائل	۴۶۱
۵۰۱	عمداً عصر کی نماز ترک کرنے والے کی مغفرت کیسے ہوگی؟	۴۶۲
۵۰۲	غزوہ خندق کے دن قضاء ہونے والی نمازوں کی تعداد	۴۶۳
۵۰۳	غزوہ خندق کے موقع پر قضاء ہونے والی نمازوں کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق	۴۶۳
۵۰۴	قضاء نمازوں کی ترتیب کا وجوب اور ان کی شرائط	۴۶۴
۵۰۵	اس کی توجیہ کہ فوت شدہ نماز کا کفارہ صرف اس کی قضاء کرنا ہے؟	۴۶۵
۵۰۶	جو نماز کے وقت نشہ میں تھا یا سو گیا تھا یا نماز کو بھول گیا تھا، اس کا کفارہ صرف اس نماز کو ادا کرنا ہے	۴۶۵
۵۰۷	عمداً نماز ترک کرنے پر نماز قضاء کرنے کی دلیل	۴۶۸
۵۰۸	عمداً نماز ترک کرنے والے کو غیر مقلدین کا کافر اور واجب القتل قرار دینا	۴۶۹
۵۰۹	تارکِ نماز کو کافر قرار دینے کے متعلق متاخرین غیر مقلدین علماء کی تصریحات	۴۷۱
۵۱۰	بے عمل اور تارکِ نماز کے متعلق غیر مقلدین کا مسلک	۴۷۴
۵۱۱	بے عمل کلمہ گو کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد	۴۷۴
۵۱۲	بے عمل اور تارکِ نماز کے متعلق اہل سنت اور اہل حق کا مسلک	۴۷۵
۵۱۳	بے نماز کے متعلق شیخ عبد العزیز بن باز کا مفصل فتویٰ	۴۷۵
۵۱۴	میرا دوست نماز پڑھتا ہے اور نہ روزہ رکھتا ہے؟	۴۷۶
۵۱۵	تارکِ نماز کے ساتھ سکونت	۴۷۷
۵۱۶	نماز میں سستی کرنے والے کی صحبت	۴۷۷
۵۱۵	خلاصہ	۴۷۸
۵۱۸	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۴۷۸
۵۱۹	حدیث نمبر ۴۷۱۔۴۷۲ سے مستنبط شدہ مسائل	۴۷۸
۵۲۰	حدیث نمبر ۴۷۳ سے مستنبط شدہ مسائل	۴۷۸
۵۱۲	ادا کا معنی	۴۷۹
۵۲۲	قضاء کا معنی	۴۷۹
۵۲۳	قضاء نمازوں کی ترتیب	۴۷۹
۵۲۴	نمازِ عصر کے قضاء ہونے کا مقام	۴۷۹
۵۲۵	نماز قضاء کون لوگ کریں گے؟	۴۷۹
۵۲۶	جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کا حکم	۴۷۹
۵۲۷	**باب ۱۶: حالتِ اقامت میں نمازِ عصر کی رکعتیں**	۴۸۰
۵۲۸	مطابقت	۴۸۰
۵۲۹	اطراف	۴۸۰
۵۳۰	تعارف رجال	۴۸۰
۵۳۱	حضرت منصور بن زاذان کا تعارف	۴۸۱
۵۳۲	فضل و کمال	۴۸۱
۵۳۳	حدیث	۴۸۱

نمبر	عنوان	صفحہ
۵۳۴	عبادت وریاضت	۴۸۱
۵۳۵	ایک زرین مقولہ	۴۸۲
۵۳۶	وفات	۴۸۲
۵۳۷	حضرت ابوالولید بن مسلم کا تعارف	۴۸۲
۵۳۸	حضرت ابوالصدیق ناجی کا تعارف	۴۸۲
۵۳۹	حکمِ روایت	۴۸۲
۵۴۰	خصوصیاتِ سند	۴۸۲
۵۴۱	لغات	۴۸۳
۵۴۲	مطابقت	۴۸۴
۵۴۳	اطراف	۴۸۴
۵۴۴	تعارف	۴۸۴
۵۴۵	حکمِ روایت	۴۸۴
۵۴۶	خصوصیاتِ سند	۴۸۴
۵۴۷	لغات	۴۸۵
۵۴۸	باب نمبر: ۱۷ سفر میں نماز عصر کی رکعتیں	۴۸۵
۵۴۹	مطابقت	۴۸۵
۵۵۰	اطراف	۴۸۵
۵۵۱	تعارفِ رجال	۴۸۵
۵۵۲	حکمِ رویت	۴۸۶
۵۵۳	خصوصیات	۴۸۶
۵۵۴	لغات	۴۸۶
۵۵۵	مطابقت	۴۸۷
۵۵۶	اطراف	۴۸۷
۵۵۷	تعارفِ رجال	۴۸۷
۵۵۸	حضرت حیوۃ بن شریح کا تعارف	۴۸۷
۵۵۹	حضرت حیوۃ کی کرامت	۴۸۸
۵۶۰	حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف	۴۸۸
۵۶۱	حکمِ رویت	۴۸۹
۵۶۲	خصوصیات	۴۸۹
۵۶۳	لغات	۴۸۹
۵۶۴	مطابقت	۴۹۰
۵۶۵	اطراف	۴۹۰
۵۶۶	تعارفِ رجال	۴۹۰
۵۶۷	حکمِ روایت	۴۹۰
۵۶۸	خصوصیاتِ سند	۴۹۱
۵۶۹	لغات	۴۹۱
۵۷۰	مطابقت	۴۹۱
۵۷۱	اطراف	۴۹۱
۵۷۲	تعارفِ رجال	۴۹۱
۵۷۳	حضرت عبیداللہ بن سعد بن ابراہیم بن سعد کا تعارف	۴۹۲
۵۷۴	حضرت محمد بن اسحاق کا تعارف	۴۹۲
۵۷۵	فضل وکمال	۴۹۲
۵۷۶	حدیث میں ان کا پایہ	۴۹۲
۵۷۷	علماء کا اعتراف	۴۹۲
۵۷۸	امام زہری کا طرز عمل	۴۹۳
۵۷۹	مالک اور ہشام کی جرح اور اس کے اسباب	۴۹۳
۵۸۰	شیوخ	۴۹۵
۵۸۱	تلامذہ	۴۹۵

نمبر	عنوان	صفحہ
۵۸۲	سیرت ومغازی	۴۹۵
۵۸۳	تاریخ	۴۹۶
۵۸۴	تصانیف	۴۹۶
۵۸۵	عقیدہ قدر	۴۹۶
۵۸۶	وفات	۴۹۶
۵۸۷	حکم روایت	۴۹۷
۵۸۸	خصوصیات سند	۴۹۷
۵۸۹	لغات	۴۹۷
۵۹۰	مسائل ونصائح	۴۹۷
۵۹۱	سفر میں نمازِ عصر کی رکعتوں کا بیان	۴۹۷
۵۹۲	روایات میں سند ومتن کا اختلاف	۴۹۷
۵۹۳	مسائل ونصائح	۴۹۹
۵۹۴	نبی کریم ﷺ کے لیے سورج کو ٹھہرانا اور سورج کو لوٹانا	۵۰۲
۵۹۵	علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں	۵۰۲
۵۹۶	علامہ عینی فرماتے ہیں	۵۰۳
۵۹۷	امام الضحاک نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ایسا واقعہ ہوا ہے	۵۰۳
۵۹۸	سورج کو ٹھہرانے اور لوٹانے میں مسند احمد کی روایت سے تعارض کا جواب	۵۰۳
۵۹۹	خلاصہ	۵۰۴
۶۰۰	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۵۰۴
۶۰۱	حدیث نمبر ۴۷۷۔۴۷۹ بطریقہ استنباط استدلال	۵۰۴
۶۰۲	حضور اکرم ﷺ ودیگر انبیاء علیہم السلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کا لوٹایا جانا	۵۰۴
۶۰۳	نمازِ عصر کے فوت ہونے پر وعید کا بیان	۵۰۴
۶۰۴	**باب ۱۸: نمازِ مغرب کی رکعتیں**	۵۰۵
۶۰۵	مطابقت	۵۰۵
۶۰۶	اطراف	۵۰۵
۶۰۷	تعارفِ رجال	۵۰۵
۶۰۸	حکم روایت	۵۰۶
۶۰۹	خصوصیاتِ سند	۵۰۶
۶۱۰	لغات	۵۰۶
۶۱۱	مسائل ونصائح	۵۰۷
۶۱۲	میثاق آدم علیہ السلام اور اس کا مقام	۵۰۷
۶۱۳	بنو آدم سے میثاق لینے کے متعلق احادیث	۵۰۸
۶۱۴	میثاق لینے کا مقام	۵۰۹
۶۱۵	میثاق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکال کا جواب	۵۱۰
۶۱۶	نبی ﷺ کا اصل کائنات ہو	۵۱۱
۶۱۷	خلاصہ	۵۱۲
۶۱۸	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۵۱۲
۶۱۹	**باب ۱۹: نمازِ عشاء کی فضیلت**	۵۱۳
۶۲۰	مطابقت	۵۱۳
۶۲۱	اطراف	۵۱۳
۶۲۲	تعارفِ رجال	۵۱۳
۶۲۳	حکم روایت	۵۱۳
۶۲۴	خصوصیاتِ سند	۵۱۴
۶۲۵	لغات	۵۱۴

نمبر	عنوان	صفحہ
۶۲۵	مسائل ونصائح	۵۱۵
۶۲۶	نمازِ عشاء کی فضیلت	۵۱۵
۶۲۷	اہل مدینہ کی تخصیص کی وجہ	۵۱۶
۶۲۸	نماز کے انتظار کی فضیلت	۵۱۶
۶۲۹	امام کو نماز کے لیے بلانا	۵۱۶
۶۳۰	خلاصہ	۵۱۶
۶۳۱	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۵۱۶
۶۳۲	نمازِ عشاء نہ پڑھنے کے محمل	۵۱۶
۶۳۳	نمازِ عشاء کا مستحب وقت	۵۱۷
۶۳۴	باب ۲۰: سفر میں نمازِ عشاء کی رکعتیں	۵۱۸
۶۳۵	مطابقت	۵۱۸
۶۳۶	اطراف	۵۱۸
۶۳۷	تعارفِ رجال	۵۱۸
۶۳۸	حکمِ روایت	۵۱۸
۶۳۹	لغات	۵۱۹
۶۴۰	مطابقت	۵۱۹
۶۴۱	اطراف	۵۱۹
۶۴۲	تعارف رجال	۵۱۹
۶۴۳	حکمِ روایت	۵۲۰
۶۴۴	خصوصیاتِ سند	۵۲۰
۶۴۵	لغات	۵۲۰
۶۴۶	مسائل ونصائح	۵۲۰
۶۴۷	خلاصہ	۵۲۰
۶۴۸	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۵۲۰
۶۴۹	باب ۲۱: نمازِ فجر کی فضیلت (یا نماز باجماعت کی فضیلت)	۵۲۱
۶۵۰	باب کے قائم کرنے میں تسامح ہونا	۵۲۲
۶۱۵	مطابقت	۵۲۲
۶۵۲	اطراف	۵۲۲
۶۵۳	تعارفِ رجال	۵۲۲
۶۵۴	حکمِ روایت	۵۲۳
۶۵۵	خصوصیاتِ سند	۵۲۳
۶۵۶	لغات	۵۲۳
۶۵۷	مطابقت	۵۲۴
۶۵۸	اطراف	۵۲۴
۶۵۹	تعارفِ رجال	۵۲۵
۶۶۰	حکمِ روایت	۵۲۵
۶۶۱	خصوصیاتِ سند	۵۲۵
۶۶۲	لغات	۵۲۵
۶۶۳	مطابقت	۵۲۶
۶۶۴	اطراف	۵۲۶
۶۶۵	تعارفِ رجال	۵۲۶
۶۶۶	حکمِ روایت	۵۲۷
۶۶۷	خصوصیاتِ سند	۵۲۷
۶۶۸	لغات	۵۲۷
۶۶۹	مسائل ونصائح	۵۲۷
۶۷۰	لفظ قرآن کا منصوب ہونا اور نمازوں میں قرات کی تفصیل	۵۲۸
۶۷۱	نمازِ فجر کی خاص فضیلت	۵۳۱
۶۷۲	فجر اور عصر میں فرشتوں کے اجتماع اور نوید جنت کی وجہ خصوصیت	۵۳۱

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۶۷۳	فرشتوں کے باری باری آنے کی کیفیت اور قرآن مجید میں صرف فجر کے وقت کے ذکر کی توجیہ	۵۳۲	۶۹۶	بیت المقدس کی طرف چہرہ کرنا فرض تھا یا کہ آپ ﷺ کا اختیار	۵۴۰
۶۷۴	فرشتوں کا بنو آدم کی عبادت کا اعتراف کرنا	۵۳۳	۶۹۷	یہود کا اعتراض اور ان کا نادان ہونا	۵۴۱
۶۷۵	خلاصہ	۵۳۳	۶۹۸	قرآن کے ذریعہ سنت کا نسخ	۵۴۲
۶۷۶	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۵۳۳	۶۹۹	اوامر اور زواجر کے احکام کا علم ہونے پر متعلق ہونا	۵۴۵
۶۷۷	نمازِ فجر کی فضیلت	۵۳۳	۷۰۰	نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق	۵۴۶
۶۷۸	نماز باجماعت کی فضیلت	۵۳۳	۷۰۱	اہل کتاب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم	۵۴۷
۶۷۹	**باب ۲۲: نماز میں سمتِ قبلہ کا فرض ہونا**	۵۳۵	۷۰۲	تحویل قبلہ کا مقام	۵۴۸
۶۸۰	مطابقت	۵۳۵	۷۰۳	نماز میں خاص بیت اللہ کا استقبال ضروری نہیں، اس کی سمت کا استقبال بھی بیرونی دنیا کے لیے کافی ہے	۵۴۹
۶۸۱	اطراف	۵۳۵	۷۰۴	اہل اسلام کی تین خصوصیات	۵۵۰
۶۸۲	تعارفِ رجال	۵۳۵	۷۰۵	خلاصہ	۵۵۰
۶۸۳	حکمِ روایت	۵۳۵	۷۰۶	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۵۵۰
۶۸۴	خصوصیاتِ سند	۵۳۶	۷۰۷	تحویل قبلہ کا مقام	۵۵۱
۶۸۵	لغات	۵۳۶	۷۰۸	مسجد قبلتین کی وجہ تسمیہ	۵۵۱
۶۸۶	مطابقت	۵۳۷	۷۰۹	انصار کے مذکورہ قبیلے کا نام	۵۵۱
۶۸۷	اطراف	۵۳۷	۷۱۰	**باب ۲۳: غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا جواز**	۵۵۲
۶۸۸	تعارفِ رجال	۵۳۷	۷۱۱	مطابقت	۵۵۲
۶۸۹	حضرت محمد بن اسماعیل بن ابراہیم کا تعارف	۵۳۷	۷۱۲	اطراف	۵۵۲
۶۹۰	حضرت اسحاق بن یوسف کا تعارف	۵۳۸	۷۱۳	تعارفِ رجال	۵۵۲
۶۹۱	حکمِ روایت	۵۳۸	۷۱۴	حضرت سالم بن عبد اللہ کا تعارف	۵۵۳
۶۹۲	خصوصیاتِ سند	۵۳۸	۷۱۵	نام ونسب	۵۵۳
۶۹۳	لغات	۵۳۸	۷۱۶	فضل وکمال	۵۵۳
۶۹۴	مسائل ونصائح	۵۳۹	۷۱۷	تفسیر	۵۵۳
۶۹۵	شریعت محمدیہ میں ناسخ اور منسوخ	۵۳۹	۷۱۸	حدیث	۵۵۳

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۷۱۹	تلامذہ	۵۵۴	۷۴۳	تعارفِ رجال	۵۶۰
۷۲۰	فقہ	۵۵۴	۷۴۴	حکمِ روایت	۵۶۰
۷۲۱	زہد وتقویٰ	۵۵۴	۷۴۵	خصوصیاتِ سند	۵۶۰
۷۲۲	صحتِ عقیدہ	۵۵۴	۷۴۶	لغات	۵۶۰
۷۲۳	شدتِ احتیاط	۵۵۴	۷۴۷	مسائل ونصائح	۵۶۰
۷۲۴	خونِ مسلم کی حرمت	۵۵۴	۷۴۸	نمازِ وتر کا حکم	۵۶۲
۷۲۵	امراء کی دولت سے بے نیازی	۵۵۵	۷۴۹	سواری پر وتر پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کے دلائل	۵۶۳
۷۲۶	پند وموعظت	۵۵۵	۷۵۰	سواری پر وتر پڑھنے کے منسوخ ہونے کا بیان	۵۶۳
۷۲۷	باپ کی محبت	۵۵۵	۷۵۱	سواری پر وتر پڑھنے کے عدم جواز کے متعلق صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کے آثار	۵۶۵
۷۲۸	وفات	۵۵۶	۷۵۲	وتر کے حکم میں مذاہب ائمہ	۵۶۵
۷۲۹	حلیہ ولباس وغیرہ	۵۵۶	۷۵۳	وجوب وتر پر احناف کے مزید دلائل	۵۶۷
۷۳۰	اولاد	۵۵۶	۷۵۴	ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب	۵۶۸
۷۳۱	حکمِ روایت	۵۵۶	۷۵۵	رکعات وتر میں مذاہب ائمہ	۵۷۰
۷۳۲	خصوصیاتِ سند	۵۵۷	۷۵۶	تین رکعت وتر پر احناف کے دلائل	۵۷۱
۷۳۳	لغات	۵۵۷	۷۵۷	ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات	۵۷۴
۷۳۴	مطابقت	۵۵۸	۷۵۸	ایک رکعت وتر پر استدلال کا جواب	۵۷۶
۷۳۵	اطراف	۵۵۸	۷۵۹	قنوت وتر میں مذاہب	۵۷۶
۷۳۶	تعارفِ رجال	۵۵۸	۷۶۰	قنوت بعد از رکوع پر شوافع اور حنابلہ کے دلائل	۵۷۷
۷۳۷	حکمِ روایت	۵۵۸	۷۶۱	قنوت قبل از رکوع پر احناف کے دلائل	۵۷۷
۷۳۸	خصوصیاتِ سند	۵۵۸	۷۶۲	قنوت وتر کا محل	۵۷۸
۷۳۹	لغات	۵۵۹	۷۶۳	فرض نماز کو سواری پر پڑھنے کے اعذار	۵۷۹
۷۴۰	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول	۵۵۹	۷۶۴	چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا اعذار مذکورہ سے بڑا عذر ہے	۵۸۰
۷۴۱	مطابقت	۵۵۹	۷۶۵	المحیط کی اصل عبارت	۵۸۰
۷۴۲	اطراف	۵۵۹	۷۶۶	خلاصہ	۵۸۱

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۷۶۷	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۵۸۱	۷۹۰	نسخ الحدیث بالحدیث	۵۸۹
۷۶۸	سواری پر نفل نماز کا پڑھنا	۵۸۱	۷۹۱	نسخ الحدیث بالقرآن	۵۸۹
۷۶۹	حالتِ خوف یا عجز میں قبلہ رخ کی شرط کا نہ ہونا	۵۸۱	۷۹۲	تحویل قبلہ کی تاریخ	۵۸۹
۷۷۰	وتر کا سنت یا واجب ہونا	۵۸۱	۷۹۳	کعبہ کی طرف پہلی نماز	۵۸۹
۷۷۱	وتر کی رکعتیں	۵۸۱	۷۹۴	روایات میں تطبیق	۵۹۰
۷۷۲	وتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا	۵۸۱	۷۹۵	خبر واحد پر عمل	۵۹۰
۷۷۳	دعائے قنوت قبل از رکوع یا بعد از رکوع پڑھنا	۵۸۱	۷۹۶	ورود شرع سے قبل تکلیف کا حکم	۵۹۱
۷۷۴	عذر کی بناء پر سواری پر فرض اور وتر پڑھنے کا جواز	۵۸۱	۷۹۷	اشاعرہ کے دلائل	۵۹۱
۷۷۵	سواری پر وتر پڑھنے کا حکم	۵۸۲	۷۹۸	مکہ میں قبلہ کا رخ	۵۹۲
۷۷۶	**باب: ۲۴ غور وفکر کے باوجود استقبال قبلہ میں خطا واقع ہونا**	۵۸۲	۷۹۹	قبلہ کے بارے میں غور وفکر کرنے کے بعد پڑھی گئی نماز کا حکم	۵۹۲
۷۷۷	مطابقت	۵۸۲	۸۰۰	احناف کا قول اور امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک	۵۹۳
۷۷۸	اطراف	۵۸۳	۸۰۱	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال	۵۹۳
۷۷۹	تعارفِ رجال	۵۸۳	۸۰۲	احناف کا استدلال	۵۹۴
۷۹۰	حکم روایت	۵۸۳	۸۰۳	خلاصہ	۵۹۴
۷۸۱	خصوصیاتِ سند	۵۸۳	۸۰۴	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۵۹۴
۷۸۲	لغات	۵۸۴	۸۰۵	نسخ کی تعریف	۵۹۴
۷۸۳	مسائل ونصائح	۵۸۴	۸۰۶	نسخ کی چار صورتیں	۵۹۵
۷۸۴	نسخ اور دیگر ابحاث	۵۸۵	۸۰۷	خبر واحد پر عمل کرنا	۵۹۵
۷۸۵	نسخ کی بحث	۵۸۵	۸۰۸	احکام شرع کا مکلف ہونا	۵۹۵
۷۸۶	نسخ کی تعریفات	۵۸۵	۸۰۹	غور وفکر کرنے کے بعد جہت قبلہ میں غلطی کا حکم	۵۹۵
۷۸۷	نسخ کی اقسام	۵۸۶	۸۱۰	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف	۵۹۵
۷۸۸	نسخ القرآن بالقرآن	۵۸۷	۸۱۱	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا موقف	۵۹۵
۷۸۹	نسخ القرآن بالحدیث	۵۸۸	۸۱۲	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف	۵۹۶

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۸۱۳	نماز کے اوقات	۵۹۷	۸۳۶	مسائل ونصائح	۶۰۶
۸۱۴	فجر کا وقت	۵۹۹	۸۳۷	آئمہ اربعہ کے نزدیک پانچ نمازوں کا حکم اور ان کے اوقات	۶۰۶
۸۱۵	ظہر کا وقت	۵۹۹	۸۳۸	ظہر کا اول اور آخری وقت	۶۰۸
۸۱۶	عصر کا وقت	۵۹۹	۸۳۹	نماز ظہر میں ابراد (ٹھنڈا) کرنا	۶۰۸
۸۱۷	مغرب کا وقت	۵۹۹	۸۴۰	ظہر کو قصر کرنا اور اس کو عصر کے ساتھ جمع کرنا	۵۰۹
۸۱۸	عشاء کا وقت	۵۹۹	۸۴۱	ظہر میں مستحب قرات	۵۰۹
۸۱۹	نمازوں کو اوقات مقررہ پر ادا کرنے کی فضیلت واہمیت	۵۹۹	۸۴۲	نماز عصر	۵۰۹
۸۲۰	باب ا: حضرت جبرائیل امین کی امامت اور پانچوں نمازوں کے اوقات	۶۰۲	۸۴۳	عصر کا اول وآخری وقت	۶۱۰
۸۲۱	مطابقت	۶۰۳	۸۴۴	عصر میں مستحب قرات	۶۱۱
۸۲۲	اطراف	۶۰۳	۸۴۵	عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا	۶۱۱
۸۲۳	تعارفِ رجال	۶۰۳	۸۴۶	نماز مغرب	۶۱۱
۸۲۴	حضرت بشیر بن ابی مسعود کا تعارف	۶۰۳	۸۴۷	مغرب کا اول وآخر وقت	۶۱۲
۸۲۵	حضرت ابومسعود کا تعارف	۶۰۳	۸۴۸	مغرب کا نام عشاء رکھنا	۶۱۲
۸۲۶	نام ونسب	۶۰۳	۸۴۹	نماز عشاء	۶۱۲
۸۲۷	اسلام	۶۰۴	۸۵۰	نماز عشاء کو عتمہ کہنا	۶۱۳
۸۲۸	غزوات اور عام حالات	۶۰۴	۸۵۱	عشاء کا اول اور آخری وقت	۶۱۳
۸۲۹	وفات	۶۰۴	۸۵۲	عشاء نہ پانے والے کی نماز	۶۱۴
۸۳۰	اولاد	۶۰۴	۸۵۳	نماز عشاء کی تاخیر	۶۱۴
۸۳۱	فضل وکمال	۶۰۴	۸۵۴	نماز عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کی کراہت	۶۱۵
۸۳۲	اخلاق	۶۰۵	۸۵۵	نماز فجر	۶۱۶
۸۳۳	حکمِ روایت	۶۰۵	۸۵۶	فجر دو ہیں	۶۱۶
۸۳۴	خصوصیاتِ سند	۶۰۵	۸۵۷	نماز فجر کا غداۃ نام رکھنا	۶۱۷
۸۳۵	لغات	۶۰۶	۸۵۸	فجر کو نماز وسطیٰ کہنا	۶۱۷

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۸۵۹	فجر کا اول وآخری وقت	۶۱۷	۸۸۰	حضرت سیار بن سلامہ کا تعارف	۶۲۹
۸۶۰	فجر میں قرأت	۶۱۸	۸۸۱	حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ	۶۳۰
۸۶۱	نماز فجر کے بعد اور اس سے قبل نفل کی ممانعت	۶۱۸	۸۸۲	نام ونسب	۶۳۰
۸۶۲	فجر میں تغلیس یا اسفار	۶۱۸	۸۸۳	اسلام وغزوات	۶۳۰
۸۶۳	نماز فجر میں قنوت	۶۱۹	۸۸۴	وفات	۶۳۰
۸۶۴	پانچ نمازوں کی فرضیت کا ثبوت	۶۱۹	۸۸۵	فضل وکمال	۶۳۰
۸۶۵	قرآن مجید سے استدلال	۶۱۹	۸۸۶	زہد وعفاف	۶۳۱
۸۶۶	احادیث سے استدلال	۶۲۱	۸۸۷	مسکین نوازی	۶۳۱
۸۶۷	اجماع امت سے استدلال	۶۲۱	۸۸۸	احترام نبوت	۶۳۱
۸۶۸	عقل سے تائید	۶۲۲	۸۸۹	حکم روایت	۶۳۲
۸۶۹	حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا نماز موخر کرنا	۶۲۳	۸۹۰	خصوصیاتِ سند	۶۳۲
۸۷۰	حضرت عمر بن عبد العزیز نے جو نماز میں تاخیر کی تھی، یہ ان کا معمول نہیں تھا اور موخر ہونے والی نماز کی تعیین	۶۲۳	۸۹۱	لغات	۶۳۲
۸۷۱	حضرت جبریل کا پانچ نمازوں میں نبی ﷺ کی امامت کروانا	۶۲۴	۸۹۲	مطابقت	۶۳۳
۸۷۲	رسول اللہ ﷺ کا مقتدی ہونا، آپ ﷺ کے افضل ہونے کے منافی نہیں	۶۲۴	۸۹۳	اطراف	۶۳۳
۸۷۳	خلاصہ	۶۲۵	۸۹۴	تعارفِ رجال	۶۳۳
۸۷۴	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۶۲۵	۸۹۵	حکمِ روایت	۶۳۴
۸۷۵	**باب ۲: نمازِ ظہر کا ابتدائی وقت**	۶۲۸	۸۹۶	خصوصیاتِ سند	۶۳۴
۸۷۶	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے پہلے نمازِ ظہر کے اوقات کو ذکر کرنے کی وجہ	۶۲۸	۸۹۷	لغات	۶۳۴
۸۷۷	مطابقت	۶۲۹	۸۹۸	مطابقت	۶۳۴
۸۷۸	اطراف	۶۲۹	۸۹۹	اطراف	۶۳۵
۸۷۹	تعارفِ رجال	۶۲۹	۹۰۰	تعارفِ رجال	۶۳۵

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۹۰۱	حضرت حمید بن عبدالرحمان کا تعارف	۶۳۵	۹۲۵	تعارفِ رجال	۶۴۲
۹۰۲	حضرت سعید بن وہب کا تعارف	۶۳۵	۹۲۶	حضرت ابو سعید کا تعارف	۶۴۲
۹۰۳	حضرت خباب بن ارت کا تعارف	۶۳۵	۹۲۷	خالد بن دینار	۶۴۳
۹۰۴	اسلام	۶۳۶	۹۲۸	حکمِ روایت	۶۴۳
۹۰۵	ابتلاء و آزمائش	۶۳۶	۹۲۹	خصوصیاتِ سند	۶۴۳
۹۰۶	ہجرت و مواخات	۶۳۷	۹۳۰	لغات	۶۴۳
۹۰۷	علالت و وفات	۶۳۷	۹۳۱	باب ۵: جب گرمی زیادہ ہو تو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھنا	۶۴۴
۹۰۸	وصیت اور وفات	۶۳۸	۹۳۲	مطابقت	۶۴۴
۹۰۹	ذریعہ معاش	۶۳۸	۹۳۳	اطراف	۶۴۴
۹۱۰	فضل و کمال	۶۳۸	۹۳۴	تعارفِ رجال	۶۴۴
۹۱۱	حکمِ روایت	۶۳۸	۹۳۵	حکمِ روایت	۶۴۴
۹۱۲	خصوصیاتِ سند	۶۳۹	۹۳۶	خصوصیاتِ سند	۶۴۴
۹۱۳	لغات	۶۳۹	۹۳۷	لغات	۶۴۵
۹۱۴	باب ۳: سفر میں ظہر جلدی پڑھنا	۶۴۰	۹۳۸	مطابقت	۶۴۵
۹۱۵	مطابقت	۶۴۰	۹۳۹	اطراف	۶۴۶
۹۱۶	اطراف	۶۴۰	۹۴۰	تعارفِ رجال	۶۴۶
۹۱۷	تعارفِ رجال	۶۴۰	۹۴۱	حضرت عمر بن حفص کا تعارف	۶۴۶
۹۱۸	حمزہ عائذی	۶۴۱	۹۴۲	حضرت یحییٰ بن معین کا تعارف	۶۴۶
۹۱۹	حکمِ روایت	۶۴۱	۹۴۳	نام و نسب	۶۴۷
۹۲۰	خصوصیاتِ سند	۶۴۱	۹۴۴	تحصیلِ علم	۶۴۷
۹۲۱	لغات	۶۴۱	۹۴۵	شیوخِ حدیث	۶۴۷
۹۲۲	باب ۴: سردیوں میں ظہر جلدی پڑھنا	۶۴۲	۹۴۶	کتابتِ حدیث	۶۴۸
۹۲۳	مطابقت	۶۴۲	۹۴۷	تلامذہ	۶۴۸
۹۲۴	اطراف	۶۴۲	۹۴۸	حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی کارنامہ	۶۴۸

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۹۴۹	احساس ذمہ داری	۶۵۰	۹۷۱	مسائل ونصائح	۶۶۰
۹۵۰	آئمہ حدیث کی رائے	۶۵۲	۹۷۲	وقت کی تعریف	۶۶۰
۹۵۱	وفات	۶۵۳	۹۷۳	مقررہ اوقات والی نمازوں کی اقسام	۶۶۰
۹۵۲	حضرت الحسن بن عبید اللہ کا تعارف	۶۵۴	۹۷۴	فرض نمازوں کے اوقات	۶۶۱
۹۵۳	حضرت یزید بن اوس کا تعارف	۶۵۴	۹۷۵	ان اوقات کی مشروعیت کی دلیل	۶۶۱
۹۵۴	حضرت ثابت بن قیس کا تعارف	۶۵۴	۹۷۶	فرض نمازوں کے اوقات کی تعداد	۶۶۲
۹۵۵	حکم روایت	۶۵۴	۹۷۷	ظہر کا وقت	۶۶۳
۹۵۶	خصوصیاتِ سند	۶۵۴	۹۷۸	نماز ظہر کا وقت فقہاء اور احناف کا موقف اور دلائل	۶۶۳
۹۵۷	لغات	۶۵۵	۹۷۹	وقت زوال کا فقہی معنی	۶۶۹
۹۵۸	باب ۶: ظہر کا آخری وقت	۶۵۵	۹۸۰	ظہر کی نماز کے وقت میں مذاہب اربعہ، زوال کے وقت میں ظہر کی نماز کی فرضیت پر دلائل اور امام ابوحنیفہ پر اعتراضات	۶۷۰
۹۵۹	مطابقت	۶۵۶	۹۸۱	علامہ ابن بطال کے اعتراض کا علامہ عینی کی طرف سے جواب	۶۷۳
۹۶۰	اطراف	۶۵۶	۹۸۲	حافظ ابن حجر عسقلانی کا بھی اس ضعیف قول کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے علامہ ابن بطال پر رد کرنا	۶۷۳
۹۶۱	تعارفِ رجال	۶۵۷	۹۸۳	علامہ عینی کا علامہ سرخسی حنفی کی عبارت سے علامہ ابن بطال پر رد کرنا	۶۷۴
۹۶۲	حکم روایت	۶۵۷	۹۸۴	علامہ سعیدی کا مقدم ائمہ احناف کی عبارات سے علامہ ابن بطال پر رد کرنا	۶۷۴
۹۶۳	خصوصیاتِ سند	۶۵۷	۹۸۵	امام ابوحنیفہ پر علامہ ابن بطال کے اعتراضات کا اجمالی جائزہ اور ان اعتراضات کے جوابات	۶۷۷
۹۶۴	لغات	۶۵۷	۹۸۶	سایہ اصلی کی پہچان کا طریقہ	۶۷۸
۹۶۵	مطابقت	۶۵۸	۹۸۷	خلاصہ	۶۷۹
۹۶۶	اطراف	۶۵۸	۹۸۸	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۶۷۹
۹۶۷	تعارف رجال	۶۵۹	۹۸۹	ظہر کا ابتدائی وقت	۶۷۹
۹۶۸	حضرت ابوعبد الرحمان عبد اللہ بن محمد ازدی کا تعارف	۶۵۹	۹۹۰	نماز ظہر کا آخری وقت	۶۷۹
۹۶۹	حکم روایت	۶۵۹	۹۹۱	سایہ اصلی	۶۷۹
۹۷۰	خصوصیاتِ سند	۶۵۹	۹۹۲	وقتِ زوال معلوم کرنے کا طریقہ	۶۷۰

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
٩٩٣	آئمہ اربعہ کے نزدیک ظہر کا ابتدائی وقت	٦٧٠	١٠١٧	اطراف	٦٨٧
٩٩٤	آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ظہر کا آخری وقت	٦٧٠	١٠١٨	تعارفِ رجال	٦٨٧
٩٩٥	امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت	٦٧٠	١٠١٩	حکم روایت	٦٨٧
٩٩٦	قول شاذ	٦٧٠	١٠٢٠	خصوصیاتِ سند	٦٨٧
٩٩٧	قولِ راجح اور مفتی بہ	٦٧٠	١٠٢١	لغات	٦٨٨
٩٩٨	ظہر کا مستحب وقت	٦٨١	١٠٢٢	مطابقت	٦٨٨
٩٩٩	**باب ٧: نمازِ عصر کا ابتدائی وقت**	٦٨٢	١٠٢٣	اطراف	٦٨٨
١٠٠٠	مطابقت	٦٨٢	١٠٢٤	تعارف رجال	٦٨٨
١٠٠١	اطراف	٦٨٢	١٠٢٥	حکم روایت	٦٨٩
١٠٠٢	تعارفِ رجال	٦٨٣	١٠٢٦	خصوصیاتِ سند	٦٨٩
١٠٠٣	حضرت عبداللہ بن حارث کا تعارف	٦٨٣	١٠٢٧	لغات	٦٨٩
١٠٠٤	حضرت ثور بن یزید کا تعارف	٦٨٣	١٠٢٨	مطابقت	٦٨٩
١٠٠٥	حضرت سلیمان بن موسیٰ کا تعارف	٦٨٣	١٠٢٩	اطراف	٦٨٩
١٠٠٦	حکم روایت	٦٨٤	١٠٣٠	تعارف رجال	٦٨٩
١٠٠٧	خصوصیاتِ سند	٦٨٤	١٠٣١	حضرت ربعی بن حراش کا تعارف	٦٩٠
١٠٠٨	لغات	٦٨٤	١٠٣٢	حضرت ابولابیض کا تعارف	٦٩٠
١٠٠٩	**باب ٨: نمازِ عصر جلدی پڑھنا**	٦٨٥	١٠٣٣	حکمِ روایت	٦٩١
١٠١٠	مطابقت	٦٨٥	١٠٣٤	خصوصیاتِ سند	٦٩١
١٠١١	اطراف	٦٨٥	١٠٣٥	لغات	٦٩١
١٠١٢	تعارف رجال	٦٨٥	١٠٣٦	مطابقت	٦٩١
١٠١٣	حکم روایت	٦٨٥	١٠٣٧	اطراف	٦٩٢
١٠١٤	خصوصیاتِ سند	٦٨٦	١٠٣٨	تعارفِ رجال	٦٩٢
١٠١٥	لغات	٦٨٦	١٠٣٩	حضرت ابوبکر بن عثمان کا تعارف	٦٩٢
١٠١٦	مطابقت	٦٨٦	١٠٤٠	حضرت ابوامامہ بن سہل کا تعارف	٦٩٢

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۰۴۱	حکمِ روایت	۶۹۲	۱۰۶۴	**باب ۱۰: نمازِ عصر کا آخری وقت**	۶۹۹
۱۰۴۲	خصوصیاتِ سند	۶۹۳	۱۰۶۵	مطابقت	۷۰۱
۱۰۴۳	لغات	۶۹۳	۱۰۶۶	باب کا عنوان کا قائم کرنے میں تسامح	۷۰۱
۱۰۴۴	مطابقت	۶۹۴	۱۰۶۷	اطراف	۷۰۱
۱۰۴۵	اطراف	۶۹۴	۱۰۶۸	تعارفِ رجال	۷۰۱
۱۰۴۶	تعارف رجال	۶۹۴	۱۰۶۹	حضرت ابو یوسف کا تعارف	۷۰۱
۱۰۴۷	حضرت ابوعلقمہ المدنی کا تعارف	۶۹۴	۱۰۷۰	حضرت قدامہ بن شہاب کا تعارف	۷۰۱
۱۰۴۸	حکمِ روایت	۶۹۴	۱۰۷۱	حکمِ روایت	۷۰۲
۱۰۴۹	خصوصیاتِ سند	۶۹۴	۱۰۷۲	خصوصیاتِ سند	۷۰۲
۱۰۵۰	لغات	۶۹۵	۱۰۷۳	لغات	۷۰۲
۱۰۵۱	**باب ۹: نمازِ عصر کو دیر سے پڑھنے پر سخت وعید**	۶۹۶	۱۰۷۴	**باب ۱۱: عصر کی دو رکعات پا لینے والے کا حکم**	۷۰۳
۱۰۵۲	مطابقت	۶۹۶	۱۰۷۵	مطابقت	۷۰۴
۱۰۵۳	اطراف	۶۹۶	۱۰۷۶	اطراف	۷۰۴
۱۰۵۴	تعارفِ رجال	۶۹۷	۱۰۷۷	تعارفِ رجال	۷۰۴
۱۰۵۵	حکمِ روایت	۶۹۷	۱۰۷۸	حضرت عبداللہ بن طاؤس کا تعارف	۷۰۴
۱۰۵۶	خصوصیاتِ سند	۶۹۷	۱۰۷۹	حضرت طاؤس بن کیسان کا تعارف	۷۰۵
۱۰۵۷	لغات	۶۹۷	۱۰۸۰	نام ونسب	۷۰۵
۱۰۵۸	مطابقت	۶۹۸	۱۰۸۱	فضل وکمال	۷۰۵
۱۰۵۹	اطراف	۶۹۸	۱۰۸۲	حدیث	۷۰۵
۱۰۶۰	تعارفِ رجال	۶۹۸	۱۰۸۳	فقہ	۷۰۵
۱۰۶۱	حکمِ روایت	۶۹۸	۱۰۸۴	تلامذہ	۷۰۵
۱۰۶۲	خصوصیاتِ سند	۶۹۸	۱۰۸۵	معاصر علماء میں ان کا درجہ	۷۰۶
۱۰۶۳	لغات	۶۹۹	۱۰۸۶	ارباب علم کا اعتراف	۷۰۶

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۰۸۷	زہدوعبادت	۷۰۶
۱۰۸۸	انفاق فی سبیل اللہ	۷۰۶
۱۰۹۸	دولتِ دنیا سے بیزاری	۷۰۶
۱۰۹۰	تحصیلداری کا عہدہ	۷۰۷
۱۰۹۱	خلفاء کو نصیحت	۷۰۷
۱۰۹۲	قرآن کا احترام	۷۰۸
۱۰۹۳	نوجوانوں کی اصلاح	۷۰۸
۱۰۹۴	عیدالمومنین	۷۰۸
۱۰۹۵	وفات	۷۰۸
۱۰۹۶	حکمِ روایت	۷۰۸
۱۰۹۷	خصوصیاتِ سند	۷۰۸
۱۰۹۸	لغات	۷۰۹
۱۰۹۹	مطابقت	۷۰۹
۱۱۰۰	اطراف	۷۰۹
۱۱۰۱	تعارفِ رجال	۷۱۰
۱۱۰۲	حکمِ روایت	۷۱۰
۱۱۰۳	خصوصیاتِ سند	۷۱۰
۱۱۰۴	لغات	۷۱۰
۱۱۰۵	مطابقت	۷۱۱
۱۱۰۶	اطراف	۷۱۱
۱۱۰۷	تعارفِ رجال	۷۱۱
۱۱۰۸	حکمِ روایت	۷۱۱
۱۱۰۹	خصوصیاتِ سند	۷۱۱
۱۱۱۰	لغات	۷۱۲
۱۱۱۱	مطابقت	۷۱۲
۱۱۱۲	اطراف	۷۱۲
۱۱۱۳	تعارفِ رجال	۷۱۲
۱۱۱۴	حضرت بسر بن سعید رضی اللہ عنہ کا تعارف	۷۱۳
۱۱۱۵	نام ونسب	۷۱۳
۱۱۱۶	فضل وکمال	۷۱۳
۱۱۱۷	زہد وورع	۷۱۳
۱۱۱۸	حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پر اثر	۷۱۳
۱۱۱۹	وفات	۷۱۳
۱۱۲۰	حکمِ روایت	۷۱۴
۱۱۲۱	خصوصیاتِ سند	۷۱۴
۱۱۲۲	لغات	۷۱۴
۱۱۲۳	مطابقت	۷۱۵
۱۱۲۴	اطراف	۷۱۵
۱۱۲۵	تعارفِ رجال	۷۱۵
۱۱۲۶	حضرت سعید بن عامر کا تعارف	۷۱۵
۱۱۲۷	حضرت سعید بن عامر کے بارے میں علماء کے اقوال	۷۱۵
۱۱۲۸	حضرت نصر بن عبدالرحمٰن کا تعارف	۷۱۶
۱۱۲۹	حضرت معاذ کا تعارف	۷۱۶
۱۱۳۰	حضرت معاذ بن عفراء کا تعارف	۷۱۶
۱۱۳۱	نام ونسب	۷۱۶
۱۱۳۲	اسلام	۷۱۶
۱۱۳۳	مواخاۃ	۷۱۶
۱۱۳۴	غزوات	۷۱۶

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۱۳۵	وفات	۷۱۷	۱۱۵۷	عصر کے اولِ وقت کے متعلق دو مثل سائے کی احادیث پر کلام	۷۲۲
۱۱۳۶	اخلاق	۷۱۷	۱۱۵۹	عمر بن عبدالعزیز کے تاخیر سے عصر کی نماز پڑھنے کی توجیہ	۷۲۴
۱۱۳۷	حکم روایت	۷۱۷	۱۱۶۰	''وتر'' کا معنی نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی اہمیت اور عصر کی نماز کی تعظیم کی خصوصیت	۷۲۵
۱۱۳۸	حدیث مذکور کا باعتبار سند مضطرب ہونا	۷۱۸	۱۱۶۱	جن کو عصر یا فجر کی ایک رکعت کا وقت ملا، ان کی نماز پوری کرنے کے متعلق مذاہب آئمہ	۷۲۷
۱۱۳۹	سند اول	۷۱۸	۱۱۶۲	فجر اور عصر کی نماز پوری کرنے کے متعلق امام اعظم کے مذہب کی تفصیل	۷۲۸
۱۱۴۰	امام نسائی کی سند	۷۱۸	۱۱۶۳	سورج طلوع ہونے کے بعد فجر کی نماز پوری کرنے میں احادیث کی مخالفت	۷۲۹
۱۱۴۱	امام احمد بن حنبل کی سندیں	۷۱۸	۱۱۶۴	طلوعِ آفتاب کے بعد نماز پوری نہ کرنے اور غروبِ آفتاب کے بعد نماز پوری کرنے کے فرق کی وضاحت	۷۳۰
۱۱۴۲	علامہ مزی کی اسناد	۷۱۸	۱۱۶۵	باب مذکور کی حدیث کا محمل	۷۳۰
۱۱۴۳	نتیجہ بحث	۷۱۹	۱۱۶۶	نماز عصر کا وقت	۷۳۱
۱۱۴۴	سند ثانی	۷۱۹	۱۱۶۷	عصر کا اول اور آخری وقت	۷۳۲
۱۱۴۵	امام بغوی کی سند	۷۱۹	۱۱۶۸	عصر کا آخری وقت	۷۳۳
۱۱۴۶	نتیجہ بحث	۷۱۹	۱۱۶۹	عصر میں مستحب قرأت	۷۳۳
۱۱۴۷	سند مذکور سے رفع اضطراب کی صورت	۷۱۹	۱۱۷۰	عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا	۷۳۴
۱۱۴۸	ترجیح کی وجہ اول	۷۱۹	۱۱۷۱	نمازِ عصر کا وقتِ مستحب اور وقتِ مکروہ	۷۳۴
۱۱۴۹	ترجیح کی وجہ ثانی	۷۱۹	۱۱۷۲	خلاصہ	۷۳۶
۱۱۵۰	خلاصہ تحقیق	۷۲۰	۱۱۷۳	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۷۳۶
۱۱۵۱	شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی کا تسامح	۷۲۰	۱۱۷۴	نماز عصر کو جلدی پڑھنا	۷۳۶
۱۱۵۲	خلاصہ تحقیق	۷۲۰	۱۱۷۵	عصر کی تاخیر پر وعید	۷۳۷
۱۱۵۳	خصوصیاتِ سند	۷۲۰	۱۱۷۶	نماز عصر کا آخری وقت	۷۳۷
۱۱۵۴	لغات	۷۲۱	۱۱۷۷	غروب آفتاب سے پہلے عصر کی دو یا ایک رکعت کا پالینا	۷۳۷
۱۱۵۵	مسائل ونصائح	۷۲۱	۱۱۷۸	آئمہ اربعہ کے نزدیک عصر کا ابتدائی اور آخری وقت	۷۳۷
۱۱۵۶	ابن بطال کا ابوحنیفہ پر اعتراض اور علامہ سعیدی کی طرف سے جواب	۷۲۲	۱۱۷۹	نمازِ عصر میں مستحب قرأت	۷۳۷

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۱۸۰	فقہاء احناف وشوافع کا موقف	۷۳۷
۱۱۸۱	فقہاء مالکیہ کا موقف	۷۳۷
۱۱۸۲	فقہاء حنابلہ کا موقف	۷۳۷
۱۱۸۳	سرّی قراءت کا حکم	۷۳۷
۱۱۸۴	نمازِ عصر کے بعد نفل پڑھنے کا حکم	۷۳۸
۱۱۸۵	نمازِ عصر کا مستحب اور مکروہ وقت	۷۳۸
۱۱۸۶	غروب آفتاب سے قبل نمازِ عصر کی رکعت پالینا	۷۳۸
۱۱۸۷	**باب ۱۲: نمازِ مغرب کا ابتدائی وقت**	۷۳۸
۱۱۸۸	مطابقت	۷۳۹
۱۱۸۹	اطراف	۷۳۹
۱۱۹۰	تعارفِ رجال	۷۴۰
۱۱۹۱	حضرت مخلد بن یزید کا تعارف	۷۴۰
۱۱۹۲	حکم راویت	۷۴۰
۱۱۹۳	خصوصیاتِ سند	۷۴۰
۱۱۹۴	لغات	۷۴۱
۱۱۹۵	**باب ۱۳: مغرب کو جلدی پڑھنا**	۷۴۲
۱۱۹۶	مطابقت	۷۴۲
۱۱۹۷	اطراف	۷۴۲
۱۱۹۸	تعارفِ رجال	۷۴۲
۱۱۹۹	حضرت ابوبشر کا تعارف	۷۴۳
۱۲۰۰	حضرت حسان بن بلال کا تعارف	۷۴۳
۱۲۰۱	رجل من اسلم	۷۴۳
۱۲۰۲	حکمِ روایت	۷۴۳
۱۲۰۳	خصوصیاتِ سند	۷۴۳
۱۲۰۴	**باب ۱۴: مغرب دیر سے پڑھنا**	۷۴۴
۱۲۰۵	مطابقت	۷۴۵
۱۲۰۶	اطراف	۷۴۵
۱۲۰۷	تعارفِ رجال	۷۴۵
۱۲۰۸	حضرت ربن نعیم کا تعارف	۷۴۶
۱۲۰۹	حضرت ابن ہبیرہ کا تعارف	۷۴۶
۱۲۱۰	حضرت ابوتمیم الجیشانی کا تعارف	۷۴۶
۱۲۱۱	حضرت ابوبصرہ غفاری کا تعارف	۷۴۶
۱۲۱۲	حکم روایت	۷۴۶
۱۲۱۳	والشاھد: النجم کے الفاظ کا مرفوع یا مدرج ہونا	۷۴۷
۱۲۱۴	خلاصہ تحقیق	۷۴۸
۱۲۱۵	مدارج کا مفہوم	۷۴۸
۱۲۱۶	المدرج	۷۴۸
۱۲۱۷	لغوی معنی اور مفہوم	۷۴۸
۱۲۱۸	اصطلاحی معنی	۷۴۸
۱۲۱۹	مدرج کی اقسام	۷۴۹
۱۲۲۰	مدرج الاسناد	۷۴۹
۱۲۲۱	مختلف اسناد کا جمع کرنا	۷۴۹
۱۲۲۲	روایت کا حصہ دوسری سند سے بیان کرنا	۷۵۱
۱۲۲۳	راوی کا سند ومتن میں تصرف کرنا	۷۶۲
۱۲۲۴	بالواسطہ متن کا بلاواسطہ بیان	۷۵۴
۱۲۲۵	مدرج المتن	۷۵۵
۱۲۲۶	آغاز متن اور ادراج کی مثال	۷۵۷
۱۲۲۷	حدیث کے درمیان ادارج کی مثال	۷۵۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲۲۸	آخری حدیث میں ادراج کی مثال	۷۵۸
۱۲۲۹	تابعین کی ادراج	۷۵۹
۱۲۳۰	مدرج کی معرفت	۷۶۱
۱۲۳۱	درج کا حکم	۷۶۳
۱۲۳۲	خصوصیاتِ سند	۷۶۵
۱۲۳۳	لغات	۷۶۵
۱۲۳۴	**باب ۱۵: مغرب کا آخری وقت**	۷۶۶
۱۲۳۵	نقدِ سند	۷۶۶
۱۲۳۶	مطابقت	۷۶۶
۱۲۳۷	اطراف	۷۶۶
۱۲۳۸	تعارفِ رجال	۷۶۷
۱۲۳۹	ابوایوب ازدی	۷۶۷
۱۲۴۰	حکمِ روایت	۷۶۷
۱۲۴۱	لغات	۷۶۸
۱۲۴۲	مطابقت	۷۶۹
۱۲۴۳	اطراف	۷۶۹
۱۲۴۴	تعارفِ رجال	۷۶۹
۱۲۴۵	حضرت عبدہ بن عبداللہ کا تعارف	۷۶۹
۱۲۴۶	حضرت ابوداؤد کا تعارف	۷۶۹
۱۲۴۷	علماء کے تعریفی اقوال	۷۷۰
۱۲۴۸	امام ابوداؤد حضری اور امام ابوداؤد طیالسی کا فرق	۷۷۰
۱۲۴۹	حضرت بدر بن عثمان کا تعارف	۷۷۱
۱۲۴۹	حضرت ابوبکر بن ابی موسیٰ کا تعارف	۷۷۱
۱۲۵۰	حکمِ روایت	۷۷۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۲۵۱	خصوصیاتِ سند	۷۷۱
۱۲۵۲	''واللفظ لہ'' کے لیے اصولِ حدیث کا قاعدہ	۷۷۲
۱۲۵۳	املاءً علی کا مفہوم	۷۷۲
۱۲۵۴	لغات	۷۷۲
۱۲۵۵	اطراف	۷۷۴
۱۲۵۶	تعارفِ رجال	۷۷۴
۱۲۵۷	حضرت خارجہ بن عبداللہ کا تعارف	۷۷۴
۱۲۵۸	حضرت الحسین بن بشیر کا تعارف	۷۷۴
۱۲۵۹	حضرت بشیر بن سلام کا تعارف	۷۷۴
۱۲۶۰	حکمِ روایت	۷۷۵
۱۲۶۱	خصوصیاتِ سند	۷۷۵
۱۲۶۲	لغات	۷۷۵
۱۲۶۳	**باب ۱۶: مغرب کے بعد سونے کی کراہت**	۷۷۶
۱۲۶۴	مطابقت	۷۷۷
۱۲۶۵	اطراف	۷۷۷
۱۲۶۶	تعارفِ رجال	۷۷۷
۱۲۶۷	حکمِ روایت	۷۷۷
۱۲۶۸	خصوصیاتِ سند	۷۷۷
۱۲۶۹	لغات	۷۷۷
۱۲۷۰	مسائل ونصائح	۷۷۸
۱۲۷۱	مغرب کے وقت میں مذاہب اربعہ	۷۷۸
۱۲۷۲	مغرب کا وقت	۷۸۰
۱۲۷۳	وقتِ مغرب میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل	۷۸۰
۱۲۷۴	شفق سے مراد سفیدی ہے یا کہ سرخی؟ اور مغرب کا وقت	۷۸۱

۱۲۷۵	خلاصہ	۷۸۲	۱۲۹۹	باب نمبر۱۹: شفق (سفیدی) کا مفہوم	۸۰۱
۱۲۷۶	امام نسائی کا استدلال	۷۹۳	۱۳۰۰	مطابقت	۸۰۱
۱۲۷۷	نماز مغرب میں تاخیر کرنا	۷۹۳	۱۳۰۱	اطراف	۸۰۲
۱۲۷۸	مغرب کا آخری وقت	۷۹۳	۱۳۰۲	تعارفِ رجال	۸۰۲
۱۲۷۹	شفق کا مفہوم	۷۹۴	۱۳۰۳	حضرت حبیب بن سالم کا تعارف	۸۰۲
۱۲۸۰	نمازِ مغرب کے بعد سونے کی کراہت	۷۹۴	۱۳۰۴	عام حالات	۸۰۳
۱۲۸۱	نمازِ مغرب اور نمازِ فجر کا کل وقت	۷۹۴	۱۳۰۵	وفات	۸۰۵
۱۲۸۲	باب ۱۷: نماز عشاء کا ابتدائی وقت	۷۹۵	۱۳۰۶	اہل وعیال	۸۰۵
۱۲۸۳	مطابقت	۷۹۶	۱۳۰۷	فضل وکمال	۸۰۵
۱۲۸۴	اطراف	۷۹۷	۱۳۰۸	اخلاق	۸۰۷
۱۲۸۵	تعارفِ رجال	۷۹۷	۱۳۰۹	حکمِ روایت	۸۰۹
۱۲۸۶	حضرت حسین بن علی کا تعارف	۷۹۷	۱۳۱۰	خصوصیات سند	۸۰۹
۱۲۸۷	حضرت وہب بن کیسان کا تعارف	۷۹۷	۱۳۱۱	لغات	۸۰۹
۱۲۸۸	حکمِ روایت	۷۹۷	۱۳۱۲	مطابقت	۸۱۰
۱۲۸۹	خصوصیاتِ سند	۷۹۷	۱۳۱۳	اطراف	۸۱۰
۱۲۹۰	لغات	۷۹۸	۱۳۱۴	تعارفِ رجال	۸۱۰
۱۲۹۱	باب: ۱۸ عشاء کی نماز جلدی پڑھنا	۷۹۹	۱۳۱۵	حضرت بشیر بن ثابت کا تعارف	۸۱۰
۱۲۹۲	مطابقت	۷۹۹	۱۳۱۶	حکمِ روایت	۸۱۱
۱۲۹۳	اطراف	۷۹۹	۱۳۱۷	خصوصیات سند	۸۱۱
۱۲۹۴	تعارفِ رجال	۷۹۹	۱۳۱۸	لغات	۸۱۱
۱۲۹۵	حضرت محمد بن عمرو بن حسن کا تعارف	۸۰۰	۱۳۱۹	باب ۲۰: نمازِ عشاء دیر سے پڑھنے کا استحباب	۸۱۲
۱۲۹۶	حکمِ روایت	۸۰۰	۱۳۲۰	مطابقت	۸۱۳
۱۲۹۷	خصوصاتِ سند	۸۰۰	۱۳۲۱	اطراف	۸۱۳
۱۲۹۸	لغات	۸۰۱	۱۳۲۲	تعارف رجال	۸۱۳

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۳۲۳	حکمِ روایت	۸۱۳
۱۳۲۴	خصوصیاتِ سند	۸۱۳
۱۳۲۵	لغات	۸۱۳
۱۳۲۶	مطابقت	۸۱۴
۱۳۲۷	اطراف	۸۱۵
۱۳۲۸	تعارفِ رجال	۸۱۵
۱۳۲۹	حکمِ روایت	۸۱۵
۱۳۳۰	خصوصیاتِ سند	۸۱۵
۱۳۳۱	لغات	۸۱۶
۱۳۳۲	مطابقت	۸۱۷
۱۳۳۳	اطراف	۸۱۷
۱۳۳۴	تعارفِ رجال	۸۱۷
۱۳۳۵	حکمِ روایت	۸۱۷
۱۳۳۶	خصوصیاتِ سند	۸۱۸
۱۳۳۷	لغات	۸۱۸
۱۳۳۸	مطابقت	۸۱۸
۱۳۳۹	اطراف	۸۱۸
۱۳۴۰	تعارفِ رجال	۸۱۸
۱۳۴۱	حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کا تعارف	۸۱۹
۱۳۴۲	حکمِ روایت	۸۱۹
۱۳۴۳	خصوصیاتِ سند	۸۱۹
۱۳۴۴	لغات	۸۱۹
۱۳۴۵	مطابقت	۸۲۰
۱۳۴۶	اطراف	۸۲۰
۱۳۴۷	تعارفِ رجال	۸۲۰
۱۳۴۸	حکمِ روایت	۸۲۰
۱۳۴۹	خصوصیاتِ سند	۸۲۰
۱۳۵۰	لغات	۸۲۱
۱۳۵۱	**باب ۲۱: نمازِ عشاء کا آخری وقت**	۸۲۱
۱۳۵۲	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت	۸۲۲
۱۳۵۳	مطابقت	۸۲۲
۱۳۵۴	اطراف	۸۲۲
۱۳۵۵	تعارفِ رجال	۸۲۲
۱۳۵۶	حضرت محمد بن حمیر کا تعارف	۸۲۲
۱۳۵۷	حضرت ابراہیم بن ابی عبلہ کا تعارف	۸۲۳
۱۳۵۸	اہل علم کے توصیفی کلمات	۸۲۳
۱۳۵۹	حکمِ روایت	۸۲۴
۱۳۶۰	خصوصیاتِ سند	۸۲۴
۱۳۶۱	لغات	۸۲۵
۱۳۶۲	مطابقت	۸۲۶
۱۳۶۳	اس عبارت کے دو مفہوم ہیں	۸۲۶
۱۳۶۴	اطراف	۸۲۶
۱۳۶۵	تعارفِ رجال	۸۲۶
۱۳۶۶	حضرت مغیرہ بن حکیم کا تعارف رحمۃ اللہ علیہ	۸۲۶
۱۳۶۷	حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وثوق	۸۲۷
۱۳۶۹	حضرت ام الکلثوم بنت ابی بکر صدیقہ رضی اللہ عنہما کا تعارف	۸۲۷
۱۳۷۰	حکمِ رویت	۸۲۷
۱۳۷۱	خصوصیاتِ سند	۸۲۷

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۳۷۲	لغات	۸۲۸
۱۳۷۳	مطابقت	۸۲۸
۱۳۷۴	اطراف	۸۲۸
۱۳۷۵	تعارفِ رجال	۸۲۸
۱۳۷۶	حکمِ روایت	۸۲۹
۱۳۷۷	خصوصیاتِ سند	۸۲۹
۱۳۷۸	لغات	۸۲۹
۱۳۷۸	مطابقت	۸۳۰
۱۳۸۰	اطراف	۸۳۰
۱۳۸۱	تعارفِ رجال	۸۳۰
۱۳۸۲	حضرت داؤد بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف	۸۳۰
۱۳۸۳	نام ونسب	۸۳۰
۱۳۸۴	فضل وکمال	۸۳۱
۱۳۸۵	تعلیم القرآن	۸۳۱
۱۳۸۶	حدیث	۸۳۱
۱۳۸۷	فقہ	۸۳۱
۱۳۸۸	قوت استدلال	۸۳۱
۱۳۸۹	عمل	۸۳۲
۱۳۹۰	وفات	۸۳۲
۱۳۹۱	حضرت ابونضرہ کا تعارف	۸۳۲
۱۳۹۲	حضرت ابونضرہ کے بارے میں تعریفی کلمات	۸۳۲
۱۳۹۳	حکمِ روایت	۸۳۳
۱۳۹۴	خصوصیات سند	۸۳۳
۱۳۹۵	لغات	۸۳۴
۱۳۹۶	نقدِ حدیث	۸۳۵
۱۳۹۷	مطابقت	۸۳۵
۱۳۹۸	اطراف	۸۳۵
۱۳۹۹	تعارفِ رجال	۸۳۵
۱۴۰۰	حکمِ روایت	۸۳۵
۱۴۰۱	خصوصیاتِ سند	۸۳۵
۱۴۰۲	لغات	۸۳۶
۱۴۰۳	**باب ۲۲: عشاء کو عتمہ کہنے کی اجازت**	۸۳۶
۱۴۰۴	عتمہ کا معنیٰ	۸۳۶
۱۴۰۵	مطابقت	۸۳۷
۱۴۰۶	اطراف	۸۳۷
۱۴۰۷	تعارفِ رجال	۸۳۷
۱۴۰۸	حضرت سمی کا تعارف	۸۳۸
۱۴۰۹	حکمِ روایت	۸۳۸
۱۴۱۰	خصوصیاتِ سند	۸۳۸
۱۴۱۱	قراءۃ علیه وانا اسمع کا مفہوم	۸۳۸
۱۴۱۲	لغات	۸۳۹
۱۴۱۳	**باب ۲۳: عشاء کو عتمہ کہنے کی کراہت**	۸۳۹
۱۴۱۴	مطابقت	۸۳۹
۱۴۱۵	اطراف	۸۳۹
۱۴۱۶	تعارفِ رجال	۸۳۹
۱۴۱۷	حضرت عبداللہ بن ابی لبید کا تعارف	۸۴۰
۱۴۱۸	حضرت عبداللہ بن ابی لبید کے بارے میں اقوال ائمہ	۸۴۰
۱۴۱۹	حکمِ روایت	۸۴۰

۱۴۲۰	خصوصیاتِ سند	۸۴۰	۱۴۴۲	وتر کا وقت	۸۴۹
۱۴۱۲	لغات	۸۴۱	۱۴۴۳	وتر کا مستحب وقت	۸۵۰
۱۴۲۲	مطابقت	۸۴۱	۱۴۴۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت اور رعایت	۸۵۰
۱۴۲۳	اطراف	۸۴۱	۱۴۴۵	منصب رسالت اور تشریع احکام	۸۵۱
۱۴۲۴	تعارفِ رجال	۸۴۲	۱۴۴۶	شفق کی بنیادی طور پر دو قسمیں	۸۵۵
۱۴۲۵	حکمِ روایت	۸۴۲	۱۴۴۷	غروب قمر کے بارے میں ائمہ کرام کی آراء	۸۵۹
۱۴۲۶	خصوصیاتِ سند	۸۴۲	۱۴۴۸	پاکستان میں تیسری رات کے چاند کی تعیین اوقات	۸۶۰
۱۴۲۷	لغات	۸۴۲	۱۴۴۹	نہارِ شرعی کے اعتبار سے تعیین اوقات	۸۶۱
۱۴۲۸	مسائل ونصائح	۸۴۲	۱۴۵۰	نہارِ شرعی کے اعتبار سے تعین اوقات	۸۶۱
۱۴۲۹	عشاء کا ابتدائی وقت	۸۴۳	۱۴۵۱	تیسری رات کے چاند کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ عمر کا تعین	۸۶۲
۱۴۳۰	عشاء کا وقت	۸۴۳	۱۴۵۲	تہائی رات اور تیسری رات کے چاند کی غیبوبت کا فرق	۸۶۳
۱۴۳۱	عشاء کا اول اور آخری وقت	۸۴۳	۱۴۵۳	حضرت نعمان بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا محمل	۸۶۳
۱۴۳۲	عشاء میں تاخیر کا استحباب	۸۴۴	۱۴۵۴	امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید	۸۶۳
۱۴۳۳	نماز عشاء کی تاخیر	۸۴۴	۱۴۵۵	خلاصہ	۸۶۴
۱۴۳۴	نماز عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کی کراہت	۸۴۵	۱۴۵۶	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۸۶۴
۱۴۳۵	عشاء کو عتمہ کہنا کیسا ہے؟	۸۴۶	۱۴۵۷	عشاء کا ابتدائی وقت	۸۶۴
۱۴۳۶	نماز عشاء	۸۴۷	۱۴۵۸	عشاء کو جلدی پڑھنے کا استحباب	۸۶۴
۱۴۳۷	نماز عشاء کو عتمہ کہنا	۸۴۷	۱۴۵۹	شفق کا مفہوم	۸۶۴
۱۴۳۸	قرعہ اندازی	۸۴۸	۱۴۶۰	عشاء کو دیر سے پڑھنے کا استحباب	۸۶۴
۱۴۳۹	اذان کی فضیلت، حضرت سعد بن ابی وقاص کے قرعہ اندازی کرنے کا واقعہ اور قرعہ اندازی کی شرعی حیثیت	۸۴۸	۱۴۶۱	شفق کی اقسام	۸۶۵
۱۴۴۰	صفِ اوّل میں نماز پڑھنے کی فضیلت کی وجہ اور دوپہر کو نماز پڑھنے کی فضیلت کی وجہ	۸۴۹	۱۴۶۲	تیسری رات کے چاند کا وقتِ غروب	۸۶۵
۱۴۴۱	عشاء اور فجر کی فضیلت کی وجہ	۸۴۹	۱۴۶۳	پاکستان میں تیسری رات کے چاند کی تعیین اوقات	۸۶۵

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۴۶۴	تہائی رات اور غیبوبتِ قمر کا فرق	۸۶۶	۱۴۸۸	خصوصیاتِ سند	۸۷۲
۱۴۶۵	امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید	۸۶۶	۱۴۸۹	لغات	۸۷۲
۱۴۶۶	باب ۲۴: نماز فجر کا ابتدائی وقت	۸۶۷	۱۴۹۰	مطابقت	۸۷۳
۱۴۶۷	مطابقت	۸۶۷	۱۴۹۱	اطراف	۸۷۳
۱۴۶۸	اطراف	۸۶۷	۱۴۹۲	تعارفِ رجال	۸۷۳
۱۴۶۹	تعارف رجال	۸۶۷	۱۴۹۳	حکم روایت	۸۷۳
۱۴۷۰	حضرت ابراہیم بن ہارون کا تعارف	۸۶۷	۱۴۹۴	خصوصیاتِ سند	۸۷۳
۱۴۷۱	حضرت حاتم بن اسماعیل کا تعارف	۸۶۸	۱۴۹۵	لغات	۸۷۴
۱۴۷۲	حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اقوالِ ائمہ	۸۶۸	۱۴۹۶	باب ۲۶: مسافر کا نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا	۸۷۴
۱۴۷۳	تعارفِ رجال	۸۶۸	۱۴۹۷	مطابقت	۸۷۴
۱۴۷۴	حکم روایت	۸۶۹	۱۴۹۸	اطراف	۸۷۵
۱۴۷۵	خصوصیاتِ سند	۸۶۹	۱۴۹۹	تعارفِ رجال	۸۷۵
۱۴۷۶	لغات	۸۶۹	۱۵۰۰	حکم روایت	۸۷۵
۱۴۷۷	مطابقت	۸۷۰	۱۵۰۱	خصوصیاتِ سند	۸۷۵
۱۴۷۸	اطراف	۸۷۰	۱۵۰۲	لغات	۸۷۶
۱۴۷۹	تعارفِ رجال	۸۷۰	۱۵۰۳	باب ۲۷: نمازِ فجر روشنی میں پڑھنا	۸۷۶
۱۴۸۰	حکم روایت	۸۷۰	۱۵۰۴	مطابقت	۸۷۶
۱۴۸۱	خصوصاتِ سند	۸۷۰	۱۵۰۵	اطراف	۸۷۶
۱۴۸۲	لغات	۸۷۱	۱۵۰۶	تعارف رجال	۸۷۷
۱۴۸۳	باب ۲۵: مقیم کا فجر اندھیرے میں پڑھنا	۸۷۱	۱۵۰۷	حضرت عاصم بن عمر بن قتادہ	۸۷۷
۱۴۸۴	مطابقت	۸۷۱	۱۵۰۸	حضرت عاصم بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اقوال ائمہ	۸۷۷
۱۴۸۵	اطراف	۸۷۱	۱۵۰۹	حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کا تعارف	۸۷۸
۱۴۸۶	تعارفِ رجال	۸۷۲	۱۵۱۰	حکم روایت	۸۷۸
۱۴۸۷	حکم روایت	۸۷۲	۱۵۱۱	خصوصیاتِ سند	۸۷۸

نمبر	عنوان	صفحہ	نمبر	عنوان	صفحہ
۱۵۱۲	لغات	۸۷۸	۱۵۳۵	حضرت زکریا بن عدی کا تعارف	۸۸۴
۱۵۱۳	مطابقت	۸۷۹	۱۵۳۶	حکمِ روایت	۸۸۵
۱۵۱۴	اطراف	۸۷۹	۱۵۳۷	خصوصیاتِ سند	۸۸۵
۱۵۱۵	تعارفِ رجال	۸۷۹	۱۵۳۸	لغات	۸۸۵
۱۵۱۶	حضرت ابن ابی مریم کا تعارف	۸۷۹	۱۵۳۹	**باب ۲۹: نمازِ فجر کا آخری وقت**	۸۸۶
۱۵۱۷	حضرت سعید بن حکم کے بارے میں ائمہ کے اقوال	۸۷۹	۱۵۴۰	مطابقت	۸۸۶
۱۵۱۸	حضرت ابوغسان کا تعارف	۸۸۰	۱۵۴۱	اطراف	۸۸۶
۱۵۱۹	حضرت ابوغسان کے بارے میں ائمہ کے تعریفی اقوال	۸۸۰	۱۵۴۲	اطراف	۸۸۶
۱۵۲۰	حکمِ روایت	۸۸۰	۵۴۳	تعارفِ رجال	۸۸۶
۱۵۲۱	لغات	۸۸۱	۱۵۴۴	حضرت ابوصدقہ کا تعارف	۸۸۷
۱۵۲۲	**باب ۲۸: نمازِ فجر کی ایک رکعت سورج نکلنے سے پہلے پانے والے کا حکم**	۸۸۱	۱۵۴۵	شیخ ناصر الدین البانی کا تسامح	۸۸۷
۱۵۲۳	مطابقت	۸۸۲	۱۵۴۶	حکمِ روایت	۸۸۷
۱۵۲۴	اطراف	۸۸۲	۱۵۴۷	لغات	۸۸۸
۱۵۲۵	تعارفِ رجال	۸۸۲	۱۵۴۸	**باب ۳۰: کسی نماز کی ایک رکعت پا لینے والے کا حکم**	۸۸۸
۱۵۲۶	حضرت ابراہیم بن محمد کا تعارف	۸۸۲	۱۵۴۹	مطابقت	۸۸۹
۱۵۲۷	حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا باغبانی کرنا	۸۸۲	۱۵۵۰	اطراف	۸۸۹
۱۵۲۸	حضرت عبداللہ بن سعید کا تعارف	۸۸۲	۱۵۵۱	تعارفِ رجال	۸۸۹
۱۵۲۹	حکمِ روایت	۸۸۳	۱۵۵۲	حکمِ روایت	۸۸۹
۱۵۳۰	خصوصیاتِ سند	۸۸۳	۱۵۵۳	خصوصیاتِ سند	۸۸۹
۱۵۳۱	لغات	۸۸۳	۱۵۵۴	لغات	۸۸۹
۱۵۳۲	مطابقت	۸۸۴	۱۵۵۵	مطابقت	۸۹۰
۱۵۳۳	اطراف	۸۸۴	۱۵۵۶	اطراف	۸۹۰
۱۵۳۴	تعارفِ رجال	۸۸۴	۱۵۵۷	تعارفِ رجال	۸۹۰

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۵۵۸	حکمِ روایت	۸۹۰
۱۵۵۹	خصوصیاتِ سند	۸۹۰
۱۵۶۰	لغات	۸۹۱
۱۵۶۱	مطابقت	۸۹۱
۱۵۶۲	اطراف	۸۹۱
۱۵۶۳	تعارف رجال	۸۹۱
۱۵۶۴	یزید بن محمد بن عبدالصمد	۸۹۱
۱۵۶۵	حضرت یزید بن محمد کے بارے میں اقوالِ ائمہ	۸۹۱
۱۵۶۶	حضرت ہشام عطار کا تعارف	۸۹۲
۱۵۶۷	امام ہشام عطار کے بارے میں اہل علم کی آراء	۸۹۲
۱۵۶۸	حکمِ روایت	۸۹۳
۱۵۶۹	خصوصیاتِ سند	۸۹۳
۱۵۷۰	لغات	۸۹۳
۱۵۷۱	مطابقت	۸۹۳
۱۵۷۲	اطراف	۸۹۴
۱۵۷۳	تعارف رجال	۸۹۴
۱۵۷۴	حضرت ابوالمغیرہ کا تعارف	۸۹۴
۱۵۷۵	حکمِ روایت	۸۹۴
۱۵۷۶	خصوصیاتِ سند	۸۹۴
۱۵۷۷	لغات	۸۹۵
۱۵۷۸	مطابقت	۸۹۵
۱۵۷۹	اطراف، تعارف رجال	۸۹۵
۱۵۸۰	موسیٰ بن سلیمان بن اسماعیل بن القاسم کا تعارف	۸۹۵
۱۵۸۱	حضرت بقیہ کا تعارف	۸۹۵
۱۵۸۲	حضرت بقیہ کے بارے میں ائمہ رجال کی تعدیل وتجریح	۸۹۶
۱۵۸۳	حکمِ روایت	۸۹۷
۱۵۸۴	خصوصیاتِ سند	۸۹۷
۱۵۸۵	لغات	۸۹۷
۱۵۸۶	مطابقت	۸۹۷
۱۵۸۷	اطراف	۸۹۸
۱۵۸۸	تعارفِ رجال	۸۹۸
۱۵۸۹	حضرت محمد بن اسماعیل کا تعارف	۸۹۸
۱۵۹۰	حضرت ایوب بن سلیمان کا تعارف	۸۹۸
۱۵۹۱	حضرت ابوبکر کا تعارف	۸۹۹
۱۵۹۲	حضرت سلیمان بن بلال کا تعارف	۸۹۹
۱۵۹۳	نام ونسب	۸۹۹
۱۵۹۴	وطن	۸۹۹
۱۵۹۵	فضل وکمال	۸۹۹
۱۵۹۶	شیوخ واساتذہ	۸۹۹
۱۵۹۷	فقہ وافتاء	۹۰۰
۱۵۹۸	وصولی خراج کی افسری	۹۰۰
۱۵۹۹	ثقاہت	۹۰۰
۱۶۰۰	وفات	۹۰۰
۱۶۰۱	حکمِ روایت	۹۰۰
۱۶۰۲	خصوصیاتِ سند	۹۰۰
۱۶۰۳	لغات	۹۰۱
۱۶۰۴	مسائل ونصائح	۹۰۱
۱۶۰۵	نماز فجر کا ابتدائی اور آخری وقت	۹۰۱

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۶۰۶	فجر کا اطلاق	۹۰۲
۱۶۰۷	نمازِ فجر کا غداۃ نام رکھنا	۹۰۲
۱۶۰۸	فجر کو نماز وسطیٰ کہنا	۹۰۳
۱۶۰۹	مقیم کا نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا	۹۰۴
۱۶۱۰	فجر میں تغلیس یا اسفار	۹۰۵
۱۶۱۱	فجر کے مستحب وقت میں مذاہب ائمہ	۹۰۵
۱۶۱۲	نمازِ فجر میں مسنون قرات	۹۰۷
۱۶۱۳	نماز فجر کے بعد اور اس سے قبل نفل کی ممانعت	۹۰۷
۱۶۱۴	نماز فجر میں قنوت	۹۰۷
۱۶۱۵	نمازِ پنجگانہ کے اوقاتِ مستحبہ	۹۰۸
۱۶۱۶	کسی نماز کی ایک رکعت پالینے والے کا حکم	۹۰۸
۱۶۱۷	پہلی رائے	۹۰۸
۱۶۱۸	دوسری رائے	۹۰۹
۱۶۱۹	دوسری رائے	۹۰۹
۱۶۲۰	مذاہب فقہاء اور علامہ ابن بطال کے فقہاء احناف پر اعتراضات	۹۰۹
۱۶۲۱	فقہاء احناف پر اعتراضات کے علامہ سعیدی کی طرف سے جوابات	۹۱۱
۱۶۲۲	نماز کے لیے عورتوں کا مسجد میں جانا	۹۱۱
۱۶۲۳	عورتوں کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۹۱۱
۱۶۲۴	خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کے نظریہ	۹۱۲
۱۶۲۵	نماز کے لیے خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۹۲۲
۱۶۲	نماز کے لیے خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۹۲۳
۱۶۲۷	اطراف الحدیث	۹۱۴
۱۶۲۸	حدیث مذکور کے رجال	۹۱۴
۱۶۲۹	عورتوں کے مسجد میں جانے سے متعلق حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں	۹۱۴
۱۶۳۰	عورتوں کے مسجد میں جانے کی کراہت کے متعلق احادیث اور آثار	۹۱۵
۱۶۳۱	غزوہ خیبر کے مختصر حالات	۹۱۵
۱۶۳۲	خلاصہ	۹۲۱
۱۶۳۳	امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال	۹۲۱
۱۶۳۴	مسافر کا فجر اندھیرے میں پڑھنا	۹۲۱
۱۶۳۵	نمازِ فجر روشنی میں پڑھنا	۹۲۱
۱۶۳۶	نمازِ فجر کی ایک رکعت (سورج نکلنے سے پہلے) پانے والے کا حکم	۹۲۱
۱۶۳۷	کسی نماز کی ایک رکعت پالینے والے کا حکم	۹۲۲
۱۶۳۸	نماز کے لیے عورتوں کا مسجد میں جانا	۹۲۲
۱۶۳۹	فقہاء احناف کا نظریہ	۹۲۲
۱۶۴۰	فقہاء شافعیہ کا موقف	۹۲۲
۱۶۴۱	فقہاء مالکیہ کا نقطہ نظر	۹۲۲
۱۶۴۲	فقہاء حنابلہ کا موقف	۹۲۲
۱۶۴۳	غزوہ خیبر	۹۲۲
۱۶۴۴	فجر کاذب	۹۲۳
۱۶۴۵	فجر صادق	۹۲۳
۱۶۴۶	دشمن پر اچانک حملہ	۹۲۳
۱۶۴۷	سنن نسائی کی کتاب الصلاۃ و کتاب المواقیت اور فیوض الزاھی فی شرح سنن انسائی کی جلد پنجم کی تکمیل	۹۲۳

۱۶۴۸	جدول احادیث	۹۲۵			
۱۶۴۹	اطراف الحدیث	۹۲۹			
۱۶۵۰	اشاریہ اسماء رجال	۹۳۷			
۱۶۵۱	مصادر و مراجع	۹۴۷			

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتَابُ الصَّلاۃِ　　نماز کے احکام

نماز شروع کرنے سے پہلے چونکہ طہارتِ کبریٰ اور طہارتِ صغریٰ کا حاصل ہونا ضروری ہے، اسی طرح کپڑوں اور جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، اسی طرح طہارت کے لیے پانی کا ہونا لازم ہے، اگر پانی میسر نہ ہو یا اس پر قدرت حاصل نہ ہو، تو اس کا متبادل تیمم ہے۔ اس لیے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے کتاب الطھارت، پھر کتاب المیاہ، پھر کتاب الحیض والاستحاضہ، پھر کتاب الغسل والتیمم کا عنوان قائم فرمایا۔ ان تمام طہارتوں کے حاصل کرنے کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عبادت بجالانا ہے، اس لیے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اب کتاب الصلاۃ کو شروع کر رہے ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلاۃ میں چوبیس (۲۴) ابواب قائم کیے ہیں، اوران ابواب کے تحت پینتالیس (۴۵) احادیثِ مبارکہ کو روایت کیا ہے، اس طرح کتاب الصلاۃ، حدیث نمبر ۴۴۷ سے شروع ہو کر حدیث نمبر ۴۹۲ تک ہے۔

نماز کی فرضیت اور اہمیت وضرورت:

• اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت میں کامیابی کے لیے نماز کتنی ضروری ہے؟ اور اس کے دنیا و آخرت میں کیا فوائد وثمرات ہیں؟ اس بارے میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''نماز اسلام کی تمام عبادات کی جامع اور خلاصہ ہے، نمازی جب تشہد میں بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسالتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دیتا ہے، اپنی زبان، بدن اور مال کے اللہ تعالیٰ کے احکام سے وابستہ ہونے کا اظہار کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرتا ہے، درود پڑھتا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتا ہے، پھر السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہہ کر تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لیے پہلے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے پھر جھک جاتا ہے، پھر تواضع اور عاجزی کرتا کے آخری مرتبہ میں سجدہ میں جا گرتا ہے، رکوع اور سجود میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، اپنے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اور عام مسلمانوں کے لیے دعا مانگتا ہے جتنی دیر نماز میں مشغول رہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے منع کردہ تمام کاموں سے رکا رہتا ہے، مسجد میں نماز کے دوران میں اعتکاف کی سعادت حاصل کرتا ہے، کعبہ کی طرف منہ کر کے حج کے اشتیاق کو زندہ کرتا ہے، کھانے پینے سے رکے رہ کر روزہ کی چاشنی حاصل کرتا ہے، خرچ کر کے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے۔ نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اور اس کے خوف کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ بے وضو یا ناپاک کپڑوں سے نماز پڑھ لے تو خدا کے سوا کون جان سکتا ہے! اس کا پاک بدن، پاکیزہ لباس اور باوضو نماز پڑھنا، اس کی نیت کے

اخلاص اور خدا خوفی کی دلیل ہے۔ گرمیوں کی شدید دھوپ میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانے سے نمازی اپنے بدن سے مجاہدہ کرتا ہے، کاروبار اور دوست احباب کی محفل چھوڑ کے نماز پڑھ کر اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے، غرض یہ کہ نماز میں توحید و رسالت کی گواہی ہے، راہِ خدا میں مال خرچ کرتا ہے۔ حج کا تصور کرتا ہے، روزہ کی لذت ہے، قرآن کی تلاوت اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے دعا ہے۔ اخلاص نیت ہے، خوف خدا ہے، تمام برے کاموں سے بچنا ہے، شیطان سے نفس کی خواہشوں سے، اور اپنے بدن سے جہاد ہے، اعتکاف ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار ہے، اپنے گناہوں کا اعتراف ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ہے مومن کی معراج ہے، مراقبہ ہے، مجاہدہ ہے، مشاہدہ ہے، اور سب کچھ ہے۔

قرآن کریم میں نوے (۹۰) مرتبہ سے زیادہ نماز کا ذکر کیا گیا ہے۔ نماز اسلامی عبادات کا سب سے پہلا رکن ہے، تمام عبادات میں صرف نماز ہی کی یہ خصوصیت ہے، جو امیر و غریب، بوڑھے اور جوان، مرد اور عورت، صحت مند اور بیمار ہر ایک پر یکساں فرض ہے، یہی وہ عبادت ہے جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی، اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو۔ اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھو، اگر بول نہیں سکتے تو اشاروں سے پڑھو، (دار قطنی) اگر ٹھہر نہیں سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو (ابوداؤد) حالتِ جنگ یا سفر میں اگر سواری سے اتر نہیں سکتے تو سواری پر پڑھو، بہر حال نماز کسی حال میں مسلمان سے ساقط نہیں ہوتی۔ (ابوداؤد، ترمذی)

ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سب سے پہلے جس حکم کے ساتھ مکلف کیا ہے وہ نماز ادا کرنا ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد کسی شخص پر ایک دن بھی نہیں گذرتا، مگر ادائیگیِ نماز کے ذریعہ اس شخص کا کھرا یا کھوٹا ہونا پرکھا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جس دین میں خدا کے سامنے جھکنا نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں'' نیز آپ نے فرمایا: ''نماز دل کی روشنی ہے''، ''نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے'' آپ نے فرمایا: کفر اور ایمان کے درمیان صرف نماز سے امتیاز ہوتا ہے، مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ پر بار بار غشی طاری ہوتی تھی، جب ہوش آتا سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھتے حتیٰ کہ حیاتِ ظاہری کے آخری لمحہ میں آپ کی زبان پر جو لفظ بار بار آتا تھا وہ نماز ''الصلوٰۃ'' تھا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ انسانوں سے پوچھا ہے کہ جب تم پر مصیبتیں آتی ہیں، جب سمندر میں طوفان اٹھتا ہے اور جب تمہارا جہاز بھنور میں پھنستا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جس کو تم پکارتے ہو، تمہاری کھیتیوں میں سبزہ کون اگاتا ہے، تمہارے پینے کے لیے آسمان سے بادلوں کے ذریعہ اور زمین میں کنوؤں اور چشموں کے سبب پانی کا کس نے انتظام کیا ہے، تمہارے سانس لینے کے لیے فضاؤں میں ہواؤں کو کس نے رواں دواں کیا ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ تم سے یہ تمام نعمتیں چھین لے، تو کائنات میں کس کی ہمت ہے جو ان نعمتوں کو لوٹا سکے، پھر ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے کے لیے نماز پڑھنا اس کا کتنا عظیم احسان ہے۔

جب مصیبتوں کی سختی اور تکالیف کی شدت حد سے بڑھ جاتی ہے، جب انسان کی روح مضطرب، دل بے چین اور ذہن ماؤف ہو جاتا ہے تو اسے اپنے درد کا درماں اور دکھ کا علاج، صرف نماز ہی میں ملتا ہے۔

جب تک کسی مسلمان میں رمق حیات باقی جب تک اس کے ہوش وحواس سلامت ہوں، نماز اس سے ساقط نہیں ہوتی، قرآن اور حدیث میں نماز کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، نماز کی ادائیگی میں سستی کو نفاق کی علامت اور عذاب کا استحقاق بتایا گیا ہے۔ نماز کے ترک کو کافر کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''نماز دین کا ستون ہے''، یہ وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ ساتھ نازل ہوا اور اس کی تکمیل شب معراج کو کی گئی۔

قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کوئی رسول یا نبی ایسا نہیں آیا جس نے اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نماز نہ پڑھائی ہو یا نماز کا حکم نہ دیا ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلَاۃِ وَمِن ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاء''(۱)

''اے میرے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز پڑھنے والا بنا۔''

حضرت اسماعیل کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے:

''وَکَانَ یَأْمُرُ أَھْلَہُ بِالصَّلَاۃ''(۲)

''وہ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیتے تھے۔''

حضرت لقمان علیہ السلام اپنے بیٹے کو یوں نصیحت کرتے ہیں:

''یَابُنَیَّ أَقِمِ الصَّلَاۃَ ''(۳)

''اے میرے بیٹے نماز پڑھو۔''

حضرت موسیٰ سے ارشاد ہوا:

''أَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِیْ''(۴)

''میری یاد کے۔لیے نماز پڑھیے۔''

بنی اسرائیل کو حکم ہوا

وَأَقِیْمُوا الصَّلَاۃ(۵) ''نماز پڑھو۔''

۱۔ ابراہیم ۱۴:۴۰ ۲۔ مریم ۱۹:۵۵ ۳۔ لقمان ۳۱:۱۷
۴۔ طٰہٰ ۲۰:۱۴ ۵۔ بقرہ ۲:۴۳

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

''واوصانی بالصلوٰۃ'':(۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اور یہ صرف اس امت کی خصوصیت ہے۔ اس سے پہلے کسی امت پر پانچ نمازیں فرض نہیں ہوئیں۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل پر بھی صرف دو نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ (قاضی بیضاوی نے جو لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پر پچاس نماز فرض ہوئی تھیں یہ صحیح نہیں ہے۔)

امام نسائی نے حدیث معراج کو اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اس کے آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے نماز کی تخفیف یوں ذکر ہے:

''ثم رددت الی خمس صلوٰۃ قال فارجع الی ربك فاسئله التخفيف فانه فرض علی بنی اسرائيل صلوٰتين فما قاموا بهما''۔(۲)

''(حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پھر میں پانچ نمازیں لے کر لوٹا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے رب سے مزید تخفیف کا سوال کیجئے، کیونکہ بنی اسرائیل پر صرف دو نمازیں فرض کی گئی تھیں، لیکن وہ ان کو بھی نہ قائم کر سکے۔''

اس کے علاوہ نماز کے سلسلہ میں امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان پانچ نمازوں میں سے عشاء کی نماز اس سے پہلے کسی امت پر فرض نہیں کی گئی۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''فقال اعتموا بهذه الصلوٰۃ فانكم قد فضلتم بها علی سائر الا مم ولم تصلها امة قبلكم''(۳)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نماز (عشاء) کو تاخیر سے پڑھا کرو کیونکہ تم کو اس نماز کی وجہ سے پچھلی تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی۔

اس سلسلہ میں ایک تیسری خصوصیت یہ ہے کہ ان پانچ نمازوں میں سے ہر ایک نماز کسی نہ کسی اولوالعزم نبی نے پڑھی ہے گویا انبیاء سابقین علیھم الصلوٰۃ والتسلیم کی پڑھی ہوئی تمام نمازیں اس امت پر فرض کر دی گئیں۔ اور یہ ہمارے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔

علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ کی شرح مسند شافعی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''حدیث شریف میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے صبح کی نماز پڑھی، حضرت داؤد علیہ السلام نے ظہر کی نماز پڑھی، حضرت

۱۔ مریم ۱۹:۴۸ ۲۔ سنن نسائی، ج ۱، ص ۵۲ ۳۔ سنن ابوداود، ج ۱، ص ۶۱

سلیمان علیہ السلام نے عصر کی نماز پڑھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے مغرب کی نماز پڑھی اور حضرت یونس علیہ السلام نے عشاء کی نماز پڑھی''۔(۱)

عشاء کی نماز اس امت سے پہلے حضرت یونس علیہ السلام نے پڑھی ہے، لیکن ان کی یا کسی نبی علیہ السلام کی امت نے یہ نماز نہیں پڑھی ،عشاء کی نماز اس سے پہلے صرف نبی نے پڑھی تھی، امتوں میں سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اس نماز کے پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز پہلی وحی کے ساتھ فرض ہوگئی تھی ، جبرائیل علیہ السلام نے وضو کیا پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر آپ نے جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پڑھی (۲)

سورۃ مزمل (جو مکہ میں نازل ہونے والی ابتدائی سورتوں میں سے ہے) سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر رات کی نماز فرض تھی ، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باجماعت ادا کرتے تھے (چونکہ ہجرت سے پہلے دو دو رکعات نمازیں فرض تھیں، اس لیے اغلب گمان یہ ہے کہ یہ نماز بھی دو رکعات کی ہوتی تھی)

رات کی نماز کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاشت اور عصر کے وقت بھی نماز پڑھتے تھے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سعد کی سند کے ساتھ عزیزہ بنت تجراۃ سے یہ روایت ذکر کی ہے۔

''و کان المسلمون قبل ان تفرض الصلوٰت الخمس یصلون الضحیٰ والعصر و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ اذا صلوا اخر النھار تفرقوا فی الشعاب فصلوھا فرادی''۔(۳)

پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے مسلمان چاشت اور عصر کے وقت نماز پڑھتے تھے اور پچھلے پہر نماز پڑھنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ گھاٹیوں میں منتشر ہو کر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے تھے۔

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہ گھاٹیوں میں کفار سے چھپے چھپے نماز پڑھتے تھے۔ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے اور مکہ کی کسی گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے، اچانک کفار کا ایک گروہ آ گیا انہوں نے نماز کی مذمت شروع کی، اور مسلمانوں سے لڑنا شروع کر دیا، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اونٹ کی ایک بڑی ہڈی کافر کو ماردی اور اس کا سر پھاڑ دیا، اسلام کی راہ میں کافر کا بہایا جانے والا یہ پہلا خون تھا۔(۴)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے کسی ایک نے کہا کہ کوئی شخص ایسی ہمت کر سکتا ہے کہ فلاں کے گھر جو اونٹنی ذبح ہوئی ہے اس کی اوجھری لا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت ، پر اس وقت

۱۔ انسان العیون، ج ۲ص ۱۴۹
۲۔ الروض الانف، ج ۱،ص ۱۶۲ ایضاً انسان العیون، ج ۱،ص ۴۲۶
۳۔ الاصابہ، ج ۴،ص ۳۶۴
۴۔ السیرۃ النبویہ علی ہامش الروض الانف، ج ۱،ص ۱۰۱۸

رکھ دے جب وہ سجدے میں ہوں، یہ سن کر سب سے بد بخت انسان (عتبہ بن ابی معیط) اٹھا اور اس نے وہ اوجھری لا کر نبی کریم ﷺ کی پشت پر، سجدہ کی حالت میں رکھ دی۔ بالآخر اس کو سیدنا فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی پشت سے اٹھا کر پھینک دیا۔(۱)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کی وجہ سے کفار پریشان ہوتے تھے کہ ان سے قرآن سن کر لوگ کہیں اسلام قبول نہ کر لیں۔ انہوں نے آپ کو تنگ کرنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے تیار ہو گئے۔ ابن دغنہ نے آپ کو روک لیا اور کفار سے یہ کہا کہ اب تمہیں ان سے شکایت نہ ہوگی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں نماز پڑھنے کی جگہ بنالی، اور بلند آواز سے نماز میں قرآن کریم پڑھنے لگے، جس کو سننے کے لیے کفار کی عورتیں اور بچے جمع ہو جاتے تھے۔(۲)

حافظ ابن کثیر نے ابن اسحاق کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ تمام واقعات بعثت کے پانچ سال بعد شعب ابی طالب میں محصور ہونے اور اس حصار کے توڑنے کے بعد واقع ہوئے۔(۳)

اس تمام تفصیل سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ پانچ نمازوں کی فرضیت شب معراج سے ہوئی ہے اس سے پہلے رات کی ایک نماز مسلمانوں پر فرض تھی، اور ان کے مختلف اوقات میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں پہلے کفار سے چھپ کر اور بعد میں علی الاعلان پڑھا کرتے تھے۔

تارک صلوٰۃ کے بارے میں فقہاء کے حسب ذیل مسالک ہیں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جس شخص نے وقت گذر جانے کے بعد بھی، فرض نماز نہیں پڑھی، اس کو حداً تلوار سے قتل کر دیا جائے گا، تاہم وہ شخص ان کے نزدیک مرتد نہیں ہوا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا شخص مرتد ہو گیا اور اس کو قتل کر دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک، جو شخص نماز نہ پڑھے اس کو قید کر دیا جائے گا اور اس کو تعزیراً سزا دی جائے، یہاں تک کہ وہ تائب ہو کر نمازی بن جائے۔

غیر مقلدین کا مسلک بھی ائمہ ثلاثہ کی طرح، یہ ہے کہ تارک الصلوٰۃ کو قتل کر دیا جائے گا۔ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

۱۔ الجوہر النقی للبیہقی، ج۱، ص۱۲۱ ۲۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۳۰۷

۳۔ البدایہ والنہایہ ج۳، ص۹۵

"فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلَاةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ فَخَلُّواْ سَبِيلَهُمْ"۔(۱)

''پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں، تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

لیکن یہ آیت احناف پر حجت نہیں ہے کیونکہ اس میں مفہوم مخالف سے استدلال کیا گیا ہے، یعنی اگر وہ نماز نہ پڑھیں، تو ان کا راستہ نہ چھوڑو اور مفہوم مخالف سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا، جیسا کہ کتب میں اصول مقرر ہے، ثانیاً اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ نماز نہ پڑھنے والوں کا راستہ نہ چھوڑو تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ان کو قتل کر دو، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو قید کر لو اور ان کو اس وقت تک سزا دو جب تک وہ تائب ہو کر نمازی نہ بن جائیں اور یہ مطلب دیگر دلائل سے موید بھی ہے۔

دوسری دلیل ان کی یہ حدیث ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال (جہاد) کروں، یہاں تک کہ وہ توحید اور رسالت کی گواہی دیں، نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں۔الحدیث (۲)

اس حدیث میں بھی، اولاً تو مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور وہ احکام میں معتبر نہیں ہے، ثانیاً مفہوم مخالف کی صورت میں بھی نماز نہ پڑھنے والے سے قتال اور جہاد کا حکم ثابت ہوتا ہے نہ کہ اس کو قتل کرنے کا اور قتال اور جہاد اس صورت میں ہوگا جب کہ نماز نہ پڑھنے والا نماز پڑھنے سے انکار اور نہ پڑھنے پر اصرار کرے، اور ایسی صورت میں احناف کے نزدیک بھی اس سے جہاد واجب ہے ۔ بحث اس میں ہے کہ جو شخص سستی یا غفلت سے نماز نہیں پڑھتا، لیکن اس کے باوجود نماز پڑھنے سے انکاری بھی نہیں اس کا کیا حکم ہے؟، ایسے شخص کو قتل کرنا دلیل سے ثابت نہیں ہے، اس کو راہ راست پر لانے کا وہی طریقہ صحیح ہے جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز کیا ہے۔

علاوہ ازیں ان حضرات کے نزدیک بھی زکوۃ نہ دینے والے کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس سے جبراً زکوۃ وصول کی جائے گی، (خواہ اس کے لیے قتال کرنا پڑے اور حدیث شریف میں نماز اور زکوۃ دونوں کا ایک حکم بیان کیا گیا ہے اس سے لازم آیا کہ نماز نہ پڑھنے والے کو بھی قتل نہیں کیا جائے۔ بلکہ اس سے جبراً نماز پڑھوائی جائے گی خواہ اس کے لیے قتال کرنا پڑے۔

جو شخص سستی اور غفلت سے نماز ترک کرتا ہے اس کو قتل کرنے پر امام اعظم کی دلیل یہ حدیث ہے جسے شیخ ولی الدین تبریزی، بخاری اور مسلم کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال رسول الله ﷺ لايحل دم امرى مسلم يشهدان لا اله الا الله وانى رسول الله الا باحدى ثلث النفس بالنفسى والثيب الزانى والمارق لدينه التارك للجماعة۔(۳)

۱۔ توبہ ۹:۵ ۲۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۸ ۳۔ مشکوۃ، ص۲۹۹

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ، جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید اور میری رسالت کی گواہی دیتا ہو، اس کو صرف تین وجہ سے قتل کرنا جائز ہے وہ کسی شخص کو قتل کردے، شادی شدہ زانی ہو یا اپنا دین چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے نکل جائے۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حصر فرما دیا ہے کہ ان تین وجہوں کے سوا اور کسی وجہ سے مسلمان شخص کو قتل کرنا جائز نہیں ہے، اور تارک الصلوٰۃ بہر حال مسلمان ہے اس کو قتل کرنا، ناجائز ہوگا نیز جو شخص سستی یا غفلت سے نماز چھوڑ دیتا ہے حضور ﷺ نے اس پر قضاء واجب کی ہے اگر اس کو قتل کرنا مطلوب ہوتا، تو اس پر قضاء لازم کرنے کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا، جو نماز کے وقت سو جاتا ہے یا غفلت سے نہیں پڑھتا ہے، آپ نے فرمایا اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب اس کو نماز یاد آئے اس کو ادا کرلے''۔(۱)

اس تحقیق اور تفصیل سے ثابت ہو گیا ہے کہ تارک نماز کے بارے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قرآن اور حدیث کے مطابق ہے اور ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے تارک نماز کے بارے میں جو سخت موقف اختیار کیا ہے اور اس کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، کتاب وسنت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔(۲)

صلوٰۃ کا لغوی معنی:

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

صلوٰۃ عبادات مخصوصہ (نماز) کا نام ہے، اس کی اصل دعا ہے اور چونکہ اس عبادت کا ایک جز دعا ہے، اس لیے کل کو جز کا نام دیا گیا ہے، کوئی شریعت، صلوٰۃ سے خالی نہیں رہی اگرچہ اس کی ہیئت مختلف شریعتوں میں مختلف تھی، عبادت کی جگہ کو بھی صلوٰۃ کہتے ہیں، اسی لیے کلیسا پر بھی صلوٰۃ کا اطلاق کیا جاتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

''لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ''(۳)

تو ضرور گرادی جاتیں راہبوں کی خانقاہیں، گرجے، کلیسے اور مسجدیں۔(۴)

اقامت صلوٰۃ کے معانی اور محامل:

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کے تمام حقوق و فرائض اور اس کے تمام ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا مقصود ہوتا ہے، تو اس کو اقامت کے ساتھ تعبیر فرماتا ہے، قرآن کریم میں ہے:

۱۔ نسائی ج ۱ ص ۷۱ ۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۰۶۳۔۱۰۶۹ ۳۔ الحج ۲۲:۴۰

۴۔ المفردات، ص ۲۸۶۔۲۸۵

''وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُواْ التَّوْرَاةَ وَالإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيهِم مِّن رَّبِّهِمْ لأكَلُواْ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم''(۱)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس (کلام) کو (قائم رکھتے) جو ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے نازل کیا گیا ہے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے کھاتے اور اپنے پاؤں تلے سے کھاتے

''أَنْ أَقِيمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيْهِ'' ۔(۲)

اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

''فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيمَا حُدُودَ اللّهِ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ''۔(۳)

اگر تم کو یہ خوف ہو کہ وہ دونوں (میاں، بیوی) اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت کے بدل خلع میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

''وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ''

اور انصاف کے ساتھ وزن قائم رکھو اور تولنے میں کمی نہ کرو(۴)

اس اعتبار سے اقامتِ صلوۃ کا معنی یہ ہے کہ نماز کی تمام شرائط پوری کی جائیں، اس کے تمام فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کے ساتھ نماز کی تمام ظاہری حدود پوری کی جائیں اور نماز میں ادھر اُدھر کی سوچ و بچار نہ ہو، اور نماز کے دوران میں دنیاوی منصوبوں اور دنیاوی خیالات میں منہمک اور مستغرق نہ ہو، وہ صرف یہ سوچے کہ وہ اللہ کے دربار میں کھڑا ہے اور اس سے مناجات کر رہا ہے، فقط اللہ تعالیٰ کی طرف سے متوجہ ہو اور دوران نماز اس کا ڈر اور خوف دامن گیر رہے، یہ نماز کی باطنی حدود ہیں اور اس کا نام خشوع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ'' ۔(۵)

وہ لوگ جو اپنی نمازیں خشوع سے پڑھتے ہیں۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

''ثم قال قال رسول الله ﷺ من توضا نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیهما نفسه غفرله ما تقدم من ذنبه''

پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میرے اس طریقہ سے وضو کیا پھر اس طرح دو رکعت نماز پڑھی کہ اس میں اپنے دنیاوی کاموں کے منصوبے بنائے اور نہ ان میں سوچ و بچار کی تو اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔(۶)

۱۔ المائدہ ۵:۶۶ ۲۔ الشوریٰ ۴۲:۱۳ ۳۔ البقرہ ۲:۲۲۹

۴۔ الرحمان ۵۵:۹ ۵۔ المومنون ۲۳:۲ ۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۸

"عن انس قال قال النبی ﷺ احدکم اذا صلی یناجی ربہ"

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بے شک جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے چپکے چپکے ہمکلام ہوتا ہے۔(۱)

نیز اقام العود کا معنی ہے، گیلی لکڑی کی کجی کو آگ کی گرمی پہنچا کر سیدھا کرنا، اس لحاظ سے اقامت صلوٰۃ کا معنی ہے ہر قسم کی کمی اور کجی سے افعال نماز کی حفاظت کرنا، قرآن مجید میں ہے:

"وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ"۔(۲)

اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اقام کا معنی کسی چیز کو دائماً کرنا بھی ہے، اس لحاظ سے اقامت صلوٰۃ کا معنی ہے نماز کو پابندی کے سات ہمیشہ پڑھنا۔ قرآن مجید میں ہے:

"الَّذِيْنَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ"۔(۳)

وہ لوگ جو نمازوں کو پابندی سے ہمیشہ پڑھتے ہیں۔

اقام الامر کا معنی کسی چیز کو، شوق کی فراوانی، پوری توجہ اور دلچسپی سے کرنا بھی ہے، اس لحاظ سے اقامت صلوٰۃ کا معنی ہے نماز کو اس کے وقت پر پوری توجہ، شوق اور انہماک سے پڑھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سستی اور غفلت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کی مذمت فرمائی ہے۔

"فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْن" (۴)

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔

"وَإِذَا قَامُوْا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوْا كُسَالَى يُرَآؤُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلاً"(۵)

اور جب منافق نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں، (محض) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور صرف تھوڑا سا ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کا معنی ہے کہ نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ پڑھنا، ہر قسم کی کمی اور کجی سے نماز کی حفاظت کرنا، نماز کو پابندی اور دوام کے ساتھ پڑھنا اور نماز کو اپنے وقت پر شوق اور توجہ سے پڑھنا۔ یہ نمازوں کیفرضیت کی کیفیت کا بیان ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۷۶ ۲۔ المومنون ۲۳:۹ ۳۔ المعارج ۷۰:۲۳

۴۔ الماعون ۱۰۷:۴۔۵ ۵۔ النساء ۴:۱۴۲

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

بعثت سے پہلے نبی اکرم ﷺ کسی مخصوص نبی کی شریعت پر عمل نہیں کرتے تھے، بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یا کسی اور نبی کی شریعت میں سے جو چیز آپ کے کشف (یا اجتہاد) کے مطابق ہوتی تھی، آپ اس پر عمل کرتے تھے اور حدیث صحیح میں ہے کہ آپ غار حرا میں عبادت کرتے تھے۔(۱)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں کہ امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ:

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور وضو کی تعلیم دی، حضرت جبرائیل وضو کرتے تھے اور نبی ﷺ ان کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے رہے، پھر نبی ﷺ نے اسی طرح وضو کیا، پھر جبرائیل علیہ السلام نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور نبی ﷺ نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔(۲)

اس طرح پہلی وحی کے ساتھ نماز کی ابتداء ہوگئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ شب معراج سے پہلے صرف رات کی ایک نماز فرض تھی اور اس میں وقت کی کوئی تحدید نہیں تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلاً نِصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلاً۔(۳)

اے چادر لپیٹنے والے، رات کو نماز میں قیام کریں مگر تھوڑی رات آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر دیں یا اس پر کچھ بڑھا دیں، اور (حسب عادت) ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھیں۔

علامہ حربی نے کہا ہے کہ پہلے دو نمازیں فرض تھیں، دو رکعت صبح (طلوع آفتاب سے پہلے) کی نمازیں فرض تھی اور دو رکعت شام (غروب آفتاب سے پہلے) کی نماز فرض تھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالإِبْكَارِ"۔(۴)

صبح و شام کو اللہ کی تسبیح کیجئے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل علم سے نقل کیا ہے کہ پہلے پوری رات کی نماز فرض تھی پھر حسب ذیل آیت سے پوری رات کا قیام منسوخ ہو گیا اور رات کے بعض حصہ کا قیام فرض ہو گیا۔

۱۔ الدر المختار علی رد المحتار، ج ۱، ص ۲۳۹، ۲۔ الروض الانف، ج ۱، ص ۱۶۳

۳۔ المزمل ۷۳: ۱۔۴ ۴۔ آل عمران ۳: ۴۱

''عَلِمَ أَن لَّن تُحصُوہُ فَتَابَ عَلَيكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرآنِ''۔(۱)

اللہ کوعلم ہے (اے مسلمانو!) تم پوری رات کا ہرگز احاطہ نہ کرسکو گے تو وہ رحمت سے تم پر متوجہ ہوا، سواس میں سے جتنا آسان ہو، پڑھ لیا کرو۔ صاحب فتح الباری لکھتے ہیں:

اور جب شب اسراء کو پانچ نمازیں فرض ہوئیں، تو رات کے اس حصہ کے قیام کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔(۲)

علامہ سہیلی لکھتے ہیں:

معراج ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ پہلے نماز دو، دو رکعت فرض ہوئی تھی، پھر سفر میں یہ تعداد برقرار رہی اور حضر میں رکعات کی تعداد بڑھا دی گئی، ہجرت کے ایک سال بعد یہ تعداد بڑھائی گئی تھی۔(۳)

عبادات میں نماز کی جامعیت:

نماز اسلام کی تمام عبادات کی جامع ہے، نماز میں توحید و رسالت کی گواہی ہے، راہ خدا میں مال خرچ کرنا ہے، قبلہ کی طرف منہ کرنا ہے دوران نماز کھانے پینے کو ترک کرنا اور نفسانی خواہشوں سے باز رہنا ہے اوران امور میں زکوٰۃ، حج اور روزہ کی طرف اشارہ ہے، قرآن کریم کی تلاوت ہے، اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور اس کی تعظیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام اور آپ کی تکریم ہے، آخر میں سلام کے ذریعہ مسلمانوں کی خیر خواہی ہے، اپنے اور دوسرے مسلمانوں کے لیے دعا ہے، اخلاص ہے، خوف خدا ہے، تمام برے کاموں سے بچنا ہے شیطان سے، نفس کی خواہشوں سے اور اپنے بدن سے جہاد، اعتکاف ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان ہے، اپنے گناہوں کا اعتراف اور استغفار ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، مراقبہ ہے مجاہدہ ہے مشاہدہ ہے، اور مومن کی معراج ہے۔

قرآن کریم میں نوے سے زیادہ مرتبہ نماز کا ذکر کیا گیا ہے، اسلام میں سب سے پہلی عبادت نماز ہے، یہ صرف نماز کی خصوصیت ہے کہ وہ امیر وغریب، بوڑھے اور جوان، مرد اور عورت، صحت مند اور بیمار ہر ایک پر یکساں فرض ہے، یہی وہ عبادت ہے جو کسی حال میں ساقط نہیں ہوتی، اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو، اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے لیٹ کر پڑھو اگر قیام نہیں کر سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو، حالت جنگ یا سفر میں اگر سواری سے اتر نہیں سکتے تو سواری پر پڑھو بہر حال نماز کسی حال میں مسلمان سے ساقط نہیں ہوتی۔

قرآن مجید اور حدیث میں نماز پڑھنے کی تاکید:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱۔ المزمل ۷۳: ۲۰ ۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۴۶۵، ۳۔ الروض الانف، ج ۱، ص ۱۶۳۔۱۶۲

"مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ"۔(۱)

اور نماز قائم رکھو اور تم مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

"مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ"۔(۲)

(جنتی مجرموں سے سوال کریں گے) تم کو کس چیز نے دوزخ میں داخل کر دیا؟ وہ کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان فرق نماز ترک کرنا ہے۔(۳)

یعنی نمازوں کو ترک کرنا کافروں اور مشرکوں کا کام ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ سے قیامت کے دن سب سے پہلے، جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اگر وہ مکمل ہوئی تو مکمل لکھی جائے گی اور اگر اس پر کچھ کمی ہوئی تو کہا جائے گا دیکھو کہ کیا اس کی کچھ نفلی نمازیں ہیں جن سے اس کے فرض کی کمی کو پورا کر دیا جائے گا، پھر باقی اعمال کا اسی طرح حساب لیا جائے گا۔ اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔(۴)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات سال کی عمر میں اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو، اور دس سال کی عمر میں ان کو مار کر ان سے نماز پڑھواؤ، اور ان کے بستر الگ کر دو۔(۵)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔(۶)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، کہ جس مرض میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس میں آپ بار بار فرماتے تھے،

۱۔ الروم ۳۰:۳۱ ۲۔ المدثر ۷۴:۴۲-۴۳ ۳۔ صحیح مسلم ج۱ ص ۶۱ ۴۔ مسند احمد، ج۴، ص ۲۱۸
۵۔ سنن ابوداؤد، ج۱، ص ۷۱ ۶۔ مسند احمد، ج۲، ص ۱۸۷-۱۸۰

نماز اور غلام۔ (۱)

امام محمد بن سعد روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نزع روح کے وقت جب آپ اپنی جان کی سخاوت فرما رہے تھے، تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے نماز اور غلام۔ (۲)

امام احمد روایت کرتے ہیں:

ابو عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، انہوں نے ایک خشک شاخ پکڑ کر اس کو ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے گرنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا اے عثمان کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے کہا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا تھا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک درخت کے نیچے کھڑا تھا، آپ نے ایک خشک شاخ پکڑ کر اسے ہلایا حتیٰ کہ اس کے پتے جھڑنے لگے، آپ نے فرمایا اے سلمان! کیا تم مجھ سے سوال نہیں کرو گے کہ میں میں ایسا کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا کہ جب مسلمان، اچھی طرح وضو کرتا ہے اور پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے گر رہے ہیں پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ (۳)

دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز کو قائم رکھو بے شک نیکیاں، برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ ان لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔

اس حدیث کو امام دارمی (۱) اور امام طبرانی (۲) نے بھی روایت کیا ہے:

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے اس حدیث کو معجم اوسط کبیر میں روایت کیا ہے، امام احمد کی سند میں ایک راوی علی بن زید ہے اس کی روایت سے استدلال میں اختلاف ہے، اور اس کی سند کے بقیہ راوی صحیح ہیں۔ (۴)

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے سر کے اوپر اس کے گناہ جمع ہو

۱۔ سنن ابن ماجہ، ص ۱۱۷ ۲۔ الطبقات الکبری، ج ۲، ص ۲۵۳ ۳۔ ہود ۱۱: ۱۱۴

۴۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۴۳۹۔ ۴۳۸

جاتے ہیں اور جب وہ سجدہ کرتا ہے تو گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت کے پتے جھڑتے ہیں، اس حدیث کو امام ابن زنجویہ نے روایت کیا ہے۔(۱)

امام ابن عساکر حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص وضو کرے اور تین بار اپنے ہاتھوں کو دھوئے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے، اور جو کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان اور ہونٹوں کے ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے، اور جو اچھی طرح وضو کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے وہ گناہوں سے اس طرح صاف ہو جاتا ہے جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو، راوی نے پوچھا کہ آپ نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے؟ فرمایا ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ بار نہیں بے شمار مرتبہ سنا ہے۔(۲)(۳)

نماز پڑھنے کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیث طیبات:

ایمان وتصحیح عقائد کے بعد مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق نماز کے تمام فرائض میں نہایت اہم واعظم ہے۔قرآن مجید واحادیث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس کی اہمیت سے مالا مال ہیں، جا بجا اس کی تاکید آئی اور اس کے تارکین (تارک کی جمع چھوڑنے والے) پر وعید فرمائی، چند آیات اور احادیث ذکر کی جاتی ہیں، کہ مسلمان اپنے رب عزوجل اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنیں اور اس کی توفیق سے ان پر عمل کریں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: '' هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُوْن ''(۴)

یہ کتاب پرہیزگاروں کو ہدایت ہے، جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز قائم رکھتے ہیں اور ہم نے جو دیا اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

اور فرماتا ہے: ''حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلَاةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْن''۔(۵)

تمام نمازوں خصوصاً بیچ والی نماز (عصر) کی محافظت رکھو اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے رہو۔ **اور فرماتا ہے:** وَأَقِيْمُوْا الصَّلَاةَ ''وَآتُوْا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ'':(۶)

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع کرو۔

نماز شاق ہے مگر خشوع کرنے والوں پر۔

نماز کا مطلقاً ترک تو سخت ہولناک چیز ہے اسے قضا کر کے پڑھنے والوں کو فرماتا ہے:

''فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْن ''(۷)

۱۔ جامع الاحادیث الکبیر، ج۱۹، ص ۵۱۸۔۵۱۷ ۲۔ مختصر تاریخ دمشق، ج۴، ص ۴۰ ۳۔ تبیان القرآن، ج۱، ص ۲۷۶۔۲۸۱

۴۔ البقرہ ۲:۳ ۵۔ البقرہ ۲:۲۳۸ ۶۔ البقرہ ۲:۴۳ ۷۔ الماعون ۱۰۷:۴۔۵

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے، جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں وقت گزار کر پڑھتے ہیں۔

جہنم میں ایک وادی ہے جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے، اس کا نام "ویل" ہے، قصداً (یعنی جان بوجھ کر) نماز قضا کرنے والے اس کے مستحق (یعنی حقدار) ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيّاً"(۱)

ان کے بعد کچھ ناخلف پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے نمازیں ضائع کر دیں اور نفسانی خواہشوں اتباع کیا، عنقریب انہیں سخت عذاب طویل وشدید سے ملنا ہوگا۔

"غی" جہنم میں ایک وادی ہے، جس کی گرمی اور گہرائی سب سے زیادہ ہے، اس میں ایک کنواں ہے، جس کا نام "ہبہب" ہے، جب جہنم کی آگ بجھنے پر آتی ہے، اللہ عزوجل اس کوئیں کو کھول دیتا ہے، جس سے وہ بدستور بھڑکنے لگتی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: "كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيراً"(۲)

جب بجھنے پر آئے گی ہم انہیں اور بھڑک زیادہ کریں گے۔

یہ کنواں بے نمازوں، زانیوں، شرابیوں، سودخواروں، ماں اور باپ کو ایذا دینے والوں کے لیے ہے۔ نماز کی اہمیت کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ عزوجل نے سب احکام اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر بھیجے، جب نماز فرض کرنی منظور ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس عرش عظیم پر بلا کر اسے فرض کیا اور شب اسرا (معراج کی رات) میں یہ تحفہ دیا۔

صحیح بخاری ومسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔ (۳)

امام احمد ترمذی وابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، وہ عمل ارشاد ہو کہ مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچا جائے؟ فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز قائم رکھ اور زکوٰۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھ اور بیت اللہ کا حج کر۔" اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ "اسلام کا ستون نماز ہے۔" (۴)

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانچ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان

۱۔ مریم ۱۹:۵۹ ۲۔ بنی اسرائیل ۱۷:۹۷ ۳۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، ارکان اسلام۔۔ الخ الحدیث: ۲۱۔(۱۶)، ص ۲۷۔

۴۔ جامع الترمذی، ابواب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ الحدیث: ۲۶۲۵، ج ۴، ص ۲۸۰

سے رمضان تک ان تمام گناہوں کو مٹادیتے ہیں، جوان کے درمیان ہوں جب کہ کبائر سے بچا جائے۔''(۱)

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بتاؤ تو کسی کے دروازہ پر نہر ہو وہ اس میں ہر روز پانچ بار غسل کرے کیا اس کے بدن پر میل رہ جائے گا؟ عرض کی کہ نہیں فرمایا: ''یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے سبب خطاؤں کو محو فرمادیتا ہے۔(۲)

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ ایک صاحب سے ایک گناہ صادر ہوا اور حاضر ہو کر عرض کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ (۳)

نماز قائم کردن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں بے شک نیکیاں گناہوں کو دور کرتی ہیں، یہ نصیحت ہے، نصیحت ماننے والوں کے لیے۔

انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا یہ خاص میرے لیے ہے؟ فرمایا: ''میری سب امت کے لیے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اعمال میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کیا ہے؟ فرمایا: ''وقت کے اندر نماز۔'' میں نے عرض کی، پھر کیا؟ فرمایا: ''ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا۔'' میں نے عرض کی، پھر کیا؟ فرمایا: راہ خدا میں جہاد۔''(۴) بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ ایک صاحب نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم)! اسلام میں سب سے زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب کیا چیز ہے؟ فرمایا: ''وقت میں نماز پڑھنا اور جس نے نماز چھوڑی اس کا کوئی دین نہیں۔ نماز دین کا ستون ہے۔''(۵)

ابوداؤد نے بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمھارے بچے سات برس کے ہوں، تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں تو مار کر پڑھاؤ۔(۶)

امام احمد روایت کرتے ہیں کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاڑوں (سردیوں) میں باہر تشریف لے گئے، پت جھڑ کا زمانہ تھا، دو ٹہنیاں پکڑلیں، پتے گرنے لگے، فرمایا: ''اے ابو ذر! میں نے عرض کی، لبیک یا رسول اللہ! فرمایا: مسلمان بندہ اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے، تو اس سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے اس درخت کے یہ پتے۔(۷)

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، الحدیث: ۱۶، (۲۳۳) ص ۱۴۴

۲۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، المشی الی الصلاۃ الخ، الحدیث: ۶۶۷، ص ۳۳۶ ۔ ۳۔ ہود ۱۱: ۱۱۴

۴۔ صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب الصلاۃ کفارۃ، الحدیث: ۵۲۷، ج ۱، ص ۱۹۶)

۵۔ شعب الایمان باب فی الصلوات الحدیث: ۲۸۰۷، ج ۳، ص ۳۹

۶۔ سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب متی یومر الغلام بالصلاۃ، الحدیث ۴۹۵ ج ۱، ص ۲۰۸

۷۔ المسند للامام احمد بن حنبل مسند الانصار، حدیث ابی ذر الغفاری، الحدیث: ۲۱۶۱۲، ج ۸، ص ۱۳۳)

صحیح مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر میں طہارت (وضو وغسل) کر کے فرض ادا کرنے کے لیے مسجد کو جاتا ہے، تو ایک قدم پر ایک گناہ محو ہوتا، دوسرے پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔(۱)

امام احمد زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو دو رکعت نماز پڑھے اور ان میں سہو نہ کرے، تو جو کچھ پیشتر اس کے گناہ صغائر ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ معاف فرمادیتا ہے'' (۲)

طبرانی ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندہ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اس کے لیے جنتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اس کے اور پروردگار کے درمیان سے حجاب ہٹا دیے جاتے ہیں، اور حور عین اس کا استقبال کرتی ہیں، جب تک نہ ناک سنکے نہ کھنکارے۔''(۳)

طبرانی اوسط میں اور ضیا نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے قیامت کے دن بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر یہ درست ہوئی تو باقی اعمال بھی ٹھیک رہیں گے اور یہ بگڑی تو سبھی بگڑے۔'' اور ایک روایت میں کہ'' وہ خائب وخاسر ہوا۔''(۴)

امام احمد وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ کی روایت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے یوں ہے، اگر نماز پوری کی ہے، تو پوری لکھی جائے گی اور پوری نہیں کی (یعنی اس میں نقصان ہے) تو ملائکہ سے فرمائے گا: دیکھو! میرے بندے کے نوافل ہوں تو ان سے فرض پورے کردو پھر زکوٰۃ کا اسی طرح حساب ہوگا پھر یوہیں باقی اعمال کا۔''(۵)

ابوداؤد وابن ماجہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو مسلمان جہنم میں جائے گا والعیاذ باللہ تعالیٰ) اس کے پورے بدن کو آگ کھائے گی سوا اعضائے سجود کے اللہ تعالیٰ نے ان کا کھانا آگ پر حرام کردیا ہے۔(۶)

طبرانی اوسط میں راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندہ کی یہ حالت سب سے زیادہ پسند ہے کہ اسے سجدہ کرتا دیکھے کہ اپنا منہ خاک پر رگڑ رہا ہے۔(۷) طبرانی اوسط میں انس رضی اللہ عنہ سے راوی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی صبح وشام نہیں مگر

۱۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد۔۔الخ، باب المشی الی الصلوۃ، الحدیث:۶۶۶،ص ۳۳۶

۲۔ المسند، للامام احمد بن حنبل مسند الانصار، حدیث زید بن خالد الجہنی، الحدیث:۲۱۷۴۹،ج۸،ص۱۶۲

۳۔ الترغیب، الترھیب، المنذری، کتاب الصلاۃ الترھیب من البصاق فی المسجد، الحدیث:۱۲،ج۱،ص۱۲۶

۴۔ المعجم الاوسط للطبرانی، باب العین الحدیث:۳۷۸۲ج۳،ص۳۲

۵۔ المسند، الحدیث:۱۶۹۴۶،ج۲،ص۳۵

۶۔ سنن ابن ماجہ، ج۴،ص ص۵۳۲، الحدیث ۴۳۲۶

۷۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج۴،ص ۳۰۸، الحدیث ۶۰۷۵

زمین کا ایک ٹکڑا دوسرے کو پکارتا ہے، آج تجھ پر کوئی نیک بندہ گزرا جس نے تجھ پر نماز پڑھی یا ذکر الٰہی کیا؟ اگر وہ ہاں کہے تو اس کے لیے اس سبب سے اپنے اوپر بزرگی تصور کرتا ہے۔''(۱)

صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت۔''(۲)

ابوداؤد نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو طہارت کر کے اپنے گھر سے فرض نماز کے لیے نکلا اس کا اجر ایسا ہے جیسا حج کرنے والے کا اور جو چاشت کے لیے نکلا اس کا اجر عمرہ کرنے والے کی مثل ہے'' اور ایک نماز دوسری نماز تک کہ دونوں کے درمیان میں کوئی لغو بات نہ ہو علیین میں لکھی ہوئی ہے۔ یعنی درجہ قبول کو پہنچتی ہے۔(۳)

امام احمد ونسائی وابن ماجہ نے ابوایوب انصاری وعقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے وضو کیا جیسا کہ حکم ہے اور نماز پڑھی جیسی نماز کا حکم ہے، تو جو کچھ پہلے کیا ہے معاف ہو گیا۔''(۴)

امام احمد ابوذر رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھتا ہے اور ایک گناہ معاف کرتا ہے، اور ایک درجہ بلند کرتا ہے۔''(۵)

کنزالعمال میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو تنہائی میں دو رکعت نماز پڑھے کہ اللہ (عزوجل) اور فرشتوں کے سوا کوئی نہ دیکھے، اس کے لیے جہنم سے براءت لکھ دی جاتی ہے۔(۶)

منیۃ المصلی میں ہے، کہ ارشاد فرمایا: ''ہر شے کے لیے ایک علامت ہوتی ہے، ایمان کی علامت نماز ہے۔''(۷)

امام ابوداؤد عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کیں۔ جس نے اچھی طرح وضو کیا اور وقت میں پڑھیں اور رکوع کو پورا کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر عہد کر لیا ہے کہ اسے بخش دے، اور جس نے نہ کیا اس کے لیے عہد نہیں، چاہے بخش دے، چاہے عذاب کرے۔''(۸)

حاکم نے اپنی تاریخ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ''اگر وقت میں نماز قائم رکھے تو میرے بندے کا میرے ذمہ کرم پر عہد ہے کہ اسے عذاب نہ دوں اور بے حساب جنت میں داخل کروں۔(۹) دیلمی ابوسعید رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز فرض نہ کی، جو توحید ونماز سے بہتر ہو۔

۱۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج۱، ص۱۷۱، الحدیث:۵۶۲
۲۔ (المسند، ج۵، ص۱۰۳، الحدیث:۱۴۶۶۸)
۳۔ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۲۳۱، الحدیث:۵۵۸
۴۔ سنن النسائی، ص۳۱، الحدیث:۱۴۴)
۵۔ المسند، ج۸، ص۱۰۴، الحدیث:۲۱۵۰۸
۶۔ کنزالعمال، ج۷، ص۱۲۵، الحدیث ۱۹۰۱۵
۷۔ منیۃ المصلی، ص۱۳
۸۔ سنن ابی داؤد، ج۱، ص۱۸۶، الحدیث:۴۲۵)
۹۔ کنزالعمال، ج۷، ص۱۲۷، الحدیث ۱۹۰۳۲

اگر اس سے بہتر کوئی چیز ہوتی تو وہ ضرور ملائکہ پر فرض کرتا، ان میں کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں۔"(۱)

ابوداؤد طیالسی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو بندہ نماز پڑھ کر اس جگہ جب تک بیٹھا رہتا ہے، فرشتے اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں، اس وقت تک کہ بے وضو ہو جائے یا اٹھ کھڑا ہو۔ ملائکہ کا استغفار اس کے لیے یہ ہے، اللھم اغفر له اے اللہ تو اس کو بخش دے۔ اللھم ارحمه، اے اللہ تو اس پر رحم کر۔ اللھم تب علیه، اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما: (۲)

اور متعدد حدیثوں میں آیا ہے کہ جب تک بندہ نماز کے انتظار میں ہے اس وقت تک وہ نماز ہی میں ہے، یہ فضائل مطلق نماز کے ہیں اور خاص خاص نمازوں کے متعلق جو احادیث وارد ہوئیں، ان میں سے بعض یہ ہیں۔

طبرانی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: "جو صبح کی نماز پڑھتا ہے، وہ شام تک اللہ کے ذمہ میں ہے۔(۳)، دوسری روایت میں، "تو اللہ کا ذمہ نہ توڑ، جو اللہ کا ذمہ توڑے گا اللہ تعالیٰ اسے اوندھا کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔"(۴)

ابن ماجہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو صبح نماز کو گیا، ایمان کے جھنڈے کے ساتھ گیا اور جو صبح بازار کو گیا، ابلیس کے جھنڈے کے ساتھ گیا"۔(۵)

بیہقی نے شعب الایمان میں عثمان رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے کہ "جو نماز صبح کے لیے طالب ثواب ہو کر حاضر ہوا، گویا اس نے تمام رات قیام کیا، (عبادت کی) اور جو نماز عشاء کے لیے حاضر ہوا گویا اس نے نصف شب قیام کیا۔"(۶)

خطیب نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے چالیس دن نماز فجر و عشاء باجماعت پڑھی، اس کو اللہ تعالیٰ دو براءتیں عطا فرمائے گا، ایک نار سے دوسری نفاق سے۔(۷)

امام احمد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رات اور دن کے ملائکہ نماز فجر و عصر میں جمع ہوتے ہیں، جب وہ جاتے ہیں تو اللہ عزوجل ان سے فرماتا ہے: "کہاں سے آئے؟ حالانکہ وہ جانتا ہے۔" عرض کرتے ہیں۔ "تیرے بندوں کے پاس سے، جب ہم ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور انہیں نماز پڑھتا چھوڑ کر تیرے پاس حاضر ہوئے۔"(۸)

ابن ماجہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جو مسجد جماعت میں چالیس راتیں نماز عشاء پڑھے، کہ رکعت اولیٰ

۱۔ الفردوس، ج۱، ص۱۲۵، الحدیث: ۶۱۰
۲۔ مسند ابوداؤد الطیالسی، ص۳۱۷، الحدیث: ۲۴۱۵
۳۔ المعجم الکبیر، ج۱۲، ص۲۴۰
۴۔ مجمع الزوائد، ص۲۷، الحدیث: ۱۶۴۰
۵۔ سنن ابن ماجہ، ج۳، ص۵۳، الحدیث: ۲۲۳۴
۶۔ شعب الایمان، ج۳، ص۵۵، الحدیث: ۲۸۵۲
۷۔ تاریخ بغداد، ج۱۱، ص۴۳۷، رقم: ۶۲۳۱
۸۔ المسند، ج۳، ص۶۸، الحدیث: ۷۴۹۴

فوت نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھ دیتا ہے۔''(۱)

طبرانی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''سب نمازوں میں زیادہ گراں منافقین پر نماز عشاء و فجر ہے، اور جوان میں فضلیت ہے، اگر جانتے تو ضرور حاضر ہوتے اگر چہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے۔(۲)، یعنی جیسے بھی ممکن ہوتا۔

بزار نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''

جو نماز عشاء سے پہلے سوئے اللہ اس کی آنکھ کو نہ سلائے۔''(۲) نماز نہ پڑھنے پر جو وعیدیں آئیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

صحیحین میں نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جس کی نماز فوت ہوئی گویا اس کے اہل و مال جاتے رہے۔''(۳)

ابو نعیم ابو سعید رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''

جس نے قصداً نماز چھوڑی، جہنم کے دروازے پر اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔''(۴)

امام احمد ام ایمن رضی اللہ عنہا سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''

قصداً نماز ترک نہ کرو کہ جو قصداً نماز ترک کر دیتا ہے، اللہ (عزوجل) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری الذمہ ہیں۔(۵)

شیخین نے عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں''

جس دین میں نماز نہیں، اس میں کوئی خیر نہیں۔''(۶)

بیہقی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''

جس نے نماز چھوڑ دی اس کا کوئی دین نہیں، نماز دین کا ستون ہے۔''(۷)

بزار نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں، جس کے لیے نماز نہ ہو۔''(۸)

امام احمد دارمی و بیہقی شعب الایمان میں راوی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نماز پر محافظت (مدافعت) کی، قیامت کے دن وہ نماز اس کے لیے نور و برہان و نجات ہوگی اور جس نے محافظت نہ کی اس کے لیے نہ نور ہے، نہ برہان نہ نجات اور وہ قیامت کے دن قارون و فرعون و ہامان و ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا۔''(۹)

۱۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۴۳۷، الحدیث: ۷۹۸　　۲۔ المعجم الکبیر، ج ۱۰، ص ۹۹، الحدیث: ۱۰۰۸۲

۳۔ کنز العمال، ج ۷، ص ۱۶۵، الحدیث: ۱۹۴۹۷　　۴۔ صحیح البخاری، ج ۲، ص ۵۰۱، الحدیث: ۳۶۰۲

۵۔ کنز العمال، ج ۷، ص ۱۱۲، الحدیث: ۱۹۰۸۶　　۶۔ المسند، ج ۱۰، ص ۳۸۶، الحدیث: ۲۷۴۳۳

۷۔ المسند، ج ۲، ص ۲۷۱، الحدیث: ۱۷۹۳۴　　۸۔ شعب الایمان، ج ۳، ص ۳۹، الحدیث: ۲۸۱۰

۹۔ کنز العمال، ج ۷، ص ۱۳۳، الحدیث: ۱۹۰۹۴　　۱۰۔ المسند، ج ۲، ص ۵۷۴، الحدیث: ۶۵۸۷

بخاری ومسلم وامام مالک نافع رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے صوبوں عمال کے پاس فرمان بھیجا کہ ''تمہارے سب کاموں سے اہم میرے نزدیک نماز ہے۔'' جس نے اس کا حفظ کیا اور اس پر محافظت کی اس نے اپنا دین محفوظ رکھا اور جس نے اسے ضائع کیا وہ اوروں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کریگا۔''(۱)

ترمذی عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے راوی، کہ صحابہ کرام کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں جانتے سوا نماز کے۔(۲) بہت سی ایسی حدیثیں آئیں جن کا ظاہر یہ ہے کہ قصداً نماز کا ترک کفر ہے اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت امیر المومنین فاروق اعظم وعبدالرحمٰن بن عوف وعبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عباس و جابر بن عبداللہ ومعاذ بن جبل وابو ہریرہ وابوالدرداء رضی اللہ عنہم کا یہ مذہب تھا اور بعض ائمہ مثلاً امام احمد بن حنبل واسحاق بن راہویہ وعبداللہ بن مبارک وامام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ مذہب تھا، اگرچہ ہمارے امام اعظم ودیگر آئمہ نیز بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کی تکفیر نہیں کرتے (یعنی کافر نہیں کہتے) پھر یہ بھی کیا تھوڑی بات ہے کہ ان جلیل القدر حضرات کے نزدیک ایسا شخص ''کافر'' ہے۔(۳)

نماز کی باطنی شرائط:

نماز میں خشوع وخضوع، حضور قلب اور توبہ الی اللہ کا پایا جانا کتنا ضروری اور اہم ہے، اس بارے میں حجۃ السلام امام محمد غزالی لکھتے ہیں:

خشوع اور حضورِ قلب کی شرط:

جان لو کہ اس کے دلائل بہت زیادہ ہیں ان میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

'' وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ''(۴)

میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

ظاہری طور پر امر وجوب کے لیے آتا ہے اور غفلت، ذکر کی ضد ہے۔

لہٰذا جو شخص پوری نمازوں میں غافل رہا وہ کیسے ذکر خداوندی کے لیے نماز کو قائم کرنے والا ہوگا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

''وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِيْنَ''(۵)

اور غافل لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

۱۔ الموطا، ج۱،ص۳۵، الحدیث:۶ ۲۔ جامع الترمذی، ج۴،ص۲۸۲، الحدیث:۲۶۳۱

۳۔ بہار شریعت، ج۱،ص۲۶۷۔۲۸۱ ۴۔ سورۃ طہ۱۴:۱۹ ۵۔ سورۃ الاعراف۲۰۵:۷

یہ نہی ہے اور ظاہراً نہی کسی چیز کو حرام کرنے کے لیے آتی ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

”حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْن“(۱)

یہاں تک کہ تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے کی ممانعت کی علت بیان کی گئی ہے۔ اور یہ علت اس شخص کو بھی شامل ہے جو غافل ہے نیز وسوسوں اور دنیوی خواہشات میں ڈوبا ہوا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”انما الصلوٰة تمسکن و تواضع“۔

بے شک نماز سکون و تواضع کا نام ہے۔

الف لام حصر، کا معنی دیتا ہے اور ”انما“ کا کلمہ تحقیق و تاکید کے لیے ہے اور فقہاء کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد سے حصر اثبات اور نفی کا مفہوم معلوم کیا ہے۔

آپ نے فرمایا:

”انما اشفعتة فیما لم یقسم“۔(۲)

بے شک شفعہ ان چیزوں میں ہے، جو تقسیم نہ ہوں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”من لم تنهه صلاته عن الفحشاء والمنکر لم یزدد من الله الا بعدا“۔(۳)

جس شخص کو اس کی نماز اسے بے حیائی اور برائی سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور ہو جاتا ہے۔

اور غافل آدمی کی نماز بے حیائی اور برائی سے نہیں روکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کم من قائم حظه من صلاته التعب والنصب“۔(۴)

۱۔ سورۃ النساء ۴:۴۳ ۲۔ سنن بیہقی، ج ۶۲، ص ۱۰۲ ۳۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۱، ص ۵۴، حدیث ۱۱۰۲۵

۴۔ المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۲، ص ۳۸۲، حدیث ۱۳۴۱۳

کتنے ہی لوگ (نماز میں) کھڑے ہوتے ہیں لیکن انہیں نماز سے تھکاوٹ اور مشقت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لیس للعبد من صلاته الا ما عقل منها"۔(۱)

بندے کے لیے نماز سے وہی کچھ ہوتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ نمازی اپنے رب عزوجل سے مناجات کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا اور غفلت کی حالت میں گفتگو کرنا کسی صورت میں مناجات نہیں ہوتی، اس کا بیان یہ ہے کہ اگر انسان زکوۃ سے غافل ہو تو وہ زکوۃ ذاتی طور پر خواہشات کے خلاف اور نفس پر گراں ہوتی ہے اسی طرح روزہ اعضاء کو کمزور کرنے والا اور خواہشات، جو اللہ تعالیٰ کے دشمن شیطان کا آلہ ہیں، کو توڑنے والا ہے لہٰذا غفلت کے باوجود ان سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح حج کے اعمال نہایت سخت اور باعث مشقت ہیں اور اس میں ایسا مجاہدہ ہے جس سے تکلیف اور درد محسوس ہوتا ہے دل حاضر ہو یا نہ ہو لیکن نماز میں ذکر، قرات، رکوع، سجدہ اور قیام اور قعدہ ہے جہاں تک ذکر کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذکراہ و مناجات ہے اب یا تو اس کا مقصد اللہ تعالیٰ سے مذاکرہ کرنا اور اسے خطاب کرنا ہے یا حروف اور آوازیں مقصود ہیں تاکہ عمل کے ساتھ زبان کی آزمائش کی جائے جس طرح روزے میں کھانے پینے سے رکنے کے ذریعے معدے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی اور جس طرح حج کی مشقتوں کے ذریعے بدن کی آزمائش ہوتی ہے اور زکوۃ کی ادائیگی اور محبوب مال دینے کی تکلیف کے ذریعے دل کا امتحان ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ (نماز میں) اس قسم کا تصور باطل ہے کیونکہ غافل آدمی پر بیہودہ گفتگو کے ذریعے زبان کو حرکت دینا نہایت آسان ہوتا ہے پس اس میں عمل کے ذریعے آزمائش نہیں بلکہ مقصود حروف ہیں لیکن بولنے کے اعتبار سے ہے اور بولتے وقت، مافی الضمیر کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اور مافی الضمیر کا اظہار دل کی حاضری کے بغیر نہیں ہوتا۔

تو "اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ"۔(۲)

اے اللہ! تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا

میں کیا سوال ہوگا جب اس کا دل غافل ہوگا اور جب اس کا مقصد گڑگڑانا اور دعا مانگنا نہ ہوگا، تو زبان کی حرکت دینے میں کیا مشقت ہے جب کہ وہ غافل ہو بالخصوص جب آدمی کو بولنے کی عادت ہو، تو یہ ذکر کے اعتبار سے وضاحت ہے بلکہ میں (حضرت امام غزالی رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے اور کہے کہ میں فلاں آدمی کا شکریہ ضرور ادا کروں گا اس کی

۱۔ الفردوس بماثور الخطاب، ج۵، ص۱۹۵، حدیث ۷۹۳۵
۲۔ فاتحہ ۱:۶

تعریف کروں گا اور اس سے کسی حاجت کا سوال کروں گا پھر حالتِ نیند میں اس کی زبان پر ایسے الفاظ جاری ہو جائیں جو اس مفہوم پر دلالت کرتے ہوں، تو اس کی قسم پوری نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر اندھیرے میں وہ یہ کلمات کہتا ہے اور وہ دوسرا شخص بھی موجود ہے لیکن اس کی موجودگی کا علم نہیں اور نہ ہی یہ اسے دیکھ رہا ہے تو بھی قسم سے بری الذمہ نہ ہوگا کیوں کہ جب وہ اسے دل میں حاضر نہ سمجھے، اس کا کلام اس کو خطاب اور اس کے ساتھ گفتگو قرار نہیں پائے گا۔ اسی طرح اگر یہ شخص دن کی روشنی میں اپنی زبان پر یہ کلمات لاتا ہے لیکن اس کا دل حاضر نہیں بلکہ وہ غافل ہے اور کسی سوچ میں پڑا ہوا ہے اور گفتگو کرتے وقت اس کو خطاب کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا، تو بھی قسم پوری نہ ہوگی۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ قراءت اور افکار سے مقصود اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء، اس کی بارہ گاہ میں عاجزی کا اظہار اور دعا کرنا ہے اور اس کا مخاطب اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا دل غفلت کے پردے میں اس سے چھپا ہوا ہے لہذا اسے دیکھ نہیں سکتا۔ بلکہ وہ مخاطب ذات سے بھی غافل ہے اور اس کی زبان عادتاً حرکت کر رہی ہے، تو نماز کے مقصد سے یہ بات کس قدر دور ہے کیونکہ نماز کا مقصد دل کو صاف کرنا، اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تجدید اور اس پر ایمان کو مضبوط کرنا ہے، تو یہ قرات اور ذکر کا حکم ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بولنے میں اس کا خاصیت کے انکار اور اسے فعل سے جدا کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔۔ جہاں تک رکوع اور سجدے کا تعلق ہے تو ان سے قطعی مقصود تعظیم ہے اور اگر یہ بات مان لی جائے کہ وہ غفلت کی حالت میں اپنے فعل سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کر رہا ہے، تو جائز ہوگا کہ وہ ایسے ہے کہ کسی بت کی تعظیم کر رہا ہے جو اس کے سامنے ہے اور وہ اس سے غافل ہے یا کسی دیوار کی تعظیم کرتا ہے وہ اس کے سامنے ہے اور یہ اس سے غافل ہے تو جب یہ (رکوع وسجدہ) تعظیم کے درجے سے نکل گئے اور صرف پیٹھ اور سر کی حرکت باقی رہ گئی اور اس میں ایسی مشقت نہیں جس کے ذریعے امتحان کا مقصد کیا جائے پھر اسے دین کا ستون قرار دے کر کفر اور اسلام کے درمیان فرق دیا جائے اور اسے حج اور دیگر تمام عبادات پر مقدم کیا جائے نیز خاص طور پر اس کے ترک پر قتل کو واجب قرار دیا جائے۔

میرے خیال میں نماز کی یہ تمام عظمت اس کے اعمال ظاہرہ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی طرف مناجات کے مقصود کی اضافت کی وجہ سے ہے اسی وجہ سے نماز کو روزے، زکوٰۃ اور حج وغیرہ پر مقدم کیا گیا بلکہ قربانیوں پر بھی مقدم ہے جو مال میں کمی کرنے کے ذریعے مجاہدہ نفس قرار پاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ" (۱)

اللہ تعالیٰ کو ہرگز ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

تقویٰ سے مراد وہ صفت ہے جو دل پر غالب ہوحتیٰ کہ اسے احکام خداوندی کی بجا آوری پہ مجبور کر دے جو مطلوب ہے

۱۔ حج ۲۲:۳۷

تو نماز کا کیا معاملہ ہوگا کیونکہ اس کے افعال، تو مطلوب نہیں ہیں۔ تو معنوی اعتبار سے یہ آیات اور روایات نماز میں قلبی حاضری کی شرط پر دلالت کرتی ہیں۔

سوال:

اگر آپ نماز کے باطل ہونے کا فیصلہ کریں اور دل کی حاضری کو اس کے صحیح ہونے کے لیے شرط قرار دیں تو (اس طرح) آپ اجماع قضاء کے مخالف قرار پائیں گے کیونکہ انہوں نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت دل کی حاضری کو شرط قرار دیا ہے۔

جواب:

علم کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے کہ فقہاء کرام کا تصرف باطن نہیں ہوتا وہ دلوں کو چیرتے اور نہ وہ آخرت کے راستے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں بلکہ دین کے ظاہری احکام کو اعضاء کے ظاہری اعمال پر نافذ کرتے ہیں اور قتل کے سقوط نیز بادشاہ کی تعزیر سے بچنے کے لیے ظاہری اعمال کافی ہیں جہاں تک اُخروی نفع کا تعلق ہے، تو وہ فقہ کی حدود سے متعلق نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اس اجماع کا دعویٰ بھی ممکن نہیں حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ابو طالب مکی نے حضرت سفیان ثوری (رحمہم اللہ) سے روایت کیا کہ انہوں نے (حضرت بشر بن حارث نے) فرمایا ''جو شخص نماز میں خشوع نہیں کرتا اس کی نماز فاسد ہے'' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جو شخص نماز کی حالت میں قصد وارادہ سے جان لے کہ اس کے دائیں بائیں کون ہے تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

ایک مسند روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ان العبدلیصلی الصلوٰۃ لا یکتب لہ سد سھا ولا عشرھا وانما یکتب للعبد من صلاتہ ما عقل منھا۔''

بے شک بندہ نماز پڑھتا ہے لیکن اس کے لیے اس کا چھٹا حصہ بلکہ دسواں حصہ بھی (ثواب) نہیں لکھا جاتا ہے بندے کے لیے اس کی نماز سے وہی لکھا جاتا ہے جسے وہ سمجھتا ہے۔

اگر یہ بات کسی اور سے نقل کی جاتی ہے، تو مذہب قرار پاتی، تو اس سے کس طرح استدلال نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ بندے کے لیے اس کی نماز سے وہی کچھ ہے جسے وہ سمجھ لیتا ہے، تو انہوں نے اس کو اجماع قرار دیا ہے۔

اس قسم کی باتیں متقی فقہاء کرام اور علماء کرام سے اس قدر مروی ہیں کہ ان کا شمار بھی نہیں ہوسکتا ہے۔

حق بات یہ ہے کہ شرعی دلائل کی طرف رجوع کیا جائے اس شرط کے بارے میں روایات وآثار ظاہر ہیں لیکن فتویٰ کا

مقام ظاہری احکام میں بندوں کی کوتاہی کے اعتبار سے ہوتا ہے لہذا یہ بات ممکن نہیں کہ لوگوں پر تمام نماز میں دل کی حاضری کو شرط قرار دیا جائے کیونکہ چند افراد کے علاوہ باقی سب لوگ اس سے عاجز ہیں اور جب ضرورت کے تحت تمام نماز کو (اس شرط کے ساتھ) ''پھیرنا ممکن نہیں، تو اب کوئی چارہ نہیں کہ اس کو اسی قدر شرط قرار دیا جائے کہ اس کا نام صادق آجائے اگر چہ ایک لحظہ ہی کے لیے ہو اور سب سے بہتر لحظہ، تکبیر تحریمہ کا وقت ہے۔

پس ہم نے اسی موقعہ پر حضور قلب کا مکلف قرار دیا۔ اور اس کے باوجود ہمیں امید ہے کہ تمام نمازیں غفلت کی حالت میں چھوڑنے والے کی حالت جیسی نہ ہوگی کیوں کہ وہ کبھی ظاہر فعل کا اقدام کرتا ہے اور کسی وقت دل حاضر رکھتا ہے۔ یہ کیسے نہیں ہو گا کہ بھول کر بے وضو ہونے کی حالت میں نماز پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوتی ہے لیکن اس کے فعل اور کوتاہی وعذر کے حساب سے اجر ملتا ہے لیکن اس امید کے ساتھ ساتھ یہ خوف بھی رہتا ہے کہ اس کی حالت، حضور قلب کے تارک کی حالت سے بھی زیادہ خراب ہو اور ایسا کس طرح نہیں ہوگا جب کہ خدمت کے لیے حاضر ہونے والا شخص سستی کرتا ہے اور حقیر جاننے والے غافل شخص کی طرح کلام کرتا ہے۔ اس کا حال اس سے برا ہوتا ہے جو خدمت سے منہ موڑ لیتا ہے اب جب کہ خوف اور امید کے اسباب میں تعارض ہو گیا اور فی نفسہ یہ معاملہ اہم ہے، تو اب تمہاری مرضی ہے اس کے بعد احتیاط برتو یا سستی کا راستہ اختیار کرو۔

اس کے باوجود فقہاء کرام نے غفلت کے باوجود نماز کی صحت کا جو فتویٰ دیا ہے اس کی مخالفت نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ فتویٰ کی ضرورت سے ہے۔ جیسا کہ اس پر پہلے آگاہی ہو چکی ہے اور جو شخص نماز کے فلسفہ کو جان لیتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ غفلت اس کی ضد ہے۔ لیکن ہم نے قوائد عقائد کے بیان میں علم باطن اور علم ظاہر کے درمیان فرق کے باب میں ذکر کیا ہے کہ مخلوق کی سمجھ میں کوتاہی بھی اس بات سے مانع ہے کہ شریعت کے جو اسرار منکشف ہوتے ہیں انہیں واضح طور پر بیان کیا جائے، تو ہم اسی قدر بحث پر اکتفاء کرتے ہیں جو شخص آخرت کے راستے کا طالب اور اس کا ارادہ کرنے والا ہے اس کے لیے اس میں قناعت ہے جہاں تک جھگڑالو اور شور کرنے والوں کا تعلق ہے، تو اس وقت ہم ان سے خطاب کا قصد نہیں کرتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دل کی حاضری نماز کی روح ہے اور کم از کم جس کے ساتھ روح کی رمق باقی رہتی ہے وہ تکبیر تحریمہ کے وقت دل کی حاضری ہے اس میں کوتاہی ہلاکت ہے اور جس قدر حاضری زیادہ ہوگی نماز کے اجزاء میں روح پھیلتی جائے گی اور کتنے ہی زندہ لوگ ہیں جو حرکت نہیں کر سکتے، تو وہ مردہ کی طرح ہی ہیں پس تکبیر کے علاوہ غافل کی باقی نماز اس زندہ شخص کی طرح ہے جس مین کوئی حرکت نہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اچھی مدد کے طلب گار ہیں۔

باطنی امور جن سے حیاتِ نماز مکمل ہوتی ہے:

جان لو! ان معانی کے لیے زیادہ عبادت کی ضرورت ہے لیکن چھ جملوں میں ان کو جمع کیا جاسکتا ہے اور وہ دل کی حاضری، نماز کو سمجھنا، تعظیم، خوف، امید اور حیاء ہے۔ ہم ان کی تفصیل، اسباب اور علاج کا ذکر کرتے ہیں جس کی تفصیل اس طرح سے ہے۔

دل کی حاضری:

دل کی حاضری سے مراد یہ ہے کہ نمازی نے جس سے تعلق قائم کر رکھا ہے اور اس سے ہمکلام ہے اس کے غیر سے دل کو فارغ کر دے یعنی دل کو قول و فعل دونوں کا علم ہو اور ان دو باتوں کے علاوہ کی طرف اس کی فکر نہ دوڑے۔ اور جب اس عمل کے غیر سے فکر ہٹ جائے گی اور اس پر عمل کی یاد ہی باقی ہوگی اور اس عمل کی کسی بات سے غفلت نہ ہوگی، تو دل کی حاضری حاصل ہو جائے گی۔

لیکن کلام کے معنی کو سمجھنا الگ بات ہے جو حضورِ قلب کے بعد حاصل ہوتا ہے چنانچہ بعض اوقات دل، الفاظ کے ساتھ حاضر ہوتا ہے لیکن لفظ کے معنی کے ساتھ حاضر نہیں ہوتا پس تفہیم دل میں لفظ کے معنی کا پایا جاتا ہے اور یہی ہماری مراد ہے۔ اس مقام پر لوگوں کے درمیان تفاوت ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اور تسبیحات کے معانی کو سمجھنے کے سلسلے میں لوگ مشترک نہیں ہیں کتنے ہی باریک معانی ہیں جنہیں نمازی، نماز کے دوران سمجھ لیتا ہے لیکن اس سے پہلے اس کے دل میں ان کا خیال نہیں گزرا ہوتا۔ اسی بنیاد پر نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ یعنی نماز ایسی باتیں بتاتی ہے جو لازماً بے حیائی سے روکتی ہیں۔

جہاں تک تعظیم کا تعلق ہے تو یہ حضورِ قلب اور معانی کو سمجھنے کے بعد ہوتی ہے کیونکہ بعض اوقات آدمی اپنے غلام کو مخاطب کرتا ہے اس کا دل بھی حاضر ہوتا ہے اور وہ اس کی بات سمجھتا بھی ہے وہ اس کی تعظیم نہیں کرتا لہٰذا تعظیم ان دونوں سے زائد چیز ہے۔

ہیبت، تعظیم سے بھی زائد ہے بلکہ یہ ایک ایسا خوف ہے جس کا منبع تعظیم ہے کیونکہ جو آدمی خوف نہیں رکھتا اسے ہیبت والا نہیں کہا جاتا ہے۔ بچھو سے، کسی انسان کے برے اخلاق یا اس قسم کی دوسری باتوں سے ڈرنا جو خسیس قسم کے اسباب ہیں، ہیبت نہیں ہے بلکہ سلطان معظم سے ڈرنا ہیبت ہے گویا، ہیبت وہ خوف ہے جس کی بنیاد کسی کو بڑا سمجھنا ہے۔

امید بھی یقیناً ایک زائد بات ہے کتنے ہی لوگ بادشاہ سے ڈرتے ہوئے یا اس کے اقتدار کے خوف سے اس کی تعظیم کرتے ہیں لیکن اس سے اجر کی امید نہیں رکھتے تو بندے کو چاہیے کہ وہ اپنی نماز سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کی امید رکھے۔ جس طرح نماز میں کوتاہی کے باعث وہ اس کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

حیاء ان تمام امور سے زائد ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد اپنی کوتاہی کا شعور، اور گناہ کا وہم ہوتا ہے جب کہ تعظیم، خوف اور امید کا تصور حیاء کے بغیر بھی ہوتا ہے جب کوتاہی کا وہم یا ارتکاب گناہ نہ ہو۔

ان چھ باطنی اسباب کے بارے میں تمہیں جاننا چاہیے کہ دل کی حاضری کا سبب فکر ہے کیونکہ تیرا دل فکر کے تابع ہے پس وہ اس جگہ حاضر ہوگی۔ بعض اوقات تمہیں کسی ایک معاملہ کی فکر ہوتی ہے جس میں دل کو حاضر ہونا پڑتا ہے وہ چاہے یا نہ کیونکہ وہ اس پر مجبور ہے اور مسخر ہے۔

جب نماز میں دل حاضر نہ ہو، تو وہ بیکار نہیں ہوتا بلکہ وہ اس دنیوی کام کی طرف دوڑتا ہے جس میں انسانی فکر مصروف ہوتی ہے پس دل کو حاضر کرنے کے لیے کوئی حیلہ یا علاج کارگر نہیں ہوسکتا البتہ یہ کہ اپنی سوچ کو نماز کی طرف پھیر دیا جائے اور ہمت وفکر اس طرف اس وقت تک نہیں پھرتی جب تک یہ بات واضح نہ ہو کہ نماز کی غرض جو مطلوب ہے اس کا دارومدار اسی پر ہے یعنی اس بات کا یقین ہو کہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے اور نماز اس تک پہنچنے کا وسیلہ ہے جب اس بات کی حقیقت علم کی طرف اضافت کی جائے اور دنیا اور اس کی سوچ کو حقیر سمجھا جائے، تو ان کے مجموعے سے نماز میں دل کی حضوری ہوگی۔ جب تم کسی بڑی شخصیت کے پاس جاتے ہو، تو اسی سوچ کے تحت دل حاضر ہوتا ہے حالانکہ وہ شخص تمہیں نقصان یا نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہوتا پس جب تمام بادشاہوں کے بادشاہ کے قبضے میں دنیا اور آسمان کی بادشاہی اور نفع ونقصان ہے، اس سے مناجات کے وقت دل حاضر نہ ہو، تو تمہیں ایمان کی کمزوری کے سوا کسی دوسرے سبب کا خیال نہیں کرنا چاہیے، اب تم ایمان کی مضبوطی کی کوشش کرو اور اس کا طریقہ دوسرے مقام پر بیان ہوگا۔

جہاں تک سمجھنے کا تعلق ہے، تو اس کا سبب یہ ہے کہ حضورِ قلب کے بعد فکر اور ذہن کو معنی کے سمجھنے کی طرف لگا دیا جائے اور اس کا علاج وہی ہے جو دل کی حاضری کا علاج ہے یعنی قلبی خیالات کو دور کرنے کی فکر کی جائے اور خیالات کو یوں دور کیا جاسکتا ہے کہ ان کا مواد ختم کیا جائے۔ یعنی وہ اسباب ختم کر دیئے جائیں جن کی طرف خیالاتِ قلبی مائل ہوتے ہیں جب تک یہ مواد ختم نہیں ہوگا ان سے قلبی خیالات نہیں پھریں گے۔ پس جو شخص کسی چیز کو پسند کرتا ہے، تو وہ اس سے محبت کرتا ہے لہذا محبوب کا ذکر لازماً دل پر ہجوم کرتا اور اثر انداز ہوتا ہے اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ جو آدمی غیر خدا سے محبت کرتا ہے اس کی نماز وسوسوں اور خیالات سے خالی نہیں ہوتی۔

تعظیم قلبی حالت ہے جو دو معرفتوں سے پیدا ہوتی ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کی معرفت ہے اور وہ اصول ایمان سے ہے کیونکہ جو شخص اس کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتا اس کا نفس تعظیم کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ دوسری معرفت نفس کے حقیر اور خسیس ہونے کو پہچاننا ہے نیز یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند اور مسخر ہے حتیٰ کہ ان دونوں معرفتوں سے انکساری، مسکینی اور خشوع پیدا ہوتا ہے اور یہی تعظیم ہے جب تک نفس کی حقارت کی معرفت اللہ تعالیٰ کے جلال کی معرفت کے ساتھ نہ ملے خشوع اور تعظیم کی حالت پیدا نہیں ہوتی کیوں کہ جو شخص دوسرے سے بے نیاز اور اپنے نفس پر اعتماد رکھنے والا ہو، تو ممکن ہے کہ وہ دوسروں

سے عظمت کی صفات معلوم کرے لیکن اس کی حالت خشوع اور تعظیم والی نہ ہوگی کیوں کہ دوسرا قرینہ یعنی حقارتِ نفس کی پہچان اس کے ساتھ ملی ہوئی نہیں۔

ہیبت وخوف نفس کی حالت ہے، جواس بات کی معرفت سے پیدا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور دبدبے والا ہے، اسی کی مشیت نافذ ہوتی ہے اور اسے کسی بات کی پرواہ نہیں ہوتی اگر وہ پہلوں اور پچھلوں کو ہلاک کر دے، تو اس کی حکومت سے ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔ یہ بات اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس بات کا مطالعہ کیا جائے کہ انبیاء کرام علیھم السلام اور اولیاء عظام رحمتہ اللہ علیھم پر طرح طرح کے مصائب نازل ہوتے ہیں، حالانکہ وہ انہیں دور کرنے پر قادر ہوتے ہیں، جب کہ دنیوی بادشاہوں کے سلسلے میں اس کے خلاف مشاہدہ ہوتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم بڑھتا ہے، تو خشیت و ہیبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے اسباب کا ذکر نجات دینے والے امور کے بیان میں ہے، جو کتابِ خوف کے تحت آئے گا۔

جہاں تک امید کا تعلق ہے، تو اس کا سبب اللہ تعالیٰ کی مہربانی، کرم، عمومی انعامات، اس کی صنعتوں کی لطافت اور اس بات کی پہچان ہے کہ نماز کے بدلے میں جنت کا وعدہ سچا ہے جب اس کے وعدے پر یقین ہوگا اور اس بات کی معرفت ہوگی کہ وہ مہربان ہے، تو ان دونوں کے مجموعے سے یقیناً امید پیدا ہوگی۔

حیاء کا سبب یہ ہے کہ بندے کو عبادت کے سلسلے میں کوتاہی کا شعور ہو اور جانتا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے حق کو قائم کرنے سے عاجز ہے اور یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب اسے اپنے نفس کے عیبوں اور ان کی آفات کا علم ہوتا ہے نیز وہ جانتا ہے کہ اس کے پاس اخلاص کم ہے، باطن میں خباثت ہے اور تمام افعال میں فوری فائدے کی طرف توجہ ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جلال بہت بڑی بات کا تقاضا کرتا ہے اور اسے اس بات کا بھی علم ہے کہ وہ پوشیدہ باتوں اور دل کے وسوسوں پر مطلع ہے اگرچہ وہ کتنے ہی باریک اور چھوٹے ہوں اس سے یقینی طور پر ان امور کی معرفت حاصل ہوگی تو اس سے لازماً ایک ایسی حالت پیدا ہوگی، جس کو حیاء کہتے ہیں۔

ان صفات کے یہ اسباب ہیں، تو ان میں سے جس کو حاصل کرنا مطلوب ہو اس کا علاج اس کے سبب کو حاضر کرنا ہے کیونکہ معرفتِ سبب میں علاج کی معرفت ہے۔ اور ان تمام اسباب کو ایمان ویقین باہم ملاتے ہیں یعنی وہ معارف جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ان کے یقینی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شک دور ہو جائے اور یہ دل پر غلبہ حاصل کرلیں جیسے کتاب العلم میں "یقین" کے بیان میں یہ بات گزر چکی ہے۔ اور جتنا یقین ہوتا ہے اتنا ہی دل پر خشوع پیدا ہوتا ہے اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اور ہم آپ سے گفتگو کر رہے ہوتے، جب نماز کا وقت آ جاتا، تو گویا نہ آپ ہمیں پہچانتے اور نہ ہم آپ کو۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا: ''اے موسیٰ علیہ السلام جب تمہیں میری یاد آئے تو مجھے یوں یاد کرو کہ اپنے اعضاء کو جھاڑدو اور میرے ذکر کے وقت خشوع کرنے والے اور مطمئن ہو جاؤ، جب میرا ذکر کرو، تو اپنی زبان کو دل کے پیچھے کرلو۔ اور جب میرے سامنے کھڑے ہو، تو اس طرح کھڑے ہو، جس طرح کوئی ادنی غلام کھڑا ہوتا ہے اور مجھ سے ڈرنے والے دل اور سچی زبان سے گفتگو کرو۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ: اپنی امت کے نافرمان لوگوں سے فرمائیں کہ وہ میرا ذکر نہ کریں کیونکہ میں نے اپنے نفس پر قسم کھائی ہے کہ، جو شخص میرا ذکر کرے گا اس کو یاد کروں گا پس جب وہ میرا ذکر کریں گے، تو میں لعنت کے ساتھ ان کا ذکر کروں گا۔''

یہ بات تو اس نافرمان کے بارے میں ہے، جو اس کے ذکر سے غافل نہیں، تو کیا حال ہو گا جب غفلت اور نافرمانی جمع ہو جائیں۔ جن معانی کا ہم نے ذکر کیا ان کا تعلق دل سے ہے ان میں اختلاف کی وجہ سے لوگ تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے، جو غافل ہیں نماز کو مکمل کرتے ہیں لیکن ان کا دل ایک لحظہ کے لیے بھی حاضر نہیں ہوتا اور وہ لوگ بھی ہیں جو نماز کو مکمل طور پر پڑھتے ہیں اور ایک لحظہ کے لیے بھی ان کا دل غائب نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات، تو ان کی سوچ اور فکر نماز کو اس طرح گھیر لیتی ہے کہ ان کے سامنے، جو کچھ ہوتا ہے انہیں اس کا بھی احساس نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جب مسجد میں ستون گر گیا اور لوگ وہاں جمع ہوئے تو حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا علم نہ ہو سکا۔ بعض وہ لوگ ہیں جو ایک مدت تک جماعت میں حاضر ہوتے ہیں، لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے دائیں بائیں کون ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جوشِ قلب کی آواز دو میلوں سے سنی جاتی تھی اور ایک گروہ ایسا تھا کہ (حالت نماز میں) ان کے چہرے زرد ہو جاتے اور ان کے کاندھے تھرتھرانے لگتے اور یہ ساری باتیں سمجھ سے باہر نہیں ہیں کیونکہ دنیا داروں کی سوچ اور بادشاہوں سے ان کے خوف میں اس سے دوگنا کا مشاہدہ ہوتا ہے، حالانکہ یہ بادشاہ عاجز اور کمزور ہیں اور جو کچھ ان سے حاصل ہوتا ہے وہ نہایت حقیر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کوئی شخص بادشاہ یا وزیر کے پاس جاتا ہے اور اس کے سامنے اپنا مقصد بیان کرتا ہے پھر باہر نکلتا ہے اب اگر اس سے پوچھا جائے کہ بادشاہ کے گرد کون کون لوگ تھے یا بادشاہ کے کپڑے کیسے تھے، تو وہ بتانے پر قادر نہیں ہوتا کیونکہ اس کی سوچ نے اسے کپڑوں اور درباریوں کی طرف توجہ سے پھیر رکھا تھا۔

ہر ایک کے عمل کے درجات ہیں لہذا ہر شخص کو اس کی نماز سے اس کے خوف خشوع اور تعظیم کے مطابق حصہ ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر کا محل دل ہے ظاہر حرکات نہیں اسی لیے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو ان کی نماز والی صورت پر اٹھایا جائے گا۔ یعنی اسے نماز میں جس قدر سکون واطمینان اور لذت حاصل ہوتی تھی اسی اندازے پر اس کا حشر ہو گا

انہوں نے سچ فرمایا کیونکہ ہر شخص اس طریقے پر اٹھایا جائے گا جس پر اس کا انتقال ہوا۔ اور ہر آدمی اس طریقے پر مرتا ہے جس پر وہ زندگی گزارتا ہے اور اس سلسلے میں اس کے دل کی حالت کو دیکھا جاتا ہے ظاہری جسم کو نہیں اور دلوں کی صفات ہی کو آخرت میں صورتوں میں ڈھالا جائے گا۔ وہ شخص ہی نجات پائے گا، جو محفوظ دل کے ساتھ آئے گا، ہم اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

حضورِ قلب کے لیے نافع دوا:

جان لو! مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنے والا، اس سے ڈرنے والا، امید رکھنے والا اور اپنی کوتاہی پر حیاء کرنے والا ہو۔ ایمان کے بعد یہ حالتیں جدا نہیں ہونی چاہیں اگرچہ ان کی قوت یقین کی قوت کے برابر ہو۔ اگر نماز میں یہ باتیں جدا ہوتی ہیں، تو اس کی وجہ انتشار فکر اور سوچ کا بٹ جانا، مناجات سے دل کا غائب ہونا اور نماز سے غافل ہونا ہے۔ نماز سے وہی خیالات توجہ ہٹاتے ہیں، جو دوسری طرف مشغول رکھتے ہیں۔ لہٰذا دل کو حاضر کرنے کا علاج ان خیالات کو دور کرنا ہے اور کسی چیز کو اسی وقت دور کیا جاسکتا ہے جب اس کے سبب کو دور کیا جائے لہٰذا تمہیں اس کے اسباب کا علم ہونا چاہیے۔

قلبی خیالات کا سبب یا تو خارجی بات ہوگی یا ایسی بات ہوگی جو دل کے اندر پائی جاتی ہے۔ خارجی بات وہ ہے، جو کانوں کو کھٹکھٹاتی اور آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتی ہے یہ چیز فکر کو اچک لیتی ہے یہاں تک کہ فکر ان باتوں کے پیچھے چلی جاتی ہے اور ان میں تصرف کرتی ہے۔ پھر وہ ان امور سے دوسرے امور کی طرف چلی جاتی ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ بڑھتا ہے کہ سب سے پہلے نظر اس سوچ کا سبب بنتی ہے پھر بعض افکار بعض دوسرے کے لیے سبب بنتے ہیں لہٰذا جس شخص کی نیت مضبوط اور اس کی ہمت بلند ہو اس کے حواس پر جاری ہونے والی کوئی بات اسے غافل نہیں کرسکتی البتہ کمزور آدمی کی توجہ بٹ جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ان اسباب کو ختم کردے مثلاً آنکھیں بند کردے یا اندھیرے کمرے میں نماز پڑھے یا اپنے سامنے کوئی ایسی چیز نہ چھوڑے جو اس کی حس کو ادھر مشغول کردے۔ نماز کے وقت دیوار کے قریب کھڑا ہو، تاکہ اس کی آنکھ دور تک نہ دیکھ سکے راستوں پر نماز پڑھنے سے بچے اسی طرح جہاں نقش ونگار ہوں یا رنگدار فرش ہو اس سے بھی احتراز کرے، اسی لیے عبادت گزار لوگ چھوٹے سے تاریک گھر میں نماز پڑھتے ہیں جس میں سجدہ ہوسکے تاکہ ان کی ہمت وسوچ مجتمع رہے۔

البتہ ان میں سے جو لوگ (ایمان کے اعتبار سے) مضبوط ہیں وہ مساجد میں جاتے ہیں اور آنکھوں کو بند رکھتے ہیں سجدے کی جگہ سے ان کی نظر تجاوز نہیں کرتی۔ اور وہ اس بات کو نماز کی تکمیل کا سبب جانتے ہیں کہ وہ اپنے دائیں بائیں والوں کو بھی پہچان نہ سکیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز پڑھنے کی جگہ قرآن پاک اور تلوار وغیرہ کو نہیں چھوڑتے تھے بلکہ وہاں سے ہٹا دیتے اور اگر کچھ لکھا ہوتا تو اس مٹا دیتے۔

جہاں تک باطنی اسباب کا تعلق ہے تو وہ زیادہ سخت ہیں کہ کیونکہ جس شخص کی فکر دنیا کی وادیوں میں بکھری ہوئی ہو اس کی سوچ ایک مکان میں بند نہیں ہوتی بلکہ وہ مسلسل ایک طرف سے دوسری طرف اڑتی رہتی ہے۔ آنکھوں کا بند کرنا اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا ہے کیوں کہ جو کچھ پہلے دل سے آچکا ہے وہ اسے مشغول رکھنے کے لیے کافی ہے، تو باطنی وسوسوں کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو زبردستی اپنی قراءت کے سمجھنے کی طرف متوجہ کرے اور اس کے غیر سے پھیر دے اور اگر وہ نیت کرنے سے پہلے تہیہ کرلے کہ وہ نفس کو آخرت کی یاد دلانے کی تجدید کرے گا، اسے مناجات کے لیے کھڑے ہونے کے مقام اور خداوند تعالیٰ کے سامنے حاضری کے خطرات اور موت کے بعد والے حالات سے اسے نفس کو آگاہ کرے گا، تو اس سوچ سے بھی اسے حضورِ قلب پر مدد ملے گی۔ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے اپنے دل کو دوسرے خیالات سے فارغ کرنا چاہیے اور اپنے نفس کے لیے ایسی مشغولیت نہ چھوڑے جس کی طرف اس کا دل متوجہ ہو جائے۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی شیبہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''میں تمہیں یہ بات کہنا بھول گیا کہ گھر میں جو ہنڈیا ہے اسے ڈھانپ دینا کیونکہ یہ بات مناسب نہیں کہ گھر میں کوئی ایسی چیز ہو جو لوگوں کی توجہ سے نماز ہٹا دے۔'' (۱)

تفکرات کو ختم کرنے کا یہ طریقہ ہے پھر بھی اگر سکون پہنچانے والی اس دوا سے اس کی سوچ کا جوش ختم نہ ہو، تو وہ دوا نجات دے گی جو اسہال پیدا کرتی ہے یعنی رگوں کے اندر سے بیماری کے مادہ کو ختم کر دیتی ہے۔ وہ یہ کہ ان امور کو دیکھے جو دل کی حاضری کو پھیرنے والے اور دوسرں کی طرف مشغول رکھنے والے نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امور اس کے افکار کی طرف لوٹتے ہیں اور یہ تمام سوچ بھی خواہشات کی جہت سے ہوتی ہے پس وہ ان خواہشات کو ختم کرنے اور ان خرابیوں کو دور کرنے کے ذریعے اپنے نفس کو سزا دے، جو چیز نماز سے غافل کرتی ہے وہ اس کے دین کی ضد ہے اور اس کے دشمن ابلیس کا لشکر ہے لہٰذا اس کو نکالنے کی بجائے باقی رکھنا زیادہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو نکال کر چھٹکارا حاصل کرے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وہ جبہ پہنا، جو حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ نے آپ کو پیش کیا تھا اور اس پر بیل بوٹے تھے آپ نے اس میں نماز پڑھی اور پھر اتار کر فرمایا اسے ابوجہم رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ اس نے ابھی نماز میں میری توجہ کو پھیر دیا تھا اور ابوجہم کی سادہ چادر لا کر مجھے دو۔ (۲)

نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ جوتوں کا نیا جوڑا پہنا تو وہ آپ کو اچھا معلوم ہوا آپ نے سجدہ کیا اور فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کے لیے تواضع کی تاکہ وہ مجھ پر غضبناک نہ ہو، پھر باہر تشریف لے گئے، تو سب سے پہلے جو سائل ملا اس کو عطا فرما دیا، اس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے لیے دو جوتے خریدیں جو پرانے نرم چمڑے کے ہوں، چنانچہ آپ نے انہیں پہنا۔ سونا حرام ہونے سے پہلے نبی اکرم ﷺ کی انگلی مبارک میں سونے کی انگوٹھی تھی آپ منبر پر تشریف فرما تھے

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۶۸ ۲۔ مشکوۃ شریف، ص ۷۲

کہ اسے پھینک دیا اور فرمایا اس نے مجھے مصروف کر دیا میں ایک نظر اس کی طرف کرتا اور دوسری نظر تمہاری طرف۔(۱)

ایک روایت میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باغ میں نماز پڑھی اس میں ایک درخت تھا تو ایک بھورے رنگ کا پرندہ آپ کو اچھا لگا جو اس درخت پر اڑتے ہوئے راستہ تلاش کر رہا تھا۔ ایک گھڑی آپ اس کو دیکھتے رہے اور معلوم نہ ہو سکا کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ باغ صدقہ ہے آپ جہاں چاہیں خرچ فرمائیں۔

ایک اور شخص کے بارے میں ہے کہ اس نے اپنے باغ میں نماز پڑھی کھجور کے درخت پھلوں کی وجہ سے جھکے ہوئے تھے اس نے دیکھا، تو اسے پسند کیا اور معلوم نہ ہو سکا کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں۔ اس شخص نے یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اور کہا کہ یہ صدقہ ہے اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیں۔ چنانچہ حضرت عثمان نے اسے پچاس ہزار میں بیچا۔ وہ لوگ فکر کی اصل کو ختم کرنے کے لیے ایسا کرتے تھے نیز اسے (صدقہ کو) نماز میں ہونے والے نقصان کا کفارہ قرار دیتے اور حقیقت میں بیماری کی جڑ کو اکھیڑنے کا یہی علاج ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی جو کچھ ہم نے ذکر کیا کہ تفکرات کو نرمی کے ساتھ ٹھنڈا کر دے اور ذکر کو سمجھنے کی طرف رجوع کرے، تو یہ عمل کمزور، خواہشات اور ان خیالات میں مفید ہے جو دل کے اطراف کو مشغول رکھتے ہیں لیکن مضبوط اور زوردار خواہشات کو ساکن نہیں کیا جا سکتا بلکہ مسلسل تو ان کو اور وہ تجھے کھینچتی رہیں گی حتی کہ وہ تجھ پر غالب آ جائیں گی اور تمام نماز کھینچا تانی کی نذر ہو جائے گی اس کی مثال اس طرح ہے کہ کوئی شخص درخت کے نیچے اپنی فکر کو صاف رکھنا چاہتا ہو لیکن چڑیوں کی آواز سے اسے تشویش پیدا ہو، تو وہ لکڑی لے کر مسلسل ان کو اڑاتا ہے اور اپنی سوچ کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرتا ہے لیکن چڑیاں پھر لوٹ آتی ہیں وہ دوبارہ لکڑی لے کر ان کو اڑاتا ہے، تو اسے کہا جائے گا کہ یہ اونٹنی کی چال ہے اس طرح یہ کبھی ختم نہ ہو گی اگر تم اس سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو درخت کو کاٹ دو اس طرح شہوتوں کا درخت جب پھیل جائے اور اس کی ٹہنیاں ادھر اُدھر بکھر جائیں، تو وہ افکار کو اپنی طرف اس طرح کھینچتی ہیں جس طرح چڑیوں کو درخت کی طرف اور مکھیوں کو گندگی کی طرف کشش ہوتی ہے کیونکہ مکھی کو جب بھگایا جائے تو پھر آتی ہے اسی لیے اسے ذباب کہا جاتا ہے (جسے زیادہ بھگایا جائے)۔ وسوسوں اور خیالات کا بھی یہی حال ہے۔

یہ خواہشات بہت زیادہ ہیں اور انسان ان سے بہت کم خالی ہوتا ہے لیکن ان تمام کو ایک چیز جمع کرتی ہے اور وہ دنیا کی محبت ہے، اس طرح ہر گناہ کی بنیاد، ہر نقصان کی اصل اور ہر فساد کی جڑ دنیا سے محبت ہے۔ جس آدمی کا دل دنیا کی محبت پر مشتمل ہو یہاں تک کہ وہ اس میں سے کسی چیز کی طرف مائل ہو جائے لیکن اس لیے نہیں کہ وہ اسے آخرت کا توشہ بناتا ہے اور نہ اس لیے

۱۔　مسند امام احمد بن حنبل، ج ۱، ص ۳۲۲

کہ وہ اس سے آخرت پر مدد لیتا ہے، تو اس کو نماز میں مناجات کی لذت صاف طور پر حاصل ہونے کی امید نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ جو آدمی دنیا پر خوش ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مناجات کو پسند نہیں فرماتا اور انسان کی ہمت اور ارادہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک اگر دنیا سے حاصل ہو تو لامحالہ اس کی ہمت اس طرف پھرے گی لیکن اس کے باوجود اسے چاہیے کہ نہ تو مجاہدہ کو ترک کرے اور نہ دل کی نماز کی طرف توجہ کو چھوڑے نیز مشغول کرنے والے اسباب کو کم کر دے۔ یہ کڑوی دوا ہے اسی کڑواہٹ کی وجہ سے طبیعتیں اسے بدمزہ سمجھتی ہیں اور مرض پرانا ہو جاتا ہے اور لا علاج بھی، حتیٰ کہ بعض اکابر نے کوشش کی کہ وہ دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ ان میں دنیوی امور کے بارے میں کوئی بات پیدا نہ ہو لیکن وہ اس سے عاجز آ گئے، تو اب ہمارے جیسے لوگوں کے لیے کیا امید باقی رہ گئی؟ کاش ہماری نماز سے نصف یا تیسرا حصہ ہی وسوسوں سے محفوظ ہو جاتا یا کم از کم ہم ان لوگوں میں سے ہو جاتے جنہوں نے نیک اعمال کو بُرے اعمال سے ملا لیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی ہمت اور آخرت کا ارادہ دل میں اس پانی کی طرح ہے جو سرکہ سے بھرے ہوئے پیالے میں ڈالا جائے تو جس قدر پانی اس میں جائے گا اسی مقدار میں سرکہ باہر آئے گا اور یہ دونوں جمع نہیں ہوں گے۔ (۱)

خشوع کرنے والوں کی نماز کے بارے میں دو واقعات:

جاننا چاہیے کہ خشوع ایمان اور یقین کا نتیجہ و ثمرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے جلال سے حاصل ہوتا ہے۔ جسے اس میں سے حصہ ملا وہ نماز میں اور نماز کے باہر بھی خشوع سے کام لیتا ہے بلکہ علیحدگی میں بھی اور قضائے حاجت کے وقت بھی۔ کیوں کہ خشوع کا سبب اس بات کی معرفت ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر مطلع ہے نیز اسے اللہ تعالیٰ کے جلال اور اپنی کوتاہیوں کی بھی معرفت ہو۔ ان معارف سے خشوع پیدا ہوتا ہے اور یہ نماز کے ساتھ خاص نہیں اسی لیے بعض اکابر کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہوئے اور خشوع کے تحت چالیس سال تک اپنا سر آسمان کی طرف نہیں اٹھایا۔ اور حضرت ربیع بن خثیم اپنی آنکھوں اور سر کو اس قدر جھکائے رکھتے کہ لوگ سمجھتے کہ یہ نابینا ہیں۔ آپ بیس سال تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوتے رہے، تو جب بھی ان کی لونڈی انہیں دیکھتی، تو کہتی آپ کے نابینا دوست تشریف لائے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لونڈی کی بات پر مسکرا دیتے۔ وہ جب دروازہ کھٹکھٹاتے تو لونڈی باہر آتی اور ان کو سر جھکائے اور آنکھوں کو نیچے کیا ہوا دیکھتی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ان کو دیکھتے تو یہ پڑھتے:۔

''وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ۔'' (۲)

''اور تواضع کرنے والوں کو خوشخبری سنائیں۔''

۱۔ احیاء العلوم، ج ۱، ص ۴۰۶۔۴۱۹　　۲۔ حج ۲۲: ۳۴

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر سرکار دو عالم ﷺ تم کو دیکھتے، تو خوش ہوتے۔ اور دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ آپ ﷺ تم سے محبت کرتے۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ ان کو دیکھ کر مسکرا پڑتے۔ ایک دن حضرت ربیع بن خیثم رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوہاروں کے پاس گئے جب بھٹیوں کو دیکھا کہ انہیں دھونکا جا رہا ہے آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں، تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نماز کے وقت ان کے سرہانے بیٹھے رہے لیکن انہیں افاقہ نہ ہوا چنانچہ انہوں نے ان کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور گھر لے گئے وہ اس وقت تک بیہوش رہے جس وقت (پہلے دن) بیہوش ہوئے تھے۔ اس طرح ان کی پانچ نمازیں رہ گئیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے سرہانے بیٹھے ہوئے کہتے رہے کہ اللہ کی قسم! یہ وہی خوف ہے۔ حضرت ربیع فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی نماز میں داخل ہوا تو مجھے صرف یہی فکر رہی کہ کیا کہتا ہوں اور مجھے کیا جواب ملے گا؟

حضرت عامر بن عبداللہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے تھے۔ آپ جب نماز پڑھتے تو بعض اوقات آپ کی صاحبزادی دف بجاتی اور ان عورتوں سے باتیں کرتی جو گھر میں آتیں لیکن آپ نہ تو سنتے اور نہ سمجھ پاتے ایک دن ان سے پوچھا گیا کہ آپ نماز میں اپنے نفس سے کوئی بات کرتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا ہاں یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور دو گھروں میں سے ایک (آخرت) کی طرف لوٹ کر جاؤں گا۔ پوچھا گیا کیا آپ بھی ہماری طرح نماز میں امور دنیا میں سے کچھ پاتے ہیں؟ فرمایا نہیں کیوں کہ میں نماز میں خیالات کے پیدا ہونے کی نسبت مختلف برچھیوں کے ذریعے اپنے اوپر حملے کو ترجیح دیتا ہوں اور وہ فرمایا کرتے تھے اگر پردہ اٹھ جائے، تو میرے یقین میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔

حضرت مسلم بن یسار رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں سے تھے اور ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے انہیں مسجد کا ستون گرنے کی خبر نہ ہوئی۔

کسی بزرگ کے جسم کا ایک حصہ گل سڑ گیا اور اسے کاٹنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور یہ ممکن نہ تھا تو کہا گیا کہ انہیں نماز میں کسی بات کا احساس نہیں ہوتا چنانچہ جب وہ نماز میں تھے تو ان کا عضو کاٹ دیا گیا۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ''نماز آخرت سے ہے پس جب تم نماز میں داخل ہو تو دنیا سے نکل جاؤ۔ ایک دوسرے بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نماز میں اپنے نفس سے کوئی بات کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا نہ نماز میں اور نہ اس سے باہر۔ ایک اور بزرگ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو نماز میں کوئی بات یاد آتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کیا مجھے نماز سے بڑھ کر بھی کوئی چیز پسند ہوگی کہ میں اسے یاد کروں گا۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''انسان کی سمجھداری یہ ہے کہ وہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنی حاجت کو پورا کرے تاکہ فارغ دل کے ساتھ نماز شروع کرے''۔ بعض بزرگ وسوسوں کے خوف سے مختصر نماز پڑھتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے مختصر نماز پڑھی تو پوچھا گیا کہ اے ابوالیقظان! آپ نے ہلکی پھلکی نماز پڑھی ہے؟ فرمایا کیا تم نے مجھے نماز کی حدود میں کمی کرتے دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں، فرمایا میں نے شیطان کے بھلانے سے بچنے کے لیے جلدی کی ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان العبد لیصلی الصلوٰۃ لا یکتب لہ نصفھا ولا ثلثھا ولا ربعھا ولا خمسھا ولا سدسھا ولا عشرھا۔"(۱)

بے شک آدمی نماز پڑھتا ہے لیکن اس کے لیے اس کا نصف تہائی چوتھا، پانچواں چھٹا اور دسواں حصہ کچھ بھی (ثواب) نہیں لکھا جاتا۔

آپ فرماتے تھے کہ بندے کے لیے نماز سے وہی کچھ لکھا جاتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے اور کہا گیا ہے کہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ تمام لوگوں کی نسبت ہلکی پھلکی نماز پڑھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہم شیطان کے وسوسوں سے بچنے کے لیے جلدی کرتے ہیں۔

اسلام کی حالت میں انسان کے رخساروں پر سفیدی آجاتی ہے (داڑھی سفید ہو جاتی ہے لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز کو مکمل نہیں کرتا پوچھا گیا وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا وہ اس کے خشوع اور تواضع کو پورا نہیں کرتا اور نہ ہی نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت ابوالعالیہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا۔

"اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْن۔"(۲)

وہ لوگ جو اپنی نماز سے غافل ہوتے ہیں۔

تو انہوں نے فرمایا وہ آدمی جو نماز میں بھول جاتا ہے اور اسے معلوم نہیں ہوتا کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں جفت رکعات، پڑھی ہیں یا طاق؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز کے وقت غافل رہتا ہے حتیٰ کہ وقت نکل جاتا ہے۔

ان میں سے بعض بزرگوں نے فرمایا یہ وہ شخص ہے کہ جو اول وقت میں نماز پڑھنے پر خوش نہیں ہوتا اور قضا ہو جانے پر غمگین نہیں ہوتا نہ وہ جلدی کرنے کو نیکی سمجھتا ہے اور نہ تاخیر کو گناہ خیال کرتا ہے۔

جان لو! نماز کا کچھ حصہ شمار ہوتا ہے اور لکھا جاتا ہے اور بعض نہیں لکھا جاتا۔ جیسے روایات میں ہے اگر چہ فقیہ کے نزدیک نماز کی صحت تقسیم نہیں ہوتی لیکن اس کا ایک اور مفہوم ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اور اس معنیٰ پر احادیث دلالت کرتی ہیں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ:۔

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۳۲۱　　　۲۔ ماعون ۱۰۷:۵

''جبر نقصان الفرائض بالنوافل ۔''(۱)

فرائض کے نقصان کو نوافل کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''میرے بندے نے فرائض کے ذریعے مجھ سے (میرے عذاب سے) نجات پائی اور نوافل کے ذریعے بندہ میرا قرب حاصل کرتا ہے۔''(۲)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

''قال اللہ تعالیٰ لا ینجو منی عبدی الا باداء ماافترضتہ علیہ ۔''(۳)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرا بندہ میرے عذاب سے نجات حاصل نہیں کرسکتا جب تک اس چیز کو ادا نہ کرے جو میں نے اس پر فرض کی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نماز پڑھی، تو ایک آیت کی قرات چھوڑ دی۔ سلام پھیرنے کے بعد فرمایا میں نے کیا پڑھا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے، آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا، تو انہوں نے عرض کیا آپ نے فلاں فلاں سورت پڑھی ہے اور فلاں آیت چھوڑ دی ہمیں معلوم نہیں آیا وہ آیت منسوخ ہوگئی یا اٹھالی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابی! تو اس کے لیے (یعنی یہ بات یاد رکھنا تیرے شایانِ شان ہے کہ کیونکہ حضور علیہ السلام نے انہیں سب سے بڑا قاری قرار دیا تھا۔) پھر دوسرے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنی نماز میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنی صفوں کو پورا کرتے ہیں ان کا نبی ان کے آگے ہوتا ہے، لیکن انہیں معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ان کے رب کی کتاب سے کیا پڑھ رہا ہے سنو بنی اسرائیل نے اسی طرح کیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے فرمادیں تم اپنے بدنوں کے ساتھ حاضر ہوتے ہو اور اپنی زبانیں مجھے دیتے ہو لیکن دلوں کے ساتھ مجھ سے غائب ہوتے ہو۔ تم جس طرح متوجہ ہوتے ہو وہ باطل ہے۔(۴)

یہ اس بات پر استدلال بھی ہے کہ امام کی قراءت کو سننا اور سمجھنا خود قراءت کرنے کی طرح ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ایک شخص سجدہ کرتا ہے اس کا خیال ہوتا ہے کہ اس نے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرلیا ہے۔ حالانکہ اس نے سجدے میں جو گناہ کیے ہیں اگر انہیں اہل مدینہ پر تقسیم کیا جائے، تو وہ ہلاک ہوجائیں پوچھا گیا وہ کیسے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سجدہ کررہا ہوتا ہے اور اس کا دل خواہشات کی طرف جھکا ہوتا ہے، باطل کا مشاہدہ کررہا ہوتا ہے۔

۱۔ سنن بیہقی، ج ۲، باب ۳۸۶ ۲۔ قوت القلوب، ج ۲، ص ۱۰۳

۳۔ قوت القلوب، ج ۲، ص ۱۰۳ ۴۔ ایضاً

(یہ جو کچھ بیان کیا گیا) یہ خشوع کرنے والوں کی صفات میں گذشتہ تقریر کے ساتھ ساتھ یہ واقعات اور روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز میں اصل بات خشوع اور دل کی حاضری ہے اور حالتِ غفلت میں محض اوپر نیچے ہونا آخرت میں بہت کم نفع دے گا واللہ اعلم بالصواب۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حسن توفیق کا سوال کرتے ہیں۔(۱)

نماز کے اسرار:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

معلوم کرنا چاہیے کہ کبھی آدمی حضیرۃ القدس کی سی حالت کو اخذ کر لیتا ہے۔ بارگاہ خداوندی سے اس کا کمال اتصال وقرب ہو جایا کرتا ہے تو وہاں سے اس پر مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ وہاں وہ ایسی حالت کو مشاہدہ کرتا ہے جس کو زبان نہیں بیان کر سکتی ہے۔ پھر جہاں تھا وہاں کا وہیں آ جاتا ہے اس وقت میں وہ بے قرار ہو کر کوشش کرتا ہے کہ سفلی حالتوں میں سے جو حالت اس سے قریب ہے اسے اپنے اندر پیدا کرے۔ اس لیے اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ جو حالت فوت ہوئی ہے وہ پھر واپس آ جائے۔ یہ حالت اللہ کی عظمت اور اپنی خاکساری کے اظہار سے ان افعال اور اقوال کے ذریعے سے اللہ کے حضور میں مناجات کرنے سے، جو مناجات کرنے کے لیے مقرر ہیں ہوا کرتی ہے۔ اس کے بعد اس شخص کا درجہ ہوتا ہے جس نے کسی احکام کے سچے حالات بیان کرنے والے کو سنا کہ وہ ایسی حالت کی طرف لوگوں کو بلاتا اور رغبت دلی دلاتا ہے پھر دلی شہادت سے اس سامع نے اس کی تصدیق کی اس کے احکام کی تعمیل کی اور اس کے تمام وعدوں کو اس نے سچا پایا۔ اور اپنی آرزو میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد اس کا رتبہ ہے کہ انبیاء نے نمازوں پر اس کو مجبور کیا لیکن اس کو کوئی ذاتی علم ان کی خوبیوں کا نہ تھا اس کی مجبوری ایسی ہی تھی جیسے باپ اپنے بیٹے کو مفید صنعتوں کی تعلیم دے۔ اور وہ اس کو پسند نہ کرتا ہو۔ کبھی آدمی اپنے پروردگار سے مصیبت کے دفع ہونے یا کسی نعمت کے ملنے کی درخواست کرتا ہے۔ اس وقت زیادہ مناسب یہی ہوتا ہے کہ وہ تعظیمی افعال اور اقوال میں مستغرق ہو جائے تاکہ اس کی ہمت کا، جو درخواست کی روح ہے کچھ اثر پڑ سکے۔ نماز استسقاء اسی وجہ سے مسنون ہوئی ہے۔ نماز میں اصلی امور تین ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور جلال دیکھ کر دلی عاجزی۔

۲۔ اللہ کی عظمت اور اپنی خاکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا۔

۳۔ اس خاکساری کی حالت کے موافق اعضاء میں آداب کا استعمال۔ قائل بیان کرتا ہے: شعر

افادتکم النعماء وھی ثلثة　　　یدی ولسانی والنصیر المحجبا

"تمہاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو۔"

۱۔ احیاء العلوم، ج۱، ص ۴۳۳۔۴۳۷

افعال تعظیمی میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ کے حضور میں کھڑا ہو کر مناجات کرے اور کھڑے ہونے سے بھی زیادہ تعظیم اس میں ہے کہ اپنی خاکساری اور پروردگار کی عزت و برتری کا خیال کر کے سرنگوں ہو جائے۔تمام لوگوں اور بہائم میں یہ فطری امر ہے کہ گردن کشی غرور اور تکبر کی علامت ہے۔اور سرنگوں ہونا، نیاز مندی اور فروتنی کی علامت ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فظلت اعناقهم لها خاضعين ''(ان کی گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں) اور اس سے بھی زیادہ تعظیم کی بات یہ ہے کہ اس کے حضور میں اپنے سر کو زمین پر رگڑ دے جو تمام اعضاء میں سے زیادہ بزرگ اور حواس انسانی کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔یہ تینوں قسم کی تعظیمیں تمام لوگوں میں رائج ہیں وہ ہمیشہ اپنی نمازوں میں اپنے سلاطین اور امراء کی حضوری میں انہیں کو استعمال کرتے ہیں اور سب صورتوں میں نماز کی عمدہ صورت وہ ہے جس میں یہ تینوں امر جمع ہوں اور اس کے ساتھ ہی ادنیٰ تعظیمی حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو، تاکہ دم بدم نیاز مندی اور خاکساری کی حالت زیادہ ہوتی ہوئی معلوم ہو جو فائدہ اس ترقی کی حالت میں ہو سکتا ہے، وہ تنہاء اعلیٰ درجہ کی تعظیم میں یا اعلیٰ حالت سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے میں معلوم نہیں ہو سکتا۔اور نماز میں یہ تقرب کے اعمالِ اصلی قرار دیے گئے ہیں عظمت الٰہی میں صرف غور کر لینا یا ہمیشہ اللہ کا ذکر کرنا اس میں اصل نہیں قرار دیا گیا اس لیے کہ اللہ کی عظمت کا صحیح خیال صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی طبیعتیں اعلیٰ درجہ کی ہوں اور ایسے لوگ کم ہوا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے علاوہ اگر عام لوگ اللہ کی عظمت میں خوض کریں، تو ان کا غور کام نہیں دیتا اور فائدہ کے تو کیا معنی وہ اپنے راس المال کو بھی کھو بیٹھتے ہیں محض ذکر ہی ذکر جس کی تشریح اور مدد کسی دوسری عملی تعظیم سے جو اعضاء کے ذریعہ سے ہر ایک عضو کے آداب کا لحاظ کر کے کی جاتی ہے نہ ہو، تو وہ اکثر لوگوں کے حق میں بالکل بے فائدہ ہوا کرتا ہے۔البتہ نماز ایک مرکب معجون ہے جس میں فکر و غور ہے اس کے ذریعہ سے اللہ کی جانب توجہ ہوتی ہے ہر شخص کو اس کا موقع مل سکتا ہے اور جس کو گرداب شہود میں خوض کرنے کی استعداد حاصل ہو اس کو بھی کوئی مانع نہیں ہے وہ بخوبی اس میں خوض کر سکتا ہے بلکہ نماز کی وجہ سے نفس کو اس قسم کی کامل توجہ کا بخوبی موقع مل سکتا ہے اور نیز نماز میں مختلف دعائیں بھی شامل ہوا کرتی ہیں، جن سے صاف صاف اظہار کیا جاتا ہے کہ اس کا عمل خالصتاً اللہ ہی کے لیے ہے اس کا رخ اسی کی جانب ہے ہر قسم اعانت کی خواستگاری صرف اسی سے ہے۔اور ان کے علاوہ نماز میں بہت سے تعظیمی افعال بھی ہیں۔سجدہ، رکوع ہر ایک دوسرے کا معاون اور مکمل اور اس پر متنبہ کرنے والا ہے۔اسی وجہ سے نماز کی منفعت عام اور خاص سب لوگوں کے لیے یکساں ہے ہر ایک شخص اپنے اپنے درجہ اور استعداد کے موافق اس سے نفع اٹھا سکتا ہے نماز ایمان والے کے لیے معراج ہے وہ اس کو اخروی تجلیات کے لیے تیار کرتی ہے۔حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے۔تم اپنے رب کو بے شک دیکھو گے اگر تم کو مشاغل نہ روک سکیں، تو طلوع و غروب آفتاب سے پہلے وقتوں کی نماز کا اہتمام رکھو۔اور اللہ کی محبت اور رحمت کا نماز بڑا سبب ہے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے: سجدوں کی کثرت سے اپنے نفس کی مدد کرو اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے احوال میں نقل کیا ہے۔

"ولم نك من المصلين" (ہم نماز نہ پڑھا کرتے تھے) اور جب نماز کا شوق دل میں جم جاتا ہے، تو نور الٰہی میں نماز گزار محو ہو جاتا ہے۔ اور اس کی خطائیں دور ہو جاتی ہیں "ان الحسنات يذهبن السيئاتِ" (نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں) معرفتِ الٰہی کے لیے کوئی چیز نماز سے زیادہ مفید نہیں ہے۔ خاصۃ جب نماز کے تمام افعال اور اقوال حضور دل اور پاک نیت سے عمل میں لائے جائیں اور جب نماز رسم کے طور پر بھی ادا کی جاتی ہے، تو بھی اکثر رسمی برائیوں میں اس کا بین نفع ہے وہ مسلمانوں کا شعار ہو گیا ہے۔ نماز سے ہی مسلمانوں اور کافر میں فرق کیا جا سکتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کافروں کے اور ہمارے درمیان نماز کا فرق ہے جو نماز ترک کرے گا وہ کافر ہے۔ اور نماز سے زیادہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس سے طبیعت کو عقلی تدابیر کے متبع رہنے کی مشق کرائی جائے۔ واللہ اعلم۔ (۱)

۱۔　حجۃ البالغہ، ص ۱۳۱۔۱۳۲

فَرْضُ الصَّلَاةِ ,وَذِكْرُ اخْتِلَافِ النَّاقِلِينَ فِي إِسْنَادِ حَدِيثِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ,وَاخْتِلَافِ أَلْفَاظِهِمْ فِيهِ	نماز کی فرضیت اور حدیث انس رضی اللہ عنہ کی سند وروایت کے اختلاف کا بیان

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الصلاۃ'' میں سب سے پہلے نماز کی حیثیت کو بیان کر رہے ہیں، اسلام میں داخل ہونے کے بعد پہلا فرض نماز ہے، فرض سے مراد شریعتِ مطہرہ کا ایسا حکم ہے جسے اس نے لازمی طور پر کرنے کا حکم دیا ہو اور جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اور اس کا منکر کافر ہے۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے چار احادیث مبارکہ جن کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، اور ایک حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود بن غافلی سے مروی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے پہلی حدیث مبارکہ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کی ہے، جبکہ باقی دو روایتیں براہ راست آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں، جس سے دو احتمال نکلتے ہیں:

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت سنی ہو، اور بعد میں براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث مبارکہ سماعت کی ہے۔

۲۔ حدیث مبارکہ بیان کرنے میں حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کا واسطہ بیان نہ کیا ہو، اس صورت میں یہ روایت مرسل ہوگی، اور مراسیل صحابہ بالاتفاق حجت ہیں۔

۴۴۷۔ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتُوَائِيُّ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :بَيْنَا أَنَا عِنْدَ الْبَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ إِذْ أَقْبَلَ أَحَدُ الثَّلَاثَةِ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مَلْآنَ حِكْمَةً وَإِيمَانًا، فَشَقَّ مِنَ النَّحْرِ إِلَى مَرَاقِّ الْبَطْنِ، فَغَسَلَ الْقَلْبَ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ مُلِئَ حِكْمَةً وَإِيمَانًا، ثُمَّ أُتِيتُ بِدَابَّةٍ دُونَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ، ثُمَّ انْطَلَقْتُ مَعَ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَتَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَقِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ .قِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ مَرْحَبًا بِهِ وَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، فَأَتَيْتُ عَلَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ قَالَ :مَرْحَبًا بِكَ مِنَ ابْنٍ وَنَبِيٍّ .ثُمَّ أَتَيْنَا السَّمَاءَ الثَّانِيَةَ قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ .قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ -فَمِثْلُ ذَلِكَ- فَأَتَيْتُ عَلَى يَحْيَى وَعِيسَى فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمَا فَقَالَا :مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَنَبِيٍّ .ثُمَّ أَتَيْنَا السَّمَاءَ الثَّالِثَةَ .قِيلَ :مَنْ هَذَا؟ قَالَ :جِبْرِيلُ .قِيلَ :وَمَنْ مَعَكَ؟ قَالَ :مُحَمَّدٌ فَمِثْلُ ذَلِكَ، فَأَتَيْتُ عَلَى يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ,فَسَلَّمْتُ

عَلَيْهِ ,قَالَ :مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَنَبِيٍّ .ثُمَّ أَتَيْنَا السَّمَاءَ الرَّابِعَةَ -فَمِثْلُ ذَلِكَ -فَأَتَيْتُ عَلَى إِدْرِيسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ , فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ,فَقَالَ :مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَنَبِيٍّ .ثُمَّ أَتَيْنَا السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ -فَمِثْلُ ذَلِكَ -فَأَتَيْتُ عَلَى هَارُونَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ,فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ قَالَ :مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَنَبِيٍّ .ثُمَّ أَتَيْنَا السَّمَاءَ السَّادِسَةَ -فَمِثْلُ ذَلِكَ -ثُمَّ أَتَيْتُ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ,فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ,فَقَالَ :مَرْحَبًا بِكَ مِنْ أَخٍ وَنَبِيٍّ ,فَلَمَّا جَاوَزْتُهُ بَكَى ,قِيلَ :مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ :يَا رَبِّ ,هَذَا الْغُلَامُ الَّذِي بَعَثْتَهُ بَعْدِي ,يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِهِ الْجَنَّةَ أَكْثَرُ وَأَفْضَلُ مِمَّا يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي ثُمَّ أَتَيْنَا السَّمَاءَ السَّابِعَةَ -فَمِثْلُ ذَلِكَ -فَأَتَيْتُ عَلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ,فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ,فَقَالَ :مَرْحَبًا بِكَ مِنِ ابْنٍ وَنَبِيٍّ ,ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ ,فَسَأَلْتُ جِبْرِيلَ فَقَالَ :هَذَا الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ ,يُصَلِّي فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ، فَإِذَا خَرَجُوا مِنْهُ لَمْ يَعُودُوا فِيهِ آخِرَ مَا عَلَيْهِمْ، ثُمَّ رُفِعَتْ لِي سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ، وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ، وَإِذَا فِي أَصْلِهَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ :نَهْرَانِ بَاطِنَانِ، وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، فَسَأَلْتُ جِبْرِيلَ فَقَالَ :أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَفِي الْجَنَّةِ، وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالْفُرَاتُ وَالنِّيلُ .ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ خَمْسُونَ صَلَاةً , فَأَتَيْتُ عَلَى مُوسَى فَقَالَ :مَا صَنَعْتَ؟ قُلْتُ :فُرِضَتْ عَلَيَّ خَمْسُونَ صَلَاةً .قَالَ :إِنِّي أَعْلَمُ بِالنَّاسِ مِنْكَ؛ إِنِّي عَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، وَإِنَّ أُمَّتَكَ لَنْ يُطِيقُوا ذَلِكَ، فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ ,فَاسْأَلْهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكَ، فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي ,فَسَأَلْتُهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنِّي ,فَجَعَلَهَا أَرْبَعِينَ، ثُمَّ رَجَعْتُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ,فَقَالَ :مَا صَنَعْتَ؟ قُلْتُ :جَعَلَهَا أَرْبَعِينَ ,فَقَالَ لِي مِثْلَ مَقَالَتِهِ الْأُولَى :فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَجَعَلَهَا ثَلَاثِينَ، فَأَتَيْتُ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ,فَأَخْبَرْتُهُ ,فَقَالَ لِي مِثْلَ مَقَالَتِهِ الْأُولَى، فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي ,فَجَعَلَهَا عِشْرِينَ ,ثُمَّ عَشَرَةً ,ثُمَّ خَمْسَةً، فَأَتَيْتُ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ,فَقَالَ لِي مِثْلَ مَقَالَتِهِ الْأُولَى ,فقلتُ :إِنِّي أَسْتَحِي مِنْ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْهِ، فَنُودِيَ :أَنْ قَدْ أَمْضَيْتُ فَرِيضَتِي وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِي وَأَجْزِي بِالْحَسَنَةِ عَشْرَ أَمْثَالِهَا "

حضرت مالک بن صعصہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں خانہ کعبہ کے نزدیک سونے اور جاگنے کی درمیانی کیفیت میں تھا: کہ ایک شخص دو آدمیوں کے جلو میں آیا، پھر ایک سونے کا طشت حکمت و ایمان سے بھرا ہوا لایا گیا، پھر میرے پیٹ کو ہنسلی کی ہڈی سے لے کر آخر تک چاک کیا گیا، پھر میرے دل کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا، پھر اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا، اس کے بعد میرے پاس خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا جانور لایا گیا۔ پھر میں حضرت جبرئیل امین کے ساتھ چلا، یہاں تک کہ ہم قریبی آسمان پر پہنچے۔ (دروازہ کھٹکھٹانے پر) پوچھا گیا: کون ہے؟ (حضرت جبرائیل امین نے جواباً کہا) جبرائیل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ حضرت جبرائیل نے جواب دیا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پوچھا گیا، کیا انہیں بلوایا گیا ہے؟ (سوال و جواب

کے بعد دروازہ کھولا گیا اور کہا گیا:) آپ کو خوش آمدید ہو! آپ ﷺ بہت ہی خوب آنے والے ہیں، پھر میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچا انہیں سلام کیا، انہوں نے کہا: تمہیں خوش آمدید! اے میرے بیٹے اور نبی، پھر ہم دوسرے آسمان پر پہنچے: پوچھا گیا کون ہے؟ (حضرت جبرائیل امین نے کہا:) جبرائیل ہوں، پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بتلایا: حضرت محمد ﷺ ہیں، پھر پوچھا گیا: پھر اسی کی مثل ہوا۔ یعنی پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں)، اور حضرت جبرائیل نے ہاں میں جواب دیا) پھر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، میں نے ان دونوں کو سلام کہا، ان دونوں نے کہا: آپ ﷺ کو خوش آمدید ہو! اے ہمارے بھائی اور نبی ﷺ۔ پھر ہم تیسرے آسمان پر آئے، پوچھا گیا: کون ہے؟ جواب دیا جبرائیل ہوں۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت محمد ﷺ پھر اسی طرح ہوا۔ (یعنی پہلے اور دوسرے آسمان کی طرح سوال و جواب ہوئے)۔ پھر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آیا، اور انہیں سلام کیا، انہوں نے کہا: خوش آمدید ہو! اے میرے بھائی اور نبی ﷺ، پھر ہم چوتھے آسمان پر آئے، یہاں پر بھی اسی طرح ہوا (یعنی سوال و جواب ہوئے)، پھر میں حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس آیا، اور انہیں سلام کیا، انہوں نے کہا: خوش آمدید ہو! اے میرے بھائی اور نبی ﷺ پھر ہم پانچویں آسمان پر آئے، یہاں پر بھی اسی کی مثل ہوا (یعنی سوال وجواب ہوئے)، پھر میں حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آیا، اور انہیں سلام کیا، انہوں نے کہا: خوش آمدید ہو! اے میرے بھائی اور نبی ﷺ۔ پھر ہم چھٹے آسمان پر آئے، یہاں پر بھی اسی طرح سوال، جواب ہوئے) پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں سلام کیا، انہوں نے کہا: خوش آمدید ہو! اے میرے بھائی اور نبی ﷺ، جب میں ان سے آگے بڑھا، تو وہ آبدیدہ ہو گئے، (ان سے) پوچھا: آپ کیوں آبدیدہ ہوئے ہیں؟ انہوں نے کہا: اے میرے پروردگار! یہ نوجوان جنہیں آپ ﷺ نے میرے بعد مبعوث فرمایا ہے، اس کے جنتی امتی میری امت سے زیادہ بھی ہوں گے، اور افضل بھی ہوں گے، پھر ہم ساتویں آسمان پر آئے یہاں بھی وہی ہوا (یعنی سوال و جواب ہوئے)، پھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا، اور انہیں سلام کیا، آپ نے کہا: خوش آمدید ہو! اے میرے بیٹے اور نبی ﷺ۔ پھر میرے لیے بیت معمور بلند کیا گیا، میں نے حضرت جبرائیل امین سے پوچھا؟ انہوں نے بتلایا: یہ بیت معمور ہے، اس میں ستر ہزار فرشتے ہر روز نماز پڑھتے ہیں، جب وہ جاتے ہیں تو پھر دوبارہ نہیں آتے۔ پھر میرے لیے سدرۃ المنتہیٰ کو بلند کیا گیا، اس کے پھل ایسے تھے، جیسے مقام ہجر کے مٹکے اور اس کے پتے ایسے تھے جیسے ہاتھی کے کان ہوں، اس کی جڑ سے چار دریا نکل رہے تھے، دو دریا باطنی اور دو ظاہری تھے، میں نے حضرت جبرائیل امین سے پوچھا؟ تو انہوں نے بتلایا: جو دو باطنی دریا ہیں وہ جنت میں ہیں اور جو دو ظاہری دریا ہیں، وہ دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں، پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں، جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، تو انہوں نے پوچھا: آپ ﷺ نے کیا معاملہ کیا ہے؟ میں نے بتایا: مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئی ہیں، انہوں نے کہا: میں بہ نسبت آپ کے لوگوں کو زیادہ جانتا ہوں۔ میں بنی اسرائیل کا بڑا تلخ تجربہ کر چکا

ہوں آپ ﷺ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، آپ ﷺ اپنے رب کی طرف واپس جائیں، اور اس سے (تخفیف کا) سوال کریں، پس میں اپنے رب کے پاس واپس لوٹا، اور اس سے (نمازوں میں) تخفیف کا سوال کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے چالیس نمازیں کر دیں، پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، تو انہوں نے پوچھا: آپ نے کیا معاملہ کیا ہے؟ میں نے بتلایا: کہ اللہ تعالیٰ نے چالیس نمازیں کر دی ہیں، انہوں نے پہلی بات دہرائی میں پھر اپنے رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا۔ تو اس نے نمازیں تیس کر دیں، میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آیا، اور انہیں اس کا بتلایا، انہوں نے پھر پہلی بات دہرائی، میں پھر رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے نمازیں پہلے بیس، پھر دس اور پھر پانچ کر دیں، میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، انہوں نے پھر پہلے والی بات دہرائی۔ میں نے کہا: اب مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہوئے حیاء آتی ہے چنانچہ اعلان کیا گیا: میں نے اپنا فریضہ جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی اور میں ہر نیکی کا دس گناہ اجر دوں گا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

باب کے پہلے حصہ میں نماز کی فرضیت کا ذکر ہے، اور حدیث مبارکہ میں پچاس نمازوں سے پانچ کے فرض ہونے کا تفصیلی ذکر ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۳۲۰۷، ۳۳۹۳، ۳۴۳۰، ۳۸۸۷، مسلم: ۲۶۴، ۲۶۵، ترمذی: ۳۳۴۶، احمد: ۱۷۸۵۰، تحفۃ الاشراف: ۱۱۲۰۲

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کے حالات لکھے جاتے ہیں:

۱۔	یعقوب بن ابراہیم:	راجع: ۲۲	۲۔	یحییٰ بن سعید:	راجع: ۱۳۳
۳۔	ہشام دستوائی:	راجع: ۴۷	۴۔	قتادہ بن دعامہ:	راجع: ۱۳۹
۵۔	حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:	راجع: ۱۳۱			

۶۔ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام حضرت مالک بن صعصعہ بن وہب بن عدی بن مالک بن عدی بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار انصاری مازنی رضی اللہ عنہ ہے، آپ صحابی رسول ﷺ ہیں طویل حدیثِ معراج آپ ہی سے مروی ہے، امام مزی فرماتے ہیں: حدیث معراج کو سب سے زیادہ صحیح اور احسن انداز میں آپ نے ہی بیان فرمایا ہے، امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چھیاسی ویں (۱۸۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور اکثر ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، اگلے چار بصری اور آخری مدنی ہیں۔

☆ سند میں آخری دو راوی صحابی رسول ہیں۔

☆ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے، اور آپ سے سنن نسائی میں یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت بیان نہیں کی۔

☆ یہ صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا تین دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

البیت :	گھر یہاں خانہ کعبہ مراد ہے۔	النائم:	سونے والا۔
الیقظان :	جاگنے والا۔	الرجلین:	دو آدمی۔
اتیت:	لایا گیا۔	طست:	طشت
ذھب:	سونا	حکمة:	علم، دانائی۔
شق:	اس نے چاک کیا۔	النحر:	سینہ۔

ا۔ i۔ التاریخ الکبیر (بخاری)، ج ۷، ص ۱۲۸۱ ii۔ الاستیعاب، ج ۳، ص ۱۳۵۲

مراق البطن:	پیٹ کا نچلا حصہ۔	القلب:	دل
ملئی:	بھر دیا گیا۔	دابة:	جانور۔
دون البغل:	خچر سے چھوٹا۔	فوق الحمار:	گوش دراز سے بڑا۔ گدھے سے بڑا۔
انطلقت:	میں چلا۔ میں گیا۔	اتینا:	ہم آئے۔
السماء الدنیا:	آسمان دنیا۔	قد ارسل الیه:	کیا انہیں بلایا گیا ہے؟
مرحبا بك:	آپ کو خوش آمدید ہو۔	نعم المجئی:	کیا ہی اچھا آنا ہے۔

سلمت علیه: میں نے انہیں سلام کیا۔

مثل ذلك: اس کی مثل۔ اسی طرح مراد ہے، جس طرح پہلے آسمان پر سوال و جواب ہے۔

اخ: بھائی۔

لما جاوزته: جب میں ان سے آگے گذرا۔　بکی: وہ روئے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آنسو آ گئے

مابیکیك: آپ کیوں روئے ہیں؟　هذالغلام: (عزت و شان والا) نوجوان

بعثته بعدی: ان کو آپ نے میرے بعد بھیجا۔　یدخل: وہ داخل ہوگا۔ امت محمدیہ کے افراد مراد ہیں۔

امته:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت	الجنة:	باغ، بہشت
اکثر:	زیادہ	افضل:	اعلیٰ، وارفع، ذی شان
ابن:	بیٹا	رفع لی:	میرے لیے بلند کیا گیا۔

البیت المعمور: خانہ کعبہ کے اوپر آسمانوں پر فرشتوں کا قبلہ۔

سالت:	میں نے پوچھا۔	یصلی:	وہ نماز پڑھتا ہے۔ مراد فرشتے ہیں۔
سبعون الفا ملك:	ستر ہزار فرشتے۔	لم یعودوا:	واپس نہیں آتے۔

اذا خرجوا: جب وہ جاتے ہیں، جب وہ نکلے۔

سدرة المنتهیٰ: آسمانوں کے اوپر فرشتوں اور مقربین کا مقام انتہاء

نبق:	بیر۔ پھل	قلال هجر:	مقام ہجر کے مٹکے۔
ورق:	پتے۔	اذان الفیلة:	ہاتھی کے کان۔

اصل:	جڑ۔مبداء۔	اربعة انهار:	چار نہریں۔
نهران باطنان:	دو باطنی نہریں۔	نهران ظاهران:	دو ظاہری نہریں۔
الفرات:	عراق کا مشہور دریا۔جو روم سے شروع ہوتا ہے۔		
النيل:	مصر کی مشہور نہر، جو جبال قمر سے نکلتی ہے۔		
فرضت:	فرض کی گئیں۔	خمسون صلاة:	پچاس نمازیں۔
ماصنعت؟	آپ کا معاملہ کیا ہے۔	انی اعلم بالناس :	میں لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔
انی عالجت بنی اسرائیل: میں بنی اسرائیل کا زبردست تجربہ کر چکا ہوں۔			
لن يطيقوا :	وہ ہرگز طاقت نہیں رکھتے۔	ارجع الى ربك :	اپنے رب کی طرف جائیے۔
ان يخفف عنك:	وہ آپ سے ہلکا کردے۔	جعلها اربعين:	اس نے نمازیں چالیس کردی ہیں۔
مثل مقالته:	اپنے (پہلے) موقف کی طرح۔	جعلها ثلاثين:	اس نے نمازیں تیس کردی ہیں۔
اخبرته:	میں نے انہیں بتلایا۔	جعلها عشرين:	اس نے چالیس کردی ہیں۔
عشرة:	دس	خمسة:	پانچ
قلت:	میں نے کہا۔	انی استحی:	مجھے حیاء آتی ہے۔
ان ارجع اليه:	کہ میں واپس جاؤں۔	نودی:	اعلان کردیا گیا۔
قدامضيت:	تحقیق میں نے جاری کردیا	فريضتي:	اپنا حکم۔اپنا فریضہ
خففت:	میں نے تخفیف کردی۔	عبادی:	میرے بندے۔
اجزی:	میں بدل دوں گا۔	الحسنة:	ہر نیکی
عشرامثالها:	اس کی دس مثل		

۴۴۸۔أَخْبَرَنَا يُونُسُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ :أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَابْنُ حَزْمٍ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :فَرَضَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً فَرَجَعْتُ بِذَلِكَ حَتَّى أَمُرَّ بِمُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ :مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ :فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسِينَ صَلَاةً .قَالَ لِي مُوسَى :فَرَاجِعْ رَبَّكَ عَزَّ وَجَلَّ؛ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ .فَرَاجَعْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ :رَاجِعْ رَبَّكَ؛ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَلِكَ .فَرَاجَعْتُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ فَقَالَ :هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُونَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ .فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ :رَاجِعْ رَبَّكَ .فَقُلْتُ :قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ "

حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک (اور ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں، جب میں واپس ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا، تو انہوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتلایا: اللہ تعالیٰ نے پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مجھے کہا: آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں (تخفیف کا سوال کریں)، کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے پاس لوٹا (اور تخفیف کا سوال کیا) تو اللہ تعالیٰ نے ایک حصہ معاف فرما دیا۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا اور انہیں بتلایا، تو انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ اپنے رب سے رجوع کریں، کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، چنانچہ میں دوبارہ رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہوا، تو میرے رب تعالیٰ نے فرمایا: نمازیں پانچ ہیں، اور ثواب پچاس کا ہی ہوگا۔ میرا قول بدلتا نہیں ہے، میں پھر حضرت موسیٰ کے پاس آیا، تو انہوں نے پھر کہا: اپنے رب تعالیٰ کے پاس جائیں، میں نے کہا: اب مجھے اپنے رب تعالیٰ سے حیاء آتی ہے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

ا۔ پہلے حصہ کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ حدیث مبارکہ میں نمازوں کے فرض ہونے کا بیان ہے۔

۲۔ دوسرے حصے کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ پچھلی روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ

سے روایت کی تھی ، اور اس روایت میں وہ براہ راست آقا کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں ۔ اسی طرح امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابو بکر بن حزم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت کی ہے۔اس طرح یہ سند کا اختلاف بیان ہوا ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری:۳۴۹،۳۳۴۲،۱۶۳۶،مسلم:۱۳۶،۲۶۳، ابن ماجہ :۱۳۹۹، السنن الکبریٰ:۳۱۴،جامع المسانید(ابن جوزی):۳۹۲،۱۲۸۵،تحفۃ الاشراف:۱۵۵۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت ابو بکر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ بن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ **یونس بن عبدالاعلی:** راجع:۲۴۲ ۲۔ **ابن وھب:** راجع:۱۱۶

۳۔ **یونس بن یزید:** راجع:۹ ۴۔ **ابن شھاب:** راجع:۱۱۶

۵۔ **حضرت انس بن مالک:** راجع:۱۳۱

۶۔ابن حزم:

آپ کا نام ابو بکر بن محمد عمرو بن حزم انصاری بخاری مدنی قاضی (م:۱۲۰ھ) ہے،آپ کا نام ہی آپ کی کنیت بھی ہے،بعض نے کنیت ابو محمد بھی ذکر کی ہے۔آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ،عابد،تابعی راوی ہیں،آپ کی ثقاہت پر اہل علم کا اتفاق ہے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی کا تسامح:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نے مذکورہ راوی ابن حزم کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا نام ابو بکر بن محمد ہے اور یہ وہی راوی ہیں، جو باب

---

۱ i۔الجرح والتعدیل،ج۹،ص۳۳۷ ii۔ الثقات،ج۵،ص۵۶۱

نمبر ۱۱۸، اور حدیث نمبر ۱۶۳ پر گذر چکے ہیں۔(۱)

جب کہ یہ آپ کا تسامح ہے، کیونکہ باب مذکورہ اور حدیث مذکور کی سند میں جو راوی ہیں ابو بکر بن محمد کے بیٹے ہیں، اور ان کا نام عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہے، جیسا کہ شیخ اتیوبی نے خود بھی ذخیرہ العقبیٰ کی جلد سوم، صفحہ ۳۵۵ پر اس کا ذکر کیا ہے، عبداللہ بن ابی بکر کی وفات ۱۳۵ھ ہے، اور آپ نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی تھی۔(۲) (۳)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت، خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو انسٹھ ویں (۱۵۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی مصری اور باقی مدنی ہیں۔

☆ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے براہِ راست سماعت کی، اور پھر مشہور تابعی ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سماعت فرمائی۔اس لیے دونوں کا بطور شیخ ذکر کیا۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، اور آپ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار دو دفعہ اور حدثنا، قال، عنعنہ ایک ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

فرض الله:	اللہ تعالیٰ نے فرض کیں۔	امتی:	میری امت
خمسین صلاۃ:	پچاس نمازیں	رجعت:	میں لوٹا
امر بموسی:	میں حضرت موسیٰ کے پاس گذرا	مافرض ربك؟:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے کیا فرض کیا؟
قلت:	میں نے بتایا۔	قال لی موسیٰ:	مجھے حضرت موسیٰ نے کہا۔

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۶، ص ۴۲ ۲۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۶، ص ۴۲

۳ تقریب التہذیب، ج ۱، ص ۳۸۵

راجع ربك: اپنے رب کی طرف لوٹ کر جایئے۔

لاتطیق ذلك: (آپ کی امت) اس کی طاقت نہیں رکھتی۔

وضع: اس نے ختم کر دیا۔

شطرها: اس کا ایک حصہ۔ آدھا۔

هي خمس وهي خمسون: یہ عدد میں پانچ اور ثواب میں پچاس ہیں۔

لایبدل القول لدی: میرا قول تبدیل نہیں ہوتا۔ قداستحییت: مجھے حیاء آتی ہے۔

من ربي: اپنے رب سے۔

۴۴۹۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ هِشَامٍ قَالَ :حَدَّثَنَا مَخْلَدٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ قَالَ :حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي مَالِكٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :أُتِيتُ بِدَابَّةٍ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُونَ الْبَغْلِ خَطْوُهَا عِنْدَ مُنْتَهَى طَرْفِهَا، فَرَكِبْتُ وَمَعِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسِرْتُ فَقَالَ :انْزِلْ فَصَلِّ فَفَعَلْتُ .فَقَالَ: أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ صَلَّيْتَ بِطَيْبَةَ وَإِلَيْهَا الْمُهَاجَرُ، ثُمَّ قَالَ :انْزِلْ فَصَلِّ فَصَلَّيْتُ، فَقَالَ :أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ صَلَّيْتَ بِطُورِ سَيْنَاءَ حَيْثُ كَلَّمَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ قَالَ :انْزِلْ فَصَلِّ فَنَزَلْتُ فَصَلَّيْتُ .فَقَالَ: أَتَدْرِي أَيْنَ صَلَّيْتَ؟ صَلَّيْتَ بِبَيْتِ لَحْمٍ حَيْثُ وُلِدَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ .ثُمَّ دَخَلْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَجُمِعَ لِيَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ,فَقَدَّمَنِي جِبْرِيلُ حَتَّى أَمَمْتُهُمْ، ثُمَّ صُعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا ,فَإِذَا فِيهَا آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ صُعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ ,فَإِذَا فِيهَا ابْنَا الْخَالَةِ عِيسَى وَيَحْيَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ، ثُمَّ صُعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ فَإِذَا فِيهَا يُوسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ صُعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ ,فَإِذَا فِيهَا هَارُونُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ صُعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ فَإِذَا فِيهَا إِدْرِيسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ صُعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ فَإِذَا فِيهَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ، ثُمَّ صُعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ ,فَإِذَا فِيهَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ .ثُمَّ صُعِدَ بِي فَوْقَ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ فَأَتَيْنَا سِدْرَةَ الْمُنْتَهَى، فَغَشِيَتْنِي ضَبَابَةٌ ,فَخَرَرْتُ سَاجِدًا ,فَقِيلَ لِي :إِنِّي يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فَرَضْتُ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَّتِكَ خَمْسِينَ صَلَاةً، فَقُمْ بِهَا أَنْتَ وَأُمَّتُكَ، فَرَجَعْتُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ فَلَمْ يَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ، ثُمَّ أَتَيْتُ عَلَى مُوسَى فَقَالَ :كَمْ فَرَضَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ :خَمْسِينَ صَلَاةً ,قَالَ :فَإِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ أَنْ تَقُومَ بِهَا أَنْتَ وَلَا أُمَّتُكَ ,فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ، فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي فَخَفَّفَ عَنِّي عَشْرًا، ثُمَّ أَتَيْتُ مُوسَى فَأَمَرَنِي بِالرُّجُوعِ فَرَجَعْتُ فَخَفَّفَ عَنِّي عَشْرًا، ثُمَّ رُدَّتْ إِلَى خَمْسِ صَلَوَاتٍ .قَالَ:

فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ ,فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ؛ فَإِنَّهُ فَرَضَ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ صَلَاتَيْنِ ,فَمَا قَامُوا بِهِمَا .فَرَجَعْتُ إِلَى رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ ,فَسَأَلْتُهُ التَّخْفِيفَ ,فَقَالَ :إِنِّي يَوْمَ خَلَقْتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فَرَضْتُ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَّتِكَ خَمْسِينَ صَلَاةً فَخَمْسٌ بِخَمْسِينَ، فَقُمْ بِهَا أَنْتَ وَأُمَّتُكَ .فَعَرَفْتُ أَنَّهَا مِنَ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى صِرًّى، فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ :ارْجِعْ فَعَرَفْتُ أَنَّهَا مِنَ اللَّهِ صِرًّى -أَيْ :حَتْمٌ -فَلَمْ أَرْجِعْ"

۴۴۹: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے پاس ایک جانور لایا گیا جو دراز گوش (گدھے) سے بڑا، اور خچر سے چھوٹا تھا، اس کا قدم وہاں پڑتا تھا جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی، میں اور حضرت جبرائیل امین اس پر سوار ہو گئے۔ میں کچھ چلا تو حضرت جبرائیل امین نے کہا: اتریے اور نماز پڑھیے؟ میں نے نماز پڑھی، حضرت جبرائیل امین نے پوچھا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ (پھر بتلایا:) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طیبہ (مدینہ منورہ) میں نماز پڑھی ہے اور اسی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرمائیں گے۔ پھر حضرت جبرائیل امین نے (دوبارہ) کہا: اتریے اور نماز پڑھیے، میں نے نماز پڑھی، پھر پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں، آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ (پھر خود ہی بتلایا) آپ نے طور سیناء پر نماز پڑھی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ پھر حضرت جبرائیل امین نے (سہ بارہ) کہا: اتریے اور نماز پڑھیے، میں نے نماز پڑھی، پھر پوچھا: کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ (پھر بتلایا) آپ نے بیت اللحم میں نماز پڑھی ہے، جہاں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو میرے لیے جمع کیا گیا تھا، حضرت جبرائیل نے مجھے آگے کر دیا، اور میں نے سب انبیاء کرام کی امامت کروائی، پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام مجھے لے کر قریبی آسمان پر چڑھے، وہاں پر حضرت آدم علیہ السلام تھے، پھر وہ مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے، وہاں پر دو خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے، پھر وہ مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے، وہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام تھے، پھر وہ مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے وہاں پر حضرت ہارون علیہ السلام تھے، پھر وہ مجھے پانچویں آسمان پر لے گئے وہاں پر حضرت ادریس علیہ السلام تھے، پھر وہ مجھے چھٹے آسمان پر لے گئے، وہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، پھر وہ مجھے ساتویں آسمان پر لے گئے وہاں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، پھر وہ مجھے ساتویں آسمان سے بھی اوپر لے گئے، یہاں تک کہ ہم سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے، وہاں پر مجھے تجلی الٰہی نے ڈھانپ لیا۔ میں سجدہ ریز ہو گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس دن میں نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی تھیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اسے قائم کرے۔ میں لوٹ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا، تو انہوں نے مجھ سے کوئی سوال نہ کیا۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، تو انہوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ میں نے بتایا: پچاس نمازیں، انہوں نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اتنی نمازیں پڑھنے

کی سکت نہیں رکھتی، آپ ﷺ اپنے رب کی طرف لوٹ جایئے اور اس سے تخفیف (کمی) کا سوال کریں۔ میں اپنے رب کی طرف لوٹ کر گیا، تو اس نے دس نمازیں کم کر دیں، میں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، تو انہوں نے مجھے واپس جانے کا کہا، میں پھر واپس لوٹا، تو اس نے مزید دس کم کر دیں، یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر کہا: آپ ﷺ اپنے رب کی طرف لوٹ جایئے اور مزید تخفیف کا سوال کریں، کیونکہ اس نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں، وہ انہیں بھی ادا نہ کر سکے۔ میں واپس گیا اور اللہ تعالیٰ سے مزید تخفیف کا سوال کیا، تو اس نے فرمایا: بے شک میں نے جس آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا، اسی دن آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کر دی تھیں، لہذا یہ پانچ پچاس کے برابر ہیں۔ پس آپ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت اسے ادا کرے۔ چنانچہ میں جان گیا: کہ یہ رب تعالیٰ کا قطعی حکم ہے، میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس لوٹا، تو انہوں نے لوٹ جانے کا کہا، چونکہ میں جان چکا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے، اس لیے میں واپس نہ لوٹا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت تین طرح سے ہے۔

۱۔ نمازوں کے فرض ہونے کا بیان ہے۔

۲۔ یہ روایت براہِ راست حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

۳۔ حدیث کے الفاظ پہلی دونوں روایات سے مختلف ہیں۔

۲۔ اطراف:

تفسیر طبری، ج ۴، ص ۱۵، تحفۃ الاشراف: ۱۷۰۱

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت سعید بن عبد العزیز تنوخی اور حضرت یزید بن ابی مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی سپرد قلم کیے جا رہے ہیں:

۱۔ عمرو بن ہشام: راجع: ۱۴۱ ۲۔ مخلد: ایضاً

۳۔ حضرت سعید بن عبد العزیز:

نام و نسب:

سعید نام اور ابو محمد یا ابو العزیز کنیت ہے، نسب نامہ یہ ہے:

سعید بن عبدالعزیز بن ابی یحییٰ (۱) تنوخی خاندانی نسبت ہے، تنوخ ان قبائل کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں بحرین میں آباد ہو گئے تھے اور باہمی تعاون کا حلف لے رکھا تھا، تنوخ کے لغوی معنی اقامت کے ہیں۔(۲)

ولادت اور وطن:

۹۰ ہجری میں پیدا ہوئے، اصلا بحرین کے رہنے والے تھے، لیکن بدو۔شعور کے بعد عمر بھر شام کے پایۂ تخت دمشق میں سکونت پذیر رہے، اس لیے دمشقی بھی کہلاتے ہیں۔

فضل اور کمال:

علمی اعتبار سے وہ شام کے بلند مرتبہ فقہاء و محدثین میں سے تھے، اجلہ تابعین سے اکتساب فیض کی سعادت نصیب ہوئی۔ قرآن، وحدیث اور فقہ جملہ علوم کے جامع تھے، عبادت و ریاضت اور خوف وخشیت ان کی کتاب زندگی کے روشن ابواب ہیں۔

حاکم کہتے ہیں کہ تفقہ و دیانت اور علم و فضل کے اعتبار سے سعید بن عبدالعزیز کو شام میں وہی مقام حاصل تھا جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اہل مدینہ میں، (۳)، امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فقہ وافتاء کے مشہور امام تھے۔ ان سے اگر کوئی شخص ابن عبدالعزیز کی موجودگی میں استفتاء کرتا تو فوراً فرماتے سلوا ابامحمد۔(۴)

شیوخ:

ان کے اساتذہ شیوخ میں ہر فن کے ماہرین کی کافی تعداد ملتی ہے، ممتاز اور مشہور ائمہ میں مکحول دمشقی، نافع مولیٰ ابن عمر، قتادہ، زہری، ربیعہ بن یزید الدمشقی، بلال بن سعد سلیمان بن موسیٰ، عبدالعزیز بن صہیب، اسماعیل بن عبیداللہ، عطیہ بن قیس، یونس بن میسرہ اور ابوالزبیر کے نام شامل ہیں۔

تلامذہ:

ان کے تلامذہ اور منتسبین کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے، جن میں عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی، حجاج بن محمد، یزید بن یحییٰ، ابوحیوہ شریح بن یزید، محمد شعیب بن شابور، مروان بن محمد، وکیع بن الجراح، ولید بن مسلمہ یحییٰ بن اسحاق، مسکین بن بکیر عبدالملک بن محمد الصنعانی، یحییٰ بن سعید القطان، ابومسہر، یحییٰ بن بشر، ابونصر محمد بن عثمان، التنوخی رحمہم اللہ جیسے اکابر اہل علم فضلاء شامل

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۱۷۱ ۲۔ اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۱ ص ۱۸۴
۳۔ شذرات الذہب، ج ۱ ص ۲۶۳ ۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۱۹۸

ہیں، علاوہ ازیں ان کے معاصرین میں سفیان بن ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور امام شعبہ نے بایں ہمہ جلالت علم ان سے روایت کی ہے۔(۱)

قرآن:

علوم قرآن میں انہیں کافی دسترس اور قدرت حاصل تھی، اس کی تحصیل انہوں نے علی بن عامر اور یزید بن ابی مالک سے کی تھی۔

حدیث:

شیوخ کی جس قدر بھی مرویات کا سماع انہوں نے کیا تھا، ان میں ان کا ثانی نہیں ملتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''لیس بالشام اصح حدیثا منہ۔''(۲)

''شام میں ان سے زیادہ اصح الحدیث کوئی نہ تھا۔''

حضرت عمر بن علی کہتے ہیں کہ شامیوں کی حدیثیں بالعموم ضعیف ہوتی ہیں، لیکن اس کلیہ سے دو علماء مستثنیٰ قرار دیے جانے کے مستحق ہیں، ایک امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ۔(۳)

فقہ:

سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے صحیفہ کمال کا درخشاں ترین ورق فقہ میں ان کی غیر معمولی مہارت ہے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شام میں اس فن کا ان سے بڑا عالم کوئی نہ ہوا۔ بلکہ ابو مسہر رحمۃ اللہ علیہ تو فقہی کمال میں انہیں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی فوقیت دیتے ہیں۔ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ:

''لا اقدم بالشام بعد الاوزاعی علی سعید احدا۔''(۴)

''میں شام میں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد فقہ میں سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پر کسی کو فوقیت نہیں دیتا۔''

اسی کے باعث زبان خلق نے انہیں ''فقیہ الشام بعد الاوزاعی'' اور مفتی دمشق کے خطاب سے سرفراز کیا۔

ثقاہت:

ائمہ جرح وتعدیل نے بالاتفاق ان کی عدالت، ثقاہت اور صداقت کو تسلیم کیا ہے۔ ابن معین انہیں حجۃ اور امام نسائی ثقہ ثبت قرار دیتے ہیں۔ مزید برآں ابو حاتم عجلی اور محمد بن اسحاق وغیرہ صراحت کے ساتھ ان کی توثیق کرتے ہیں۔(۵)

ابن حبان کتاب الثقات میں ان کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

کان من عبادا ھل الشام وفقائھم ومتقنیھم الروایۃ۔(۶)

۱۔ تہذیب التہذیب، ج۴، ص۵۹　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۹۸　۳۔ تہذیب التہذیب، ج۴، ص۶۰
۴۔ تہذیب التہذیب، ج۴، ص۶۰　۵۔ میزان الاعتدال، ج۱، ص۲۸۶　۶۔ تہذیب التہذیب، ج۴، ص۶۰

وہ شام کے عباد، فقہاء اور صاحب اتقان علماء میں تھے۔

قوت حافظہ:

انہوں نے حفظ وذہانت سے بھی حصہ وافر پایا تھا۔ خود ہی فرمایا کرتے تھے، میں نے حدیث کبھی نہیں لکھی، یعنی شیوخ سے روایت سن کر اپنے حافظہ کے خزانے میں محفوظ کر لیتے تھے، لیکن ان کے بعد تلامذہ کا خیال ہے کہ آخر زمانہ میں بتقاضائے عمر سواء حافظہ اور فتور عقل میں مبتلا ہو گئے تھے۔ (۱)

خشیت الٰہی:

وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل کا پیکر مجسم تھے۔ نہایت عبادت گذار تھے لیکن بایں ہمہ خوف وخشیت الٰہی سے ہر آن لرزاں رہتے، رات بھر نماز پڑھتے اور ساتھ ہی آنسوؤں کا سیل رواں رہتا۔ ابولفر الفرابیسی چشم دید راوی ہیں کہ میں نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے دیکھا ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ کر چٹائی پر گر رہے تھے، محمد بن مبارک الصوری کا بیان ہے جب بھی سعید بن عبدالعزیز کی کوئی نماز یا جماعت فوت ہو جاتی تو بے تحاشا روتے تھے۔ (۲)

خشوع وخضوع:

اسی کے ساتھ ان کی عبادت میں خشوع بدرجہ اتم موجود ہوتا۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو جہنم متشکل ہو کر سامنے آتی اور وہ دنیا ومافیہا سے کٹ کر پروردگار کے حضور میں اپنی عبودیت کا نذرانہ پیش کرتے۔

خود بیان کرتے ہیں کہ ماقمت الی صلوٰۃ الا مثلث لی جھنم۔ (۳) یعنی جب میں نماز پڑھنے کھڑا ہوتا تو جہنم اصل روپ میں میرے سامنے آتی ہے۔

اقوال زریں:

آپ کے جن بعض ملفوظات کا ذکر کتب طبقات میں ملتا ہے، اس سے انداز ہوتا ہے کہ وہ بلند پایہ عالم، فقیہ اور محدث ہونے کے ساتھ ایک خدا رسیدہ بزرگ بھی تھے، ان کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص کسی مسئلہ میں استفسار کرتا تو جواب دینے سے قبل یہ ضرور فرماتے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ ھذا رای والرای یخطی ویصیب" ایک بار کسی نے قدر کفاف (یعنی جتنا رزق زندگی اور موت کا رشتہ قائم رکھنے کو کافی ہو) کی توضیح چاہی تو فرمایا جوع یوم وشبع یوم۔ یعنی ایک دن فاقہ کرو اور ایک دن سیر دکھاؤ۔ ایک مرتبہ اثناء گفتگو میں کسی شخص کی زبان سے اطال اللہ بقاء لک نکل گیا۔ فوراً فرمایا: لا بل عجل اللہ بی الی رحمۃ۔

۱۔ میزان الاعتدال، ج ا، ص ۳۹۶　　۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ا، ص ۱۹۸　　۳۔ شذرات الذہب، ج ا، ص ۲۶۳

وفات:

مہدی کے ایام خلافت ۱۷۶ ہجری میں بمقام دمشق رحلت فرمائی، وفات کے وقت ۸۰ سال کے قریب عمر تھی۔(۱)

۴۔یزید بن ابی مالک:

آپ کا نام یزید بن عبدالرحمان بن ابی مالک دمشقی ہمدانی (م:۱۳۰ھ) ہے آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ، صدوق تابعی راوی ہیں، البتہ وہم کا شکار ہو جاتے تھے، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں آپ نے ستر سال سے زائد کی عمر پائی۔(۲)

۵۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع:۱۳۱

۴۔حکم روایت:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی لکھتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث جو حضرت یزید بن ابی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے مروی ہے، یہ حدیث صحیح ہے۔(۳)

اس حدیث کی سند حسن ہے، اور اس کے کثیر شواہد موجود ہیں، انہی شواہد میں سے وہ حدیث صحیح ہے، جسے امام طبری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت شریک بن نمر عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔(۴)

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو ساٹھ ویں (۱۶۰) حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ حضرت سعید بن عبدالعزیز تنوخی اور حضرت یزید بن ابی مالک رحمہ اللہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی مرانی، اگلے تین دمشقی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بصری ہیں۔

☆ حضرت عمرو بن ہشام رحمہ اللہ سے روایت کرنے سے امام نسائی رحمہ اللہ منفرد ہیں، باقی آئمہ صحاح ستہ ان سے روایت نہیں کرتے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور عنعنہ ایک ایک دفعہ، جبکہ حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ سیر الصحابہ، ج۹، ص۱۵۲۔۱۵۴ ۲۔ i۔ الثقات، ج۵، ص۵۴۲، ii۔ تقریب التہذیب، ج۲، ص۳۷۷

۳۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۶، ص۴۵۰ ۴۔ حاشیہ سنن نسائی (مترجم دارالسلام)، ج۱، ص۴۴۶

۶۔لغات:

اتیت	میرے پاس لایا گیا۔	دابة:	جانور
فوق الحمار	دراز گوش سے بڑا	دون البغل :	خچر سے چھوٹا
مظوھا:	اس کا قدم	عند منتهى طرفها:	تاحد نگاہ
رکبت :	میں سوار ہوا۔	سیرت :	میں چلا
انزل :	آپ اترے	فعلت :	میں نے کیا یعنی نماز پڑھی
اتدری :	کیا آپ ﷺ جانتے ہیں؟	این صلیت:	آپ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی؟
طیبة :	طیبہ۔مدینہ منورہ	المهاجر:	آپ ہجرت کرنے والے ہیں۔
طور سیناء:	طور سیناء پہاڑ کا نام	حیث کلم الله :	جہاں اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا
بیت لحم:	بیت لحم۔جگہ کا نام	حیث و لد عیسیٰ:	جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔
دخلت:	میں داخل ہوا۔	بیت المقدس :	بیت المقدس۔مسجد اقصیٰ
جمع لی الانبیاء :	میرے لیے انبیاء کرام کو جمع کیا گیا۔	قدمنی جبریل:	مجھے حضرت جبرائیل امین نے
حتیٰ اممتهم:	یہاں تک کہ میں نے امامت کی۔	صعدبی:	مجھے چڑھایا گیا،اوپر لے جایا گیا۔
السماء الدنیا:	قریبی آسمان	ابنا الخالة:	خالہ زاد بھائی
فوق سبع سموت:	ساتوں آسمانوں کے اوپر	اتینا سدره المنتهیٰ :	ہم سدرہ المنتہیٰ پہنچے۔
غشیتنی :	مجھے ڈھانپ لیا۔	صنبابة:	تجلی الہی
خررت ساجدا:	میں سجدہ میں گر گیا۔میں سجدہ ریز ہو گیا۔	قیل لی:	مجھے کہا گیا

یوم خلقت السموت والارض: آسمان وزمین کے پیدا ہونے کے دن

فرضت علیك وعلی امتك: میں نے آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی امت پر فرض کیا

خمسین صلاة:	پچاس نمازیں	رجعت:	میں لوٹا۔
لم یسالنی عن شئی:	انہوں نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔		
کم فرض الله علیك:	اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیا فرض کیا ہے۔		
لا تستطیع:	آپ طاقت نہیں رکھتے۔		

ان تقوم بها: تم اسے پڑھو، تم اسے قائم کرو۔

ارجع الی ربك: آپ اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ جایئے۔

اساله التخفیف: میں نے اللہ تعالیٰ سے تخفیف کا سوال کیا۔

امرنی بالرجوع: انہوں نے مجھے پھر دوبارہ جانے کا کہا۔

فرض علی بنی اسرائیل صلاتین: اس نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں۔

ماقاموا: انہوں نے قائم نہ کیں، نہ پڑھیں۔

خمس لخمسین: فرض پانچ اور ثواب پچاس عرفت: میں نے جان لیا۔

صری: میرے لیے حتمی ہے۔ لم ارجع: میں لوٹ کر نہ گیا۔

۴۵۰۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ قَالَ :حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ مِغْوَلٍ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ مُصَرِّفٍ، عَنْ مُرَّةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ :لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتُهِيَ بِهِ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى وَهِيَ فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، وَإِلَيْهَا يَنْتَهِي مَا عُرِجَ بِهِ مِنْ تَحْتِهَا وَإِلَيْهَا يَنْتَهِي مَا أُهْبِطَ بِهِ مِنْ فَوْقِهَا حَتَّى يُقْبَضَ مِنْهَا قَالَ :(إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى) (النجم16 :) قَالَ :فَرَاشٌ مِنْ ذَهَبٍ، فَأُعْطِيَ ثَلَاثًا :الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَخَوَاتِيمُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ، وَيُغْفَرُ لِمَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِهِ لَا يُشْرِكُ بِاللَّهِ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتُ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کروائی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا؛ اور وہ چھٹے آسمان پر ہے، جو چیز نیچے سے اوپر جاتی ہے، وہ وہاں جا کر رک جاتی ہے، اور جو اوپر سے آتی ہے، وہ بھی وہیں پر رک جاتی ہے، اور وہاں سے ہی وصول کی جاتی ہے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود نے سورہ نجم کی آیت کو پڑھا: جب سدرۃ المنتہیٰ کو اس چیز نے ڈھانپ لیا، جس نے اسے ڈھانپا اور کہا؛ اس سے مراد سونے جیسے پروانے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا فرمائی گئیں: پانچ نمازیں، سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں اور امت میں سے ہر اس شخص کی بخشش جس نے شرک نہ کیا ہو۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسبِ ذیل ہے:

حدیث مبارکہ میں نمازوں کے فرض ہونے کا ذکر ہے، اور اس روایت کے الفاظ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ والی روایت سے مختلف ہیں۔

۲۔اطراف:

مسلم:۱۷۳، ترمذی:۳۲۷۶، احمد:۳۶۶۵، السنن الکبریٰ:۳۱۵، تحفۃ الاشراف:۹۵۴۸

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت زبیر بن عدی اور حضرت مرہ بن شراحیل ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ **احمد بن سلیمان:** راجع:۴۲ ۲۔ **یحییٰ بن آدم:** راجع:۱۱۴

۳۔ **مالک بن مغول:** راجع:۱۲۷

۴۔ حضرت زبیر بن عدی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت ابو عبد اللہ زبیر بن عدی ہمدانی کوفی (م:۱۳۱ھ) ہے، آپ شہر رے کے قاضی بھی رہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ تبع تابعین سے ثقہ راوی ہیں، آپ کی ثقاہت پر اہل علم کا اتفاق ہے آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے سات (۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۵۔ **طلحہ بن مصرف:** راجع:۳۰۵

۶۔ حضرت مرہ بن شراحیل:

آپ کا نام حضرت ابو اسماعیل مرہ بن شراحیل ہمدانی کوفی (م:۷۶) ہے، آپ مرۃ طیب اور مرۃ الخیر کے لقب سے بھی مشہور ہیں، آپ راوۃ کے دوسرے طبقہ سے تابعی، ثقہ، عابد راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ بہت زیادہ عبادت گزار تھے، علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ ہر روز چھ سو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ ایک ایک رات میں پانچ پانچ سو نفل پڑھتے تھے: علامہ حارث غنوی فرماتے ہیں:

آپ اتنی اتنی دیر سجدہ ریز رہتے کہ چہرہ مٹی کی طرح ہو جاتا ہے۔ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت مرہ کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے، امام ابو بکر بزار فرماتے ہیں: آپ کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس لیے شیخین سے روایات مرسل ہیں آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ (۲)

۷۔ **حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:** راجع:۳۰۶

۱۔ i۔ تاریخ الدوری، ج۲ ص۱۷۱ ii۔ تاریخ الثقات، ص۱۶۴

۲۔ i۔ تہذیب التہذیب، ج۱۰ ص۸۸۔۸۹ ii۔ تاریخ الثقات، ص۴۲۴

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اکیاسی ویں (۸۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی جزری رہاوی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ شیخ احمد بن سلیمان ایسے راوی ہیں، جن سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ تو روایت کرتے ہیں، لیکن باقی آئمہ خمسہ روایت نہیں کرتے۔

☆ صحاح ستہ میں مذکورہ بالا سند سے یہی ایک روایت مروی ہے۔

☆ شیخ احمد بن سلیمان کے علاوہ باقی راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں تین تابعین (زبیر، طلحہ، مرہ) راوی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

لما اسری برسول الله: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سیر کروائی گئی۔

انتهی به:	اس کی انتہاء	سدرة المنتهیٰ:	مقام ساتویں آسمان سے اوپر
السماء السادسة:	چھٹا آسمان	ماعرج به:	جو چیز اوپر چڑھتی ہے۔
من تحتها:	اس کے نیچے سے	فوقها:	اس کے اوپر
ماهبط به:	جو اترتی ہے۔	حتیٰ یقبض:	وہ وصول کی جاتی ہے۔
اذیغشی:	جب اس نے ڈھانپ لیا۔	فراش:	ننگے
ذهب:	سونا	الصلواة الخمس:	پانچ نمازیں
خواتیم:	آخری	یغفر:	وہ بخش دیا جائے گا۔
من مات:	جو مرا		

لایشرك بالله: اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کیا۔ المقحمات: ایسے گناہ جن سے جہنم واجب ہو جاتی ہے۔

۷۔مسائل ونصائح:

حضور ﷺ کے سفر معراج کے وقوع پر امت کا اجماع ہے، البتہ اس کی تفصیلات وجزئیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عصر حاضر تک علماء کا اختلاف ہے، ہم عصر حاضر کے دو عظیم مفسرین، محدثین، مورخین اور سیرت نگاروں پیر محمد کرم شاہ الازہری اور علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر معراج کے بارے میں تحقیقات سے استفادہ کرتے ہیں، اس مسئلہ کی تفصیلات کو بیان کر رہے ہیں۔

معراج کا لغوی معنی:

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

معراج کا معنی ہے سیڑھی، یا سیڑھی کے ڈنڈے کے مشابہ چیز کو معراج کہتے ہیں جس کو پکڑ کر روحیں چڑھتی ہیں اور معرج اس راستہ کو کہتے ہیں کہ جس پر فرشتے چڑھتے ہیں، اس کی جمع معارج ہے۔(۱)

معراج کا اصطلاحی معنی:

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کا بیداری میں اپنے جسم کے ساتھ آسمان تک جانا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جہاں تک چاہا آپ کا جانا معراج ہے اور یہ حق اور احادیث مشہورہ سے ثابت ہے حتیٰ کہ اس کا منکر مبتدع ہے، یہ کہہ کر معراج کا انکار کرنا کہ آسمانوں میں شگاف نہیں ہوسکتا، قدیم فلاسفہ کے اصول پر مبنی ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ تمام اجسام کی حقیقت واحد ہے اور جب ایک جسم میں شگاف ہوسکتا ہے تو تمام اجسام میں شگاف ہوسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تمام ممکنات پر قادر ہے۔

معراج کی تعریف میں بیداری کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ معراج منامی (نیند کا واقعہ تھی، کیونکہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے معراج کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا یہ اچھا خواب تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ محمد ﷺ کا جسم معراج کی رات گم نہیں ہوا، اور قرآن مجید میں ہے۔

اور ہم نے جو جلوہ (شبِ معراج) آپ کو دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کے لیے آزمائش تھا۔ ''وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً'' ان دلائل کا جواب یہ ہے کہ الرویا سے مراد خواب نہیں ہے بلکہ آنکھ سے دیکھنا مراد ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا جسم روح سے الگ نہیں ہوا بلکہ آپ کا جسم روح کے ساتھ تھا اور یہ جسمانی معراج تھی، کیونکہ اگر معراج کا یہ واقعہ خواب میں ہوتا یا صرف روح کی معراج ہوتی، تو اس کا اس قدر شدت سے انکار نہ کیا جاتا، حالانکہ کافروں نے

۱۔　تاج العروس، ج ۲، ص ۷

واقعہ معراج کا بہت شدت سے انکار کیا، بلکہ بعض مسلمان اس وجہ سے مرتد ہو گئے۔ معراج کی تعریف میں آسمانوں تک کی قید اس لیے لگائی گئی تا کہ ان لوگوں کا رد ہو، جو کہتے ہیں کہ بیداری میں،'' جہاں تک اللہ نے چاہا۔ اس میں متقدمین کے مختلف اقوال کی طرف اشارہ ہے، بعض نے کہا معراج جنت تک ہوئی، بعض نے کہا عرش تک، بعض نے کہا فوق العرش تک، بعض نے کہا طرف العالم تک۔ رات کو جانا قطعی ہے، یعنی بیت الحرام سے مسجد اقصیٰ تک جانا اور معراج زمین سے آسمان تک جانا ہے۔ یہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اور آسمان سے جنت تک یا عرش تک یا اس سے بھی آگے تک جانا اخبار احاد سے ثابت ہے، پھر صحیح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔(۱)(۲)

اللہ جل مجدہ کے عبد منیب اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے جو آنسو، طائف کی زمین پر ٹپکے، خون ناب کے جو معطر قطرے گلشن اسلام کی ابیاری کے لیے جسم اطہر سے بہے شان کریمی نے انہیں موتی سمجھ کر چن لیا۔ اور دعا کے لیے اٹھنے والے ہاتھ کیا اٹھے۔ کہ قدرت کی بندہ نوازیوں نے روشن مستقبل کی کلیدان مبارک ہاتھوں میں تھمادی۔ آئے روز الطاف الٰہی کا یوں مسلسل ظہور ہونے لگا کہ خاطر پر حزن و ملال کا جو غبار پڑا تھا وہ صاف ہوتا گیا آخر وہ مبارک رات آئی، جب کہ دست قدرت نے اپنے مادی معنوی اور روحانی خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ نور ذات پر صفات کے جو پردے پڑے تھے ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ بیکراں مسافتیں سمٹتی گئیں۔ اور عبد کامل حریم قدس میں ''دنا فتدلی'' کی منزلیں طے کرتا ہوا قرب و حضوری کے اس مقام رفیع پر فائز کر دیا گیا جس کی تعبیر زبان قدرت نے ''فکان قاب قوسین او آدنی'' کے پیارے پیارے کلمات سے فرمائی۔ اس سے مزید قرب کا تصور تک نہیں کیا سکتا اور اس قرب خاص کے بیان کے لیے اس سے دل نشین کوئی اسلوب بیان اختیار نہیں جا سکتا۔ رب قدوس نے اپنے محبوب کریم کے غلاموں کو ''لیلۃ القدر'' کے انعام سے بہرہ ور فرمایا اور اس ایک رات کی عبادت کو ایک ہزار مہینوں کی عبادتوں سے افضل قرار دے دیا اور جس محبوب کے صدقے ہم بے نواؤں اور خطا کاروں پر یہ لطف و کرم ہوا اس حبیب کے علو مرتبت کے اظہار کے لیے اور دن رات ماہئی بے آب کی طرح تڑپنے والے کو اپنے دیدار سے مشرف کرنے کے لیے رات کو سفر معراج کا اہتمام فرمایا: '' وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ''(۳)

''اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

''وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيماً''(۴)

''اے حبیب! اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

۱۔ شرح عقائد نسفی، ص ۱۰۵۔۱۰۴　　۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۶۸۶۔۶۸۷

۳۔ البقرہ ۲: ۱۰۵　　۴۔ النساء ۴: ۱۱۳

"اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا"(۱)

''یقیناً اس کا فضل وکرم اے حبیب! آپ پر بہت بڑا ہے۔

ان کے علاوہ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اس لطف وکرم اور فضل عظیم وکبیر کا اظہار فرمایا ہے جس سے اس نے اپنے برگزیدہ رسول ﷺ کو سرفراز فرمایا۔

واقعہء معراج اپنی اہمیت کے پیش نظر اس بات کا متقاضی ہے کہ اس پر تفصیلی بحث کی جائے اس کے بارے میں جو اعتراضات اور شکوک وشبہات پیش کیے جاتے ہیں حقیقت پسندی سے ان کا جائزہ لیا جائے ان کی وضاحت کی جائے تاکہ اپنے اور بیگانے، ماننے والے اور انکار کرنے والے، حسب استطاعت سب اس سے مستفید ہوسکیں۔ وباللہ التوفیق۔

یہ سفر مبارک کس ماہ کی کس تاریخ کو پیش آیا اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ کسی نے ربیع الاول کسی نے ربیع الآخر اور کسی نے رمضان المبارک کے مہینے کی کوئی تاریخ مقرر کی ہے۔'' لیکن ابن قتیبہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے ماہ رجب کی تعیین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے روضہ میں اسی کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کر دی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے۔ اور بعض کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا، جس پر عمل درآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔ (۲)

رہی یہ بات کہ کس سال اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو "ملکوت السموات والارض" کی سیاحت کرائی۔ اس کے بارے میں علامہ علی بن برہان الدین حلبی کی یہ عبارت جملہ اقوال علماء کی جامع ہے وہ لکھتے ہیں۔

''وذالك قبل الهجرة بسنة وبه جزم ابن حزم وادعى فيه الاجماع وقيل بسنتين وقيل بثلاث سنين وكان بعدخروجه الى الطائف۔"(۳)

''یہ سفر ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔ ابن حزم نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے اور دعوی کیا ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ سفر ہجرت سے دو سال پہلے اور بعض کے نزدیک تین سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔

بہرحال طائف کے حادثہ فاجعہ کے بعد لامکان کی سیر کرائی گئی اور آیات الٰہی کا مشاہدہ کرایا گیا۔

البتہ دو چیزیں مسلمات میں سے ہیں کہ طائف سے واپسی کے بعد اور مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے اس درمیانی مدت

۱۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۸۷　۲۔ السیرۃ النبویۃ، ج ۳، ص ۳۶۰　۳ انسان العیون، ج ۱، ص ۳۴۸

میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو معراج کا شرف ارزانی فرمایا۔

دوسرا مسئلہ جو یہاں غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ یمن و برکت سے لبریز یہ سفر، حالت خواب کا واقعہ ہے یا عالم بیداری میں ہوا۔ اگر عالم بیداری میں ہوا تو ملکوت السموات والارض کی سیاحت صرف روح نے کی یا روح اور جسم دونوں کو قدرت خداوندی کی آیات بینات کے مشاہدہ کی سعادت میسر آئی۔ اگرچہ بعض اقوال ایسے بھی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ معراج حالت خواب کا واقعہ ہے اور بعض علماء کی یہ رائے بھی نظر سے گزری ہے کہ معراج ہوا تو عالم بیداری میں، لیکن صرف روح کو۔ لیکن امت کے جمہور علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ منزل دنا کا یہ سفر پیکر نور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین ﷺ نے جسم اور روح دونوں کے ساتھ طے کیا۔

چنانچہ قاضی عیاض ''الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ'' میں رقمطراز ہیں:۔

''وذهب معظم السلف والمسلمين الى انه اسرآء بالجسدوافى اليقظة وهذا هوالحق وهوقول ابن عباس و جابر ، و انس ، وحذيفة ، وعمر و ابى اهريرة ومالك بن صعصعه وابى حبه البدرى ، وبن مسعود ، والضحاك وسعيد بن جبير و قتاده وابن المسيب وابن شهاب وابن زيد... وجماعه عظيمة من المسلمين وقول اكثر المتاخرين من الفقهاء والمحدثين والمتكلمين والمفسرين۔''(۱)

''سلف صالحین اور امت مسلمہ کی غالب اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اسراء جسم مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا اور یہی قول حق ہے اور مندرجہ ذیل حضرات کا بھی یہی مذہب ہے۔ حضرات، ابن عباس، انس حذیفہ، عمر، ابوہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابی حبہ البدری اور ابن مسعود، رضی اللہ عنہم (یہ سب صحابہ ہیں) اور ضحاک، سعید بن جبیر، قتادہ، ابن المسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مفروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن جریج، ان کے علاوہ طبری، امام احمد بن حنبل اور مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت کا یہی قول ہے کہ نیز علماء متاخرین میں سے فقہاء محدثین متکلمین اور مفسرین کی اکثریت کا یہی قول ہے۔

اس سفر مبارک کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلا حصہ حرم مکہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا حصہ بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور ماوراتک۔ اس ماورا کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اس کا رسول مکرم ﷺ۔

پہلے حصہ کو اسراء کہتے ہیں اور دوسرے کو معراج۔ ہم آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس سفر کے دونوں حصوں کو ناظرین کرام کی خدمت میں علیحدہ علیحدہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ الشفاء، ج ۱ ص ۲۴۶

اسراء:

اسراء کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں کیا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

" سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرَی بِعَبْدِهِ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الأَقْصَى الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ البَصِيرُ "(۱)

"ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ بابرکت بنادیا ہے ہم نے اس کے گردونواح کو تا کہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا۔

اس آیت کی تشریح اور وضاحت کے لئے تفسیر ضیاء القرآن سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضور فخر موجودات سید کائنات ﷺ کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق عقل کوتاہ اندیش اور فہم حقیقت ناشناس نے پہلے بھی ردوقدح کی اور آج بھی واویلا مچا رکھا ہے اس لئے اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ بے سود طوالت سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تا کہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لئے حق کی پہچان آسان ہو جائے اور شکوک وشبہات کا جو غبار حسن حقیقت کو مستور کرنے کے لیے اٹھایا جا رہا ہے اس کا سدباب ہو جائے۔

حضور ﷺ ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرائیل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا۔ اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی حضور ﷺ اٹھے چاہ زمزم کے قریب گئے۔ سینہ مبارکہ کو چاک کیا گیا قلب اطہر میں ایمان وحکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا پھر سینہء مبارکہ درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے۔ اور جس حلقہ سے انبیاء علیہم السلام کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو باندھ دیا گیا حضور مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین علیہم السلام، حضور کے لئے چشم براہ تھے۔ حضور ﷺ کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح ارواح انبیاء علیہم السلام سے روز ازل جو یہ عہد لیا گیا تھا۔ " لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّه۔ "(۲) کہ تم میرے محبوب پر ضرور بر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ کی تکمیل ہوئی اذان بعد مرکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔

پہلے آسمان پر ابوالبشر آدم علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر اپنے جد کریم ابوالانبیاء حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

۱۔ بنی اسرائیل ۱:۱۷ ۲۔ آل عمران ۸۱:۳

ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے مرحبا بالنبی الصالح وابن الصالح یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا! کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے حضور ﷺ آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ تھی۔ اس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سمانہیں سکتی۔ عقاب ہمت۔ یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا اور آگے بڑھے۔ کہاں تک گئے ماوشما اسے کیا سمجھیں زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

''ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔''(۱)

''پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

وہاں کیا ہوا۔ یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے قرآن کریم نے بتایا ہے۔

''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی''۔(۲)

''پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی۔''

علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں نازونیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ ''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی''۔(۳)

اسی مقام قرب اور گوشہ خلوت میں دیگر انعامات نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور ﷺ نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لیے التجا کی، چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کردی گئی اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔ فراز عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرمائے خاکدان ارضی ہوئے۔ ابھی یہاں رات کا سماں تھا ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی سپیدہ سحر کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔

واقعہ معراج کو انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کردیا گیا۔ یہ مسافت بیشک بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب وغریب ہے۔ اس لیے وہ دل جو نور ایمان سے خالی تھے، انہوں نے اسے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دل میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا انہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا اور نہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغہ آرائی سے وہ متاثر ہوئے۔ بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جب اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولی ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے اہل ایمان کے نزدیک کسی واقع کی صحت اور عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے

۱۔ النجم ۵۳:۸۔۹ ۲۔ النجم ۵۳:۱۰ ۳۔ سیرت النبی ﷺ، ج ۳

میں کیا رائے رکھتی ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے، جس طرح چاہے کرسکتا ہے۔ ہمارے وضع کیے ہوئے قوائد وضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں کر سکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک وہ شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب اس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو "علیٰ کل شی قدیر" ہے تو پھر وہ امکان وعدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لیے جب شبِ اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے انکار کر دیا اور بعض نے بلا چون و چرا تسلیم کرلیا۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے ایک گروہ، تو وہی منکرین کا ہے اور دوسرا گروہ وہ ماننے والوں کا ہے لیکن اب ایک تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضا مند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات ونظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں وہ دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا اس لیے ہمیں مختصراً دونوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہیں کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں، تو اٹھا سکیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات ﷺ، باعث تخلیق کائنات سیدنا و مولانا محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں ان کے لیے واقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس مقام پر اس آیت کریمہ "سبحان الذی اسریٰ" الایہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

آیت کا آغاز سبحان، کے کلمہ سے کیا گیا "سبحان سبح یسبح تسبیحاً باب تفعیل کے مصدر تسبیح کا علم ہے اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب ونقائص سے مبرا اور منزہ ہے علامہ زمخشری لکھتے ہیں:۔

"علم للتسبیح کعثما ن للرجل وانتصابه بفعل مضمر ودل علی التنزیه البلیغ من جمیع القبائح التی یضیف الیه اعدآء الله"

"یعنی سبحان، تسبیح مصدر کا علم ہے جس طرح عثمان (جو اس کا ہم وزن ہے) کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر

ہے جو اس کو نصب دیتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کمزوریوں، عیبوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے ہیں۔"

علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

"عن طلحة قال سئلت رسول الله ﷺ عن تفسير سبحان الله وقال تنزيه الله عن كل سوء"

"یعنی حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ میں نے سبحان اللہ کی تفسیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر برائی سے پاک اور منزہ کہنے کو، سبحان اللہ کہتے ہیں۔

سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب، نقص، کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔ بطور ارشاد فرمایا الذی اسریٰ بعبدہ ، کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا۔ اور اپنی قدرت کی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں، جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے۔ واقعی اس کی قدرت بے پایاں، اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں، تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا۔ اس لیے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔ (۱)

کونستانس جیورجیو، سابق وزیر خارجہ رومانیہ نے سیرت کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا عربی ترجمہ حلب یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد التونجی نے کیا۔ جو نظرۃ جدیدۃ فی سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے بیروت سے شائع ہوا ہے۔ اس میں وزیر موصوف نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

اس واقعہ پر علوم طبعیات کی رو سے دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض رفتار کی سرعت کے متعلق ہے دوسرا یہ کہ کیا جسم خاکی کے لیے ممکن ہے کہ فضا میں روشنی کی رفتار سے بھی تیز تر پرواز کر سکے؟ معراج کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے افق اعلیٰ تک تشریف لے گئے پھر واپس بھی تشریف لے آئے حالانکہ آئن سٹائن مشہور عالم سائنس دان اور ریاضی دان کے نزدیک کائنات کے دائرہ کے قطر کے ایک کونے سے دوسرے کونہ تک اگر روشنی سفر کرے تو اس کو یہ مسافت طے کرنے کے لیے تین ہزار ملین نوری سالوں کا عرصہ درکار ہے جب کہ روشنی کی اپنی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے جسے ہندسوں میں یوں لکھا جا سکتا ہے۔ ۱۰۰۰۰۰۰×۳۰۰۰ = ۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰ یعنی تین ارب نوری سال۔ وزیر موصوف لکھتا ہے کہ: اگر چہ علم

۱۔ ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۶۲۴۔۶۲۶

طبیعیات کے نزدیک یہ امر ممکن ہے کہ اتنی مسافت رات کے ایک قلیل حصہ میں طے ہوئی ہو لیکن مذہبی نقطہ نظر سے ہمیں اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کہ ہم عیسائی بھی بہت سی ایسی چیزوں کو اپنے مذہبی عقائد میں شمار کرتے ہیں اور ان کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہمیں مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔'' (۱)

اگر چہ انہوں نے عقائد کا ذکر نہیں کیا جن پر عیسائی کا ایمان لانا ضروری ہے حالانکہ وہ علم طبعی کے رو سے ناممکن ہے لیکن میں انجیل کے حوالہ سے ایک واقعہ کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

سب عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ مختلف انجیلوں کی آیات سے یہ عقیدہ ثابت ہے۔ انجیل مرقس کے سولہویں باب کی انیسویں آیت ملاحظہ فرمائیں۔

''غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی داہنی طرف بیٹھ گیا۔'' (۲)

اسی مضمون کی ایک آیت انجیل لوقا میں بھی ہے۔

''پھر وہ انہیں بیت عیناہ کے سامنے تک لے گیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر انہیں برکت دی جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا، تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا۔'' (۳)

اگر حضرت مسیح علیہ السلام زمین سے آسمان کی ان بلندیوں تک پرواز فرما سکتے ہیں جہاں وہ خدا کے دائیں جانب بیٹھ سکتے ہیں، تو وہ ہستی، جس کے جوتوں کے تسمے کھولنے کی حسرت مسیح علیہ السلام کو عمر بھر بے چین کئے رہی وہ کیوں یہ سفر قلیل مدت میں طے نہیں کر سکتی۔

دائرہء کائنات کے قطر کے دو کناروں میں بعد کا جو اندازہ آئن سٹائن نے لگایا ہے یا روشنی کی سرعت رفتار کا جو تخمینہ اس نے بیان کیا ہے ہمیں اس کی تردید کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہم آئن سٹائن سے یہ پوچھنے کا حق، تو رکھتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی علمی دلیل ہے، جس پر اعتماد کر کے وہ یقین سے یہ کہہ سکتا ہے کہ روشنی سے زیادہ تیز رفتار اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی اور چیز ہو جو روشنی سے بھی کئی گنا زیادہ تیز رفتار ہو۔ یا روشنی کی طبعی رفتار، تو تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہو۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ کسی اور قوت سے اس کی تیز رفتاری میں مزید اضافہ کیا جا سکتا ہو۔ جب یہ سب امکانات موجود ہیں اور کسی سائنس دان نے ان کا انکار نہیں کیا، تو پھر جن کا یہ عقیدہ ہو کہ اس عبد کامل نے خود سیر کرنے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ کہا تو یہ کہا کہ۔

''سبحن الذی اسرٰی بعبدہ۔''

''ہر عجز و ناتوانی سے پاک وہ ذات جس نے اپنے محبوب بندے کو سیر کرائی، تو اس امر پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ کیا علوم طبیعیہ کا کوئی قاعدہ اس کی نفی کر سکتا ہے۔'' (۴)

۱۔ نظرۃ جدیدہ، صفحہ ۱۴۳ ۔ ۲۔ انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۱۹ ۔ ۳۔ انجیل لوقا باب ۲۴ آیت ۵۰۔۵۱

۴۔ ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۶۲۶

سبحان کی تشریح کے بعد کلمہ اسریٰ کے اس مفہوم پر غور فرمایئے۔

''اسریٰ'' رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں لیلاً پر تنوین تقلیل کی ہے۔ یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان اور عافیت سے یہ سفر طے پایا'' اسریٰ'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر'' بعبدہ'' کے لفظ سے فرمایا گیا۔ اس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بے مثل رفعت شان اور علو مرتبت کو دیکھ کر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی، کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ (کہ وہ آپ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہنے کے بجائے اللہ کا بیٹا کہنے لگے تھے) اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ بارگاہ صمدیت میں مقام ''قاب قوسین او ادنی'' پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا۔

بم اشرفك یا محمد اے سراپا حمد و ستائش! آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں۔؟

حضور نے جواباً عرض کی بنسبتی الیك بالعبودیة مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔(۱)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر کیا جو اس کے حبیب نے اپنے لئے پسند فرمایا تھا۔ نیز بعبدہ کے کلمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سفر حالت خواب میں طے نہیں ہوا یا صرف روح نے یہ شرف باریابی حاصل نہیں کیا بلکہ روح و جسم نے بحالت بیداری یہ سفر کیا کیونکہ عبد کے لفظ کا اطلاق صرف روح پر نہیں ہوتا بلکہ روح اور جسم کے مجموعہ کو عبد کہتے ہیں۔

خواب میں تو ہر کس و ناکس طویل مسافتیں پل بھر میں طے کر سکتا ہے اس پر نہ انکار کیا جاتا ہے اور نہ اظہار تعجب۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ واقعہ کفار کو سنایا، تو اسے سن کر انہوں نے وہ اودھم مچایا کہ خدا کی پناہ کئی کمزور ایمان والے مسلمان مرتد ہو گئے۔ اگر حضور ﷺ نے انہیں بتایا ہوتا کہ لوگو! میں نے ایسا خواب دیکھا ہے، تو منکرین کی طرف سے یہ رد عمل کبھی ظاہر نہ کیا جاتا۔

''لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا'' (۲)

''تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔'' ان کلمات سے اس سفر کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ یہ سفر یوں نہیں ہوا کہ بھاگم بھاگ حضور گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آ گئے ہوں نہ کچھ دیکھا۔ نہ سنا۔ بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر گلشن ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم و حکمت کے جتنے کرشمے رقم تھے۔ سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔ اب آپ خود فرمایئے کہ جو لوگ معراج کو عالم خواب کا ایک واقعہ کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے۔

۱۔ ضیاء القرآن، ج ۲، ص ۶۲۶ ۲۔ بنی اسرائیل ۱:۱۷

جسمانی معراج کے منکرین کے دلائل:

اس پر یہ شبہہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رویا تھا یعنی خواب تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''ما جعلنا الرویا التی ارینك الا فتنة للناس''

''یہاں رویا کا لفظ ہے اس کا معنی خواب ہے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لئے دکھایا تا کہ لوگوں کی آزمائش کی جاسکے۔

جب خود قرآن پاک نے تصریح کردی کہ یہ خواب تھا، پھر اس کا انکار کیسے کیا جاسکتا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں، بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے۔ اور اگر ان پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج ہی کا ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا ہے آپ نے فرمایا۔ یہاں رویا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

''قال ابن عباس رویا عین اریها رسول الله ﷺ۔''

''یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رویا کا معنی ان آنکھوں سے دیکھنا ہے جس کا مشاہدہ رسول اللہ ﷺ کو کرایا گیا۔''

علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

''ولو کانت رویا منامماافتتن بها احد ولا انکرها فانه لا یستبعد علی احدان یری نفسه یخترق السموات ویجلس علی الکرسی ویکلمه الرب''

''یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا، تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جارہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جاکر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی، تو ایسے خواب کو کبھی مستبعد اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔(۱)

یہ لوگ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا۔

''ثم استیقظت وانا فی المسجد الحرام''

''پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔''

اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمائیے خود بخود شبہہ دور ہوجائے گا۔

۱۔ احکام القرآن لابن العربی، ص ۱۱۹۵

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک نے نقل کیے ہیں اور ''شریک لیس بالحافظ عند اھل الحدیث یعنی اہل حدیث کے نزدیک، شریک حافظ حدیث نہیں ہے۔(۱)

دوسری روایت سنئے۔

''ان هذا اللفظ رواه شريك عن انس قد تغير باخره فيعول على روايات الجميع ـ''(۲)

''کہ یہ الفاظ حضرت انس سے صرف شریک نے روایت کئے ہیں ان کا حافظہ آخر عمر میں کمزور ہو گیا تھا اس لئے ان کی روایت کی بجائے ان روایات پر بھروسا کیا جائے جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں۔''

قدروى حديث الاسراء من انس جماعة من الحفاظ التفنين والائمة المشهورين كابن شهاب و ثابت النباني وقتادة ولم يات احد منهم بما اتىٰ به شريك ـ (۳)

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''وقوله فى حديث شريك عن انس ـ ثم استيقظت فاذ انا فى الحجر معدود فى غلطات الشريك ''

''یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔''

اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے، لیکن محدثین پہلے، تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ارشادات کو ترجیح دی جائے گی۔

کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا تو بالکل کمسن بچی تھی اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف باسلام ہی نہ ہوئے تھے۔ نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے حضور کا ارشاد نہیں۔ علامہ ابن حبان اس کے متعلق لکھتے ہیں:

وماروى وعن عائشه و معاويه انه كان منا ما فلعله لا يصح ولو صح لم يكن فى ذلك حجة لا نها لم يشاهد ا ذلك لصغر عائشه وكفر معاوية ولانهما لم يسند ا ذلك الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولا حدثا به عنه ـ

۱۔ روح المعانی، ج ۱۵　　۲۔ احکام القرآن لابن لاالعربی　　۳۔ روح المعانی، ج ۱۵

اسی سلسلہ میں مقالات سرسید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا انہوں نے بڑی شدومد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مستشرقین اور عیسائی مورخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن وتشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے اور عظمت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا دلائل وبراہین کو ہی کیوں نہ منہدم کرنا پڑے آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب ونتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے۔ کیا معراج کا انکار کر کے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا ہے؟ کیا آپ کی معذرت خواہی کو انہوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر اس محنت کا کیا حاصل۔ بجز اس کے ان صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے، ہاں، تو میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا جس میں حضرت سید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں۔

''ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقض ہیں۔۔۔ کہ صراحتہً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت و اعتبار کو کھو دیتی ہیں۔''(۱)

لیکن تناقض وتضاد کے جو نمونے انہوں نے ذکر کیے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حطیم میں تھے۔ دوسری میں ہے حجر میں تھے تیسری میں ہے مسجد حرام میں تھے۔

ذرا غور فرمایئے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ منہدم ہو گیا تو قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا، تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا ہے یہ حصہ حطیم یا حجر، مسجد حرام میں ہے۔ تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال۔ مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے:۔

''ثم صعد بی الی السماء السادسۃ فاذا موسیٰ۔''

''پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔''

دوسری حدیث میں ہے:۔

''ثم عرج بنا الی السماء السادسۃ فاذا انا بموسیٰ ورحب لی ودعالی''

۱۔ مقالات سرسید، ج یازدم، ص ۶۲ ۷

''پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف لایا گیا وہاں میں نے موسیٰ علیہ السلام کو پایا انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے دعا کی۔''

تیسری حدیث میں ہے۔

''لما جاوذت فبکی۔''

''جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔''

آپ خود فرمایئے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کے بارے میں خود علماء نے تصریح کی اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو ترجیح دے کر نسبتاً ضعیف روایات کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے وہ، تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں۔ کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔

بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک وشبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔ (۱)

منکرین معراج کی دوسری قسم:

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمایئے جو معراج اور دیگر معجزات کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلافِ عقل ہیں، اور ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام، اس میں یہ بے عدیل ارتباط اور موزونیت، بے مثل ترتیب، اور یکسانیت اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضوابط کا پابند ہے جنہیں قوانین فطرت کہا جاتا ہے اور فطرت کے قانون اٹل ہیں ان میں ردوبدل ممکن نہیں۔

ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اس لئے عقل، معجزات کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ یہ قوانین فطرت کے خلاف ہوتے ہیں معراج ایک معجزہ ہے اس لئے یہ بھی عقلاً محال ہے۔

اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ علماء اسلام نے معجزہ کی جو تعریف کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانین فطرت کے خلاف ہو اور نوامیس قدرت سے برسرپیکار ہو بلکہ علماء اسلام نے معجزہ کی تعریف بایں الفاظ کی ہے:۔

''الا تیان بامر خارق للعادة یقصدبه بیان الصدق من ادعی عنه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم''

''یعنی مدعی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو، اسے معجزہ کہتے ہیں یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قوانین فطرت اور نوامیس قدرت کے خلاف ہو۔ (۲)

۱۔ ضیاء القرآن، ج۲، ص۴۲۴۔۴۲۶　　۲۔ المسامرہ

ان لوگوں کا یہ اعتراض تو تب قابل التفات ہوتا، جب معجزہ نوامیس قدرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہوسکتا ہے یہ معجزات قانون فطرت کے مطابق ہی رو پذیر ہوئے ہوں لیکن ابھی تک وہ قانون فطرت ہمارے ادراک کی سرحد سے ماوراء ہو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں اور ذہن انسانی نے اس سب کا احاطہ کرلیا ہے، انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے۔ آج تک کسی فلسفی یا سائنس دان نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا نیز قوانین فطرت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں یہ بھی نا قابل تسلیم ہے یہ خیال تب قابل قبول ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا سمجھ لیا جائے۔ اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جائے کہ اس کائنات کی آرائش وزیبائش کے لئے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں۔ لیکن اہل خرد کے نزدیک یہ خیال محل نظر ہے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا۔

''یعنی یہ نظریہ ایک غیر معقول تصور اور خوش فہمی ہے کہ فطرت کا طریقہ کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں۔'' (۱)

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں یا نہیں اگر آپ منکر ہیں، تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث عبث اور قبل از وقت ہے پہلے آپ کو وجودِ خداوندی کا قائل کرنا پڑے گا اس کے بعد معجزہ کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا۔ اور اگر آپ وجود خداوندی کے قائل، تو ہیں لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطرت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا آپ خدا کو خالق کائنات مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا اب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کرسکتا بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر وشر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا، تو پھر معجزہ کے انکار کی وجہ سمجھ آسکتی ہے۔ لیکن اگر آپ ذاتِ خداوندی کے قائل ہیں۔ اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادرِ مطلق اور مدبر با اختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی پتہ اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کرسکتا، تو پھر آپ کا نوامیس فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بنا پر معجزات کا انکار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علت ومعلول اور سبب ومسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے اور ظہور معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت وحکمت کے پیش نظر خلافِ معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ ایک با اختیار ہستی ہے وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے۔

ایک شخص کی سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو دس بجے روزانہ سوتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہو جاتا ہے اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں، تو آپ مشاہدہ کا انکار نہیں کرسکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلافِ معمول

۱۔　انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا، ج ۱۵، ص ۵۸۶

فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے اسی طرح ان قوانین فطرت کو عادت خداوندی اور معمول ربانی سمجھنا چاہئے اور کسی چیز کا خلاف معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

The Laws of nature may be regardd as habits of the divine activity , And Mirachles as unuual acts which, while consistent with divine character, mark a new stage in the fulfillment of the purpose of God

''یعنی قوانین فطرت کو ہم عادات خداوندی کہہ سکتے ہیں۔ معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیش نظر خلاف عادت ایسا کیا ہے اور یہ قطعاً ناروا نہیں۔'' (۱)

مغربی فلاسفہ میں سے ہیوم نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی شد و مد سے اس کا انکار کیا ہے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے وہ توجہ طلب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور متعین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رو پذیر ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل و براہین سے جب تک زیادہ قوی اور مضبوط نہ ہوں اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ثبوت معجزہ کے لئے ایسے وزنی دلائل موجود نہیں۔ اس لئے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم ان کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار، ہیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم تمہارا یہ قاعدہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ کیونکہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے، تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاج دلیل ہے پہلے آپ یہ تو ثابت کر لیں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے۔ جب تک آپ اپنی دلیل کی کلیت ثابت نہیں کر سکتے۔ اس وقت تک آپ کی دلیل قابل قبول نہیں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجربات عامہ ہیں یعنی معجزہ تجربات عامہ کے خلاف ہے، تو پھر اس سے تو فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور معمولات کے خلاف ہے تمام تجربات اور مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو۔ لیکن وہ تجربہ آپ کے فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہو۔ (۲)

This phrase itself (that miracle is contrary to experience) is as play pointed out, ambiguos . If it means all experience it assumes the point to b proved,

---

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، ج ۱۵، ص ۵۸۶　　۲۔ انسائیکلو پیڈیا، ج ۱۵، ص ۵۲۶

if it means only common experience then it simply assrts that the miracle is unusual atruism.

استاد احمد امین مصری ہیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے ان کا بطلان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ کیونکہ معجزات ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں اس لئے نا قابل تسلیم ہیں۔ استاد موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ہیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف، تو تمہارا یہ دعویٰ کہ علت ومعلول اور سبب ومسبب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہم بار ہا مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ ایسا ہو، تو یوں ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا ہے حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے۔ جب تمہارے نزدیک علیت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں اور ہر چیز بغیر تحقق علت وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں، تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہوا، جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں، تو کون سی قباحت ہوگئی۔ پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ علت حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور یہ امر بھی بغیر علت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفہ کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہوگئی ہے۔

بعض صاحبان نے اپنے جذبۂ تجسس کو یہ تھپکی دے کر سلا دیا ہے کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزات محض عقیدت مندوں کے جوش عقیدے کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انہوں نے معمولی اور عادی واقعات کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا ہے کہ انہیں خرق عادت بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ تحقیق وجستجو کی خارزار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت نہ کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقہ کار ہے۔ لیکن کیا یہ کسی مشکل کا حل ہے۔ کیا اس سے کوئی عقدہ لانیحل کھل سکتا ہے۔ یہ غور طلب امر ہے۔

آخر میں ایک اہم مقالہ کی طرح اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔ معجزات کے بارے میں جناب محترم سرسید احمد خان نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قوانین قدرت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانون قدرت کے مطابق ہوگا، تو اس کا ظہور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے معجزہ کا خلاف قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانین قدرت اٹل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردوبدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ نصوص قرآنیہ میں بارہا یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانونِ قدرت میں تغیر وتبدل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ معجزہ کا وقوع باطل ہے۔ آپ نے سید محترم کا استدلال ملاحظہ فرما لیا۔ انہوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا بطلان کیا ہے۔

حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علماء اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہو، بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو۔ نیز معجزات کو قوانین فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہوسکتا ہے، جب کہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کرلے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں، تو پھر معجزات کو سنن الٰہیہ کے خلاف ٹھہرانا سرا سر لغو ہے۔

بہر حال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے قادرِ مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامہء خیر وشر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم، اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبض ہستی محو خرام ہے اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہیے جو صحیح اور قابل وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآن کریم میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چون وچرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے، وہ سچ ہے۔ اس میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

واقعہ معراج کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین و آسمان بلکہ ان سے بھی ماوراء اپنی قدرت و کبریائی کی آیاتِ بینات کا مشاہدہ کرایا بلکہ اس میں ستم رسیدہ اہل اسلام کے لئے بھی ایک مژدہ ہے کہ شب غم اب سحر آشنا ہونے والی ہے۔ تمہارا آفتابِ اقبال ابھی طلوع ہوا چاہتا ہے۔ شرق وغرب میں تمہاری سطوت کا ڈنکا بجے گا، لیکن مسند اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پروردگار کو فراموش نہ کرنا۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں غفلت سے کام نہ لینا۔ اگر تم نے نشہء حکومت سے بدمست ہو کر نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی، تو پھر ان کے ہولناک نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ دیکھو تم سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے فرعون کی غلامی اور ظلم وستم سے نجات دی۔ بحر احمر کو ان کے لئے پایاب کیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے جابر دشمن کو سمندر کی موجیں خس وخاشاک کی طرح بہا لے گئیں۔ لیکن جب انہیں عزت و وقار بخشا گیا، تو وہ اپنے مالکِ حقیقی کے احکام سے سرتابی کرنے لگے اور اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے انہوں نے نافرمانی اور ناشکری کو اپنا شعار بنالیا، تو ہم نے ان پر ایسے سنگ دل دشمن مسلط کردیئے جنہوں نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا، اور ان کے مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اسی لیے عبرت آموزی کے لئے واقعہء معراج کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔

نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم یمن و برکت سے لبریز اس سفر سے جب واپس تشریف لائے، تو سب سے پہلے اپنے سفر کے حالات اور مشاہدات سے اپنی چچا زاد بہن، حضرت ابو طالب کی صاحب زادی اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہمشیرہ حضرتِ ام ہانی رضی اللہ عنہا کو آگاہ فرمایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے وہ حرم شریف میں جا کر اس سفر کے واقعات اپنی قوم کے

سامنے بیان کریں گے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میرے رب کریم کی بیکراں قدرتوں کی کیا شان ہے اور اس بندے کا اپنے معبود برحق کے دربار میں کیا مقام ہے۔

حضرت ام ہانی نے ازراہِ شفقت حضور ﷺ کی چادر کا پلو پکڑ لیا اور بولیں اے میرے ابن عم! میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ آپ ایسا نہ کریں اگر آپ نے یہ واقعات انہیں سنائے تو یہ آپ کی تکذیب کریں گے۔ مذاق اڑائیں گے اور اذیتیں پہنچائیں گے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جھٹکا دے کر اپنا پلو چھڑا لیا اور حرم شریف کی راہ لی۔ آپ کہتی ہیں کہ اس وقت حضور ﷺ کے قلب مبارک سے نور کی ایک شعاع چمکی کہ میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور میں سجدہ میں گر گئی۔ جب میں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو حضور تشریف لے جا چکے تھے میں نے اپنی نبعہ نامی لونڈی کو کہا تم حضور کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ حضور کیا فرماتے ہیں اور لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔

نبعہ وہاں پہنچی دیکھا کہ حضور کعبہ شریف کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان تشریف فرما ہیں اور لوگ حضور کے اردگرد انبوہ کیے ہوئے ہیں۔ ان میں مطعم بن عدی اور ابو جہل بھی ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کو اپنی سیاحتِ ملکوت السموات والارض کے واقعات سنائے کہ رات کو مجھے بیت المقدس لے جایا گیا وہاں مسجد اقصیٰ میں انبیاء سابقین علیہم السلام بھی جمع ہو گئے ہیں۔ میں نے سب کی امامت کرائی ان تمام انبیاء علیہم السلام نے میری اقتدا میں نماز ادا کی۔ جب سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی بات ختم کی، تو مشرکین نے شور مچا دیا۔ کچھ سیٹیاں بجانے لگے کچھ تالیاں بجانے لگے۔ بعض اپنے سروں پر ازراہِ تعجب ہاتھ دھرے حیرت کا اظہار کر رہے تھے اچانک مطعم بن عدی بولا کہ آج تک جو باتیں آپ کرتے تھے وہ عام فہم تھیں۔ لیکن جو بات آپ نے آج کہی ہے اس نے، تو ہمیں لرزا کر رکھ دیا ہے ہم کیسے باور کر لیں کہ جو مسافت طے کرنے کے لئے جاتے ہوئے ہمارا ایک مہینہ اور واپسی پر بھی ایک مہینہ صرف ہوتا ہے حالانکہ ہم تیز رفتار سانڈنیوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اس طویل مسافت کو آپ نے رات کے قلیل عرصہ میں طے کر لیا۔ اور راتوں رات واپس بھی پہنچ گئے لات و عزی کی قسم ہم آپ کی یہ بات ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی پاس بیٹھے تھے مطعم کا یہ ترش رویہ دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ اے مطعم اپنے بھتیجے کے ساتھ جو گفتگو تم نے کی ہے وہ از حد ناپسندیدہ ہے، تو نے ان کا دل دکھایا ہے اور انہیں جھٹلایا ہے۔ غور سے سنو میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ انہوں نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے وہ سچ ہے لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے الجھ پڑے کہنے لگے تمہارا ذہن کیا اس انہونی بات کو تسلیم کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا! ہاں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ میں ﴿۱﴾ تو ان کی زبان سے نکلی ہوئی ایسی باتوں کو بھی صحیح مانتا ہوں جو اس سے بھی بڑی ہوتی ہیں یہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس رات اور دن میں کئی کئی بار آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے، اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، تو حضور کے اس ارشاد کو ماننے میں مجھے کیا تامل ہو سکتا ہے۔

مشرکین نے اب طرح طرح کے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے تا کہ کہیں اس طرح وہ حضور کو جھٹلانے میں کامیاب ہو جائیں انہیں علم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے بیت المقدس تشریف نہیں لے گئے انہوں نے مسجد اقصیٰ کے دروازوں، کھڑکیوں، چھت کے شہتیروں، کڑیوں کے بارے میں سوالات کی بھرمار کر دی۔ بے نگے بھلا بتایئے! مسجد اقصیٰ کے دروازے کتنے ہیں اور کس کس سمت میں ہیں: کھڑکیوں کی تعداد کیا ہے؟ ان کا محل وقوع کیا ہے؟ محراب کہاں ہے؟ اس کی وضع قطع کیسی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حکم سے درمیانی پردے اٹھا دیئے گئے۔ مسجد اقصیٰ دکھائی دینے لگی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ دیکھ کر ان کے سوالوں کے جواب ارشاد فرمارہے تھے جب سارے سوالات کے بالکل جوابات انہیں مل گئے، تو وہ ہٹ دھرم کہنے لگے کہ بیشک ولید بن مغیرہ نے ان کے بارے میں صحیح کہا ہے کہ یہ بڑے جادوگر ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جواب کو سن کر بلند آواز سے نعرہ لگاتے کہتے'' **اشهد انك رسول الله** ''

حضرت ام ہانی کی لونڈی نبعہ کہتی ہیں کہ میں نے اس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:۔

''**یا ابا بکر ان الله سماك الصدیق**''

''اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام الصدیق رکھ دیا ہے۔''

یہی نبعہ کہتی ہیں کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب الصدیق آسمان سے نازل فرمایا ہے۔

کفار نے لاجواب ہو کر پینترا بدلا۔ اور کہنے لگے کے جس راستہ پر آپ نے سفر کیا ہے اس راہ پر ہمارے کئی تجارتی قافلے آجارہے ہیں ان کے بارے میں کچھ بتایئے تا کہ ہمیں تسلی ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب فلاں وادی سے گزرا فلاں قبیلہ کا قافلہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ میرے براق کی آہٹ پا کر ان کے سواری کے جانور گھبرا گئے اور ان کا ایک اونٹ مہار تڑا کر بھاگ گیا میں نے ان کو آواز دے کر بتایا کہ ان کا اونٹ وہاں کھڑا ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب میں شام کی طرف جارہا تھا جب میں لوٹا تو بنی فلاں کے قافلہ کے پاس سے میرا گزر ہوا وہ سب محو خواب تھے ان کے ایک برتن میں پانی تھا۔ جس پر ڈھکنا تھا۔ میں نے وہ ڈھکنا اٹھایا اور اس سے پانی پیا اور پھر ڈھکنا رکھ دیا۔

راستے میں ایک دوسرے قافلے کے پاس سے گزرا براق کی اچانک آہٹ سن کر ان کے اونٹ بھی بدک گئے ایک سرخ رنگ کا اونٹ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اس پر جو بوریاں لدی تھیں۔ ان پر سفید نشانات تھے۔ بنی فلاں کا قافلہ فلاں جگہ پر ملا ان میں ایک اونٹ تھا جس پر دو بوریاں لدی تھیں ایک کا رنگ سیاہ اور دوسری کا رنگ سفید۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو ان کے جانور بھی بھڑک اٹھے اور ایک اونٹ گر پڑا ان کا بھی ایک اونٹ گم ہو گیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ ہے میں نے انہیں

سلام دیا انہوں نے میری آواز پہچان لی کہنے لگے کہ یہ آواز محمد (فداہ بی و امی) ﷺ کی ہے۔

پھر کفار نے پوچھا کہ بنی فلاں کا قافلہ کب پہنچے گا تو حضور نے فرمایا:۔

" یاتو نکم یو م کذا یقدمهم جمل اورق علیه مسح ادم و غرار تان۔"

"کہ وہ فلاں دن پہنچیں گے ان کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہوگا جس پر دو بورے ہوں گے۔"

اب قریش ان قافلوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے جب وہ مقررہ دن آیا جس میں بنی فلاں کے قافلہ کی آمد کی خبر حضور ﷺ نے دی تھی، تو سارے قریش گھروں سے نکل کر راستہ پر انتظار کرنے لگے دن کافی گزر گیا لیکن قافلہ نہ آیا۔ کفار کے دل بلیوں اچھل رہے تھے، انہیں اب یہ امید لگ گئی تھی انہیں سنہری موقع مل رہا ہے اب وہ حضور کی تکذیب کر سکیں گے۔ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر بعض لوگ کھڑے ہو گئے کہ ادھر سورج غروب ہو اور ادھر وہ حضور ﷺ کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر دیں۔ لیکن ایسا کب ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ اس کے محبوب ﷺ کی زبان پاک سے نکلی ہوئی بات کو کوئی غلط ثابت کر سکے وہ آدمی جو مغرب کی طرف منہ کر کے سورج غروب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بلند آواز سے اعلان کیا "قد غربت الشمس" لو سورج غروب ہو گیا۔ اسی وقت ایک دوسرے شخص نے بلند آواز سے اعلان کیا "قد قدمت العیر" وہ دیکھو قافلہ آ گیا۔

کتب سیرت میں ایک واقعہ بھی مذکور ہے جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رات اقصیٰ میں تشریف لانے کی تصدیق ہوتی ہے۔

علامہ حلبی نے اسے اپنی سیرت کی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون جو سیرت حلبیہ کے نام سے مشہور ہے میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:۔

نبی مکرم ﷺ کا مکتوب گرامی جب ہرقل قیصر روم کو ملا۔ وہ اس وقت ایلیا میں تھا۔ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ شہر میں تلاش کرو اگر مکہ کا کوئی باشندہ یہاں آیا ہوا ہو، تو اس کو میرے پاس پیش کرو۔ اتفاق سے ابوسفیان جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا اپنے تجارتی کارواں کے ہمراہ یہاں آیا ہوا تھا۔ اسے اس کے ساتھیوں سمیت قیصر کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ قیصر نے ان لوگوں سے پوچھا مکہ کے جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے ابوسفیان نے کہا کہ میں ان کا سب سے قریبی رشتہ دار ہوں۔ قیصر نے ابوسفیان کو اپنے سامنے بٹھایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ باتوں باتوں میں موقع پا کر ابوسفیان کہنے لگا اے بادشاہ! کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ سناؤں جس سے تمہیں پتہ چل جائے کہ وہ (العیاذ باللہ) شخص جھوٹا ہے قیصر نے کہا بتاؤ۔ اس نے کہا وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایک رات حرم مکہ کی سرزمین سے روانہ ہو کر یہاں تمہاری اس مسجد میں آیا اور یہاں سے ہو کر اسی رات واپس مکہ پہنچ گیا۔ ابوسفیان کا، تو یہ خیال تھا کہ اس بات کو سن کر قیصر حضور ﷺ کو جھوٹا سمجھنے لگے گا اور آپ سے متنفر ہو جائے گا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ یہ بات سن کر پادریوں کا ایک سردار اٹھا

اور کہنے لگا کہ میں اس رات کو پہچانتا ہوں جب وہ یہاں آئے قیصر نے پوچھا تمہیں کیسے اس کا پتہ چل گیا۔ بطریق کہنے گا۔ میرا یہ معمول تھا کہ میں سونے سے پہلے مسجد کے سارے دروازے بند کر کے سویا کرتا تھا اس رات بھی میں نے سارے دروازے بند کر دیئے لیکن فلاں دروازہ مجھ سے بند نہ ہوسکا۔ میں نے سب حاضرین کو بلایا تاکہ سب مل کر اس دروازے کو بند کریں، ہم سب نے مل کر زور لگایا لیکن ہم اسے بند نہ کر سکے آخر یہ طے پایا کہ اب کچھ نہیں ہوسکتا شائد ساری عمارت کا بوجھ اس ایک دروازہ پر آپڑا ہے آج رات اسے یوں ہی رہنے دو صبح کسی معمار کو بلا کر اسے درست کرائیں گے۔ ہم سب چلے گئے صبح سویرے جاگ کر میں اس دروازے کی جگہ پر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ دروازے کے ایک کونہ میں جو پتھر تھا اس میں تازہ تازہ کسی نے سوراخ کر دیا وہاں ایک چوپائے کے بندھنے کے نشان بھی تھے میں نے جب کواڑ بند کیے تو بڑی آسانی سے وہ بند ہو گئے۔ اس سے مجھے اس بات کی تصدیق ہوئی جو میں نے قدیم کتابوں میں پڑھی تھی کہ ایک نبی ﷺ بیت المقدس سے آسمان کی طرف عروج فرمائے گا۔ اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ رات کو دروازہ بند نہ ہونے کی یہی وجہ تھی۔ (۱)

خود طلب کردہ نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں حق کا نور نظر نہ آیا بلکہ کہنے لگے کہ واقعی ولید بن مغیرہ نے سچ کہا تھا کہ بہت بڑا جادوگر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہدایت اس کو نصیب ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ خود اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت لازوال ارزانی فرمادے ورنہ کوئی دلیل، کوئی معجزہ اور کوئی وعظ، ہدایت کے دروازے نہیں کھول سکتا۔

''إِيَّاكَ نَعْبُدُ وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ　اهدِنَـا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ'' (۲)

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں چلا ہم کو سیدھے راستہ پر۔

مکاشفات:

اس سفر مقدس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو اپنی قدرت کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا نیز چند اعمال پر مرتب ہونے والے اثرات اور عواقب کو محسوس پیکر میں پیش کیا گیا تاکہ حضور ﷺ کے امتی ان سے عبرت حاصل کرسکیں۔ ان امور کو علماء کرام نے اپنی جلیل القدر تصنیفات میں بیان کیا ہے۔ یہ فقیر، امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ کی شہرہ آفاق کتاب سبل الہدیٰ والرشاد سے استفادہ کرتے ہوئے حقائق اور مکاشفات کو ہدیہء قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

منزل ''قاب قوسین'' کا مسافر، جب براق پر سوار ہو کر حرم مکہ سے روانہ ہوا تو جبرائیل علیہ السلام نے رکاب تھامی ہوئی تھی اور میکائیل علیہ السلام

۱۔ انسان العیون، ج ۱، ص ۳۵۳　　۲۔ فاتحہ ۱: ۵-۶

نے باگ پکڑی ہوئی تھی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ایسی سرزمین میں پہنچے جہاں کھجور کے باغات تھے جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یہاں اتریئے اور نماز ادا کیجئے۔ حضور اترے اور نماز ادا کی پھر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا آپ جانتے ہیں جہاں آپ نے نماز ادا کی ہے یہی مقام آپ کی ہجرت گاہ ہے۔ پھر براق تیز رفتار سے سفر طے کرنے لگا اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں ہی اس کے قدم لگتے تھے۔ پھر ایک جگہ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی اتریئے اور دو رکعت نفل پڑھیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا پھر سوار ہو کر سوئے منزل روانہ ہوئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی ہے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کی آپ نے مدین میں موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز ادا کی ہے۔ پھر سوار ہوئے اور براق تیزی سے مسافت طے کرنے لگا۔ راستہ میں پھر ایک مقام پر جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اتریئے اور نماز ادا کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر اپنے رب کو سجدہ کیا اور پھر سوار ہو کر سفر شروع کیا جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز ادا کی؟ فرمایا نہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ جب مرکب ہمایوں بیت اللحم پہنچا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مولد ہے وہاں اتر کر نماز ادا کی۔

دریں اثناء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا ایک شعلہ لئے ہوئے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتاؤں جب آپ ان کی تلاوت کریں تو اس کا یہ شعلہ بجھ جائے اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور حضرت جبرائیل نے یہ دعا سکھائی۔

”قل اعوذ بوجه الله الكريم و بكلمات الله التامات التى لا يجا وزهن برو لا فاجر من شرما ينزل من السماء ومن شرما يعرج فيها ومن شرما ذرا فى الارض ومن شرما يخرج منها ومن شر فتن الليل والنهار ومن طوارق الليل والنهار الا طارقا يطرق بخير يارحمن“ ۔(۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا پڑھی۔ عفریت کا وہ شعلہ بجھ گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

پھر اثنائے سفر یہ منظر دیکھا کہ ایک قوم ہے جو کھیتی باڑی کرتی ہے وہ لوگ آج جو فصل بوتے ہیں دوسرے دن وہ فصل تیار ہو جاتی ہے۔ وہ اسے کاٹ لیتے ہیں۔ پھر وہ فصل جوں کی توں لہلہانے لگتی ہے حضور نے فرمایا اے جبرائیل! یہ کیا ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یہ اللہ کے مجاہد ہیں۔ جن کی نیکیوں کو سات سو گناہ کر دیا جاتا ہے اور، جو وہ خرچ کرتے ہیں اس کی جگہ ان

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳، ص ۱۱۶

کو اسی وقت دے دیا جاتا ہے۔ پھر حضور ﷺ نے ایک بڑی دلکشا خوشبو سونگھی جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یہ خوشبو فرعون کی بیٹی کی ماشطہ (بناؤ سنگھار کرنے والی) اور اس کی اولاد کی ہے۔

اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز وہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی کہ وہ کنگھی گر پڑی اس کے منہ سے نکلا۔ "بسم الله تعس فرعون"۔ اللہ کے نام سے اٹھاتی ہوں خدا فرعون کو ہلاک کرے کہ وہ خدائی کا جھوٹا مدعی ہے۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کہ میرے باپ کے بغیر تمہارا کوئی دوسرا خدا ہے؟ اس نے کہا بے شک، میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے اس عورت کے دو بیٹے تھے ایک خاوند تھا۔ فرعون کو معلوم ہوا اس نے ان سب کو بلا بھیجا۔ اس عورت اور اس کے خاوند کو بڑا بہلایا پھسلایا تا کہ وہ اس کو خدا مان لیں جب انہوں نے انکار کر دیا تو اس نے دھمکی دی کہ میں تمہیں تہ تیغ کر دوں گا۔ وہ دونوں بولے۔

"احسانا منك ان قتلتنا ان تجعلنا في بيت۔"

"یہ تیرا بڑا احسان ہوگا کہ تو ہمیں قتل کر دے اور ایک ہی مکان میں دفن کر دے۔"

اس نے تانبے کی ایک دیگ کو خوب گرم کیا اور حکم دیا کہ اس عورت کو اس کی اولاد کو اس میں پھینک دیا جائے فرعون کے کارندے ان معصوم بچوں کو یکے بعد دیگرے اس کھولتی ہوئی دیگ میں ڈالنے لگے آخر میں ایک شیر خوار بچے کو اس میں پھینکا اس نے بلند آواز سے کہا اے میری ماں! صبر کرنا اور حق سے منہ نہ موڑنا تو ہی حق پر ہے۔ (۱)

پھر حضور ﷺ کا گزر ایسی قوم کے پاس سے ہوا جن کے سروں کو کوٹا جا رہا تھا وہ پھر فوراً پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار جاری تھا۔ حضور ﷺ نے پوچھا اے جبرائیل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز کی ادائیگی نہیں کرتے۔ پھر ایسی قوم دکھائی جن کے آگے پیچھے چیتھڑے ہیں وہ اس طرح چر رہے تھے جس طرح اونٹ اور بکریاں چرتی ہیں اور ضریع (ایک خاردار کڑوی بوٹی) اور زقوم کھا رہے تھے حضور ﷺ نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون ہیں؟ عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ پھر ایک ایسی قوم دکھائی دی جن کے پاس ایک ہانڈی میں پکا ہوا لذیذ گوشت ہے اور دوسری طرف بدبودار گوشت ہے۔ وہ لوگ پاک اور لذیذ گوشت نہیں کھاتے تھے اور اس ردی اور بدبودار گوشت پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں پوچھا انہوں نے عرض کی یہ حضور ﷺ کی امت کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب بیویاں ہیں لیکن وہ بدکار عورتوں کے ساتھ وقت گزارتے ہیں۔ یہی حال اس عورت کا ہوگا جو حلال اور طیب خاوند کی موجودگی میں خبیث آدمی کی طرف رجوع کرتی ہے پھر راستہ میں ایک لکڑی کے پاس سے گزر ہوا جو چیز یا کپڑا اس کے نزدیک ہوتا

۱۔ سبل الہدی والرشاد، ج ۳، ص ۱۱۶

ہے اس کو وہ پھاڑ دیتی ہے۔ اس کے بارے میں دریافت فرمایا جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو راستے پر کچہری لگا کر بیٹھیں گے اور لوگوں کا راستہ کاٹیں گے پھر ایک آدمی کو دیکھا جو خون کی ایک نہر میں تیر رہا ہے اور اس کے منہ میں پتھر ڈالے جا رہے ہیں، پوچھنے پر جبرائیل نے بتایا یہ سود خور ہے پھر ایک ایسا آدمی نظر آیا جس نے بڑی بھاری گٹھری باندھی ہوئی ہے لیکن وہ اس کو اٹھا نہیں سکتا اور اس گٹھڑی میں مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے فرمایا یہ حضور کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں گی اور وہ ان کو ادا نہیں کرے گا اور مزید امانتیں رکھنے کا خواہش مند ہوگا۔ پھر یہ ہیبت ناک منظر دکھائی دیا کہ قینچی کے ساتھ ایک قوم کی زبانیں اور ان کے ہونٹ کاٹے جا رہے ہیں وہ زبانیں اور ہونٹ کٹنے کے بعد پھر جوں کے توں ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضور ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ جبرائیل نے عرض کی:۔

”ھٰؤلاء خطباء الفتنة من امتك يقولون مالا يفعلون ۔“(۱)

یہ حضور کی امت کے فتنہ باز خطیب ہیں جو وہ دوسروں کو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔

پھر ایسے لوگ نظر آئے جن کے ناخن تانبے کے ہیں اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان سے کھرچ رہے ہیں۔ جبرائیل نے ان کے بارے میں عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت میں مصروف رہتے ہیں اور ان کی عزتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں۔

سرکار دو عالم ﷺ کو راستہ میں ایک بڑی خوبصورت آراستہ پیراستہ عورت ملی۔ اس کے سر پر اوڑھنی نہیں اور عرض کرتی ہے یا محمد انظرنی اسلك یارسول اللہ میری طرف توجہ فرمائیں میں کچھ سوال کرنا چاہتی ہوں لیکن حضور ﷺ نے اس عورت کی طرف ذرا توجہ نہ فرمائی اس کے بارے میں جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا۔ جبرائیل نے عرض کی یہ دنیا تھی۔ اگر آپ اس کو جواب دیتے، تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔(۲)

پھر حضور کا گزر اس سرخ ٹیلے کے پاس سے ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔ حضور نے دیکھا وہ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے ہیں حضور نے انہیں سلام فرمایا۔ انہوں نے سلام کا جواب عرض کیا آخر میں امام الانبیاء والمرسلین ﷺ بیت المقدس میں پہنچے۔ حضور نے بھی اور جبرائیل نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں ابھی تھوڑی دیر گزری تھی وہاں لوگ جمع ہو گئے پھر موذن نے اذان دی اور اقامت کہی سب اس انتظار میں تھے کہ کون امامت کا شرف حاصل کرے گا۔ جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔ حضور ﷺ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی امامت کرائی۔

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳، ص ۱۱۷ ۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳، ص ۱۱۹

نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ ارشاد فرمایا جس مین اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد ان احسانات کو گنوایا جو ان کے رب جلیل نے ان پر فرمائے تھے۔ آپ نے کہا:۔

''الحمدالله الذی اتخذنی خليلا واعطانی ملکا عظیما و جعلنی امة قانتا یو تم بی و انقذنی من النار وجعلها علی بردا وسلما ''۔(۱)

''ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا مجھے ملک عظیم عطا فرمایا (مجھے اپنا فرمانبردار بنایا جس کی پیروی کی جاتی ہے۔) مجھے آگ سے بچایا اور اسے میرے لئے ٹھنڈا اور سلامتی کا باعث بنایا۔''

آپ کے بعد موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور ان احسانات کو اور انعامات کو بیان کیا جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا۔ آخر میں رحمت للعالمین، خاتم النبیین ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا تم سب نے میرے رب کی ثناء کی ہے اب میں اپنے رب کی ثناء گستری میں لب کشا ہوتا ہوں۔ پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:۔

''الحمدلله الذی ارسلنی رحمة للعالمين و كافة للناس بشيرونذيرا و انزل علی الفرقان فيه تبيان كل شیء وجعل امتی خير امة اخرجت للناس وجعل امتی وسطاوجعل امتی هم الاولون والاخرون وشرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذكری وجعلنی فاتحا وخاتما''۔(۲)

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھ پر فرقان نازل کیا اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا اور اسے لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا اور میری امت کو وسط بنایا میری امت ہی اول وآخر ہے۔ مجھے شرح صدر کی نعمت سے نوازا میرا بوجھ مجھ سے ہلکا کیا میرے ذکر کو میرے لیے بلند فرمایا اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔

یہ جان پرور کلمات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گروہ انبیاء علیہم السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''بهذا فضلكم محمد ﷺ'' انہیں احسانات اور انعامات کے باعث محمد ﷺ ہم سب پر فضیلت پا گئے۔

معراج از مسجد اقصیٰ تا سدرۃ المنتہیٰ و ماوراء:

اس بابرکت سفر کے دوسرے مرحلہ کو جسے معراج سے موسوم کیا جاتا ہے سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں بیان فرمایا گیا ہے۔

''والنجم اذاهوی'' قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔

۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳، ص ۱۲۰ ۲۔ سبل الہدیٰ، ج ۳، ص ۱۲۱

ماضل صاحبکم وما غوٰی	تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔
ومایںطق عن الھوی	اور وہ، تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔
ان ھوالا وحی یوحی	نہیں ہے یہ مگر وحی جوان کی طرف جاتی ہے۔
علمه شدید القویٰ	انہیں سکھایا ہے زبردست قوت والے نے۔
ذومرۃ فاستویٰ	بڑے دانا نے پھر اس نے بلندیوں کا قصد کیا۔
وھو بالافق الاعلی	اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا۔
ثم دنا فتدلی	پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا۔
فکان قاب قوسین او ادنیٰ	یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔
فاوحیٰ الی عبدہ مااوحی	پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔
ماکذب الفئوومارایٰ	نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے
افتمرو نه علی مایری	کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا۔
ولقد راہ نزلۃ اخریٰ	اور انہوں نے، تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔
عند سدرۃ المنتھیٰ	سدرہ المنتہیٰ کے پاس۔
عندھا جنۃ الماویٰ	اس کے پاس ہی "جنت الماوٰی" ہے۔
اذ یغشی السد رۃمایغشیٰ	جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔
مازاغ البصروما طغیٰ	نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔
لقد رای من اٰیاتِ ربه الکبریٰ	یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

آیت کے الفاظ کا مفہوم پہلے ذہن نشین کر لیجئے۔

نجم۔ مطلق ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور النجم ذکر کر کے اس سے ثریا (پروین) مراد لینا بھی اہل عرب میں عام مروج ہے۔ یہاں دونوں معنی لیے جاسکتے ہیں۔

ھویٰ یہ مادہ دو بابوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ باب علم یعلم سے ھوی یھوی اس وقت اس کا معنی محبت کرنا ہوتا ہے۔

ھواہ :احبه۔ دوسرا ضرب یضرب سے ھوٰی یھوی جیسے یہاں مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نیچے گرنا اور بلند ہونا۔ چنانچہ ھویٰ الشیی سقط من علو الی اسفل ارتفع و صعد جب کوئی چیز اوپر سے نیچے

گرے تب بھی کہتے ہیں ھوی الشی ء اور جب کوئی چیز پستی سے بلندی کی طرف جائے اس وقت بھی کہتے ہیں۔ ھوی الشی ءالبتہ مصدر دونوں حالتوں میں الگ الگ ہوگا۔ نیچے گرنے کے معنی میں ہو،تو کہیں گے "ھوای یھوی ھویا" اور بلند ہونے کے معنی میں ہو،تو کہیں گے "ھویٰ یھوی ھویا"۔

ستارہ رات کے اندھیرے میں روشنی بہم پہنچاتا ہے۔فضا کو بھی اپنی ٹمٹماہٹ سے حسن وزینت بخشتا ہے۔لق ودق صحرا میں مسافر ستاروں سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ستارہ جب آسمان کے وسط میں ہوتو اس وقت وہ راہنمائی نہیں کرسکتا اس لئے صرف النجم کی قسم نہیں اٹھائی، بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہورہا ہو یا ڈھل رہا ہو، کیونکہ رہنمائی کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

"ھوالنبی صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھویہ نزولہ من السماء لیلۃ المعراج وجوز علیٰ ھذا ان یراد بھواہ صعودہ وعروجہ علیہ الصلوٰۃ السلام الی منقطع الا ین۔"(روح المعانی)

"یعنی النجم سے مراد ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا ہے۔اذاھوٰی سے مراد حضور کا شب معراج آسمان سے واپس زمین پر نزول فرمانا۔اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اذاھوٰی سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ حضور کا شب معراج وہاں تک عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہوجاتی ہیں۔

قرآن کریم کی وہ مقدار جوایک مرتبہ نازل ہواس کو بھی نجم کہتے ہیں۔بعض علماء نے یہاں النجم سے بھی قرآن کریم کا نازل شدہ حصہ مرادلیا۔"قیل اراد بذلک القرآن المنجم المنزل قدرافقدرا"۔

یہاں النجم مقسم بہ ہے۔اس کا جومعنی لیا جائے وہاں سے خاص مناسبت پائی جاتی ہے جو اہل نظر پرعیاں ہے۔

یہ جواب قسم ہے۔آیت کے کلمات کی تحقیق پہلے ساعت فرمایئے۔آیت میں صاحبکم سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات ہے۔صاحب کا معنی سید اور مالک بھی ہے کہتے ہیں ص"صاحب البیت" گھر کا مالک اور اس کا معنی ساتھی اور رفیق بھی ہے،لیکن صرف ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے،جس کی رفاقت اور سنگت بکثرت ہو۔لا یقال فی العرف الالمن کثرت ملازمتہ۔(مفردات)

علامہ راغب "ضلال" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"الضلال العدول عن الطریق المستقیم ویضا دہ الھدایۃ ویقال الضلال لکل عدول عن المنھج عمدا وکان اسھویسیرا کان اوکثیرا"

''سیدھے راستے سے روگردانی کو ضلال کہتے ہیں۔اس کی ضد ہدایت ہے بعض نے مزید تشریح کی ہے کہ راستے سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر، تھوڑی ہو یا زیادہ ہو اسی کو ضلال کہتے ہیں۔''

اور فاضل موصوف غوٰی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔'' الغی جھل من اعتقاد فاسد '' یعنی وہ جہالت جو باطل عقیدہ کی وجہ سے ہو۔(مفردات)

علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں:

''الغوایۃھی الحظاء فی الاعتقادِ خاصۃ والضلال اعم منھا یتنا ول الحظا ء فی الاقوال والا فعال والاخلاق والعقائد ''

''اعتقادی غلطی کو غوایہ کہتے ہیں اور ضلال عام ہے۔ یہ اقوال، افعال، اخلاق اور عقائد کی غلطی کے لئے استعمال ہوتا ہے''۔

حضور رحمت عالمیان ﷺ نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور اہل مکہ کو کفر وشرک سے باز آنے کی تبلیغ شروع کی تو اہل مکہ نے کہنا شروع کیا کہ آپ گمراہ ہو گئے ہیں، اپنی قوم کا راستہ چھوڑ دیا ہے، ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے۔ خالق ارض وسمانے قسم کھائی ہے۔ پھر ان کے الزمات کی تردید کی۔ فرمایا ان کے قول، عمل اور کردار میں گمراہی کا نام ونشان تک نہیں۔ان کے عقیدہ میں کوئی غلطی اور کجی نہیں اور '' صاحبکم ''فرما کر اپنے حبیب کی کتاب حیات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔ یعنی یہ کوئی اجنبی نہیں جو دیار غیر سے آ کر یہاں فروکش ہو گئے ہیں اور نبوت کا دھندا شروع کر دیا ہے۔تم ان کے ماضی سے، ان کے خاندانی پس منظر سے ان کے اطوار واحوال سے اور سیرت وکردار سے اچھی طرح واقف ہو۔ان کا بچپن تمہارے سامنے گزرا۔ان کا عہد شباب اسی ماحول میں تمہارے اسی شہر میں بسر ہوا۔انہوں نے تمہارے ساتھ اور تمہارے سامنے کاروبار بھی کیا ہے۔ سماجی، قومی اور ملکی مسائل میں ان کی فراست کے تم چشم دید گواہ ہو۔ان کی کتاب زیست کا کون سا باب ہے جو تم سے پوشیدہ ہے، کون سا ورق ہے جو تم سے مخفی ہے۔ جب ان کی ساری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب کی طرح تابندہ ہے تو تمہیں ان پر ضلالت و غوایت کے الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

کتنا بارعب، حسین اور مدلل انداز بیان ہے۔

نیز اس آیت ووجدك ضـالاً کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں ''ضـال '' کا معنیٰ گمراہ نہیں بلکہ، کسی کی محبت میں سرگرداں اور حیران ہونا ہے جو اس لفظ کا دوسرا معنیٰ ہے۔ تحقیق سورۃ الضحیٰ میں ملاحظہ فرمایئے۔

پہلی آیت کی مزید تائید کی جارہی ہے، یعنی کوئی غلط قدم اٹھانا، کسی باطل عقیدہ کو اپنانا، تو بڑی دور کی بات ہے، ان کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خواہش نفس سے لبوں کو جنبش بھی نہیں دیتے، ان کی زبان پر کوئی ایسی بات آتی ہی نہیں، جس کا محرک ان کی ذاتی

خواہشات ہوں۔

ھــو کا مرجع قرآن کریم ہے۔ یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے۔ جب وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، تو پھر جو کلام یہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں، یہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اور جیسے وحی نازل ہوتی ہے، بعینہ وہ اسی طرح لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ اس میں سر مو ردو بدل ناممکن ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ ھــــو کا مرجع صرف قرآن کریم نہیں بلکہ قرآن کریم اور جو بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے نکلتی ہے، وہ سب وحی ہے وحی کی دو قسمیں ہیں جب معانی اور کلمات سب منزل من اللہ ہوں اسے وحی جلی کہتے ہیں جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور جب معانی کا نزول من جانب اللہ ہو لیکن ان کو الفاظ کا جامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پہنایا ہو، اسے وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے جیسے احادیث طیبہ۔ بعض علماء نے ان آیات کے پیش نظر حضور کے اجتہاد کا انکار کیا ہے یعنی حضور کوئی بات اپنے اجتہاد سے نہیں کہتے، بلکہ جو ارشاد ہوتا ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے لیکن جمہور فقہاء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی تصریح فرمائی ہے کہ یہ اجتہاد بھی باذن اللہ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس اجتہاد کی پاسبانی کرتا ہے۔ حضور جو بات بذریعہ اجتہاد فرماتے ہیں وہ بھی عین منشاء خداوندی ہوا کرتی ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

''ان اللہ اذا سوغ لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الاجتہاد کان الاجتہاد ما یسند الیہ وحیا لا نطقا عن الھوٰی''

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا یہ دستور تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا وہ لکھ لیا کرتا ہے۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم حضور کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو حالانکہ حضور انسان ہیں، کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرما دیا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہ رسالت میں ہوا اور میں نے سلسلہ کتابت بند کرنے کی وجہ بیان کیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اکتب فوالذی نفسی بیدہ ماخرج منی الا الحق''

''اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔

''علمہ شدید القوٰی'' سے لے کر لقد رای من ایات ربہ الکبریٰ تک کی تفسیر میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے صراحتاً پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ میں بھی ان آیات کے بارے میں اختلاف موجود تھا۔ جہاں تک آیات نصوص کا تعلق ہے ان سے دونوں مفہوم اخذ کیے جا سکتے ہیں اور کوئی ایسی حدیث مرفوع بھی موجود نہیں جو ان آیات کے

مفہوم کو متعین کر دے ورنہ ارشاد نبوی کی موجودگی میں ایسا اختلاف سرے سے رونما ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے علمائے کرام ان آیات کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ اپنی دیانتدارانہ تحقیق کی روشنی میں ہمیں یہ حق تو پہنچتا ہے کہ ان دو قولوں میں سے کوئی قول اختیار کر لیں، لیکن ہمیں یہ حق ہرگز نہیں کہ دوسرے قول کے قائلین کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

یہ ہیچ میرز پہلے مفسرین کی رائے کے مطابق ان آیات کی تشریح پیش کرے گا اور اس کے بعد دوسرے مکتب فکر کی تحقیق پیش کی جائے گی۔ قارئین کرام اس کے بعد خود فیصلہ کر لیں کہ کس فریق کا قول زیادہ قرین صواب ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک شدید القوٰی سے مراد حضرت جبرائیل ہیں یعنی جبرائیل امین نے حضور ﷺ کو قرآن کریم سکھایا۔ جبرائیل کے شدید القویٰ ہونے میں کسی کو کیسے شک ہوسکتا ہے جو چشم زدن میں سدرۃ المنتہیٰ سے فرش زمین پہنچ جائے جو وحی کے بارگراں کا متحمل ہو جس نے لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑا۔ پھر انہیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا پھر انہیں اوندھا کر کے پھینک دیا۔ ایسی ہستی کی قوت وطاقت کا کیا کہنا۔

مرۃ اس میں رسی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ اصلہ من شدۃ فتل الحبل (قرطبی) اس لئے ذو مرۃ کا معنی ذو قوۃ یعنی طاقتور اور زور آور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے حکیم اور دانا کو بھی ''ذو مرۃ'' کہتے ہیں۔

وقال قطرب :تقول العرب لکل جزل الرای حصیف العقل ذومرۃ۔

''شدید القوٰی'' سے حضرت جبرائیل کی جسمانی قوتوں کا بیان ہے اور ''ذومرۃ'' سے ان کی دانش مندی اور عقل مندی کا ذکر ہے۔ بے شک جو ہستی تمام انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتی رہی اور پوری دیانت داری سے اس امانت کو ادا کرتی رہی، اس کی دانش مندی اور فرزانگی کے بارے میں کسے شک ہوسکتا ہے۔

فاستوٰی کا فاعل بھی جبرائیل امین ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ فاستقا م علی صورتہ الحقیقۃ التی خلقہ اللہ تعالی علیھا۔ یعنی جبرائیل امین اپنی حقیقی ملکی شکل میں نمودار ہوئے۔

حضور سرور عالم ﷺ نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی ملکی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں۔ اوائل نبوت کا زمانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا کے باہر تشریف فرما ہیں۔ مشرق افق پر جبرائیل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کی شرقی غربی کنارے بھر گئے۔ حالانکہ ابھی آپ نے اپنے چھ سو پروں سے صرف دو پر ہی پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے صرف حضور ﷺ نے ہی جبرائیل کو اپنی اصل شکل میں دیکھا۔

''فاستوٰی'' کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ای فاستوٰی القرآن فی صدرہ یعنی جو قرآن جبرائیل

علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا وہ آپ کے سینہ مبارک میں قرار پکڑ گیا۔ اب اس کے بھول جانے کا کوئی امکان نہیں۔

ھــــو کا مرجع بھی جبرائیل امین ہیں۔ افق اس کنارے کو کہتے ہیں جہاں آسمان وزمین آپس میں ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اعلیٰ بلندترین۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جبرائیل آسمان کے مشرقی کنارے پر جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

''دنا'' اور ''فتدلی'' دونوں فعلوں کا فاعل بھی جبرائیل امین ہیں۔ دنا کا معنی ہے قریب ہونا اور تدلی کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کو کنوئیں میں لٹکایا جائے اور اس کی رسی لٹکانے والے نے پکڑ رکھی ہو تو کہتے ہیں ''ادلـیٰ دلـوا''۔ اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں ان کو بھی دوالی کہتے ہیں الدوالی الثمر المعلق کعناقید العنب۔'' جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہو اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہوئے اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں: دلی رجلیه من السریر۔ علامہ قرطبی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اصل التدلی: النزول الی الشیی حتیٰ یقرب منه۔'' اس صورت میں آیت کا مفہوم ہوگا جبرائیل علیہ السلام جو اپنی اصل شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت شرقی افق پر نمودار ہوئے تھے وہ حضور کے نزدیک آئے اور افق کی بلندیوں سے نزول کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل قریب ہوگئے۔

جبرائیل امین، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس قدر قریب ہوئے اس کو اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے قاب کا معنی مقدار اور اندازہ ہے قــوسیــن قوس (کمان) کا تثنیہ ہے۔ نہایت قرب کو بیان کرنے کے لئے اہل عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب اپنی باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے۔ یکجا شدہ کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اس کو چھوڑتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار متحد و متفق ہوگئے ہیں ان میں سے کسی پر بھی کسی نے حملہ کیا یا زیادتی کی تو دونوں مل کر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں گے۔ بعد میں یہ الفاظ کامل یگانگت اور اتحا کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے جانے لگے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل نزدیک آگئے جس طرح دو ملی ہوئی کمانیں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں۔ اوادنیٰ کہہ کر مزید قرب کی طرف اشارہ کر دیا کہ دو کمانوں میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ فاصلہ اور مغائرت باقی رہتی ہے یہاں تو اس سے بھی زیادہ قرب تھا۔ آیت میں ''اوتشکیک'' کے لئے نہیں بلکہ ''بل'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح۔ ''وارسلنا الی مائة الف اویزیدون یعنی بل یزیدون'' (مظہری) اوحی کا فاعل بھی جبرائیل ہے۔ عبدہ کی ضمیر کا مرجع بالا اتفاق اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی جبرائیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ بعض نے پہلے اوحی کا فاعل جبرائیل اور دوسرے ''اوحی'' کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے اس وقت آیت کا ترجمہ ہوگا جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو

وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے نے جبرائیل پر وحی کی تھی۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جبرائیل امین کو ان کی اصل شکل میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تو دل میں اس کی تصدیق کی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں یہ ایک حقیقت ہے۔ واقعی یہ جبرائیل ہے جو اپنی اصلی صورت میں نظر آرہا ہے۔ یہ نظر کا فریب تو نہیں۔ نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ اور آرہا ہو۔ ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس صورت حال سے ضرور واسطہ پڑا ہوگا کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آرہا ہے، لیکن دل اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ یہاں ایسی صورت حال نہیں ہے آنکھیں جبرائیل کو دیکھ رہی ہیں اور دل تصدیق کر رہا ہے کہ واقعی یہ جبرائیل ہے۔ دل کو یہ عرفان اور ایقان کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور نفسانی شکوک وشبہات سے بالکل محفوظ رکھتا ہے۔ جس طرح ان کو منجاب اللہ اپنی نبوت پر یقین محکم ہوتا ہے اس بارے میں انہیں قطعاً کوئی تردد نہیں ہوتا، اسی طرح ان پر جو وحی اتاری جاتی ہے جو فرشتے ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں جن انوار وتجلیات کا انہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے ان کے بارے میں انہیں ذرا تردد نہیں ہوتا ہے۔ یہ علم اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یقین حسب مراتب انسانوں بلکہ حیوانات کو بھی مرحمت ہوتا ہے ہمیں اپنے انسان ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی تردد نہیں۔ بطخ کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی یہ عرفان بخشا جاتا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتا ہے چنانچہ وہ بلا تامل پانی میں کود جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

''تمارون'': المراء سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے جھگڑنا بحث وتکرار کرنا۔ من المراء وھو المجادلۃ یعنی اے کفار تم میرے رسول ﷺ سے اس بات پر جھگڑتے ہو جس کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

تم تو اس بات پر جھگڑ رہے ہو کہ میرے رسول ﷺ نے جبرائیل کو ایک بار بھی دیکھا ہے یا نہیں حالانکہ انہوں نے جبرائیل کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے۔

دوسری بار دیکھنے کی جگہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ دوسری دید سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی سدرۃ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں منتہیٰ آخری کنارہ آخری سرحد۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ بیری کا وہ درخت جو مادی جہاں کی آخری سرحد پر ہے۔ اس کے بارے میں کتاب وسنت میں جو کچھ ہے۔ ہم اس کو بلا تاویل تسلیم کرتے ہیں، البتہ وہ درخت کیسا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شاخوں، پتوں اور پھلوں کی نوعیت کیا ہے؟ ہمیں ان کی ماہیت معلوم نہیں اور نہ ان کی ماہیت جاننے میں ہمارا دنیوی اور اخروی مفاد ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود بیان فرما دیتا ہے۔ یہ ان اسرار میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

ماویٰ: اسم ظرف ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان قرار پکڑتا ہے۔ آرام کرتا ہے۔ اس جنت کو جنت الماویٰ

کیوں کیا گیا ہے۔ علمائے کرام نے اس کی متعدد توجیہیں ذکر کی ہیں۔ شہداء کی روحیں یہاں تشریف فرما ہیں۔ جبرائیل اور دیگر ملائکہ کی یہ رہائش گاہ ہے۔ پرہیز گار اہل ایمان کی روحیں یہاں ٹھہرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یعنی جن انوار وتجلیات کے ہجوم نے سدرہ کو ڈھانپ لیا ہے، ان کو بیان کرنے کے لئے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر و بیان سے ماورا ہے، اسی طرح فہم وادرک کی رسائی سے بھی بالاتر ہے۔ اس دلاویز منظر کی تصویر کشی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے۔ اذیغشی السدرة ما یغشی جب سدرہ پر چھارہا تھا جو چھارہا تھا۔

علامہ جوہری نے زاغ کے دو معنی لکھے ہیں۔ الزیغ المیل وقد زاغ یزیغ وزاغ البصر ای کل (صحاح) یعنی کسی چیز کا دائیں بائیں مڑ جانا ادھر ادھر ہو جانا۔ اس کو بھی زیغ کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ سرور عالمیان ﷺ کی نگاہ اپنے مقصود کی دید محو رہی۔ ادھر اُدھر دائیں بائیں کسی چیز کی طرح مائل نہیں ہوئی۔

دوسرا معنی ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا۔ جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے، تو آنکھ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لاسکتی اور چندھیا جاتی ہے۔ فرمایا میرے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چندھیا نہیں گئیں۔ درماندہ ہو کر بند نہیں ہوگئیں۔ بلکہ جی بھر کر ان کا دیدار کیا۔

وما طغیٰ سے اپنے حبیب ﷺ کی چشم پاک کی دوسری شان بیان کی گئی ہے۔ طغیٰ کہتے ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ طغی یطغی ویطغو ای جاوز الحد (صحاح)

یہاں تک ہم نے ایک مکتبۂ فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک کردی گئی ہے۔ ان کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔

دوسرے مکتبۂ فکر کے علماء کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

''علمہ'' کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شدید القوی اور ذومرة اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا دانا ہے۔ اس نے اپنے نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ جس طرح'' الرحمن علم القرآن'' میں صراحۃً مذکور ہے۔

''فاستوی'' کا فاعل نبی کریم ﷺ ہیں۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ سفر معراج میں افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے پھر نبی کریم ﷺ مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکان میں رب العزت کے قریب ہوئے اور وہاں فائز ہو کر'' فتدلیٰ'' (سجدہ ریز ہوگئے) پس اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب انہیں ملایا جاتا ہے، بلکہ

ان سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالت قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اس حریم ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا، دل نے اس کی تصدیق کی اور تمہارا یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا محض بے سود ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا، دکھادیا۔ دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کررہے ہو یہ نعمتِ دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی، بلکہ اترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دوبارہ شرف دید سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔

اس پرتقصیر کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ عبد کی عبد سے ملاقات کو اس اہتمام اس تفصیل اور اس کیف انگیز اسلوب سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر یہاں حضور ﷺ کی جبرائیل امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک آیت ہی کافی تھی۔ کیف انگیز انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبدِ کامل کی اپنے معبود برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف عشق ہے نیاز ہے اور سرافگندگی ہے اور دوسری طرف حسن ہے۔ شان صمدیت ہے اور شان بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور ﷺ کی ملاقات جبرائیل سے بھی بے شک بڑے فوائد کی حامل ہے۔ لیکن حضور ﷺ کے لئے باعث ہزار سعادت و وجہ فضلیت فقط اپنے محبوب حقیقی جل شانہ کی ملاقات ہے۔ ان آیات کو ایک مرتبہ پھر پڑھئے۔ آپ کا وجدان اسلوب بیان کی رعنائیوں پر جھوم جھوم اٹھے گا۔

نیز کفار کا اعتراض یہ تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر انہیں سناتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ کر لاتے ہیں یا انہیں کوئی آکر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی چاہئے کہ فرمایا جائے یہ کلام نہ انہوں نے خود گھڑا ہے نہ کسی نے انہیں سکھایا ہے، بلکہ اس خالق کائنات نے انہیں اس کی تعلیم دی ہے جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشار ضمائر کی وجہ سے ذہن کی جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو قرآن کے معیار فصاحت سے بھی مناسبت نہیں رکھتی، اس سے رستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو تسلیم کیا جائے۔

ان تمام وجوہ ترجیح کو اگر نظر انداز کر بھی دیا جائے تو وہ احادیثِ صحیحہ جن میں واقعاتِ معراج کا بیان ہے وہ اس مفہوم کی تائید کے لئے کافی ہیں۔ میں یہاں فقط دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کروں گا۔ اور ان کا بھی فقط وہ حصہ جس سے ان آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ پہلی حدیث وہ ہے جو ثابت البنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اگرچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے دیگر کئی تابعین نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ لیکن قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جود ثابت رضی اللہ عنہ هذا الحديث عن انس ماشاء ولم يات احد عنه باصوب من هذا

"یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جتنے راویوں نے یہ حدیث روایت کی ان میں سے صحیح ترین وہ حدیث ہے جو ثابت البنانی کے واسطہ سے مروی ہے۔(۱)

۱۔ الشفاء، ج ۱، ص ۲۳۵

قاضی عیاض اس حدیث کے بارے میں دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں۔ حدیث ثابت عن انس اتقن واجود (۱)

''وہ حدیث جو حضرت ثابت نے حضرت انس سے روایت کی ہے وہ سب سے زیادہ محفوظ اور اعلیٰ پایہ کی ہے۔

ثم عرج بنا الی السماء السابعة فاستفتح جبرائیل فقیل من هذا قال جبرائیل قیل و من معك قال محمد ﷺ قیل قد بعث الیه قال قدبعث الیه ففتح لنا فاذا انا بابراهیم علیه الصلوٰۃ والسلام مسندا ظهره الی البیت المعمو واذا هو یدخله کل یوم سبعون الف ملك لا یعودون الیه ثم ذهب بی الی السدرة المنتهیٰ فاذا ورقها کاذان الفیل واذ ثمرها کالقلال قال فلما غشیها من امر الله ما غشی تغیرت وما احد من خلق الله یستطیع ان ینعتها من حسنها فاوحی الی ما اوحی ففرض علی خمسین صلوة فی کل یوم ولیلة فنزلت الیٰ موسیٰ علیه السلام فقال مافرض ربك علی امتك قلت خمسین صلوٰۃ قال ارجع الی ربك فاسئله التخفیف فان امتك لایطیقون لذلك فانی قد بلوت بنی اسرائیل وخبرتهم قال فرجعت الی ربی فقلت یارت خفف علی امتی وحط عنی خمسا فرجعت الی موسیٰ وقلت حط عنی خمسا قال ان امتك لا یطیقون ذلك فارجع الیٰ ربك فاسئله التخفیف قال فلم ازل ارجع بین ربی وبین موسیٰ علیه السلام حتیٰ قال یا محمد انهن خمس صلوات کل یوم ولیلة لکل صلوٰۃ عشر کذالك خمسون صلوٰۃ ومن هم بحسنة فلم یعملها کتبت له حسنة فان عملها کتبت له عشرا ومن هم بسیئة ولم یعملها لم تکتب له شئی فان عملها کتب سیئه واحدة قال فنزلت حتیٰ انتهیت الیٰ موسیٰ علیه السلام فاخبرته فقال ارجع الی ربك فاسئله التخفیف وقال رسول الله ﷺ وسلمه فقلت قد رجعت الی ربی حتیٰ استحییت منه۔

پھر مجھے اور جبرائیل کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ آواز آئی کون ہے؟ کہا میں جبرائیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرائیل نے کہا! محمد (علیہ الصلوۃ والسلام) پھر پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا! ہاں پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور وہ مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرہ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا، تو وہ اتنا خوب صورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر

(۱) الشفاء، ج ۱، ص ۲۳۶ (۲)۔ مسلم شریف، ج ۱، ص ۹۱

دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا فرمایئے آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا! اپنے رب کی طرف واپس جایئے اور تخفیف کی التجا کیجئے۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں۔ لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا، تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا، لیکن اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا۔ اور اگر اس نے اس برائی کو کیا تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا پھر اپنے رب کے پاس جایئے۔ اور تخفیف کے لئے عرض کیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں، اب مجھے شرم آتی ہے۔

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھئے۔ حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرائیل گئے۔ یہاں تک کے لئے عرج بنا ''جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے آگے جبرائیل کی حد پرواز ختم ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلے لے جایا گیا۔ اس لئے ''ذھب بی'' میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر ''فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحی اور فاوحیٰ الی ما اوحیٰ'' میں جو یکسانیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ اور اس مقام پر وحی کی جارہی ہے جہاں جبرائیل کی مجال نہیں۔ پھر فرض کا فاعل خود اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے، تو وہ بارگاہ الٰہی میں لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں، جبرائیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ عزت وجلال میں شرف باریابی حاصل کرتا ہے۔

''دنا فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنی فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ ما کذب الفئو ادما رای ۔۔۔ ولقد راہ نزلۃ اخری''

ان کلمات طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے، حقیقت آشکار ہوتی چلی جائے گی۔ نویں مرتبہ جب بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں۔ بلکہ مزید کرم یہ فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دوں گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامہ عامہ میں لکھوں گا لیکن اگر برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامہ عمل میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔ قربان جائے انسان اللہ تعالیٰ کے محبوب کی نیاز مندیوں پر اور قربان جائے انسان! اس کے رب کریم کی بندہ نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی، تو پھر پہلے پچاس فرض کرنے میں کون سی حکمت ہے۔ اس میں بھی اپنے بندوں کو اپنے محبوب ﷺ کے امتیوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوب کریم کے صدقے تم پر ہوا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر یہ بار گراں لاد دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لئے التجا کی تو ایک بار ہی میں پینتالیس نمازیں کیوں نہ معاف کر دی گئیں؟ اس راز کو صرف اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے میں دیتا جاؤں وہ بار بار دامن طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے میں جو لذت و سرور ہے، اس سے ہر کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ایسی نااہل ہے اور اتنی ناشکر گزار ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں پانچ بار بھی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہوگی۔

ہم غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری جملے کو کبھی فراموش نہ کریں اب آیئے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے۔

"ثم مررت بابراھیم علیه السلام فقال مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح قال قلت من ھذا قال ھذا ابراھیم قال ابن شھاب واخبر نی ابن حزم ان ابن عباس وابا حبة الانصاری یقولان قال رسول الله ﷺ ثم عرج بی حتیٰ ظھرت لمستوٰی اسمع فیه صریف الا قلام قال ابن حزم وانس بن مالك قال رسول الله ﷺ وسلم ففرض الله علی امتی خمسین صلوة قال فرجعت بذالك حتیٰ امر بموسیٰ علیه السلام وقال موسیٰ ماذا فرض ربك علی امتك قال قلت فرض علیھم خمسین صلوٰة قال لی موسیٰ فراجع ربك قان امتك لاتطیق ذلك فراجعت ربی فوضع شطرھا۔ (۱)

"حضور فرماتے ہیں کہ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے نبی صالح مرحبا! اے فرزند ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبرائیل نے بتایا یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابوحبہ انصاری کہا کرتے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلام تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی ابن حزم اور انس ابن مالک کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی

۱۔　مسلم شریف، ص ۹۳

امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصہ معاف ہوا۔ الخ''

ان خط کشیدہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھیے کیا جس مقام کا ذکر ہے وہاں جبرائیل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبرائیل واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ علمہ شدید القوٰی سے لے کر مازاغ البصر و ماطغیٰ تک کی آیات کو جبرائیل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال و واقعات پر جو زبان رسالت سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔ ''سبحٰنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم''۔

دیدارِ الٰہی:

اس مقام پر انہی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء مفسرین نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور سرور عالم ﷺ کو شبِ معراج دیدارِ الٰہی نصیب ہوا یا نہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکار اس طرف گئے ہیں کہ شب معراج دیدار الٰہی نصیب نہیں ہوا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، دیگر صحابہ، تابعین اور ان کے ہم نواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے محبوب کریم ﷺ کو دولت دیدار سے مشرف فرمایا۔ آیئے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین۔

جہاں تک امکان رویت کا تعلق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع۔ محال اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رویت باری کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ عن ابن مسعود فی قولہ تعالیٰ وکان قاب قوسین ادنیٰ وفی قولہ ما کذب الفوادما رای و فی قولہ لقد رای من ایت ربہ الکبریٰ۔ رای جبرائیل علیہ السلام لہ ستمائۃ جناح۔

''حضرت ابن مسعود نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرائیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔

۲۔ ''ماکذب الفو اد مارای'': قال ابن مسعود رای رسول اللہ ﷺ جبرائیل فی حلۃ من رفرف قد ملاء مابین السماء والارض''۔

''ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل کو ایک ریشمی حلہ (پوشاک) میں دیکھا کہ آپ نے آسمان وزمین کے مابین خلا کو پر کردیا۔

۳۔ وللترمذی والبخاری فی قولہ تعالیٰ لقد رایٰ من آیات ربہ الکبری قالا ابن مسعود رای رفرفا اخضر سد افق السماء۔

''ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لقد رای الایۃ میں لکھا کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔

۴۔ عن الشعبی قال لقی ابن عباس کعبا بعرفۃ فسالہ عن شیئ فکبر حتیٰ جاوبتہ الجبال فقال ابن عباس انا بنوھا شم فقال کعب ان اللہ قسم رویتہ وکلا مہ بین محمد وموسیٰ وکلم موسیٰ۔

شعبی کہتے ہیں کہ عرفہ کے میدان میں ابن عباس نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت کعب نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی۔ ان کی حیرت کو دیکھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں۔ ہمارا تعلق خاندان نبوت سے ہے۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں، تو کعب نے کہا گویا یہ حضرت ابن عباس کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کردیا موسیٰ سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمد مصطفی ﷺ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ مسروق کہتے ہیں یہ سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں خاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا: کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں تو نے ایسی بات کی ہے جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں۔ میں نے عرض کی مادر محترم! ذرا ٹھہریئے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی۔ لقد رائی الایۃ آپ نے فرمایا تم کدھر جارہے ہو۔ اس سے مراد جبرائیل ہے۔ جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ تو اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے بلکہ حضور ﷺ نے جبرائیل کو دیکھا اور اس کی اصل صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ ایک بار ''سدرہ المنتہیٰ'' کے پاس اور ایک بار ''اجیاذ'' کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے دو باتیں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنا از بس مفید سمجھتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب رحمت دو عالم ﷺ ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے اور اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی تسلیمات و دعوات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند لبیب کو آپ کی امت کے لئے یہ پیغام دیا۔

''مرامتك فليكثر و امن غراس الجنة فان تربتها طيبة وارضها واسعة وقال له ماغراس الجنة قال لاحول ولا قوة الا بالله العلى العظيم''۔

''اپنی امت کو حکم دیجئے کہ جنت میں بکثرت پودے لگائیں کیونکہ وہاں کی مٹی بڑی پاکیزہ ہے اور وہاں کی زمین بہت وسیع ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے پوچھا کہ جنت میں کون سے پودے لگانے کے قابل ہیں آپ نے جواب دیا ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم''۔

یعنی اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرو۔ ''یعنی میرے پاس نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔''

''وفی روایۃ اقرء ی امتک منی السلام واخبر ھم ان الجنۃ طیبۃ التربۃ عذبۃ الماء وان غراسھا سبحان اللہ و الحمدللہ ولاالہ الا اللہ واللہ اکبر''۔(۲)

''دوسری روایت میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند دل بند محمد رسول اللہ ﷺ کو فرمایا اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہئے اور انہیں بتایئے کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ ہے۔ وہاں کا پانی بہت میٹھا ہے اور وہاں جو پودے لگانے چاہئیں وہ یہ کلمات ہیں۔''

سبحان اللہ　　:اللہ تعالیٰ ہر شریک اور ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے۔

والحمدللہ:　　اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

ولا الہ الااللہ:　　اور کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ۔

واللہ اکبر:　　اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔

دوسری بات جو اس موقع پر عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے۔

مقام دنا فتدلیٰ سے واپسی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے ساتویں آسمان سے گزرے جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام ہے وہاں سے چھٹے آسمان پر آئے اور حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی نماز میں تخفیف کے لئے بار بار اصرار حضرت موسیٰ کرتے رہے لیکن حضرت ابراہیم نے مکمل سکوت اختیار کئے رکھا حالانکہ آپ کا زیادہ حق تھا کہ اپنے نور نظر کی امت پر تخفیف کے لئے کوشش فرماتے۔

علماء ربانیین فرماتے ہیں کہ حضرات ابراہیم مقام خلت پر فائز تھے۔ اور خلیل کو شیوہ تسلیم و رضا ہی زیب دیتا ہے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی اس کی فطرت ہوتی ہے۔ شیر خوار بچے کو حجاز کے بے آب و گیاہ اور سنسان ریگزار میں چھوڑ کر چلے آنے کا حکم ملے۔

۱۔　سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳، ص ۱۲۶۔ انسان العیون، ج ۱، ص ۳۷۹

۲۔　سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳، ص ۱۲۶۔ انسان العیون، ج ۱، ص ۳۷۹

نمرود کے بھڑکتے ہوئے آتش کدہ میں کود جانے کا موقع آئے ہزاروں ارمانوں سے پالے، ماہ کامل سے زیادہ روشن جبیں فرزند کے گلے پر چھری چلانے کا حکم ملے۔ وہ ہر حالت میں " اسلمت لرب العلمین " کا نعرہ بلند کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ نہ وہ کسی حکم کی تاویل کرتا ہے اور نہ اس کے بجالانے میں معذرت خواہی کرتا ہے۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام کا مقام کلیم کا مقام تھا۔ جہاں نیاز کے ساتھ ناز کا پہلو بھی نمایاں تھا۔ وہی جرات کر سکتے تھے انہیں میں یہ ہمت تھی کہ تخفیف کے لئے مسلسل اصرار کرتے چلے جائیں۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

۴۔ "عن مسروق قال کنت متکئا عند عائشة وقالت یا ابا عائشة ثلاث من تکلم بواحدة منهن فقد اعظم علی الله الفریة قلت ماهن قالت من زعم ان محمد ارای ربه وقد اعظم علی الله الفریة قال وکنت متکئا وجلست وقلت یا ام المومنین انظرینی فلا تعجلینی الم یقل الله تعالیٰ وقد راه بالافق المبین ولقد راه نزله اخریٰ وقالت انا اول هذه الا مة سال عن ذلك رسول الله ﷺ فقال انما هو جبرائیل علیه السلام لم اره علی صورته التی خلق علیها غیر ها تین المرتین رایته منهبطامن السماء ساد اعظم خلقه مابین السماء والارض وقالت اولم تسمع ان الله عزو جل یقول لاتدرکه الا بصارو هوید رك الابصار وهو الطیف الخبیر والم تسمع ان الله یقول وما کان لبشران یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب اویرسل رسولا "۔

"مسروق سے مروی ہے انہوں نے کہا میں ام المومنین کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ نے فرمایا اے مسروق (ابو عائشہ ان کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی اے ام المومنین! میری طرف دیکھئے۔ جلدی نہ کیجئے کیا اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا "ولقد راه بالا فق المبین۔" کہ آپ نے اسے افق مبین میں دیکھا اور دوبارہ دیکھا آپ نے جواب دیا اس امت سے میں پہلی ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

"لا تدرکه الا بصار وهوید رك الا بصار وهو الطیف الخبیر" کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ وہ آنکھوں کو پالیتا ہے۔ وہ لطیف وخبیر ہے۔ اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا "وما کان لبشر الایة" کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔

۵۔　"روی الشیخان قال مسروق قلت لعائشة این قوله ثم دنی فتدلیٰ فکان قوسین او ادنیٰ قالت ذاك جبرائیل کان یاتیه فی صورة رجل وانه اتاه فی هذه المرة فی صورته التی هی سورته فسدالافق۔" (مشکوٰۃ)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اس بارے میں بڑی متشدد تھیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دو آیتوں سے استدلال بھی کیا ہے۔

اب ان لوگوں کے دلائل سماعت فرمایئے جو دیدار الٰہی کے قائل ہیں:

"عن ابن عباس ما کذب الفواد مارای ولقد راه نزلة اخری قال راه بفو اده مرتین" (مسلم)

"حضرت ابن عباس نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ کیا۔"

امام ترمذی روایت کرتے ہیں۔

"قال ابن عباس رای محمد ﷺ ربه قال عکرمة قلت الیس الله یقول لاتدرکه الا بصار وهو یدرك الا بصار قال یحك ذاك اذا تجلی بنوزه الذی هو نوزه وقد رای ربه مرتین۔"

"حضرت ابن عباس نے فرمایا محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لا تدرکه الا بصار وهو یدرك الابصار کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ آپ نے فرمایا افسوس تم سمجھے نہیں یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ابن عمر دریں مسئله مراجعت بوے کرده پر سید که هل رای محمد ربه۔ پس وے گفت راه پس ابن عمر تسلیم نموده وقطعا براه تردد وانکار نرفته۔(۱)

حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ پس ابن عباس نے جواب دیا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردو انکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔"

۲۔　علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں مندرجہ ذیل روایات نقل کرتے ہیں:

۱۔　اشعۃ اللمعات، ج۴، ص۴۳۱

''روی ابن خزیمة باسناد قوی عن انس قال رای محمد ربه وبه قال سائر آصحاب ابن عباس وکعب الاحبار والزهری وصاحبه معمر۔''

''ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد، کعب احبار، زہری اور معمر رحمۃ اللہ علیہم کہا کرتے تھے۔

۳۔ ''اخرج النسائی باسناد صحیح وصححه الحاکم ایضا من طریق عکرمة عن ابن عباس اتعجبون ان تکون الخلة لابراهم والکلام لموسیٰ والرویة لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم''۔

''یہ روایت نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے۔ آپ کہا کرتے کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار کی سعادت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔''

۴۔ امام مسلم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: قال سالت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم هل رایت ربك قال نورا اراه۔''
اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے ''نورانی راہ۔'' دوسرا'' نورانی اراہ''۔ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا ابوذر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ سراپا نور ہے میں نے اسے دیکھا۔

۵۔ مسلم کے اسی صفحے پر ایک روایت ہے:

''عن عبدالله بن شقیق قال قلت لا بی ذر لورایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لسالته فقال عن ای شیئی کنت تساله قال کنت اساله هل رایت ربك قال ابوذر قد سالته فقال رایت نورا۔''

''کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ روایت بھی دوسری توجیہ کی تائید کرتی ہے۔''

۶۔ ''حکی عبدالرزاق عن معمر عن الحسن انه حلف ان محمد رای ربه''۔ کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ (۱)

۷۔ واخرج ابن خزیمة عن عروة بن زبیر اثباتا۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رویت کے قائل تھے۔

۸۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے میں لکھا:

''فروی الخلال فی کتاب السنة عن المروزی قلت لاحمد انهم یقولون ان عائشة قالت من زعم ان

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۱۹، ص ۱۹۸

محمد ا رای ربہ وقد اعظم علی اللہ الفریۃ فبای شئی یدفع قولھا ۔ قال یقول النبی ﷺ رایت ربی قول النبی ﷺ اکبر من قولھا''۔

''مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ام المومنین یہ کہا کرتیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور نے اپنے رب کا دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے۔تو حضرت عائشہ کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے؟ آپ نے فرمایا اس ارشاد کے ساتھ ''رایت ربی'' کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا، حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور کریم ﷺ کا ارشاد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے بڑا ہے۔(۱)

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔ان میں فحول صحابہ، مثلا ابن عباس، کعب احبار، انس اور ابی ذر رضی اللہ عنہم کے علاوہ کبار تابعین عروہ بن زبیر، حسن بصری اور عکرمہ رحمہم اللہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سن چکے ہیں۔ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان کے تمام دلائل کو بالتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

''اذاصحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرویۃ وجب المصیر علی اثباتھا فانھا لیست مما یدرك بالعقل ویوخذ بالظن فانما یتلقیٰ بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس انہ تکلم بھذہ المسئلۃ بالظن والاجتھاد ثم ان ابن عباس اثبت شیئا نفاہ غیرہ والمثبت مقدم علی النافی۔''

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا، تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہوگا۔نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں۔جبکہ دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

خلاصہ ءکلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''الحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ ﷺ رای ربہ بعینی راسہ لیلہ الاسراء۔ وھذا مما لا ینبغی ان یتشکك فیہ۔''

''حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔علامہ نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔اس پر علامہ ابن حجر نے کہا

۱۔ فتح الباری، ج ۸، ص ۴۹۴

ہے کہ صحیح مسلم جس کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں، اسی کے اگلے صفحے پر حدیث مرفوع موجود ہے ام المومنین نے فرمایا ہے کہ میں نے ولقد راہ بالافق المبین اور ولقد راہ نزلۃ اخری۔ کے بارے میں حضور سے پوچھا تو حضور نے فرمایا وہ جبرائیل امین تھے۔ جب مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابن حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے "ولقد راہ بالافق المبین" کے بارے میں حضور ﷺ سے استفسار کیا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ جبرائیل ہیں اور بلاشبہ درست ہے، کیونکہ یہ آیت سورہ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبرائیل کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے۔

"انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون ولقد راہ بالا فق المبین"۔ (۸۱۔۱۳۔۱۹)

یہ سارا ذکر جبرائیل امین کا ہے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش کی تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے۔ وہ افق جہاں جبرائیل نمودار ہوئے اسے افق مبین کہا گیا ہے، لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہو رہا ہے وہ وھو بالا فق الاعلیٰ ہے۔ آسمان اور امین کے افق کو افق مبین تو کہہ سکتے ہیں لیکن افق اعلیٰ وہ ہوگا جو تمام آفاق سے بلندتر ہو یعنی فلک الافلاک کا کنارہ۔ اس لئے امام نووی کا قول ہی درست ہے کہ شب معراج نفی رویت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

"وانا اقول برویۃ ﷺ ربہ سبحانہ وبدنوہ منہ سبحانہ علی الوجہ اللائق"۔

"اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرکار دوعالم ﷺ اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قرب الٰہی نصیب ہوا، لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔ (۱)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا، تو آپ جواب میں فرماتے:

راہ حتیٰ ینقطع نفسہ

"ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔ (۲)

مولانا سید انور شاہ صاحب اس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

۱۔ روح المعانی　　۲۔ ایضاً

ولکنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم تشرف برویتہ تعالیٰ و من علیہ ربہ بھا و کرمہ وتفضل علیہ بنوالہ افاض علیہ من افضالہ فراہ راہ کما قال احمد رحمہ اللہ مرتین الا انہ راہ کما یری الحبیب الی الحبیب والعبدالی مولاہ لا ھویملك ان یکف عنہ نظرہ ولا ھویستطیع ان یشخص الیہ بصرہ وھو قولہ تعالیٰ ما زاغ البصرو ما طغیٰ"۔

''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل واحسان سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر روئے دلدار کو دیکھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے۔'' مازاغ البصر وماطغیٰ۔ (۱)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ والحمدللہ علی ذلك۔

''فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحی'' اس مقام پر عبد اور معبود میں جو باتیں ہوئیں وہ اسرار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا حبیب مکرم ﷺ ہی جانتے ہیں۔ ہم کو صرف ان امور کا علم ہے جن سے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ اٹھایا۔ ان میں سے ایک بات حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پیش خدمت ہے۔

اس مقام رفیع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مہمان کو فرمایا ''سل'' مانگ جو تو مانگنا چاہتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا۔ اے میرے رب! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور اسے ملک عظیم عطا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور داؤد علیہ السلام کو ملک عظیم عطا کیا۔ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا پہاڑوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا اور تو نے سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم عطا کیا۔ اور ان کے لئے جنوں انسانوں، شیطانوں اور ہواؤں کو تابع فرمان بنا دیا۔ اور انہیں ایسا ملک بخشا جو ان کے بعد کسی کے لئے سزاوار نہیں۔ الٰہی! تو نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عنایت کی اور انہیں یہ معجزہ عطا کیا کہ وہ مادرزاد اندھے اور برص والے کو صحت یاب کر دیتے تھے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو تو نے شیطان رجیم کے شر سے پناہ دی۔

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے جواب ارشاد فرمایا کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو میں نے مختلف اعلیٰ مناسب پر فائز کیا لیکن ''قد اتخذتك حبیبا'' میں نے تجھے اپنا حبیب بنالیا اور تورات میں لکھ دیا کہ محمد حبیب الرحمٰن۔ اور آپ کو میں نے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا اور میں نے تیری امت کو اول بھی بنایا اور آخر بھی۔ اور تیری امت کے لئے یہ

۱۔ فیض الباری شرح البخاری۔

لازمی قرار دیا کہ ان کا خطبہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ تمام نبیوں سے پہلے میں نے تجھے پیدا فرمایا اور ان سب سے آخر تجھے مبعوث فرمایا اور تجھے سورہ فاتحہ بخشی جو میں نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بخشی۔ اور میں نے اپنے عرش کے نیچے جو خزانہ ہے اس میں سے آپ کو سورہ بقرہ کی آخر آیتیں عنایت کیں جو میں نے آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیں اور آپ کو فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔ (۱)

اوقاتِ نماز کا تعین:

آپ بالتفصیل پانچ نمازوں کی فرضیت کے بارے میں پڑھ آئے ہیں۔ اب ان نمازوں کے لئے اوقات کے تعین کی ضرورت تھی کہ کس وقت کون سی نماز اور اس کی رکعتیں ادا کی جائیں گی چنانچہ اسی روز اللہ تعالیٰ نے زوال کے وقت جبرائیل امین کو بھیجا تا کہ جبرائیل امین حضور نبی کریم ﷺ کو اوقات نماز کے بارے میں اور کیفیت نماز کے بارے میں فرمان خداوندی سے آگاہ کریں۔ چنانچہ دو روز جبرائیل امین ہر نماز کے وقت تشریف لاتے رہے وہ حضور نبی کریم ﷺ کی امامت کراتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نورانی جماعت ان اوقات میں اپنے ہادی و مرشد نبی کریم کی اقتدا میں نماز ادا کرتی۔ چنانچہ متعدد صحابہ سے برگزیدہ محدثین روایت کرتے ہیں۔

امنی جبرائیل عند البیت ولفظالشافعی والطحاوی البیہقی عند باب البیت مرتین فصلّی بی الظهر حین زالت الشمس وکانت قدرالشراك وصلی بی العصر حین صار ظل کل شئی مثله وصلی بی المغرب حین افطر الصائم وصلی بی لعشاء حین غاب الشفق و صلی بی الفجر حین حرم الطعام والشراب علی الصائم فلما کان الغد صلی بی الظهر حین کان ظله مثله وفی لفظ کوقت العصر بالا مس وصلی بی العصر حین کان ظله مثلیه وصلی بی المغرب حین افطر الصائم وصلی بی العشاء الی ثلث اللیل الاول و صلی بی الفجر فاسفر ثم التفت فقال یا محمد هذا وقت الا نبیاء من قبلك والوقت ما بین هذین۔ (۲)

''جبرائیل نے میری امامت کرائی بیت اللہ شریف کے پاس: امام شافعی طحاوی امام بیہقی کے الفاظ میں بیت اللہ شریف کے دروازے کے پاس دو مرتبہ پہلے دن جبرائیل نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھلا اور سایہ صرف ایک تسمے کے برابر تھا۔ اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہوں چکا تھا اور مجھے مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزے دار روزہ افطار کرتا ہے۔ مجھے عشاء کی نماز پڑھائی جب شفق غائب ہوتی ہے اور مجھے صبح کی نماز پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے یعنی طلوع صبح صادق کے فوراً بعد دوسرے روز پھر جبرائیل آئے اور انہوں نے مجھے اس وقت ظہر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل کے برابر ہو چکا تھا۔ اور عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اسکی دو مثل ہو چکا تھا۔

۱۔ کتاب الشفاء، ج ۱، ص ۲۴۰ (۲)۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۳، ص ۲۴۳

مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب رات کا پہلا تیسرا حصہ گزر چکا تھا۔ اور مجھے صبح کی نماز پڑھائی جب صبح کی روشنی پھیل چکی تھی پھر جبرائیل میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا یا محمد۔ آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی نمازوں کا یہ وقت تھا اور ہر نماز کا وقت ان وقتوں کے درمیان ہے جن میں دو روز میں نے آپ کی جماعت کرائی۔

یہاں ایک مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ اس روز کتنی رکعتیں فرض ہوئیں۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں پہلا قول یہ ہے کہ اس روز صبح کی دو رکعتیں ظہر اور عصر کی چار چار رکعتیں۔ مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی چار رکعتیں فرض کی گئیں۔ بعد میں مسافر کے لئے اس میں تخفیف کر دی گئی اور جن نمازوں کی چار رکعتیں چار کی بجائے دو دو کر دی گئیں۔ لیکن صبح کی دو رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں جوں کی توں باقی رہیں۔

دوسرا قول ہے کہ شب اسراء مغرب کے علاوہ تمام نمازوں کی دو دو رکعتیں فرض کی گئیں اور ہجرت کے بعد مسافر کے لئے وہی دو رکعتیں باقی رہیں لیکن مقیم کے لئے ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں کر دی گئیں اس اختلاف کو علامہ ابن کثیر نے یوں دور کیا ہے کہ ہجرت سے پہلے مسلمان دو رکعتیں صبح کے وقت اور دو رکعتیں شام کے وقت ادا کیا کرتے تھے شب اسریٰ جب پانچ نمازیں فرض کی گئی تو ظہر، عصر اور عشاء کی دو سے بڑھا کر چار کر دی گئیں اور مغرب کی نماز دو کے بجائے تین رکعتیں اور صبح کی نماز علی حالہ دو رکعتیں رہنے دی گئیں۔ بعد میں مسافروں کے لئے چار رکعتوں والی نماز میں تخفیف کر دی گئی اور انہیں دو کر دیا گیا اس طرح تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

اور اس آیت سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔(۱)

''واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ'' (۲)

''کہ جب تم زمین میں سفر کرو، تو اس میں کوئی حرج نہیں تم اپنی نمازوں میں قصر کرو۔ اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ پہلے چار رکعتیں فرض ہوں پھر انہیں حالت سفر میں دو کر دیا گیا ہو۔(۳)

شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے میں علماء امت کے مذاہب:

شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق علماء امت کے چار قول ہیں:

علامہ پر ہاروی لکھتے ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رویت باری کا انکار کرتی ہیں، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مشہور قول بھی

۱۔ السیرۃ النبویہ ابن کثیر، ج ۲، ص ۱۱۲۔۱۱۳ ۲۔ سورۃ النساء، ۴:۱۰۱

۳۔ ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج ۲، ص ۵۴۲۔۴۷۹

یہی ہے، امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ مسروق نے حضرت عائشہ سے سوال کیا: آیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تمہارے اس قول سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں جو شخص تم سے یہ حدیث بیان کرے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ بولا، مسروق نے کہا: پھر اس آیت کا کیا جواب ہے؟

"ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى"(۱)

پھر وہ زیادہ قریب ہوگیا، دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان آیات میں جبرائیل علیہ السلام کا حضور سے قریب ہونا مراد ہے پہلے جبرائیل آپ کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے اس مرتبہ اپنی اصل شکل میں آپ کے پاس آئے اور اس نے افق کو بھر لیا۔

۲۔　حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا قاضی عیاض نے کہا حدیث میں ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا لیکن میں نے اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے۔ اس حدیث کو امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

۳۔　حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مشہور اور امام ابوالحسن اشعری کا مذہب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے حضرت جابر سے مروی ہے کہ میں نے اپنے رب کو بالمشافہ دیکھا ہے۔

۴۔　سعید بن جبیر کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کرنا چاہیے۔(۲)

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ نبی ﷺ نے شب معراج اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے علامہ پرہاروی نے حضرت عائشہ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اسی کی شرح میں ہم اس کو تفصیل اور تحقیق کے ساتھ بیان کریں گے۔

سورہ بنی اسرائیل میں معراج کا ذکر اور اس کے فوائد اور نکات:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"سُبْحَانَ الَّذِىْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِىْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ"(۳)

وہ ہر عیب سے پاک ہے جو اپنے (خاص) بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ارد گرد ہم نے بہت برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس (عبد خاص) کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی سننے والا ہے، وہی دیکھنے والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے سفر معراج کو بیان کیا گیا ہے سفر نامہ میں سات چیزوں کا بیان ضروری

۱۔ النجم ۵۳: ۷۔۸　　۲۔ نبراس، ص ۴۷۵۔۴۷۴　　۳۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۱

۱۔ سفر کس نے کرایا؟ ۲۔ سفر کس نے کیا؟ ۳۔ سفر کہاں سے کیا؟ ۴۔ سفر کہاں تک کیا
۵۔ سفر رات میں ہوا یا دن میں؟ ۶۔ سفر کتنی دیر میں کیا؟ ۷۔ سفر کس لیے کیا؟

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غایت اعجاز کے ساتھ ان سات چیزوں کو ذکر فرما دیا۔ سفر کس نے کرایا؟ فرمایا ''سبحان'' نے، سفر کس نے کیا؟ فرمایا اس کے ''عبد خاص'' نے، سفر کہاں سے کیا؟ فرمایا ''من المسجد الحرام''، مسجد حرام سے، سفر کہاں تک کیا؟ فرمایا ''الی المسجد الاقصیٰ'' ''مسجد اقصیٰ تک سفر کس وقت ہوا؟ فرمایا اسریٰ راتوں رات لے گیا، سفر کتنی دیر میں ہوا؟ فرمایا ''لیلاً'' ''رات کے ایک قلیل حصہ میں، اور سفر کس لیے کرایا؟ فرمایا'' لنریہ من آیاتنا '' تا کہ ہم ان کو اپنی بعض نشانیاں دکھائیں عموماً بڑے افسر سفر کریں تو ان کے ماتحت اس سفر کو بیان کرتے ہیں، وزراء سفر کریں تو ان کے ساتھ صحافی ہوتے ہیں جو اس سفر کو بیان کرتے ہیں اور مالک کرے تو اس کا خادم اس سفر کی حکایتیں بیان کرتا ہے اور یہاں کمال مرتبہ محمدی ﷺ ہے کہ سفر بندے نے کیا ہے اور بیان اس کا خالق کر رہا ہے۔

اس سفر میں آپ کے ساتھ کوئی تھا نہیں اگر صحابہ کرام میں سے کوئی آپ کے ساتھ ہوتا تو وہ اس سفر کی تمام جزئیات کو بڑے کیف اور وجد کے ساتھ بیان کرتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اے محبوب آپ کے اس سفر کو میرے علاوہ اور کوئی پوری طرح نہیں جانتا، اس لیے میرے سوا اس کو اور کوئی بیان نہیں کر سکتا اگر یہ کہا جائے کہ جبرائیل تو آپ کے ساتھ تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پورے سفر میں وہ بھی ساتھ نہیں رہے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر وہ بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوز پرم

لفظ سبحان کے اسرار:

رات کے ایک قلیل لمحہ میں اتنی عظیم الشان سیر کرا کر واپس لے آنا عادۃً محال تھا اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا کہ مخلوق کے لیے تو یہ محال ہے اگر خالق کے لیے بھی یہ محال ہو تو یہ خالق کے لیے نقص اور عیب ہوگا اور خالق سبحان ہے یعنی ہر نقص اور عیب سے پاک ہے، اس لیے بعض علماء نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے شروع میں لفظ سبحان ذکر کر کے واقعہ معراج کے جسمانی ہونے کو ثابت کر دیا! اور بعض نے یہ کہا کہ الذی اسم موصول ہے اور اس اسم موصول کے بعد کا جملہ اس کے ماقبل کی معرفت کی دلیل ہوتا ہے اور اس کا مابعد، ماقبل سے زیادہ معروف اور زیادہ مشہور ہوتا ہے جیسے کوئی شخص کسی ملک کے صدر کو پاکستان کے سفیر کا تعارف کرائے اور یہ کہے کہ یہ فلاں بن فلاں وہ ہے جو پاکستان کا سفیر ہے تو اب پاکستان چونکہ اس شخص کی بہ نسبت بہت زیادہ معروف اور مشہور ہے اور مخاطب پاکستان کو جانتا ہے تو وہ پاکستان کی وساطت سے اس شخص کو پہچان لے گا اور پاکستان کا سفیر ہونا

اس فلاں بن فلاں کی معرفت کا ذریعہ بنا اسی نہج پر جاننا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا سبحان ہے وہ جس نے اپنے عبد خاص کو معراج کرائی تو معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرنا اللہ تعالیٰ کے سبحان ہونے کی معرفت کا ذریعہ اور دلیل بنا، اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے سبحان ہے اور ہمیشہ سبحان رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے سبحان ہونے کا ظہور اتم اور معرفت کاملہ اس وقت ہوئی جب اللہ تعالیٰ رات کے ایک لمحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرش سے عرش تک لے گیا اور اسی لمحہ میں پھر آپ کو عرش سے فرش پر واپس لے آیا اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ اگر اس آیت کے شروع میں لفظ سبحان نہ ہوتا تو واقعہ معراج ثابت نہ ہوتا بلکہ درست یہ ہے کہ اگر واقعہ معراج نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے سبحان ہونے کا کامل ظہور نہ ہوتا۔

اس سفر کے ذکر کی ابتداء سبحان سے کی اور سبحان اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا ذکر ہے اور اس سفر کے ذکر کے آخر میں فرمایا" انہ ھوا السمیع البصیر۔" "بے شک وہ سمیع اور بصیر ہے" اور سمیع اور بصیر بھی اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا ذکر ہے، سو اس سفر معراج کی ابتداء بھی اللہ کے ذکر سے ہوئی، اس کی انتہاء بھی اللہ کے ذکر پر ہوئی اور سفر معراج سے آپ نماز کا تحفہ لے کر آئے وہ بھی اللہ کا ذکر ہے۔

مادی انسانوں نے ترقی کی اور ان کی معراج یہ ہے کہ یہ چاند پر پہنچے، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ چاند پر بھی مٹی ہے اور وہ مٹی کے ڈھیلے بہ طور سوغات وہاں سے لے کر آئے۔ تو یہ مٹی سے چلے اور مٹی تک پہنچے اور جو لے کر آئے وہ بھی مٹی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ذکر سے چلے، اللہ کے ذکر تک پہنچے اور جو تحفہ لے کر آئے وہ بھی اللہ کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مادی معراج میں انسان مٹی سے آگے نہیں نکل سکتا اور روحانی معراج میں مٹی سے بنا ہوا انسان خدا تک جا پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

"أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقاً بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّداً وَّحَصُوراً"(۱)

(اے زکریا) اللہ آپ کو یحییٰ کی بشارت دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کے مصدق ہوں گے اور سردار ہوں گے اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہونگے حضرت یحییٰ کو سید کہا اور آپ کو عبد فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سیادت، سلطنت اور مالکیت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، بندے کو اگر سید یا مالک یا صاحب سلطنت کہا جائیگا تو یہ مجاز ہوگا، اور بندے کی ایسی صفت جو اس کی حقیقی صفت ہو اور اللہ کی نہ ہو وہ صرف عبدیت ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اپنے محبوب کا ذکر حقیقی وصف کے ساتھ کرے مجاز اور مستعار وصف کے ساتھ نہ کرے اور فضیلت حقیقی وصف میں ہے مجاز اور مستعار وصف میں نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ آپ کو محض عبد نہیں فرمایا عبدہ فرمایا ہے، یعنی اس کا بندہ، عبد، تو دنیا میں لاتعداد ہیں لیکن کامل عبد ہے جس کو مالک خود کہے یہ میرا بندہ ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں بھی ذکر فرمایا اپنی طرف اضافت کر کے فرمایا:

۱۔ آل عمران ۳:۳۹

"الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَنزَلَ عَلَی عَبْدِهِ الْكِتَاب"(۱)

اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل کی۔

"أَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ"(۲)

کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟

"فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى"(۳)

سو اللہ نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی وہ جو اس نے وحی کی۔

"إِن كُنتُمْ آمَنتُمْ بِاللّٰهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ"(۴)

اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اس (کلام) پر جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن نازل کیا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ اپنا ذکر فرماتا ہے تو اپنی اضافت آپ کی طرف کرتا ہے:

"وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ"(۵)

اور یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا،

"وَاذْكُر رَّبَّكَ كَثِيراً"(۶)

اپنے رب کا ذکر بکثرت کیجئے۔

"فَلَا وَرَبِّكَ"(۷)

قسم ہے آپ کے رب کی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی نسبت آپ کی طرف اور آپ کی نسبت اپنی طرف کر کے ظاہر فرمایا کہ پیارے تم ہمارے ہو اور ہم تمہارے ہیں۔

علامہ آلوسی نے "ولكل وجهة هو موليها" کی تفسیر میں یہ قول نقل کیا ہے:

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک کا الگ الگ قبلہ ہے مقربین کا قبلہ عرش ہے، روحانیین کا قبلہ کرسی ہے کروبیین کا قبلہ بیت المعمور ہے آپ سے پہلے نبیوں کا قبلہ بیت المقدس ہے اور آپ کا قبلہ کعبہ ہے اور یہ آپ کے جسم کا قبلہ ہے اور آپ کی روح کا قبلہ میری ذات ہے اور میرا قبلہ آپ کی ذات ہے۔(۸)

۱۔ الکہف ۱۸:۱ ۲۔ زمر ۳۹:۳۶ ۳۔ النجم ۵۳:۱۰ ۴۔ انفال ۸:۴۱
۵۔ البقرہ ۲:۳۰ ۶۔ آل عمران ۳:۴۱ ۷۔ النساء ۴:۶۵ ۸۔ روح المعانی ج ۲، ص ۱۵

قبلہ مرکز توجہ اور محور التفات کو کہتے ہیں یعنی آپ کی روح میری ذات کی طرف متوجہ رہتی ہے اور میں آپ کی طرف ملتفت رہتا ہوں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ جب آپ کا ذکر کرتا ہے، تو اپنی طرف اضافت کرتا ہے اور جب اپنا ذکر فرماتا ہے تو آپ کی طرف اضافت فرماتا ہے۔

سفر معراج کے موقع پر نبی ﷺ کو وصف عبدیت کے ساتھ ذکر کرنے میں یہ بھی بتلانا مقصود تھا کہ آپ ﷺ کو معراج کی یہ عظیم فضلیت یہ بلند مرتبہ اور عظیم مقام آپ ﷺ کی عبدیت کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جو شخص اللہ کے سامنے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سر بلند کرتا ہے، اور اس میں عیسائیوں کا رد ہے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عبد ہونے کو باعث عار سمجھا اور انہیں خدا اور خدا کا بیٹا کہا اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ عبد ہونا باعثِ ننگ و عار نہیں ہے، انسان کو جو عظمتیں اور رفعتیں ملتی ہیں وہ اس کے عبد ہونے سے ملتی ہیں نیز اس میں یہ بتلانا ہے کہ معراج کے اس عظیم الشان کمال کے حاصل ہونے کے باوجود آپ ﷺ عبد ہیں، خدا نہیں ہیں، جب کہ عیسائیوں نے اس سے کم درجہ کے کمال کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہہ دیا تھا اس لیے مسلمان اس کمال کی وجہ سے آپ پر الوہیت کا دھوکا نہ کھائیں۔

عبد کا اطلاق ''روح مع الجسد'' پر کیا جاتا ہے، فقط روح پر عرب کی لغت اور محاورات میں عبد کا اطلاق نہیں کیا جاتا، سو سفر معراج کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے عبد کا ذکر کر کے یہ بیان فرمادیا ہے کہ یہ معراج جسمانی تھی روحانی نہیں تھی۔

لفظ اسریٰ کے اسرار:

اسراء کے معنی ہیں کسی شخص کو بیداری میں رات کے وقت لے جانا، اگر کسی شخص کو خواب میں کوئی کسی جگہ لے جائے تو اس کو لغت عرب اور اس کے محاورات میں اسراء نہیں کہتے۔

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا بروح عبدہ اور بعبدہ نہ فرماتا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی''(۱)

نظر ایک طرف مائل ہوئی اور نہ حد سے بڑھی۔

سورہ نجم کی یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ بیداری کا واقعہ تھا، نیز اگر یہ خواب کا واقعہ ہوتا تو اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نشانی اور معجزہ ہوتا، اور آپ سے حضرت ام ہانی یہ نہ کہتیں کہ آپ لوگوں سے یہ واقعہ بیان نہ کریں وہ آپ کی تکذیب کریں گے، اور نہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق کرنے میں کوئی فضلیت ہوتی، اور نہ قریش کے طعن و تشنیع اور تکذیب کی کوئی وجہ ہوتی، حالانکہ جب آپ نے معراج کی خبر دی تو قریش نے آپ کی تکذیب کی اور کئی مسلمان مرتد ہو گئے، اور اگر یہ خواب ہوتا تو اس کا انکار نہ کیا جاتا، اور نیند

۱۔ النجم ۵۳:۱۷

میں جو واقعہ ہو اس کے لیے اسریٰ نہیں کہا جاتا۔(۱)

حضرت سیدنا محمد ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسریٰ ''اللہ آپ ﷺ کو لے گیا'' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

''وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا''(۲)

اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر آئے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

''وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ.''(۳)

اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بے شک میں تو اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام از خود آئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام از خود گئے اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ لے جانے والا تھا اور وہی لانے والا تھا اور ان دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے۔

معراج کے متعلق سورہ النجم کی آیات:

''وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَى عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَى إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى(۴)

روشن ستارے (حضرت محمد ﷺ) کی قسم، جب وہ شب معراج، عرش سے زمین پر) اترے تمہارے آقا نہ کبھی) گمراہ ہوئے اور نہ بے راہ چلے، اور وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے، ان کا کلام صرف وہ وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے، انہیں اللہ سخت قوتوں والے نے سکھایا، بہت زبردست نے پھر انہوں نے (حضرت محمد ﷺ نے بلندیوں کا) قصد کیا۔

درآں حالیکہ وہ (حضرت محمد ﷺ) سب سے اونچے کنارے (دائرہ امکان کے منتہیٰ) پر تھے، پھر اللہ تعالیٰ، حضرت محمد ﷺ سے) قریب ہوا پھر زیادہ قریب ہوا تو (حضرت محمد ﷺ اپنے رب سے) دو کمانوں کی مقدار نزدیک ہوئے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہوئے، تو اللہ نے وحی فرمائی اپنے عبد مقدس کو جو وحی فرمائی، (حضرت محمد ﷺ کے) دل نے اس کے خلاف نہ کہا جو ان کی آنکھ نے دیکھا، تو جو انہوں نے دیکھا تھا کہ تم اس پر جھگڑتے ہو؟، اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور سدرۃ

۱۔ الجامع لاحکام، ج۱۰،ص۲۰۹۔۲۰۸ ۲۔ الاعراف ۷:۱۴۳

۳۔ صفت ۳۷:۹۹ ۴۔ سورۃ النجم ۵۳:۱۔۱۸

المنتہیٰ کے نزدیک دیکھا، اس (سدرہ) کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ کو ڈھانپ لیا اس عظیم چیز نے جس نے ڈھانپ لیا، نظر ایک طرف مائل، ہوئی نہ حد سے بڑھی، بے شک انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں ضرور دیکھیں۔

والنجم اذاھوی کے اسرار:

والنجم میں واؤ قسمیہ ہے، اس کا معنی ہے نجم کی قسم، نجم کے چار معانی ہیں۔

۱۔ ثریا　۲۔ ستارہ　۳۔ نباتات، سبزہ　۴۔ قسط اور حصہ یعنی قرآن مجید کے اجزاء۔

امام رازی نے کہا نجم سے مراد حضرت سیدنا محمد ﷺ ہیں، کیونکہ نجم کے چاروں معانی آپ ﷺ میں بہ وجہ اتم پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اگر نجم سے مراد ثریا ہو (ثریا ان سات ستاروں کو کہتے ہیں کہ جو ایک دوسرے کے قریب واقع ہیں ان کو سات ستاروں کا جھمکا بھی کہتے ہیں) تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ثریا کی ایک واضح علامت ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہے اور ثریا ہر شخص پر ظاہر اور منکشف ہے، اور نبی ﷺ بھی اپنے بکثرت اور واضح معجزات کی وجہ سے دوسرے انبیاء اور رسل علیہم السلام سے ممتاز ہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی قسم کھائی! نیز جب صبح کے وقت ثریا کا مشرق سے ظہور ہوتا ہے تو پھل پک جاتے ہیں۔ اور جب عشاء کے وقت خریف کے آخر میں اس کا ظہور ہوتا ہے تو امراض منتقل ہو جاتے ہیں، اور جب نبی ﷺ کا ظہور ہوا تو شکوک کے بادل چھٹ گئے اور امراض قلبیہ دور ہو گئے اور علم و حکمت کے پھل پک کر تیار ہو گئے۔

۲ اور اگر نجم سے مراد ستارہ ہو تو ستارہ سے تمام دنیا کے جنگلوں اور سمندروں میں رہنمائی حاصل ہوتی ہے اور نبی ﷺ سے بھی تمام کائنات کو ہدایت حاصل ہوتی ہے، نیز شہاب ثاقب (ٹوٹے ہوئے ستارے) سے شیاطین کو بھگایا جاتا ہے اور نبی ﷺ سے بھی شیاطین بھاگتے ہیں۔

۳۔ اگر نجم سے مراد نباتات ہوں تو نبات سے جسمانی قوتوں کی اصلاح اور نشو و نما ہوتی ہے اور حضرت سیدنا محمد ﷺ نے اپنی نبوت اور رسالت سے روحوں کی اصلاح اور تقویت کی۔

۴۔ اور اگر نجم سے مراد قرآن مجید کے اجزاء ہوں تو قرآن مجید حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل اور معجزہ ہے اور خود رسول اللہ ﷺ قرآن ناطق ہیں۔ (۱)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

''امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کہا والنجم سے نبی ﷺ مراد ہیں اور اذاھویٰ سے مراد یہ ہے جب آپ شب معراج آسمان سے اترے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اذاھویٰ سے مراد یہ ہو کہ اس شب نبی ﷺ نے انتہاء مکان صعود اور عروج کیا۔'' (۲)

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۷، ص ۶۹۷　　۲۔ روح المعانی، ج ۲۷، ص ۴۵

ثم دنیٰ فتدلیٰ کے اسرار:

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ثم دنیٰ فتدلی کی ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی ہیں، اسی طرح ''ولقد راہ نزلۃ اخریٰ'' میں ضمیر منصوب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی ہے اور حسن بصری قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا یہ معنی بیان کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اور مرتبہ بہت بلند ہو گیا۔ اور فتدلی کا معنی یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو بالکلیہ جانب قدس کی طرف کھینچ لیا، اسی مقام کو فنا فی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۱)

''ثم دنیٰ فتدلی'' کی ضمیروں کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض مفسرین نے یہ ضمیریں جبرائیل کی طرف لوٹائی ہیں، یعنی حضرت جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوئے پھر اور زیادہ قریب ہوئے اور بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف یہ ضمیریں لوٹائی ہیں اور یہ معنی کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل کے قریب ہوئے پھر اور زیادہ قریب ہوئے، اور بعض مفسرین نے یہ ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا، ہمارے نزدیک یہی معنی راجح ہے۔ جیسا کہ علامہ آلوسی نے حسن بصری سے نقل کیا ہے اور حدیث صحیح میں بھی اسی معنی کا ذکر ہے۔

امام بخاری حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے معراج کے متعلق ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں اس میں ہے:

''حتی جاء سدرۃ المنتھیٰ ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنی فاوحی اللہ الیه فیما یوحی اللہ خمسین صلوٰۃ علی امتك کل یوم ولیلة۔'' (۲)

حتیٰ کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور رب العزت جبار آپ کے قریب ہوا پھر اور قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ سے دو کمانوں کی مقدار رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک، پھر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو وحی کرتا ہے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی، اور آپ کی امت پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کیں''۔

قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

''حکی مکی وما وردی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ھو الرب دنا من محمد فتدلی الیه ای امرہ وحکمه وحکی النقاش عن الحسن قال دنا من عبدہ محمد علیہ السلام فتدلی فقرب من فار اہ ماشاء ان یریه من قدرته وعظمة۔'' (۳)

امام مکی اور امام ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ امام ابن جریر طبری نے بھی

۱۔ روح المعانی، ج ۲۷، ص ۵۲ ۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۱۲۰ ۳۔ الشفاء، ج ۱، ص ۱۲۶

اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔) کہ رب العزت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہوا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وصف قرب کی تجلی فرمائی۔) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا امر اور حکم نازل فرمایا، اور نقاش نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رب العزت اپنے بندہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہوا پھر اور قریب ہوا یعنی آپ پر زیادہ توجہ کی اور زیادہ انعام فرمایا) پھر اللہ تعالیٰ نے جو چاہا آپ کو اپنی قدرت اور عظمت سے دکھایا۔

نیز قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کی طرف قرب کا اسناد کیا گیا ہے یا اس کے قریب ہونے کا بیان کیا گیا ہے، یہ مکان اور نہایت کا قرب نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ہم نے امام جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ قرب کی کوئی حد نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ کے قریب ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ اور مقام کو ظاہر کیا اور آپ کی معرفت کے انوار کو چمکایا اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے غیب اور اپنی قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرایا اور اللہ تعالیٰ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ثناء جمیل کی، آپ سے انس کا اظہار کیا اور آپ سے بہت خوش ہوا، اور آپ پر بہت احسان، اکرام اور انعام فرمایا، اور اس آیت میں اس طرح تاویل کی جائے گی جیسا کہ صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں تاویل کی گئی ہے کہ ''اللہ تعالیٰ ہر رات کو آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے'' اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ ہر رات اللہ تعالیٰ کا فضل، احسان اور انعام نازل ہوتا ہے، علامہ واسطی نے کہا کہ جس نے یہ وہم کیا کہ اللہ تعالیٰ بنفسہ نزدیک ہوا اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے مسافت اور مکان کو تسلیم کیا، اور مکان مسافت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے لیے قرب ہے نہ بعد۔

''فکان قاب قوسین'' کے اسرار:

''قاب قوسین او ادنیٰ'' ''وہ دو کمانوں کے برابر نزدیک ہوا یا اس سے بھی زیادہ'' جب اس کی ضمیر حضرت جبرائیل کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت زیادہ قریب ہے، اور اس نے آپ کو اپنی معرفت سے حظ وافر عطا کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کو قبول کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عظیم مرتبہ عطا کیا ہے، اور اس آیت میں اسی طرح تاویل کی جائے گی جس طرح صحیح بخاری کی اس حدیث میں تاویل کی گئی ہے ''جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں'' اس کی تاویل یہ ہے کہ جو شخص بہ سرعت میرے احکام کی تعمیل کرتا ہے میں اس کو بہ سرعت جزا دیتا ہوں اس پر احسان کرتا ہوں اور اس کو انعام دیتا ہوں، اس لیے اس آیت اور حدیث میں قرب کا معنی یہ ہے کہ میں جلدی اس کی امید بر لاتا ہوں اور اس کی دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔ (۱)

۱۔ الشفاء، ج ۱، ص ۱۲۷۔۱۲۶

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

لیکن دونوں مقاموں میں بہت فرق ہے اور دونوں قربوں میں تباین ہے، بادشاہوں کے مرتبہ کو لوہاروں کے مقام پر قیاس نہ کیا جائے، کیونکہ مقربین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں اور سالکین میں سے محبین اور محبوبین کے درجات قرب میں عظیم فرق ہوتا ہے۔ (۱)

قاضی عیاض نے ''دنی فتدلی اور قاب قوسین'' کی جو تقریر کی ہے اس کو علامہ قرطبی نے بھی نقل کیا ہے۔ (۲)

امام رازی نے بھی اس آیت کی توجیہہ میں اس حدیث سے استشہاد کیا ہے کہ ''جو شخص ایک بالشت میرے قریب ہوتا ہے میں اس کے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں، اور لکھا ہے کہ یہاں قرب سے قرب مکان مراد نہیں ہے بلکہ قرب معنوی مراد ہے۔ (۳)

مصنف کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ''دنی فتدلی'' اور ''قاب قوسین'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں کمال اتصال ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ماننا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا میں کمال اتصال ہے، ایک کو راضی کرنا دوسرے کو راضی کرنا اور ایک کو ناراض کرنا دوسرے کو ناراض کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاملہ کرنا اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرنا ہے، رسول اللہ سے بیع کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خریدنا اللہ سے خریدنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وعید اللہ تعالیٰ کی وعید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خبر دینا اللہ تعالیٰ کا خبر دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہی دینا اللہ تعالیٰ کا گواہی دینا ہے۔

حضرت جبرائیل کا دو مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اصلی صورت دکھانا شب معراج میں دیدار الٰہی کے خلاف نہیں ہے:

امام رازی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم نے ان آیات کی تفسیر میں جو ضمیریں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی ہیں اور یہ معنی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، یہ احادیث کے خلاف ہے، کیونکہ احادیث میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات دکھائی اور مشرق کو بھر لیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے یہ نہیں کہا ایسا نہیں ہوا، لیکن حدیث میں یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اس واقعہ کی حکایت کا ارادہ کیا ہے حتیٰ کہ اس حدیث کی مخالفت لازم آئے، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات (اصلی صورت میں) دو مرتبہ دکھائی اپنے پر پھیلائے اور جانب شرقی کو بھر لیا، لیکن سورۃ النجم کی یہ آیت اس واقعہ کی حکایت کے لیے نہیں ہے۔ (۴)

۱۔ شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض، ج ۲، ص ۳۱۴　۲۔ الجامع الاحکام ج ۱۷، ص ۹۰　۳۔ تفسیر کبیر ج ۷، ص ۷۰۴

۴۔ تفسیر کبیر، ج ۷، ص ۷۰۳

رسول اللہ ﷺ کے لیے موجب فضیلت اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کا دیدار ہے نہ کہ حضرت جبرائیل کا قرب اور ان کا دیدار:

جو علماء کرام سورہ والنجم کی ضمیریں جبرائیل کی طرف راجع کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ اس رات رسول اللہ ﷺ نے دو بار حضرت جبرائیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا ان کی خدمت میں یہ معروض ہے کہ اگر سورہ النجم کی ان آیات میں حضور ﷺ کی حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر ہوتا، اس ملاقات کو اس قدر اہتمام، اتنی تفصیل اور اس کیف انگیز اسلوب سے بیان کرنے کی مطلقاً حاجت نہ تھی، اس ملاقات کے ذکر کے لیے صرف ایک آیت ہی کافی تھی، یہ انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبد کامل کی اپنے معبود برحق سے ملاقات کا ذکر ہے، رسول اللہ ﷺ کی حضرت جبرائیل سے ملاقات بھی بڑے فوائد کی حامل سہی، لیکن رسول اللہ ﷺ کے لیے باعث ہزار سعادت اور وجہ فضیلت اللہ عزوجل سے ملاقات اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے، رسول اللہ ﷺ کی عظمت، آپ کی خصوصیت اور فضیلت اس میں نہیں کہ ثم دنی فتدلی او رفکان قاب قوسین اوادنی میں رسول اللہ ﷺ کا جبرائیل سے قریب ہونا بیان کیا جائے، آپ ﷺ کے لیے باعث فخر اور موجب فضیلت یہ چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آپ ﷺ سے قریب ہونا بیان کیا جائے، کہ اس رات اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اس قدر نزدیک، ہوا اور آپ ﷺ کو وہ قرب عطا فرمایا جو آپ ﷺ کے سوا کائنات میں اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

شب معراج دیدار الٰہی کے بیان میں احادیث اور آثار:

امام بخاری، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

"حتیٰ جاء سدرة المنتھیٰ ودنا الجبار رب العزة فتدلی حتیٰ کان منه قاب قوسین اوادنی۔"(۱)

حتیٰ کہ سیدنا محمد ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر آئے اور جبار رب العزت آپ کے قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ سے دو کمانوں کی مقدار رہ گیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن عبداللہ بن شقیق قال قلت لابی ذرلورایت رسول اللہ ﷺ لسالته فقال عن ای شئی کنت تسئله قال کنت اساله هل رایت ربك قال ابو ذر قد سالته فقال رایت نورا۔"(۲)

عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے کہا اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، تو آپ سے سوال کرتا، انہوں نے کہا تم کس چیز کے متعلق سوال کرتے؟ کہا میں آپ سے یہ سوال کرتا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا میں نے دیکھا وہ نور ہی نور تھا۔ عن ابن عباس قال راہ بقلبه ۔(۳)

۱۔ صحیح بخاری، ج۲، ص۱۱۲۰　　۲۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۹۹　　۳۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۹۹

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی آنکھ سے دیکھا۔

''عن ابن عباس قال ماکذب الفوا ما رای ولقد راہ نزلۃ اخریٰ قال راہ بفوا دہ مرتین۔''(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا'' آنکھ نے جو دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوسری بار دیکھا'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل کی آنکھ سے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

''عن عکرمۃ عن ابن عباس قال رای محمد ربہ قلت الیس اللہ یقول لا تدرکہ الابصارو ھویدرک الابصار قال ویحك اذا تجلی بنورہ الذی ھو نور ہ وقدرایٰ محمد ربہ مرتین ھذا حدیث حسن غریب۔''(۲)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، میں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا'' آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم پر افسوس ہے، یہ اس وقت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے یعنی غیر متناہی نور۔ اور بے شک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دومرتبہ دیکھا ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

''عن ابن عباس فی قول اللہ تعالیٰ ولقد راہ نزلۃ آخریٰ عند سدرہ المنتھیٰ فاوحی الی عبدہ مااوحی فکان قاب قوسین او ادنی قال ابن عباس قدراہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھذا حدیث حسن۔''(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا:'' بے شک انہوں نے اس کو دوسری بار ضرور سدرۃ المنتہٰی کے پاس دیکھا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ کی طرف وہ وحی نازل کی جو اس نے کی، پھر وہ دو کمانوں کی مقدار نزدیک ہوا یا اس سے زیادہ'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

"عن ابن عباس قال ماکذب الفو اد مارای قال راہ بقلبہ" ۔(۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا'' آنکھ نے جو دیکھا دل نے اس کو تکذیب نہیں کی'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا آپ نے اپنے رب کو دل کی آنکھ سے دیکھا۔

"عن الشعبی لقی بن عباس کعبا بعرفۃ فسالہ عن شئی فکبر حتی جاوبتہ الجبال فقال ابن عباس انابنو ھا شم فقال کعبا ان اللہ قسم ر ویۃ و کلام بین محمد و موسیٰ فکلم موسیٰ مرتین وراہ محمد مرتین "۔(۵)

شعبی کہتے ہیں کہ میدان عرفہ میں حضرت ابن عباس نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا، کعب نے بلند

۱۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۹۹　۲۔ جامع ترمذی، ص ۲-۴۷۱ ۴۷　۳۔ جامع ترمذی، ص ۴۷۲

۴۔ جامع ترمذی، ص ۴۷۲　۵۔ جامع ترمذی، ص ۴۷۱

آواز سے اللہ اکبر کہا حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں بنو ہاشم ہوں (یعنی آپ میرا سوال نہ ٹالیں) تو کعب رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام کیا اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دو بار دیکھا۔

اس کے بعد امام ترمذی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے انکار رویت والی حدیث کو روایت کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

عن عکرمة ابن عباس قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رایت ربی تبارك و تعالیٰ۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں "عن ابن عباس قال :قدرای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربه۔"(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بے شک سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

اس حدیث کو امام ابن جریر طبری نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ الہیثمی نے بھی اس حدیث کو امام ابن حبان کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔(۳)

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال اتعجبون ان یکون الخلة لا براهيم والكلام لموسیٰ والروية لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم هذا حديث صحيح على شرط البخارى ولم يخرجاه"۔(۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے خلیل ہونا ہو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دیدار ہو، یہ حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ لیکن امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔

حافظ نور الدین الہیثمی لکھتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم رایت ربی عزوجل رواه احمد ۔(۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا، اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ عن ابن عباس انه كان يقول ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم راى ربه مرتين مرة ببصره ومرة بفواده ۔ رواه الطبرانى فى الاوسط ۔(۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ایک مرتبہ اپنی آنکھ کے ساتھ اور

۱۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۹۰۔۲۸۵　　۲۔ الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، ج ۱، ص ۲۲۶　　۳۔ موارد الظمآن، ص ۴۰

۴۔ المستدرک، ج ۱، ص ۶۵　　۵۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۷۸　　۶۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۷۸

ایک بار اپنے دل کے ساتھ، اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے، ماسوا جھور بن منصور کوفی کے۔ امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

''عن ابن عباس قال نظر محمد ﷺ الی ربه تبارك و تعالیٰ قال عكرمة فقلت لا بن عباس نظر محمد الی ربه قال نعم جعل الكلام لموسیٰ والخلة لابراهيم والنظر لمحمد ﷺ رواه الطبرانی فی الاوسط وفيه حفص بن عمر العدنی روی ابن ابی حاتم تو ثيقه عن ابی عبدالله الطهرانی وقد ضعفه النسائی وغيره''۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ انہوں نے فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے کلام کی خصوصیت رکھی حضرت ابراہیم کے لیے خلیل ہونے کی اور حضرت محمد ﷺ کے لیے دیکھنے کی خصوصیت رکھی، اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں ایک راوی حفص بن عمر عدنی ہے، ابن ابی حاتم نے ابوعبداللہ طہرانی سے اس کی توثیق نقل کی ہے اور امام نسائی وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

شبِ معراج دیدارِ الٰہی کے متعلق علماء مالکیہ کا نظریہ:

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

متقدمین علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کا انکار کرتی تھیں، مسروق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اے ام المومنین کیا سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تمہاری اس بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں، جو شخص بھی تم کو یہ تین باتیں بتائے اس نے جھوٹ بولا، جو شخص بھی یہ کہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ بولا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی:

"لا تدركه الابصار"(۲)

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔

پھر پوری حدیث ذکر کی، علماء کی ایک جماعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نظریہ کی قائل ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور قول بھی یہی ہے، اس کی مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا، محدثین اور فقہا کی ایک جماعت نے کہا کہ دنیا میں رویت باری ممتنع ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو

۱۔ مجمع الزوائد، ج۱، ص۷۹ ۲۔ انعام ۶:۱۰۳

اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور عطاء نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت کیا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا، اور امام ابوالعالیہ سے یہ روایت ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دو بار دیکھا، اور امام ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص کو بھیجا اور یہ پوچھا کہ کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد اسانید سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کلام کے ساتھ مختص کیا، حضرت ابراہیم کو خلت کے ساتھ اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت کے ساتھ مختص کیا، حضرت ابن عباس کی دلیل یہ آیت ہے۔

"مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى أَفَتُمَارُونَهُ عَلَى مَا يَرَى وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى"(۱)

ان کے دل نے اس کے خلاف نہ کہا جو ان کی آنکھ نے دیکھا، تو جو انہوں نے دیکھا تھا کیا تم اس پر جھگڑتے ہو؟ اور بے شک انہوں نے اسے دوسری بار ضرور دیکھا۔

امام ماوردی نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنی رویت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو بار اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔

ابوالفتح رازی اور ابولیث سمرقندی نے کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت کعب کی ملاقات ہوئی، حضرت ابن عباس نے فرمایا: ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے، یہ سن کر کعب نے بلند آواز سے اللہ اکبر کہا حتیٰ کہ پہاڑ گونج اٹھے اور کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا، اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنے قلب سے دیکھا اور شریک نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا، اور سمرقندی نے محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا کہ اپنے دل سے دیکھا ہے اور اس کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، اور مالک بن یخامر نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ملاءِ اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟

امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے تھے کہ بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، یہ حدیث عکرمہ سے بھی مروی ہے اور بعض متکلمین نے اس کو حضرت ابن مسعود سے بھی روایت کیا ہے، اور امام

۱۔ النجم ۵۳: ۱۱۔۱۳

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔

نقاش نے روایت کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا قائل ہوں آپ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آپ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، امام احمد ان کلمات کو اتنی بار دہراتے کہ ان کا سانس منقطع ہو جاتا۔

ابن عطاء نے ''الم نشرح لك صدرك'' کی تفسیر میں کہا کہ آپ کا سینہ رویت کے لیے کھول دیا، اور حضرت موسیٰ کا سینہ کلام کے لیے کھول دیا۔ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت نے کہا کہ آپ نے اللہ کو اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور کہا کہ جس نبی کو بھی معجزہ دیا گیا اس معجزہ کی مثل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی ہے اور رویت سے آپ کو تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت دی گئی ہے۔ (۱)

علامہ قرطبی مالکی ''ماکذب الفوادمارای'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصر آپ کے دل میں وکھ دی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھ لیا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو رویت کر دیا، ایک قول یہ ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے حقیقۃً دیکھا، پہلا قول حضرت ابن عباس سے مروی ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو اپنے دل سے دیکھا، یہ حضرت ابوذر اور صحابہ کی ایک جماعت کا قول ہے، دوسرا قول حضرت انس اور ایک جماعت کا ہے، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ خلت حضرت ابراہیم کے لیے ہو، کلام حضرت موسیٰ کے لیے ہو، اور رویت حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو ہاشم یہ کہتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا۔ (۲)

علامہ سنوسی مالکی لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں چار قول ہیں (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رویت باری کا انکار کرتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ آپ نے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ آپ نے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مشہور قول اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نظریہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا، امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہ مذہب ہے، اور بعض مشائخ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے، تابعین میں سے حضرت جبیر کی یہی رائے ہے۔) ان میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ نے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور دنی فتدلی کا معاملہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوا ہے۔ اور اس سے قرب مجازی مراد ہے۔ (۳)

۱۔ الشفاء، ص ۱۲۱۔۱۱۹　　۲۔ الجامع الاحکام القرآن، ج ۱۷، ص ۹۲　　۳۔ المعلم، ج ۱، ص ۳۲۷

علامہ وشتانی ابی مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ آیا شب معراج سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متقدمین کی ایک جماعت، امام ابوالحسن اشعری اور متکلمین کے ایک طائفہ کا یہ نظریہ ہے کہ اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے، اوران کی دلیل یہ آیت ہے۔ ''فاوحیٰ الی عبدہ مااوحی''۔(۱) تو اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی اپنے عبد خاص کو جو وحی فرمائی انہوں نے کہا اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے واسطہ کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی۔ اور بعض علماء نے سماع کلام کی نفی کی ہے میں کہتا ہوں کہ اس وقت کلام کا سننا جائز ہے اور اس کے یقینی ثبوت کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام کے ساتھ مشرف ہونا واقع ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کلام کے ساتھ مشرف ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔

نقاش نے حدیث معراج میں ثم دنیٰ کی تفسیر میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرائیل مجھ سے علیحدہ ہو گئے اور آواز منقطع ہوگئی، اس وقت میں نے اپنے رب کا کلام سنا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے دل کو مبارک ہو، قریب آؤ، امام بزار نے بیان کیا ہے کہ ایک فرشتہ نے کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، تو پردے کی اوٹ سے آواز آئی میرے بندہ نے سچ کہا: میں اکبر ہوں میں اکبر ہوں۔(۲)

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ مالکی لکھتے ہیں:

امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ مروان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے انہوں نے کہا ہاں، علامہ نووی نے کہا یہ اکثر علماء کا قول ہے، امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حسن بصری قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، امام نسائی اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ ''خلت'' حضرت ابراہیم کے لیے ہو اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور دیدار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو۔ امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، ایک بار سر کی آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔

جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ آپ نے دل سے اپنے رب کو دیکھا اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ نے دل سے اللہ تعالیٰ کو جانا اور آپ کو اللہ کا علم ہوا، کیونکہ اللہ کا علم، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ سے تھا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں رویت کو اس طرح پیدا کر دیا جس طرح وہ آنکھ میں رویت کو پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ عقلاً رویت آنکھ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جس عضو میں چاہے رویت کو پیدا فرمادے اس کی عادت جاریہ ہے۔

۱۔　النجم ۵۳:۱۰　　۲۔　اکمال اکمال المعلم، ج۱، ص ۳۲۷

امام خزیمہ نے سند قوی کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا، خلال نے کتاب السنۃ میں مروزی سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول سے اکبر اور راجح ہے اور نقاش نے امام احمد سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا قائل ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، امام احمد بار بار کہتے رہے آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے حتیٰ کہ امام احمد کا سانس رک گیا۔(۱)

شب معراج دیدار الٰہی کے متعلق علماء حنبلیہ کا نظریہ:

حافظ ابن کثیر حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا، عکرمہ نے کہا کیا اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا:

''لاتدرك الابصار وهويدرك الابصار''۔(۲)

آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم پر افسوس ہے یہ اس وقت ہے کہ جب وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے اور وہ غیر متناہی نور ہے اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ نیز امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ کعب کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے میدان عرفہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے کسی چیز کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، پھر اتنے زور سے اللہ اکبر کہا کہ پہاڑ گونج اٹھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہم بنو ہاشم ہیں، کعب رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کر دیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دوبار کلام فرمایا اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دوبار دیکھا اور مسروق نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم نے ایسی بات کہی ہے جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں نے تھوڑی دیر بعد یہ آیت پڑھی:

'' لَقَدْ رَأٰی مِنْ آیَاتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی''(۳)

بے شک انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں ضرور دیکھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس سے مراد جبرائیل ہے، جو شخص تم کو یہ خبر دے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو

۱۔ شرح المواہب اللدنیہ ملخصا، ج۶ ص۱۲۰۔۱۱۶　۲۔ انعام ۶:۱۰۳　۳۔ النجم ۵۳:۱۸

دیکھا، یا آپ ﷺ نے کسی حکم کو چھپالیا یا آپ مغیبات خمسہ کو جانتے تھے اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ باندھا، البتہ آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا تھا، اور آپ نے جبرائیل کو ان کی اصلی صورت میں صرف دو بار دیکھا ہے، ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ اجیاد میں، ان کے چھ سو پر تھے اور انہوں نے افق کو بھر لیا تھا۔

امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ ''خلت'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو، اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور رویت سیدنا حضرت محمد ﷺ کے لیے، اور صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ ایک نور ہے میں نے اس کو جہاں سے بھی دیکھا وہ نور ہی نور ہے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے میں نے نور دیکھا، محمد بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا ہے، اور امام ابن جریر نے بعض صحابہ سے روایت کیا ہے، ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن میں نے اس کو اپنے دل سے دو بار دیکھا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ''ثم دنی فتدلّیٰ''۔(۱)

حافظ ابن کثیر اس کے قائل ہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا دل کی آنکھ سے دیکھا ہے، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے پر محمول کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ثبات کو دل کی آنکھ سے دیکھنے پر محمول کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انکار کی توجیہہ یہ ہے کہ وہ رویت ''علی وجہ الاحاطہ'' کی نفی کرتی ہیں۔

شب معراج دیدار الٰہی کے متعلق علماء شافعیہ کا نظریہ:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں اس بحث میں اصل چیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا اور ان سے اس مسئلہ میں استفسار کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: حضرت سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، حضرت عائشہ صدیقہ کے انکار سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ نہیں کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے ''میں نے اپنے رب کو نہیں دیکھا'' حضرت عائشہ نے اپنے طور سے قرآن مجید سے استدلال کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ اور جب صحابی کوئی مسئلہ بیان کرے اور دوسرا صحابی اس کی مخالفت کرے، تو اس کا قول حجت نہیں ہوتا۔ اور جب صحیح روایات کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ثابت ہے

۱۔　تفسیر ابن کثیر ج ۶، ص ۴۴۸۔۴۴۷

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، تو ان روایات کو قبول کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا واقعہ ان مسائل میں سے نہیں ہے جن کو عقل سے مستنبط کیا جا سکے یا ان کو ظن سے بیان کیا جائے یہ صرف اسی صورت پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ظن اور قیاس سے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، علامہ معمر بن راشد نے کہا اس مسئلہ میں حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختلاف ہے اور حضرت عائشہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ عالم نہیں ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات رویت باری کا اثبات کرتی ہیں اور حضرت عائشہ وغیرھا کی روایت کی نفی کرتی ہیں اور جب مثبت اور منفی روایات میں تعارض ہو تو مثبت روایات کو منفی پر ترجیح دی جاتی ہے حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو دیکھا ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی حدیث کی بناء پر رویت کا انکار نہیں کیا، اگر اس سلسلہ میں ان کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مسئلہ کا قرآن مجید کی آیات سے استنباط کیا ہے، اس کے جواب کو ہم واضح کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ''(۱)

نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کیونکہ ادراک سے مراد احاطہ ہے اور احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اور جب قرآن مجید میں احاطہ کی نفی کی گئی ہے، تو اس سے بغیر احاطہ کے رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے۔

''وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا''(۲)

اور اللہ سے کلام کرنا کسی بشر کے لائق نہیں ہے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا اللہ کوئی فرشتہ بھیج دے۔

اس آیت سے استدلال کے حسب ذیل جوابات ہیں:

۱۔ اس آیت میں رویت کے وقت کلام کی نفی کی گئی ہے تو یہ جائز ہے کہ جس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہو اس وقت اس سے کلام نہ کیا ہو۔

۲۔ یہ آیت ''عام مخصوص عنہ البعض'' ہے، اور اس کا مخصص وہ دلائل ہیں جن سے رویت ثابت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عام قاعدہ یہی ہے لیکن سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔

۳۔ مشاہدہ کے وقت جس وحی کی نفی کی گئی ہے وہ بلا واسطہ وحی ہے اور ہو سکتا ہے کہ دیدار کے وقت آپ پر کسی واسطہ سے وحی کی گئی ہو۔

۱۔ الانعام ۶:۱۰۳ ۲۔ شوریٰ:۵۱۔

جمہور مفسرین کا قول مختار یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ نے شب اسراء اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کا دیدار کیا، پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ ﷺ نے دل کی آنکھوں سے دیدار کیا یا سر کی آنکھوں سے، امام ابوالحسن الواحدی نے بیان کیا مفسرین نے کہا ان احادیث میں یہ بیان ہے کہ نبی ﷺ نے شب معراج اپنے رب کا دیدار کیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، اور حضرت ابراہیم التیمی نے یہ کہا کہ آپ ﷺ نے دل سے دیدار کیا، امام ابوالحسن نے کہا اس رائے کے مطابق آپ نے صحیح طریقہ سے اپنے رب کو دل کی آنکھوں سے دیکھا اور وہ طریقہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی آنکھ آپ ﷺ کے دل میں رکھ دی، یا آپ ﷺ کے دل میں ایک آنکھ پیدا کر دی حتیٰ کہ آپ نے اس طرح رویت صحیحہ کے ساتھ اپنے رب کو دیکھا جس طرح سر کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ امام ابوالحسن نے کہا اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یہ حضرت انس عکرمہ، حسن اور ربیع رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس رویت کی نفی کی گئی ہے وہ رویت ''علی وجہ الاحاطہ'' ہے، نیز علامہ قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں یہ لکھا ہے کہ الابصار جمع معرف باللام ہے اور یہ تخصیص کو قبول کرتی ہے اس لیے اس (لا تدرکہ الابصار) کا معنی یہ ہے کہ کفار کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس تخصیص پر یہ دلیل ہے کہ قرآن مجید میں کافروں کے متعلق ہے

''کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون''(۲)

حق یہ ہے کہ بے شک وہ کفار اس دن وہی اپنے رب کے دیدار سے ضرور محروم ہوں گے۔

اور قرآن مجید میں مومنوں کے متعلق ہے:

''وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ''۔(۳)

کتنے ہی چہرے اس دن تروتازہ ہونگے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔

اور جب آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رویت جائز ہے تو دنیا میں بھی جائز ہے، کیونکہ دونوں وقتوں میں بہ حیثیت امکان کوئی فرق نہیں۔ علامہ قرطبی کا یہ استدلال بہت عمدہ ہے قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو عقلاً دیکھنا جائز ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مومنین آخرت میں اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مومن دنیا میں اللہ تعالیٰ کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ دنیا میں مومن فانی ہیں اور اللہ تعالیٰ باقی ہے اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا اور آخرت میں مومنین کو بقا عطا کی جائے گی، تو پھر وہ باقی آنکھوں سے بقاء کا جلوہ دیکھ لیں گے اور اس کی تائید صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے: ''جب تک تم پر موت نہ آئے تم ہرگز اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے'' تو اگرچہ عقلاً دنیا میں رویت جائز ہے لیکن شرعاً ممتنع ہے، اور نبی ﷺ کے لیے رویت کے ثبوت کی

۱۔ شرح مسلم، ج۱، ص۹۷　۲۔ منافقون ۶۳:۱۵　۳۔ قیامت: ۲۳۔۲۲

دلیلیہ ہے کہ متکلم اپنے کلام کے عموم میں داخل نہیں ہوتا، (یا یہ قاعدہ عام مخصوص عنہ البعض ہے۔)

متقدمین کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رویت کا انکار کرتے ہیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایات مختلف ہیں، اور ایک جماعت کے نزدیک رویت ثابت ہے، امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے، کعب احبار رضی اللہ عنہ، زہری، معمر رضی اللہ عنہ اور دوسروں نے اسی پر وثوق کیا ہے، امام ابوالحسن اشعری اور ان کے اکثر متبعین کا بھی یہی قول ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا یا دل کی آنکھوں سے؟ اس میں امام احمد کے دو قول ہیں، بعض احادیث میں حضرت ابن عباس نے مطلقاً کہا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا اور بعض روایات میں ہے آپ نے اپنے دل سے دیکھا، اور مطلق روایت کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے، امام نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کیا تم اس پر تعجب کرتے ہو کہ ''خلت'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہو کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہو اور رویت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہو، اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے بھی روایت کیا ہے۔

اور امام ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی شخص کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا اور یہ پوچھا: آیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا ہاں اور امام مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اپنے رب کو دو بار اپنے دل سے دیکھا'' اور امام ابن مردویہ نے صراحت کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو نہیں دیکھا اپنے دل سے دیکھا ہے اور اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نفی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثبات کو جمع کرنا ممکن ہے بایں طور کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نفی کو رویت بصری پر محمول کیا جائے اور حضرت ابن عباس کے اثبات کو رویت قلبی پر محمول کیا جائے گا۔ اور رویت قلبی سے فقط حصول علم مراد نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا دائماً علم تھا، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو اس طرح رویت حاصل ہوئی جس طرح دوسروں کو آنکھ سے رویت حاصل ہوتی ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے مفہم شرح مسلم میں اس مسئلہ میں توقف کرنے کو ترجیح دی ہے۔ انہوں نے کہا اس مسئلہ میں کسی جانب بھی دلیل قطعی نہیں ہے اور دلائل متعارض ہیں اور یہ مسئلہ عملی نہیں ہے حتیٰ کہ اس میں دلائل ظنیہ کافی ہوں بلکہ یہ اعتقادی مسئلہ ہے اور اس میں دلیل قطعی کی ضرورت ہے نیز انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک بار سر کی آنکھ سے دیکھا اور ایک بار دل کی آنکھ سے دیکھا، خلال نے ''کتاب السنۃ'' میں مروزی سے روایت کیا ہے کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا انکار کرتی ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا، ان کے اس قول کا کیا جواب ہوگا۔ امام احمد نے کہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے اس قول کو نبی ﷺ کی اس حدیث سے مسترد کر دیا جائے گا کہ "میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے" اور نبی ﷺ کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر راجح اور مقدم ہے۔(۱)

علامہ سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ شب معراج نبی ﷺ نے اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کی حدیث ہے اور اس چیز کا اثبات رسول اللہ ﷺ سے سماع کے بغیر ممکن نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو کہا ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث پر اس کی بنیاد نہیں رکھی، ان کا استدلال قرآن مجید کی آیات سے ہے، اور اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں جس ادراک کی نفی ہے وہ "ادراک علی وجہ الا حاطہ" ہے، اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ رویت کی نفی کی گئی ہے، تو اس سے بلا احاطہ رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔

شبِ معراج دیدارِ الٰہی کے متعلق علماء احناف کا نظریہ:

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رویت کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رویت باری کا اثبات کرتے ہیں، ان میں کیسے موافقت ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رویت بصری کا انکار کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رویت قلبی کا اثبات کرتے ہیں، امام ابن خزیمہ نے "کتاب التوحید" میں بہت تفصیل سے شب معراج میں رویت باری کو ثابت کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے، ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے اور ایک مرتبہ دل کی آنکھوں سے۔(۲)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آپ نے شب اسراء اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے متعدد اسانید کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کے منافی نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

"مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ"(۳)

آپ ﷺ کی آنکھ نے جو جلوہ دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہیں کی، آپ ﷺ کی نظر ایک طرف مائل ہوئی نہ حد سے بڑھی۔

امام حاکم، امام نسائی اور امام طبرانی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (بلا واسطہ

۱۔ فتح الباری، ج۸، ص۶۰۹۔۶۰۷ ۲۔ عمدۃ القاری، ج۱۹، ص۱۹۹ ۳۔ النجم ۵۳: ۱۷۔۱۱

کلام کے ساتھ) حضرت موسیٰ کو خاص کر لیا اور حضرت ابراہیم کو خلیل ہونے کے ساتھ خاص کر لیا اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کو رویت کے ساتھ خاص کر لیا اس سے مراد، رویت بصری ہے نہ کہ رویتِ قلبی، کیونکہ رویتِ قلبی سیدنا محمد ﷺ کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر نبی علیہ السلام کو حاصل ہے اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ خلیل ہونا اور ہمکلام ہونا بھی سیدنا محمد ﷺ کو حاصل ہیں پھر ہمکلام ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اور خلیل ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصیت کیسے رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ ہمارے نبی ﷺ مقام اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہوئے اور آپ خلیل ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی ہیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلیم ہونا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خلیل ہونا ایک وصف مشہور تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے زمین پر ہم کلام ہوئے اور سیدنا محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ عرش پر ہمکلام ہوا۔ (۱)

ملا علی قاری حنفی نے بھی اختصار کے ساتھ یہی لکھا ہے۔ (۲)

جمہور مفسرین کا یہ مذہب ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کو دیکھا ہے پھر اس دیکھنے میں اختلاف ہے، ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ آپ نے اپنے دل سے اللہ سبحانہ کو دیکھا ہے، آنکھوں سے نہیں دیکھا، امام ابوالحسن الواحدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان احادیث میں یہ بیان ہے کہ نبی ﷺ نے شبِ اسراء اپنے رب سبحانہ کو دیکھا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابراہیم التیمی نے یہ کہا کہ آپ نے اپنے قلب سے رویت صحیحہ کے ساتھ دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی بصر آپ کے قلب میں رکھ دی تھی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس طرح صحیح رویت کے ساتھ دیکھا جس طرح آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ عمدہ قول ہے اور بہترین توجیہ ہے اس طرح متفرق اقوال جمع ہو جاتے ہیں، پھر امام واحدی نے یہ کہا کہ مفسرین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں کے ساتھ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو دیکھا، یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، عکرمہ رضی اللہ عنہ اور ربیع رضی اللہ عنہ کا قول ہے، قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا کہ متقدمین اور متاخرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا شب معراج نبی ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا یا نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا انکار کیا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت مشہور ہے اور محدثین اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے اور حضرت ابن عباس سے یہ روایت ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا اور حضرت ابوذر اور کعب احبار سے بھی اسی طرح مروی ہے حسن بصری اس پر قسم کھاتے تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی نظریہ ہے، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا ہمارے نبی ﷺ نے شب معراج اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کیا ہے یا نہیں؟ امام اشعری

۱۔ نسیم الریاض، ج ۲، ص ۲۸۷۔۲۸۸　۲۔ شرح الشفا علی ہامش نسیم الریاض، ج ۲، ص ۲۸۷۔۲۸۸

اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے کلام کیا ہے۔ امام جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی منقول ہے، اسی طرح ''ثم دنی فتدلی'' میں اختلاف ہے، اکثر علماء کا یہ نظریہ ہے کہ اس سے حضرت جبرائیل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین قرب مراد ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ، جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم سے یہ مروی ہے کہ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے مابین قرب مراد ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ سے قرب کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا بہت عظیم مرتبہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کے انوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں چمک رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ملک کے ان اسرار اور غیوب پر مطلع فرمایا ہے جس پر کسی کو اطلاع نہیں دی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا عظیم فضل اور احسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے اور ''قاب قوسین او ادنی'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم اور بے نہایت عنایت بیش از بیش آپ کو حاصل ہوگئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت سے متوجہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معروضات کو شرف استجابت عطا فرماتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث قدسی ہے۔

''جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔''(۱)

شیخ عبدالحق حنفی رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

صحابہ کا اس میں اختلاف تھا کہ آیا شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اللہ سبحانہ کو دیکھا ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس کی نفی کرتی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا اثبات کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ صحابہ کرام کی جماعتیں متفق ہوگئیں، اسی طرح تابعین میں سے بھی بعض حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نظریہ کے قائل تھے اور بعض حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نظریہ کے قائل تھے، اور بعض نے اس مسئلہ میں توقف کیا، لیکن جمہور علماء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نظریہ کے قائل ہیں اور علامہ محی الدین نووی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء عظام کا مذہبِ مختار یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سبحانہ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ کہ حضرت ابن عباس کا یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع پر محمول ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محض اپنے اجتہاد سے انکار کیا ہے۔

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول متعین ہے کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کے بغیر یہ بات نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ ان کے لیے جائز ہے کیونکہ اجتہاد سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ کیا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا، ہاں، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو تسلیم کرلیا۔

اکثر مشائخ صوفیہ کا مذہبِ مختار یہ ہے کہ آپ نے اپنے رب سبحانہ کو دیکھا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کمال حاصل ہوا جو مخلوق کی عقلوں سے ماوراء ہے اور معراج کی شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کمال حاصل ہوا وہ تمام کمالات سے بڑھ کر تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شب اللہ تعالیٰ کا وہ قرب نصیب ہوا جو انسانی عقل سے ماوراء ہے۔(۲)

۱۔ مرقات ج ۱۰، ص ۳۴۹ ۲۔ اشعۃ اللمعات ج ۴، ص ۴۳۱

علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور مجھے دیدار عطا کیا (الی قولہ) اور بعض علماء نے کہا آپ نے اپنے رب کو دل سے دیکھا ہے یہ قول سنت کے خلاف ہے اور مذہب صحیح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے رب کو سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔(۱)

علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب محبوب اپنے رب سے انتہائی قریب ہوئے تو آپ ﷺ پر ہیبت طاری ہوگئی ،تب اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ انتہائی لطف سے پیش آیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے وہی کہا، جو حبیب، حبیب سے کہتا ہے اور ان کے مابین وہی راز و نیاز ہوئے جو حبیب اور حبیب کے درمیان راز و نیاز ہوتے ہیں۔

صوفیا عظام رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے اور نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس طرح قریب ہوئے جو ان کی شان کے لائق ہے اور" مازاغ البصر" کی تفسیر میں یہ کہا کہ نبی ﷺ کی نظر اللہ کے جلوہ سے نہیں ہٹی، آپ ﷺ جنت اور اس کی زینت کی طرف ملتفت ہوئے نہ جہنم اور اس کے شعلوں کی طرف متوجہ ہوئی۔ بلکہ جمال ذات کو محویت سے دیکھتے رہے اور" ماطغیٰ" کی تفسیر میں کہا آپ صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹے، ابوحفص سہروردی نے کہا آپ کی نظر بصیرت میں کمی نہیں ہوئی اور بصر نے بصیرت سے تجاوز نہیں کیا اور سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا نبی ﷺ نے اپنی ذات کو دیکھا نہ کسی اور شے کو وہ صرف جمال ذات کو دیکھتے رہے اور صفات الٰہیہ کا مطالعہ کرتے رہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ نبی ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا اور آپ ﷺ اپنے رب کے اس طرح قریب ہوئے جو آپ ﷺ کی شان کے لائق ہے۔(۲)

واقعہ معراج کی تاریخ:

ملاعلی قاری لکھتے ہیں:

بہ کثرت علماء محدثین نے یہ کہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے علامہ نووی نے ذکر کیا ہے کہ متقدمین عظام جمہور محدثین اور فقہاء رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ واقعہ معراج بعثت کے سولہ ماہ بعد ہوا، علامہ سبکی نے کہا اس پر اجماع ہے کہ واقعہ معراج مکہ میں ہوا اور مختار وہ ہے جو ہمارے شیخ ابومحمد دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی ہے اور سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ واقعہ معراج ماہ رجب کی ستائیس تاریخ کو ہوا جیسا کہ حرمین شریفین میں اسی پر عمل ہوتا ہے، ایک قول یہ ہے کہ معراج "الربیع الاخر" میں ہوئی ایک قول یہ ہے کہ رمضان میں ہوئی ایک قول یہ ہے کہ شوال میں ہوئی اس کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں۔(۳)

۱۔ روح البیان، ج۹ص۲۲۲ ۲۔ روح المعانی، ج۲۷،ص۱۵۴ ۳۔ شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض، ج۲،ص۲۴۴

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے روضہ میں لکھا ہے کہ اعلان نبوت کے دس سال بعد واقعہ معراج ہوا، اور ''فتاویٰ نووی'' میں ہے کہ نبوت کے پانچویں یا چھٹے سال معراج ہوئی، فاضل ملا امین عمری رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح ذات الشفاء'' میں وثوق سے لکھا ہے کہ بعثت کے بارہ سال بعد معراج ہوئی اور ابن حزم نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ معراج الربیع الاول میں ہوئی، اور شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ''الربیع الاخر'' میں ہوئی اور روضہ میں وثوق سے لکھا ہے کہ رجب میں ہوئی۔ ایک قول رمضان کا اور ایک قول شوال کا ہے اور یہ ستائیسویں شب کو واقع ہوئی بعض نے کہا جمعہ کی شب ہوئی، بعض نے کہا، ہفتہ کی شب ہوئی۔ علامہ دمیری نے ابن الاثیر سے نقل کیا ہے کہ معراج پیر کی شب ہوئی۔ (۱)

واقعہ معراج کی ابتدائی جگہ:

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس میں بھی اختلاف ہے کہ معراج کس جگہ سے ہوئی، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں نیند اور بیداری کے عالم میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہاں سے یہاں تک (گلے سے ناف تک) سینہ چاک کیا۔

امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور امام ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ام ہانی سے یہ روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد ان کے (حضرت ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب کے گھر سوئے ہوئے تھے تو آپ کو معراج کرائی گئی اور اسی شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ آئے۔ (۲)

ان روایات میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سوئے پھر وہاں سے اٹھ کر آپ حطیم کعبہ چلے گئے اور وہاں سے سفر معراج شروع ہوا اور چونکہ ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر تھے اور بعد میں حطیم کعبہ تشریف لے گئے اس لیے دونوں جگہوں کی طرف معراج کی نسبت کر دی گئی بعض روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے معراج ہوئی، اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے تعلق کی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی کے گھر کو اپنا گھر فرمایا، اس کی مزید تفصیل ان شاءاللہ عنقریب آئے گی۔

معراج کی احادیث میں تعارض کی توجیہہ:

واقعہ معراج تیس سے زیادہ صحابہ کرام سے مروی ہے اور کسی ایک روایت میں بھی مفصل پورا واقعہ مذکور نہیں ہے۔ صحیح

۱۔ روح المعانی، ج ۱۵ص ۴۔۷　　۲۔ روح المعانی ج ۱۵ص ۵

بخاری کی کسی روایت میں مسجد اقصیٰ جانے کا ذکر نہیں ہے، اس کا ذکر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، کسی روایت میں شق صدر کا ذکر نہیں ہے اور کسی میں براق پر سوار ہونے کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کا امام بخاری نے ذکر نہیں کیا ہے، اس کا ذکر امام بیہقی، امام ابن جریر، حافظ ابن کثیر، علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے کیا ہے، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج متعدد بار متعدد صحابہ کرام کے سامنے بیان فرمایا اور ہر شخص کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صلاحیت اور استعداد کے اعتبار سے واقعہ بیان فرمایا اس وجہ سے یہ تمام روایات غیر مربوط اور باہم متعارض ہیں۔

صحیح مسلم کے متن میں ہم نے امام مسلم کی روایات ذکر کر دی ہیں، اب ہماری کوشش یہ ہے کہ ہم واقعہ معراج کو مختلف کتب حدیث سے اخذ کر کے مربوط طریقہ سے پیش کریں اور جو چیز پہلے ہے اسے پہلے اور جو بعد میں موجود ہے اس کو بعد میں ذکر کریں، صحاح کی روایات سے واقعہ معراج کو نقل کرنے کے بعد ہم امام بیہقی کے حوالے سے عالم برزخ دیکھے ہوئے واقعات پیش کریں گے، اس کے بعد ہم ان احادیث کے اسرار اور نکات بیان کریں گے فنقول وباللہ التوفیق وبہ الا ستعانۃ۔

کتب احادیث کے مختلف اقتباسات سے واقعۂ معراج کا مربوط بیان:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس رات کا بیان فرمایا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی تھی، آپ نے فرمایا جس وقت میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا کہ اچانک میرے پاس ایک آنے والا (فرشتہ) آیا اور اس نے میرا سینہ یہاں سے یہاں تک چاک کر دیا راوی کہتے ہیں کہ میرے پہلو میں جارود تھے میں نے ان سے پوچھا: یہاں سے یہاں تک کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا حلقوم سے ناف تک، آپ نے فرمایا پھر میرا دل نکالا، پھر ایک سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے لبریز تھا، پھر میرا دل دھویا گیا، پھر اس کو ایمان اور حکمت سے لبریز کیا گیا پھر اس کو اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔(۱)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب التوحید'' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سوئے ہوئے تھے کہ تین فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے اٹھا کر زمزم پر لے گئے، ان فرشتوں کے سردار متولی حضرت جبرائیل تھے، پھر حضرت جبرائیل نے آپ کے حلقوم اور ناف کے درمیان سینہ کو چاک کیا پھر اپنے ہاتھ سے دل کو زمزم کے پانی سے دھویا حتیٰ کہ پیٹ کو صاف کر دیا پھر سونے کا ایک تشت لایا گیا جو ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا تھا، پھر ایمان اور حکمت کو سینہ میں بھر دیا اور تمام گوشت اور رگوں میں ایمان اور حکمت کو سمو دیا گیا پھر سینہ کو بند کر دیا گیا۔(۲)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کرائی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

۱۔ صحیح بخاری، ج۱، ص ۵۴۸ ۲۔ صحیح بخاری، ج۲، ص ۱۱۲۰

براق لایا گیا جس کو لگام ڈالی ہوئی تھی اور اس پر زین چڑھائی ہوئی تھی، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شوخی سے اُچھل کود، کی تو اس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کیا تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح کر رہے ہو؟ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مکرم شخصیت آج تک تم پر سوار نہیں ہوئی، تب براق تھم گیا اور اس کا پسینہ بہنے گا۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میرے پاس ایک سواری لائی گئی جو خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی تھی، اس کا رنگ سفید تھا، جارود نے کہا: اے ابو حمزہ (حضرت انس) کیا وہ براق تھا؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں وہ منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا مجھے اس پر سوار کرایا گیا اور جبرائیل مجھے لے کر چلے''۔(۲)

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

''عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال مررت على موسى ليلة اسرى بى عند الكثيب الا حمرو هوقائم يصلى فى قبره''۔(۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی، میرا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کثیب احمر کے پاس سے گذر ہوا اس وقت وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو سات سندوں سے روایت کیا ہے۔(۴)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو چھ سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔(۵)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔(۶)

امام ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔(۷)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں شبِ معراج کا واقعہ بیان کیجئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے مسجد حرام میں عشاء کی نماز پڑھی پھر میں سو گیا، پھر ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے بیدار کیا، میں بیدار ہوا، مجھے کچھ نظر نہ آیا، پھر میں مسجد سے باہر نکلا اور غور سے دیکھا تو مجھے خچر کے مشابہ ایک جانور نظر آیا اس کے کان اوپر اٹھے ہوئے تھے اور اس کو براق کہا جاتا ہے، اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام اس قسم کے جانور پر سواری کرتے تھے وہ

۱۔ جامع ترمذی، ص ۲۴۴۸۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۴۹۔۵۴۸ ۳۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۶۸

۴۔ سنن نسائی، ج ۱، ص ۱۷۰۔۵۱۶۹۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۲۴۸، ۱۴۴ ۶۔ دلائل النبوۃ ج ۲، ص ۳۸۷

۷۔ مسند ابویعلی، ج ۴، ص ۱۴۱۔۱۴۰، ۱۴۰، ۱۳۵

منتہائے نظر پر قدم رکھتا تھا، میں اس پر سوار ہوا، جس وقت میں اس پر سواری کر رہا تھا، تو مجھے دائیں جانب سے کسی شخص نے آواز دی "یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتا ہوں تم مجھے دیکھو، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتا ہوں تم مجھے دیکھو، میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور اس کے پاس نہیں ٹھہرا، پھر مجھے بائیں جانب سے کسی نے آواز دی یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتا ہوں تم مجھے دیکھو، میں نے اس کو بھی جواب نہیں دیا، اور نہ اس کے پاس ٹھہرا، پھر اسی سیر کے دوران میں ایک عورت انتہائی زینت سے آراستہ اپنی باہیں کھولے کھڑی تھی، اس نے بھی کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتی ہوں، مجھے دیکھو میں نے اس کی طرف بھی التفات نہیں کیا نہ اس کے پاس ٹھہرا حتیٰ کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا، میں نے اس حلقہ میں اپنی سواری کو باندھا جس حلقے میں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھتے تھے، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام میرے پاس دو برتن لے کر آئے، ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ، میں نے دودھ پی لیا، اور شراب کو چھوڑ دیا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ نے فطرت کو پالیا، میں نے کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راستہ میں کیا دیکھا تھا؟ میں نے کہا جب جا رہا تھا تو دائیں جانب سے ایک شخص نے مجھے پکار کر کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتا ہوں، مجھے دیکھو، میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ بلانے والا ایک یہودی تھا اگر آپ اس کی دعوت پر لبیک کہتے اور اس کے پاس ٹھہر جاتے، تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں جا رہا تھا ایک شخص نے مجھے بائیں جانب سے آواز دی یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتا ہوں مجھے دیکھو، جبرائیل نے کہا یہ عیسائی تھا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعوت پر لبیک کہتے، تو آپ کی امت عیسائی ہو جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی سیر کے دوران ایک عورت انتہائی زینت سے آراستہ اپنی باہیں کھولے کھڑی تھی اس نے بھی کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے سوال کرتی ہوں مجھے دیکھو، میں نے اس کو جواب نہیں دیا اور نہ اس کے پاس ٹھہرا، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ دنیا تھی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جواب دیتے، تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر اختیار کر لیتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر میں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے، اور ہم میں سے ہر ایک نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر میرے پاس ایک معراج (نورانی سیڑھی) لائی گئی جس پر بنو آدم کی روحیں اس وقت چڑھتی ہیں جب تم دیکھتے ہو کہ میت کی آنکھیں آسمان کی طرف کھلی ہوئی ہیں وہ بہت حسین معراج تھی، کسی مخلوق نے ایسی معراج نہ دیکھی ہوگی، میں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس معراج پر چڑھے، حتیٰ کہ ہماری ملاقات آسمان دنیا کے فرشتے سے ہوئی اس کا نام اسماعیل تھا، اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے تھے اور ان میں سے ہر فرشتے کے ماتحت ایک لاکھ فرشتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ" (۱)

۱۔ مدثر ۷۴: ۳۱

آپ ﷺ کے رب کے لشکروں کو صرف وہی (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے۔

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا، کہا گیا: یہ کون ہے؟ کہا جبرائیل، پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا پھر میں نے حضرت آدم کو ان کی اس صورت میں دیکھا جس میں انہیں بنایا گیا تھا، ان پر جب ان کی اولاد میں سے مومنین کی روحیں پیش کی جاتیں، تو فرماتے یہ پاکیزہ روح ہے اس کو ''علیین'' میں لے جاؤ اور جب ان پر ان کی اولاد میں سے کفار کی روحیں پیش کی جاتیں تو فرماتے یہ خبیث روح ہے اس کو ''سجین'' میں لے جاؤ، ابھی میں کچھ ہی چلا ہوں گا کہ میں نے دیکھا ہے کہ دستر خوان بچھے ہوئے اور ان پر نہایت نفیس بھنا ہوا گوشت رکھا ہے، اور دوسری جانب اور خوان رکھے ہیں جن پر نہایت بدبودار اور سڑا ہوا گوشت رکھا ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو عمدہ گوشت کے، تو پاس نہیں جاتے اور سڑا ہوا بدبودار گوشت کھا رہے ہیں، میں نے کہا: اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ ﷺ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کے پاس جاتے ہیں، پھر میں کچھ آگے چلا، تو کچھ اور لوگوں کو دیکھا ان کے پیٹ کوٹھڑیوں کی طرح ہیں ان میں سے جب بھی کوئی اٹھتا تو گر جاتا اور کہتا ہے اے اللہ قیامت کو قائم نہ کرنا ان کو فرعونی جانور روندر ہے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہے تھے، میں نے کہا اے جبرائیل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ ﷺ کی امت میں سے سود کھانے والے ہیں یہ قیامت کے دن اس طرح اٹھیں گے جس طرح آسیب زدہ شخص اٹھتا ہے، پھر میں کچھ آگے چلا تو ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹوں کے ہونٹوں کی طرح تھے ان کے منہ کھول کر ان میں پتھر ڈالے جاتے پھر وہ پتھر ان کے نچلے دھڑ سے نکل جاتے، میں نے ان کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہوئے سنا، میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو ظلماً یتیموں کا مال کھاتے تھے دراصل یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے تھے اور عنقریب یہ لوگ جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر میں کچھ آگے چلا، تو دیکھا کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں میں نے سنا وہ اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہی تھیں، میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون عورتیں ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے زنا کرنے والیاں ہیں، پھر میں کچھ اور آگے چلا تو دیکھا کہ لوگوں کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جا رہا ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے اس کو کھاؤ جیسا کہ تم (دنیا میں) اپنے بھائی کا گوشت کھاتے تھے، میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ آپ کی امت میں سے غیبت کرنے والے اور چغلی کرنے والے لوگ ہیں۔ (۱)

اس حدیث کو امام ابن جریر نے سورہ اسراء کی تفسیر میں اپنی سند سے روایت کیا ہے، اور اس کو امام ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابوھارون عبدی متروک ہے اس حدیث کو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام ابن جریر کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (۲)

۱۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۹۰۔۳۹۳ ۲۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۵۷۔۲۵۴

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سبحان الذی اسری بعبده الاية کی تفسیر میں فرمایا:

میرے پاس ایک گھوڑی لائی گئی اور اس پر مجھ کو سوار کرایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا قدم منتائے بصر پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی چلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کے پاس پہنچے جو ایک دن فصل بوتی تھی اور دوسرے دن فصل کاٹ لیتی تھی، اور جس قدر وہ فصل کاٹتے تھے اتنی ہی فصل بڑھ جاتی تھی آپ نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے ہیں، ان کی نیکیوں کو سات گنا تک بڑھا دیا گیا ہے، اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اور چیز لے آتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کے پاس آئے جن کے سروں کو پتھروں سے کچلا جا رہا تھا، اور جب سر کچل دیا جاتا، تو وہ پھر درست ہو جاتا اور ان کو مہلت نہ ملتی (کہ پھر سر کچل دیا جاتا) میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کے سر (فرض) نماز کے وقت بھاری ہو جاتے تھے، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس گئے جن کے آگے اور پیچھے کپڑوں کی دھجیاں تھیں اور وہ کانٹے دار درخت زقوم کو جانوروں کی طرح چر رہے تھے پتھر اور انگارے کھا رہے تھے میں نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر بالکل ظلم نہیں کیا اور نہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس آئے جن کے سامنے دیگچیوں میں پاکیزہ گوشت پکا ہوا رکھا تھا اور دوسری جانب سڑا ہوا خبیث گوشت رکھا ہوا تھا، وہ سڑے ہوئے خبیث گوشت کو کھا رہے تھے اور پاکیزہ گوشت کو چھوڑ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب بیوی تھی اور وہ اس کو چھوڑ کر رات بھر بدکار عورت کے پاس رہتے تھے، پھر آپ نے دیکھا کہ راستے میں ایک لکڑی ہے جو ہر کپڑے کو پھاڑ دیتی ہے اور ہر چیز کو زخمی کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ'' (۱)

اور ہر راستہ پر اس لیے نہ بیٹھو کہ مسلمانوں کو ڈراؤ۔

آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ان لوگوں کی مثال ہے جو لوگوں کا راستہ روک کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جس نے لکڑیوں کا ایک گٹھا جمع کر لیا جس کو وہ اٹھا نہیں سکتا تھا، اور وہ اس گٹھے میں مزید لکڑیاں ڈالنا چاہتا تھا آپ نے فرمایا اے جبرائیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے وہ شخص ہے جس کے

۱۔ الاعراف ۷: ۸۶

پاس امانتیں تھیں اور وہ ان کو ادا نہیں کر سکتا تھا اور وہ مزید امانتیں رکھ لیتا تھا، پھر آپ ایک ایسی قوم کے پاس سے گذرے جن کی زبانیں اور ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، اور جب بھی ان کو کاٹ دیا جاتا وہ پھر پہلے کی طرح ہو جاتے اور ان کو ذرا مہلت نہ ملتی، آپ نے کہا اے جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ آپ ﷺ کی امت کے فتنہ پرور خطیب ہیں، پھر آپ کا گزر ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے ہوا جس کے سوراخ سے ایک بڑا بیل نکل رہا تھا، پھر وہ بیل اس سوراخ میں داخل ہونا چاہتا لیکن داخل نہ ہو سکتا، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ شخص ہے کوئی (بڑی بڑی) بات کہہ کر اس پر نادم ہوتا ہے، اس کو واپس لینا چاہتا ہے اور واپس نہیں لے سکتا۔ پھر آپ ﷺ کا گذر ایک ایسی وادی سے ہوا جہاں سے بہت خوش گوار ٹھنڈی اور خوشبودار ہوا آ رہی تھی، جس میں مشک کی خوشبو تھی، اور وہاں سے آواز آ رہی تھی، آپ ﷺ نے پوچھا اے جبرائیل یہ مشک کی خوشبو والی پاکیزہ ہوا کیسی ہے اور یہ آواز کیسی ہے؟ انہوں نے کہا یہ جنت کی آواز ہے جو یہ کہہ رہی ہے کہ اے اللہ مجھ سے اپنا کیا ہوا وعدہ پورا کر اور مجھے میرے اہل عطا فرما کیونکہ میری خوشبو میرا ریشم میرا سندس اور استبرق، میرے موتی میرے مرجان میرے مونگے، میرا سونا، اور چاندی میرے کوزے اور کٹورے، میرا شہد، میرا دودھ، اور میری شراب بہت زیادہ ہو گئے ہیں پس تو اپنے وعدہ کے مطابق مجھے اہل جنت عطا فرما، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرے لیے ہر مسلم اور مسلمہ ہے اور ہر مومن اور مومنہ ہے جو مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائیں اور اعمال صالحہ کریں اور میرے ساتھ بالکل شرک نہ کریں اور میرے سوا کسی کو شریک نہ بنائیں اور جو مجھ سے ڈریں گے میں ان کو امان دوں گا اور جو مجھ سے سوال کریں گے میں ان کو عطا کروں گا اور جو مجھے قرض دیں میں ان کو جزا دوں گا اور جو مجھ پر توکل کریں گے میں ان کے لیے کافی ہوں اور میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں میں وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ جنت نے کہا میں راضی ہو گئی۔

پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر آئے جہاں سے نہایت بری، بھیانک اور مکروہ آوازیں آ رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا اے جبرائیل علیہ السلام یہ کیسی آوازیں ہیں، انہوں نے کہا یہ جہنم کی آواز ہے جو کہہ رہی ہے مجھے اہل دوزخ عطا کر جن کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، کیونکہ میرے طوق میری زنجیریں، میرے شعلے اور میری گرمی، میرا تھور میرا لہو اور پیپ اور میرے عذاب اور سزا کے اسباب بہت وافر ہو گئے ہیں میری گہرائی بہت زیادہ ہے میری آگ بہت تیز ہے، مجھے وہ لوگ دے جن کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہر مشرک اور کافر خبیث اور منکر بے ایمان مرد اور عورت تیرے لیے ہے یہ سن کر جہنم نے کہا میں راضی ہو گئی۔ آپ نے فرمایا پھر آپ روانہ ہوئے حتیٰ کہ بیت المقدس پر آئے، اور آپ ﷺ نے ایک پتھر کے پاس اپنی سواری باندھی اور پھر آپ ﷺ بیت المقدس میں داخل ہوئے اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر جب آپ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو انہوں نے کہا اے جبرائیل یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ سیدنا محمد رسول اللہ ہیں اور خاتم النبیین ہیں، انہوں نے پوچھا کیا انہیں

بلایا گیا ہے؟ جبرائیل نے کہا ہاں انہوں نے کہا اللہ ہمارے بھائی اور ہمارے خلیفہ کو سلامت رکھے وہ اچھے بھائی اور خلیفہ ہیں انہیں خوش آمدید ہو، پھر انبیاء علیہم السلام کی روحیں آئیں، انہوں نے اپنے رب کی ثناء کی پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔

''الحمدالله الذی اتخذا براهیم خلیلا و اعطانی ملکا عظیما و جعلنی امته قانتا الله یوتم بی وانقذنی من النار وجعلها علی برد ا وسلاما''۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور جس نے مجھے عظیم ملک دیا اور مجھے اللہ سے ڈرنے والی امت بنایا، میری پیروی کی جاتی ہے اور مجھے آگ سے بچایا اور اس آگ کو میرے لیے ٹھنڈک اور سلامتی کر دیا۔

پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے کہا:

الحمد الله الذی خولنی ملکاوانزل علی الزبور و الن لی الحدید وسخر لی الطیر والجبال ، واتانی الحکمة وفصل الخطاب''۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے حکومت کی نعمت دی اور مجھ پر زبور نازل کی اور لوہے کو میرے لیے نرم کر دیا اور پرندوں اور پہاڑوں کو میرے لیے مسخر کر دیا مجھے حکمت دی اور فیصلہ سنانے کا منصب دیا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے فرمایا:

''الحمد الله الذی سخرلی الریاح والجن والانس وسخر لی الشیاطین یعلمون ما شئت من محاریب وتماثیل الایة و علمنی منطق الطیر وکل شئی واسال لی عین القطر واعطانی ملکا عظیما لاینبغی لاحد من بعدی۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے لیے ہواؤں، جنوں اور انسانوں کو مسخر کر دیا اور میرے لیے شیاطین کو مسخر کر دیا جو عمارتیں اور مجسمے بناتے تھے اور مجھے پرندوں کی بولی سکھائی اور ہر چیز سکھائی، میرے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا، اور مجھے ایسا عظیم ملک دیا جو میرے بعد کسی اور کے لیے سزاوار نہیں ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے کہا:

''الحمد الله الذی علمنی التور اة والانجیل وجعلنی ابری الا کمه والابرص واحی الموتی باذنه ورفعنی وطهرنی من الذین کفر وا.واعاذنی وامی من الشیطان الرجیم فلم یکن للشیطان علیها سبیل''۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے تورات اور انجیل کی تعلیم دی اور مجھے مادرزاد اندھوں اور برص والوں کو ٹھیک کرنے والا بنایا اور میں اس کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور مجھے آسمان پر اٹھایا اور مجھے کفار سے نجات دی اور مجھے اور میری والدہ کو شیطان رجیم سے محفوظ رکھا، شیطان کا ان پر زور نہیں۔

پھر حضرت سیدنا محمد ﷺ نے اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے فرمایا:

''الحمد الله الذی ارسلنی رحمة للعلمین و کانة للناس بشیرا ونذیرا وانزل علی الفرقان فیه تبیان لکل شئی وجعل امتی خیرا مة اخرجت للناس و جعل امتی امة وسطا وجعل امتی هم الا ولون وهم الاخرون و شر ح صدر ی ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا وخاتما ۔''

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا اور مجھ پر قرآن کو نازل کیا جس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے بہتر بنایا اور میری امت کو امتِ وسط بنایا اور میری امت کو اول اور آخر بنایا، اور میرا سینہ کھول دیا اور مجھ سے بوجھ اتار دیا اور میرا ذکر بلند کیا اور مجھے ابتداء کرنے والا اور انتہاء کرنے والا بنایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر فرمایا: انھی فضائل کی وجہ سے تم سب پر محمد ﷺ کو فضیلت دی گئی ہے۔

اس کے بعد نبی ﷺ نے تمام نبیوں کو نماز پڑھائی، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے، اس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''ثم دخلت الیٰ بیت المقدس فجمع لی الا نبیا ء علیهم السلام فقد منی جبرائیل حتی اممتهم ۔''(۱)

پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا، اس میں میرے لیے تمام انبیاء علیہم السلام کو جمع کیا گیا پھر حضرت جبرائیل نے مجھے ان کے آگے کھڑا کیا اور میں نے سب انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حدیث سابق کے تسلسل میں بیان کرتے ہیں:

آپ ﷺ نے فرمایا تین برتن لائے گئے جن کے منہ ڈھکے ہوئے تھے آپ ﷺ کے پاس ایک برتن لایا گیا جس میں پانی تھا، آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اس کو پییں۔ آپ ﷺ نے اس میں سے تھوڑا پانی پی لیا، پھر ایک اور برتن پیش کیا گیا جس میں دودھ تھا، آپ ﷺ نے اس سے سیر ہو کر پیا، پھر ایک اور برتن پیش کیا گیا جس میں شراب تھی آپ نے فرمایا میں سیر، ہو چکا ہوں وراس کو پینا نہیں چاہتا، آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ نے ٹھیک کیا، آپ ﷺ کی امت پر عنقریب شراب حرام کر دی جائے گی اور اگر آپ ﷺ بالفرض) شراب پی لیتے، تو آپ ﷺ کی امت میں سے بہت کم لوگ آپ ﷺ کی پیروی کرتے، اس کے بعد آپ ﷺ آسمان کی طرف چڑھ گئے۔ (۲) اس حدیث کو امام ابن جریر طبری نے سورہ اسراء کی تفسیر میں اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا۔ (۳)

۱ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۴۰۱-۳۹۷ ۲۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۴۰۱ ۳۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۴۰۱

اس حدیث کو امام ابن ابی جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ اسراء کی تفسیر میں اور امام ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے، امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام ابن جریر کے حوالے سے روایت کیا۔(۱)

اس حدیث کو حافظ الہیثمی نے امام بزار کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند کے تمام راویوں کی توثیق کی گئی ہے ماسوا ایک راوی کے اور وہ ربیع بن انس ہے۔(۲)

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام بزار رحمۃ اللہ علیہ کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔(۳)

(اس حدیث کا بقیہ حصہ ان شاء اللہ ہم واقعاتی ترتیب کے مطابق بعد میں ذکر کریں گے)

امام بخاری مالک بن صعصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ ہم آسمان دنیا پر پہنچے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آسمان کا دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ انہوں نے کہا جبرائیل علیہ السلام ہے، پھر آسمان کے فرشتوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پوچھا گیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں۔ کہا گیا کہ انہیں خوش آمدید ہو۔ ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے دروازہ کھول دیا گیا، جب میں وہاں پہنچا، تو آدم علیہ السلام ملے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سلام کیجئے؟ میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو صالح بیٹے اور صالح نبی کو۔ پھر جبرائیل علیہ السلام (میرے ہمراہ) اوپر چڑھے، یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہنچے، اور انہوں نے اس کا دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل دریافت کیا گیا تمہارے ہمراہ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پھر پوچھا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں، اس (دوسرے آسمان کے دربان) نے کہا خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک ہے یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ پھر جب میں وہاں پہنچا تو وہاں یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ملے اور وہ دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا، ان دونوں نے سلام کا جواب دیا، اور کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے تیسرے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل! جبرائیل سے دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر دریافت کیا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟

جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں! اس کے جواب میں کہا گیا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور نہایت مبارک

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۶۹۔۲۶۶ ۲۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۶۷۔۷۳ ۳۔ کشف الاستار، ج ۱، ص ۳۵۔۳۸

ہے اور دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں وہاں پہنچا، تو یوسف علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ یوسف ہیں انہیں سلام کیجئے، میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام مجھے چوتھے آسمان پر لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل علیہ السلام۔ پھر دریافت کیا گیا تمہارے ہمراہ کون ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر پوچھا گیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں، چوتھے آسمان کے دربان نے کہا انہیں خوش آمدید ہو ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے اور دروازہ کھول دیا گیا، پھر جب میں وہاں پہنچا تو ادریس علیہ السلام ملے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ادریس ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو، پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے ساتھ لے کر اوپر چڑھے، یہاں تک کہ پانچویں آسمان تک پہنچے اور انہوں نے اس کا دروازہ کھلوایا، پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہاں ہاں۔ پانچویں آسمان کے دربان نے کہا انہیں خوش آمدید ہو، ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے، پھر جب میں وہاں پہنچا تو ہارون علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ہارون علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے۔ میں نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر کہا خوش آمدید، ہو اخ صالح اور نبی صالح کے لیے، پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے اوپر چڑھا لے گئے یہاں تک کہ ہم چھٹے آسمان پر پہنچے جبرائیل علیہ السلام نے اس کا دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون انہوں نے کہا جبرائیل، دریافت کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا وہ بلائے گئے ہیں انہوں نے کہا ہاں۔ اس فرشتے نے کہا انہیں خوش آمدید ہو ان کا آنا بہت ہی اچھا اور مبارک ہے میں وہاں پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں انہیں سلام کیجئے میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو اخ صالح اور نبی صالح کو۔ پھر جب میں آگے بڑھا، تو وہ رو دیے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں روتے ہیں، تو انہوں نے کہا میں اس لیے روتا ہوں کہ میرے بعد مقدس لڑکا مبعوث کیا گیا جس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر جبرائیل علیہ السلام مجھے ساتویں آسمان پر چڑھا لے گئے اور اس کا دروازہ کھلوایا: پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا جبرائیل علیہ السلام پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، پوچھا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ تو اس فرشتے نے کہا انہیں خوش آمدید ہو ان کا آنا بہت اچھا اور نہایت مبارک ہے پھر جب میں وہاں پہنچا تو ابراہیم علیہ السلام ملے، جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ انہیں سلام کیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا خوش آمدید ہو ابن صالح اور نبی صالح کو۔ پھر میں سدرۃ المنتہیٰ تک چڑھایا گیا، تو اس درخت سدرہ کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ

ہے۔ وہاں چار نہریں تھیں دو پوشیدہ اور دو ظاہر۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل علیہ السلام یہ نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ تو جنت کی نہریں ہیں اور جو ظاہر ہیں وہ نیل وفرات ہیں۔ پھر بیت المعمور میرے سامنے ظاہر کیا گیا۔ اس کے بعد مجھے ایک برتن شراب کا اور ایک دودھ کا اور ایک برتن شہد کا دیا گیا۔ میں نے دودھ کو لے لیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہی فطرت دین اسلام ہے آپ اور آپ کی امت اس پر قائم رہیں گے۔ (۱)

علامہ نظام الدین نیشا پوری سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''فالمنتھی حینئذا موضع لایتعداہ ملك ولا یعلم ما وراءہ حد والیہ ینتھی ارواح الشھداء۔''(۲)

سدرہ المنتہیٰ وہ جگہ ہے جس سے آگے فرشتے نہیں جاسکتے اور نہ کسی کو یہ علم ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کے ماوراء کیا ہے۔ شہدا کی روحیں بھی یہاں تک جاتی ہیں۔

علامہ نیشا پوری مزید لکھتے ہیں:

''ان جبرائیل تخلف عنہ فی مقام لو دنوت انملۃ لاحترقت۔''(۳)

ایک مقام پر جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے (اور کہا) اگر میں ایک پور بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وھو مقام جبرائیل وکان قد بقی ھناك عند عروجہ علیہ السلام الی مستوی العرش وقال لو دنوت انملۃ لاحترقت۔''(۴)

یہ مقام جبرائیل ہے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرش کی جانب عروج فرمایا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام وہیں رہ گئے اور کہا اگر میں ایک پور کے برابر بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

''تدلی الرفرف وفارقنی جبرائیل''۔(۵)

جبرائیل علیہ السلام نے مجھے رفرف پر بٹھایا اور مجھ سے جدا ہو گئے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عن الحسن بصری قال فارقنی جبرائیل ای فی مقام قرب الجلیل وقال لو دنوت انملۃ لاحترقت۔(۶)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رب جلیل کے قرب کے مقام میں جبرائیل مجھ سے الگ ہو گئے اور کہا

۱۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۵۴۹۔۵۵۴ ۲۔ نیشا پوری، ج۲۷، ص۳۱ ۳۔ نیشا پوری، ج۲۷، ص۳۰

۴۔ روح البیان، ج۹، ص۲۲۴ ۵۔ الشفاء ج۱، ص۱۲۶ ۶۔ شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض، ج۲، ص۳۱۰

اگر میں ایک پور کے برابر بھی قریب ہوا تو جل جاؤں گا۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں:

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ کی طرف عروج کرایا گیا اس کے پھل مٹکوں کے برابر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا در آں حالیکہ اس کو اللہ کی طرف سے نور نے ڈھانپ رکھا تھا، اور کوئی شخص اس کی کیفیت بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، کیونکہ شدت نور کی وجہ سے آنکھ اس کا ادراک نہیں کر سکتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا سدرہ کی جڑ سے چار دریا نکل رہے ہیں دو دریا ظاہری تھے اور دو دریا باطنی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرائیل نے بتایا کہ ظاہری دریا نیل اور فرات ہیں اور باطنی دریا جنت کی طرف جا رہے ہیں، اور نیل اور فرات بھی قیامت کے دن جنت میں چلے جائیں گے اور یہ جنت میں شہد اور دودھ کے دریا ہوں گے۔ شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان دریاؤں سے پینے والوں کو مختلف قسم کے علوم حاصل ہوتے ہیں اور بتایا کہ بنو آدم کے اعمال سدرۃ المنتہیٰ کے پاس رک جاتے ہیں اور یہ روحوں کی جائے قرار ہے، اوپر سے جو چیزیں نیچے نازل ہوتی ہیں یہ ان کی انتہاء ہے۔ اوپر سے کوئی چیز نیچے نہیں جا سکتی، اور جو چیز نیچے سے اوپر جاتی ہیں یہ ان کی بھی انتہا ہے، نیچے سے کوئی چیز اس کے اوپر نہیں جا سکتی۔ یہیں پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی جائے قیام ہے۔ اسی جگہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم براق سے اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رفرف (سبز رنگ کا تخت) لایا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفرف پر بیٹھے اور جبرائیل نے نبی کو رفرف کے ساتھ نازل ہونے والے فرشتے کے سپرد کر دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل سے آگے ساتھ چلنے کا سوال کیا تا کہ آپ کو ان کی وجہ سے انسیت رہے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں اس پر قادر نہیں ہوں، اگر میں ایک قدم چلا تو جل جاؤں گا، ہم میں سے ہر فرشتے کے لیے ایک معروف جائے قیام ہے، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ نے یہ سیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے کرائی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نشانیاں دکھائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غافل نہ ہوں پھر جبرائیل نے آپ کو الوداع کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس فرشتے کے ساتھ روانہ ہوئے، رفرف آپ کو لے کر روانہ ہوئے حتیٰ کہ آپ مقام استویٰ پر پہنچے جہاں آپ نے صریف اقلام (قلم کے چلنے) کی آواز سنی اور اقلام الواح میں اللہ تعالیٰ کے ان احکام کو لکھ رہے تھے جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے متعلق جاری فرماتا ہے اور ملائکہ جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں، اور ہر قلم ایک فرشتہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جو کچھ عمل کرتے ہو ہم اس کو لکھ رہے ہیں، پھر آپ نور میں تیزی سے دوڑے اور جو فرشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا وہ آپ سے پیچھے رہ گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کسی کو نہیں دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے اور اس عالم نور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حیران اور پریشان تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کریں، اب فرشتہ تھا نہ رفرف تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طرف نور ہی نور تھا اور آپ عالم وجد میں دائیں بائیں جھوم رہے تھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدار کی اجازت طلب کی تا کہ اپنے رب تعالیٰ کے حضور خاص میں داخل ہوں تب حضرت ابوبکر صدیق کی آواز کے مشابہ ایک آواز آئی:

''قف یا محمد فان ربك یصلی۔''

اے محمد ﷺ ٹھہریے آپ کا رب صلوٰۃ پڑھتا ہے۔

آپ ﷺ اس آواز سے متعجب ہوئے اور دل میں سوچا کہ کیا میرا رب نماز پڑھ رہا ہے؟ جب آپ ﷺ کے دل میں تعجب پیدا ہوا اور آپ ابوبکر صدیق کی آواز سے مانوس ہوئے، تو آپ پر اس آیت کی تلاوت ہوئی۔ ھو الذی یصلی علیکم وملائکتہ۔ وہ جو تم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اور اس کے فرشتے صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔ تب نبی ﷺ کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ اس سے نماز مراد نہیں بلکہ اس سے اللہ کی رحمت کا نزول مراد ہے۔

پھر نبی ﷺ کو اس حضرت شریفہ میں داخل ہونے کا اذن ملا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی نازل کی جو وحی نازل کرنی تھی۔ اور آپ ﷺ کی آنکھ نے وہ جلوہ دیکھا جس کو آپ ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ (۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابق طویل حدیث کے آخر میں روایت کرتے ہیں:

اس وقت اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوا اور فرمایا مانگیے! آپ ﷺ نے عرض کیا: تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اور ان کو ملک عظیم عطا فرمایا اور تو نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا، اور تو نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ملک عظیم عطا فرمایا اور ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا، اور تو نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم عطا فرمایا اور ان کے لیے پہاڑوں، جنوں، انسانوں، شیطانوں اور ہواؤں کو مسخر کر دیا، اور ان کو اتنی عظیم سلطنت دی، جو ان کے بعد اور کسی کے لائق نہیں ہے اور تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو توریت اور انجیل کا علم عطا فرمایا اور انہیں مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کے لیے شفا دینے والا بنا دیا اور وہ تیری اجازت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے اور تو نے ان کو اور ان کی والدہ کو شیطان سے اپنی پناہ میں رکھا، تب آپ ﷺ کے رب نے فرمایا: میں نے آپ ﷺ کو اپنا خلیل بنایا اور تورات میں لکھا ہوا ہے کہ وہ خلیل الرحمان ہیں اور تمام لوگوں کی طرف آپ ﷺ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا، اور آپ ﷺ کا شرح صدر کیا، اور آپ ﷺ سے بوجھ دور کر دیا اور آپ کے ذکر کو بلند کیا، جب بھی میرا ذکر کیا جاتا ہے اس کے ساتھ آپ کا ذکر ہوتا ہے (یعنی اذان وغیرہ میں) اور آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر بنائی گئی اور آپ کی امت امت عادلہ بنائی گئی اور آپ کی امت کو اول اور آخر بنایا گیا ہے اور آپ کی امت کے بعض لوگوں کے دلوں میں آپ کی کتاب رکھی گئی، اور ان کا کوئی خطبہ اس وقت تک درست نہیں ہوگا جب تک کہ وہ آپ کے عبد اور رسول ہونے کی گواہی نہ دیں، اور میں نے آپ کو از روئے خلق کے تمام انبیاء میں اول اور از روئے بعثت کے تمام انبیاء میں آخر بنایا اور آپ کو سبع مثانی (سورۃ فاتحہ) اور سورہ بقرہ کی آیات عرش کے خزانے کے نیچے سے دی ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیں، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: میرے رب نے مجھے فضیلت دی مجھے رحمۃ للعلمین بنایا، تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنایا اور مجھے کلام کے فواتح، خواتیم اور جوامع عطا کیے اور مجھ پر تمام امت کو پیش کیا گیا اور اب امت کا کوئی فرد مجھ پر مخفی نہیں ہے خواہ تابع ہو یا متبوع، پھر مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں اور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹا۔ (۲)

۱۔ الیواقیت والجواہر، ج ۲ ص ۳۸۔۳۹ ۲۔ دلائل النبوۃ، ج ۲ ص ۴۰۳۔۴۰۲

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساتویں آسمان سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور جبار رب العزت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ہوگیا، پھر اور قریب ہوا حتیٰ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو کمانوں کی مقدار برابر ہوگیا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک ہوگیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ وحی نازل کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کردیں، پھر آپ نیچے اترے حتیٰ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک لیا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب نے آپ کو کیا دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے مجھ کو ہر روز (دن اور رات میں) پچاس نمازیں پڑھنے کا حکم دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، آپ واپس جایئے تاکہ آپ کا رب آپ کی امت سے تخفیف کردے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، گویا اس معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا ٹھیک ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کریں تو آپ پھر جبار رب العزت میں پہنچے اور آپ نے اسی پہلے مقام میں پہنچ کر عرض کیا: اے رب ہمارے لیے تخفیف کردے کیونکہ میری امت اتنی نمازوں کی طاقت نہیں رکھتی، تب اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کردیں، پھر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو صلی اللہ علیہ وسلم پھر روک لیا، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار آپ کے رب کے پاس بھیجتے رہے حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازوں پر پھر روک لیا اور کہا یا محمد! خدا کی قسم میں اپنی قوم بنی اسرائیل کا اس سے کم نمازوں میں تجربہ کرچکا ہوں، وہ پانچ سے کم نمازیں بھی نہ پڑھ سکے اور ان کو ترک کردیا آپ کی امت کے اجسام، ابدان، قلوب، آنکھیں اور کان تو ان سے زیادہ کمزور ہیں، آپ پھر جایئے اور اپنے رب سے تخفیف کرایئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار حضرت جبرائیل کی طرف متوجہ ہوتے تھے تاکہ وہ آپ کو مشورہ دیں اور حضرت جبرائیل نے اس کو ناپسند نہیں کیا اور آپ پانچویں بار پھر گئے اور عرض کیا اے میرے رب میری امت کے جسم، دل، کان اور بدن کمزور ہیں آپ ہم سے تخفیف کردیجئے، اللہ جبار رب العزت نے فرمایا: یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا لبیک وسعدیک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے لوح محفوظ میں جس طرح لکھ دیا ہے میرے اس قول میں تبدیلی نہیں ہوتی، ہر نیکی کا دس گنا اجر ہے، پس یہ لوح محفوظ میں پچاس نمازیں ہیں اور آپ پر پانچ نمازیں فرض ہیں، آپ حضرت موسیٰ کی طرف لوٹے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا، آپ نے فرمایا ہمارے رب نے تخفیف کردی اور ہمارے لیے ہر نیکی کا دس گنا اجر کردیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم! میں بنی اسرائیل کا اس سے کم نمازوں پر تجربہ کرچکا ہوں، انہوں نے اس سے کم نمازوں کو بھی ترک کردیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے رب کے پاس جایئے اور ان نمازوں میں کمی کرایئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! بہ خدا مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے! پھر اس رات آپ واپس آکر مسجد حرام میں سو گئے اور صبح بیدار ہوئے۔ (۱)

۱۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۱۲۱۔۱۱۲۰

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث کے آخر میں بیان کرتے ہیں، معراج کو صبح کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو ان عجائبات کی خبر دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں گذشتہ رات بیت المقدس گیا اور مجھے آسمان کی معراج کرائی گئی اور میں نے فلاں فلاں چیز دیکھی، ابو جہل بن ہشام نے کہا کیا تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر تعجب نہیں ہوتا، ان کا دعویٰ ہے کہ یہ گذشتہ شب بیت المقدس گئے اور صبح کو یہاں ہمارے ساتھ ہیں، حالانکہ ہم میں سے ایک شخص ایک ماہ میں مسافت طے کر کے بیت المقدس پہنچتا ہے اور پھر ایک ماہ کی مسافت طے کر کے یہاں واپس پہنچتا ہے، تو یہ آنا اور جانا دو ماہ میں طے ہوتا ہے اور یہ ایک رات میں جا کر واپس آ گئے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قریش کے قافلہ کی خبر دی اور فرمایا میں نے جاتے وقت اس قافلہ کو فلاں فلاں جگہ دیکھا ہے اور جب میں واپس لوٹا تو میں نے اس قافلہ کو فلاں گھاٹی کے پاس دیکھا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ میں جانے والے ہر شخص اور اس کے اونٹ کی خبر دی، کہ وہ اونٹ اس اس طرح تھا اور اس پر فلاں فلاں سامان لدا ہوا تھا، ابو جہل نے کہا انہوں نے ہمیں کئی چیزوں کی خبر دی ہے، پھر مشرکین میں سے ایک شخص نے کہا مجھے بیت المقدس کی عمارت اور اس کی ہیئت اور اس کی کیفیت کا سب سے زیادہ علم ہے، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس کا ابھی پتا چل جائے گا، پھر اس مشرک نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بیت المقدس کا سب سے زیادہ علم ہے آپ مجھے اس کی عمارت، اس کی ہیئت اور پہاڑ سے اس کے قریب کے متعلق بتایئے؟ تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح دیکھ کر بیت المقدس کے متعلق بیان فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اس اس طرح کی عمارت ہے اور اس کی اس اس طرح ہیئت ہے اور وہ پہاڑ کے اس اس طرح قریب ہے، اس نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا، پھر وہ اپنے اصحاب کے پاس گیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوے میں سچے ہیں۔(۱)

اس حدیث کو امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے، امام ابن ابی حاتم نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس کا امام ابن جریر کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔(۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قریش نے میری تکذیب کی، تو میں میزاب کعبہ کے نیچے کھڑا ہو گیا اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس منکشف کر دیا، پھر میں بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر انہیں اس کی علامات کی خبر دیتا رہا۔(۳)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسحاق اپنی سند کے ساتھ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ، جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی،

۱۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۹۵۔۳۹۶ ۲۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۵۴ ۳۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۴۸

اس رات آپ ﷺ میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے، پھر اس رات میں نے آپ ﷺ کو وہاں موجود نہ پایا، پھر آپ ﷺ نے معراج کا پورا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا میرا ارادہ ہے کہ میں قریش کو بتلاؤں کہ میں نے اس رات کیا دیکھا ہے، میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا اگر آپ اپنی قوم کے پاس گئے تو وہ انکار کریں گے اور آپ ﷺ کی تکذیب کریں گے، رسول اللہ ﷺ اپنا دامن چھڑا کر اپنی قوم کے پاس تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے ان کے پاس جا کر ان کو واقعہ معراج کی خبر دی، جبیر بن معطم نے کہا اے محمد (ﷺ) اگر واقعی تم اس رات وہاں گئے ہو تو اس وقت ہمارے پاس نہ ہوتے، ایک شخص نے کہا اے محمد (ﷺ) کیا آپ نے فلاں فلاں جگہ ہمارے اونٹوں کو دیکھا تھا؟ آپ نے فرمایا: ہاں بخدا میں نے دیکھا ہے، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ اس کو ڈھونڈ رہے تھے، اس شخص نے کہا کیا آپ بنو فلاں کے اونٹوں کے پاس سے گذرے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں نے ان کو فلاں فلاں جگہ دیکھا، ان کی سرخ رنگ کی اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، ان کے پاس پیالے میں پانی تھا جس کو میں نے پی لیا، اس نے کہا اچھا بتائیے ان کی اونٹنیاں کتنی تھیں اور ان کے چرواہے کون کون تھے؟ آپ نے فرمایا میں نے اس وقت، ان کی گنتی کی طرف توجہ نہیں کی تھی تو اس وقت وہ اونٹ اور ان کے چرواہے آپ کے پاس حاضر کر دیے گئے آپ ﷺ نے اونٹوں کو گن لیا اور ان کے چرواہوں کو جان لیا، پھر آپ ﷺ نے قریش سے فرمایا تم نے مجھ سے بنو فلاں کے اونٹوں کی تعداد اور ان کے چرواہوں کے متعلق پوچھا تھا، سنو ان اونٹوں کی تعداد اتنی ہے اور ان کے فلاں فلاں چرواہے ہیں اور ان میں ابو قحافہ کے بیٹے (حضرت ابو بکر) کے بھی چرواہے ہیں، اور صبح یہ اونٹ وادی ثنیہ میں پہنچ جائیں گے، وہ لوگ صبح وادی ثنیہ دیکھنے کے لیے پہنچ گئے کہ آیا آپ نے سچ فرمایا ہے یا نہیں؟ سو وہ اونٹ آ گئے ہیں، ان لوگوں نے اونٹ والوں سے پوچھا کیا تمہارا کوئی اونٹ گم ہو گیا تھا، انہوں نے کہا ہاں، پھر دوسرے سے پوچھا کیا تمہاری سرخ اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹی، انہوں نے کہا ہاں پھر انہوں نے پوچھا کیا تمہارے پاس پیالہ تھا؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا بہ خدا میں نے وہ پیالہ رکھا تھا، اس سے کسی نے پانی پیا تھا کسی نے اس پانی کو زمین پر گرایا نہیں تھا (اور وہ پانی ختم ہو گیا تھا) حضرت ابو بکر نے کہا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، پھر اسی دن سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق ہو گیا۔(۱)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (اس روایت کے آخر میں ہے:) صبح کو نبی کریم ﷺ نے مشرکین کے سامنے واقعہ معراج سنایا، وہ لوگ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا اے ابو بکر! تمہارے پیغمبر یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ گذشتہ رات ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے واپس لوٹ آئے ہیں، اب بولو کیا کہتے ہو؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اگر واقعی آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے، تو سچ فرمایا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میں تو اس سے زیادہ بعید باتوں

۱۔　تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۷۶

میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں، آپ آسمان سے آنے والی خبریں بیان کرتے ہیں اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں، مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ ﷺ کے دعویٰ پر کیا دلیل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں فلاں فلاں جگہ پر قریش کے قافلہ کے پاس سے گذرا تھا، مجھے دیکھ کر ایک اونٹ بدک کر بھاگا اور چکر لگانے لگا، اور اس قافلہ میں ایک اونٹ تھا جس پر سیاہ اور سفید رنگ کی دو بوریاں لدی ہوئی تھیں، وہ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، جب قافلہ واپس آیا تو انہوں نے قافلے والوں سے پوچھا تو انہوں نے اسی طرح بیان کیا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا اور اسی دن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام صدیق پڑ گیا۔ (۱)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

اسماعیل بن عبدالرحمان قرشی بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ کو معراج کرائی گئی اور نبی ﷺ نے اپنی قوم کو قافلہ کی علامتوں کی خبر دی، تو انہوں نے کہا یہ قافلہ کب آئے گا؟ آپ نے فرمایا یہ قافلہ بدھ کو آئے گا، پھر بدھ کے دن قریش صبح سے قافلہ کے انتظار میں بیٹھے رہے، حتیٰ کہ دن غروب ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا تب نبی ﷺ نے دعا کی تو دن بڑھا دیا گیا اور سورج کو روک دیا گیا، اور سورج کو صرف اس دن رسول اللہ ﷺ کے لیے روکا گیا تھا یا حضرت یوشع بن نون کے لیے جب جمعہ کے دن انہوں نے جبارین سے جہاد کیا تھا اور ان کے فارغ ہونے سے پہلے سورج غروب ہونے لگا، تو انہوں نے دعا کی کہ سورج کو موخر کر دیا جائے کیونکہ ہفتہ کے دن ان کے لیے جنگ کرنا جائز نہ تھا۔ (۲)

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بعض روایات میں ہے کہ قافلہ بدھ کے دن نصف النہار کے وقت آ گیا تھا، یہ روایت اس کے خلاف ہے لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ تین قافلوں کے پاس سے گزرے تھے اور مشرکین میں سے ہر ایک نے اپنے قافلہ کے متعلق پوچھا تھا ان میں سے ایک قافلہ بدھ کی دوپہر کو آ گیا تھا اور یہ قافلہ بدھ کو شام کو پہنچا تھا۔ (۳)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حافظ ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوت میں اپنی سند کے ساتھ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کو قیصر کے پاس بھیجا۔ ہرقل (شاہ روم) نے ابوسفیان صخر بن حرب کو بلایا۔ ابوسفیان اس وقت نبی ﷺ کو ہرقل کی نگاہوں میں نیچا کرنا چاہتا تھا کہ بتاؤ وہ کیا بات ہے؟ ابوسفیان نے کہا وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک رات وہ ہماری زمین ارض حرم سے نکلے اور تمہاری اس مسجد میں سے ہو کر ہمارے پاس واپس آ گئے، مسجد ایلیاء کا بطریق قیصر روم کے سر کے پاس کھڑا تھا، اس نے کہا مجھے اس رات کا علم ہے، قیصر نے پوچھا تمہیں کیسے علم ہے؟ اس نے کہا میں ہر رات سونے سے پہلے مسجد کے دروازے بند

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۴۸ ۲۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۴۰۴ ۳۔ شرح المواہب اللدنیہ، ج ۶، ص ۱۲۶

کیا کرتا تھا، اس رات کو میں نے تمام دروازے بند کر دیے مگر میں ایک دروازہ بند نہیں کر سکا، میں نے بڑھیوں (درکھانوں) کو بلایا انہوں نے دیکھ کر کہا اس دروازے کے اوپر والی چوکھٹ نیچے بیٹھ گئی ہے، اس وقت ہم اس کو ٹھیک نہیں کر سکتے، صبح کو دیکھیں گے میں اس رات دونوں کواڑ کھلے چھوڑ گیا، صبح آیا تو دیکھا کہ قریب پتھر میں سوراخ تھا اور اس میں سواری کو باندھنے کا نشان تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا گذشتہ رات یہ دروازہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھلا رکھا گیا تھا اور گذشتہ رات ہماری اس مسجد میں نماز پڑھی گئی تھی۔(۱)

رات میں معراج کرانے کے اسرار:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رات کے وقت معراج کرانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

۱۔ رات کو خلوت، اختصار اور مجالس ملوک کا وقت ہوتا ہے، اور یہ دن کے وقت سے افضل اور اشرف ہے، یہ وقت احباء سے راز و نیاز کا ہوتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء علیہم السلام کو رات کے وقت مختلف کرامات سے نوازا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

جب ان پر رات تاریک ہوگئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا۔(۲)

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق کہا:

تو آپ اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ باقی حصہ میں لے جائیں (۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رات کے وقت سرگوشی کی:

جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجہ سے کہا ٹھہر بے شک میں آگ دیکھی ہے۔(۴)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ رات کے وقت بنو اسرائیل کو مصر سے لے جائیں۔

تو میرے بندوں کو راتوں رات لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔(۵)

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۷۹ ۲۔ انعام ۶:۷۶۔ ۳۔ حجر ۱۵:۶۵ ۴۔ طٰہٰ ۲۰:۱۰ ۵۔ زخرف ۴۳:۲۳

اور ہمارے نبی ﷺ کو بھی زیادہ انعام رات کے وقت عطا فرمائے، شق القمر کا معجزہ رات میں ہو۔ اجن آپ پر رات کے وقت ایمان لائے۔ مدینہ کی طرف ہجرت رات میں ہوئی اور غار ثور میں بھی رات کے وقت گئے سو معراج بھی رات میں کرائی گئی۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں رات کو دن پر مقدم فرمایا ہے۔

''وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ''(۱)

ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے

''وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ''(۲)

اور رات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔

۴۔ رات اصل ہے، اسی لیے مہینہ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے اور رات کی سیاہی میں آنکھ کی روشنی تیز ہوتی ہے، اور چاند کا چہرہ چمکتا ہے۔

۵۔ ہر رات کو دن لازم ہے، لیکن ہر دن کو رات لازم نہیں ہے، کیونکہ روز محشر کے بعد رات نہیں ہوگی۔

۶۔ رات کا وقت دعا کی قبولیت، عطاءِ الٰہی اور بخشش کا وقت ہے۔

۷۔ لیلۃ القدر رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

۸۔ رسول اللہ ﷺ نے اکثر سفر رات کو کرتے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا رات کی سیاہی کو لازم رکھو کیونکہ زمین رات کو لپیٹ دی جاتی ہے۔

۹۔ دن کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھایا گیا، تو عیسائیوں نے ان کو خدا کا بیٹا کہہ دیا، آپ ﷺ کی امت کو اس ابتلاء سے محفوظ رکھا گیا۔

۱۰۔ رات کا وقت زیادہ عبادت کرنے کا وقت ہے، آپ رات کو اس قدر قیام کرتے تھے کہ پائے مبارک میں ورم آجاتا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا''(۳)

اے چادر اوڑھنے والے، رات کو قیام کریں مگر تھوڑا

''اور رات کے کچھ وقت میں آپ تہجد پڑھیں''۔(۴)

۱۱۔ چونکہ آپ ﷺ رات کو زیادہ عبادت کرتے تھے، تو معراج کا انعام بھی رات میں دیا گیا۔

۱۔ بنی اسرائیل ۱۲:۱۷ ۲۔ نحل ۱۲:۱۶ ۳۔ مزمل ۷۳:۱۔۲ ۴۔ اسراء ۷۹:۱۷

۱۲۔ رات کے وقت معراج ہونے سے معراج کی تصدیق کرنا زیادہ اجروثواب کا سبب ہوا کیونکہ یہ ایمان بالغیب ہوگیا، اور اگر دن میں معراج ہوتی، تو سب مشاہدہ کر لیتے اور مومنین اور منکرین میں امتیاز نہ ہوتا۔ (۱)

معراج کی ابتداء کی جگہ کے متعلق مختلف روایات میں تطبیق:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مالک بن صعصہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حطیم کعبہ میں سوئے ہوئے تھے کہ یکا یک آپ کے پاس فرشتہ آیا، اور قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے میں حجر اسود کے پاس سویا ہوا تھا کہ فرشتہ آیا: (۲)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مالک بن صعصہ سے یہ بھی روایت کیا ہے میں بیت اللہ میں سویا ہوا تھا (۳) اور امام محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شعب ابی طالب سے معراج کرائی گئی (۴)

اور امام طبرانی نے حضرت ام ہانی سے روایت کیا ہے کہ شب معراج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں سوئے ہوئے تھے، سو اس رات میں نے آپ کو غائب پایا۔ (۵) اور امام بخاری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر کی چھت کو شق کیا گیا اور فرشتہ نازل ہوا۔ (۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ حضرت ام ہانی کا گھر شعب ابی طالب میں تھا، آپ ام ہانی کے گھر سوئے ان کے گھر کی چھت کو شق کیا گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تعلق کی بناء پر ان کے گھر کو اپنا گھر فرمایا، پھر چھت سے فرشتہ اترا اور آپ کو حضرت ام ہانی کے گھر سے مسجد حرام لے گیا، وہاں جا کر آپ لیٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اونگھ آ گئی، پھر فرشتہ آپ کو مسجد کے دروازے پر لے گیا اور وہاں سے آپ کو براق پر سوار کرایا، امام ابن اسحٰق نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً روایت بیان کی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو مسجد میں لے گئے اور آپ کو براق پر سوار کرایا، اور اس روایت میں بھی اس تطبیق کی تائید ہوتی ہے۔ (۷)

حضرت ام ہانی کے گھر کی چھت شق کر کے فرشتہ کے آنے کی وجوہات کے اسرار:

حضرت ام ہانی کے گھر فرشتہ چھت کو شق کر کے آیا تا کہ واقعہ معراج کا اچانک وقوع پذیر ہونا مزید واضح ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فرشتہ نے آنے کے لیے معروف طریقہ اور معمول کے مطابق آنے کے راستہ کو ترک کر کے چھت شق کر کے خلاف عادت اور غیر معمولی راستہ اختیار کیا تا کہ معلوم ہو کہ یہ سفر بھی غیر معمولی نوعیت کا حامل تھا اور خلاف عادت ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ چھت کو شق کیا گیا تا کہ تنبیہ ہو کہ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوگا اور سینہ مبارک چاک کیا جائے گا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ فرشتہ دروازہ کی بجائے اوپر سے آیا تا کہ معلوم ہو کہ یہ سفر اوپر کی جانب ہوگا۔

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۱، ص ۵۰ ۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۴۸ ۳۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۵۵،
۴۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۱۴ ۵۔ مجمع لزوائد، ج ۱، ص ۷۵ ۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۰
۷۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۲۰۴

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے سفر معراج شروع نہ ہونے کے اسرار:

معراج کی شب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر نہیں سوئے بلکہ حضرت ام ہانی کے گھر جا کر سوئے، اس کی ایک وجہ، تو یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو آپ کی مستقل سکونت کی وجہ سے ویسے ہی فضیلت حاصل تھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہو کہ حضرت ام ہانی کے گھر کو یہ فضیلت حاصل ہو جائے کہ ان کے گھر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور اس وجہ سے حضرت ام ہانی کا چرچا ہو، کیونکہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر ہوگا تو حضرت ام ہانی کا بھی ذکر ہوگا کیونکہ ان کے گھر سے سفر معراج کی ابتداء ہوئی ہے دوسری وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے آداب یہ ہیں کہ آپ کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا یا حجر کے پیچھے سے آپ کو آواز دینا، دونوں ممنوع ہیں۔

قرآن مجید میں ہے''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُیُوتَ النَّبِیِّ إِلَّا أَن یُؤْذَنَ لَکُمْ''(۱)

اے ایمان والو! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو۔

'' إِنَّ الَّذِینَ یُنَادُونَکَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُونَ (4) وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَیْهِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ''(۲)

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے وقوف ہیں اور اگر وہ صبر کرتے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی طرف باہر تشریف لے آتے تو ضرور ان کے لئے بہت اچھا ہوتا۔

امام مسلم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''ارسلت الی الخلق کافۃ''۔(۳)

میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں

اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کے بھی رسول ہیں، فرشتوں کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ بلا اجازت آپ کے گھر میں داخل ہوں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر کے باہر سے آواز دے کر پکاریں' سو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں ہوتے تو فرشتوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں لے جانا دشوار ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ ڈالا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر جا کر سوئیں تا کہ فرشتے اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام میں لے جائیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو یہ عزت اور خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی فی نفسہ اس گھر کے یہ آداب نہیں تھے تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر چلے گئے تو اب اس گھر کے یہ آداب ہو گئے اور وہاں بھی بلا اجازت داخل ہونا ممنوع ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جس گھر میں آپ کی مستقل سکونت ہو اس کی نسبت اور اضافت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے اور قرآن مجید نے اسی کے آداب اور احکام بیان کئے ہیں اور جس گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند وقفوں کے لئے جائیں وہ آپ کا گھر نہیں کہلاتا اور نہ قرآن مجید نے اس کے آداب اور احکام بیان کئے ہیں۔

۱۔ احزاب ۳۳:۵۳ ۲۔ حجرات ۴۹:۵۔۴ ۳۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹

شق صدر کے متعلق احادیث کی تخریج اور تحقیق:

آپ ﷺ کا سینہ مبارک تین بار چاک کیا گیا۔ ایام طفولیت میں، بعثت کے وقت اور معراج کے موقعہ پر۔ پہلی بار بچپن میں آپ ﷺ کے شق صدر کے متعلق امام مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ بچپن میں بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے اچانک جبرائیل آئے آپ ﷺ کو لٹا کر آپ ﷺ کا سینہ چیرا اور آپ ﷺ کا دل نکال لیا پھر دل میں سے جما ہوا خون نکالا اور کہا یہ شیطان کا حصہ تھا۔ اس حدیث کو مزید تفصیل کے ساتھ حافظ ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ آپ پر نبوت کی ابتدا کس چیز سے ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا جب تم نے یہ سوال کر ہی لیا ہے کہ تو سنو میں دس سال کی عمر میں صحراء میں جارہا تھا اچانک میں نے اپنے سر کے اوپر دو آدمیوں کو دیکھا ایک نے دوسرے سے کہا: کیا یہی ہیں؟ دوسرے نے کہا ہاں! انہوں نے گدی سے پکڑ کر مجھے گرادیا پھر میرے پیٹ کو چاک کیا' جبرائیل سونے کے طشت میں پانی لارہے تھے اور میکائیل میرا پیٹ دھورہے تھے پھر ایک نے دوسرے سے کہا اب ان کا سینہ چاک کرو پھر میں نے دیکھا کہ میرا سینہ چاک ہو چکا تھا اور مجھے بالکل درد نہیں ہوا' پھر کہا ان کا دل شق کرو پھر میرا دل چیرا پھر کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو تو انہوں نے ایک جمے ہوئے خون کے مشابہ چیز نکال کر پھینک دی پھر کہا ان کے دل میں شفقت اور رحمت داخل کر دو تب انہوں نے چاندی کی طرح کوئی چیز داخل کی اور انہوں نے اپنے پاس سے کوئی پسی ہوئی چیز نکالی اور وہ اس پر چھڑکی' پھر انہوں نے میرے پیر کے انگوٹھے کو ہلایا اور اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا جاؤ، میں چلا گیا اور اس کے بعد میرے دل میں چھوٹوں پر رحمت اور بڑوں کی توقیر سما گئی۔ (۱)

اس حدیث کو امام محمد بن سعد' امام بیہقی' امام احمد' امام دارمی اور امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے اور اس حدیث کا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی کے حوالوں سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی سند حسن ہے (۲)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو از عبداللہ بن جعفر از حلیمہ سعدیہ روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں:

''قال اتانی رجلان علیهما ثیاب بیض فا ضجعانی ثم شق بطنی فو الله ما ادری ما صنعا'' (۳)

آپ نے حلیمہ سعدیہ کو بتایا کہ میرے پاس سفید کپڑوں میں ملبوس دو آدمی آئے انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ چاک کیا' بہ خدا مجھے پتا نہیں چلا کہ انہوں نے کیا کیا (یعنی مجھ کو بالکل درد نہیں ہوا۔) حافظ الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بیان کیا ہے (۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکور الصدر روایت کو حافظ الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے امام طبرانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اس میں ہے۔

۱۔ دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۲۰، ۲۱۹ ۲۔ مجمع الزوائد، ج ۸ ص ۲۲۲ ۳۔ الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان ج ۹ ص ۸۴

۴۔ موارد الظمان ص ۵۱۳

"فاقبل الی یمشیان حتی اخذ کل واحد منهما بعضدی لا اجد لا خذ هما مسا فقال احد هما لصاحبه اضجعه فاضجعانی بلا قصه والاهمر 'فقال احد هماصاحبه افلق صدره فهواحدهما الی صدری ففلقها فیما اری بلا دم ولا وجع۔" رواه عبدالله ورجاله ثقات و ثقهم ابن حبان (۱)

دو شخص میرے پاس آئے ان میں سے ہر ایک نے مجھے بازو سے پکڑا مجھے ان کے پکڑنے سے کوئی درد نہیں ہوا ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کو لٹاؤ انہوں نے مجھے جھکائے بغیر لٹا دیا پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ چاک کرو پھر ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا میں یہ منظر دیکھ رہا تھا میرا خون نکلا اور نہ مجھے درد ہوا۔

اس حدیث کو امام عبداللہ نے روایت کیا ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور امام ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے۔

ہم نے بہ کثرت حوالہ جات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن میں شق صدر کا واقعہ اس لئے بیان کیا ہے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا تھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون نکلا تھا نہ آپ کو درد ہوا تھا۔

دوسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر بعثت کے موقع پر ہوا تھا امام ابونعیم اصفہانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نذر مانی کہ وہ ایک ماہ غار حرا میں اعتکاف کریں گے یہ رمضان کے مہینہ کا واقعہ ہے ایک دفعہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نکلے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز آئی السلام علیک'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے گمان کیا کہ اچانک کوئی جن آ گیا ہے میں دوڑتا ہوا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا انہوں نے مجھے کپڑا اوڑھایا اور پوچھا اے ابن عبداللہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا میں نے ''السلام علیک'' کی آواز سنی اور میرا خیال ہے۔ کہ وہ جن ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ کو خوشخبری ہو سلام تو اچھی چیز ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دوبارہ نکلا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام دھوپ میں کھڑے تھے ان کا ایک پر مشرق میں تھا۔ اور ایک پر مغرب میں تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان سے خوفزدہ ہوا میں دوڑتا ہوا آیا تو وہ میرے اور دروازے کے درمیان کھڑے تھے انہوں نے مجھ سے باتیں کیں حتیٰ کہ میں ان سے مانوس ہو گیا انہوں نے مجھ سے پھر ملنے کا وعدہ کیا میں ان کے لئے گیا اور انہوں نے تاخیر کی میں نے لوٹنے کا ارادہ کیا، تو اچانک میں نے دیکھا جبرائیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام کھڑے ہیں اور انہوں نے افق کو بھر لیا ہے پھر جبرائیل علیہ السلام نیچے اتر آئے اور میکائیل آسمان اور زمین کے درمیان کھڑے رہے پھر جبرائیل نے مجھے پکڑ کر گدی کے بل لٹا دیا' پھر میرے دل کو شق کیا پھر دل کو باہر نکالا اور اس میں سے جو چاہا نکالا پھر اس کو سونے کے طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا پھر اس کو اپنی جگہ رکھ کر جوڑ دیا اور زخم بند کر دیا پھر مجھے اس طرح الٹا کیا جس طرح چمڑے کو پلٹتے ہیں پھر میری پشت پر مہر

۱۔ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۳

لگائی جس کا اثر میں نے اپنے دل میں محسوس کیا پھر مجھ سے کہا ''اقراء'' پڑھیئے'' میں نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اس لئے میں نے نہیں جانا کہ میں کس طرح پڑھوں اس نے پھر کہا ''اقراء'' پڑھیے'' میں نے کہا میں کیا پڑھوں' اس نے کہا:

''اقرا باسم ربك الذی خلق ''(۱)

اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا ہے۔

حتیٰ کہ اس نے سورہ علق کی پانچ آیتیں پڑھی، ان آیتوں کو میں بالکل نہیں بھولا۔ (۲)

اس حدیث کو امام ابوداؤد طیالسی نے بھی اپنی سند میں روایت کیا ہے، دیکھیے حدیث نمبر ۲۳۱۸ علامہ سہیلی نے اس حدیث کو امام ابن ابی الدنیا کی سند کے ساتھ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے یقین ہو گیا کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کو کیسے جانا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ سنایا۔ (۳)

حافظ ابن کثیر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ (۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوداؤد طیالسی کی سند کے حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کو ذکر کیا ہے۔

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کو حافظ ابونعیم اصفہانی، امام ابوداؤد طیالسی اور امام بیہقی کی دلائل النبوت کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (۵)

لیکن مجھے یہ حدیث امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ''دلائل النبوت'' میں بسیار تلاش کے باوجود نہیں ملی ہوسکتا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی کو دلائل النبوت کے نام سے التباس ہوا ہو، کیونکہ یہ حدیث حافظ ابونعیم اصفہانی کی ''دلائل النبوت'' میں ہے، امام بیہقی کی ''دلائل النبوت'' میں نہیں ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تیسری بار آپ کا شق صدر معراج کے موقع پر ہوا تھا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج کرائی گئی میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا، میرے پاس ایک آنے والا فرشتہ آیا اس نے یہاں سے لے کر یہاں تک میرا سینہ چاک کر دیا، راوی کہتا ہے میں نے جارود سے پوچھا اس سے آپ کی کیا مراد تھی؟ انہوں نے کہا حلقوم سے لے کر ناف تک، پھر میرا دل نکالا گیا، پھر سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا پھر میرے دل کو زمزم کے پانی سے غسل دیا گیا پھر اس کو ایمان اور حکمت سے بھر گیا پھر اس دل کو اس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ (۶)

۱۔ علق ۹۶:۱　۲۔ دلائل النبوۃ، ج ۱، ص ۲۱۶۔۲۱۵　۳۔ الروض الانف، ج ۱، ص ۱۰۹

۴۔ البدایہ والنہایہ، ج ۲، ص ۲۷۵　۵۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۴۶۰　۶۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۵۸۔۴۵۵۔۵۰، ج ۲، ص ۱۱۲۰

تین بار شق صدر کرنے کے اسرار:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''شق صدر اور دل کو نکالنے کے متعلق جو کچھ احادیث میں وارد ہے، یہ تمام امور خارق (خلاف) عادت ہیں، ان کو تسلیم کرنا واجب ہے اور ان کی حقیقت جاننے کے درپے نہیں ہونا چاہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں ہے۔'' (۱)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

پہلی بار شق صدر اس لیے ہوا کہ قلب مبارک سے جمے ہوئے خون کا لوتھڑا نکالا جا سکے، دوسری بار اس لیے شق صدر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حصول وحی کی استعداد رکھی جائے اور تیسری بار اس لیے شق صدر ہوا تا کہ معراج کے واقعات مثلاً عجائبات برزخ اور آیات الٰہیہ دیکھنے کی استعداد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں رکھی جائے۔ (۲)

بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ پہلی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہوا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ''علم الیقین'' کی استعداء حاصل ہو، دوسری بار اس لیے شق صدر ہوا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں عین الیقین کی استعداد حاصل ہو اور تیسری بار اس لیے شق صدر ہوا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ''حق الیقین'' کی استعداد حاصل ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''شفا میں ہے جب جبرائیل علیہ السلام نے آپ کے دل کو دھویا تو کہا یہ صحیح قلب ہے اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں''۔ (۳)

ھذا حظک من الشیطن کے اسرار:

علامہ سہیلی لکھتے ہیں امام ابن ابی الدنیا اور دیگر محدثین نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں؟ اور آپ کو کس سبب سے اپنی نبوت پر یقین ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! جس وقت میں مکہ کی وادی میں تھا میرے پاس دو فرشتے آئے ان میں سے ایک فرشتہ زمین پر تھا اور دوسرا زمین اور آسمان کے مابین تھا ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا کیا یہ وہی ہیں؟ دوسرے نے کہا ہاں یہ وہی ہیں اس نے کہا ان کا ایک آدمی کے ساتھ وزن کرو اس نے میرا ایک آدمی کے ساتھ وزن کیا، تو میرا وزن زیادہ تھا اس نے کہا دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو اس نے دس آدمیوں کے ساتھ وزن کیا پھر بھی میرا وزن زیادہ تھا پھر اس نے کہا سو آدمیوں کے ساتھ وزن کرو اس نے سو آدمیوں کے ساتھ وزن کیا پھر بھی میرا وزن زیادہ تھا پھر اس نے کہا ان کا ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ وزن کرو اس نے ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ وزن کیا پھر بھی میرا وزن

۱۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۲۰۵ ۲۔ فتح الباری، ج ۱، ص ۴۶۰ ۳۔ فتح الباری، ج ۱۳، ص ۴۸۱

زیادہ تھا پھر ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کا پیٹ چاک کرو اس نے میرا پیٹ چاک ''اا اور اس میں سے
مغز شیطان (شیطان کے انگلی چھونے کی جگہ) اور جمے ہوئے خون کو نکالا اور ان دونوں چیزوں کو پھینہ ے سے کہا
ان کا پیٹ اس طرح دھوؤ جس طرح برتن دھوتے ہیں اور ان کا دل اس طرح دھوؤ جس طرح برتن کے اندر کی چی
دوسرے سے کہا ان کا پیٹ سیو، تو اس نے میرا پیٹ سیا اور اس نے میرے دو کندھوں کے درمیان مہر (نبوت) کو رکھ
پھیر کر چلے گئے اور میں گویا کہ ان تمام کاموں کا مشاہدہ کر رہا تھا۔

علامہ سہیلی فرماتے ہیں: اس حدیث میں ان چیزوں کا بیان ہے جن کو پہلی حدیث میں مجملاً ذکر کیا گیا تھا کیونکہ اس حدیر آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فرشتہ نے مغز شیطان (شیطان کی انگلی چھونے) اور جمے ہوئے خون کو نکالا اس حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بیان فرمادیا کہ فرشتہ نے اس چیز کو تلاش کر کے نکالا جس چیز میں شیطان حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے سوا ہر پیدا ہونے والے بچے کو چھوتا ہے کیونکہ ان کی والدہ نے یہ دعا کی تھی۔

"انی اعیذ ھا بلک وذریتھا من الشطین الرجیم" (۱) میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان رجیم کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

اس دعا کی قبولیت کی وجہ سے شیطان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو پیدا ہوتے وقت چھو نہیں سکا اور اس سے حضرت عیسیٰ کی سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے اس مغز کو نکال لیا گیا اور روح القدس نے برف اور ٹھنڈے پانی سے آپ کے دل کو دھو کر اس میں ایمان اور حکمت کو بھر دیا۔

اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ پہلے اس کا علم نہیں تھا کہ مہر نبوت آپ کی تخلیق کے وقت تھی یا آپ ﷺ میں ولادت کے بعد رکھی گئی یا جس وقت آپ ﷺ نبی بنائے گئے اس وقت آپ ﷺ میں مہر نبوت رکھی گئی تھی۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ جن ایام میں آپ ﷺ حلیمہ سعدیہ کے ہاں تھے ان دنوں میں حضرت جبرائیل نے آپ میں مہر نبوت رکھی تھی نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے شق صدر کا واقعہ دو طرح منقول ہے ایک یہ ہے کہ جب ایام رضاعت میں آپ ﷺ بنو سعد کے ہاں تھے اس وقت آپ کا شق صدر ہوا آپ کے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جس میں برف تھی اس کے ساتھ آپ کے قلب کو دھویا گیا دوسری بار شب معراج کے موقع پر آپ کے قلب کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور اس کو ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا۔ (۲) ہم پہلے احادیث سے باحوالہ یہ بیان کر چکے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جب شق صدر ہوا تو آپ ﷺ کا خون نکلا نہ آپ کو درد ہوا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت عام بشروں کی طرح نہیں ہے کیونکہ کسی بشر کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کا سینہ چیرا جائے اور اس کو درد ہو نہ اس کا خون نکلے ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہماری انگلی میں پھانس بھی جائے تو بے کل اور بے چین ہو جاتے ہیں اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا حلقوم سے ناف تک سینہ چیر دیا گیا اور آپ کو درد نہیں ہوا۔

۱۔ آل عمران ۳:۳۶ ۲۔ الروض الانف ج ۱ ص ۱۱۰۔۱۰۹

اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں قلب کے محتاج نہیں ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے سینہ سے دل نکال لیا گیا اور آپ ﷺ کی حیات میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ دیکھا جائے، تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں ہوا (آکسیجن) کے بھی محتاج نہیں ہیں کیونکہ موجود سائنسی تحقیق کے مطابق ہوا صرف دوسو میل تک ہے اسی لئے جو سائنسدان چاند پر سفر کے لئے جاتے ہیں وہ اپنے ساتھ آکسیجن کی تھیلیاں لے جاتے ہیں چاند پونے دولاکھ میل کی مسافت پر واقعہ ہے اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم تو چاند اور سورج سے ماوراء تمام آسمانوں سے اوپر سدرہ، صریف الاقلام اور عرش سے اوپر گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ کوئی آکسیجن نہیں تھی سو نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں قلب کے محتاج ہیں نہ ہوا کے۔ وصال کے روزے رکھے جس میں نہ سحر ہے نہ افطار اور کئی کئی دن کھائے پینے بغیر گزار دیئے اس سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ کھانے پینے کے محتاج نہیں لامکان میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ مکان کے محتاج نہیں وقت کی گردش سے باہر نکلے تو ثابت ہوا کہ آپ ﷺ وقت کے محتاج نہیں ہر چیز اپنے وجود میں اور ہر ذی روح اپنی حیات میں زمان مکان ہوا اور کھانے پینے کی محتاج ہے اور آپ اپنے ہونے میں ان میں سے کسی چیز کے محتاج نہیں اور حق یہ ہے کہ زمان مکان ہوا غذا بلکہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود میں آپ ﷺ کی محتاج ہے۔

قلب اطہر کو غسل دینے کے اسرار:

آپ ﷺ میں تقدیس اور تطہیر کا عمل دو مرتبہ کیا گیا ایک مرتبہ آپ ﷺ میں تقدیس کا عمل اس لئے کیا گیا تا کہ آپ کا قلب مغمز شیطان سے پاک ہو جائے اور آپ کے قلب میں توحید کے سوا اور چیز باقی نہ رہے دوسری بار جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حضرت مقدسہ کی بلندیوں میں لے جانا چاہتا تھا تا کہ آپ ﷺ پر پانچ نمازیں فرض کی جائیں اور ملائکہ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور بارگاہ الوہیت میں حاضر ہوں اس وقت آپ ﷺ کے ظاہر اور باطن کو غسل دیا گیا پہلی بار آپ ﷺ کے قلب کو برف کے ساتھ دھویا گیا تا کہ آپ ﷺ کے قلب کو ایمان باللہ کی ٹھنڈک حاصل ہو اور دوسری بار آپ کے قلب کو زمزم کے پانی سے غسل دیا گیا تا کہ آپ ﷺ بارگاہ الوہیت میں حاضری سے مشرف ہوں کیونکہ ظاہری مسجد میں حاضری کے لئے ظاہری بدن کو غسل دیا جاتا ہے تو باطنی مسجد اور بارگاہ ربوبیت میں حاضری کے لئے آپ ﷺ کے قلب کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے قلب کو زمزم کے پانی سے اس لئے غسل دیا گیا تا کہ زمزم آپ ﷺ کے قلب کے مس کے ساتھ مشرف ہو کیونکہ پہلے اس پانی کو جبرائیل کے پروں کے ساتھ نسبت تھی اور اب اس پانی کو قلب مصطفےٰ ﷺ کے ساتھ نسبت ہے۔

قلبِ اطہر کو سونے کے طشت میں رکھنے کے اسرار:

قلب اطہر کو سونے کے طشت میں رکھنے کی حکمتیں حسب ذیل ہیں:

سونا تمام دھاتوں میں سب سے افضل دھات ہے اور قلبِ مصطفےٰ ﷺ تمام دلوں میں سب سے افضل دل ہے۔ اس لئے آپ ﷺ کے قلب کو رکھنے کے لئے سونے کا طشت لایا گیا۔

سونے کو مٹی نہیں کھاتی اور انبیاء کے اجسام کو بھی مٹی نہیں کھاتی اس لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کو رکھنے کیلئے سونے کا طشت لایا گیا۔
سونے کو زنگ نہیں لگتا اور قلب مصطفےٰ کو کسی نوع کی معصیت کا زنگ نہیں لگتا اس لئے آپ کے قلب کو رکھنے کیلئے سونے کی دھات کا طشت لایا گیا۔

دماغ کو چاندی جگر کو فولاد اور دل کو سونے کے ساتھ مناسبت ہے اس لئے آپ کا دل رکھنے کیلئے سونے کا طشت لایا گیا۔ دنیا میں مسلمانوں پر چاندی اور سونے کے برتنوں کا استعمال ممنوع ہے لیکن جنت میں مسلمان چاندی اور سونے کے برتن استعمال کریں گے اور جو نعمت عام مسلمانوں کو جنت میں ملے گی اللہ تعالیٰ نے وہ نعمت آپ کو دنیا میں عطا کردی ہے مثلاً دیدار الٰہی عام مسلمانوں کو آخرت میں ہوگا اور آپ کو دنیا میں دیدار عطا کردیا اسی طرح سونے کے برتنوں کا استعمال اوروں کے لئے آخرت میں ہوگا آپ کے لئے دنیا میں سونے کا طشت لایا گیا۔
سونا آگ میں نہیں جلتا اور آپ کے قلب کو بھی دنیا میں مغفرت کی ضمانت دے دی گئی۔
"لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" (۱)

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام عربی میں سونے کو ذہب کہتے ہیں اور ذہب اذہاب پر دلالت کرتا ہے اور اذہاب کا معنی ہے دور کرنا تو ذہب کا طشت لاکر اس پر متنبہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی ظاہری اور باطنی نجاست کو آپ سے دور رکھا ذہاب کا معنی ہے جانا اور چونکہ یہ ذہاب الی اللہ (اللہ کے پاس جانے) کا موقع تھا اس لئے ذہب کا طشت لایا گیا۔

۹۔ علامہ سہیلی نے لکھا ہے کہ قلب کو طشت میں اس لیے رکھا ہے کہ اس کی طس تلک آیات القرآن کے ساتھ لفظی مناسبت ہے۔
۱۰۔ علامہ عینی نے کہا کہ سونا تمام جواہر میں ثقیل ہے اور سونے کے طشت سے وحی کے ثقل کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شق صدر کے اسرار کا تتمہ:

آپ کے سینہ کو شق کرنا، دل کو نکالنا اور اس کو زمزم سے دھو کر پھر سینہ میں رکھ کر اس کو سی دینا، اتنے خوارق عادیہ پر مشتمل ہے جس سے ان واقعات کو سننے والا دہشت زدہ ہو جاتا ہے تو جس پر یہ واقعات گذر رہے تھے اور جوان کا مشاہدہ کر رہا تھا اس کا کیا عالم ہوگا؟ کیونکہ عام عادت یہ ہے کہ جس کا پیٹ چاک کر کے اس کا دل نکال لیا جائے وہ لامحالہ مرجاتا ہے اور اس کے باوجود اس عمل سے آپ کو کوئی ضرر ہوا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا درد ہوا؟

علامہ ابن ابی جمرہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر تھا کہ شق صُدر کے بغیر آپ کے دل میں ایمان اور حکمت کو بھر دیا جاتا لیکن اس کے باوجود آپ کا شق صدر کیا گیا تا کہ یہ ظاہر ہو کہ آپ کی قوت کا کیا عالم ہے کیونکہ آپ اپنے پیٹ کے شق ہونے کا

۱۔ فتح ۲:۴۸

مشاہدہ کر رہے تھے اس کے باوجود آپ نے کسی قسم کے کرب اور بے چینی کا اظہار نہیں کیا اس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ بہادر ہیں، اور آپ کا حال اور مقام تمام لوگوں سے زیادہ بلند ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی''(۱)

آپ کی نظر اللہ کے جلوے سے نہیں ہٹی اور بصر نے بصیرت سے تجاوز نہیں کیا۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ شق صدر اور قلب مبارک کو دھونا آپ کے ساتھ مختص ہے یا یہ عمل دوسرے انبیاء کے لیے بھی واقع ہوا، اور امام طبرانی نے بنو اسرائیل کے تابوت کے قصہ میں یہ بیان کیا ہے کہ اس تابوت میں وہ طشت تھا جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب کو دھویا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ وصف دوسرے انبیاء علیہم السلام میں بھی مشترک ہے۔(۲)

براق پر سواری کے اسرار:

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

ایک سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ کو براق پر کیوں سوار کیا گیا؟ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ آپ کے لیے مسافت کو لپیٹ دیا جاتا آپ کا ایک قدم مکہ مکرمہ میں ہوتا اور دوسرا قدم مسجد اقصیٰ میں ہوتا اس کا جواب یہ ہے کہ مسافت کو لپیٹنا ایک ایسا وصف ہے جو اولیاء کرام میں بھی مشترک ہے اس کے برعکس ایسی سواری پر سوار نہ ہونا جو پلک جھپکنے میں مسافت کو طے کرے یہ وصف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ براق کے متعلق صحیح بخاری میں ہے کہ وہ اپنا قدم منتہا، بصر پر رکھتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ براق زمین پر چلتا تھا، امام محمد بن سعد نے واقدی سے روایت کیا ہے کہ براق کے دو پر تھے اس سے معلوم ہوا کہ وہ زمین اور آسمان کے درمیان پرواز کرتا تھا، اور امام ابویعلیٰ اور امام بزار نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب وہ کسی پہاڑ پر پہنچتا تو اس کے قدم اٹھ جاتے اور جب وہ میدانی علاقہ پر پہنچتا تو اتر جاتا۔

امام نسائی اور امام ابن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ سے پہلے انبیاء سابقین کے لیے ایک سواری کو مسخر کیا گیا تھا اس کا نام براق تھا، اور امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب نبی ﷺ کے سوار ہوتے وقت براق مچلنے لگا اور اچھل کود کر کے آپ کے سوار ہونے کو دشوار کیا تو حضرت جبرائیل نے براق سے کہا بخدا آج تک تجھ پر کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ کے نزدیک ان سے زیادہ مکرم ہو تو براق شرمندہ ہو کر پسینہ پسینہ ہو گیا۔

سواری کے وقت براق کیوں مچلا تھا؟ علامہ ابن بطال نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد ﷺ کے درمیان زمانہ فترت طویل ہو گیا، اور براق سواری کا عادی نہیں رہا تھا اس لیے مچلنے لگا، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ براق خوشی سے

ا۔ النجم ۵۳:۱۷　　۲۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۲۰۶

اچھل کود رہا تھا کہ آج اسے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پشت پر سوار کرانے کا موقع ملا ہے، جیسا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر جلوہ فرما ہوئے تھے تو وہ خوشی سے جھومنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اُحد! ساکن ہو جا، تجھ پر ایک نبی ہے ایک صدیق اور ایک شہید ہے۔ (علامہ عینی فرماتے ہیں) اور میں نے اپنے بعض مشائخ سے سنا ہے کہ براق آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتا تھا کہ قیامت کے دن بھی آپ اس پر سوار ہوں گے، جب تک آپ نے یہ وعدہ نہیں کیا، وہ مچلتا رہا اور جب آپ نے اس سے یہ وعدہ فرما لیا تو وہ پرسکون ہو گیا اور آپ اس پر سوار ہو گئے، اور ''ولسوف یعطیك ربك فترضیٰ'' کی تفسیر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جنت میں چالیس ہزار براق تیار رکھے ہیں جو جنت کی چراگاہوں میں چر رہے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ مجھے براق پر سوار کرایا گیا اور ''شرف مصطفیٰ'' میں مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے براق کی رکاب تھامی ہوئی تھی اور حضرت میکائیل نے براق کی لگام پکڑی ہوئی تھی۔

اگر یہ سوال ہو کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو گئے تو پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کیا کر رہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب براق روانہ ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام براق کی پشت پر بیٹھے اور اسی طرح بیت المقدس پہنچے، لیکن حضرت حذیفہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا ہے اس لیے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ان کا اجتہاد ہو، اور ابن دحیہ وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ جبرائیل براق کے ساتھ ساتھ اس کو ہنکاتے ہوئے چلے اور ہم کو اس پر اس لیے اعتماد ہے کہ قصہ معراج صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور تشریف ہے اس میں کسی غیر کا دخل نہیں ہے، لیکن امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو براق پر سوار کرایا اور وہ آپ [illegible]سلم کے ساتھ بیٹھے۔ (۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کے اسرار:

مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے معراج [illegible]ر کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گذرا تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (۲)

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے گذرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، پھر جب مسجد اقصیٰ پہنچے تو و[illegible] السلام کو موجود پایا، اب اس پر اشکال یہ ہے کہ حضرت موسیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے کیسے نکل گئے؟ اس کا جواب یہ ہے [illegible] ام کا حضور سے آگے نکلنا تب لازم آتا ہے کہ جب حضور بھی اپنی رفتار سے جاتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اپنی [illegible] ضرت موسیٰ علیہ السلام حضور سے پہلے پہنچ جاتے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم براق

۱۔ عمدۃ القاری، ر[illegible] ۲۔ صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۶۸

کی رفتار سے جار ہے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نبوت کی رفتار سے جار کیا ہزار براق بھی ہوں تو نبوت کی
رفتار کا مقابلہ نہیں کر سکتے، دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی ایک وقت میں کئی جگہ موجود ہو لسلام اس وقت قبر میں نماز بھی
پڑھ رہے تھے، مسجد اقصیٰ میں بھی تھے اور اسی وقت چھٹے آسمان پر بھی موجود تھے اس جواب اء اللہ آئندہ سطور میں ہو
جائے گی۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

قاضی عیاض نے کہا آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہر نے بیت
المقدس میں انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھائی اور آپ نے انبیاء علیہم السلام کو ان کے مراتب کے مطابق کو
سلام کیا اور خوش آمدید کہا، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے آسمان پر چڑھنے سے پہلے کثیب احمر کے پاس حضر
دیکھا ہو، پھر اسی راستہ میں ان کو بیت المقدس میں دیکھا ہو، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ سے پہلے آسمان پر پہنچ
ہے کہ جس وقت آپ نے انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں دیکھا اور ان کو نماز پڑھائی اسی وقت آپ نے ان کو آسمان
انبیاء علیہم السلام بیک وقت بیت المقدس میں بھی تھے اور آسمانوں پر بھی تھے) انہوں نے آپ سے سوالات کیے اور آپ کو خوش
اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ سے واپسی کے بعد آپ نے انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی اور پھر واپسی میں حضر
موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گذرے۔ (۱)

علامہ وشتانی ابی مالکی نے بھی قاضی عیاض کی اس تقریر کو نقل کیا ہے۔ (۲)

مصنف کے نزدیک قاضی عیاض کا بیان کردہ آخری احتمال مردود ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں یہ تصریح ہے کہ پہلے آپ نے مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی پھر آپ نے آسمانوں پر عروج فرمایا۔

امام بیہقی لکھتے ہیں:

جس حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پھر دوسری حدیث میں ان کو آسمان پر دیکھنے کا ذکر ہے، ان احادیث میں کوئی منافات نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے بیت المقدس کی طرف جاتے ہوئے ان کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، پھر ان کو آسمان پر دیکھا، اسی طرح جن انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں دیکھا تھا، پھر ان سب کو آسمانوں پر دیکھا، ان میں کوئی استبعاد نہیں ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی طرح (بلکہ ان سے افضل اور اعلیٰ حیات کے ساتھ) زندہ ہیں اس لیے ان کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں میں پایا جانا جائز ہے، جیسا کہ مخبر صادق ﷺ نے اس کی خبر دی ہے۔ (۳)

۱۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۹۶ ۲۔ اکمال اکمال المعلم، ج ۱، ص ۳۲۵ ۳۔ دلائل النبوۃ، ج ۲، ص ۳۸۸

علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

معراج کے فوائد میں سے یہ ہے کہ ایک جسم ایک آن میں دو جگہ موجود ہو سکتا ہے، جیسا کہ پہلے آسمان پر سیدنا محمد ﷺ نے اپنے آپ کو حضرت آدم کی نیک اولاد میں دیکھا، اسی طرح آپ نے حضرت آدم، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں دیکھا حالانکہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام اس وقت زمین پر اپنی اپنی قبروں میں تھے کیونکہ آپ نے مطلقاً فرمایا میں نے آدم کو دیکھا، میں نے موسیٰ کو دیکھا، میں نے ابراہیم کو دیکھا، یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آدم کی روح کو دیکھا میں نے موسیٰ کی روح کو دیکھا، جب آپ آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آئے تو بعینہ اس وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے تو جو شخص اس بات کا قائل نہیں ہے کہ ایک جسم ایک آن میں دو جگہ ہو سکتا ہے وہ اس حدیث پر کس طرح ایمان لائے گا، سو اگر تم مومن ہو تو مان لو، اور اگر عالم ہو تو اعتراض نہ کرو، اور تمہارے لیے یہ تاویل کرنا جائز نہیں ہے کہ جو زمین میں تھے وہ ان کے غیر تھے جو آسمان میں تھے کیونکہ آپ نے مطلقاً فرمایا میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اگر اسی طرح جن دیگر انبیاء علیہم السلام کو دیکھا ان کے متعلق بھی اسی طرح فرمایا، آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اگر آپ نے ان کے غیر کو دیکھا تھا تو العیاذ باللہ آپ کا ارشاد غلط ہوگا! (۱)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اسی طرح بقیہ سموات میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں اصل جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا تمثل ہوا ہے یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا اور اس جسد میں تعدد بھی اور ایک وقت میں روح کا سب کے ساتھ تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت حق تعالیٰ۔ اور ظاہراً یہ جسم مثالی جو دونوں جگہ نظر آیا الگ الگ شکل رکھتا تھا اسی لیے باوجود لقاء بیت المقدس کے آسمان میں نہیں پہچانا البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ آسمان پر مع الجسد ہیں ان کو وہاں دیکھنا مع الجسد ہو سکتا ہے لیکن ان کو جو بیت المقدس میں دیکھا وہ مع الجسد نہیں تھا بلکہ بالمثال تھا کہ تعلق روح کا جسد مثالی کے ساتھ قبل الموت بھی بطور خرق عادت کے ممکن ہے اور اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ بیت المقدس میں مع الجسد ہوں اور آسمان سے وہ آگئے ہوں یا دونوں مع الجسد ہوں اول آسمان سے بیت المقدس آئے ہوں پھر یہاں سے وہاں پہنچ گئے ہوں مگر خلاف ظاہر ہے۔ (۲)

شیخ اشرف علی تھانوی نے جو یہ لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اجسام اصلیہ کے ساتھ اپنی قبروں میں تھے اور اجسام مثالیہ

۱۔ الیواقیت والجواہر، ج ۲، ص ۴۰ ۲۔ نشر الطیب، ص ۶۵۔۶۴

کے ساتھ آسمانوں پر تھے اور ان کی روحوں کا دونوں جسموں کے ساتھ تعلق تھا، یہ بالکل صحیح ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں لیکن ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ اجسام مثالیہ، اجسام اصلیہ کے صورۃً مغائر ہوتے ہیں اس لیے آپ نے آسمانوں پر انبیاء علیھم السلام کو نہیں پایا اور حضرت جبرائیل کو بتانا پڑا، کیونکہ اگر اجسام مثالیہ اجسام اصلیہ کے صورۃً مغائر ہوں تو پھر ان کو اجسام مثلیہ کہنا درست نہیں ہوگا، درحقیقت اجسام مثلیہ اجسام اصلیہ کے ساتھ صورۃً مماثل ہوتے ہیں اور دونوں میں ایک ہی روح بہ یک وقت متصرف ہوتی ہے، جیسے ایک جسم کے متعدد اعضاء میں روح واحد بہ یک وقت متصرف ہوتی ہے، اسی طرح اجساد متعددہ میں بھی ایک روح بہ یک وقت متصرف ہوتی ہے اور چونکہ دونوں جسموں پر روح واحد متصرف ہوتی ہے اس لیے ان کو شخص واحد کہا جاتا ہے، اسی لیے آپ کا ارشاد بھی صحیح ہے کہ میں نے شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، پھر اسی شب ان کو مسجد ہی میں دیکھا اور اس شب ان کو چھٹے آسمان پر جاتے ہوئے اور آتے ہوئے متعدد بار دیکھا، باقی رہا حضرت جبرائیل کا تعارف کرانا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے ان کو نہیں پہچانا تھا بلکہ حضرت جبرائیل کا تعارف کرانا اپنے فرض منصبی کو ادا کرنا تھا اور اپنی خادمانہ حیثیت کو ظاہر کرنا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی تحقیق:

صوفیاء کرام اور بعض علماء اسلام نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ ہر جگہ موجود ہیں حتیٰ کہ کوئی معاند یہ کہے کہ جب تم کرسی پر بیٹھے ہو تو بتاؤ کرسی کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا نہیں؟ اگر آپ کرسی کے نیچے نہیں ہیں تو ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں اور اگر کرسی کے نیچے ہیں تو تم بڑے بے ادب اور گستاخ ہو کہ حضور کرسی کے نیچے ہیں اور تم کرسی کے اوپر بیٹھے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا یہ معنی نہیں کہ آپ اپنے جسم اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ بعینہ ہر جگہ موجود ہیں بلکہ آپ اپنے جسد اصلی اور معروف تشخص کے ساتھ اپنے روضہ انور میں جلوہ فرما ہیں، اور وہاں آپ کے مختلف اشغال ہیں، آپ قبر منور میں نماز پڑھتے، تجلیات الٰہیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں، صفات باری کا مطالعہ کرتے ہیں، زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں، ان کی درخواستوں پر توجہ فرماتے ہیں ان کے لیے دعا فرماتے ہیں اور ان کی شفاعت کرتے ہیں آپ پر اعمال امت پیش کیے جاتے ہیں آپ نیک اعمال پر خوش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں، کائنات کو ملاحظہ فرماتے ہیں اور جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں جسم مثالی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں، بعض اوقات کسی کی عیادت فرماتے ہیں، کسی کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، کسی ستم رسیدہ کی مدد کرتے ہیں، کسی کو حدیث پڑھاتے ہیں، کسی کو فقہی مسئلہ بتاتے ہیں اور کسی کو محض اپنے جمال دل نواز سے شادکام کرتے ہیں اور اگر ایک وقت میں متعدد جگہ جانا چاہیں تو بہ یک وقت متعدد جگہ جسم مثالی کے ساتھ تشریف لے جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر انور میں سلام کا جواب دینا:

قبر انور میں سلام کا جواب دینے کے متعلق حدیث ہے:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

''عن ابی هريرة ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال مامن احد يسلم على الارد الله على روحی حتیٰ اردعليه السلام۔''(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو وہ اس حال میں سلام بھیجتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری روح میری طرف لوٹائی ہوئی ہوتی ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قبر انور میں درود شریف پیش کیا جانا:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

''عن اوس بن اوس قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق ادم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثر واعلى من الصلوٰة فيه فان صلوتكم معر و ضة على قال قالوا يا رسول الله و كيف تعرض صلوتنا عليك وقد ار مت قال يقولون بليت فقال ان الله عزوجل حرم على الارض اجساد الا نبياء ''۔(۳)

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ ہے، اسی دن میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی دن میں ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا، اسی دن لوگ بیہوش ہوں گے سو اس دن تم مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا جسم تو (قبر میں) بوسیدہ ہو چکا ہوگا، پھر ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء کے اجسام کو حرام کر دیا ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من صلى على عند قبری و كل بها ملك يبلغنی و كفیٰ بها امر دنيا ه واخرته و كنت له شهيد ا اوشفيعا۔'' (۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری قبر پر درود پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس درود

۱۔ سنن ابوداؤد، ج۱،ص۲۷۹ ۲۔ مسند احمد، ج۲،ص۲۷ ۳۔ سنن ابوداؤد، ج۱،ص۱۵۰

۴۔ شعب الایمان، ج۲،ص۲۱۸

کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو میرے پاس وہ درود پہنچاتا ہے اور اس شخص کی دنیا اور آخرت کے لیے وہ درود کافی ہے اور میں اس کی گواہی دوں گا (یا فرمایا) میں اس کی شفاعت کروں گا۔

''عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا ، ابلغتہ۔''(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے میری قبر کے پاس درود پڑھا اس کو میں خود سنتا ہوں، اور جس نے دور سے مجھ پر درود پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

حافظ ابن قیم امام طبرانی کی (معجم کبیر سے) سند بیان کر کے لکھتے ہیں:

''عن ابی الدرداء قال: قال رسول الله ﷺ اکثروا الصلوٰة علی یوم الجمعة فانه یوم مشهود تشهده الملائکة لیس من عبد یصلی علی الا ابلغنی صوته حیث کان قلنا وبعد وفاتك قال وبعد وفاتی ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء''۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں جو شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے، اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہو۔ ہم نے عرض کیا آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا میری وفات کے بعد بھی بے شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجسام کھانے کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔

شیخ تھانوی نے اس حدیث کی سند اور متن پر ''بوادر النوادر'' میں بحث کی ہے، اس کا مکمل اور مدلل جواب علامہ غلام رسول سعیدی کی کتاب ''ذکر بالجہر'' میں لکھا ہے۔(۲)

رسول اللہ ﷺ کا قبر انور میں نماز پڑھنا:

قبر میں نبی ﷺ سے نماز پڑھنے کے متعلق حدیث:

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

''عن سعید بن عبدالعزیز قال لما کان ایام الحرة لم یوذن فی مسجد النبی ﷺ ثلاثا ولم یقم ولم یبرح سعید بن المسیب من المسجد و کان لایعرف وقت الصلوٰة الا بهمهمة یسمعها من قبر النبی ﷺ۔''(۳)

سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ایام حرہ میں تین دن نبی ﷺ کی مسجد میں اذان دی گئی اور نہ اقامت کہی گئی، سعید بن میب ان دنوں میں مسجد نبوی سے نہیں نکلے، انہیں نماز کے وقت کا صرف اس پست آواز سے پتا چلتا تھا جس کو وہ نبی ﷺ کی قبر سے سنتے تھے۔

۱۔ شعب الایمان، ج ۲، ص ۲۱۸ ۲۔ ذکر بالجہر، ص ۲۴۸ ۳۔ سنن دارمی، ج ۱، ص ۴۳

رسول اللہ ﷺ کے پاس قبر انور میں امت کے اعمال کو پیش کیا جانا:

قبر میں نبی ﷺ پر اعمال امت پیش کیے جانے کے متعلق احادیث:

''عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ حياتي خير لكم ينزل علي الوحي عن السماء فاخبر كم بما يحل لكم و مايحرم عليكم و موتي خير لكم تعرض على اعمالكم كل خميس فما كان من حسن حمدت الله عليه و ماكان من ذنب استوهب الله ذنوبكم۔(۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری زندگی میں بھی تمہارے لیے خیر ہے کیونکہ مجھ پر آسمان سے وحی اترتی ہے، اور میں تم کو حلال اور حرام کی خبر دیتا ہوں اور میری وفات میں بھی تمہارے لیے خیر ہے، کیونکہ ہر جمعرات کو تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں، نیک اعمال پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو تمہارے گناہ ہوتے ہیں ان کے لیے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی التجاء کرتا ہوں۔

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

''عن عبدالله بن مسعود عن النبی ﷺ قال ان الله ملائكة سياحين يبلغون عن امتی السلام قال وقال رسول الله ﷺ حياتي خير لكم تحد ثون وتحدث لكم ووفاتي خير لكم تعرض على اعمالكم فما را يت من خير حمدت الله عليه وما رايت من شر استغفرت الله لكم رواه البزار ورجاله رجال الصحيح۔(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے سیاحت کرتے رہتے ہیں وہ میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں، حضرت ابن مسعود نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے تم حدیثیں بیان کرتے ہو اور تمہارے لیے حدیث بیان کی جاتی ہیں، اور میری وفات تمہارے لیے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں میں تمہارا جو نیک عمل دیکھتا ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور جو میں برا عمل دیکھتا ہوں اس پر تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں، اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔

اعمال امت کو ملاحظہ فرمانے کے متعلق عبارات علماء:

علامہ احمد قسطلانی لکھتے ہیں:

''ويستحضر علمه بوقوفه يديه و سماعه لسلامه كما هو فی حال حياته اذلا فرق بين موته وحياته في مشاهدته لا مته و معرفته باحوالهم و نياتهم و عزائمهم وخواطرهم وذلك عنده جلي۔''(۳)

۱۔ الوفاء المصطفیٰ ص ۸۱۰ ۲۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۴ ۳۔ المواہب اللدنیہ مع الزرقانی، ج ۲، ص ۳۰۵

جو شخص آپ کی قبر انور کے سامنے کھڑا ہو آپ کو اس کا علم ہوتا ہے اور آپ اس کا کلام اس طرح سنتے ہیں جس طرح حیات (ظاہرہ) میں سنتے تھے کیونکہ امت کا مشاہدہ کرنے ، ان کے احوال ، ان کی نیتوں ان کے ارادوں اور ان کے دل کے خیالات کو جاننے میں آپ کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ چیز آپ کے نزدیک بالکل ظاہر ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

''قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حی بعد وفاتہ وانہ یسر بطاعات امتہ ویحزن بمعاصی العصاۃ منھم۔''(۱)

ہمارے اصحاب میں سے متکلمین اور محققین نے کہا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی عبادات سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ویکون الرسول علیکم شھیدا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''وباشد رسول برشما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بررتبہ ہر متدین بدین خود کہ درکدام درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان اوچیست وحجابے کی برآن از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس اوے شناسد گناہان شمارا ودرجات ایمان شمارا واعمال نیک وبد شمارا واخلاق ونفاق شمارا۔''(۲)

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ وہ نور نبوت سے ہر دیندار کے دین پر مطلع ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کس حجاب کی وجہ سے وہ دین میں ترقی نہ کر سکا ، لہذا وہ تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات اور تمہارے اچھے اور برے اعمال اور اخلاص ونفاق کو پہچانتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''وباچندیں اختلافات وکثرت مذاہب کہ در علماء است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آں حضرت ﷺ بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی است وبر اعمال امت حاضر وناظر وہ مر طالبان حقیقت را ومتوجہان آنحضرت را مفیض ومربی است''۔(۳)

علماء امت میں اکثر مذاہب واختلافات کے باوجود اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ حقیقۃً زندہ اور دائم باقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناظرہ ہیں اور طالبان حقیقت اور اپنی طرف متوجہ ہونے والوں کو فیض پہنچاتے ہیں اور ان کی تربیت فرماتے ہیں۔

۱۔ الحاوی للفتاوی ، ج ۲ ، ص ۱۴۹ ۲۔ تفسیر عزیزی ، ج ۱ ، ص ۶۳۲ ۳۔ مکتوبات علی ہامش اخبار الاخبار ، ص ۱۵۵

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

"وقد ذهب جماعة من المحققين الى ان رسول الله ﷺ حي بعد وفاته انه يسر بطاعات امته۔"(۱)

محققین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی عبادات سے خوش ہوتے ہیں۔

شمس الحق عظیم آبادی (غیر مقلد) نے بھی یہی لکھا ہے(۲)

رسول اللہ ﷺ کا تمام کائنات کو ملاحظہ فرمانا:

حافظ الہیثمی لکھتے ہیں:

"عن عمر قال قال رسول الله ﷺ ان الله عزوجل قد رفع لی الدنيا فانا انظر اليها والى ماهو كائن فيها الى يوم القيمة كانما انظر الى كفى هذه جليان جلاه الله لنبيه ﷺ كما جلاه للنبيين من قبله رواة الطبر انى ورجاله وثقو ا على ضعف كثير فى سعيد بن سنان الرهاوى۔"(۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ عزوجل نے تمام دنیا کو میرے لیے مرتفع کر دیا ہے، میں دنیا کی طرف اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے اس کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کی طرف دیکھ رہا ہوں، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے اس کو اس طرح منکشف کر دیا ہے جس طرح آپ سے پہلے نبیوں کے لیے منکشف کیا تھا، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی سعید بن سنان بہت ضعیف ہے اس کے باوجود اس حدیث کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔

صالحین امت کا نینداور بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرنا:

"عن ابى هريرة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من رانى فى المنام فسيرانى فى اليقظة ولا يتمثل الشيطان بى"۔(۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں: کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھے نیند میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میری مثل نہیں بن سکتا۔ اس حدیث کو امام مسلم، صحیح مسلم، امام ابوداؤد، سنن ابوداؤد، امام ابن ماجہ، اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔(۵)(۶)(۷) (۸)

۱۔ نیل الاوطار، ج۴، ص۱۸۳ ۲۔ عون المعبود، ج۱، ص۴۰۵ ۳۔ مجمع الزوائد، ج۸، ص۸۷

۴۔ صحیح بخاری، ج۲، ص۱۰۳۵ ۵۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۲۴۲ ۶۔ سنن ابو داؤد، ج۲، ص۲۹

۷۔ سنن ابن ماجہ، ص۲۸۷ ۸۔ مسند احمد، ج۱، ص۴۰۰، ج۵، ص۳۰۶

یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں اور آپ اطراف ارض میں جب چاہیں جہاں چاہیں تصرف کرتے ہیں او
تشریف لے جاتے اور اور عالم ملکوت میں آپ اپنی اسی ہیئت کے ساتھ ہیں جس ہیئت میں آپ وفات سے پہلے تھے، اس میں کوئی
تبدیلی نہیں ہوئی اور آپ آنکھوں سے اسی طرح غائب ہیں جس طرح فرشتے غائب ہیں حالانکہ وہ اپنے اجسام کے ساتھ زندہ ہیں
، اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے اعزاز اور اکرام کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا د
ہے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ہیئت پر دیکھتا ہے، اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور جسم مثالی کی تخصیص کا کوئی باعث نہیں ہے، علا
سیوطی کا تمام انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہی موقف ہے، انہوں نے کہا: انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور وفات کے بعد ان کی روحیں
لوٹا دی گئیں اور ان کو قبروں سے نکلنے اور تمام علوی اور سفلی ملکوت میں تصرف کرنے کی اجازت دی گئی اپنے اس موقف پر علا
سیوطی نے بہ کثرت احادیث سے استشہاد کیا ہے بعض ازاں یہ ہیں:

۱۔　امام ابن حبان نے اپنی تاریخ میں، امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ
روایت کیا ہے کہ ہر نبی فوت ہونے کے بعد صرف چالیس دن اپنی قبر میں رہتا ہے۔

۲۔　امام عبدالرزاق نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے: کوئی نبی فوت ہونے کے بعد چالیس دن سے زیادہ قبر میں
نہیں رہتا۔

۳۔　امام الحرمین نے نہایہ میں اور علامہ رافعی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے رب کے نزدیک اس
سے زیادہ مکرم ہوں کہ مجھے تین دن کے بعد بھی قبر میں رکھے امام الحرمین نے کہا یہ بھی مروی ہے کہ دو دن سے زیادہ قبر میں رکھے۔

علامہ سیوطی کا موقف یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں نہیں ہوتے عالم ملکوت میں ہوتے ہیں جن احادیث سے
علامہ سیوطی نے استدلال کیا ہے علامہ ابن جوزی نے ان کو موضوع قرار دیا ہے، نیز احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت کیا ہے
انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں ہوتے ہیں، صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور جب چاہیں جہاں چا
روئے زمین پر تشریف لے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

میرا ظن غالب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بصر سے اس طرح نہیں ہوتی جس طرح ہم دوسری متعارف چیزوں کو د
ہیں، یہ ایک حالت برزخی اور امر وجدانی ہے اس کو مکمل طور پر وہی جان سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس نعمت سے بہرہ مند کیا
ر چونکہ یہ رویت، رویت بصری کے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے اس لیے دیکھنے والا یہ گمان کرتا ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں
رح دیکھا ہے جیسے وہ متعارف چیزیں دیکھتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ رویت قلبی ہے جو رویت بصری سے بہت زیا

مشابہ ہے جو شخص نبی ﷺ کی زیارت کرتا ہے یا تو وہ آپ کی روح کو دیکھتا ہے جو صورت مرئیہ میں (یعنی انسانی پیکر میں) ظاہر ہوتی ہے، اور اس روح کا تعلق آپ کے جسم اطہر کے ساتھ قائم رہتا ہے جو آپ کی قبر انور میں موجود ہے، جیسا کہ حضرت جبرائیل دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صورت میں یا کسی اور صورت میں آتے تھے اس کے باوجود "سدرۃ المنتہیٰ" پر موجود ہوتے تھے، یا زیارت کرنے والا شخص نبی ﷺ کے جسم مثالی کو دیکھتا ہے جس کے ساتھ نبی ﷺ کی روح مقدس متعلق ہوتی ہے اور جسم مثالی کے تعدد سے کوئی چیز مانع نہیں ہے یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بہت سے اجسام مثالیہ ہوں اور بیک وقت بہت سے لوگ آپ کی زیارت کریں اور ان اجسام مثالیہ میں سے ہر ہر جسم کے ساتھ آپ کی روح کریم متعلق ہو اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسے انسان کی ایک روح اس کے بدن کے ہر ہر عضو کے ساتھ متعلق ہوتی ہے، ہماری اس تقریر سے شیخ ابو العباس طنجی کے اس قول کی توجیہ ہو جاتی ہے کہ آسمان، زمین، عرش اور کرسی سب جگہ رسول اللہ ﷺ نظر آ رہے تھے (یعنی ہر جگہ آپ کا جسم مثالی تھا اور آپ کی روح کا اس سے تعلق تھا) اور یہ اشکال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد دیکھنے والوں نے نبی ﷺ کو ایک معین وقت میں مختلف مقامات پر دیکھا (یعنی انہوں نے آپ کے اجسادِ مثالیہ دیکھے جن کے ساتھ آپ کی روح متعلق تھی۔)

پھر قبر میں انبیاء علیہم السلام کو جو حیات حاصل ہوتی ہے ہر چند کہ اس حیات پر وہ امور مرتب ہوتے ہیں جو دنیا میں مرتب ہوتے تھے مثلاً وہ نماز پڑھتے ہیں، اذان اور اقامت پڑھتے ہیں، جو سلام سنتے ہیں اس کا جواب دیتے ہیں اور اس کی مثل دوسرے امور ہیں لیکن اس حیات میں وہ تمام امور مرتب نہیں ہوتے جو دنیا کی معروف حیات میں مرتب ہوتے ہیں اور اس حیات کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے نہ اس کا ادراک کر سکتا ہے اور اگر بالفرض تمام انبیاء علیہم السلام کی قبریں منکشف ہو جائیں تو تمام لوگ قبروں میں انبیاء علیہم السلام کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح باقی ان اجسام کو دیکھتے ہیں جن کو زمین نہیں کھاتی ورنہ احادیث میں تعارض لازم آئے گا، کیونکہ احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، اور مسند ابو یعلیٰ میں حدیث مرفوع ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کو مصر میں منتقل کیا ہے۔(۱)

حافظ ابن حجر ہیتمی مکی سے سوال کیا گیا کہ:

کیا اب بھی نبی ﷺ سے بیداری میں ملاقات اور علم کا حاصل کرنا ممکن ہے؟ حافظ ابن حجر مکی نے جواب میں لکھا ہے:

ہاں یہ ممکن ہے اور یہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے ہے علماء شافعیہ میں سے امام غزالی، بازری، تاج الدین سبکی، عفیف یافعی اور علماء مالکیہ میں سے علامہ قرطبی، ابن ابی جمرہ، اور ابو جمرہ نے اس کی تصریح کی ہے منقول ہے کہ ایک ولی اللہ کی مجلس میں ایک فقیر آئے، پھر انہوں نے ایک حدیث بیان کی، اس ولی اللہ نے کہا یہ حدیث باطل ہے، فقیہ نے پوچھا آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ کہا

۱۔ روح المعانی، ج ۲۲ ص ۳۸۔۳۵

تمہارے سر کے پاس نبی ﷺ کھڑے ہوئے فرما رہے ہیں یہ بات میں نے نہیں کہی، پھر اس ولی اللہ نے فقیہ کے لیے بھی کشف کر دیا اور فقیہ نے بھی نبی ﷺ کی زیارت کر لی۔ (۱)

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

اور میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی بیداری میں زیارت کرنا ممکن ہے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے۔ اس کو زیارت ہو جاتی کیونکہ منقول ہے کہ علامہ سیوطی نے نبی ﷺ کی بائیس مرتبہ بیداری میں زیارت کی (علامہ عبدالوہاب شعرانی نے خود علامہ سیوطی کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے پچھتر مرتبہ بیداری میں زیارت کی اور بالمشافہ ملاقات کی ہے (۲) اور نبی ﷺ سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا اور نبی ﷺ کی تصحیح کے بعد ان کو صحیح قرار دیا، (الی قولہ) امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ انہوں نے بھی نبی ﷺ کی بیداری میں زیارت کی ہے اور اٹھ رفقاء کے ساتھ آپ ﷺ سے صحیح بخاری پڑھی، پھر امام شعرانی نے ان میں سے ہر ایک کا نام بھی لیا،، ان میں سے ایک حنفی تھا، اخیر میں شیخ کشمیری نے کہا بیداری میں آپ ﷺ کی زیارت متحقق ہے اور اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔ (۳)

اجسام مثالیہ کا تعدد:

صوفیاء اور فقہاء جو اجساد مثالیہ کے تعدد کے قائل ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

''عن معاویہ بن قرۃ عن ابیہ ان رجلا کان یاتی النبی ﷺ و معہ ابن لہ فقال لہ النبی ﷺ اتحبہ فقال یا رسول اللہ !احبك اللہ کما احبہ ففقد ہ النبی ﷺ فقال لی ما فعل ابن فلان ؟ قالو ا یا رسول اللہ !ما ت فقال النبی ﷺ لا بیہ اماتحب ان لا تاتی با بامن ابواب الجنۃ الا وجدتہ ینتظر ك فقال الرجل یا رسول اللہ !الہ خاصۃ ام الکلنا ؟ قال بل لکلکم۔''(۴)

حضرت قرۃ مزنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی ہوتا تھا نبی ﷺ نے اس شخص سے پوچھا کیا تم اس سے محبت کرتے ہو؟ اس نے کہا اللہ (بھی) آپ سے اتنی محبت کرے جتنی میں اس سے محبت کرتا ہوں، پھر نبی ﷺ نے اس کے بیٹے کو نہیں دیکھا، آپ نے پوچھا: فلاں شخص کے بیٹے کو کیا ہوا؟ صحابہ نے عرض کیا وہ فوت ہو گیا ہے، نبی ﷺ نے اس کے باپ سے فرمایا: کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازے سے بھی

۱۔ فتاویٰ حدیثیہ، ص ۲۵۴ ۲۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ، ج ۱، ص ۴۴ لواقح الانوار القدسیہ، ص ۱۷ ۳۔ فیض الباری، ج ۱، ص ۲۰۴

۴۔ مسند احمد، ج ۳، ص ۴۳۶

داخل ہو تمہارا بیٹا اس دروازہ پر (پہلے سے موجود تمہارا انتظار کر رہا ہو؟ ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ آیا یہ بشارت اس شخص کے لیے خاص ہے؟ یا ہم سب کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم سب کے لیے ہے۔

ملاعلی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیہ اشارۃ الی خرق العادۃ من تعدد الاجساد المکتسبۃ حیث ان الولد موجود فی کل باب من ابواب الجنۃ۔(۱)

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ بطور خرق عادت اجسادِ مثالیہ متعدد ہوتے ہیں، کیونکہ وہ بچہ (بیک وقت جنت کے ہر دروازہ پر موجود ہوگا۔

نیز ملاعلی قاری لکھتے ہیں:

''ولا تبا عدمن الاولیاء حیث طویت لھم الارض وحصل لھم ابدان مکتسبۃ متعددہ وجد وھا فی اماکن مختلفۃ فی آن واحد''۔(۲)

جب اولیاء اللہ کے لیے زمین لپیٹ دی جاتی ہے، تو ان کے لیے ایسے اجسادِ مثالیہ کا تعدد بعید نہیں ہے، جو آن واحد میں مختلف مقامات پر موجود ہوتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کا آن واحد میں متعدد جگہ موجود ہونا:

شیخ عبدالحق محدیث دہلوی لکھتے ہیں:

بعض محققین در تسمیہ ابدال گفتہ اند کہ یکے از ایشان بمکانے رود و در مکانے اول شبیے ومثالے در بدل خود بگذارد وسادۃ صوفیہ قدس اللہ اسرارہم عالم متوسط در عالم اجساد وارداح ثابت کردہ اند کہ آں را عالم مثال گرنید الطف از عالم اجساد واکشف از عالم ارواح وظہور ارداح وصور مختلفہ مبنی برآں ساختہ وظہور جبرائیل علیہ السلام بصورۃ دحیہ کلبی وتمثل اومر مریم رابصورت بشر مسوی الخلق ازاں عالم مے دارند وبناء علیہ جائز بود کہ موسیٰ علیہ السلام باوجود استقرار در آسمان ششم وپیکر مثالے در قبر متمثل باشد وآنحضرت اورا در پردو مکان مشاہدہ نمود۔(۳)

بعض محققین ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہوتا ہے تو وہ پہلی جگہ اپنے بدلے میں اپنی مثال چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے نزدیک عالم اجسام اور ارواح کے درمیان ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم اجسام سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف ہونا اسی عالم مثال پر مبنی ہے، اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ

۱۔ مرقات، ج ۴، ص ۱۰۹ ۲۔ مرقات، ج ۴، ص ۳۱ ۳۔ جذب القلوب، ص ۱۵۳

کی صورت میں اور حضرت مریم کے پاس بشر سوی کی صورت میں متمثل ہونا اسی عالم مثال کے قبیل سے ہے، اور اسی وجہ سے یہ جائز ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر بھی موجود ہوں اور اسی وقت اپنی قبر میں بھی جسم مثالی کے ساتھ موجود ہوں اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو۔

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں:

رہا یہ شبہ کہ کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے، آپ کے علم وروحانیت کی نسبت جو دلائل نقلیہ وکشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے علاوہ اس کے اللہ کی قدرت تو محل کلام نہیں۔ (۱)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

محمد بن الحضری مجذوب نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ دیا اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھائے اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب باش ہوتے تھے۔ (۲)

نیز شیخ تھانوی لکھتے ہیں:

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ شیخ محمد الشربینی کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی اور کچھ اولاد بلاد عجم میں تھی، اور کچھ بلاد ہند میں، اور کچھ بلاد تکرور میں تھی، آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنے اہل وعیال کے پاس ہوآتے اور ان کی ضرورتیں پوری فرمادیتے، اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ انہی کے پاس قیام رکھتے ہیں۔ (۳)

شیخ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

والانفس الناطقة الانسانية اذا كانت قدسية قد تنسلخ عن الابدان وتذهب متمثلة ظاهرة بصور ابدانها اوبصور اخرى كما يتمثل جبيرائيل عليه السلام ويظهر بصورة دحية اوبصورة بعض الاعراب كما جاء في صحيح الاخبار حيث يشاء الله عز وجل مع بقاء تعلق لهابالا بدان الا صلية يتاتى معه صدور الافعال منها كما يحكى عن بعض الاولياء قدست اسرار هم انهم يرون في وقت واحد في عدة مواضع (الى قوله) و انكاره مكابرة لاتصدر ا لا من جاهل اومعاند(الى قوله) وادعى انه عليه الصلوٰة و السلام قد يرى في عدة مواضع في وقت واحد مع كونه في قبره الشريف يصلي وقد تكلم الكلام مستوفي في ذلك و صح انه صلى الله عليه وسلم راى موسىٰ عليه السلام يصلي في قبره عند الكثيب الاحمروراه في السماء وجرى بينهما ماجرى في

۱۔ فیصلہ ہفت مسئلہ، ص ۷ ۲۔ جمال الاولیاء، ص ۱۸۸ ۳۔ جمال الاولیاء، ص ۲۰۲

ﷺ رای موسیٰ علیه السلام یصلی فی قبره عند الکثیب الاحمر وراه فی السماء وجری بینهما ماجری فی امر الصلوة المفروضة وقد رای ﷺ لیلة اسری به جماعة من الانبیاء غیر موسیٰ علیه السلام فی السموات مع ان قبورهم فی الارض ولم یقل احد انهم نقلوا منها الیها ـ(۱)

انسانی روحیں جب پاکیزہ ہو تو وہ ابدان سے الگ ہو جاتی ہیں اور اپنے بدن کی صورتوں میں یا کسی اور صورت میں متمثل ہو کر چلی جاتی ہیں جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں یا کسی اعرابی کی صورت میں متمثل ہو کر جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے چلے جاتے ہیں اس کے باوجود ان کا اپنے ابدان اصلیہ سے تعلق برقرار رہتا ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے اور جس طرح بعض اولیاء سے منقول ہے کہ وہ ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دکھائی دیتے ہیں اور ان سے افعال صادر ہوتے ہیں، اس کا انکار کرنا ہٹ دھرمی ہے، جو صرف کسی جاہل اور معاند سے ہی متصور ہو سکتا ہے، اور (علامہ ابن قیم) نے دعویٰ کیا ہے کہ نبی ﷺ کی ایک وقت میں متعدد جگہ زیارت کی جاتی ہے حالانکہ اس وقت آپ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں، اس پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثیب احمر کے پاس ان کی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور ان کو آسمان میں بھی دیکھا اور آپ کے اور حضرت موسیٰ کے درمیان فرض نمازوں کے معاملہ میں مکالمہ ہوا، شب معراج نبی ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ دوسرے انبیاء کی ایک جماعت کو بھی آسمان پر دیکھا حالانکہ ان کی قبریں زمین پر ہیں اور کسی نے یہ قول نہیں کیا کہ وہ اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرح منتقل ہو گئے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ سید آلوسی، علامہ ابن حجر ہیتمی مکی، علامہ عبدالوہاب شعرانی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، شیخ اشرف علی تھانوی اور شیخ شبیر احمد عثمانی کی صریح عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور کائنات کا ملاحظہ اور اعمال امت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں، اور احوال برزخ میں مشغول ہیں اور جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں حتیٰ کہ ایک وقت میں متعدد جگہ بھی تشریف لے جاتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے سے ہماری یہی مراد ہے۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ایک وقت میں متعدد جگہ موجود ہوں تو اگر ہر جگہ آپ بعینہٖ موجود ہیں تو یہ ''تکثر جزئی'' ہے اور وہ محال ہے اور دوسری جگہ پر آپ کی مثال ہے تو مثل شی غیر شی ہوتی ہے سو اس جگہ آپ نہ ہوئے بلکہ آپ کا غیر ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اجساد مثالیہ میں اشارہ حسیہ کے لحاظ سے بہر حال تغایر ہے اس لیے یہ تکثر جزئی نہیں ہے اور چونکہ ان تمام اجساد مثالیہ میں روح واحد متصرف ہے اس لیے یہ اجسام آپ کا غیر نہیں ہیں۔

۱۔ فتح الملہم، ج ۱، ص ۳۰۶۔۳۰۵

الحمدللہ علی احسانہ رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے تمام اصولی مباحث کا میں نے باحوالہ اور بادلائل ذکر کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ میری اس تحریر کو میرے لیے توشۂ آخرت، موافقین کے لیے موجبِ استقامت اور مخالفین کے لیے سبب ہدایت بنادے۔ ماشاء اللہ و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

شب معراج عالم برزخ کے واقعات دکھائے جانے کے اسرار:

نبی ﷺ کو شب معراج مسجد اقصیٰ جاتے ہوئے راستہ میں عالم برزخ کے بعض واقعات کا مشاہدہ کرایا گیا، مثلاً یہ دکھایا گیا کہ بعض لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں اور آپ کو بتایا گیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ واعظین ہیں جو لوگوں کو برائیوں سے روکتے تھے اور خود نہیں رکتے تھے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ابھی تو امت کے ایسے واعظ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ پھر ان کے عذاب کو کس طرح دکھایا گیا؟ اسی طرح زنا کار مردوں اور سود کھانے والوں کو عذاب میں مبتلا دکھایا گیا حالانکہ ابھی تو یہ لوگ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ معراج کے موقع پر جو نبی ﷺ کو بہت سے مشاہدات کرائے گئے تھے ان میں بعض حقیقتوں کو مشل کر کے دکھایا گیا تھا مثلاً ایک فتنہ انگیز کی یہ تمثیل کہ ایک ذرا سے شگاف میں سے ایک موٹا سا بیل نکلا اور پھر اس میں واپس نہ جاسکا، یا زنا کاروں کی یہ تمثیل کہ ان کے پاس تازہ نفیس گوشت موجود ہے مگر وہ اس کو چھوڑ کر بدبودار اور سڑا ہوا گوشت کھارہے ہیں اسی طرح برے اعمال کی جتنی سزائیں بھی آپ کو دکھائیں گئیں وہ سب برزخ میں دیے جانے والے عذاب کی پیشگی مثالیں تھیں۔

مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرانے کے اسرار:

رسول اللہ ﷺ جب مسجد اقصیٰ میں پہنچے تو آپ کی تمام انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی ہر نبی نے اپنے اپنے فضائل اور خصوصیات کو بیان کیا اور سب کے بعد جب آپ ﷺ نے اپنے فضائل اور خصوصیات کو بیان کیا تو سب نے آپ کے افضل ہونے کا اعتراف کیا، پھر آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے امام ہوئے اور سب نبیوں کو آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کو آسمانوں اور عرش پر بلانا تھا تو اللہ تعالیٰ آپ کو براہ راست سیدھا آسمانوں پر لے جاتا، مسجد اقصیٰ سے گھما کر کیوں لے گیا، اس سوال کے متعدد جوابات ہیں:

۱۔ اگر نبی ﷺ شب معراج مسجد اقصیٰ نہ جاتے تو کفار پر آپ کی صداقت کی دلیل مہیا نہ ہوتی کیونکہ آسمانوں کی نشانیاں کفار کی دیکھی ہوئی نہیں تھیں، وہ آپ کے دعویٰ کی تصدیق کس طرح کرتے! اس کے برعکس مسجد اقصیٰ کفار کی دیکھی ہوئی تھی انہوں نے آپ سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھیں اور جب آپ نے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں اور راستے میں ملنے والے قافلوں کے احوال بتا دیے تو آپ کے دعویٰ کے صداقت کی دلیل اور کفار پر حجت قائم ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ"(۱)۔

یہ (انبیاء سابقین) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی سو آپ بھی ان کے طریقہ پر چلیں۔

اور انبیاء سابقین نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی ہے تو آپ سے بھی مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھوائی تا کہ آپ کی ذات مقدسہ میں بھی یہ وصف مہیا ہو جائے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ اور آپ کی شان کو ظاہر کرنا تھا کیونکہ تمام سابق نبیوں نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی لیکن ان کو ایک نماز پر ایک نماز کا ہی اجر ملتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج مسجد اقصیٰ میں نماز کیا پڑھی اس میں نماز پڑھنے کا اجر وثواب پچاس ہزار گنا زائد ہو گیا، اب جو وہاں ایک نماز پڑھتا ہے اس کو پچاس ہزار گنا زائد اجر ملتا ہے۔

۴۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امام الانبیاء، ہونا ظاہر کرنا تھا اور تمام انبیاء پر آپ کی افضلیت ظاہر کرنی تھی کہ بشریت کا انتہائی کمال رکھنے والے سب حضرات پیچھے صف بنائے ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور آپ ان سب سے آگے تھے۔

۵۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ میں جائے بغیر سیدھے آسمانوں پر چلے جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج تو ہو جاتی لیکن ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی معراج نہ ہوتی کیونکہ آپ کی معراج خدا تک پہنچنا ہے اور کائنات کی معراج آپ تک پہنچنا ہے بعض محققین نے لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے امام ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی معراج ہوئی اور جب "سدرۃ المنتہیٰ" پر جبرائیل سے آگے نکل گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی معراج ہوئی اور جب عرش عظیم سے آگے نکل گئے تو آپ کی حقیقت کی معراج ہوگئی اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب آپ نبیوں کے امام ہوئے تو نبیوں کی معراج ہوئی، آسمانوں پر پہنچے تو آسمانوں کی معراج ہوئی، سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو سدرۃ کی کی معراج ہوئی عرش پر پہنچے تو عرش کی معراج ہوگئی اور جب آپ "دنی فتدلی" اور فکان قاب قوسین اوادنی پر پہنچے اور تجلیات الٰہیہ کو بے حجاب دیکھا تو آپ کی معراج ہوگئی۔ کیونکہ کائنات کی معراج یہ ہے کہ آپ کو دیکھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج یہ ہے کہ آپ خدا کو دیکھیں۔

۶۔ انبیاء سابقین نے عالم میثاق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا وعدہ کیا تھا، انہوں نے شب معراج مسجد اقصیٰ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی تو ان کا یہ وعدہ پورا ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے۔

"وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ (81) فَمَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ"(۲)

۱۔ الانعام ۶:۹۰ ۲۔ آل عمران ۳:۸۲_۸۱

اور (اے محبوب یاد کیجئے) جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے ان کا عہد لیا کہ تم کو جو کتاب اور حکمت دے دوں، پھر تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں جو اس (شریعت) کی تصدیق کریں جو تمہارے پاس ہے، تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور ضرور ضرور ان کی نصرت کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کیا؟ اور میرے اس بھاری عہد کو قبول کیا؟ سب نے کہا ہم نے اقرار کیا فرمایا پس گواہ رہنا اور میں خود تمہارے ساتھ گواہ ہوں، پھر اگر کوئی اس کے بعد (اس) عہد سے پھرا، وہی لوگ نافرمان ہوں گے!

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

امام ابن جریر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، خواہ وہ حضرت آدم، ہوں یا ان کے بعد کوئی نبی ہو، اس سے یہ عہد لیا کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو وہ ضرور آپ پر ایمان لائے گا، اور ضرور بہ ضرور آپ کی نصرت کریگا، اور وہ نبی اپنی امت سے عہد لیتا ہے کہ جب آپ مبعوث ہو جائیں تو تم نے آپ پر ایمان لانا ہے اور آپ کی نصرت کرنی ہے۔(۱)

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ وجہہ الکریم کی اس روایت کے مطابق عالم میثاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا اور یہ نہیں بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کب مبعوث ہوں گے اور اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت تعظیم اور بے غایت تکریم ہے کیونکہ ہر نبی ساری عمر آپ کا انتظار کرتا رہا کہ دیکھیے کب مبعوث ہوتے ہیں اور کب آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت کرنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک سارے نبی آپ کا راستہ دیکھتے رہے اور دیکھتے دیکھتے چلے گئے۔

امام ابو یعلیٰ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر حضرت موسیٰ تمہارے زمانہ میں زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا، اور اس معنی کی موید احادیث بہ کثرت ہیں، اور اسی وجہ سے عارفین نے یہ کہا ہے کہ حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شارع ہیں اور آپ کے علاوہ باقی انبیاء علیہم السلام سب آپ کے تابع ہیں۔(۲)

اس لیے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ سے گذرے بغیر چلے جاتے تو وہ سارے نبی جو عالم میثاق سے آپ کی دید کے مشتاق اور آپ کی اطاعت کے لیے بے تاب تھے ان کی آرزوئیں ادھوری اور تمنائیں ناتمام رہ جاتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصیٰ میں کیا آئے سارے نبیوں کی مرادیں پوری ہو گئیں اور آپ کی اقتداء میں نماز پڑھ کر سارے انبیاء علیہم السلام شادکام ہو گئے۔

۱۔ روح المعانی، ج ۳، ص ۲۰۹　　۲۔ روح المعانی، ج ۳، ص ۲۱۰

آسمانوں پر جانے کے اسرار:

مسجد اقصیٰ میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرانے کے بعد نبی ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے پہلے آسمان پر حضرت آدم، دوسرے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔

ہر آسمان پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا مگر دروازہ نہیں کھلا اور جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ ان کے ساتھ حضرت سیدنا محمد ﷺ ہیں تو آسمان کا دروازہ کھل گیا اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کو عزت و کرامت کی جس مخصوص شاہراہ سے لے جایا جارہا تھا یہ صرف آپ کے ساتھ خاص تھی، جبرائیل نے جب اپنا نام لیا تو آسمان کا دروازہ نہیں کھلا، اور جب نام محمد ﷺ لیا تو دروازہ کھل گیا اور یہ واضح ہوگیا کہ عزت و کرامت کا کوئی دروازہ آپ ﷺ کے نام کے بغیر نہیں کھلتا، اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ نام محمد ﷺ سے کھلتا ہے، توبہ کی قبولیت انہی کے در پر آنے سے اور ان ہی کا نام لینے سے ہوتی ہے۔ قبر میں اجالا اسی نام سے ہوتا ہے، شفاعت کا دروازہ بھی نام محمد ﷺ سے کھلے گا اور جنت کا دروازہ بھی اسی نام سے کھلے گا۔

سدرۃ المنتہیٰ سے آگے گذرنے کے اسرار:

سدرۃ المنتہیٰ کو منتہیٰ اس لیئے کہتے ہیں کہ وہ سدرہ سے نیچے والوں کی منتہیٰ ہے، نیچے والے اس سے اوپر نہیں جاسکتے، اور سدرہ سے اوپر والوں کی بھی منتہیٰ ہے اوپر والے سدرہ سے نیچے نہیں جاسکتے اور نبی ﷺ سدرہ سے اوپر بھی گئے اور اوپر جانے کے بعد سدرہ سے نیچے بھی آئے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ ہر حد سے آگے گذر گئے، عالم خلق میں ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کی ہے وہ اس حد سے آگے نہیں جاسکتا اور صرف نبی ﷺ ایسی مخلوق ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی حد نہیں رکھی، جس چیز کی بھی حد بنائی گئی نبی ﷺ اس حد سے آگے گذر گئے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ بے مثل ہیں اور کائنات میں کوئی آپ ﷺ کی مثل نہیں ہے کیونکہ آپ سدرہ سے اوپر بھی گئے اور سدرہ سے نیچے بھی آئے اگر آپ نیچے والوں کی طرح ہوتے تو سدرہ سے اوپر نہ جاسکتے اور اگر اوپر والوں کی طرح ہوتے تو سدرہ سے نیچے نہ آسکتے، معلوم ہوا کہ سدرہ سے نیچے کوئی آپ ﷺ کی مثل ہے نہ سدرہ سے اوپر کوئی آپ کی مثل ہے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نبی ﷺ نے سدرہ سے آگے ساتھ چلنے کے لیے کہا لیکن انہوں نے عرض کی اگر میں ایک پور کے برابر بھی آگے گیا تو جل جاؤں گا، اگر جبرائیل آپ کے ساتھ سدرہ کے پار چلے جاتے تو کیا واقعی جل جاتے؟ اہل عرفان یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت جبرائیل نبی ﷺ کے ساتھ چلے جاتے تو ہرگز نہ جلتے، نبی ﷺ کے ساتھ آپ کے کپڑے اور آپ کی نعلین چلی اور نہیں جلیں تو جبرائیل کیسے جل جاتے! یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل آپ کے رفیق اور شریک سفر بن کر چلے تھے تو سدرہ

سے نیچے رہ گئے اور نعلین آپ قدموں سے لپٹ کر چمٹ کر چلی تھیں تو سدرہ کے پار گذر گئیں۔ اس موقع پر حضرت سعدی شیرازی کے یہ اشعار بہت وجد آفرین ہیں:

بدو گفت سالار بیت الحرام — کہ اسے حامل وحی برتر خرام
چوں در دوستی مخلصم یافتی — عنانم زصحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یکسرے موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

قف یا محمد فان ربك یصلی کے اسرار:

جب نبی ﷺ سدرہ سے آگے رفرف (سبز رنگ کا تحت) پر بیٹھ کر تنہا روانہ ہوئے تو تنہائی سے آپ کو گھبراہٹ اور وحشت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی گھبراہٹ دور کرنے کے لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آواز کے مشابہ ایک آواز پیدا کی: "قف یا محمد فان ربك یصلی"۔ اے محمد! ٹھہریے آپ ﷺ کا رب آپ پر صلوٰۃ پڑھتا ہے نبی ﷺ کا ذہن صلوٰۃ سے نماز کے معنی کی طرف متوجہ ہوا اور آپ حیران اور متعجب ہوئے کہ رب نماز پڑھتا ہے، تب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے تعجب کو زائل کرنے کے لیے یہ آواز سنائی:

"ھو الذی یصلی علیکم و ملائکتہ":

وہ جو تم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اور اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں تب نبی ﷺ کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ یہاں صلوٰۃ نماز کے معنی میں نہیں رحمت (درود) کے معنی میں ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابتداءً اللہ تعالیٰ آپ کا ذہن صلوٰۃ سے رحمت کے معنی کی طرف متوجہ کر دیتا پہلے آپ کے ذہن کو صلوٰۃ سے نماز کی طرف منتقل کر کے آپ میں تعجب پیدا کیا پھر اس تعجب کو رحمت کے معنی کی طرف متوجہ کر کے زائل کیا اس میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کو تنہائی سے جو وحشت لاحق ہو رہی تھی اس وحشت کو زائل کرنے کے لیے آپ میں تعجب پیدا کیا، کیونکہ گھبراہٹ اور وحشت کے وقت اگر انسان کا ذہن کسی اور طرف متوجہ ہو جائے تو وہ گھبراہٹ زائل ہو جاتی ہے۔

اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ ابتداء اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن میں گھبراہٹ ہی پیدا نہ کرتا حتیٰ کہ اس کو زائل کرنے کے لیے آپ میں تعجب پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گھبراہٹ دل میں ہوتی ہے اور تعجب ذہن اور دماغ میں ہوتا ہے اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ سدرہ کے پار وہ شخص جا رہا ہے جس کا دل بھی ہے اور دماغ بھی ہے اور دل اور دماغ جسم میں ہوتا ہے روح میں نہیں ہوتا تو لوگو جان لو یہ جسمانی معراج ہے محض روح کی معراج نہیں ہے۔

نیز اس تمام واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہائی میں نبی ﷺ کا دل بہلتا ہے تو صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بہلتا ہے، غار

ثور کی تنہائی میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا، سدرہ کے پار تنہائی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی آواز سے تسکین ہوئی، قبر انور کی تنہائی میں حضرت ابو بکر کو ساتھ رکھا اور جنت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابو بکر ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے نمازوں میں کمی کے اسرار:

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الوہیت میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض کیں، اور حضرت موسیٰ نے بار بار سفارش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکتی اپنے رب کے پاس جائیے اور نمازیں کم کرائیے حتیٰ کہ یہ نمازیں پانچ ہو گئیں۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا یہ علم نہیں تھا؟ اور جب اللہ تعالیٰ نے بالآخر پانچ نمازیں فرض کرنی تھیں تو ابتداء پچاس نمازیں کیوں فرض کیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کو بھی یہ علم تھا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم تھا کہ نمازیں صرف پانچ فرض کی جائیں گی لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو بار بار اپنے پاس بلانا چاہتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بار بار جانا چاہتے تھے اور لذت دیدار کو پھر تازہ کرنا چاہتے تھے اور اس کے کلام کی سماعت سے پھر شاد ہونا چاہتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس رمز سے آگاہ تھے وہ بار بار نمازیں کم کرانے کے بہانے آپ کو بھیج رہے تھے، حسن لایزال کی تجلیاں طالب دیدار کو بار بار بلا رہی تھیں، اور مشتاق دید سرتا پا نیاز بن کر بار بار حریم ناز میں جارہا تھا، یہ حسن اور عشق اور ناز و نیاز کا معاملہ تھا ورنہ نمازیں تو ابتداءً پانچ فرض کی جاسکتی تھیں!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج کی ابتداء میں فرمایا تھا کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، سارے انبیاء اپنی اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور آپ نے سب ہی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ کے قبر میں نماز پڑھنے کا ذکر کیوں کیا؟ شاید اس لیے کہ حضرت موسیٰ کی سفارش سے امت کی نمازیں کم ہوئی تھیں، اور یہ دلیل قائم کرنی تھی کہ قبر والے سفارش کرتے ہیں اور دنیا والوں کی مدد کرتے ہیں کہ ان ہی کی مدد سے یہ نمازیں پچاس سے پانچ ہو گئیں!

الصلوٰۃ معراج المومنین کے اسرار:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے نماز کا تحفہ لے کر آئے اور فرمایا تم اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو اور معراج کا حاصل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے اور دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اس طرح آپ نے امت کے لیے یہ موقع فراہم کیا کہ وہ دن میں پانچ مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اس طرح نماز پڑھے کہ حسن الوہیت کے جلوؤں میں ڈوب جائے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک مرتبہ معراج کی اور امت کے لیے دن میں پانچ مرتبہ معراج کا تحفہ لے کر آئے۔

عارفین نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی تین حالتیں ہیں، ایک حالت وہ ہے جب آپ حطیم کعبہ سے مسجد اقصیٰ گئے اور تمام انبیاء کے امام ہوئے، اس کی نمائندگی نماز میں حالت قیام ہے، دوسری حالت وہ ہے جب آپ پہلے آسمان سے لے کر

سدرۃ المنتہٰی تک پہنچے، اس کا اظہار نماز میں حالت رکوع ہے اور تیسری حالت وہ ہے جب آپ عرش عظیم سے ماوراء دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی تک پہنچے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا وہ قرب حاصل ہوا جس سے بڑھ کر قرب کا تصور نہیں ہو سکتا، اس کے قائم مقام نماز میں سجدہ ہے کیونکہ سجدہ میں بندہ کو اپنے رب کا وہ قرب حاصل ہوتا ہے جس سے بڑھ کر قرب کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید میں ہے:

''وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ''(۱)

آپ سجدہ کریں اور (ہمارے مزید) قریب ہوں

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: بندہ کا اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ قرب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے اور حدیث صحیح میں حضرت ثوبان سے مرفوعاً روایت ہے: ''تم بکثرت سجدوں کو لازم کرلو کیونکہ جب تم اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس سجدہ سے تمہارا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور تمہارا ایک گناہ مٹا دیتا ہے''۔(۲)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کہ بندہ کا اپنے رب کے ساتھ سب سے زیادہ اور سب سے پسندیدہ قرب اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی پیشانی زمین پر رکھ کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے'' ہمارے علماء نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ سجدہ میں انتہائی عبودیت اور نہایت ذلت ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے انتہائی عزت ہے، اس کی عزت کی کوئی مقدار نہیں بندہ تو جتنا اس کی صفت عزت سے نزدیک ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے قریب ہوگا اور اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت ہوگی کہ جس جگہ پیر رکھے جاتے ہیں وہاں بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا سر رکھ دیتا ہے۔(۳)

کفار قریش کو دیے ہوئے جوابات کے اسرار:

حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے'' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے سامنے واقعہ معراج بیان کیا تو ان لوگوں نے امتحان کے لیے سوالات کرنے شروع کیے جو ایک شخص نے پوچھا کیا آپ بنو فلاں کے اونٹوں کے پاس سے گذرے تھے؟ آپ نے فرمایا ہاں میں نے ان کو فلاں اور فلاں جگہ دیکھا، ان کی سرخ رنگ کی اونٹنی کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، ان کے پاس پیالے میں پانی تھا جس کو میں نے پی لیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی پینے سے ایک تو واقعہ معراج پر دلیل قائم ہوگئی، کیونکہ قافلہ والوں نے بتایا کہ کسی نے اس پیالے سے

۱۔ علق ۹۶:۱۹　　۲۔ روح المعانی، ج ۳۰، ص ۱۸۸　　۳۔ الجامع لاحکام القرآن، ج ۲۰، ص ۱۲۸

پانی نہیں پیا اور نہ پانی گرایا اور وہ پانی ختم ہوگیا، دوسرے اس سے معراج جسمانی پر دلیل قائم ہوگئی، کیونکہ پانی پینا جسم کا کام ہے روح کا نہیں ہے۔

امام بخاری، امام مسلم، امام بیہقی اور دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے کہ کفار قریش نے آپ سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھنی شروع کیں، آپ نے ان نشانیوں کو محفوظ نہیں رکھا تھا، سو آپ ﷺ ان کے سوالات سے بہت پریشان ہوئے، تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا، وہ آپ ﷺ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھتے رہے اور آپ ﷺ دیکھ دیکھ کر بیان فرماتے رہے۔

اس حدیث میں نبی ﷺ کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے مسافت بعیدہ سے ملکہ بلقیس کا تخت لایا گیا اور یہ ان کا بہت بڑا اعزاز تھا، تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے لیکن عمارت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ عادۃً منتقل نہیں کیا جا سکتا اور نبی ﷺ کے لیے بیت المقدس کی عمارت کو منتقل کر دیا گیا، اب اگر یہ سوال ہو کہ شام کے لوگوں نے اس وقت بیت المقدس کو گم کیوں نہیں پایا تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اس جگہ بیت المقدس کی مثال قائم کر دی ہو اور اصل بیت المقدس آپ کے سامنے رکھ دیا ہو، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم میں اور رسول اللہ ﷺ میں یہ فرق ہے کہ ہماری توجہ کسی چیز سے ہٹ جائے تو کچھ نہیں ہوتا اور آپ کی توجہ کسی چیز سے ہٹ جائے تو وہ چیز اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہے۔

بعض علماء نے اس حدیث سے اس مسئلہ کا استنباط کیا ہے کہ کعبہ اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے چلا آتا ہے اور یہ امر جائز ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ آیا کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

۷۔ ”عن جابر انه سمع رسول الله ﷺ يقول لما كذبني قريش قمت في الحجر فجلى الله لي بيت المقدس الحديث متفق عليه“۔ (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا جب قریش نے میری تکذیب کی تو میں حجر میں کھڑا ہو گیا پس اللہ تعالیٰ نے میرے لیے بیت المقدس منکشف کر دیا۔

اب ایک شبہ یہ باقی ہے کہ حس اس کی مکذب ہے کیونکہ تاریخ میں کہیں منقول نہیں کہ کعبہ اپنی جگہ سے غائب ہوا سو ایسا ہی شبہ حدیث سابع (۷) میں ہوتا ہے سو جو اس کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس وقت اتفاق سے کعبہ کا کوئی دیکھنے والا نہ ہو ورنہ اقرب یہ ہے کہ کعبہ کی حقیقت مثالیہ اس حکم کی محکوم علیہ ہو۔ (۲)

علامہ علاؤ الدین حصکفی لکھتے ہیں:

علامہ نسفی سے سوال کیا گیا کہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کعبہ اولیاء میں سے کسی کی زیارت کرتا ہے آیا یہ قول صحیح ہے؟ انہوں

۱۔ مشکوۃ، ص ۵۲۲ ۲۔ النوادر، ص ۱۳۷

نے جواب دیا یہ کرامت ہے اور اہل سنت کے نزدیک اولیاء اللہ کے لیے کرامت جائز ہے۔(۱)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

ہم استقبال قبلہ کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ اگر کعبہ اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے چلا جائے تو اس فضاء کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے گی۔(۲)

شب معراج دیدار الٰہی کے اسرار:

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی ﷺ نے شب معراج اپنے رب عزوجل کا دیدار کیا اور یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک صفت کی تجلی کی گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے اور کوہ طور ریزہ ریزہ ہو گیا اور آپ ﷺ نے عین ذات کو اس طرح دیکھا کہ دکھانے والے نے بھی داد دی اور فرمایا: مازاغ البصر وماطغیٰ۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا پُر جلال ہے کہ اگر اس کو وہ پہاڑ پر نازل کرتا ہے تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور آپ ﷺ کے سینہ پر تیئیس سال تک لگاتار کلام الٰہی نازل ہوتا رہا، اور آپ کے اطمینان اور استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا، سلام ہو ان آنکھوں پر جنھوں نے اس ذات کے جلوؤں کو محویت سے دیکھا جس کی صفت کے جلوؤں کو بھی کوئی سہار نہیں سکتا، اور آفرین ہو اس دل پر جس پر تیئیس سال کلام الٰہی نازل ہوتا رہا اور اس کی استقامت میں فرق نہیں آیا۔ علماء نے بیان کیا ہے دنیا میں ہم اللہ تعالیٰ کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ ہماری آنکھیں فانی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات باقی ہے اور فانی آنکھوں سے باقی ذات کو نہیں دیکھا جا سکتا اور جنت میں ہم اگر خدا کے فضل سے جنت میں چلے گئے) اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں گے کیونکہ وہاں ہم باقی ہوں گے اور باقی آنکھوں سے باقی ذات کو دیکھا جا سکتا ہے، اور نبی ﷺ نے دنیا میں اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو جو آنکھیں جنت میں عطا فرمائے گا وہ آنکھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں عطا کر دی ہیں کسی واقعہ کو سچوں سے سن کر بیان کرنا یہ بھی سچ ہے اور کسی واقعہ کو دیکھ کر بیان کرنا یہ بھی سچ ہے اور یہ اس سے اعلیٰ درجہ کا سچ ہے تمام فرشتوں، نبیوں اور ولیوں نے کہا اللہ ہے اور ایک ہے اور سچ کہا لیکن کسی نہ کسی سے سن کر کہا اور سیدنا محمد ﷺ نے کہا اللہ تعالیٰ ہے اور ایک ہے آپ نے بھی سچ کہا لیکن آپ کا سچ اعلیٰ درجہ کا ہے کیونکہ آپ نے دیکھ کر کہا ہے، معلوم ہوا سارے انبیاء، صادق ہیں لیکن آپ ﷺ ایسا صادق پوری کائنات میں نہیں۔

زیارت بھی ایک عبادت ہے، ماں باپ علماء اور صالحین کی زیارت عبادت ہے کعبۃ اللہ کی زیارت عبادت ہے۔ قرآن مجید کی زیارت عبادت ہے اور سب سے افضل عبادت سیدنا محمد ﷺ کی زیارت ہے، کیونکہ آپ ﷺ کو حالتِ ایمان میں ایک نظر دیکھنے سے انسان صحابی بن جاتا ہے اور کوئی بڑی سے بڑی عبادت بھی مرتبہءِ صحابیت کو نہیں پا سکتی تو جب نبی ﷺ کی زیارت کا یہ مرتبہ ہے تو خدا

۱۔ در مختار علی ہامش رد المحتار، ج۲، ص ۸۶۷　　۲۔ رد المحتار، ج۲، ص ۸۶۷

کی زیارت کا کیا مقام ہوگا، اس لیے سارے انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی عبادت کی ہے لیکن جیسی عبادت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے ایسی عبادت کسی نے نہیں کی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ انسان جن، فرشتے اور سارے نبی عابد ہیں لیکن جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عابد ہیں ایسا کوئی عابد نہیں ہے۔

شہادت دو قسم کی ہوتی ہے سن کر اور دیکھ کر، جو شہادت سن کر دی جائے وہ فرع ہے اور جو شہادت دیکھ کر دی جائے وہ اصل ہے جو شہادت سن کر دی جائے وہ تب مقبول ہوتی ہے جب اس کی انتہاء اس شہادت پر ہو جو دیکھ کر شہادت دے اور اگر سب سن کر شہادت دیں اور کوئی دیکھ کر شہادت دینے والا آخر میں نہ ہو تو سب شہادتیں ناتمام ہوں گی، حضرت آدم سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں اور رسولوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دی اور سن کر شہادت دی اگر آخر میں کوئی ایسا گواہ نہ آتا جو دیکھ کر شہادت دیتا تو یہ تمام شہادتیں نامکمل اور ناتمام ہوتیں، سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور دیکھ کر اللہ کی شہادت دی، اگر آپ اللہ کا دیدار نہ کرتے تو تمام سابق نبیوں اور رسولوں کی شہادتیں ناتمام رہتیں، آپ نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھا تو تمام نبیوں کی شہادتیں مکمل ہو گئیں، گواہی تو اللہ تعالیٰ کی سب نبیوں نے دی ہے لیکن آپ جیسا گواہ کوئی نہیں ہے تمام نبیوں کی گواہی ہی فرع ہے اور آپ کی گواہی اصل ہے اور شب معراج اللہ کا دیدار کرنے سے واضح ہو گیا کہ پوری کائنات میں کوئی آپ ایسا صادق ہے نہ عابد ہے نہ شاہد!

مسئلہ معراج پر میں نے بہت مطالعہ کیا ہے اور بہت غور و فکر کیا ہے، میں نے اپنے تمام مطالعہ اور غور و فکر کا حاصل ان صفحات پر پیش کر دیا ہے، میں جب مطالعہ کرتا ہوں تو میرا نصب العین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اور آپ کی فضیلت کو تلاش کرنا ہوتا ہے اور جب میں قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث پر غور کرتا ہوں تو آپ کی خصوصیت اور آپ کی عظمت کے نکات کا استنباط کرتا ہوں، واقعہ معراج کے بیان میں نے جو اسرار اور نکات بیان کیے ہیں وہ میری اس فکر کا ثمرہ ہیں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوب کر لکھتا ہوں اور باوضو اور قبلہ رو بیٹھ کر لکھتا ہوں اور لکھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے حق لکھنے کی توفیق دے اور لکھنے سے پہلے لکھتے وقت اور لکھنے کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہوں کہ کہیں کوئی غلط بات نہ لکھی گئی ہو مسئلہ معراج کے بعض مباحث میں کبار صحابہ سے لے کر متاخرین علماء تک بہت اختلاف ہے میں نے ان مختلف آراء اور مذاہب میں سے اس رائے اور اس مذہب کو ترجیح دی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت، آپ کے ادب اور احترام اور آپ کے مرتبہ اور مقام کے زیادہ قریب ہے اس سلسلہ میں میں نے جو کچھ لکھا ہے اگر یہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہے اور اگر یہ غلط ہے تو یہ میری فکر کی غلطی اور مطالعہ کی کمی ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔

"وما ابری نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم"۔

الہ العالمین میں نے رسول اللہ ﷺ کی فضیلت میں جو لکھا ہے اس کو قبول فرما! میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کو بیش از بیش فرما، مجھے اسلام پر مستقیم رکھنا اور ایمان پر میرا خاتمہ کرنا، اس کتاب کو تا قیامت باقی، کثیر الاشاعت، مفید موثر اور مفیض رکھنا، تمام شروحات حدیث میں اس کتاب کو اونچا مقام عطا فرمانا، اس کتاب کو میرے لیے توشۂ آخرت اور میری حسنات کے لیے صدقہ جاریہ کرنا، رب العالمین مجھے اور میرے پڑھنے والوں کو اس کتاب کے ناشر، کاتب اور مصحح کو میرے والدین، مشائخ، اساتذہ، احباب اور دیگر متعلقین، جملہ مسلمین کو دنیا اور آخرت کی ہر پریشانی، مصیبت آفت اور عذاب سے محفوظ رکھنا، دارین میں کامیابی، کامرانی، سرخ روئی روح اور ایمان عطا فرمانا، دوزخ سے محفوظ رکھنا اور جنت الفردوس عطا فرمانا۔ امیــن یـــارب العالمین بجاہ حبیبك سیدنا محمد سیدالمرسلین صلوٰت اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔ اٰخر دعوانا الحمد رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین افضل الانبیاء والمرسلین قائد الغرالمحجلین وعلی الہ الطیبین الطاھرین وصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ الطاھرات امہات المومنین وعلی العلماء الراسخین اجمعین الیٰ یوم الدین(۱)

شب معراج حضرت موسیٰ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مکالمہ:

غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ شب معراج کو جب آنحضرت حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقی ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفسار فرمایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہوسکتا ہے حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی حاضر ہوئے اور سلام باضافہ الفاظ برکاتہ ومغفرتہ وغیرہ عرض کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو آپ (امام غزالی) نے عرض کیا آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا "ماتلك بیمینك یا موسیٰ" تو آپ نے کیوں اتنا طول دیا کہ ھی عصای اتو کؤا علیھا واھش بھاعلی غنمی ولی فیھا مارب اخری الایہ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ادب یا غزالی ادب کروائے غزالی

صاحب نبراس شارح عقائد نسفیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرآفاق کتاب نبراس شرح عقائد نسفیہ میں فرماتے ہیں کہ امام قطب زماں ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے سامنے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ فخر فرمارہے ہیں اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے یہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ کیا آپ کی امتوں میں غزالی جیسا کوئی عالم ہے۔ بعض لوگ

ا۔ شرح صحیح مسلم، ج ا، ص ۶۸۷۔۷۷۱

امام غزالی ﷫ پر انکار کیا کرتے تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں انہیں کوڑے مارے۔ وہ بیدار ہوئے تو کوڑوں کا اثر ان کے جسم پر تھا۔ (۱)

اسی واقعہ کو امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے محاضرات میں سیدنا امام شاذلی ﷫ صاحب ''حزب البحر'' سے اسی طرح نقل فرمایا:
کہ میں ایک مرتبہ مسجد اقصیٰ میں سو گیا خواب میں دیکھتا ہوں کہ مسجد اقصیٰ کے باہر وسط حرم میں ایک تخت بچھایا گیا اور فوج در فوج مخلوق کا اژدہام ہونا شروع ہوا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیسا اجتماع ہے؟ معلوم ہوا کہ تمام رسل وانبیاء علیہم السلام حضور سید عالم حضرت محمد ﷺ کی خدمت اقدس میں منصور حلاج کی سوء ادبی کے بارے میں شفاعت کے لئے حاضر ہو رہے ہیں میں نے جو تخت دیکھا تو اس پر ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ تنہا رونق افروز ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہاں ٹھہر گیا اور ان مقدس حضرات کی باتیں سننے لگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ سے عرض کیا حضور! آپ نے فرمایا کہ میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح ہیں تو ان میں سے کوئی ایک عالم دکھائیں۔ حضور ﷺ نے امام غزالی کی طرف اشارہ فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے ان سے ایک سوال کیا امام غزالی ﷫ نے اس کے دس جواب دیئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جواب سوال کے مطابق ہونا چاہیے ایک سوال کا ایک جواب دینا تھا۔ آپ نے دس جواب کیوں دیئے؟ امام غزالی نے عرض کیا حضور (معاف فرمائیں) اللہ تعالیٰ نے آپ سے بھی ایک ہی سوال کیا تھا وماتلك بيمينك يا موسىٰ (اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ نے اس کے کئی جواب دیئے کہ یہ میری لکڑی ہے۔ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس کے علاوہ میرے اور کام بھی اس سے سرانجام ہوتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوال کا ایک جواب کافی تھا۔ کہ یہ میری لکڑی ہے، امام شاذلی ﷫ فرماتے ہیں کہ یہ منظر دیکھ کر حضور نبی اکرم ﷺ تنہا تخت پر جلوہ افروز ہیں اور تمام رسل وانبیاء بالخصوص حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام، نوح نجی اللہ علیہ السلام، عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام جیسے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام سب حضور ﷺ کے سامنے زمین پر بیٹھے ہوئے ہیں کتنی بڑی عظمت اور جلالت محمدی کا مظاہرہ ہے۔ میں سوچ بچار میں لگا ہوا تھا اور اپنے دل میں (بحالت خواب) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدر ومنزلت پر متعجب تھا کہ ناگہاں کسی نے مجھے پاؤں سے ٹھوکر ماری۔ جس کی ضرب سے میں بیدار ہو گیا۔ میں نے اسے جو دیکھا تو وہ مسجد اقصیٰ کا منتظم تھا اور اس وقت مسجد اقصیٰ کی قندیلیں روشن کر رہا تھا اس نے مجھ سے کہا کیا تعجب کرتا ہے؟ یہ سب حضور ﷺ ہی کے نور سے پیدا ہوئے ہیں یہ سن کر مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ نماز کے لئے جماعت کھڑی ہوئی تو اس وقت مجھے افاقہ ہوا۔ میں نے اس منتظم مسجد اقصیٰ کو تلاش کیا مگر آج تک اسے نہ پایا۔ (۲)

۱۔ نبراس، ص ۲۸۸　　　۲۔ روح البیان، ج ۵، ص ۷۵

ایک شبہ کا ازالہ:

شاید کسی کے دل میں شبہ ہو کہ امام غزالی نے موسیٰ علیہ السلام کو (معاذ اللہ) لاجواب کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ محض اس لئے پیدا ہوا کہ مکالمہ کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت ملحوظ نہ رہی۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت بحیثیت ممتحن تھے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے امتحان دینے والے طالب علم کی حیثیت سے کھڑے ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور امتحان سوال فرمایا اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا صحیح جواب دیا۔

اگر کوئی طالب علم ممتحن کے سوال کا صحیح اور معقول جواب دے دے تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے ممتحن کو لاجواب کر دیا۔ بلکہ طالب علم کو کامیاب کہا جائے گا لہذا امام غزالی کے متعلق یہ کہنا قطعاً غلط ہوگا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بارگاہ کلیمی میں امتحان دے کر خود کامیاب ہو گئے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ:

اس مقام پر یہ شبہ بھی غلط ہوگا کہ واقعی قاعدہ بھی چاہتا ہے کہ سوال جواب کے مطابق ہو۔ اور ایک سوال کے متعدد جوابات بظاہر خلاف اصول ہیں ایسی صورت میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات اور ساتھ ہی موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے جواب سب محل نظر ہو جائیں گے۔

اس شبہ کے غلط ہونے کی وجہ سے کہ جواب کا سوال کے مطابق ہونا یقیناً ضروری ہے لیکن جوابات کا تعدد مطابقت کے خلاف نہیں۔ البتہ یہ سوال ضرور ہو سکتا ہے کہ ایک سوال کے کئی جواب دینے میں کیا حکمت ہوگی؟ جس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کی حکمت کلام کو لمبا کرنا ہے تاکہ شرف مکالمہ زیادہ دیر تک حاصل ہوتا رہے۔ گویا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا کہ اے کلیم اللہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے سوال کیا تھا کہ اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں یہ کیا چیز ہے؟ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کو اپنے لئے باعث عزت و افتخار جانا اور یہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرما کر مجھے اپنا کلیم بنایا۔ لہذا ایک سوال کے کئی جواب دے کر کلام کو لمبا کر دوں تاکہ لذت مکالمہ دیر تک حاصل ہوتی رہے۔ علی ھذا القیاس۔ اے کلیم الٰہی جب آپ نے مجھے مخاطب فرما کر سوال فرمایا تو آپ کے خطاب کو میں نے اپنے لئے باعث صد عزت و افتخار جانا اور محسوس کیا کہ میں کیسا خوش نصیب ہوں کہ خدا کے کلیم سے ہم کلام ہو رہا ہوں آپ علیہ السلام نے کلیم اللہ ہونے پر فخر کیا اور میں نے کلیم اللہ کے کلیم ہونے کو موجب شرف جانا اور لذت مکالمہ سے زیادہ دیر تک کیف اندوز ہونے کے لئے کلام کو لمبا کر دیا۔ (۱)

۱۔　مقالات کاظمی، ج ۱، ص ۲۰۱۔۲۰۵

۸۔خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

باب مذکور کو قائم کرنے اور احادیثِ مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے حسب ذیل تین استدلالات ہیں:

پانچ نمازوں کی فرضیت:

پانچوں نمازیں (فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء) سفرِ معراج میں عطا ہوئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا امت محمدیہ کے لئے تحفہ ہے۔

۲۔حدیث انس کی روایت میں راویوں کا اختلاف:

باب مذکور کی پہلی تین روایات حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، لیکن ان تینوں کی اسناد میں اختلاف ہے:

۱۔ پہلی روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بواسطہ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔

۲۔ دوسری روایت میں امام ابن شہاب زہری یہ روایت حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کررہے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی، جبکہ حضرت انس بن مالک صحابی ہیں، اور حضرت ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں۔

۳۔ تیسری روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ براہ راست آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کررہے ہیں۔

۳۔روایات میں الفاظ کا اختلاف:

مذکورہ بالا چاروں روایات میں الفاظ کا اختلاف واضح ہے، بلکہ چاروں احادیث کے الفاظ مختلف ہیں۔

فوائدومسائل:

(عندالبیت) سے بیت اللہ مراد ہے۔ آپ بیت اللہ کے ایک حصے ''حجر'' میں لیٹے ہوئے تھے۔ اسے حطیم بھی کہتے ہیں۔ بعض روایات میں ام ہانی کے گھر کا ذکر ہے۔(۱) ممکن ہے وہیں سوئے ہوں پھر حطیم میں آگئے ہوں۔ ''جاگنے سونے کے درمیان'' آپ کی عمومی نیند ایسی ہی تھی اور یہاں اس کا مطلب گہری نیند کی نفی ہے، یعنی آپ نیند کے ابتدائی مرحلے میں تھے، اسے جاگنے اور سونے کے درمیان سے تعبیر کیا گیا۔ ''تین آدمی آئے'' ظاہر صورت کے لحاظ سے آدمی کہا ورنہ وہ فرشتے تھے۔ دو کا نام بعض روایات میں ہے: جبریل اور میکائیل علیہ السلام آپ کے سینہ اطہر کا چیرا جانا، پھر زمزم سے دھویا جانا اور ایمان وحکمت سے بھرا جانا، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ترین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باہمی راز ہے جس کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی، ممکن ہے یہ آسمانوں پر جانے کی تیاری کا ابتدائی مرحلہ ہو۔ استدلال کیا گیا ہے کہ زم زم کا پانی جنت کے پانی سے افضل ہے۔ تبھی آپ کے قلب اقدس کو اس سے دھویا گیا۔ ''جانور'' کا نام روایات میں ''براق'' آیا ہے۔(۲)

۱۔ تفسیر طبری: ج۹، ص۵، ۲۔ صحیح البخاری، مناقب الانصار حدیث: ۳۸۸۷ و صحیح مسلم الایمان، حدیث: ۱۶۴

مگر یہ بھی وصفی نام ہے جو برق سے لیا گیا۔ ''میں جبریل کے ساتھ چلا''۔ آنے والے تین ہمراہیوں مین سے ایک جبریل علیہ السلام تھے۔ اس کے بعد باقی دو کا ذکر نہیں۔ ظاہر ہے وہ خالی تھال لے کر اور آپ کے دیدار سے مشرف ہو کر واپس چلے گئے۔

''ہم آسمان دنیا کے پاس آئے''۔ روایت مختصر ہے۔ بعض روایات میں مدینہ منورہ، طور سینا، بیت اللحم اور بیت المقدس جانے کا بھی ذکر ہے۔ ساتویں آسمانوں پر مختلف انبیاء علیھم السلام سے آپ کی ملاقات، ممکن ہے ان کو آپ کے استقبال و ملاقات کے لیے خصوصی طور پر لایا گیا ہو۔ اور یہ انسب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا آپ کو بیٹا کہنا اس لیے ہے کہ وہ آپ کے اجداد میں شامل ہیں۔ نسب میں ان کا ذکر ہوتا ہے، جب کہ دوسرے انبیاء آپ کے نسب میں نہیں آتے، لہٰذا وہ آپ کے چچازاد بھائیوں کے رتبے میں ہیں، تبھی انہون نے آپ کو بھائی کہا۔ موسیٰ علیہ السلام کا رونا آپ یا آپ کی امت پر حسد کے طور پر نہیں تھا۔ حاشا وکلا۔ انبیاء علیھم السلام اس بیماری سے معصوم ہوتے ہیں بلکہ یہ اپنی امت پر افسوس کی بنا پر تھا کہ میں نے اتنی محنت کی اتنا عصر گزارا مگر میں یہ رتبہ حاصل نہ کر سکا کیونکہ جس نبی کے جتنے زیادہ پیرکار ہوں گے اسے اتنا ہی اجر وثواب سے نوازا جائے گا۔ اگر حسد ہوتا تو واپسی کے وقت امت مسلمہ کی خیر خواہی کیوں کرتے اور پچاس سے پانچ نمازیں رہ جانے کا سبب کیوں بنتے شاید اس شبھے کے ازالے کے لیے یہ باتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہلوائی گئیں ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان پر تھے۔ واپسی پر آپ ﷺ کی ان سے ملاقات پہلے ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر تھے۔ بعض محدثین نے یہ امکان بھی ظاہر کیا ہے کہ واپسی کے وقت انبیاء علیھم السلام کی ترتیب بدل گئی ہوگی ''بیت المعمور'' بیت اللہ کے عین اوپر ساتویں آسمان پر ہے۔ جس میں فرشتے نماز پڑھتے ہیں۔ جو ایک دفعہ آتا ہے اس کی دوبارہ باری نہیں آتی۔ اور داخل بھی روزانہ ستر ہزار ہوتے ہیں۔ اس سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ فرشتے دیگر تمام مخلوقات سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ (۱)

سدرۃ المنتہیٰ کا درخت ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ قطعت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ صوفیاء نے اسے اللہ تعالیٰ کی صفت خلق کا تمثل قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم: ''سدرہ'' عربی زبان میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ ''المنتہیٰ کے معنی: آخری، یعنی یہ مخلوقات کی انتہا ہے۔ یہاں عالم خلق ختم ہو جاتا ہے۔ بقول صوفیاء اس سے اوپر عالم امر ہے۔ جہاں کسی مخلوق کی رسائی نہیں خواہ وہ کوئی انسان ہو یا فرشتہ۔ اس حدیث میں اسے ساتویں آسمان سے اوپر قرار دیا گیا ہے۔ آگے ایک حدیث میں اسے چھٹے آسمان پر بتلایا گیا ہے۔ تطبیق یوں ہے کہ جڑ چھٹے آسمان پر ہو گی اور شاخیں ساتویں آسمان پر پہنچی ہو گی۔ واللہ اعلم۔ سدرۃ المنتہیٰ کی ضر میں چار نہروں (یا دریاؤں) کا ذکر ہے ان میں سے دو کو پوشیدہ بتلایا گیا ہے۔ نیز یہ کہ وہ جنت میں ہیں۔ اور دو کو ظاہر کیا گیا ہے جو نیل اور فرات ہیں صحیح مسلم کی روایت میں جنت کی دو باطنی نہروں کے نام ''سیحان اور ''جیحان'' بتلائے گے ہیں۔ (۲)

۱۔ صحیح البخاری، بدء الخلق، حدیث: ۳۲۰۷

۲۔ صحیح مسلم، الجنۃ ونعیمھا، حدیث: ۲۸۳۹

علاوہ ازیں اور چاروں نہروں کو جنت کی نہریں قرار دیا گیا ہے۔ دریائے نیل وفرات تو مشہور اوران کے علاقے بھی معلوم ہیں، اور سیحان اور جیحان کی بابت مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری منۃ المنعم فی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں کہ یہ دونوں نہریں بہت بڑی ہیں اور ترکی میں ہیں۔ جیحان کی گزرگاہ مصیصہ ہے اور سیحانکی گزرگاہ اذنہ ہے اور یہ دونوں نہریں بحرروم میں گرتی ہیں ان کے علاوہ دو نہریں اور ہیں جن کے نام ان سے ملتے جلتے ہیں، یعنی جیحون، سیحون، اس سے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا کہ حدیث میں مذکور ''جیحان اور سیحان'' سے یہی مراد ہیں۔ لیکن امام نووی نے بھی اس کی تردید کی ہے اور مولانا مبارکپوری نے بھی۔ اقور مولانا موصوف نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ دریائے جیحوں وہی ہے جسے آج کل دریائے آمو کہا جاتا ہے اور یہ افغانستان اور ازبکستان کے درمیان حد ہے۔ یہ بلخ ترمذ اور آمل و درغان سے گزرتا ہوا بحیرہ خوارزم میں جا گرتا ہے۔ اور سیحون جیحون کے ماوراء ہے جو خجندہ اور خوقند کے قریب ارتا شقند سے پہلے گزرتا ہے اسے آج کل سیر دریا کہا جاتا ہے۔ ان چاروں دریاؤں کے جنت سے ہونے کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ ان کی اصل جنت ہے اور وہاں سے یہ زمین پر اتارے گئے ہیں شیخ البانی فرماتے ہیں: ''ان نہروں کے جنت سے ہونے سے مراد شاید یہ ہے کہ ان کی اصل جنت سے ہے جیسے انسان کی اصل جنت سے ہے۔ چنانچہ یہ حدیث اس بات کے منافی نہیں ہے جو ان نہروں کی بابت مشہور و معلوم ہے کہ یہ نہریں زمین کے معروف سرچشموں سے پھوٹتی ہیں۔ اور اگر اس کے یہ یا اس سے ملتے جلتے معنی نہیں ہیں تو یہ حدیث امور غیب سے متعلق ہے جن پر ایمان رکھنا اور جو خبر دی گئی ہے اس کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن علاقوں میں یہ نہریں بہتی ہیں ان میں اسلام کا پھیلاؤ اور غلبہ ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان نہروں کے پانی سے پیدا ہونے والی خوراک جو لوگ استعمال کریں گے وہ جنتی ہوں گے۔ لیکن امام نووی فرماتے ہیں: کہ ان دونوں تاویلوں کے مقابلے مین اس کا پہلا ظاہری معنی ہی زیادہ صحیح ہے۔ (۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے توجہ دلانے پر نبی ﷺ کا واپس اللہ عزوجل کے پاس جانا شاید اس شبہے کو دور کرنے کے لیے تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی امت پر حسد ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل کے الزم سے بچانے کے لیے دنیا میں پتھر والا وقعہ پیس آیا تھا۔ (۲) نمازوں کی تخفیف بعض روایات کے مطابق پانچ، پانچ سے ہوئی۔ (۳)

گویا اس روایت میں اختصار ہے آخر میں پانچ کا رہ جانا بھی اس کو موید ہے امصیت فریضتی ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل فریضہ پانچ نمازیں ہی تھیں، پچاس نمازوں کا مقرر ہونا گو ان کے ثواب کے اظہار کے لیے تھا، بار بار آنے جانے سے یہ عقدہ حل ہوگا۔ (۴)

۱۔ شرح صحیح مسلم للنووی الجنۃ، حدیث: ۲۸۳۹، ومنۃ المنعم، ج ۴، ص ۳۲۲　　۲۔ صحیح البخاری الغسل، حدیث: ۲۷۸، وصحیح مسلم، الحیض، حدیث: ۳۳۹　　۳۔ صحیح مسلم، الایمان، حدیث: ۱۶۲　　۴۔ سنن نسائی (دارالسلام، ج ۱، ص ۴۴۲-۴۴۵

نماز کا ایک حصہ معاف کر دیا، عربی میں لفظ (شطر) ہے جس کے معنی نصف بھی ہیں اور ایک حصہ بھی اس لیے معنی اختیار کیے گئے ہیں۔اس روایت میں بھی اختصار ہے ورنہ نمازیں پانچ پانچ کر کے کم ہوئی الایبدل القول لدی) میں قول سے مراد کہی ہوئی بات یعنی پچاس نمازوں والا قول کی تخفیف کے باوجود ان کا ثواب برقرار رہا۔سند میں میں مذکور ابن حزم سے مراد ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہیں۔ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔(۱)

بیت المقدس میں تمام انبیائی کا آپ ﷺ کے استقبال کے لیے حاضر ہونا ور آپ کا ان کی امامت کروانا اپ کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے جو کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ظاہر تو یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام جسمانی طور پر حاضر تھے نہ کہ صرف روحانی طور پر جیسے کہ رسول اکرم ﷺ جسمانی طور پر بیت المقدس اور آسمانوں پر تشریف لے گئے۔فوت شدہ انبیاء علیہم السلام کے جسم بھی اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔(۲)

سورہ بقرہ کی آخری آیات کا نزول بالاتفاق مدنی ہے اور واقعہ معراج مکی ہے۔معراج میں سورہ بقرہ کی آخری آیات دیے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات عطا کرنے کا وعدہ کر لیا گیا۔جب کہ نزول بعد میں مدینہ منورہ میں ہوا واللہ اعلم۔کبائر کی معافی کی دو صورتیں ہوں گی۔جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا پہلے مرحلے ہی میں اپنے فضل وکرم سے معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادے گا کیونکہ بعض کے بلا توبہ بھی کبائر معاف ہو جائیں گے ورنہ جہنم میں سزا بھگت کر معافی ہوگی۔(۳)

علامہ راغب اصفہانی، علامہ محمد اسماعیل حقی، علامہ عبدالعزیز پرہاروی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور علامہ سید احمد سعید کاظمی نے سفرِ معراج میں حضرت موسیٰ کے ساتھ امام غزالی کے مکالمہ کا ذکر کیا ہے، اور اس کی صحت کا قول کیا ہے۔

۱۔ سنن نسائی (دارلسلام) ج ۱،ص ۴۴۶ ۲۔ ایضا،ص ۴۴۹ ۳۔ ایضا،ص ۴۵۰

بَابُ أَيْنَ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ

باب ۲: نماز کہاں فرض ہوئی؟

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز پنجگانہ سفر معراج کے موقع پر فرض ہوئیں، اور یہ سفر قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ پچھلے باب میں نمازوں کے فرض ہونے کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز کے فرض ہونے کے مقام کا ذکر ہے۔

۴۵۱۔ أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ عَبْدَ رَبِّهِ بْنَ سَعِيدٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ الْبُنَانِيَّ حَدَّثَهُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ الصَّلَوَاتِ فُرِضَتْ بِمَكَّةَ وَأَنَّ مَلَكَيْنِ أَتَيَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,فَذَهَبَا بِهِ إِلَى زَمْزَمَ، فَشَقَّا بَطْنَهُ ,وَأَخْرَجَا حَشْوَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ، فَغَسَّلَاهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ كَبَسَا جَوْفَهُ حِكْمَةً وَعِلْمًا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: نمازیں مکہ مکرمہ میں فرض ہوئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو فرشتے آئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (چاہ) زمزم کے پاس لے گئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا، اور اندرونی چیزیں نکال کر سونے کے طشت میں رکھیں، پھر ان کو آب زمزم سے دھویا، پھر سینہ مبارک کو علم و حکمت سے بھر دیا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی جملہ میں ہے:

نمازیں مکہ مکرمہ میں فرض ہوئیں۔

۲۔ اطراف:

سنن الکبریٰ: ۳۱۶، تحفۃ الاشراف: ۴۵۴

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت عبدربہ بن سعید کے حالات زندگی سپرد قلم کیے جارہے ہیں:

۱۔ سلیمان بن داؤد: راجع: ۷۹ ۲۔ عبداللہ بن وھب: راجع: ۱۱۶

۳۔ عمرو بن حارث: راجع: ۷۹

۴۔ عبدربہ بن سعید:

آپ کا نام عبدربہ بن سعید بن قیس انصاری مدنی (م: ۱۳۹ھ) ہے، آپ حضرت یحییٰ بن سعید کے بھائی ہیں، آپ رواۃ

کے پانچویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۵۔البنانی: راجع: ۲۸۷ **۶۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:** راجع: ۱۳۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوستاسی ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت سلیمان بن داؤد سے صرف امام نسائی اور امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (عبدربہ) کی دوسرے تابعی (ثابت) سے روایت ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ تحدیث، صیغہ اخبار اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

الصلوات : نمازیں

فرضت : فرض کی گئیں۔

بمکة: مکہ مکرمہ

ملکین : دو فرشتے

اتیا : وہ دونوں آئے

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۶، ص۴۱ ii۔الثقات، ج۷، ص۱۵۳

ذھبا: وہ دونوں گئے

شقا: ان دونوں نے چاک کیا۔ چیرا۔

بطن: پیٹ۔ سینہ مراد ہے۔

اخرجا: ان دونوں نے نکالا۔

حشو: جو کچھ پیٹ میں تھا، دل مراد ہے۔

طست: طشت۔ تھال۔

ذھب: سونا۔

غسلا: انہوں نے دھویا۔

کبسا: انہوں نے بھر دیا۔

حکمۃ و علما: دانائی اور علم۔

۷۔ مسائل ونصائح:

☆ علامہ جلال الدین عبدالرحمان سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(حشوہ) ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، جس کا معنیٰ آنتیں ہے۔(۱)

علامہ عبدالھادی سندھی حنفی لکھتے ہیں:

حشوہ سے مراد پیٹ کا درمیانی حصہ ہے، بشرطیکہ یہ نصب کے ساتھ ہو، جیسا کہ ہمارے نسخہ میں ہے اور اگر امام سیوطی کے نسخہ کے مطابق ضمہ یا کسرہ کے ساتھ ہو، تو اس کا معنیٰ آنتیں ہیں، پھر ان فرشتوں نے دانائی وعلم کی حالت میں دوبارہ پیٹ کو بند کر دیا۔(۲)

☆ شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ سے متعدد مسائل مستنبط ہوتے ہیں، چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ نماز پنجگانہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئیں، امام نسائی کا باب ذکر کرنے کا مقصد بھی یہی ہے، اس امر میں کسی اہل علم کا اختلاف نہیں ہے۔

۲۔ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص شان اور فضیلت کا بیان ہے، کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کر کے اور آبِ زمزم سے دھو کر کمالِ عبودت کے منافی ہر چیز نکال دی، اور شیطانی وسوسوں سے نفس کو محفوظ کر دیا۔

۳۔ پیٹ چاک کرنے میں یہ عظیم معجزہ رونما ہوا کہ اس سارے عمل میں کوئی زخم لگا اور نہ ہی چیر پھاڑ کا کوئی نشان لگا۔

۴۔ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آبِ زمزم کو باقی تمام پانیوں پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس کو اسی پانی سے دھویا گیا۔

۱۔ زھر الربیٰ، ج ۱، ص ۹۰　۲۔ ۲۔ حاشیہ سندھی، ص ۱۱۸

۵۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو حکمت وعلم سے بھرنا، یہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فضل عظیم ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ (۲)

☆ شیخ حافظ محمد امین لکھتے ہیں:

معراج کی طویل حدیث میں صرف دل کے دھونے کا ذکر ہے۔ اس روایت میں دل کے علاوہ بھی ذکر ہے۔ گویا مقصود تو دل کی صفائی تھی بالتبع رگیں وغیرہ بھی دھوئی گئیں۔

پہلی روایت میں سونے کے تھال میں حکمت اور علم لانے کا ذکر ہے، اس حدیث میں تھال میں دھونے کا ذکر ہے، ایک ہی تھال میں دونوں چیزیں ممکن ہیں۔ اور ممکن ہے کہ دو تھال لائے گئے ہوں، ایک علم وحکمت سے بھرا ہوا، دوسرا دھونے کے لیے۔

سونا استعمال کرنا ہمارے لیے منع ہے نہ کہ فرشتوں کے لیے لہٰذا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

معراج بالاتفاق مکی دور میں ہوئی (اگر چہ اس کی تاریخ میں اختلاف ہے۔) پانچ نمازیں معراج میں فرض ہوئیں، لہٰذا نماز کی فرضیت بالاتفاق مکی دور میں ہوئی ہے۔ (۲)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال حسبِ ذیل ہے:

نماز پنجگانہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئیں۔

☆ اس امر پر علماء کا اتفاق ہے کہ نمازیں مکہ مکرمہ میں فرض ہوئیں۔

☆ علماء کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ نماز معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے لیے تحفہ عطا فرمایا۔

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہونا، اور پھر اسے دھو کر حکمت وعلم سے بھرنا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی فضیلت ہے۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ مبارک کا چاک کیا جانا، اور اسے دوبارہ ملا دیا جانا، یہ بھی ایک معجزہ ہے کیونکہ اس دوران نہ تو خون بہا، نہ زخم لگا، نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف ہوئی، اور نہ ہی اس آپریشن کا کوئی نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر تھا، یہ امر عظیم معجزات میں سے ہے۔

☆ آبِ زمزم باقی پانیوں سے افضل ہے، کیونکہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک دھویا گیا۔

۱۔ ۲۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۶ ص ۶۰ ۲۔ سنن نسائی (فوائد)، ج ۱، ص ۴۵۰

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ ﷺ کے سینہ مبارک کو علم وحکمت سے بھر دیا، اس لیے آپ ﷺ کا ہر قول، فعل اور عمل افضل واعلیٰ ہے۔

☆ وہی چیزیں اور افعال اعلیٰ ہیں، جن کا تعلق ذاتِ مصطفیٰ ﷺ سے ہے۔

بَابُ كَيْفَ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ — باب ۳: نماز کیسے فرض ہوئی؟

نمازیں ابتداً معراج کے موقع پر دو دو رکعتیں فرض ہوئیں، البتہ مغرب کی تین رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں، پھر ہجرت مدینہ کے بعد ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعات کر دی گئیں، اور فجر کی دو ہی رہنے دی گئیں، کیونکہ ان میں قرأت لمبی ہوتی ہے، پھر سفر کی نماز کو دو دو رکعتیں کر دیا گیا۔ اس باب میں امام نسائی نے پانچ احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ پچھلے باب میں نماز کے فرض ہونے کے مقام کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز کے فرض ہونے کی کیفیت کا بیان ہے۔

۴۵۲۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: أَوَّلَ مَا فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَأُتِمَّتْ صَلَاةُ الْحَضَرِ

حضرت عائشہ صدیقہ کا فرمان ہے: شروع میں نماز دو دو رکعت فرض ہوئی تھی، پھر سفر کی نماز اسی طرح رہنے دی گئی اور اقامت کی نماز مکمل (یعنی چار رکعت) کر دی گئی۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری ۱۰۹۰، اطراف الحدیث: ۱۰۹۲۔۱۱۰۶۔۱۱۰۹۔۱۶۶۸۔۱۶۷۳۔۱۸۰۵۔۳۰۰۰، صحیح مسلم: ۷۰۳، الرقم المسلسل: ۱۵۹۲، سنن ترمذی: ۵۵۵، سنن دار قطنی، ج ۱، ص ۳۹۰، سنن بیہقی، ج ۳، ص ۱۵۹، صحیح ابن حبان: ۱۵۹۰، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۴۵۷، مسند احمد، ج ۲، ص ۴ طبع قدیم، مسند احمد: ۴۴۷۲، ج ۸، ص ۴۷، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، جامع المسانید لابن جوزی: ۳۳۷۱، مسند الطحاوی: ۳۹۸۹ (۱)

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی اور ایک راویہ ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۳، ص ۲۴۱

۱۔اسحاق بن راھویہ: راجع:۱۲۸　　۲۔سفیان: راجع:۱۲۵

۳۔الزھری: راجع:۱۱۶　　۴۔عروہ: راجع:۱۴۶

۵۔حضرت عائشہ صدیقہ: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اکسٹھ ویں (۱۶۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے شیوخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (زھری) کی دوسرے تابعی (عروہ) سے روایت ہے۔

☆ یہ بھانجے (عروہ) کی اپنی خالہ (حضرت عائشہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، اور آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اول مافرضت:	شروع میں جو فرض ہوئی۔
الصلاۃ:	نماز۔دعا۔
رکعتین:	دو رکعت۔
اقرت:	باقی رکھی گئی۔
صلاۃ السفر:	سفر کی نماز۔
اتمت:	پوری کردی گئی۔

صلاۃ الحضر :　　اقامت کی نماز۔

۴۵۳۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ هَاشِمٍ الْبَعْلَبَكِّيُّ قَالَ :أَنْبَأَنَا الْوَلِيدُ قَالَ :أَخْبَرَنِي أَبُو عَمْرٍو يَعْنِي الْأَوْزَاعِيَّ، أَنَّهُ سَأَلَ الزُّهْرِيَّ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ قَبْلَ الْهِجْرَةِ إِلَى الْمَدِينَةِ .قَالَ :أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :فَرَضَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الصَّلَاةَ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ مَا فَرَضَهَا رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أُتِمَّتْ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا، وَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى

حضرت امام اوزاعی نے حضرت امام ابن شہاب زہری سے پوچھا: آقا کریم ﷺ ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں نماز کیسے ادا فرماتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا، کہ مجھے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے حوالے سے بیان کیا، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ پر نماز دو دو رکعت فرض فرمائی تھی، پھر اقامت کی نماز مکمل (چار چار رکعت) کر دی گئی اور سفر کی نماز پہلی حالت پر رہنے دی گئی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

تحفۃ الاشراف:۱۶۵۲۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی اور ایک راویہ ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، امام محمد بن ہاشم اور حضرت ولید بن مسلم کے حالات لکھے جا رہے ہیں:

۱۔محمد بن ہاشم:

آپ کا نام محمد بن ہاشم بن سعید قریشی بعلبکی (م:۲۵۴ھ) ہے، آپ کی نسبت ''بعلبک'' قصبہ کی جانب ہے، جو کہ ملک شام کا مشہور قصبہ ہے، اور دمشق سے بارہ فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔(۱)، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ صغار سے صدوق راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ میں سے صرف امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی (مجتبیٰ) میں آپ سے آٹھ احادیث مبارکہ مروی ہیں، آپ کی پیدائش ربیع الاول ۱۶۷ھ کی ہے، اس طرح آپ نے نوے سال کی طویل عمر پائی۔(۲)

۱۔　لب اللباب، ج۱، ص۱۳۵　　۲۔　الثقات، ج۹، ص۱۱۸

۲۔حضرت ولید بن مسلم:

شیخ ولید بن مسلم کا شمار ان اتباع تابعین میں ہوتا ہے جنہوں نے بکثرت تصانیف یادگار چھوڑیں، وہ امام اوزاعی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، مغازی ان کا خاص فن تھا۔طویل احادیث اور آثار قیامت کے سلسلہ کی احادیث کے خاص طور پر حافظ تھے۔

نام ونسب:

ولید نام، ابو العباس کنیت تھی۔ والد کا نام مسلم تھا، اس سے آگے کے سلسلہ نسب کا پتہ نہیں چلتا۔ بنوامیہ کے غلام ہونے کی بناء پر اموی لکھے جاتے ہیں۔

وطن اور ولادت:

دمشق کے رہنے والے تھے، وہیں ۱۱۹ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔(۱)

تحصیل علم اور شیوخ:

شیخ ولید کو اپنے وقت کے جن ممتاز اہل علم وفضل سے اکتساب فیض کا موقع ملا، ان میں کبار تابعین اور اتباع تابعین کے نام شامل ہیں۔ چند نام یہ ہیں:

یحییٰ بن الحارث، ثور بن یزید، محمد بن عجلان، ہشام بن حسان، ابن جریج، امام اوزاعی، یزید بن مریم، صفوان بن عمرو۔

وہ بعض اساتذہ کی خدمت میں مدت دراز تک رہے۔ چنانچہ ان کے کاتب حمام شیخ ولید کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"جالست ابن جابر سبع عشر سنة"

میں سترہ برس تک جابر کی صحبت میں رہا۔

فقیہ شام امام اوزاعی سے ولید بن مسلم کو خاص تلمذ کی سعادت حاصل تھی۔ مروان بن محمد کہا کرتے تھے کہ جب ولید کے واسطے سے امام اوزاعی کی روایت کسی کو مل جائے تو اسے پھر کسی اور راوی کے چھوٹنے کی پرواہ نہ کرنا چاہیے۔(۲)

ان آئمہ وفضلاء کی صحبت اور فیض نے ان میں حدیث نبوی ﷺ کا خاص ذوق پیدا کردیا تھا اور بعد میں وہ خود بھی اکابر محدثین میں شمار کیے جانے لگے۔

علم وفضل:

ولید بن مسلم کے علمی مرتبہ اور مہارت فنی کو تمام محققین نے سراہا ہے۔امام نووی کا بیان ہے کہ ان کی علمی بلندی، جلالت شان اور ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔(۳)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۲۷۶ ۲۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱،ص۱۵۳ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج۲،ص۳۴۷

حافظ ذہبی انہیں الامام الحافظ لکھتے ہیں۔ ابن ناصر الدین کہتے ہیں کہ ولید امام حافظ اور دمشقیوں کے عالم تھے۔ (۱)

علاوہ ازیں صدقہ بن الفضل المروزی بیان کرتے ہیں کہ طویل حدیثوں اور تمام ابواب کو یاد رکھنے میں ان سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا۔ (۲) ابراہیم بن المنذر کا قول ہے کہ ایک مرتبہ مجھ سے علی بن المدینی نے فرمائش کی کہ میں ان کو ولید بن مسلم کی بعض احادیث سناؤں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! آپ کے سماع کو میرے سماع سے کیا نسبت ہوسکتی ہے؟ وہ بولے کہ ولید جب شام آئے تو ان کے پاس علم کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور میں نے ان کو کچھ حدیثیں سنائیں تو بہت متعجب ہوئے اور کہنے لگے واقعی ولید بالکل ٹھیک کہتے تھے۔

ابن مدینی ہی کا بیان ہے کہ میں نے ان سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ جب میں نے انہیں دیکھا، تو وہ بہت سی ایسی حدیثیں بیان کرتے تھے جس میں ان کا کوئی دوسرا شریک نہیں تھا۔ (۳)

آئمہ حدیث کی رائے:

تمام آئمہ حدیث نے ان کے علم وفضل اور روایت حدیث پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ابوحاتم سے محمد بن ابراہیم نے دریافت کیا کہ آپ ولید بن مسلم کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ بولے ''وہ صالح حدیث تھے۔'' امام احمد بن حنبل نے ابوزرعہ الدمشقی سے کہا: تین بزرگ واقعی اصحاب حدیث ہیں۔ مروان بن محمد، ولید بن مسلم اور ابومسہر۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ لوگوں کا علم صرف دو شخصوں کے پاس ہے۔ اسماعیل بن عیاش اور ولید بن مسلم۔ لیکن ولید کو تو میں جانتا ہوں کہ وہ نہایت قابل تعریف طور پر اخیر وقت تک چلتے رہے۔ وہ اہل علم کے نزدیک پسندیدہ قابل وثوق صحیح الحدیث اور صحیح العلم تھے۔ (۴)

امام نووی نے لکھا ہے کہ:

"واجمعوا علیٰ جلالته وارتفاع محله وتوثیقه" (۵)

ہم لوگ برابر اس بات کو سنتے آئے ہیں کہ جس شخص نے ولید کی کتابیں لکھ لیں وہ عہدۂ قضا کے قابل ہو جائے گا۔

ان کے تلامذہ میں درج ذیل اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں۔

احمد بن حنبل، ہشام بن عمار، ابوخیثمہ، کثیر بن عبید، محمود بن غیلان، موسیٰ بن عامر، (۶) حمیدی، صفوان بن صالح، عبداللہ بن وہب، محمد بن السبارک، عبدالرحمٰن بن ابراہیم، نعیم بن حماد، اسحاق بن اسرائیل۔ (۷)

۱۔ شذرات الذہب، ج۱، ص۳۴۴　　۲۔ تھذیب التھذیب، ج۸، ص۱۵۴، وتذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۷۷

۳۔ تھذیب التھذیب، ج۸، ص۱۵۵　　۴۔ تھذیب التھذیب، ج۸، ص۱۵۳

۵۔ تھذیب الاسماء، ج۲، ص۱۴۷　　۶۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۱۵۳　　۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۷۶

جرح:

بعض ناقدین حدیث نے لکھا ہے کہ ولید بھی کبھی ضعیف راویوں سے احادیث روایت کرتے تھے اور کبھی وہ تدلیس بھی کرتے تھے۔ یعنی جس شخص سے روایت کرتے تھے، اس کا معروف نام نہیں لیتے تھے۔ ہشیم بن خارجہ نے ان سے کہا کہ ''آپ امام اوزاعی کی احادیث کو خراب کر ڈالتے ہیں، آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟''

بولے ''تم یہ بات کیسے کہتے ہو؟''

انہوں نے کہا۔ ''آپ کبھی عن الاوزاعی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کر کے روایت بیان کرتے ہیں اور کبھی عن الاوزاعی عن الزهری اور کبھی یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں۔ آپ کے علاوہ لوگ تو امام اوزاعی اور نافع کے درمیان عبداللہ بن عامر کا ذکر کرتے ہیں۔ امام زہری اور اوزاعی کے درمیان ابراہیم بن مرہ کا ذکر کرتے ہیں تو آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟''

فرمایا کہ ''میں امام اوزاعی کو ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔'' پھر انہوں نے کچھ کہا۔ مگر شیخ ولید نے کوئی توجہ نہ دی۔ بہرحال اتنا مسلم ہے کہ وہ کبھی کبھی تدلیس سے کام لیتے تھے، مگر اس سے ان کی ثقاہت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ علامہ ذہبی ان پر لوگوں کی جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''لانزاع فی حفظه و علمه وانما الرجل مدلس فلا یحتج به الا اذا صرح بالسماع''(۱)

ولید کے حفظ اور ان کے علم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ وہ مدلس تھے۔ اس لیے جب تک سماع کی تصریح نہ کریں اسے حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

عقل وفرزانگی:

فہم ودانش کے اعتبار سے بھی وہ معاصرین ارباب کمال میں ممتاز تھے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ: ''میں نے اہل شام میں ان سے زیادہ عقلمند نہیں دیکھا۔''

اخلاق وعادات:

کمال علم وفضل کے ساتھ ان کے اخلاق وعادات بھی نہایت کریمانہ اور بزرگانہ تھے۔ ہشام بن عمار سے کسی نے ان کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ ولید بہت بڑے عالم، صاحب زہد وورع اور متواضع الطبع تھے۔

وفات:

حج سے واپس آرہے تھے کہ دمشق پہنچنے سے پہلے ہی ''ذی المروہ'' نامی ایک موضع میں بیمار پڑ گئے۔ اپنے ایک دوست

۱۔　تھذیب الاسماء، ج ۲، ص ۱۴۷

حرملہ بن عبدالعزیز کے مکان پر قیام کیا اور وہیں ان کی وفات ہوگئی۔ سنہ وفات میں محققین کا قدرے اختلاف ہے۔ کسی نے ۱۹۵ھ اور کسی نے ۱۹۹ھ لکھا ہے۔ مگر صحیح ۱۹۴ھ ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے اسی کو مرجح قرار دیا ہے۔

تصنیفات:

شیخ ولید کا شماران محدثین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر اور دوسرے اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ستر کتابیں تصنیف کی ہیں:

ومصنفات الوليد سبعون كتاباً

ولید کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے۔

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی یہ تصانیف حدیث، فقہ اور تاریخ سے متعلق تھیں۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے فن تاریخ میں بھی ان کی کچھ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ''صنف التصانيف والتواريخ'' علاوہ ازیں ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ ولید مغازی میں وکیع بن جراح سے بڑے عالم تھے۔ ظاہر ہے، مغازی بھی تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے۔

تاہم ولید کی تصنیفات کی مزید کوئی تصریح اور تفصیل نہیں ملتی اور نہ ان میں سے کسی کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ مشہور مؤرخ اسحاق بن ندیم نے دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

۱۔ کتاب السنن فی الفقہ۔

۲۔ کتاب المغازی۔ (۲)

۳۔ ابوعمرو الاوزاعی: راجع: ۱۷۴ **۴۔ الزهری:** راجع: ۱۱۶

۵۔ عروہ: راجع: ۱۴۶ **۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:** راجع: ۱۱۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اٹھاسی ویں (۱۸۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں، البتہ حضرت محمد بن ہاشم صدوق ہیں۔

۱۔ الفہرست، ص ۳۱۸ ۲۔ سیر الصحابہ، ج ۹، ص ۳۲۶۔۳۲۹

☆ حضرت محمد بن ہاشم اور ولید بن مسلم سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ولید بن مسلم سے سنن نسائی میں ترپین (۵۳) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ یہ تابعی کی دوسرے تابعی سے روایت ہے۔

☆ یہ بھانجے کی خالہ سے روایت ہے۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ محمد بن ہاشم سے روایت کرنے میں امام نسائی منفرد ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی شامی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ ''ابوعمرو یعنی الاوزاعی'' سے مراد ہے کہ یعنی الاوزاعی کا اضافہ شیخ حضرت ولید بن مسلم کا نہیں، بلکہ شیخ محمد بن ہاشم کا ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت انبأنا، سأل اور عنعنہ ایک ایک دفعہ اور صیغہ اخبار تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

سأل: اس نے سوال کیا۔اس نے پوچھا۔

صلاۃ رسول اللہ ﷺ: رسول اللہ ﷺ کی نماز۔

قبل الھجرۃ: ہجرت سے پہلے۔

اخبرنی: اس نے مجھے بتلایا۔

فرض اللہ: اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرض کی۔

الفریضۃ الاولیٰ: پہلا فریضہ۔فرض کی پہلی حالت۔

۴۵۴۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، فَأُقِرَّتْ صَلَاةُ السَّفَرِ وَزِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان ہے: نماز دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھی، پھر سفر کی نماز یہی رہنے دی گئی، اور اقامت کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری :۳۵۰، ۱۰۹۰، ۳۹۳۵، مسلم :۶۸۵، الرقم المسلسل :۱۵۴۲، سنن ابوداؤد :۱۱۹۸، موطا امام مالک، کتاب قصر الصلوٰۃ :۸، شرح معانی الآثار :۲۳۴۸، صحیح ابن حبان :۲۷۳۶، المعجم الاوسط :۷۸۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۴۵۱، سنن دارمی :۱۵۰۹، سنن بیہقی، ج ۳، ص ۱۴۳، سنن کبریٰ للنسائی :۳۱۷، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۷۲، طبع قدیم، مسند احمد

:۲۶۳۳۸، ج ۴۳، ص ۳۵۵، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی اور ایک راویہ ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔قتیبہ: راجع:۱۱۸ ۲۔مالک: راجع:۱۱۷

۳۔صالح بن کسان: راجع:۳۱۳ ۴۔عروہ: راجع:۱۴۶

۵۔حضرت عائشہ صدیقہ: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو باسٹھویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی کی دوسرے تابعی سے روایت ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

فرضت الصلاۃ: نماز فرض کی گئی۔

زید فی صلاۃ الحضر: اقامت کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔

۴۵۵۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ قَالَا :حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ الْأَخْنَسِ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :فُرِضَتِ الصَّلَاةُ عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا، وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ، وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اقامت میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور حالتِ خوف میں ایک رکعت فرض کی گئی ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۵۳۱، مسلم: ۶۸۷، ابوداؤد: ۱۲۴۷، ابن ماجہ: ۱۰۶۸، احمد: ۳۳۳۲، السنن الکبریٰ: ۳۱۸، تحفۃ الاشراف: ۶۳۸۰۔

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت بکیر بن اخنس کے حالات قلم بند کیے جارہے ہیں۔

۱۔ عمرو بن علی: راجع: ۴		**۲۔ یحییٰ:** راجع: ۱۳۳

۳۔ عبدالرحمان: راجع: ۱۱۹		**۴۔ ابوعوانہ:** راجع: ۱۳۹

۵۔ بکیر بن اخنس:

آپ کا نام بکیر بن اخنس سدوسی لیثی کوفی ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ سے امام بخاری نے ''جزء القراۃ'' میں روایت کی ہے، جبکہ آئمہ اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، لیکن امام ترمذی نے آپ سے روایت نہیں کیا، سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۶۔ مجاہد: راجع: ۱۳۴		**۷۔ حضرت عبداللہ بن عباس:** راجع: ۱۳۲

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو نانوے ویں (۱۸۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ حفاظ ہیں۔

☆ سند کے پہلے پانچ راوی بصری اور آخری دو مکی ہیں۔

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۲، ص ۴۰۱		ii۔ الکاشف، ج ۱، ص ۱۶۳

☆ حضرت عمرو بن علی ایسے شیخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں۔

☆ یہ تابعی (بکیر) کی دوسرے تابعی (مجاہد) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس مکثرین سبعہ صحابہ میں سے ہیں، آپ سے ایک ہزار چھ سو چھیانوے (۱۶۹۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں، آپ فقہاء عبادلہ اربعہ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لسان النبی ﷺ: حضور نبی کریم ﷺ کی زبانی۔ حضور ﷺ کے ذریعہ۔

فی الخوف رکعة: خوف کی حالت میں ایک رکعت۔

۴۵۶۔أَخْبَرَنَا يُوسُفُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الشُّعَيْثِيُّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أُمَيَّةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَالِدِ بْنِ أَسِيدٍ :أَنَّهُ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ كَيْفَ تَقْصُرُ الصَّلَاةَ؟ وَإِنَّمَا قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ :(لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ) ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ :يَا ابْنَ أَخِي، إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانَا وَنَحْنُ ضُلَّالٌ فَعَلَّمَنَا، فَكَانَ فِيمَا عَلَّمَنَا أَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَمَرَنَا أَنْ نُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ قَالَ الشُّعَيْثِيُّ :وَكَانَ الزُّهْرِيُّ يُحَدِّثُ بِهَذَا الْحَدِيثِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ

حضرت امیہ بن عبداللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا:

آپ نماز کیسے قصر کرتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا ہے: تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم قصر کرو، اگر تمہیں خوف ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! بے شک اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے رسول ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، تو ہم اس وقت گمراہی میں تھے، آپؐ نے ہی ہمیں علم عطا فرمایا، جو کچھ آپؐ نے ہمیں علم دیا، اس میں سے یہ بھی تھا، کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ہمیں حکم دیا ہے: کہ ہم سفر میں دو رکعتیں پڑھیں۔

امام شعیثی فرماتے ہیں:

امام زہری یہ حدیث حضرت عبداللہ بن ابوبکر سے روایت کرتے ہیں:

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت آخری حصہ میں ہے:
اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے ہمیں حکم دیا ہے، کہ ہم سفر میں دو رکعتیں پڑھیں۔

مطابقت اس طرح ہے کہ اقامت میں چار رکعتیں ہیں، اور سفر میں دو رکعتیں ہیں، پچھلی احادیث میں گذر چکا ہے کہ اولاً نماز میں دو دو رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں۔

۲۔اطراف:

تقدم:۱۴۳۳،ابن ماجہ:۱۰٦٦،ابن خزیمہ:۹۴٦،ابن حبان:۱۰۱،مستدرک حاکم،ج۱،ص۲۵۸،السنن الکبریٰ:۱۸۹۲،تحفۃ الاشراف:٦٦۵۱۔

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین کے احوال وآثار سپرد قلم کیے جا رہے ہیں:

۱۔یوسف بن سعید: راجع:۱۹۸　　**۲۔حجاج بن محمد:** راجع:۳۲

۳۔محمد بن عبداللہ:

آپ کا نام محمد بن عبداللہ بن مہاجر شعیثی نصری (م:۱۵۴ھ ت) ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے فقط دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۴۔عبداللہ بن ابی بکر:

آپ کا نام عبداللہ بن ابی بکر بن عبدالرحمان بن حارث ہشام مخزومی مدنی ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے صدوق راوی ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۵۔امیہ بن عبداللہ:

آپ کا نام امیہ بن عبداللہ بن خالد بن اسید بن ابی العیص بن امیہ اموی مکی (م:۸۷ھ) ہے، آپ حضرت خالد بن عبداللہ کے بھائی ہیں، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، قلیل الحدیث تابعی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔امام نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۳)

٦۔حضرت عبداللہ بن عمر: راجع:۱۱۷

۱۔ i۔تھذیب الکمال، ج۲۵، رقم:۵٦۱　　ii۔الثقات، ج۷، ص۴۰۷

۲۔ i۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۳۸۵　　ii۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج٦، ص۷۱

۳۔ i۔طبقات ابن سعد، ج۵، ص۳۵۲　　ii۔تاریخ الثقات، ص۷۳

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سونوے ویں (۱۹۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مصیصی، تیسرے شعیثی، چوتھے اور چھٹے مدنی اور حضرت امیہ مکی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فقہاء عبادلہ اور مکثرین سبعہ میں سے ہیں، آپ سے دو ہزار چھ سوتیس (۲۶۳۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ حضرت محمد بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر اور حضرت امیہ بن عبداللہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔ لغات:

کیف تقصر الصلاۃ؟: آپ کیسے نماز قصر کرتے ہیں؟

لیس علیکم جناح: تم پر کچھ حرج نہیں ہے۔

ان خفتم: اگر تمہیں خوف ہو۔

یا ابن اخی: اے میرے بھتیجے۔

ان رسول اللہ ﷺ اتانا: بے شک رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔

نحن ضلال: ہم گمراہ تھے۔

علمنا: آپ ﷺ نے ہمیں علم عطا فرمایا۔

امرنا: اس نے ہمیں حکم دیا۔

ان نصلی: ہم نماز پڑھیں۔

۷۔ مسائل ونصائح:

نماز قصر اور سفر کے بارے میں عصرِ حاضر کے عظیم مفسر، شارح، مؤرخ اور محقق علامہ غلام رسول سعیدی کی تحقیق بہت نادر ہے، ہم اسے ہی نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

قصر کے معنیٰ:

علامہ اصفہانی قصر کے معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"قصر بخلاف الطول وقصر الصلوٰة جعلها قصيرة بترك بعض اركانها ترخيصاقال فليس عليكم جناح ان تقصر و امن الصلوٰة (الى غير ذالك)" (۱)

قصر طول کی ضد ہے، (یعنی چھوٹا) نماز کی قصر کا معنیٰ یہ ہے کہ شرعی رخصت کی بناء پر اس کے بعض ارکان کم کر کے اس کو چھوٹا کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) اگر تم نماز کو قصر کر کے پڑھو، تو کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ اصفہانی نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے قصر کے معانی بیان کیے ہیں۔

مسافر کا معنیٰ:

سفر کا ایک معنیٰ کشف اور ظہور ہے، علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

قال الازهرى :وسمى المسافر الكشف قناع الكن عن وجهه ، ومنازل الحظرعن مكانه ومنزل الخفض عن نفسه وبرزوه الى الارض النضاروسمى السفر سفر لانه يسفرعن وجوه المسافرين واخلاقهم فيظهرما كان خافيا منه (الى ان قال) وفى الحديث انه قال لاهل مكة عام الفتح يا اهل البلد صلوا اربعافانا سفر۔ (۲)

ازہری نے بیان کیا کہ مسافر کو مسافر اس لیے کہتے ہیں کہ (سفر کی وجہ سے) اس کی شخصیت کے پوشیدہ پہلو ظاہر ہو جاتے ہیں اور راستے کی منازل اور جس جگہ وہ قیام کرتا ہے وہ جگہ اس پر منکشف ہوتی ہے اور نئی فضا اس پر ظاہر ہوتی ہے۔ سفر کو سفر اس لیے کہتے ہیں کہ سفر مسافر کی شخصیت اور سیرت کو لوگوں پر منکشف کر دیتا ہے اور اس کے کردار کے مخفی گوشے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا اے شہر والو! تم چار رکعت نماز پڑھو کیوں کہ میں مسافر ہوں۔

مسافت قصر میں مذاہب:

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ: شیخ ابو سلیمان داؤد بن علی متوفی ۲۷۰ھ اور ان کے متبعین (غیر مقلدین) کے نزدیک قصر کے لیے مسافت متعین نہیں ہے حتیٰ کہ انہوں نے کہا کہ کوئی شخص شہر سے باہر نکل کر کسی باغ میں نماز پڑھے تو وہ بھی قصر کرے گا۔ (۳) مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسین بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک میل کے سفر پر جائے تو قصر کرے گا۔ (۴) امام مالک بن انسی متوفی ۱۷۹ھ کے نزدیک مسافت قصر متوسط رفتار سے ایک دن کی مسافت ہے۔ (۵) امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے نزدیک مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔ (٦)

۱۔ المفردات، ص۴۰۵ ۲۔ لسان العرب، ج۴، ص۳۶۸

۳۔ شرح المہذب، ج۴، ص۳۲۵ ۴۔ السراج الوہاج، ج۱، ص۲۷۷

۵۔ بدایۃ المجتہد، ج۱، ص۱۲۱ ٦۔ اکمال اکمال المعلم، ج۲، ص۳۴٦

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے نزدیک مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔(۱) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے نزدیک مسافت قصر متوسط رفتار سے تین دن کی مسافت ہے۔(۲) امام محمد متوفی ۱۸۹ھ فرماتے ہیں:

"قلت :ارایت المسافر هل يقصر الصلوٰة فی اقل من ثلاثة ايام؟ قال لا قلت فان سافر مسيرة ثلاثة ايام فصاعدا؟ قال يقصر الصلوٰة حين يخرج من مصره قلت ولم وقت له ثلاثة ايام؟ قال لانه جاء اثر عن النبی ﷺ انه قال :لاتسافر المراة ثلاثة ايام الا ومعهاذو محرم فقست علی ذلك"۔(۳)

میں نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ تین دن سے کم سفر میں مسافر قصر کرسکتا ہے؟ فرمایا نہیں! میں نے پوچھا اگر وہ تین دن یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر کرے؟ فرمایا اپنے شہر سے نکلنے کے بعد قصر کرنا شروع کردے۔ میں نے پوچھا: تین دن کے تعین کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کوئی عورت تین دن کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے میں نے اس مسئلہ کو عورت کے سفر پر قیاس کیا ہے۔

تین ایام کی مسافت پر احناف کے دلائل:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے نماز قصر کرنے کے لیے شرعی سفر کی مدت تین دن کی مسافت بیان کی ہے۔ان کے دلائل یہ ہیں:

"عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال لاتسافر المر اۃثلثة ايام الا مع ذی محرم۔"(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن کا سفر نہ کرے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شرعی احکام لاگو ہونے کی مدت تین دن کا سفر ہے، علامہ نووی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس حدیث کے معارض وہ احادیث ہیں جن میں دو بلکہ ایک دن کے بلامحرم کے سفر سے بھی عورت کو منع فرمایا ہے(۵) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث مضطرب السند اور مضطرب المتن ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ ضعیف السند بھی ہیں اس لیے ان احادیث کو معارضہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔

دو دن کی روایت یہ ہے:

"عن عبدالملك وهوعن ابن عمير عن قزعة عن ابی سعيد قال سمعت منه حديثاً فاعجبنی (الی ان قال)

۱۔ المہذب مع شرح المہذب، ج۴،ص۳۲۲ ۲۔ المغنی، ج۲،ص۴۷
۳۔ المبسوط، ج۱،ص۲۶۵ ۴۔ صحیح بخاری، ج۱،ص۱۴۷
۵۔ صحیح مسلم، ج۱،ص۴۳۳۔۴۳۲

نهی ان تسافر المرأة مسيرة يومين الا و معها زوجها او ذومحرم"(۱)

حضرت ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند اور محرم کے بغیر عورت کو دو دن کے سفر سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کی سند میں عبدالملک بن عمیر نام کا راوی ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ عبدالملک بہت زیادہ مضطرب الحدیث ہے۔ میں نے اس کی پانچ سو احادیث دیکھی ہیں جن میں سے اکثر میں اس نے غلطی کی ہے۔ اسحق بن منصور کہتے ہیں کہ امام احمد نے اس کو بہت زیادہ ضعیف قرار دیا ہے۔ سماک نے کہا عبدالملک کے بارہ میں حفاظ کا اختلاف ہے۔ اسحاق بن منصور نے کہا ابن معین اس کو مخلط قرار دیتے تھے۔ ابن قطبیہ نے کہا مرنے سے پہلے اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ علامہ ابن حجر نے اس کو مدلس بھی قرار دیا ہے۔ (۲) علاوہ ازیں یہ حدیث غریب بھی ہے کیونکہ قزعہ کا اس متن کے ساتھ کوئی متابع نہیں ہے۔ نیز یہ حدیث مضطرب المتن بھی ہے کیونکہ امام مسلم نے سہم بن منجاب اور قتادہ دو ثقہ راویوں کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ان میں تین دن مسافت کا ذکر ہے۔:

"عن سهم بن منجاب عن قزعة عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لاتسافر امرأة ثلاثا الا مع ذی محرم" (۳) (کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن سفر نہ کرے) "عن قتادة عن قزعة عن ابی سعید الخدری ان نبی الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تسافر امرأة فوق ثلاث ليال الامع ذی محرم" (۴) (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن سے زیادہ سفر نہ کرے)

امام مسلم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے تین مختلف اسانید کے ساتھ تین روایات ذکر کی ہیں۔ ایک میں دو دن کے سفر سے منع فرمایا ہے اور دو میں تین دن کے سفر سے منع فرمایا ہے۔ ظاہر ہے دونوں روایات صحیح نہیں ہو سکتیں، اب دیکھنا یہ ہے کونسی روایت صحیح ہے۔ جس روایت میں دو دن کے سفر سے منع فرمایا ہے وہ عبدالملک بن عمیر ایسے ضعیف مضطرب الحدیث اور مدلس راوی کی روایت ہے اس لیے لامحالہ دوسری روایت کو ترجیح دی جائے گی اولاً اس لیے کہ وہ منجاب اور قتادہ ایسے دو ثقہ راویوں سے مروی ہے ثانیاً تفرد اور غرابت سے خالی ہے اور ثالثاً اس لیے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت کے مطابق ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر محرم کے تین دن سفر سے منع فرمایا ہے۔

دوسرا معارضہ بخاری کی اس روایت سے ہے:

"حدثنا آدم قال حدثنا ابن ابی ذئب قال حدثنا سعید المقبری عن ابی هریرة قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا يحل لا مراة تؤمن بالله واليوم الآخران تسا فر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمة"(۵)

آدم ابن ابی ذئب، سعید المقبری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اللہ

۱۔ شرح المہذب مع الشروح، ج۴، ص۳۲۹ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج۶، ص۴۱۲-۴۱۱
۳۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۴۳۳ ۴۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۴۳۳ ۵۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۱۴۸

تعالیٰ اورآخرت پرایمان رکھتی ہے اس کے لیے ایک دن رات کا سفر بغیر محرم کے جائز نہیں ہے۔

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو تین اسانید کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔(۱) یہ حدیث بھی مضطرب السنداور مضطرب المتن ہے۔سند کا اضطراب یہ ہے کہ ابن ابی ذئب اور لیث بن سعد، اس کو عن سعید المقبری عن ابیه عن ابی هـريـرة روایت کرتے ہیں اور یحییٰ بن ابی کثیر، سہیل اور مالک اس کو عن المقبری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔امام بخاری نے پہلی سند کو ترجیح دی اور امام دارقطنی نے دوسری سند کو ترجیح دی ہے۔(۲)

اور متن میں اضطراب یہ ہے کہ امام مسلم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے:عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لایحل لا مرأة ان تسافر ثلاثا الا و معها ذومحرم منها۔(۳)(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی عورت بغیر محرم کے تین دن سفر نہ کرے) تو اس صحیح حدیث کو کیوں نہ ترجیح دی جائے جو اضطراب فی السند والمتن دونوں سے خالی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم دونوں کی روایات کے مطابق ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تینوں سے مروی ہے کہ کوئی عورت تین دن سے زیادہ بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔اور ایک دن اور دو دن کی روایات اضطراب اور ضعف کے علاوہ جس صحابی سے مروی ہیں اس صحابی سے تین دن کی روایت بھی موجود ہے لہٰذا علامہ نووی کا ان روایات سے معارضہ قطعاً باطل اور مردود ہے۔

امام ابوحنیفہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ تواتر معنوی سے ثابت ہے۔مسافر کے لیے موزوں پر مسح کی مدت تین دن تین راتیں ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ وہ سفر شرعی جس پر احکام شرعیہ مرتب ہوتے ہیں تین دن تین رات ہے لہٰذا قصر کے لیے بھی سفر کی مدت تین دن تین رات ہوگی۔احناف کے مسلک پر یہ احادیث دلالت کرتی ہیں۔

”عن شريح بن هانی قال اتيت عائشة اسئلها عن المسح على الخفين فقالت عليك بابن ابی طالب فاسئله فانه كان يسافر مع رسول الله ﷺ فسئلناه فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ايام ولياليهن للمسافر ويوم وليلة للمقيم“۔(۴)

شریح بن ہانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر موزوں پر مسح کے بارے میں دریافت کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھو! کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں رہتے تھے۔میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تین دن تین راتیں مسافر کے لیے اور ایک دن ایک رات مقیم کے لیے مشروع فرمائی ہیں۔

۱۔ صحیح مسلم، ج۱،ص۴۳۳۔۴۳۴ ۲۔ فتح الباری، ج۲،ص۵۶۸
۳۔ صحیح مسلم، ج۱،ص۴۳۴ ۴۔ صحیح مسلم، ج۱،ص۱۳۵

امام طحاوی فرماتے ہیں:

"قد تواترت عن رسول الله ﷺ بالتوقيت فی المسح علی الخفين للمسافی ثلثة ايام وليا ليها وللمقيم يوم وليلة"۔(۱)

رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے منقول ہے کہ مسافر کے لیے مسح کی مدت تین دن تین راتیں ہے اور مقیم کے لیے ایک دن ایک رات۔

امام ابوحنیفہ کی تیسری دلیل یہ ہے:

"محمد قال اخبرنا سعيد بن عبيدالطائی عن علی بن ربيعة الوالبی قال :سالت عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما الی کم تقصر الصلوٰة؟ فقال اتعرف السويد ا؟ قال :قلت :لا قال هی ثلاث ليال قواصد:فاذاخرجنا اليها قصر نا الصلوٰة"۔(۲)

محمد، سعید بن عبید الطائی، علی بن ربیعہ والبی کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کتنی مسافت کے بعد نماز قصر کی جائے فرمایا کیا تم سویدا (مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے) کو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ تین راتوں کی مسافت پر ہے۔ جب ہم وہاں تک سفر کرتے ہیں تو نماز قصر کرتے ہیں۔

امام محمد نے اس حدیث کو سعید بن عبید طائی اور علی بن ربیعہ والبی سے روایت کیا ہے۔ ہم ان راویوں کے احوال تہذیب التہذیب سے نقل کررہے ہیں جس سے اس حدیث کو تقویت پہنچے گی۔ سعید بن عبید طائی کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام احمد اور ابن معین نے کہا کہ سعید بن عبید طائی ثقہ ہے۔ ابو حاتم نے کہا اس کی احادیث لکھی جائیں گی۔ ابوداؤد نے کہا کہ شعبہ ان سے ملاقات کی تمنا کرتے تھے۔ ابن حبان نے ان کا ثقات میں ذکر کیا۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ عجلی یعقوب بن سفیان اور ابن نمیر وغیرہم نے ان کی توثیق کی۔ (۳)

علی ربیعہ والبی کے بارے میں علامہ حجر لکھتے ہیں:

ابن مغیرہ اور نسائی نے کہا یہ ثقہ ہیں۔ ابو حاتم نے کہا صالح الحدیث ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ثقات تابعین میں ذکر کیا۔ ابن سعد نے کہا یہ معروف ثقہ ہیں۔ عجلی نے کہا یہ کوفی تابعی ثقہ ہیں اور ابن نمیر وغیرہ نے ان کی توثیق کی۔ (۴)

خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث کے رجال صحیحین کے رجال سے زیادہ ثقہ ہیں۔

امام مالک کے دلائل:

علامہ ابن رشد، امام مالک کے مسلک پر دلیل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سفر میں مشقت کی وجہ سے نماز میں قصر کی

۱۔ شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۵۰　　۲۔ کتاب الآثار، ص ۳۹

۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۴، ص ۶۲　　۴۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۳۲۰

اجازت دی گئی ہے اور ایک دن سفر کرنے کی وجہ سے بہر حال مشقت حاصل ہوتی ہے اس وجہ سے ایک دن کے سفر میں قصر کی رخصت حاصل ہوگی اور حدیث شریف میں بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ان اللہ وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلوٰۃ''۔ ''اللہ تعالیٰ نے مسافر سے روزہ اور آدھی نماز ساقط کردی، لہٰذا جس شخص پر مسافر کا اطلاق کیا جائے گا اسے روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کرنے کی رخصت حاصل ہوگی۔(۱)

علامہ ابن رشد مالکی کی دلیل کا جواب:

علامہ ابن رشد کے استدلال کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ ایک دن کے سفر کرنے والے پر بھی مسافر کا اطلاق ہوتا ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ مسافر پر قصر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے معارض یہ احادیث ہیں:

''عن ابی سعید ان النبی ﷺ کان اذا سافر فرسخا قصر الصلوٰۃ''۔(۲)

''عن ابن عمر قال یقصر الصلوٰۃ فی مسیرۃ ثلاثۃ امیال''۔(۳)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک فرسخ سفر کرنے کے بعد قصر کرتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین میل سفر میں قصر کی جائے گی۔

''سئل انس بن مالک عن قصر الصلوٰۃ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا خرج مسیرۃ ثلاثۃ امیال او ثلاثۃ فراسخ۔''(۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نماز میں قصر کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا جب رسول اللہ ﷺ تین میل یا تین فرسخ کا سفر کرتے تو قصر کرتے۔

اگر علامہ ابن رشد کی روایت کردہ حدیث (۵) کا اعتبار کیا جائے، تو کیا وجہ ہے کہ ان احادیث کا اعتبار نہ کیا جائے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں مسافر سے مراد وہ مسافر ہے جس پر احکام شرعی مرتب ہوں اور وہ تین دن کے سفر کا مسافر ہے، جس کا ثبوت ہم عنقریب پیش کریں گے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی کے استدلال کا جواب:

علامہ ابن قدامہ قصر کے لیے چار برد (سولہ فرسخ) مسافت ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے:

''واحتج اصحابنا بقول ابن عباس وابن عمر قال ابن عباس یا اهل مکة لاتقصروا فی ادنی من اربعة برد من عسفان الی مکة، قال الخطابی هو اصح الروایتین عن ابن عمر''۔(۶)

۱۔ بدایۃ المجتہد، ج۱، ص۱۲۲　۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج۲، ص۴۴۳　۳۔ ایضاً

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج۲، ص۴۴۳　۵۔ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۱۲۰　۶۔ المغنی، ج۲، ص۴۸

ہمارے اصحاب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر کے قول سے استدلال کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے اہل مکہ چار برد سے کم مسافت میں قصر نہ کرو (عسقان سے مکہ تک) علامہ خطابی نے کہا یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ترین روایت ہے۔

علامہ خطابی کا اس روایت کو صحیح قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ روایت سنن کبریٰ میں اس سند کے ساتھ مذکور ہے:

''قدروی اسمٰعیل عیاش عن عبدالوھاب بن مجاھد عن ابیه وعطاء بن ابی رباح عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال یا اھل مکة لاتقصروا الصلوٰة فی ادنی من اربعة برد من مکة الی عسفان'' (۱)

اس سند میں اسماعیل بن عیاش اور عبدالوہاب بن مجاہد دونوں شدید ترین ضعیف راوی ہیں۔ اسماعیل عیاش کے بارے میں علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں: یحییٰ بن معین کہتے ہیں، میں ایک بار اسماعیل بن عیاش کے پاس گیا وہ ایک جوہری کے گھر کے چوبارہ میں بیٹھا احادیث بیان کر رہا تھا اور صرف دو آدمی اس کے پاس بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میں واپس چلا گیا اور اس سے حدیث نہیں سنی۔ عبداللہ بن عثمان کہتے ہیں کہ میرے باپ نے بتایا کہ اسماعیل بن عیاش عراقیوں اور شامیوں کی روایات کو غلط ملط کر دیتا ہے۔ عبدالرحمان نے کہا میرے باپ نے بتایا کہ اسماعیل بن عیاش حدیث میں ضعیف ہے۔ امام نسائی نے کہا اسماعیل بن عیاش ضعیف ہے۔ عبدالرحمٰن بن یوسف بن خراش نے کہا اسماعیل بن عیاش ضعیف الحدیث ہے۔ (۲)

علامہ خزرجی، اسماعیل بن عیاش کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حجازین سے روایت کرنے میں ضعیف تھا (۳)

اس سند کا دوسرا راوی عبدالوہاب بن مجاہد ہے۔ علامہ ابن حجر اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں یہ لیس بشیء۔ (کچھ بھی نہیں) اور ضعیف الحدیث ہے۔ ابن معین اور ابو حاتم نے کہا ضعیف ہے۔ امام نسائی نے کہا یہ غیر ثقہ ہے اس کی احادیث نہ لکھی جائیں۔ ابن عدی نے کہا اس کا کوئی متابع نہیں۔ یحییٰ بن معین نے اس کی روایات لکھنے سے منع کیا۔ امام دارقطنی نے کہا یہ حدیث میں ضعیف تھا۔ حاکم نے کہا موضوع احادیث روایت کرتا تھا۔ ابن جوزی نے کہا اس کی روایات کو ترک کرنے پر اجماع ہو چکا ہے۔ (۴)

علامہ خزرجی، عبدالوہاب بن مجاہد کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثوری نے اس کو جھوٹا قرار دیا اور ابوالحجاج نے کہا میں اس کی روایت سے واقف نہیں۔ (۵)

خود امام بیہقی نے اسماعیل بن عیاش اور عبدالوہاب بن مجاہد کی وجہ سے اس حدیث کو ناقابل استدلال قرار دیا ہے۔ (۶) علامہ نووی نے بھی اس کے ضعف کی بناء پر اس کو لائق استدلال نہیں سمجھا۔ (۷)

۱۔ سنن کبریٰ، ج ۳، ص ۱۳۷　۲۔ تاریخ بغداد، ج ۶، ص ۲۲۷۔۲۲۱　۳۔ خلاصہ تذہیب تھذیب الکمال، ج ۱، ص ۹۲
۴۔ تھذیب التھذیب، ج ۶، ص ۴۵۳　۵۔ خلاصہ تذہیب تھذیب الکمال، ج ۲، ص ۱۸۷　۶۔ سنن کبریٰ، ج ۳، ص ۱۳۸
۷۔ شرح المھذب مع شروح المھذب، ج ۴، ص ۳۲۷

لہٰذا علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کی بنیاد پر اپنا فقہی مسلک قائم کیا ہے وہ بہت کمزور ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دو دن کے سفر کو قصر کا سبب قرار دیتے ہیں اور ان کے نزدیک چار برد کی مسافت دو دن میں طے ہوتی ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ مسلک شافعی پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واحتج اصحابنا بروایة عطاء بن ابی رباح ان ابن عمر وابن عباس کانا یصلیان رکعتین ویفطر أن فی اربعة بردفما فوق ذلك ورواه البیهقی بامسناد صحیح وذکر البخاری فی صحیحه تعلیقا بصفةجزم۔(۱)

ہمارے اصحاب کی دلیل عطاء بن ابی رباح کی یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس چار برد کی یا اس سے زیادہ کی مسافت پر قصر کرتے تھے اور روزہ نہیں رکھتے تھے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا اور امام بخاری نے بھی اس کو صفت جزم کے ساتھ تعلیقاً روایت کیا ہے۔

برد، بریدہ کی جمع ہے بریدہ چار فرسخ کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ تین میل شرعی کے برابر ہے یہ کل اڑتالیس شرعی میل ہوں گے۔(۲) حنابلہ اور شوافع کے نزدیک ۴ برد۔ دو دن کی مسافت ہے۔(۳)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب:

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بیہقی کے حوالہ سے حدیث پیش کی ہے اس میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ چار برد کے بعد قصر کرو نہ آپ نے یہ فرمایا کہ مسافت چار برد کی ہے یہ صرف عطاء بن ابی رباح کی رائے ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چار برد کے بعد قصر کی اور یہ رائے غلط بھی ہو سکتی ہے ثانیاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل اس حدیث کے معارض ہے۔

"عن سالم ان ابن عمر کان یقصر الصلوٰة فی مسیرة الیوم التام"(۴)

سالم کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر پورا دن سفر کرنے کے بعد نماز قصر کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی اس حدیث کے معارض ہے:

"عن مجاهد عن ابن عباس قال اذا سافرت یوما علی العشاء فاقم الصلوٰة فان زدت فاقصر"۔(۴)

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تم صبح سے شام تک سفر کرو تو پوری نماز پڑھو اور اگر اس سے زیادہ سفر کرو تو قصر کرو۔

۱۔ شرح المہذب مع شروح المہذب، ج۴، ص ۳۲۷ ۲۔ شرح المہذب مع شروح المہذب، ج۴، ص ۳۲۳
۳۔ المہذب مع شروح المہذب، ج۴، ص ۳۲۲ ۴۔ مصنف عبدالرزاق، ج۲، ص ۵۲۵ ۵۔ ایضاً

تیسرا جواب یہ ہے کہ چار برد کے ۴۸ شرعی میل بنتے ہیں جیسا کہ ''مہذب'' اور ''شرح المہذب'' کے حوالہ سے گذر چکا ہے رہا یہ کہ ۴۸ میل دو دن میں طے کیے جاتے ہیں۔ یہ شافعیہ کی رائے ہے ہوسکتا ہے کہ ۴۸ میل کا سفر تین دن میں طے کیا جائے کیونکہ اعتبار پیدل سفر کرنے کا ہے اور مسلسل سفر کرنا مراد نہیں ہے بلکہ رات کو آرام کرنا، دن میں کھانا، پکانا اور کھانا پانچوں وقت کی نمازیں پڑھنا ان تمام امور کا لحاظ اس سفر میں معتبر ہے تو ہوسکتا ہے کہ چار برد جو کہ سولہ فرسخ اور اڑتالیس میل کے برابر ہے۔(۱) تین دن کی مسافت میں طے ہو پھر حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں رہے گا، علامہ عینی فرماتے ہیں:

''عن محمد لم یریدوابه السیر لیلا ونهارا لانهم جعلو االنهار للسیر واللیل للاستراحة ولوسلك طریقا هی مسیرة ثلاثة ایام وامکنه ان یصلی الیها فی یوم من طریق اخری قصر ثم قدرواذلك بالفراسخ احد وعشرون فرسخاو قیل ثمانیة عشروعلیه الفتویٰ وقیل خمسة عشر فرسخاوالی ثلاثة ایام ذهب عثمان بن عفان وابن مسعود ......وروایة عن عبدالله بن عمر''۔(۲)

امام محمد بیان کرتے ہیں کہ مسافت سفر میں یہ مراد نہیں ہے کہ دن رات سفر کرتے رہیں کیونکہ دن سفر اور رات آرام کے لیے ہے اگر مسافر ایسے راستہ پر چلے جو تین دن کی مسافت، کا ہو خواہ کسی اور راستہ سے اس مسافت کو ایک دن میں طے کرنا ممکن ہو قصر کرے۔ پھر تین دن کی مسافت کا فرسخ کی مقدار سے اندازہ کیا گیا ہے۔ بعض فقہاء نے اکیس فرسخ اندازہ کیا، بعض نے اٹھارہ فرسخ اور بعض نے پندرہ فرسخ، فتویٰ اٹھارہ فرسخ پر ہے۔ حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے تین دن مسافت کا اعتبار کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی ایک ایسی روایت منقول ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شوافع اور حنابلہ کے نزدیک دو دن کا مدار سولہ فرسخ کی مسافت پر ہے اور احناف کا مفتیٰ بہ قول اٹھارہ فرسخ کا ہے جبکہ ایک قول پندرہ فرسخ کا بھی ہے۔ اس لیے ان اقوال میں کوئی خاص اور نمایاں فرق نہیں ہے۔ شوافع اور حنابلہ نے سولہ فرسخ کی مسافت کے لیے دو دنوں کا اندازہ کیا اور احناف نے تین دن کا تو یہ صرف رائے اور اجتہاد کا فرق ہے اور بنیادی طور پر یہ حدیث جس طرح شوافع اور حنابلہ کی مؤید ہے احناف کی بھی مؤید ہے۔

مسافت قصر کا اندازہ بحساب انگریزی میل وکلومیٹر:

احناف کے نزدیک قصر کا موجب درحقیقت تین دن کا سفر ہے جس کو پیدل چل کر یا اونٹ پر سوار ہو کر انسانی تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ پورا کیا جائے جیسا کہ ہم ابھی علامہ عینی کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔ متاخرین فقہاء کرام نے مسلمانوں کی سہولت کے لیے اندازہ کیا کہ اس اعتبار سے یہ مسافت کتنے فرسخ میں طے کی جائے گی۔ بعض فقہا نے اس مسافت کو اکیس (۲۱)

۱۔ المہذب مع شروح المہذب، ج ۴، ص ۳۲۲　　۲۔ عمدۃ القاری، ج ۷، ص ۱۱۹

فرسخ قرار دیا، بعض نے پندرہ فرسخ قرار دیا اور مفتیٰ بہ اٹھارہ فرسخ کا قول ہے۔(۱) بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ مسافت کے پیمانے بھی بدلتے گئے اور پھر مسافت کو پہلے انگریزی میلوں اور بعد میں کلومیٹر سے ناپا جانے لگا لہٰذا عہد حاضر کے علماء نے مسافت قصر کا اندازہ انگریزی میلوں سے قائم کیا۔

اس سے پہلے کہ ہم انگریزی میل اور کلومیٹر کے اعتبار سے مسافت قصر کا ذکر کریں وہ قاعدہ بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے فرسخ کی مسافت انگریزی میل اور کلومیٹر میں تبدیل کی جاتی ہے۔

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہے اور ایک شرعی میل، چار ہزار ذراع (انگلیوں سے کہنی تک ہاتھ) کا ہوتا ہے(۲) اور ایک متوسط ذراع ڈیڑھ فٹ یعنی نصف گز کا ہوتا ہے لہٰذا ایک شرعی میل دو ہزار گز کا قرار پایا اور اکیس فرسخ تریسٹھ میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ چھبیس ہزار گز یعنی اکہتر انگریزی میل چار فرلانگ ایک سو ساٹھ گز ہیں اور یہ ایک سو پندرہ اعشاریہ ایک آٹھ نو (۱۱۵٫۱۸۹) کلومیٹر کے برابر ہیں۔ فقہاء کا دوسرا قول پندرہ فرسخ ہے اور پندرہ فرسخ پینتالیس میل شرعی ہیں جو نوے ہزار گز یعنی اکیاون انگریزی میل، ایک فرلانگ بیس گز ہیں جو بیاسی اعشاریہ دو چھ آٹھ (۸۲٫۲۶۸) کلومیٹر کے برابر ہیں، فقہاء کا تیسرا قول جو مفتیٰ بہ ہے وہ اٹھارہ فرسخ ہے اور اٹھارہ فرسخ چون میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ آٹھ ہزار گز یعنی اکسٹھ انگریزی میل دو فرلانگ بیس گز یا اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار۔ (۹۸٫۷۳۴) کلومیٹر کے برابر ہے۔

اس اعتبار سے مفتیٰ بہ قول پر سفر شرعی اور قصر کے احکام اکسٹھ انگریزی میل دو فرلانگ بیس گز یا اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸٫۷۳۴) کلومیٹر کی مسافت کے بعد شروع ہوں گے۔ زمانہ قریب کے علماء نے بھی مسافت شرعی کو انگریزی میلوں کے حساب سے بیان کیا ہے لیکن کسی کا حساب بھی فقہاء کے مذکورہ قاعدہ کے موافق نہیں ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن صرف ہوں (یعنی تقریباً ۱۸ فرسخ یا چون میل) اس میں قصر کیا جاسکتا ہے یہی رائے ابن عمر، ابن مسعود اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی ہے۔ (۳) سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اس عبارت میں چون میل شرعی مراد ہیں۔ مودودی صاحب کو اس بات کی وضاحت کرنی چاہیے تھی اور بتلانا چاہیے تھا کہ چون میل شرعی اکسٹھ انگریزی میل کے برابر ہیں کیونکہ عام اردو پڑھے لکھے لوگ چون میل سے چون انگریزی میل ہی باور کریں گے۔

شیخ عزیز الرحمان لکھتے ہیں:

اس عبارت سے واضح ہوا کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ تین دن کا سفر ہو اور وہ جگہ جس کی طرف سفر کا ارادہ ہے تین منزل

۱۔ کفایہ مع فتح القدیر، ج ۲، ص ۵　۲۔ بحر الرائق، ج ۲، ص ۱۲۹　۳۔ تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۳۹۰

ہو، لیکن بہت سے مشائخ نے فراسخ کا اعتبار کیا ہے اور اس میں فتویٰ آئمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ، یعنی اڑتالیس میل پر ہے، مگر عبارت مذکور سے واضح ہے کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ تین منزل کا سفر ہو پس اگر حساب منازل کا سہل ہو تو اسکو دیکھا جاوے مگر چونکہ ہر ایک کو اعتبار منازل میں دشواری ہوتی ہے اس وجہ سے مشائخ نے کل منازل کی تحدید میلوں سے کردی ہے جس میں تین قول ہیں جو اوپر معلوم ہوئے میل کی مقدار شرعی ذرائع سے چار ہزار ذراع لکھی ہے اور ذراع شرعی اس زمانہ کے گز کے حساب سے قریب دس گرہ کے ہوتا ہے۔ پس اس کے موافق میلوں کا حساب کرلیا جاوے اور اڑتالیس میل کا اندازہ کرلیا جائے۔(۱)

شیخ عزیز الرحمٰن نے اس عبارت میں کئی غلطیاں کی ہیں اول یہ کہ پندرہ فرسخ، پینتالیس میل کا ہے کیونکہ تین میل کا ایک فرسخ ہوتا ہے اور انہوں نے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔ دوم یہ کہ چونکہ انہوں نے میل کے ساتھ شرعی کی قید نہیں لگائی اس لیے عام اردو دان لوگ اس کو انگریزی مروجہ میل پر محمول کریں گے۔ سوم یہ کہ انہوں نے ذراع شرعی دس گرہ قرار دیا ہے جو ڈیڑھ فٹ سے زیادہ ہے اس حساب سے شرعی مسافت اکسٹھ انگریزی میل سے متجاوز ہو جائے گی جبکہ وہ اڑتالیس انگریزی میل بیان کرتے ہیں۔

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں:

الغرض ثابت ہوا کہ قول راجح اور مختار اور معتمد یہی ہے کہ میل چار ہزار گز کا ہے جس میں گز متاخرین کا اعتبار کر کے چوبیس انگشت قرار دیا گیا ہے جو انگریزی گز سے نصف یعنی اٹھارہ انچ ہے (الی ان قال) اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ میل کے بارے میں قول مختار فقہاء کرام کا یہ ہے کہ چوبیس انگشت کے گز سے دو ہزار گز کا ایک میل شرعی ہوا کیونکہ چوبیس انگشت کا ذراع ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ کا ہے جیسا کہ ذراع کی تحقیق میں بحوالہ چکرورتی گذر گیا ہے (الی ان قال) اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں۔ بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چون میل ہوتے ہیں مسافت قصر قرار دی ہے۔ عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور ''البحر الرائق'' میں بھی بحوالہ نہایہ اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے۔ اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر آئمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے۔(۲)

مفتی محمد شفیع صاحب نے جتنے اصول بیان کیے ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن ان اصولوں کی بنیاد پر جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ غلط ہے۔ لکھتے ہیں۔

محققین علماء ہندوستان نے اڑتالیس (۴۸) میل انگریزی کو مسافت قرار دے دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر آسانی طے کرسکتا ہے اور فقہاء حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتویٰ آئمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اسی کے بالکل مطابق ہے کیونکہ پندرہ فرسخ

۱۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج ا، ص ۲۸۵ ۲۔ اوزان شرعیہ، ص ۲۶۔۲۳

پینتالیس ۴۵ میل شرعی ہوتے ہیں اور شرعی میل انگریزی میل سے دوسو چالیس گز بڑا ہوتا ہے تو ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔(۱) مفتی صاحب کا یہ لکھنا بھی غلط ہے کیونکہ ۴۵ میل شرعی اکاون انگریزی میل ایک فرلانگ بیس گز کے برابر ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر اپنے مقام اقامت سے ۱/۲ ۵۷ میل کے فاصلے پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے۔(۲) اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے ۱/۲ ۵۷ میل کس ضابطہ اور قاعدہ سے مقرر کیے ہیں۔

علماء دیوبند نے مسافت قصر ۴۸ انگریزی میل قرار دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ:

ہمارے اساتذہ نے روزانہ بارہ کوس کا سفر یعنی سولہ میل انگریزی اختیار فرمایا ہے، کیونکہ روزانہ اگر چھ گھنٹہ سفر کے لیے مقرر کیے جاویں تو فی گھنٹہ دو کوس پیادہ آدمی متوسط چال سے طے کر لیتا ہے، اس اعتبار سے مسافت قصر ۴۸ میل یعنی ۳۶ کوس کو قرار دیا ہے۔(۳)

۴۸ انگریزی میل کو ثابت کرنے کے لیے یہ انتہائی عجیب طریقہ ہے، کھانے پینے، آرام، نمازوں کے اوقات اور رات کی نیند بھی نکال لی جائے تو ۲۴ چوبیس گھنٹوں میں سے سفر کے لیے یقیناً چھ گھنٹوں سے زیادہ وقت بچے گا، اور جو شخص سفر کرتا ہے وہ یقیناً دن رات میں سے سفر کے لیے چھ گھنٹوں سے زیادہ وقت نکالے گا اور متوسط اونٹ کی رفتار سے ایک انسان ایک دن میں یقیناً بیس میل سے زیادہ سفر کر سکتا ہے پھر جمہور فقہاء کے مطابق یہ قول کیوں نہ اختیار کیا جائے کہ مسافت قصر ۵۴ میل شرعی ہے جو اکسٹھ میل انگریزی اور چھ سو چالیس گز کے برابر ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب نے ۴۸ انگریزی میل کے ثبوت میں لکھا ہے کہ:

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو دار قطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یااھل مکۃ لاتقصر واالصلوٰۃ فی ادنی من اربعۃ برد من مکۃ الی عسفان"۔(۴)

اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔

لیکن مفتی صاحب کا یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے نہ کہ بارہ میل انگریزی کا۔ سترہ فروری ۱۹۸۸ء کو ایک علمی مجلس میں مذاکرہ کے دوران مفتی صاحب کے صاحبزادے مفتی محمد رفیع عثمانی نے بھی تسلیم کیا کہ یہ تسامح

۱۔ اوزان شرعیہ، ص ۲۶ ۲۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۳، ص ۶۹۰ ۳۔ فتاویٰ دار العلوم مدلل، ج ۴، ص ۴۹۲-۴۹۱

۴۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۵۳۱، اوزان شرعیہ ص ۲۶

ہے اور ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے مسافت قصر ۴۸ میل شرعی قرار پائے گی جو ۵۴ انگریزی میل ۹۶۰ گز کے برابر ہے۔ تاہم یہ روایت سنداً ضعیف ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے بھی تصریح کی ہے اس لیے مدار سفر تین دن کی مسافت ہے، جس کو جمہور فقہاء نے ۵۴ شرعی میل کے برابر قرار دیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے یہ متوسط قول ہے اور یہ اکسٹھ انگریزی میل اور چھ سو چالیس گز اور اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸.۷۳۴) کلومیٹر کے برابر ہے۔ علماء دیوبند کے ایک مستند عالم مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

اکثر مشائخ احناف نے ۱۸ فرسخ ۵۴ میل شرعی ۱۱/۴ ۶۱ میل انگریزی کو متوسط قول قرار دے کر اس پر فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بھی اس قول کو مفتیٰ بہ لکھا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔ (۱)

اس بحث کے اخیر میں مفتی محمد رفیع عثمانی نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم اب مسافت قصر کو تبدیل کریں تو لوگ کہیں گے کہ ہماری پچھلی پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا ہوگا؟ اس آخری دلیل کی بناء پر انہوں نے ۴۸ انگریزی میل ہی کو قائم رکھا۔

مسافت کا تفصیلی خاکہ:

شرعی مسافت جو موجب قصر ہے اس کے بارے میں فقہاء متقدمین کے تین اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ انہیں اگر عہد حاضر کے مروج پیمانہ مسافت میں تبدیل کردیا جائے تو اس کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل ہوگا۔

نمبر شمار	مسافت قصر بحساب امیال شرعیہ	مسافت گزوں میں بحساب ۲۰۰۰ گز فی شرعی میل	مسافت بحساب انگریزی میل گز۔ فرلانگ۔ میل	مسافت بحساب کلومیٹر
۱	۴۵ میل	۹۰,۰۰۰	۲۰۔۱۔۵۱	۸۲٫۲۶۸
۲	۵۴ میل یہ مفتی بہ قول ہے	۱۰۸,۰۰۰	۲۰۔۲۔۶۱	۹۸٫۷۳۴
۳	۶۳ میل	۱۲۶,۰۰۰	۱۶۰۔۴۔۷۱	۱۱۵٫۱۸۹

قصر کی ابتداء اور انتہا:

امام ابوحنیفہ (۱)، امام مالک (۲)، امام شافعی (۳) اور امام احمد بن حنبل (۴) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص سفر شرعی کا قصد کر کے شہر کی حدود سے نکل جائے گا اس کے لیے قصر ثابت ہو جائے گا اور جب واپس لوٹے گا تو شہر کی حدود شروع ہوتے ہی اس پر پوری نماز پڑھنا لازم ہوگا۔

۱۔ احسن الفتاوی، ج ۴، ص ۹۴ ۲۔ المبسوط، ج ۱، ص ۲۶۵ ۳۔ بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۱۲۲
۴۔ فتح العزیز شرح الوجیز مع شروح المہذب، ج ۴، ص ۴۳۲ ۵۔ المغنی، ج ۲، ص ۵۰

مدتِ قصر:

امام شافعی (۱)، امام مالک (۲)، اور امام احمد (۳) کے نزدیک مدت قصر چار روز تک ہے اگر کوئی شخص چار روز یا اس سے زیادہ قیام کا ارادہ کرے گا تو اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مدت قصر پندرہ دن تک ہے۔ اگر کوئی شخص پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کا ارادہ کرے تو اس کو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔ (۴)

آئمہ ثلاثہ کے دلائل:

علامہ ابن قدامہ چار روز تک قصر پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اذا نوی اقامة اربعة ایام اتم وان نوی دونها قصر وهذا قول مالك والشافعی وابی ثور لان الثلاث حدالقلة بدلیل قول النبی ﷺ یقیم المهاجر بعد قضاء نسکه ثلاثا ولما اخلی عمر رضی الله عنه اهل الذمة ضرب لمن قدم منهم تاجر اثلاثا فدل علی ان الثلاث فی حکم السفر وما زاد فی حکم الاقامة" (۵)

جب کوئی شخص چار دن قیام کی نیت کرے تو پوری نماز پڑھے اور اگر اس سے کم دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو قصر کرے۔ یہی امام شافعی، امام مالک اور ابوثور کا قول ہے کیونکہ تین قلت کی حد ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا مہاجرین ارکان حج ادا کرنے کے بعد تین دن مکہ میں ٹھہریں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمی تاجروں کو صرف تین دن قیام کی اجازت دی اس سے معلوم ہوا کہ تین دن حکم سفر ہے اور اس کے بعد حکم اقامت ہے۔

علامہ نووی (۶) اور علامہ ابن رشد (۷) نے بھی یہی دلیل بیان کی ہے۔

آئمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات:

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں قصر کرنے یا نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے حالانکہ گفتگو قصر اور عدم قصر میں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین کو مکہ میں تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ مہاجرین کے شرف ہجرت میں کمی نہ آجائے اگر یہ قصر کا معاملہ ہوتا تو یوں فرماتے اگر تم تین دن سے زیادہ مکہ ٹھہرے تو تم کو پوری نماز پڑھنی پڑے گی۔ اس طرح حضرت عمر نے ذمیوں کو تین دن سے زیادہ حرم مدینہ میں قیام کی اجازت اس لیے نہیں دی کہ مدینہ میں ان کا زیادہ قیام مدینہ مشرفہ کی حرمت کے منافی ہے ورنہ ذمیوں کے حق میں قصر یا عدم قصر کا تصور ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں صحیح حدیث سے دس دن تک سفر میں قصر ثابت ہے اور دس دن تک اقامت ثابت نہیں ہے۔

۱۔ شرح المہذب مع الشروح، ج۴، ص۳۵۹ ۲۔ بدایۃ المجتہد، ج۱، ص۱۲۳ ۳۔ المغنی، ج۲، ص۶۵
۴۔ المبسوط، ج۱، ص۲۶۶ ۵۔ المغنی، ج۲، ص۶۵ ۶۔ شرح المہذب مع الشروح، ج۴، ص۳۵۹
۷۔ بدایۃ المجتہد، ج۱، ص۱۲۳

عن انس یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة الی مکة فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدینة قلت اقمتم بمکة شیئا قال اقمنا بها عشرا۔"(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ مکہ سے مدینہ گئے آپ ﷺ دو رکعت نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ ہم مدینہ واپس آ گئے، ابن اسحاق نے پوچھا تم نے مکہ میں کتنی مدت قیام کیا؟ کہا دس دن۔

یہ حدیث صراحۃً آئمہ ثلاثہ کے خلاف ہے اور امام ابوحنیفہ کے مسلک کی مؤید ہے۔

امام ابوحنیفہ کے دلائل:

امام محمد فرماتے ہیں:

"قلت ارأیت ان سافر ثلثة ایام فصاعدًا فقدم المصر الذی خرج الیه ایتم الصلوٰة قال ان کان یرید ان یقیم فیه خمسة عشر یوما اتم الصلوٰة وان کان لا یدری متی یخرج قصر الصلوٰة قلت ولم وقت خمسة عشر یوما ؟ قال للاثر الذی جاء عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما ۔"(۲)

میں نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا اگر کوئی شخص تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت طے کر کے اس شہر میں پہنچ جائے جس کے لیے اس نے سفر کیا تھا تو کیا وہ پوری نماز پڑھے گا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر اس کی نیت پندرہ دن قیام کی ہے تو نماز پوری پڑھے گا اور اگر اس کو پتا نہ ہو وہ کب تک قیام کرے گا تو قصر کرے۔ میں نے پوچھا آپ نے پندرہ دن کس دلیل سے متعین کیے ہیں فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔

"عن مجاهد یقول کان ابن عمر اذا قدم مکة فاراد ان یقیم خمس عشرة لیلة شرح ظهره فاتم الصلوٰة"۔ (۳)

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ جاتے اور پندرہ دن قیام کا ارادہ کرتے تو اپنی پشت کھول دیتے اور پوری نماز پڑھتے۔

"عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال :اذا کنت مسافر افوطنت نفسك علی اقامة خمسة عشر یوما فاتم الصلوٰة"۔(۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جب تم مسافر ہو اور کسی جگہ کو پندرہ دن کے لیے وطن بنا لو تو نماز پوری پڑھنا۔

"عن مجاهد قال کان ابن عمر اذا اجمع علی اقامة خمس عشرة شرح ظهره وصلی اربعاً"۔(۵)

۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۴۷ ۲۔ المبسوط، ج ۱، ص ۲۶۶ ۳۔ مصنف عبدالرزاق، ج ۲، ص ۵۳۴
۴۔ کتاب الآثار، ص ۳۸ ۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۴۵۵

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب پندرہ دن قیام کی نیت کرتے تو اپنی پشت کھول دیتے اور چار رکعت نماز پڑھتے۔

احناف نے آثار صحابہ کی روشنی میں پندرہ دن حد قصر بیان کی ہے اس پر ان احادیث سے معارضہ کیا جاتا ہے۔

"عن ابن عباس قال اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسعة عشر بمكة يقصر فنحن اذا سافرنا تسعة عشر قصرنا و ان زدنا اتممنا"۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں انیس دن قیام فرمایا اور قصر نماز پڑھتے رہے لہٰذا جب ہم انیس دن قیام کریں تو قصر کرتے ہیں اور اس سے زیادہ دن قیام کریں تو پوری نماز پڑھتے ہیں۔

"عن ابن عباس ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اقام سبع عشرة بمكة يقصر الصلوٰة قال ابن عباس و من اقام سبع عشرة قصر و من اقام اكثر اتم"۔(۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں سترہ دن قیام کیا اور نماز قصر کرکے پڑھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں جو شخص سترہ روز قیام کرے وہ نماز قصر کرے اور جو اس سے زیادہ قیام کرے وہ پوری نماز پڑھے۔

"عن ابن عباس قال اقام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمكة عام الفتح خمس عشرة يقصر الصلوٰة"۔(۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال مکہ میں پندرہ روز قیام کیا اور نماز قصر کرکے پڑھی۔

ان احادیث کا اولاً جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فتح مکہ کے موقع پر قیام کی تین احادیث مروی ہیں اور تینوں متعارض اور مضطرب ہیں اور مضطرب روایات لائق استدلال ہوتی ہیں نہ قابل معارضہ، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ روایات ہمیں تب مضر ہوتیں جب ان میں یہ تصریح ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ، سترہ یا انیس دن قیام کی نیت کی تھی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصر کرتے رہے۔ کیونکہ اگر پندرہ دن قیام کی نیت نہ ہو پھر قیام خواہ پندرہ سے زائد ہو جائے پھر بھی قصر پڑھی جاتی ہے۔

روایات میں تطبیق:

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مکہ میں دس دن قیام کیا اور ایک روایت میں ہے کہ انیس دن قیام کیا اور ابوداؤد کی ایک روایت میں سترہ اور ایک میں پندرہ دن قیام کا ذکر ہے ان روایات میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ حضرت انس کی جس روایت میں انیس دن کا ذکر ہے اس میں یوم دخول اور یوم خروج کو شامل کرلیا جاتا ہے اور پندرہ دن والی روایت کے بارے میں علامہ نووی نے تصریح کی ہے کہ وہ ابن اسحاق کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۴۷　۲۔ سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۱۷۳　۳۔ ایضاً

وجوبِ قصر میں مذاہب:

امام شافعی کے نزدیک سفر شرعی میں نماز پوری پڑھنا اور قصر کرنا دونوں جائز ہیں لیکن قصر کرنا افضل ہے۔(۱)، امام مالک (۲) اور امام احمد (۳) کے نزدیک سفر شرعی میں قصر کرنا مباح ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سفر شرعی میں قصر کرنا واجب ہے اور اس کا ترک گناہ ہے۔(۴)

آئمہ ثلاثہ کے دلائل اور ان کے جوابات:

آئمہ ثلاثہ کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہے:

"وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ" (۵)

جب تم زمین پر سفر کرو، تو نماز قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آئمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ قصر کرنا واجب نہیں مباح ہے، احناف اس دلیل کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اگر قصر کرنا مباح ہوتا تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ یوں فرماتا "اگر تم قصر نہ کرو، تو کوئی حرج نہیں ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

"عن الزهری قال عروة سالت عائشة فقلت لها ارأيت قول الله تعالىٰ ان الصفاو المروة من شعائر الله فمن حج البيت اواعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما فوالله ماعلى احد جناح ان لا يطوف بالصفا و المروة قالت بئسما قلت يا ابن اخی هذه لو كانت كما اولتها عليه كانت لاجناح عليه ان لا يطوف بهما"۔(۶)

زہری بیان کرتے ہیں کہ عروہ نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (ترجمہ) "صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے وہ اگر صفا اور مروہ میں سعی کرے، تو کوئی حرج نہیں ہے"۔ اس اعتبار سے اگر کوئی شخص صفا اور مروہ میں سعی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھتیجے تم نے غلط سمجھا ہے اگر ایسا ہی ہوتا جس طرح تم نے سمجھا ہے تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا اگر لوگ صفا اور مروہ میں طواف نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔

اور بر سبیل تنزل اگر اس میں اباحت ہے تو وہ قصر فی الاوصاف کی طرف راجع ہے کیونکہ جنگ کے خوف کے وقت قیام اور تعوذ کے وقت اشاروں سے بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل یہ ہے:

۱۔ شرح المهذب مع الشروح، ج۴، ص۳۳۶ ۲۔ بدایۃ المجتہد، ج۱، ص۱۲۲ ۳۔ المغنی، ج۲، ص۵۰

۴۔ فتح القدیر، ج۲، ص۵ ۵۔ النساء۴:۱۰۱ ۶۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۲۲۲

"عن عائشة ان النبی ﷺ كان يقصر في السفر ويتم ويفطر ويصوم رواه الدار قطنی والبيهقی وغيرهما"۔(۱)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ سفر میں نماز قصر بھی کرتے تھے اور پوری بھی پڑھتے تھے روزہ رکھتے بھی تھے اور افطار بھی کرتے تھے (یعنی نہیں رکھتے تھے)

اس حدیث کی سند پر بحث کرتے ہوئے علامہ ابن الترکمانی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند میں ایک راوی عمر بن ذر المراہبی ہے علامہ ابن جوزی اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ مرجئی اور ضعیف تھا۔ایک اور سند سے یہ حدیث علاء بن زہیر عن عبدالرحمٰن عن عائشہ مروی ہے۔علاء کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ غیر ثابت احادیث ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر دیتا تھا نیز ابن الترکمانی فرماتے ہیں یہ حدیث مضطرب الاسناد ہے اس لیے اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔(۲) امام بیہقی نے اس حدیث کو عن عطاء عن عائشہ روایت کیا ہے۔علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ عطاء سے اس حدیث کی روایت میں مغیرہ بن زیاد منفرد ہے۔اس کے علاوہ کسی اور نے اس کو عطاء سے روایت نہیں کیا۔امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ ضعیف راوی ہے اس کی ہر روایت منکر ہے۔(۳)

علامہ ابن قیم جوزی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وكان يقصر الرباعية فيصليها ركعتين من حين يخرج مسافرا الى ان يرجع الى المدينة ولم يثبت عنه انه اتم الرباعية فی سفره البتة واما حديث عائشة ان النبی ﷺ كان يقصر في السفر ويتم و يفطر ويصوم فلا يصح وسمعت شيخ الاسلام ابن تيميه يقول هو كذب على رسول الله ﷺ انتهى"۔(۴)

رسول اللہ ﷺ سفر میں ہمیشہ چار رکعات والی نماز کو قصر کر کے دو رکعت پڑھا کرتے تھے، جب تک واپس مدینہ تشریف نہ لے آتے اور آپ سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ نے سفر میں کبھی پوری نماز پڑھی ہو۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو مروی ہے کہ آپ سفر میں قصر بھی کرتے تھے اور پوری نماز بھی پڑھتے تھے اور روزہ رکھتے بھی تھے اور ترک بھی کرتے تھے وہ حدیث صحیح نہیں ہے میں نے شیخ ابن تیمیہ سے سنا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر افتراء ہے۔

علامہ شیرازی نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے:

"عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت خرجت مع رسول الله ﷺ في عمرة رمضان فافطر وصمت وقصر واتممت فقلت يا رسول الله ﷺ افطرت وصمت وقصرت واتممت فقال واحسنت يا عائشة"۔(۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رمضان میں عمرہ کرنے گئی۔آپ نے روزہ نہیں رکھا اور میں

۱۔ شرح المہذب مع الشروح، ج۴، ص۳۴۰ ۲۔ الجوہر النقی علی ہامش البیہقی، ج۳، ص۱۴۱ ۳۔ المحلی، ج۴، ص۲۶۹
۴۔ زاد المعاد علی ہامش الزرقانی، ج۲، ص۱۸ ۵۔ المہذب مع الشروح، ج۴، ص۳۳۴

نے روزہ رکھا۔ آپ نے قصر نماز پڑھی اور میں نے پوری پڑھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے روزہ نہیں رکھا اور میں نے رکھا اور آپ ﷺ نے نماز قصر کی اور میں نے نہیں کی۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! تم نے اچھا کیا۔

اس حدیث کی سند میں علاء بن زہیر ہے اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں سے غیر ثابت روایات ذکر کرتا ہے اس لیے لائق استدلال نہیں ہے۔ نیز عبدالرحمان کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سماع بھی مختلف فیہ ہے علاوہ ازیں اس حدیث میں معنوی خرابی یہ ہے کہ اس میں یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں عمرہ کیا حالانکہ آپ ﷺ نے چار عمرے کیے اور ان میں سے کوئی بھی رمضان میں نہیں کیا۔ سب ذوالقعدہ میں کیے اور پانچواں عمرہ جو حج کے ساتھ کیا تھا اس کا احرام ذوالقعدہ میں باندھا اور ادا ذوالحجہ میں کیا (۱) علاوہ ازیں یہ احادیث جو ضعیف اسانید کے ساتھ مروی ہیں صحاح کی ان احادیث کے معارض ہیں۔

"عن ابن عمر يقول صحبت رسول الله ﷺ فكان لا يزيد في السفر على ركعتين وابابكر وعمر وعثمان كذالك"۔ (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی رفاقت میں رہا ہوں۔ ان حضرات نے سفر میں کبھی دو رکعات سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔

صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ سفر میں قصر کر کے پڑھا کرتے تھے لہٰذا اس کے مقابلہ میں دارقطنی اور بیہقی کی ضعیف السند روایات سے سفر سے پوری نماز پڑھنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

"عن عائشة ان الصلوٰة اول مافرضت ركعتين ثم اتمها في الحضر فاقرت صلوٰة السفر على الفريضة الاولى"۔ (۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ابتداء نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر حضر میں نماز پوری (چار رکعات) کی گئی اور سفر میں پہلی فرضیت (یعنی دو رکعت) پر باقی رکھی گئی۔

صحیح مسلم کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہو گا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک سفر میں دو رکعت نماز فرض تھی لہٰذا اس کے مقابلہ میں دارقطنی کی (جس کو مہذب میں ذکر کیا گیا ہے) ضعیف اور منکر روایت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پوری نماز پڑھنے کو ثابت کرنا صحیح نہیں ہے۔ احناف کی دلیل یہ ہے کہ تواتر معنوی سے ثابت ہے کہ سفر میں دو رکعات فرض ہیں اگر چار رکعات فرض ہوتیں تو بعد میں دو رکعات کی قضا کی جاتی جیسے سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے مگر بعد میں روزہ کی قضا لازم ہے۔ اس وجہ سے احناف نے سفر میں قصر کو واجب قرار دیا ہے اس کی تائید شیخ ابن حزم کی اس روایت سے ہوتی ہے:

"عن صفوان بن محرز قلت لابن عمر حدثني عن صلوٰة السفر قال اتخشى ان تكذب علي قلت لاقال ركعتان من خالف السنة كفر"۔ (۴)

۱۔ نیل الاوطار، ج ۳، ص ۱۱۸۔۱۱۷　　۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۴۹　　۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۴۱

۴۔ المحلی، ج ۴، ص ۲۷۰

صفوان بن محرز بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سفر کی نماز کے بارے میں سوال کیا انہوں نے فرمایا کیا تم کو مجھ پر غلط بیانی کا خدشہ ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا دو رکعات اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی، اس نے کفر کیا۔

منیٰ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصر نہ کرنے کی وجہ:

آئمہ ثلاثہ اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منیٰ میں پوری نماز پڑھا کرتے تھے جیسا کہ اس باب کی بعض احادیث میں وارد ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سے اکثر مخدوش ہیں (ان کی تفصیل عمدۃ القاری، ج ۷، ص ۱۱۹ میں ہے) اس لیے ہم نے ان کو ترک کر دیا ہے۔ صحیح جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں شادی کر لی تھی اور جو شخص جس جگہ شادی کر لے وہ بھی اس کا وطن ہو جاتا ہے اور وہاں اس کو پوری نماز پڑھنا لازم ہے، ملاحظہ کیجئے:

"عن عبدالرحمن بن ابی ذھاب عن ابیه ان عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ صلی بمنی اربع رکعات فانکرہ الناس علیه فقال یا یھاالناس انی تاھلت بمکة منذ قدمت وانی سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تاھل ببلد فلیصل صلاۃ المقیم" ۔(۱)

ابوذہاب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعات پڑھیں لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے مکہ میں آ کر شادی کر لی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جس شخص نے کسی شہر میں شادی کی وہاں پوری نماز پڑھے۔

امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں عکرمہ بن ابراہیم ہے اور یہ ضعیف ہے۔ علامہ ابن قیم اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"قال ابوالبرکات ابن تیمیه ویمکن المطالبة بسبب الضعف فان البخاری ذکرہ فی تاریخه ولم یطعن فیه وعادته ذکر الجرح و المجرو حین وقدنص احمد وابن عباس قبله ان المسافر اذا تزوج لزمه الاتمام و ھذا قول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ومالك واصحابھما وھذا احسن ما اعتذر به عن عثمان" (۲)

ابوالبرکات ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ وجہ ضعف بیان کیے بغیر ضعف کا اعتبار نہیں کیونکہ امام بخاری نے عکرمہ بن ابراہیم کا اپنی تاریخ میں خلاف عادت بغیر کسی طعن کے ذکر کیا ہے اور اس سے پہلے امام احمد اور حضرت ابن عباس نے تصریح کی ہے کہ مسافر جب کسی جگہ شادی کر لے تو اس جگہ اس کو پوری نماز پڑھنا لازم ہے، اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا قول ہے اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بہترین جواب ہے۔

امام بیہقی کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ابی ذباب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک راوی چھوٹا ہوا ہے اس لیے یہ حدیث منقطع ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرون ثلاثہ کا انقطاع حکماً اتصال ہے۔ اس لیے اس اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۱۔ المحلی، ج ۴، ص ۲۷۰ ۲۔ زاد المعاد علی ہامش الزرقانی، ج ۲، ص ۲۶

دیگر دلائل کا جواب:

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی منیٰ میں پوری نماز پڑھتی تھیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے منیٰ میں اقامت کی نیت کرلی تھی۔ ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ مسافر مقیم کی اقتداء کرتا ہے تو پوری نماز پڑھتا ہے اس کا جواب یہ ہے اس کی وجہ سفر نہیں ہے بلکہ مقیم کی اقتدا ہے اور دورکعت سے زائد نفل ہیں لیکن نفل شروع کرنے کے بعد لازم ہوجاتے ہیں۔

وطن کی اقسام اور احکام:

علامہ سرخسی فرماتے ہیں کہ وطن کی تین اقسام ہیں۔ وطنِ اصلی جس کو وطن قرار بھی کہتے ہیں۔ وطن مستعار اور وطنِ سکنیٰ۔ وطن اصلی وہ شہر ہے جہاں کوئی شخص پیدا ہوا یا جس شہر میں اس نے شادی کی۔ وطن مستعار وہ شہر ہے جہاں وہ پندرہ دن یا اس سے زائد ٹھہرنے کی نیت کرے۔ وطن سکنی وہ جگہ ہے جہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے۔ وطن اصلی صرف وطن اصلی سے باطل ہوتا ہے مثلاً اپنی جائے پیدائش کو چھوڑ کر کسی اور شہر میں رہائش اختیار کرلے اور وطن مستعار، وطن اصلی اور وطن مستعار دونوں سے باطل ہوجاتا ہے۔ مثلاً وطن مستعار سے سفر کرکے وطن اصلی چلا جائے یا کسی اور جگہ پندرہ دن قیام کے لیے چلا جائے پھر سابق وطن مستعار میں پندرہ دن سے کم رہائش کے لیے ٹھہرے تو قصر کرے گا۔ وطن اصلی اور وطن مستعار میں نماز پوری پڑھے گا۔ اور وطنِ سکنیٰ میں قصر کرے گا۔ (۱)

سفر معصیت کے احکام:

احناف کے نزدیک نماز قصر کرنے کی رخصت ہر سفر کو شامل ہے خواہ سفر مباح ہو، مستحب ہو، واجب ہو یا سفر معصیت ہو کیونکہ جن دلائل میں قصر کی رخصت ثابت ہے ان میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔ نیز اگر کوئی شخص کوئی گناہ کرنے کے لیے سفر کر رہا ہے تو نفس سفر تو معصیت نہیں ہے۔ (۲)

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ (۳)، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۴) اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۵) کے نزدیک رخصتِ قصر سفر معصیت کو شامل نہیں ہے۔

سنن کا حکم:

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک سفر میں سنن مؤکدہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں (۶) اور احناف کے نزدیک روانگی اور سفر کی حالت میں نہ پڑھے اور رخصت پر عمل کرے البتہ صبح کی سنتیں پڑھ لے کیونکہ وہ واجب کے قریب ہیں اور جب حالتِ قیام

۱۔ المبسوط، ج ۱، ص ۲۵۲　۲۔ فتح القدیر، ج ۲، ص ۱۹　۳۔ بدایۃ المجتہد، ج ۱، ص ۱۲۲

۴۔ شرح المہذب مع الشروح، ج ۴، ص ۳۴۴　۵۔ المغنی، ج ۲، ص ۵۱　۶۔ ایضاً

میں ہو جیسے چند روز کے لیے کسی جگہ ٹھہرے تو سنن مؤکدات پڑھ لے۔(۱)

کیا ہوائی جہاز سے کم وقت میں بغیر مشقت کے سفر کرنا رخصت قصر کے منافی ہے:

بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تین دن کی سفر کی مسافت کو ہوائی جہاز کے ذریعے چند گھنٹوں میں طے کر لیتا ہے تو چونکہ اس سفر میں اس کو مشقت نہیں ہوئی اس لیے وہ شرعاً مسافر نہیں ہے اور وہ پوری نماز پڑھے گا، بنا بریں کوئی عورت زوج اور محرم کے بغیر بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان سے سعودی عرب کے لیے روانہ ہوئی تو یہ شرعاً جائز ہے کیونکہ ہوائی جہاز کے ذریعے یہ سفر دو تین گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی مشقت نہیں ہے اور سفر شرعی کی علت مشقت ہے اور اس کی تائید علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت سے ہوتی ہے جو حسب ذیل ہے:

''سفر شرعی میں تین دن چلنے کا اعتبار ہے اگر کوئی تیز رفتار شخص مثلاً ڈاکیا (یاد رہے کہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے حالات کے اعتبار سے گفتگو کر رہے ہیں) ایک دن میں یہ مسافت طے کر لے تو وہ قصر بھی کرے گا اور افطار بھی کرے گا کیوں کہ اس کے حق میں رخصت کا سبب متحقق ہو گیا اور وہ ہے اونٹ کی رفتار سے یا پاپیادہ تین دن چلنا اور یہ بہت جگہ مذکور ہے اور یہ اس اشکال کو اور قوی کر دیتا ہے جو ہم نے بیان کیا ہے اور اس اشکال سے چھٹکارے کی یہی صورت ہے کہ یہ کہا جائے کہ جو مسافر تیز رفتاری سے تین دن کی مسافت کو ایک دن طے کر لیتا ہے اس کے لیے ایک دن میں قصر کرنا جائز نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص بطور کرامت تین دن کی مسافت ایک منٹ میں طے کرے تو وہ بھی قصر کرے اور یہ بات بعید ہے کیونکہ اس سفر میں مشقت کا گمان نہیں ہے اور تین دن پیدل مسافت کی علت مشقت ہے''۔(۲)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص ہوائی جہاز کے ذریعہ ڈیڑھ گھنٹہ میں لاہور سے کراچی پہنچ جاتا ہے یا ساڑھے تین گھنٹہ میں سعودی عرب پہنچ جاتا ہے تو وہ شرعاً مسافر نہیں ہوگا اور اس پر قصر لازم نہیں ہوگی کیونکہ اس سفر میں اس کو کوئی مشقت نہیں ہوئی نہ یہ تین دن کا سفر ہے لیکن یہ نظریہ متعدد وجوہ سے صحیح نہیں ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ آج کل ہوائی جہاز کا سفر عام ہے اور ہوائی جہاز کے ذریعے لوگ دس گھنٹہ میں لندن پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس میں کوئی مشقت نہیں ہوتی، آرام دہ سیٹوں پر ائیر کنڈیشنڈ ماحول میں بیٹھ کر سفر ہوتا ہے اور انیس بیس گھنٹے میں ہوائی جہاز کے ذریعے لوگ امریکہ پہنچ جاتے ہیں۔ اور اس سفر میں بھی کوئی مشقت نہیں ہے۔ الغرض ہوائی جہاز کے ذریعے زیادہ سے زیادہ ایک دن (چوبیس گھنٹے) میں انسان جہاں چاہے بغیر مشقت کے پہنچ سکتا ہے، اس طرح ہوائی جہاز کے ذریعے شرعی سفر بالکل ختم ہو جائے گا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شرعی سفر کی بنیاد تین دن پر ہے نہ کہ مشقت پر بلکہ تین دن کی مسافت پر ہے اور بکثرت احادیث میں

۱۔ ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۲۷ ۲۔ فتح القدیر، ج ۲، ص ۵،۴

اس کی تصریح ہے:

"عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل لا مرأة یومن باللہ والیوم الاخر تسافر مسیرة ثلاث لیال الا ومعها ذو محرم"۔(۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین راتوں کی مسافت کا سفر بغیر محرم کے کرے۔

فقہاء اسلام نے تین روز کی مسافت کو اونٹ کی رفتار یا پیادہ رفتار پر محمول کیا ہے یعنی آدمی اونٹ پر سوار ہو کر یا اپنی متوسط رفتار کے ساتھ پیدل چل کر کھانے، پینے، عبادت اور آرام کے معمول کے ساتھ جتنی مسافت تین دن اور تین رات میں طے کر سکے اس مسافت کا سفر شرعی ہے۔

ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"انما قدرنا بسیر الابل ومشی الاقدام لانہ الوسط لان ابطأ السیر سیر العجلة واسرع السیر سیر الفرس والبرید فکان اوسط انواع السیر سیر الابل ومشی الاقدام وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خیر الامور اوسطها ولان الاقل و الاکثر یتجاذبان فیقتصر الامر علی الوسط وعلی هذا یخرج ماروی عن ابی حنیفة فیمن سار فی الماء یوما وذلک فی البر ثلاثة ایام انه یقصر الصلوۃ لانه لا عبرة للاسراع و کذالو سار فی البر الی موضع فی یوم اویومین وانه یسیر الابل والمشی المعتاد ثلاثة ایام یقصر اعتبار اللسیر المعتاد وعلی هذا اذا سافر فی الجبال والعقبات انه یعتبر سیرة ثلاثة ایام فیها لا فی السهل فالحاصل ان التقدیر بمسیرة ثلاثة ایام اوبالمراحل فی السهل والجبل والبر والبحر"۔(۲)

ہم نے اونٹ کی رفتار اور پا پیادہ رفتار کا اعتبار اس لیے کیا ہے کہ یہ درمیانی رفتار ہے کیونکہ سب سے سست رفتار بیل گاڑی کی ہے اور سب سے تیز رفتار گھوڑے کی اور ڈاکیے کی ہے اور درمیانی رفتار اونٹ کی اور پیدل کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین چیز درمیانی ہے نیز کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ میں تعارض ہے اس لیے اوسط کو معیار بنانا پڑے گا اسی اصول پر اس مسئلہ کی تخریج کی گئی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص پانی میں ایک دن کا سفر کرے اور وہ مسافت خشکی میں تین دن کی مسافت کے برابر ہو تو وہ نماز کو قصر کرے گا کیونکہ تیز رفتاری کا کوئی اعتبار نہیں ہے اسی طرح اگر کوئی شخص خشکی میں کوئی مسافت ایک یا دو دن میں طے کرے اور اونٹ کی رفتار یا پیدل چلنے سے وہ مسافت تین دن میں طے کی جاتی ہو تو وہ نماز کو قصر کرے گا کیوں کہ

۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۴۳۳ ۲۔ بدائع الصنائع، ج ۱، ص ۹۴

اعتبار پیدل چلنے کی معروف رفتار کا ہے اسی طرح اگر کوئی شخص پہاڑوں اور گھاٹیوں میں سفر کرے گا، تو پہاڑوں اور گھاٹیوں میں تین دن کا اعتبار ہوگا خلاصہ بحث یہ ہے کہ (سفر شرعی میں) تین دن کی مسافت کا اعتبار ہے یا تین مراحل کا (جس سفر کو مسافر ایک دن میں طے کرے اس کو مرحلہ کہتے ہیں) خواہ یہ سفر میدانی علاقے میں ہو یا پہاڑی علاقے میں، خشکی میں ہو یا سمندر میں۔

علامہ کاسانی کی عبارت سے یہ واضح ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ ﷺ کے نزدیک سفر میں تین دن کی عام اور معروف پیدل مسافت کا معیار ہے اور سمندر میں اسی مسافت کا اعتبار ہوگا اور تیز رفتاری کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور ہم یہاں بیان کر چکے ہیں کہ یہ مسافت جمہور فقہاء کے نزدیک اٹھارہ فرسخ ہے اور یہی مفتی بہ ہے جو کہ چون میل شرعی ہے اور چون میل شرعی اکسٹھ انگریزی میل اور چھ سو چالیس گز کے برابر ہیں اور یہ اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار کلومیٹر کے برابر ہیں اور مفتی بہ قول کے مطابق اکسٹھ میل کی مسافت کو عبور کرنے کے بعد قصر کے احکام لازم ہو جائیں گے خواہ یہ مسافت ٹرین سے عبور کی جائے، بحری جہاز سے یا ہوائی جہاز سے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہر چند کہ علامہ ابن ہمام نے یہ کہا ہے کہ اگر تین دن کی مسافت ڈاکیا ایک دن میں طے کرے تو اس پر قصر نہیں ہونی چاہیے ورنہ لازم آئے گا کہ اگر صاحب کرامت ایک منٹ میں یہ مسافت طے کرے تو اس پر قصر ہو حالانکہ اس کے سفر میں کوئی مشقت نہیں ہے اور قصر کی علت مشقت ہے تاہم جمہور فقہاء کی رائے علامہ ابن ہمام کے خلاف ہے ابھی ہم نے بدائع الصنائع کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ مسافت پانی کے سفر میں ایک دن میں طے ہو جائے تو پھر بھی قصر ہے کیونکہ تیز رفتاری کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور خود علامہ کاسانی نے تصریح کی ہے کہ تین دن کی مسافت کا سفر کوئی شخص ایک دن یا دو دن میں طے کرلے پھر بھی اس پر قصر لازم ہے کیونکہ معیار متوسط پیدل رفتار سے تین دن کی مسافت ہے نہ کہ وقت کا۔

علامہ ذیلعی لکھتے ہیں:

"قال اصحابنا اقل مسافة تتغير فيها الاحكام مسيرة ثلاثة ايام بسير متوسط وهو سير الابل ومشى الاقدام فى اقصر ايام السنة الى قوله وذكر فى العيون عن ابى حنيفة انه يعتبر مسيرة ثلاثة ايام فى البروان اسرع فى السير وسار فى يومين او اقل"۔(۱)

ہمارے فقہائے احناف کہتے ہیں وہ کم سے کم مسافت جس پر سفر کے احکام مرتب ہوتے ہیں متوسط پیدل رفتار سے سال کے سب سے چھوٹے دنوں میں سے تین دن چلنا ہے اور عیون میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ خشکی میں تین دن کی مسافت معیار ہے خواہ وہ اس مسافت کو تیز رفتاری سے دو دن یا اس سے کم وقت میں طے کرے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

۱۔ تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۲۰۹۔۲۱۰

"وفی السراج الوھاج اذا کانت المسافة ثلاثة ایام بسیر المعتادفسار الیھا علی البرید سیرا مسرعاوعلی الفرس جریا حثیثافوصل فی یومین قصر"۔(۱)

"سراج وہاج" میں ہے جب مسافت معروف رفتار کے ساتھ تین دن ہو اگرکوئی ڈاکیہ تیز رفتاری سے یا کوئی شخص گھوڑے کومہمیز لگا کر دو دن میں یہ مسافت تیز رفتاری سے طے کرے تو قصر کرے گا۔

علامہ علائی لکھتے ہیں:

"حتی لواسرع فوصل فی یومین قصر"۔(۲)

حتیٰ کہ اگر مسافر تیز رفتاری سے دو دن میں پہنچ جائے تو قصر کرے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وظاھر ہ انه کذلك لووصل الیه فی زمن یسیر بکرامة لکن استبعده فی الفتح بانتفاع مسظنة المشقة وھی العِلة فی القصر"۔ (۳)

علامہ علائی نے جو یہ لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اس مسافت کو کرامت کے ذریعے بہت کم وقت طے کرے تب بھی قصر کرے گا اور یہ ایسا ہی ہے لیکن علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بعید از قیاس قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں مشقت کی نفی کا گمان ہے اور یہی قصر کی علت ہے۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فلو اسرع بریده فقطع ما یقطع بالسیر الوسط فی ثلاثة ایام فی اقل منھا قصر وکما اذا سارفیھا سیر اخرقاللعادة وصرح فی التبیین انه یکفی فی تقدیر المسافة بالمدة المذکورة بغلبة ولا یشترط الیقین"۔(۴)

اگر ڈاکیہ تیز رفتاری سے اس مسافت کو اس سے کم وقت میں طے کرلے جو معروف رفتار سے تین دن میں طے کی جاتی ہے تو وہ قصر کرے اسی طرح اگر کوئی شخص کرامت سے اس مسافت کو کم وقت میں طے کرلے تو وہ بھی قصر کرے گا اور "تبیین الحقائق" میں تصریح ہے کہ اس مدت کا اندازہ کرنے کے لیے غلبہ ظن کافی ہے یقین کی ضرورت نہیں۔

عالمگیری میں ہے:

"ولو کانت المسافة ثلاثا بالسیر المعتاد فسارالیھا بالفرس جریا حثیثافوصل فی یومین اواقل قصر کذافی الجوھرة النیرة"۔(۵)

۱۔ البحر الرائق، ج۲، ص۱۴۰ ۲۔ درمختار علی ہامش الرد، ج۱، ص۷۳۵ ۳۔ ردالمحتار، ج۱، ص۷۳۵

۴۔ حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص۲۔۳ ۵۔ عالمگیری، ج۱، ص۱۲۹

اگر معروف رفتار سے مسافت تین دن ہو اور کوئی شخص تیز رفتار گھوڑے سے دو دن یا اس سے کم میں اس جگہ پہنچ جائے تو وہ قصر کرے گا۔ ''جوھرۃ النیرۃ'' میں بھی اسی طرح ہے۔

مذکورۃ الصدر حوالوں سے واضح ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ متوفی ۱۵۰ھ علامہ کاسانی رحمہ اللہ متوفی ۵۸۷ھ علامہ زیلعی رحمہ اللہ متوفی ۷۴۳ھ، علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ متوفی ۹۷۰ھ، علامہ علائی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۸۸ھ، علامہ حداد رحمہ اللہ متوفی ۸۰۰ھ، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۳۱ھ، علامہ شامی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۵۲ھ، ملا نظام الدین رحمہ اللہ متوفی ۱۱۵۷ء، ان تمام فقہاء اسلام کے نزدیک سفر شرعی میں متوسط پیدل رفتار سے تین دن کی مسافت معتبر ہے۔ اور تیز رفتاری کا اعتبار نہیں ہے اور اگر کوئی شخص تیز رفتاری سے اس مسافت کو ایک دن یا اس سے بھی کم وقت میں طے کرلے تو وہ قصر کرے گا۔ علیٰ ہذا القیاس صاحب کرامت بھی اگر اس مسافت کو ایک منٹ میں طے کرلے تو وہ بھی قصر کرے گا اس مسئلہ میں صرف علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ متوفی ۸۶۱ھ کی رائے تمام فقہاء سے منفرد ہے اور ظاہر ہے کہ جمہور کے مقابلے میں ان کی رائے کا کوئی وزن نہیں ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا استدلال اس نظریہ پر مبنی ہے کہ قصر کی علت مشقت ہے اور اگر صاحب کرامت ایک منٹ میں یہ مسافت طے کرلے تو اس صورت میں اس کو کوئی مشقت نہیں ہوتی لہٰذا اس صورت میں قصر بھی نہیں ہونی چاہیے لیکن علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا یہ نظریہ درست نہیں ہے، قصر کی علت مشقت نہیں بلکہ سفر ہے۔ صاحب ہدایہ اور فقہاء احناف نے قصر پر استدلال اس حدیث سے کیا ہے: ''یمسح المقیم کمال یوم ولیلة والمسافر ثلاثة ایام و لیا لیھا'' ......(۱) اس حدیث میں تین دن مسح کرنے کی رخصت کا حکم مسافر کا ماٴخذ اشتقاق سفر ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ مسافر کے لیے تین دن مسح کی رخصت علت سفر ہے۔ ہمارے اس بیان کی تائید علامہ عینی رحمہ اللہ متوفی ۸۵۲ھ کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

''ان قولہ فریقتضی ان السفر ھو العلة للقصر فکلما تحقق السفر تحقق المسح ثلاثة ایام ولیا لیھن لقولہ تعالیٰ الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منھما ماٴتہ جلدة''۔ (۲)

حدیث میں مسافر کا لفظ یہ تقاضا کرتا ہے کہ سفر ہی قصر کی علت ہے پس جب بھی سفر متحقق ہوگا تین دن کی رخصت متحقق ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول '' الزانیة والزانی '' میں زنا حد کی علت ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض قصر کی علت مشقت بھی مان لی جائے تب بھی علامہ ابن ہمام کی یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ چونکہ صاحب کرامت کو ایک منٹ میں یہ مسافت طے کرنے میں کوئی مشقت نہیں ہوئی اس لیے اس پر قصر نہیں ہے اس لیے کہ جس طرح قواعد شرعیہ کلی ہوتے ہیں اور بعض جزئیات کا خروج ان کے حکم کلی کے منافی نہیں ہوتا اسی طرح بعض جزئیات کا خروج علت

۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۳۵　　　۲۔ البنایہ، ج ۱، ص ۹۵۷

کے حکم کلی کے منافی نہیں ہوتا مثلاً خمر (انگور کی شراب) کا حرام ہونا بالاتفاق ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ حرمت خمر کی علت اس کا (نشہ آور) ہونا ہے۔ اب اگر کسی عادی شرابی کو خمر کے پینے سے نشہ نہ ہو یا ایک گھونٹ خمر پینے سے کسی کو نشہ نہ ہو، تو اس سے علت اسکار کے حکم کلی ہونے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور باوجود اس کے کہ اس خمر کے پینے والے کو نشہ نہیں ہوا حد لگادی جائے گی۔ بالکل اسی طرح اگر کسی صاحبِ کرامت نے بغیر مشقت کے تین دن کی مسافت ایک منٹ میں طے کرلی تو اس پر بھی قصر کے احکام لازم ہوں گے اور اس مخصوص صورت میں مشقت کے نہ پائے جانے سے مشقت کے علت ہونے میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا اور وہ بدستور قصر کی علت رہے گی۔ بعض اوقات سبب کو مسبب کے قائم مقام تصور کرلیا جاتا ہے۔ خواہ بعض صورتوں میں سبب کے پائے جانے کے باوجود مسبب نہ پایا جاتا ہو۔ زیر بحث مسئلہ میں سفر مشقت کے قائم مقام ہے اور اکثر صورتوں میں تمام تر آسائشوں کے باوجود سفر مشقت کا باعث ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی خاص موقع یا مواقع پر سفر باعثِ مشقت نہ بھی ہو تو اس صورت میں شریعت کا یہ بنیادی اصول مؤثر رہے گا کیوں کہ شرعی قواعد بالعموم کلی نہیں اکثری ہوتے ہیں مثلاً قاعدہ کلیہ ہے کہ وضو کے چار فرائض ہیں لیکن جس کے دونوں پیر کٹے ہوئے ہیں اس کے حق میں وضو کے تین فرض ہیں۔ مثلاً قاعدہ ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں لیکن بلغاریہ میں جہاں عشاء کا وقت آنے سے پہلے فجر ہوجاتی ہے، چار نمازیں فرض ہیں۔ اسلام کے پانچ ارکان ہیں لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد جب تمام مسلمان مالدار ہوجائیں گے اور کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں ہوگا تو اس وقت کسی پر ادائیگیِ زکوٰۃ فرض نہیں رہے گی۔ الغرض جس طرح بعض شرعی قواعد حقیقت میں اکثری ہوتے ہیں لیکن عرفاً ان کو قاعدہ کلیہ ہی قرار دیا جاتا ہے۔ بنا بریں اگر سفر کی علت مشقت ہی قرار دی جائے پھر بھی یہ لازم نہیں آئے گا کہ اگر کسی خاص صورت میں مشقت نہ ہو تو قصر بھی نہ ہو بہرحال اول تو علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا قصر کو مشقت پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیوں کہ قصر کی علت سفر ہے۔ اور اگر بالفرض صحیح بھی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جہاں مشقت نہ ہو وہاں قصر بھی نہ ہو لہٰذا جو مسلمان ہوائی جہاز سے اس مسافت کو عبور کرلیں ان پر قصر لازم ہے اور عورت بغیر محرم کے اس مسافت کو شرعاً عبور نہیں کرسکتی اس لیے بغیر زوج یا محرم کے اس کا حج پر جانا جائز نہیں ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ:

یہ تمام بحث اس صورت میں ہے کہ عورت کے حج پر جانے کے مسئلے کو ان احادیث کی روشنی میں لیا جائے جن میں عورت کو بغیر زوج یا محرم کے تین دن کے سفر سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں بعض صریح احادیث ایسی بھی ہیں جن میں زوج یا محرم کے بغیر عورت کو براہِ راست حج کرنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے پھر اس بحث کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ ہوائی جہاز کے سفر میں چونکہ مشقت نہیں ہوتی اس لیے عورت بغیر زوج یا محرم کے حج پر جاسکتی ہے۔ صاحبِ ہدایہ اور دیگر فقہاء احناف نے جہاں

عورت کو زوج یا محرم کے بغیر حج کرنے سے منع کیا ہے وہاں یہی حدیث پیش کی ہے:

"عن ابن عباس قال :قال رسول الله ﷺ لاتحجن امرأة الا ومعها ذو محرم "۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت بغیر محرم کے ہرگز حج نہ کرے۔

سنن دارقطنی میں یہ حدیث حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔(۲)

حافظ ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سفر میں نماز کے قصر کے وجوب اور عزیمت کی نفی کرنا:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضر (شہر) کی نمازوں میں دو رکعت کا اضافہ مدینہ منورہ میں کیا گیا ہے، جیسا کہ حسب ذیل حدیث میں اس کی تصریح ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مکہ میں دو، دو رکعت نماز فرض کی گئی، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نماز کے ساتھ دو رکعت بڑھا دیں، ماسوا مغرب کے کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں اور ماسوا فجر کی نماز کے کیونکہ اس میں طویل قراءت ہوتی ہے (اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے تو پہلے طریقہ سے نماز پڑھتے)۔(۳)

اس حدیث کے ظاہر سے فقہاء احناف نے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا عزیمت ہے (یعنی واجب ہے) رخصت نہیں ہے، اور ان کے مخالفین (آئمہ ثلاثہ) نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

"وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا"(۴)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم کو یہ خوف ہو کہ کفار تم کو فتنہ میں مبتلا کر دیں گے (یعنی تم پر حملہ کریں گے)۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ قصر کرنے سے تم کو گناہ نہیں ہوگا، سو یہ آیت قصر کی عزیمت اور وجوب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ قصر کی رخصت پر دلالت کرتی ہے اور قصر کے رخصت ہونے پر یہ حدیث بھی دلیل ہے:

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ رضی اللہ عنہ یہ بتائیں کہ لوگ نماز قصر کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کو کفار کے حملہ کا خوف ہو، تو نماز قصر کرو، اور اب کفار کے حملہ کا خوف نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس طرح تم کو اس پر تعجب ہوا، مجھے بھی اس پر تعجب ہوا تھا تو میں نے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

۱۔ سنن دارقطنی ۲۔ شرح صحیح مسلم، ج۲، ص۳۶۱۔۳۸۹

۳۔ صحیح ابن خزیمہ :۹۴۴۔۳۰۵، صحیح ابن حبان :۲۷۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ ،ج۱۴، ص۱۳۲، مسند احمد ،ج۶، ص۲۴۱، طبع قدیم مسند احمد :۲۶۰۴۲۔ج۴۳،ص۱۶۷ ۴۔ النساء۴:۱۰۱

ذکر کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صدقہ ہے، اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے، تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔ (۱)

صحیح بخاری: ۳۵۰، میں یہ دلیل ہے کہ سفر کی نماز دو رکعت ہی ہے، اس کا آئمہ ثلاثہ یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ زمانہ نہیں پایا، جب نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ آئمہ ثلاثہ کی طرف سے جواب دو وجہ سے کمزور ہے، اوّلاً اس لیے کہ یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی جا سکتی، اس لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول حکماً مرفوع ہے۔ ثانیاً اس لیے کہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت موجود نہیں تھیں تو انہوں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ سے سنی ہوگی، سو یہ حدیث مرسل صحابی ہے، امام الحرمین نے یہ کہا ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہوتی تو اس کو تواتر سے منقول ہونا چاہیے تھا، یہ جواب بھی کمزور ہے کیونکہ اس کی مثل میں تواتر لازم نہیں ہے، آئمہ ثلاثہ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے یہ حدیث معارض ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حضر (شہر) میں چار رکعت نماز فرض کی ہیں اور سفر میں دو رکعت اور خوف کی حالت میں ایک رکعت۔ (۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا یہ محمل ہے کہ اضافہ کے بعد حضر میں نماز چار رکعت ہوگئی، لہٰذا یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے معارض نہیں ہے۔ انہوں نے ایک دلیل یہ قائم کی ہے کہ فقہاء احناف کا قاعدہ ہے کہ جب راوی کی روایت اور اس کی رائے میں تعارض ہو تو اس کی رائے کا اعتبار کیا جاتا ہے، نہ کہ اس کی روایت کا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اگرچہ یہ ہے کہ سفر میں دو رکعت نماز ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے یہ ہے کہ سفر میں پوری نماز پڑھنی چاہیے، اس لیے ان کی روایت غیر ثابت ہے، اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ عروہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا گیا کہ سفر میں پوری نماز کیوں پڑھتی ہیں؟ تو انہوں نے وہی تاویل کی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی تھی۔ (۳) (کہ انہوں نے مکہ میں بھی اپنا گھر بنالیا تھا) لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور ان کی رائے میں کوئی تعارض نہیں ہے، پس ان کی روایت صحیح ہے اور ان کی رائے ان کی تاویل پر مبنی ہے۔

جو چیز مجھ پر منکشف ہوئی ہے وہ اس کے مطابق ہے، جو اس حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مکہ میں دو، دو رکعت نماز فرض کی گئی، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نماز کے ساتھ دو رکعت بڑھا دیں، ماسوا مغرب کے کیونکہ وہ دن کے وتر ہیں اور ماسوا فجر کی نماز کے کیونکہ اس میں

۱۔ صحیح مسلم: ۶۸۶، سنن ابو داؤد: ۱۱۹۹، سنن ترمذی: ۳۰۳۴، سنن نسائی: ۱۴۳۲، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۵، سنن بیہقی، ج ۳، ص ۱۴۱، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۲۵

۲۔ صحیح مسلم: ۶۸۷۔ الرقم مسلسل: ۱۵۴۶، سنن ابو داؤد: ۱۲۴۷، سنن نسائی: ۴۵۵، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۸ ۳۔ صحیح البخاری: ۱۰۹۰، سنن ابو داؤد: ۱۲۰۰

طویل قراءت ہوتی ہے۔(۱)

پھر جب فرض کی چار رکعت نماز مستحکم ہوگئی تو سورۃ النساء: کی آیت ۱۰۱ کے نازل ہونے کے بعد سفر کے اندر نماز میں تخفیف کر دی گئی اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ابن الاثیر نے ''شرح المسند'' میں ذکر کیا ہے کہ ۴ھ میں نماز قصر کی گئی ہے اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی ذکر کیا ہے کہ ۴ھ میں نماز قصر کی گئی ہے، البتہ الدولابی نے یہ ذکر کیا ہے کہ ۲ھ میں نماز کو قصر کیا گیا ہے اور سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ ہجرت کے ایک سال بعد نماز کو قصر کیا گیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہجرت کے چالیس دن بعد نماز کو قصر کیا گیا ہے، اس لحاظ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فرمایا ہے کہ سفر میں نماز دو رکعت برقرار رکھی گئی، اس کا معنی ہے: سفر میں تخفیف کی وجہ سے دو رکعت نماز کر دی گئی، اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ وہ شروع سے دو رکعت برقرار رہی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قصر عزیمت ہے۔(۲)

سفر میں وجوب قصر پر علامہ سعیدی کے پیش کردہ دلائل اور حافظ ابن حجر کے اعتراض کے جوابات:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ سفر میں نماز قصر کرنا عزیمت نہیں ہے رخصت ہے، بلکہ سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے کیونکہ خود حافظ حجر نے سنن ابوداؤد اور دیگر کتب حدیث کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ سفر میں نماز کو اس وقت قصر کیا جائے، جب کفار کے حملہ کا خوف ہو اور اب ان کے حملہ کا خوف نہیں ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ صدقہ ہے، اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے، تم اس کے صدقہ کو قبول کرو۔(۳)

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر کرنے کا امر کیا ہے اور امر پر عمل کرنا واجب ہے، لہٰذا سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے۔

آئمہ ثلاثہ کی طرف سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النسا: ۱۰۱ میں فرمایا ہے: ''جب تم زمین میں سفر کرو، تو نماز کو قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا مباح ہے نہ کہ نماز کو قصر کرنا واجب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قصر کرنا مباح تب ہوتا جب اس آیت میں یوں فرمایا جاتا: جب تم زمین میں سفر کرو، تو نماز کو قصر نہ کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جب یوں فرمایا ہے کہ نماز کو قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے تو یہ قصر کے وجوب کے منافی نہیں ہے، اس کی نظیر یہ حدیث ہے:

عروہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ سوال کیا کہ یہ بتایئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

'' إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ''(۴)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا، اس پر ان کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۔ صحیح ابن خزیمہ: ۹۴۴۔۳۰۵، صحیح ابن حبان: ۲۷۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱۴، ص ۳۴۴، مسند احمد، ج ۶، ص ۲۴۱

۲۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۳۲ ۳۔ صحیح مسلم: ۶۸۶ ۴۔ البقرہ: ۱۵۸

عروہ رضی اللہ عنہ نے کہا: پس اللہ کی قسم! اگر کوئی شخص صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، (یعنی ان کی سعی واجب نہیں ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے میرے بھتیجے! تم نے بری بات کہی ہے، اگر ایسا ہوتا جس طرح تم نے اس آیت کی تاویل کی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس طرح فرماتا: جو شخص صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت انصار کے لیے نازل فرمائی ہے، وہ اسلام لانے سے پہلے مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے اور مشلل کے پاس اس کی عبادت کرتے تھے اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرنے میں حرج سمجھتے تھے، جب وہ اسلام لے آئے، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پہلے صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرنے میں حرج سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، سو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا، اس پر ان کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے صفا اور مروہ کے درمیان طواف کرنا ثابت ہے، پس کسی شخص کے لیے ان کے درمیان طواف کو ترک کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسلوب پر ہم کہتے ہیں کہ النساء: ۱۰۱ میں فرمایا ہے: ''جب تم زمین میں سفر کرو تو نماز کو قصر کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔ یہ آیت قصر کے وجوب کے منافی نہیں ہے، یہ آیت قصر کے وجوب کے اس وقت منافی ہوتی جب اس آیت میں اس طرح ہوتا: ''جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر نماز کو قصر نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے''۔ باقی رہا یہ کہ اس اسلوب سے کیوں فرمایا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان دائماً، حضر میں چار رکعت نماز پڑھتے تھے، جب انہیں سفر میں دو رکعت نماز پڑھنے کے لیے کہا گیا، تو ان کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ چار رکعت کی بجائے دو رکعت نماز پڑھنے کی وجہ ان کی عبادت میں کوئی کمی ہوگئی ہے یا شاید اس میں کوئی گناہ یا حرج ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب تم زمین میں سفر کرو تو نماز کو قصر کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔(۳)

سورۃ النساء آیت نمبر: ۱۰۱ سے جو آئمہ ثلاثہ کا استدلال تھا، اس کا ایک جواب ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسلوب سے دیا ہے اور اس استدلال کا دوسرا جواب ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے پیش کر رہے ہیں:

امیہ بن عبداللہ بن خالد بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم قرآن مجید میں ''صلوۃ الحضر'' اور صلوۃ الخوف کا ذکر پڑھتے ہیں اور ہمیں اس میں ''صلوۃ السفر'' کا ذکر نہیں ملا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ

۱۔ البقرہ۲: ۱۵۸

۲۔ صحیح البخاری: ۱۶۴۳، صحیح مسلم: ۱۲۷۷، سنن ترمذی: ۲۹۷۶، سنن نسائی: ۲۹۶۵، سنن ابن ماجہ: ۲۹۸۶، مسند احمد، ج ۶، ص ۱۴۴، جامع المسانید لابن الجوزی: ۷۳۶۷

۳۔ النساء۴: ۱۰۱

نے ہماری طرف سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، ہم اور کچھ نہیں جانتے ہم صرف وہی کرتے ہیں جو ہم نے سیدنا محمد ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے (یعنی آپ سفر میں قصر کرتے تھے، سو ہم سفر میں قصر کرتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔(۱)

قصر کے وجوب پر اس حدیث سے بھی اعتراض کیا جاتا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ سفر میں نماز کو قصر بھی کرتے تھے اور پوری نماز بھی پڑھتے تھے اور روزہ چھوڑتے بھی تھے اور روزہ رکھتے بھی تھے۔ امام دارقطنی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(۲)

اس حدیث کی سند متعدد وجوہ سے ضعیف ہے، بر سبیل تنزل اس کا جواب یہ ہے کہ قوی حدیث اس حدیث کے معارض ہے:

عیسیٰ بن حفص بن عاصم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں مکہ کے راستہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، انہوں نے ہمیں ظہر کی نماز دو رکعت پڑھائی، پھر وہ آگے چلے، ہم بھی ان کے ساتھ تھے، وہ اپنی قیام گاہ پر آئے اور بیٹھ گئے، ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، پھر ان کی لوگوں پر نظر پڑی، جو نماز پڑھ رہے تھے، انہوں نے پوچھا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا: یہ لوگ نفل پڑھ رہے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر میں نفل پڑھوں تو میں فرض نماز پوری نہ پڑھ لوں، اے میرے بھتیجے! میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں رہا ہوں، آپ نے کبھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح کو قبض کر لیا، اور میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ہوں، انہوں نے کبھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھی، حتیٰ کہ اللہ نے ان کی روح قبض کر لیا، اور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا ہوں، انہوں نے کبھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھی، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح کو بھی قبض کر لیا اور تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

" لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ "(۳)

البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی میں حسین نمونہ ہے۔(۴)

اس حدیث سے آفتاب سے زیادہ روشن طریقہ سے واضح ہو گیا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے۔(۵)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

حدیث نمبر ۴۵۲۔۴۵۶ سے امام نسائی کا استدلال حسب ذیل ہے:

۱۔ سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۶، سنن نسائی: ۴۴۴　　۲۔ سنن دارقطنی: ۲۲۶۶، سنن بیہقی، ج ۳، ص ۱۴۱

۳۔ الاحزاب ۳۳: ۲۱　　۴۔ صحیح البخاری: ۱۱۰۲۔۱۱۰۱، سنن ابوداود: ۱۲۲۳، سنن نسائی: ۱۴۵۷، سنن ابن ماجہ: ۱۰۷۱

۵۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۶۵۔۶۸

ابتدأ نماز (سفر معراج میں) دو رکعت فرض ہوئی، بعد میں اقامت کی حالت میں چار چار رکعت کر دی گئی، اور سفر کی نماز پہلی والی حالت پر باقی رکھی گئی۔

☆ ہجرت مدینہ سے قبل حضور ﷺ دو، دو رکعت ہی ظہر، عصر اور عشاء پڑھا کرتے تھے۔

☆ البتہ نماز فجر کو طوالت قراءت کی وجہ سے اور مغرب کی نماز کو وتر النھار ہونے کی وجہ سے پہلی حالت پر ہی برقرار رکھا گیا۔

☆ نماز فجر دو رکعت اور نماز مغرب تین رکعت ہر حال میں یعنی سفر و اقامت میں ہے۔

☆ حضور ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، تو اقامت کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ فرمایا، اس طرح ان کی چار چار رکعتیں فرض ہوئیں۔

☆ حالتِ خوف میں ایک رکعت سے مراد ہے کہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی جائے گی، اور ایک خود پڑھی جائے گی، کیونکہ ایک رکعت نماز نہیں ہے۔

☆ حضرت امیہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو پوچھا، اور پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو جواب دیا، اس سے حسب ذیل کا استنباط ہوتا ہے:

۱۔ حالتِ سفر میں ظہر، عصر اور عشاء کی دو، دو رکعتیں ہی فرض ہیں۔

۲۔ صحابہ کرام کے نزدیک حضور ﷺ کا حکم اللہ تعالیٰ جل جلالہ ہی کا حکم تھا۔

۳۔ علم و عرفان کا منبع حضور ﷺ کی ذات ہے۔

۴۔ حضور ﷺ کے فرمان کے سامنے قیاس کرنا گمراہی ہے۔

۵۔ قرآن مجید کی طرح حدیث مبارکہ بھی حجت شرعی اور ماخذ شریعت ہے۔

۶۔ جو امور سنت سے ثابت ہیں، ان پر عمل کرنا بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح قرآن پر عمل واجب ہے۔

۷۔ قرآن مجید کی تعبیر و تشریح وہی معتبر ہے، جو حضور ﷺ نے فرمائی۔

۸۔ استاد کو چاہیے کہ وہ شاگرد کو احسن انداز اور دلائل کے ساتھ قائل کرے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے (اے میرے بھتیجے) کہہ کر جواب دیا۔

۹۔ احکام کی تشریح کے لیے علماء کرام سے رجوع کرنا چاہیے۔

☆ امت محمدیہ ﷺ کو نماز حضور ﷺ کے ذریعہ اور توسل سے عطا ہوئی ہیں، اس لیے نمازیں پڑھنے کا طریقہ بھی وہی معتبر ہے، جو حضور ﷺ نے امت کو عنایت فرمایا ہے۔

بَابُ كَمْ فُرِضَتْ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَة باب۴: رات اور دن میں کتنی نمازیں فرض ہیں؟

رات اور دن میں پانچ نمازیں (فجر۔ظہر۔عصر۔مغرب۔عشاء) فرض ہیں، وتر فقہاء احناف کے نزدیک واجب اور باقی آئمہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہیں، تہجد، چاشت، اشراق اور اوابین کی نمازیں سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ پھر فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ سنتیں اور نفل بھی ہیں۔ اس باب میں رات اور دن میں فرض نمازوں کی تعداد کا بیان ہے، پچھلے باب میں اس امر کا بیان تھا، کہ نمازیں فرض کیسے ہوئیں؟ امام نسائی نے اس باب میں دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۴۵۷۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي سُهَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ يَقُولُ :جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْهَمُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ . قَالَ :هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ؟ قَالَ :لَا .إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ .قَالَ: وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ .قَالَ :هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ قَالَ :لَا. إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ .وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الزَّكَاةَ .قَالَ :هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ :لَا .إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ .فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ :وَاللَّهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ مِنْهُ .قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا، وہ نجد کا رہنے والا تھا، اس کے بال پراگندہ تھے، ہم اس کی آواز کی بھنبھناہٹ سن رہے تھے، لیکن اس کی بات نہ سمجھ رہے تھے، یہاں تک کہ وہ قریب ہوگیا، اور وہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: رات اور دن میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، مگر تو چاہے تو نفل پڑھ لینا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا: رمضان کے روزے (فرض) ہیں۔ اس نے پوچھا: اس کے علاوہ بھی کوئی روزہ میرے لیے ضروری ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مگر تو چاہے تو نفلی روزے رکھ لینا۔ اسی طرح آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے زکوٰۃ کا حکم بیان فرمایا۔ اس نے پوچھا: کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی (صدقہ) فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، ہاں اگر تو چاہے تو نفلی صدقہ کر لینا۔ وہ شخص یہ کہتے ہوئے واپس مڑا: اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی ذات کی قسم! میں نہ اس پر زیادتی کروں گا، اور نہ ہی اس میں کمی کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو کامیاب ہوا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:
حضور ﷺ نے اس شخص کے لیے فرمایا: رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۴۶، ۱۸۹۱، ۲۶۷۸، ۶۹۵۶، (نعمۃ الباری، ج ا، ص ۲۵۶۔۲۵۷)

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے پہلے دو راویوں کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین کی سرگذشت حیات سپردِ قلم کی جارہی ہے:

۱۔ قتیبہ:　راجع: ۱۱۸　　۲۔ مالک:　راجع: ۱۱۷

۳۔ ابوسہیل:

آپ کا نام ابوسہیل نافع بن مالک بن ابی عامر اصبحی تیمی مدنی (م: ۱۴۰ ھ ت) ہے آپ حضرت امام مالک کے چچا ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، امام واقدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ مدینہ منورہ کے مشہور اساتذہ تجوید وقراتٔ میں سے ہیں، اور ابوالعباس میں سفاح کے دورِ حکومت میں فوت ہوئے۔ سنن نسائی میں آپ سے دس احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۴۔ مالک:

آپ کا نام مالک بن ابی عامر الصبحی تیمی مدنی (م: ۷۴ ھ) ہے، آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سماع کیا ہے۔ آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ تابعی کبار راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ آئمہ ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے دس احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۲)

۵۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

نام ونسب، خاندان:

طلحہ نام، ابومحمد کنیت، فیاض اور خیر لقب، والد کا نام عبیداللہ اور والدہ کا نام صعبہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، طلحہ بن عبداللہ

۱۔　ا۔ العلل (ابن حنبل)، ج ۲، ص ۱۶۰　　اا۔ الثقات، ج ۵، ص ۴۷۲

۲۔　ا۔ تہذیب الکمال، ج ۲۷، ص ۱۴۹　　اا۔ طبقات ابن سعد، ج ۹، ص ۱۶۴

بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی ابن غالب القرشی التیمی، چونکہ مرہ بن کعب آنحضرت محمد ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اس لیے حضرت طلحہ کا نسب چھٹی ساتویں پشت میں حضرت سرور کائنات ﷺ سے مل جاتا ہے۔

حضرت طلحہ کے والد عبداللہ نے آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے یا کم سے کم حضرت طلحہ کے اسلام قبول کرنے سے قبل وفات پائی، البتہ ان کی والدہ حضرت صعبہ نے نہایت طویل زندگی پائی، مسلمان ہوئیں، اور حضرت عثمان کے محصور ہونے کے وقت تک زندہ تھیں، چنانچہ امام بخاری کی تاریخ الصغیر میں ایک روایت ہے کہ جب صعبہ کو امیر المومنین کے محصور ہونے کی خبر ملی تو وہ گھر سے نکل کر آئیں اور اپنے صاحبزادے حضرت طلحہ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر سے مفسدین کو دور کردیں، اس وقت خود حضرت طلحہ کی عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی، اس لیے اگر تاریخ الصغیر کی روایت صحیح ہے تو حضرت صعبہ نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی۔

حضرت طلحہ ہجرت نبوی سے چوبیس برس قبل پیدا ہوئے ابتدائی حالات نامعلوم ہیں، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ان کو بچپن ہی سے تجارتی مشاغل میں مصروف ہونا پڑا اور عنفوان شباب ہی میں دور دراز ممالک کے سفر کا اتفاق ہوا۔

اسلام:

ایک دفعہ جب کہ غالباً سترہ یا اٹھارہ برس کی عمر تھی، تجارتی اغراض سے بصرہ تشریف لے گئے، وہاں ایک راہب نے حضرت سرور کائنات ﷺ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی، لیکن یوم ولادت سے اس وقت تک جس قسم کی آب وہوا میں پرورش پائی تھی اور گردوپیش جس قسم کے مذہبی چرچے تھے، اس کا اثر صرف ایک راہب کی پیشین گوئی سے زائل نہیں ہوسکتا تھا، بلکہ ابھی مزید تعلیم وتلقین کی ضرورت تھی، مکہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت اور ان کے مخلصانہ وعظ وپند نے تمام شکوک رفع کردیئے چنانچہ ایک روز صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وساطت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور خلعت ایمان سے مشرف ہوکر واپس آئے، اس طرح حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ آٹھ آدمیوں میں سے ہیں جو ابتدائی اسلام میں نجم صداقت کی پرتو ضیاء سے ہدایت یاب ہوئے اور آخرکار خود بھی آسمان اسلام کے روشن ستارے بن کر چمکے۔ (۱)

اسلام لانے کے بعد حضرت طلحہ بھی عام مسلمانوں کی طرح کفار کے ظلم وستم سے محفوظ نہ رہے، عثمان بن عبیداللہ نے جو نہایت سخت مزاج اور حضرت طلحہ کا حقیقی بھائی تھا، ان کو اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ہی رسی میں باندھ کر مارا کہ اس تشدد سے اپنے نئے مذہب کو ترک کردیں، لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا۔ (۲)

مواخات:

مکہ میں آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام سے ان کا بھائی چارہ کرادیا۔

۱۔ ابن سعد، ج ۳، ص ۱۵۲　　۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۵۹

ہجرت:

حضرت طلحہ نے مکہ میں نہایت خاموش زندگی بسر کی اور اپنے تجارتی مشاغل میں مصروف رہے، چنانچہ جس وقت رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، اس وقت وہ اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ شام سے واپس آرہے تھے، راہ میں ملاقات ہوئی، انہوں نے ان دونوں کی خدمت میں کچھ شامی کپڑے پیش کیے، اور عرض کی کہ اہل مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں، غرض آنحضرت محمد ﷺ نہایت عجلت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے اور حضرت طلحہ نے مکہ پہنچ کر اپنے تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کی اور حضرت ابوبکر کے اہل وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے حضرت اسعد بن زرارہ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت ابی بن کعب انصاری سے ان کا بھائی چارہ کرا دیا۔(۱)

غزوات اور دیگر حالات:

ہجرت مدینہ کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، اور کفر واسلام کی پہلی آویزش جنگ بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی، لیکن حضرت طلحہ کسی خاص مہم پر مامور ہو کر ملک شام تشریف لے گئے تھے، اس لیے اس میں شریک نہ ہو سکے، وہاں سے واپس آئے تو دربار رسالت میں حاضر ہو کر غزوہ بدر کے مال غنیمت میں سے اپنے حصے کی درخواست کی، سرور کائنات ﷺ نے مال غنیمت میں حصہ دیا اور فرمایا کہ تم جہاد کے ثواب سے بھی محروم نہیں رہو گے۔

بعض اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت طلحہ اپنے تجارتی اغراض سے شام گئے تھے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں مال غنیمت میں حصہ طلب کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی، نیز ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے ان کو اور سعید بن زید کو شام کی طرف قریش کے قافلہ کی تحقیق حال کی خدمت پر مامور کر کے بھیجا تھا،، اس روایت سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے، بہر حال اگرچہ حضرت طلحہ غزوہ بدر میں شریک نہ تھے تاہم وہ اپنی اہم کارگزاریوں کے باعث اس کے اجر وثواب سے محروم نہیں رہے۔(۲)

غزوہ احد:

۳ھ میں غزوہ احد پیش آیا، اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی اور کفار بھاگ کھڑے ہوئے، لیکن مسلمان جیسے ہی اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر لوٹ گھسوٹ میں مصروف ہوئے، کفار نے پھر پلٹ کر حملہ کر دیا، اس ناگہائی حملہ نے مسلمانوں کو ایسا بدحواس کیا کہ ان کو سرور کائنات ﷺ کی حفاظت کا بھی خیال نہ رہا اور جو جس طرف تھا اسی طرف سے بھاگ کھڑا ہوا میدان جنگ میں صرف دس بارہ آدمی ثابت قدم رہ گئے تھے، لیکن وہ سب بھی شمع ہدایت سے دور تھے، اور اس وقت صرف حضرت طلحہ پروانہ دار

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۵۴ ۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۵۹

فدویت و جان نثاری کے حیرت انگیز مناظر دکھا رہے تھے، کفار کا ہر طرف سے غرغہ تھا، تیروں کی بارش ہو رہی تھی، خون آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں اور صدہا کفار صرف ایک مقدس ہستی کو فنا کر دینے کے لیے ہر طرف سے یورش کر رہے تھے، اس نازک وقت میں جمال نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بن کر خورشید نبوت کو آگے پیچھے داہنے بائیں ہر طرف سے بچا رہا تھا، تیروں کی بوچھاڑ کو ہتھیلی پر روکتا، تلوار اور نیزہ کے سامنے اپنے سینہ کو سپر بناتا، پھر اسی حال میں کفار کا غرغہ زیادہ ہو جاتا تو شیر کی طرح تڑپ کر حملہ کرتا۔ اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا ایک دفعہ کسی نابکار نے ذات قدسی ﷺ پر تلوار کا وار کیا، خادم جان نثار یعنی طلحہ جانباز نے اپنے ہاتھ پر روک لیا، اور انگلیاں شہید ہوئیں تو آہ کے بجائے زبان سے نکلا (حسن) ''یعنی خوب ہوا، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اس لفظ کے بجائے بسم اللہ کہتے تو ملائکہ آسمانی تمہیں ابھی اٹھا لے جاتے، غرض حضرت طلحہ دیر تک حیرت انگیز جانبازی اور بہادری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے صحابہ بھی مدد کے لیے آپہنچے مشرکین کا ہلہ کسی قدر کم ہوا تو سرور کائنات ﷺ کو اپنی پشت پر سوار کر کے پہاڑی پر لے آئے اور مزید حملوں سے محفوظ کر دیا۔ (۱)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں فدویت، جان نثاری اور شجاعت کے جو بے مثل جوہر دکھائے یقیناً تمام اقوام عالم کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، تمام بدن زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم شمار کیے تھے۔ (۲)

دربار رسالت (ﷺ) سے اسی جان بازی کے صلہ میں ''خیر'' کا لقب مرحمت ہوا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو واقعہ احد میں ان کی اس غیر معمولی شجاعت اور جانبازی کا دل سے اعتراف تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غزوہ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ یہ طلحہ رضی اللہ عنہ کا مخصوص دن تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو صاحب احد فرمایا کرتے تھے، خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس فخر کارنامہ پر بڑا ناز تھا اور ہمیشہ لطف وانبساط کے ساتھ اس کی داستاں سنایا کرتے تھے۔ (۳)

متفرق غزوات:

غزوہ احد کے بعد فتح مکہ تک جس قدر غزوات ہوئے، حضرت طلحہ سب میں نمایاں طور پر شریک رہے، بیعت رضوان کے وقت بھی موجود تھے، اور شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین پیش آیا، اس معرکہ میں بھی غزوہ احد کی طرح پہلے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، لیکن چند بہادر اور ثابت قدم مجاہدین کے استقلال وثبات نے پھر اس کو سنبھال لیا، اور اس طرح جم کر لڑے کہ غنیم کی فتح شکست سے بدل گئی اور بے شمار سامان اور مال غنیمت چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بھی ثابت قدم اصحاب رضی اللہ عنہم کی صف میں تھے۔

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۵۵　　۲۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۶۶　　۳۔ بخاری کتاب المغازی غزوہ احد

۹ھ میں آنحضرت محمد ﷺ کو خبر ملی کہ قیصر روم بڑے ساز و سامان کے ساتھ عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس لیے آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی اسباب و سامان کے لیے مال و زر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، حضرت طلحہ نے اس موقع پر ایک بیش قرار رقم پیش کی اور بارگاہ رسالت ﷺ سے فیاض کا لقب حاصل کیا۔(۱)

سرور کائنات ﷺ ایک طرف حملہ قیصر کے مدافعانہ اہتمام میں مصروف تھے۔ دوسری طرف منافقین جو ہمیشہ در پے تخریب رہتے تھے، اس موقع پر بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر سویلم یہودی کے مکان میں مجتمع ہو کر ان تدابیر پر غور کرتے تھے جن سے مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو اور اس مہم میں شرکت سے انحراف کریں، آنحضرت محمد ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس خانہ برانداز جماعت کی تنبیہ پر مامور فرمایا، انہوں نے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر نہایت مستعدی کے ساتھ سویلم یہودی کے مکان کا محاصرہ کر لیا اور اس میں آگ لگا دی، ضحاک بن خلیفہ نے مکان کے پشت سے کود کر حملہ کیا اور اس حالت میں اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس کے ساتھی اس کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے بچا کر لے بھاگے۔(۲)

غرض تیس ہزار مجاہدین نہایت جاہ و جلال کے ساتھ رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے، تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی، اس لیے وہاں چودہ دن قیام کر کے سب لوگ واپس آئے، پھر ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے آخر حج کیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہمرکاب تھے حج سے واپس آنے کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ کے دن آفتاب رسالت دنیا سے غروب ہوا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس سانحہ کبائر سے جو صدمہ ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سقیفہ بنی ساعدہ میں سیادت و خلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا، اس وقت یہ کسی گوشہ تنہائی میں مصروف گریہ تھے۔

عہد صدیقی رضی اللہ عنہ:

سقیفہ بن ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق کیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی کچھ دنوں کے بعد بیعت کی اور مہمات امور میں رائے اور مشورہ کے لحاظ سے جانشین رسول کے ہمیشہ دست و باز و ثابت ہوئے، سوا دو برس کی خلافت کے بعد جب خلیفہ اول مرض الموت کے بستر پر تھے اور انہوں نے منصب کے لیے فاروق اعظم کو نامزد کیا تو حضرت طلحہ نے نہایت آزادی کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے ہوئے عمر رضی اللہ عنہ کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ اب وہ خود خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے؟ آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں، یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر کیا جو ان میں سب سے زیادہ اچھا تھا۔

۱۔ اسد الغابہ، ج۳، ص۵۹　　۲۔ سیرت ابن ہشام، ج۲، ص۳۱۵

عہد فاروقی رضی اللہ عنہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی جو رائے وہ کسی بغض وعداوت سے ملوث نہ تھی بلکہ اکثر صحابہ کی یہ رائے تھی کہ ان کا تشدد نا قابل تحمل ہوگا، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اس منصب عظیم کے لیے سب سے موزوں ہیں تو دفعتاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا خیال بھی بدل گیا اور مجلس شوریٰ کے ایک رکن کی حیثیت سے انہوں نے ہمیشہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اعانت کی، اختلافی مسائل میں ساتھ دیا، اور اہم امور میں نہایت مخلصانہ مشورے دیئے ایک دفعہ عہد فاروقی میں یہ سوال پیدا ہوا کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین میں باہم تقسیم کر دیئے جائیں اور ایک بڑی جماعت اس کی مؤید ہوگئی صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس سے اختلاف تھا، تین دن بحث ہوتی رہی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید کی۔ یہاں تک کہ ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوا، اسی طرح معرکہ نہاوند کے موقع پر ایرانی ٹڈی دل نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو مشوش کر دیا اور انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کے متعلق مشورہ چاہا، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا آپ ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ۲۳ھ میں دس برس کی خلافت کے بعد سفر آخرت کی تیاری کی اور عہدہ خلاف کے لیے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا، ان میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن انہوں نے نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دی اور ان کا نام اس منصب کے لیے پیش کیا، چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کوشش اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی تائید سے وہی خلیفہ منتخب ہوئے۔

عہد عثمانی رضی اللہ عنہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ برس تک خلافت کی لیکن آخری چھ سالہ عہد خلافت میں تمام ملک عام طور پر شورش و بے چینی کا آماجگاہ ہو گیا تھا اور ہر طرف ریشہ دوانی وفتنہ پردازی کا بازار گرم تھا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت کو مشورہ دیا کہ اسباب شورش کی تفتیش و تحقیق کے لیے تمام ملک میں دفود روانہ کیے جائیں، چنانچہ یہ رائے پسند کی گئی اور ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مختلف حصص ملک میں روانہ کیے گئے، ان لوگوں نے واپس آکر اپنی تحقیقات کا جو نتیجہ پیش کیا اس پر عمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مفسدین نے بارہ گاہ خلافت کا محاصرہ کر لیا، گو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی کوئی خاص اعانت نہیں کی، تاہم وہ اکثر خود ایک غیر جانب دار شخص کی حیثیت سے دریافت حال کے لیے محاصرین کی جماعت میں تشریف لے گئے چنانچہ وہ ایک دفعہ وہاں موجود تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بالا خانہ پر کھڑے ہو کر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک ایک کا نام لے کر پکارا اسی ضمن میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی آیا، انہوں نے جواب دیا ''ہاں میں

حاضر ہوں'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے احسانات اور فضائل ومناقب بیان کر کے ان سے تصدیق چاہی، تو انہوں نے مفسدین کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ اس کی تصدیق کی۔(۱)

آخر میں جب محاصرہ زیادہ خطرناک ہوگیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے صاحبزادہ محمد کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا، چنانچہ جب مفسدین نے یورش کی تو محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے نہایت تندہی اور جانفشانی سے ان کا مقابلہ کیا۔(۲)

محافظین نے باجود قلت تعداد کے اس سیلاب کو روکے رکھا، لیکن چند نابکار دوسری طرف سے اندر گھس آئے اور صبر وحلم کے آفتاب کو ہمیشہ کے لیے خونیں شفق کے پردہ میں نہان کر دیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو افسوس کے ساتھ فرمایا'' خدا عثمان رضی اللہ عنہ پر رحم کرے'' لوگوں نے کہا مفسدین اب اپنے فعل پر نادم ہیں، فرمایا خدا انہیں ہلاک کرے، اس کے بعد یہ آیت پڑھی۔

''فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَآ اِلٰٓی اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ''۔(۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بادل نخواستہ بیعت کی:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مصریوں نے حضرت علی کو عنان خلافت سنبھالنے پر مجبور کیا، اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لوگوں کو بیعت عام کے لیے جمع کیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ گو برابر کے دعویدار تھے تاہم اس شورش وہنگامہ کے وقت زبان نہ ہلا سکے اور بادل نخواستہ بیعت کر لی۔(۴)

خلیفہ وقت کے مقابلہ میں خروج اور اس کی وجہ:

خلیفہ وقت کا قتل کوئی معلومی حادثہ نہ تھا، اس سے تمام علاقہ میں شورش اور بدنظمی پھیل گئی، اور عہد مفسدین کی مطلق العنانی نے خود مدینہ کو پرفتن بنا دیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کامل چار ماہ تک خاموشی کے ساتھ اس فتنہ فساد کا تماشا دیکھتے رہے، لیکن جب دربار خلافت کی طرف سے اس کے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود علم اصلاح بلند کرنے کے لئے حضرت زبیر کو ساتھ لے کر مدینہ چلے آئے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے خیال سے مکہ آئی تھیں اور مدینہ کی شورشوں کا حال سن کر اس وقت تک یہیں مقیم تھیں، اس لیے ان دونوں نے سب سے پہلے ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر مدینہ کی کیفیت بیان کی اور علم اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا تھوڑی دیر کی بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئیں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق بصرہ جانے کی تیاری ہوئی، کیونکہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت موجود تھی، اور نہایت آسانی کے ساتھ اس مہم کی شرکت پر آمادہ ہوسکتی تھی۔

۱۔ ابن سعد، ج ۳، ص ۴۷　۲۔ ابن اثیر، ج ۳، ص ۴۰　۳۔ یٰس ۳۶: ۵۰　۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱

بصرہ پر قبضہ:

غرض داعیان اصلاح کی ایک ہزار جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئی، بنوامیہ بھی جو مدینہ سے بھاگ کہ مکہ میں پناہ گزین تھے جوش انتقام میں ساتھ ہو گئے، بصرہ کے قریب پہنچے تو عثمان بن حنیف والی بصرہ نے مزاحمت کی، پہلے کچھ دنوں تک ان سے مصالحت کی سلسلہ جنبانی ہوتی رہی لیکن جب وہ راہ پر نہ آئے تو بزور شہر پر قابض ہو گئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے جوش وخروش کے ساتھ اہل دعوت کو لبیک کہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج سے مقابلہ کے لیے بڑھنا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدعیان اصلاح کے خروج کا حال معلوم ہو چکا تھا، اس لیے مدینہ سے روانہ ہو کر ذی قار پہنچے اور یہاں سے تقریباً کوفہ کے نو ہزار جنگ آزما نوجوان ساتھ لے کر بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ نے اس فوج کا حال سنا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو منظم ومرتب کر کے آگے بڑھایا، دسویں جمادی الاخری ۳۶ھ میں دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی۔

شہادت:

جنگ شروع ہونے سے پہلے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی یاد دلائی کہ اسی وقت ان کا دل اس خانہ جنگی سے بھر گیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زور بازو کو برداشتہ خاطر دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا اور جنگ سے کنارہ کش ہونے کی رائے قائم کر لی، مروان نے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے معاملہ میں ان سے بدظن تھا، اس موقع کو غنیمت جان کر ایک تیر مارا جو اگر چہ پاؤں میں لگا لیکن ان کے لیے تیر قضا ثابت ہوا۔(۱) لوگوں نے نکالنے کی کوشش کی تو فرمایا چھوڑ دو، یہ تیر نہیں بلکہ پیام خداوندی ہے۔

تجہیز وتکفین:

اختلاف روایات حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے باسٹھ یا چونسٹھ برس کی عمر میں شہادت حاصل کی، اور غالباً اسی میدان جنگ کے کسی گوشہ میں مدفون ہوئے لیکن یہ زمین نشیب میں تھی اس لیے اکثر غرق آب رہتی تھی، ایک شخص نے مسلسل تین دفعہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی لاش کو اس قبر سے منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خواب کا حال سنا تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ صحابی رضی اللہ عنہ کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر ان کی لاش کو اس میں منتقل کر دیا، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے دنوں کے بعد بھی یہ جسم خاکی اسی طرح مصون ومحفوظ تھا، یہاں تک کہ آنکھوں میں جو کافور لگایا گیا تھا وہ بھی بعینہ موجود تھا۔(۲)

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۲، ص ۳۷۱ ۲۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۱۶۱

اخلاق وعادات:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا اخلاقی پایہ نہایت ارفع واعلیٰ تھا خشیت الٰہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ان کا پیمانہ لبریز تھا، معرکہ احد اور دوسرے غزوات میں جس جوش وفدا کاری کے ساتھ پیش پیش رہے وہ اسی جذبہ کا اثر تھا، اس راہ میں ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے دریغ نہ تھا۔

چنانچہ انہوں نے نذر مانی تھی کہ غزوات کے مصارف کے لیے اپنا مال راہ خدا میں دیا کریں گے، اس نذر کو انہوں نے اس پابندی کے ساتھ پوری کرنے کی کوشش کی کہ خاص قرآن پاک میں ان کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضٰى نَحْبَهُ"۔(۱)

"یعنی کچھ آدمی ایسے ہیں جنہوں نے خدا سے جو کچھ عہد کیا اس کو سچا کر دکھایا، چنانچہ بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کی" اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ارشاد ہوا، "طلحہ" تم بھی ان لوگوں میں ہو جنہوں نے اپنی نذر پوری کی۔"(۲)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اقلیم سخاوت کے بادشاہ تھے فقراء ومساکین کے لیے ان کا دروازہ کھلا رہتا تھا، حضرت قیس ابن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہ دیکھا۔(۳)

غزوہ ذی القرد میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کے ساتھ پانی کے ایک چشمہ پر گذرے جس کا نان بلیان مالح تھا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا، (۴) اسی طرح غزوہ ذی العسرہ میں تمام مجاہدین کی دعوت کی، غزوہ تبوک کے موقع پر جب کہ عموماً تمام مسلمان افلاس وناداری کی مصیبت اور فلاکت میں مبتلا تھے، انہوں نے مصارف جنگ کے لیے ایک گرانقدر رقم پیش کی اور دربار رسالت سے فیاض کا خطاب حاصل کیا۔(۵)

ایک دفعہ حضرت عثمان کے ہاتھ اپنی جائیداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور سب راہ خدا میں صرف کر دیا، آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے انہیں غمگین دیکھا، پوچھا" آپ اس قدر اداس کیوں ہیں مجھ سے کوئی خطا تو سرزد نہیں ہوئی؟ بولے "نہیں! تم نہایت اچھی بیوی ہو، تمہاری کوئی بات نہیں ہے، اصل قصہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک بہت بڑی رقم جمع ہو گئی ہے، اس وقت اسی کی فکر میں تھا کیا کروں؟ میں نے کہا" اس کو تقسیم کرا دیجیے" یہ سن کر انہوں نے اس وقت لونڈی کو بلایا اور چار لاکھ کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کرا دی۔(۶)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بنو تمیم کے تمام محتاج وتنگدست خاندانوں کی کفالت کرتے تھے، لڑکیوں اور بیوہ عورتوں کی شادی کر

۱۔ الاحزاب ۳۳:۲۳　۲۔ فتح الباری، ج ۸، ص ۳۹۰　۳۔ ایضاً، ج ۷، ص ۶۶
۴۔ اصابہ، ج ۳، ص ۳۹۱　۵۔ اسد الغابہ، ج ۳، ص ۶۰　۶۔ طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۵۷

دیتے تھے، جولوگ مقروض تھے ان کا قرض ادا کر دیتے تھے چنانچہ صبیحہ تیمی پر تیس ہزار درہم قرض تھا، وہ سب انہوں نے اپنے پاس سے ادا کر دیا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی خاص عقیدت تھی اور ہر سال دس ہزار درہم پیش خدمت کرتے تھے۔(۱)

مہمان نوازی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا خاص شیوہ تھا، ایک دفعہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آکر مشرف بہ اسلام ہوئے، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہے؟ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر عرض کی ''میں یارسول اللہ'' اور وہ تینوں نومسلم مہمانوں کو خوشی خوشی گھر لے آئے، ان میں دونوں کے یکے بعد دیگرے مختلف غزوات میں شہادت حاصل کی اور تیسرے نے بھی ایک مدت کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مکان میں وفات پائی ان کو اپنے مہمان سے جوانس پیدا ہو گیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ ہر وقت ان کی یاد تازہ رہتی تھی اور رات کے وقت خواب میں بھی ان ہی کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک روز خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے تینوں مہمانوں کے ساتھ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہیں، لیکن جو سب سے پیچھے مرا تھا وہ سب سے آگے ہے، اور جو سب سے پہلے شہید ہوا تھا وہ سب سے پیچھے ہے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اس تقدم و تاخر پر سخت تعجب ہوا، صبح کے وقت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کا واقعہ بیان کیا تو ارشاد ہوا کہ، اس میں تعجب کی کیا بات ہے، جو زیادہ دنوں تک زندہ رہا اس کو عبادت و نیکوکاری کا زیادہ موقع ملا، اس لیئے وہ جنت کے داخلہ میں اپنے ساتھیوں سے پیش تھا۔(۲)

احباب کی مسرت وشادمانی ان کے لیے بھی سامان انبساط بن جاتی تھی، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے کے باعث معتوب بارگاہ تھے ایک مدت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خطا معاف کر دی اور وہ خوش خوش دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر ان سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس اخلاق کو کبھی نہ بھولوں گا، کیونکہ مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرمجوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دوستوں کی خدمت گزاری سے بھی دریغ نہ تھا، ایک دفعہ ایک اعرابی مہمان ہوا اور اس نے درخواست کی کہ بازار میں میرا اونٹ فروخت کرا دیجئے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری، دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے تاہم میں تمہارے ساتھ چلوں گا، اور اس کے ساتھ جا کر مناسب قیمت پر اس کا اونٹ فروخت کر ادیا، اعرابی نے اس کے بعد خواہش ظاہر کی کہ دربار رسالت سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلواء دیجئے تاکہ عمال کو اسی کے مطابق دیا کروں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے مخصوص تقرب کے باعث اس کی یہ خواہش بھی پوری کر دی۔

(۲) بخاری باب غزوہ تبوک:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو طرز عمل بنانا ہر مسلمان کی سب سے بڑی سعادت ہے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس سعادت

۱۔ ایضاً ص ۱۵۸ ۲۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۱۶۳

کے حصول کو اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مختلف صحبتوں میں جو کچھ دیکھتے یا سنتے اس کو ہمیشہ یاد رکھتے اور اگر اتفاق سے کبھی کوئی بات بھول جاتے تو سخت مغموم و رنجیدہ نظر آتے، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مغموم دیکھ کر پوچھا "تمہارا حال کیسا ہے؟" کسی سے کوئی جھگڑا تو نہیں ہوا؟" کہنے لگے نہیں! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا تھا کہ "اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کرے تو نزع کی مصیبت دور ہو جائے گی، اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا" مجھے اس وقت وہ کلمہ معلوم تھا، لیکن اب یاد نہیں آتا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم اس کلمہ سے بھی زیادہ باعظمت و پر اثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا یعنی لا الہ الا اللہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سن کر اچھل پڑے فرمایا "ہاں خدا کی قسم یہی کلمہ ہے۔" (۱)

حسن معاشرت:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے حسن معاشرت کے باعث بیوی بچوں میں نہایت محبوب تھے، وہ اپنے کنبہ میں جس لطف و محبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی ام ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے شادی کی درخواست کی، لیکن انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہا "میں ان کے اوصاف حمیدہ سے واقف ہوں وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے باہر جاتے ہیں مسکراتے ہوئے کچھ مانگوں تو بخل نہیں کرتے اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، اگر کوئی کام کر دو شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔ (۲)

ذریعہء معاش:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا، نیز اسلام کے طلوع ہونے کی بشارت بھی اسی تجارتی سفر میں ملی تھی، جب مدینہ پہنچے تو زراعت کا شغل بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اس کو نہایت وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراق عرب میں متعدد علاقے حاصل کیے، ان میں سے قناۃ اور سراۃ نہایت مشہور ہیں، ان دونوں مقامات میں کاشتکاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناۃ کے کھیتوں میں بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقوں کی پیداوار کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی روزانہ آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔ (۳)

تمول:

غرض تجارت و زراعت نے ان کو غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک بنا دیا تھا، چنانچہ لاکھوں دینار و درہم راہ خدا میں لٹا دینے کے بعد بھی اہل و عیال کے لیے ایک عظیم الشان دولت چھوڑ گئے، ایک دفعہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہارے والد نے کس قدر دولت چھوڑی تو انہوں نے کہا "بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ نہایت کثیر مقدار میں سونا اور چاندی" یہ نقدی کی تفصیل تھی، جائیداد غیر منقولہ اس کے علاوہ تھی جس کی کل قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تھا۔ (۴)

۱۔ مسند ج ۱ ص ۱۶۱ ۲۔ کنز العمال، ج ۶ ص ۴۱۳ ۳۔ طبقات ابن سعد، ج ۳ ص ۱۵۸
۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۳ ص ۱۵

غذا ولباس:

طرز معاش نہایت سادہ تھا کپڑے اکثر رنگین تھے، ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حالت احرام میں رنگین لباس زیب جسم دیکھا بولے "طلحہ رضی اللہ عنہ یہ کیا ہے؟" عرض کی "امیر المومنین یہ گیروارنگ ہے" فرمایا، آپ لوگ ائمہ دین ہیں عوام آپ کا اتباع کرتے ہیں، کوئی جاہل دیکھ لے گا تو وہ بھی رنگین کپڑے استعمال کرے گا اور دلیل پیش کرے گا کہ میں نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو حالت احرام میں پہنے ہوئے دیکھا تھا۔(۱)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی جس میں نفیس سرخ یاقوت کا نگ جڑا ہوا تھا، لیکن بعد کو یاقوت نکال کر معمولی پتھر سے مرصع کرایا تھا۔(۲)، دستر خوان بھی وسیع تھا لیکن پر تکلف نہ تھا۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا، قد میانہ بلکہ ایک حد تک پست چہرہ کا رنگ سرخ وسفید، بدن خوب گٹھا ہوا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت اور ہاتھ کی انگلیاں غزوہ احد میں شل ہو گئی تھیں۔

اولاد وازواج:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کی تھیں۔ بیویوں کے نام یہ ہیں، حمسہ بنت جحش رضی اللہ عنہا، ام کلثوم بنت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہا، سعدی بنت عوف، ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ، حولہ بنت القعقاع، ان میں سے ہر ایک کے بطن سے متعدد اولاد ہوئی تھی لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ محمد، عمران، عیسیٰ، یحییٰ، اسماعیل، اسحاق، زکریا، یعقوب، موسیٰ، یوسف، ان کے علاوہ چار صاحبزادیاں بھی تھیں، ان کے نام یہ ہیں، ام اسحاق، عائشہ، صعبہ، مریم، (۳)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم انور کا تیس سال بعد بھی قبر سے تر وتازہ نکلنا:

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن عینی حنفی لکھتے ہیں:

ابو محمد طلحہ بن عبید اللہ القرشی التیمی رضی اللہ عنہ یہ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں، جن کو جنت کی بشارت دی گئی، یہ بدر کے سوا تمام غزوات میں حاضر رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مال غنیمت میں سے ان کا حصہ رکھا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوہ احد کا ذکر کرتے تھے تو فرماتے: یہ پورا دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا تھا، اور یہ ان چھ صحابہ میں سے ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے مشورے کے لیے نامزد کیا تھا، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت راضی تھے یہ وہ ہیں جو غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قائم اور ثابت قدم رہے غزوہ احد میں مالک بن زبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیر مارے انہوں نے مدافعت میں اپنا ہاتھ آگے کر دیا جس کی وجہ سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا، (سوکھ کر بے کار ہو گیا) انہوں نے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ بچایا تھا، اس دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ۵۷ زخم لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا نام طلحہ الخیر الجواد رکھا، ان سے ۱۳۲ احادیث مروی ہیں، امام بخاری

۱۔ ایضاً۔ص ۱۵۶ ۲۔ ایضاً ص ۱۵۷ ۳۔ سیر الصحابہ، ج ۲، ص ۸۳۔۹۳

اورامام مسلم ان میں سے دوحدیثوں پر متفق ہیں، امام بخاری ۲ حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں اورامام مسلم ۳ حدیثوں کے ساتھ منفرد ہیں یہ جنگ جمل میں شہید ہوگئے، کسی کو ان کو تیر مارنے والے والے کا پتا نہیں چل سکا، ۶۴ سال کی عمر میں ۳۶ ھ میں ان کی شہادت ہوئی، ان کی قبر بصرہ میں ہے، ابن قتیبہ نے کہا: یہ قرہ نامی پل کے نیچے مدفون ہیں، تیس سال بعد ان کی صاحب زادی نے خواب دیکھا، انہوں نے شکایت کی کہ ان کی قبر گیلی ہوگئی ہے، ان کی صاحب زادی کے حکم سے ان کو قبر سے نکالا گیا، ان کا جسم بالکل تر و تازہ تھا، پھر ان کو بصرہ میں دارالہجرتین میں دفن کیا گیا، ان کی قبر مشہور ہے، بہت بڑی جماعت نے ان سے روایت کی ہے۔(۱)

حضرت طلحہ بن عبداللہ کو تیس سال بعد قبر سے تر و تازہ نکالنے کے متعلق مزید حوالہ جات:

جن مشاہیر علماء نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ: الطبقات الکبریٰ، ج ۳، ص ۲۲۴۔۲۲۳ دار صادر بیروت

۲۔ حافظ ابوالقاسم علی حسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ: تاریخ دمشق الکبیر، ج ۲۷، ص ۸۷ دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ

۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ: تہذیب الاسماء واللغات، ج ۱، ص ۲۵۲، دار الکتب العلمیہ بیروت

۴۔ حافظ جمال الدین یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ: تہذیب الکمال، ج ۹ ص ۲۵۸، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ

۵۔ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ: سیر اعلام النبلاء، ج ۳، ص ۲۵، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ

۶۔ مشہور دیوبندی عالم شیخ سلیم اللہ خاں: کشف الباری، ج ۲، ص ۴۸۳، مکتبہ فاروقیہ، کراچی، ۱۴۲۶ھ

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو تریسٹھویں (۱۶۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے شیوخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۱، ص ۴۲۴

☆ حضرت ابو سہیل، حضرت مالک اور حضرت طلحہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ روایت بھتیجے کی چچا، اور بیٹے کی باپ سے روایت ہے۔

☆ سند میں امام مالک آپ کے چچا اور آپ کے دادا راوی ہیں۔

☆ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا نام حضور نے طلحہ الخیر اور طلحہ الجواد رکھا تھا

☆ حضرت طلحہ عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہے، آپ سے اڑتیس (۳۸) حدیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمع ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

جاء رجل: ایک شخص آیا۔

من اهل نجد: نجد کے رہنے والوں میں سے

ثائر الناس: بال بکھرے ہوئے۔

نسمع: ہم سن رہے تھے۔

روی صوته: اس کی آواز مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح

لانفهم: ہم سمجھ نہیں رہے تھے۔

مایقول: جو وہ کہہ رہا تھا۔

حتی دنا: یہاں تک کہ وہ قریب ہوا۔

هویسال: وہ پوچھ رہا تھا۔

خمس صلوات: پانچ نمازیں

اليوم والليلة: دن

هل علی غیر هن: کیا ان کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ لازم ہے

ان تطوع: یہ کہ تو نفل پڑھے

صیام شهر رمضان: ماہ رمضان کے روزے

ادبرالرجل: وہ آدمی پھرا، یعنی وہاں سے چلا

والله: اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم

لاازید هذا : میں اس پر زیادتی نہ کروں گا۔

لاانقص منه: میں اس میں سے کمی نہ کروں گا

افلح: وہ کامیاب ہوا

ان صدق: اگر اس نے سچ کہا۔

۴۵۸- أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَمِ افْتَرَضَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى عِبَادِهِ مِنَ الصَّلَوَاتِ؟ قَالَ: افْتَرَضَ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ صَلَوَاتٍ خَمْسًا. قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ قَبْلَهُنَّ أَوْ بَعْدَهُنَّ شَيْئًا؟ قَالَ: افْتَرَضَ اللَّهُ عَلَى عِبَادِهِ صَلَوَاتٍ خَمْسًا. فَحَلَفَ الرَّجُلُ لَا يَزِيدُ عَلَيْهِ شَيْئًا وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُ شَيْئًا. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے آقا کریم ﷺ سے پوچھا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اس نے پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ! کیا ان سے پہلے یا بعد میں بھی کچھ فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اس شخص نے قسم اٹھائی؛ کہ وہ اس میں زیادتی کرے گا، اور نہ ہی کمی کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں سچ کر دکھایا تو ضرور بہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

۲۔اطراف:

احمد، ج ۳، ص ۲۶۷، تحفۃ الاشراف: ۱۱۶۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو حضرت نوح بن قیس اور خالد بن قیس کے حالاتِ زندگی لکھے جارہے ہیں:

۱۔قتیبہ: راجع: ۱۱۸

۲۔نوح بن قیس:

آپ کا نام خالد بن قیس بن رباح ازدی مدنی بصری ہے؛ آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، البتہ

غریب روایت بیان کرتے ہیں۔امام مسلم،اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ امام ترمذی نے الشمائل؛ میں آپ سے روایت بیان فرمائی ہے۔(۱)

خالد بن قیس:

آپ کا نام خالد بن قیس بن رباح ازدی مدانی بصری ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، البتہ غریب روایات بیان کرتے ہیں، امام مسلم اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ امام ترمذی نے الشمائل میں آپ سے روایت بیان فرمائی ہے۔(۲)

۴۔قتادہ: رجع:۱۳۹ ۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع ۱۳۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے،اور اس کے شواہد کثیر ہیں۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چونسٹھویں (۱۶۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ بھائی کی بھائی سے روایت ہے، کیونکہ حضرت نوح اور حضرت خالد سگے بھائی ہیں۔

☆ حضرت نوح اور حضرت خالد سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

۱۔i۔ تاریخ الدوری، ج۲،ص۶۱۲ ii۔ ثقات بن شاہین، رقم ۱۰۸۲

۲۔i۔ الثقات، ج۶،ص۲۵۹ ii۔ علل ابن مدینی، ص۱۱۵

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کم افترض الله:	اللہ تعالیٰ کتنی فرض کیں
عباده:	اپنے بندے۔
صلوات خمسا:	پانچ نمازیں
هل قبلهن اوبعد هن شيا؟:	کیا ان سے پہلے یا بعد میں کچھ ہے؟
حلف الرجل:	اس شخص نے قسم اٹھائی۔
لايزيد عليه شيا:	وہ اس پر کچھ زیادتی نہ کرے گا۔
لاينقص عليه شيا:	وہ اس میں کچھ کمی نہ کرے گا۔
ان صدق:	اگر وہ سچا ہوا۔ اگر اس نے سچ کر دکھایا۔
ليدخلن الجنة:	وہ ضرور بالضرور جنت میں داخل ہوگا۔

۷۔مسائل ونصائح:

نماز فرض ہونے کی تاریخ نوعیت اور فرائض:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

تاریخ نماز، نوعیت فرضیت اور اس کے فرائض:

اہل سیرت کے درمیان مشہور قول کے مطابق نماز شب معراج میں ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل فرض ہوئی دلیل اس کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شب معراج میں پچیس نمازیں فرض ہوئی تھیں، پھر ان کو کم کیا گیا یہاں تک کہ وہ صرف پانچ رہ گئیں پھر آپ کو ندا دی گئی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میرے نزدیک بات بدلتی نہیں ہے تمہارے لیے ان پانچ کے بدلے میں پچاس کا ثواب ہے۔ (بروایت امام احمد ونسائی امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے صحیحین میں ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے میری امت پر معراج کی رات پچاس نمازیں فرض کی تھیں، میں برابر اللہ سے رجوع کرتا رہا اور تخفیف مانگتا رہا حتیٰ کہ اللہ نے ایک دن رات میں پانچ نمازیں کر دیں۔) بعض احناف فرماتے ہیں شب معراج میں ہفتے کے روز سے قبل سترہ رمضان کو فرض ہوئی تھی اور ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل ایسا ہوا تھا۔ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تاکید سے فرماتے ہیں کہ یہ رجب کی ستائیسویں تاریخ تھی، یہ قول قبول کیا گیا ہے ہر زمانے کے اہل علم کا اس پر ہی عمل ہے۔

یہ ہر مکلف (یعنی عاقل و بالغ شخص) پر فرض عین ہے تاہم بچوں کو سات سال کی عمر سے اس کی تلقین کرنی چاہیئے اور دس سال کی عمر میں ان کو ہاتھ سے اس کے بارے میں سرزنش کرنی چاہیے، بید اور ڈنڈے سے نہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو سات سال کی عمر میں، اور اس بارے میں ان کی سرزنش کرو پس دس سال کی عمر میں ان کے بستر علیحدہ کر دو۔ (بروایت امام احمد ابوداؤد، حاکم ترمذی، اور دارقطنی از حضرت عمرو بن شعیب۔ انہوں نے یہ حدیث اپنے دادا سے بواسطہ اپنے والد روایت کی ہے(۱)

ایک دن رات میں فرض نمازیں پانچ ہیں، مسلمانوں میں اس کے وجوب وفرضیت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نماز واجب نہیں سوائے نذر کے۔ دلیل گذشتہ احادیث ہیں، دوسری دلیل اعرابی والی مشہور حدیث ہے جس میں پانچ نمازیں ایک دن رات میں ہیں، اعرابی نے دریافت کیا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی چیز لازم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں سوائے اس کے کہ تم نفل پڑھو۔ (۲) متفق علیہ اس حدیث کا بقیہ حصہ یہ ہے وہ اعرابی بولا: قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں نہ اس پر کچھ بڑھاؤں گا اور نہ کمی کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کامیاب ہو گیا یہ شخص اگر اس نے سچ کہا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے ہوئے یہ فرمانا تم ان کو یہ بتلا دو کہ اللہ نے ان پر ہر دن ورات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ (۳) (یہ حدیث صحیحین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو آپ نے دسویں سال حج سے قبل مبعوث کر کے بھیجا تھا،)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وتر واجب ہے دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: بلاشبہ اللہ نے تم پر ایک نماز اضافی لازم کی ہے، جو کہ وتر ہے۔ (۴) (اس حدیث کو آٹھ صحابہ نے روایت کیا ہے، حضرت خارجہ حذافہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عقبہ بن عساکر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوبصرہ الغفاری، حضرت عمرو بن شعیب کے دادا حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تاہم یہ تمام احادیث معلول ہیں،) اور یہ انداز اس کے واجب ہونے کا متقاضی ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث ہے: **الوتر واجب علی کال مسلم** (وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔) بروایت ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، ابن حبان، اور حاکم از حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ۔ (۵) اس شخص کے محرمات سے اجتناب کے اقرار نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے کامیابی کی خبر کیوں دی؟ علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ذکر ہے: ایک شخص آیا وہ شخص ضمام بن ثعلبہ تھا، جو بنو سعد بن بکر کا بھائی تھا، یہ ۵ھ میں اسلام لائے تھے۔ اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ اس شخص نے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ کو بہ ظاہر چاہیے تھا کہ آپ اس کو توحید اور رسالت کے متعلق بتاتے، آپ ﷺ نے اس کو نماز روزے زکوۃ کے متعلق بتایا، تو یہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہے، اس کے دو جواب ہیں:

۱۔ نیل الاوطار، ج۱، ص۲۹۸ ۲۔ نیل الاوطار، ج۱، ص۲۸۶ ۳۔ سبل السلام، ج۲، ص۱۲۰
۴۔ نصب الرایۃ، ج۱، ص۱۰۹ ۵۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص۴۳۴۔۴۳۵

۱۔ اس کا سوال درحقیقت فرائض اسلام کے متعلق تھا، پھر اعتراض ہوگا کہ آپ نے حج کا ذکر نہیں کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔

۲۔ ممکن ہے پہلے آپ نے اس کو توحید اور رسالت کی گواہی دینے کے متعلق بتایا ہو لیکن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے اس کو سن نہ سکے ہوں۔

اس شخص نے کہا: میں ان پر اضافہ نہیں کروں گا، اس پر اعتراض ہے کہ اس میں نوافل کا انکار ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی مراد یہ تھی کہ ان فرائض پر زیادتی نہیں کروں گا، یعنی پانچ فرض کی بجائے چھ فرض نہیں پڑھوں گا۔

نیز اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو یہ کامیاب ہو گیا، حالانکہ اس نے واجبات ادا کرنے کا کہا تھا، اور نہ حرام کاموں سے اجتناب کا کہا تھا تو ان کے بغیر اس کی فلاح کیسے ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح البخاری کے آخر میں نمبر ۶۹۵۶ پر بھی درج ہے، اس میں یہ جملہ ہے: پس اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائع اسلام کی خبر دی اور شرائع اسلام میں تمام فرائض اور واجبات اور تمام محرمات اور مکروہات بھی داخل ہیں، اس کے بعد اس شخص نے کہا: میں ان چیزوں میں کوئی زیادتی کروں گا نہ کمی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس شخص نے سچ کہا تو یہ فلاح پا گیا اور ظاہر ہے کہ جو شخص تمام فرائض اور واجبات پر عمل کرے اور محرمات اور مکروہات سے اجتناب کرے وہ جنتی ہوگا۔(۱)

نفلی عبادات کو پورا کرنے کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دن اور رات میں پانچ نمازیں (فرض) ہیں، اس شخص نے پوچھا کیا ان کے علاوہ اور کوئی نماز بھی فرض ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ تم نفلی نمازیں پڑھو۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

ہمارے اصحاب شافعیہ نے یہ کہا ہے کہ یہ جملہ استثناء منقطع ہے، اور اس کا معنی یہ ہے لیکن تمہارے لیے نفل پڑھنا مستحب ہے بعض علماء نے اس کو استثناء متصل قرار دیا اور اس سے یہ استدلال کیا کہ جس آدمی نے نفلی روزہ یا نفلی نماز شروع کی، اس پر اس کو پورا کرنا واجب ہے، اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ نفل شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔(۲)

فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ نفلی عبادات مثلاً نماز یا روزے کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا واجب ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے نفل شروع کر کے اس کو توڑ دیا اور بعد میں اس کو قضاء نہیں کیا تو اس کا وہ عمل باطل ہو جائے گا، اور قرآن مجید میں ہے: "وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ"۔(۳) اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

۱۔ نعمۃ الباری، ج ا، ص ۲۵۸ ۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ا، ص ۳۰ ۳۔ محمد ۴۷: ۳۳ ۴۔ جامع ترمذی، ص ۱۲۹

اس لیے نفلی نماز اور نفلی روزے کو توڑنے کے بعد اس کی قضاء کرنا واجب ہے، نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی روزہ توڑنے پر اس کی قضاء کرنے کا حکم دیا ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عائشه قالت كنت انا وحفصة صائمتين فعرض لنا طعام اشتهينا ه فاكلنا منه قال اقضيا يوما أخر مكانه ۔(۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت حفصہ (نفلی) روزے سے تھیں، ہمارے پاس ایسا کھانا آیا جسے کھانے کو ہمارا دل چاہتا تھا، ہم نے اس سے کچھ کھالیا، آپ نے فرمایا: اس کے بدلے دوسرا روزہ قضاء کرنا۔

اس حدیث کو امام مالک (۳) موطا امام مالک، ص ۲۴۸، اور امام احمد نے (۴) مسند احمد، ج ۲، ص ۲۶۳، ۶۵، نے بھی روایت کیا ہے۔

قرآن مجید کی آیت کریمہ اور ان مستند احادیث سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ نفلی نماز اور روزے کو توڑنے کے بعد اس کی قضاء کرنا واجب ہے اور اس معاملہ میں فقہاء، احناف کثر ہم اللہ کا مذہب بھی قرآن اور حدیث کے مطابق ہے۔

فرائض میں کمی اور اضافہ کرنے کی توجیہہ:

اس حدیث میں ہے وہ شخص واپس چلا گیا اور جاتے ہوئے یہ کہہ رہا تھا بہ خدا میں ان احکام میں زیادتی کروں گا نہ کمی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ شخص سچا ہے تو کامیاب ہو گیا ہے۔

علامہ نووی لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کامیابی کی جو بشارت دی ہے وہ اس شخص کے اس قول کی وجہ سے ہے کہ ''میں ان احکام میں کوئی زیادتی کروں گا نہ کمی'' اگر اس پر یہ اشکال ہو کہ اگر کسی شخص نے نفلی عبادات زیادہ کیں تو کیا وہ کامیاب نہیں ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب صرف فرض اور واجب کی ادائیگی سے فلاح حاصل ہو جائے گی تو ان کے ساتھ مستحبات ادا کرنے سے بہ طریقہ اولیٰ فلاح حاصل ہوگی۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ اس شخص نے یہ کیوں کہا کہ میں ان عبادات پر کوئی اضافہ نہیں کروں گا، حالانکہ اس حدیث میں تمام واجبات کا ذکر ہے نہ تمام منہیات کا مستحبات اس کا جواب یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں زیادہ وضاحت ہے، اس میں مذکور ہے اس شخص نے کہا: بہ خدا اللہ تعالیٰ نے مجھ پر جو کچھ فرض کیا ہے اس میں میں کوئی اضافہ کروں گا نہ کمی، باقی رہے نوافل تو ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث نوافل کی مشروعیت سے پہلے کی ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرض میں اضافہ کرنے سے اس کی مراد یہ ہے ہو مثلاً وہ ظہر کے فرض چار رکعت ہی پڑھے گا، پانچ رکعت نہیں پڑھے گا، یا اس کی مراد یہ ہو کہ وہ دن رات میں پانچ فرض نمازیں پڑھے گا، چھ فرض نہیں پڑھے گا، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص صرف فرائض اور واجبات ادا کرے گا اور سنن اور نوافل اور مستحبات کو

ترک کردے، تب بھی اس کو نفس فلاح اور نجات حاصل ہو جائے گی، اگرچہ فلاح کامل کے لیے سنن اور نوافل کو ادا کرنا بھی ضروری ہے، بعض روایات میں حج کا ذکر نہیں ہے، بعض میں روزے کا اور بعض میں صلہ رحمی کا، اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض راویوں سے بعض چیزوں کا ذکر چھوٹ گیا، ورنہ رسول اللہ ﷺ نے تمام فرائض اور واجبات فرما دیے تھے۔(۱)(۲)

تہجد کی فرضیت کے منسوخ ہونے کا بیان:

اس حدیث سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ نماز اسلام کا رکن ہے اور جیسا کہ دیگر احادیث میں بیان کیا گیا ہے، دن اور رات میں ہر مکلف پر پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں مکلف کی قید اس لیے ہے کہ حیض اور نفاس والی عورت حیض اور نفاس کی مدت میں نماز کی مکلف نہیں ہے اور باقی احکام شرعیہ کی مکلف ہے، نیز اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ امت کے حق میں تہجد کی نماز کی فرضیت منسوخ ہو چکی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں تہجد کی نماز کی فرضیت کے منسوخ ہونے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کا صحیح قول یہ ہے کہ آپ کے حق میں تہجد کی نماز کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔(۳)

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

علامہ نووی کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ اس حدیث سے وتر کے وجوب کی نفی ہوتی ہے، اس حدیث میں فرائض نمازوں کا ذکر ہے اور اس شخص نے یہ کہا کہ میں فرض نمازوں پر زیادتی یا کمی نہیں کروں گا، سو اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وتر کی نماز فرض نہیں ہے، اس سے وتر کے وجوب کی نفی نہیں ہوتی، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر کی نماز فرض نہیں واجب ہے اور وتر کے وجوب کی یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ نے وتر فوت ہو جانے کی صورت میں اس کی قضا کرنے کا حکم دیا ہے اور قضا واجب کی ہوتی ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

"عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ من نام عن الوتر اونسیه فلیصل اذا ذکر و اذا استیقظ "۔(۴)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وتر کی نماز پڑھے بغیر سو گیا یا اس کو بھول گیا تو اس کو وتر کی نماز جب یاد آئے یا بیدار ہو تو وہ اس کو پڑھ لے۔

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن عبدالله ابن زید ان النبی ﷺ قال من نام عن وتره فلیصل اذا اصبح ۔(۵)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص وتر کی نماز پڑھے بغیر سو جائے تو جب صبح ہو تو وتر پڑھ لے۔(۶)

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰ ۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۳۲-۳۳۳ ۳۔ شرح مسلم، ج ۱، ص ۰

۴۔ جامع ترمذی، ص ۹۳ ۵۔ جامع ترمذی، ص ۹۳ ۶۔ ایضاً، ص ۳۳۴-۳۳۵

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

مذکورہ بالا دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال حسب ذیل ہے:

رات دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔

☆ سوال کرنے والے شخص کا نام ضمام بن ثعلبہ تھا، یہ ۵ ھ میں مسلمان ہوا۔

☆ اس شخص کا سوال چونکہ فرائض سے متعلق تھا، اس لیے آپ ﷺ نے عقائد کا ذکر نہیں فرمایا، بلکہ صرف فرض نمازوں کا ذکر فرمادیا۔

☆ سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے حج کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا، کیونکہ ابھی حج فرض نہیں ہوا تھا

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ ارکان اسلام میں سے ہیں۔

☆ اس حدیث مبارکہ میں نفل کا انکار نہیں ہے، بلکہ فرض نفس فرض میں کمی یا زیادتی مراد ہے، جیسے دو کی بجائے تین رکعت پڑھنا، یا چار کی بجائے پانچ رکعت پڑھنا۔

☆ جنتی ہونے کے لیے واجبات پر عمل اور تمام محرمات و مکروہات سے اجتناب بھی لازمی ہے

☆ فقہاء احناف کے نزدیک نفلی عبادت یا روزہ کو شروع کرنے کے بعد پورا کرنا واجب ہے، اگر درمیان میں توڑا، تو قضاء واجب ہے۔

☆ امت محمدیہ کے حق میں تہجد کی نماز کی فرضیت ساقط ہو چکی ہے۔

☆ آپ ﷺ پر تہجد کی نماز فرض تھی یا نہیں، اس بارے میں اختلاف ہے، البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ ﷺ سے بھی تہجد کی نماز کی فرضیت ساقط ہو چکی تھی۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ وتر کی نماز فرض نہیں ہے۔

☆ فقہاء احناف کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے وتر کی قضاء کا حکم دیا ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے وتر کو واجب بھی قرار دیا ہے۔

☆ عیدین کی نماز فرض نہیں ہے، بلکہ واجب ہے،

☆ دور دراز علاقوں سے سفر کر کے علم حاصل کرنا مستحب امر ہے، جیسا کہ یہ شخص نجد سے سفر کر کے مدینہ منورہ حاضر ہوا۔

☆ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانا جائز ہے، اگر چہ اس کی ضرورت نہ ہو، کیونکہ آپ ﷺ نے اس شخص کو منع نہیں فرمایا۔

بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ　　　باب ۵: پانچ نمازوں کی ادائیگی پر بیعت کرنا

نماز کی مشروعیت کلمہ کے بعد اسلام کی سب سے اہم اور عظیم حکمت ہے، اس کے بہت سارے دینی اور معاشرتی فوائد ہیں۔ نماز کے ذریعہ سے انسان کا اپنے رب سے تعلق قائم ہوتا ہے، مسلمان اللہ تعالیٰ سے امن وسکون اور اس کے دامن میں لذت حاصل کرنے کی التجا کرتا ہے، اپنے تمام کاموں کو اس کے سپرد کرتا ہے، اسی طرح معاشرتی طور پر نماز سے جماعت اور اجتماعیت کے احساس کو تقویت ملتی ہے، اس سے مساوات اور برابری کا اظہار ہوتا ہے، اس سے آقا اور غلام اور امیر اور غریب، حکمران اور عوام کا فرض مٹ جاتا ہے، اور مسلمان ایک جسم کی مانند نظر آتے ہیں، اسی طرح اطاعت امیر کا جذبہ جماعت کی صورت میں اجاگر ہوتا ہے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر مسلمان سے نماز پنجگانہ قائم کرنے پر باقاعدہ بیعت لیتے تھے، اس باب میں اسی امر کا بیان ہے اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں رات دن کی نمازوں کی تعداد کا بیان تھا، اور اس باب میں ان پانچ فرض نمازوں پر بیعت لینے کا بیان ہے۔

۴۵۹۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَنْصُورٍ، حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي إِدْرِيسَ الْخَوْلَانِيِّ، عَنْ أَبِي مُسْلِمٍ الْخَوْلَانِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَبِيبُ الْأَمِينُ عَوْفُ بْنُ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيُّ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَلَا تُبَايِعُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ - فَرَدَّدَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ -فَقَدَّمْنَا أَيْدِينَا فَبَايَعْنَاهُ فَقُلْنَا :يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ بَايَعْنَاكَ فَعَلَامَ؟ قَالَ :عَلَى أَنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، وَأَسَرَّ كَلِمَةً خَفِيَّةً أَنْ لَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت نہیں کرتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین دفعہ دہرایا پس ہم نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ کی بیعت کر چکے، مگر یہ بیعت کیسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بات پر کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراو گے، اور پانچ نمازیں پڑھو گے، پھر آہستہ سے فرمایا: تم کسی سے سوال نہ کرو گے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

تم پانچ نمازیں قائم کرو گے۔

یعنی حضور ﷺ نے جو بیعت لی وہ چار کاموں پر لی، اس میں سے ایک کام پانچ نمازیں پڑھنا تھا۔

۲۔اطراف:

مسلم:۳۰۴۳ ۱۰، ابوداؤد:۱۶۴۲، ابن ماجہ:۲۸۶۷ ، احمد ۲۴۰۴۸، السنن الکبریٰ:۳۲۰، تحفۃ الاشراف:۱۰۹۱۹

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت ابومسہر اور حضرت ابومسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات سپردِ قلم کیے جارہے ہیں:

۱۔عمرو بن منصور:　راجع:۱۴۷

۲۔ابومسہر:

نام ونسب:

نام عبدالاعلی ابومسہر کنیت، اور لقب ابن ابی دارمہ تھا۔(۱) نسب نامہ یہ ہے عبدالاعلیٰ بن مسہر بن عبدالاعلیٰ بن مسلم، اصل نام کی بجائے کنیت ہی کو زیادہ شہرت حاصل تھی۔اسی لیے ابن سعد اور بعض دوسرے اہل طبقات ان کا تذکرہ ان ائمہ کے ساتھ کرتے ہیں، جو اپنی کنیتوں سے معروف آفاق ہوئے، مشہور قبیلہ ازد کی ایک بڑی شاخ غسان سے تعلق رکھنے کے باعث غسانی کہلائے۔ (۲)

ولادت اور وطن:

باتفاق روایت ان کی ولادت ۱۴۰ ہجری میں بمقام دمشق ہوئی۔(۳)

فضل وکمال:

امام ابومسہر رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے منتخب علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔مختلف علوم وفنون کی جامعیت اور مہارت میں ان کی نظیر اتباع تابعین میں شاذ ونادر ہی ملتی ہے حدیث وفقہ علم رجال وانساب اور فن مغازی میں اس وقت شام میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا، تثبت واتقان، فصاحت وبلاغت اور عدالت میں بھی نہایت بلند پایہ رکھتے تھے ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مارایت ممن کتبناء عنه افصح من ابی مسهر ۔(۴)

''میں نے اپنے شیوخ میں ابومسہر سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا''۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱،ص۳۴۹　　۲۔ اللباب فی تہذیب الانساب، ج۲،ص۱۷۲

۳۔ تہذیب التہذیب، ج۲،ص۱۰۰　　۴۔ خلاصہ تہذیب،ص۲۲۱

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

کان اعلم الناس بالمغازی وایام الناس (۱) ''وہ مغازی اور تاریخ کے بہت بڑے عالم تھے۔''

ابن حماد حنبلی ان کو عالم اھل الشام کا خطاب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کان علامة بالمغازی والاثر کثیر العلم رفیع الذکر ۔(۲)

وہ فن مغازی اور حدیث کے زبردست عالم جلیل المرتبت انسان تھے۔

حافظ ذہبی ''شیخ اھل الشام و عالمهم'' کے الفاظ سے ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرتے ہیں۔(۳)

شیوخ وتلازمہ:

انہوں نے جن نامور ائمہ سے حدیث کی روایت ہے اور دوسرے علوم کی تحصیل کی ان میں سے کچھ یہ ہیں:

حضرت امام مالک بن انس، اسماعیل بن عیاش، سفیان بن عیینہ، سعید بن عبدالعزیز، صدقہ بن خالد، یحییٰ بن حمزہ الحضرمی، محمد بن حرب، ہقل بن زیاد، خالد بن یزید، محمد بن مسلم الطائفی رحمہم اللہ ان کے شاگردوں کی فہرست بھی طویل ہے، چند ممتاز نام حسب ذیل ہیں۔

امام بخاری، محمد بن یحییٰ الذہلی، احمد بن صالح، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابو حاتم ابوزرعہ، محمد بن اسحاق الصغانی، محمد بن الولید الدمشقی، محمد بن الحسین، المغانی، عمرو بن منصور النسائی، عباس بن الولید الخلال، مروان بن محمد الطاطری، سلیمان بن عبدالرحمن دمشقی، احمد بن ابی الحواری رحمہم اللہ (۴)

مرویات کا پایہ:

حفاظ حدیث کی طویل فہرست میں ایسے خوش نصیب خال خال ہی ملتے ہیں جو ماہرین جرح وتعدیل کی گرفت سے محفوظ رہے ہوں۔ امام ابومسہر کا شمار ایسے ہی خوش قسمتوں میں ہے، ان کی ثقاہت وعدالت، حفظ وضبط اور تثبت واتقان پر اتفاق ہے، امام احمد جنہیں ابومسہر رحمۃ اللہ علیہ سے سعادت تلمذ بھی حاصل ہے، فرماتے ہیں:

''رحم الله ابا مسهر ما کان اثبة''(۵)

''خدا ابومسہر پر رحم فرمائے وہ بڑے مثبت تھے۔''

ابوداؤد کا بیان ہے:

''کان ابا مسهر من ثقات الناس''

۱۔ اللباب فی تہذیب الانساب، ج۲، ص۲۷۱ ۲۔ شذرات الذہب، ج۲، ص۱۴۴

۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۳۴۹ ۴۔ تہذیب التہذیب، ج۲، ص۹۸۔۹۹

۵۔ خلاصہ تہذیب، ص۲۲۱

''ابومسہر ثقہ لوگوں میں تھے۔''

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ شہادت دیتے ہیں:

''کان امام اهل الشام فی الحفظ والا تقان''۔

''امام ابومسہر حفظ اتقان میں اہل شام کے امام تھے۔''

جلیل المرتبت تبع تابعی یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''کان من الحفاظ المتقنین واهل الورع فی الدین''۔(۱)

''وہ حافظ متقنین اور اہل زہد وورع لوگوں میں تھے۔

خلیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''ثقة حافظ امام متفق علیه'':

''وہ متفقہ طور پر حافظ اور ثقہ امام تھے۔''

علاوہ ازیں ابو حاتم، عجلی، ابوزر، مروان بن محمد، حبان، ابن وضاح اور حاکم جیسے بحر حدیث کے شناوران کی ثقاہت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔

اعتراف علماء:

امام ابومسہر کے تبحر وجلالت علم کا اعتراف اہل علم ودانش معاصرین کی ایک بڑی جماعت نے کیا ہے۔ چنانچہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''منذخرجت من بغداد الی ان رجعت لم ارمثل ابی مسهر''۔(۲)

''میں نے بغداد اور اس کے باہر کسی کو ابومسہر کا ثانی نہیں دیکھا۔''

ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مارایت احدافی کو رة من الکور اعظم قدر ا لا اجل عند اهل العلم من ابی مسهر بد مشق اذا خرج اصطف الناس یقبلون یده''۔(۳)

''میں نے اطراف ملک میں کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو دمشق کے اہل علم کے نزدیک ابومسہر سے زیادہ جلالت مرتبت اور بلندی شان رکھتا ہو، وہ جب نکلتے تو لوگ ان کی دست بوسی کے لیے دورویہ قطار بنا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۹۹۔۱۰۱ ۲۔ شذرات، ج ۲، ص ۱۴۴ ۳۔ شذرات، ج ۲، ص ۱۴۴

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ معترف ہیں:

''کان عندکم ثلاثة اصحاب حدیث مروان والولید وابو مسهر''

''تمہارے پاس تین محدث ہیں، مروان، ولید، اور ابومسہر۔''

محمد بن عثمان التنوخی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

''مابالشام مثل ابی مسهر کان من احفظ الناس''

''شام میں ابومسہر کی نظیر نہ تھی، وہ لوگوں میں سب سے بڑے حافظ تھے۔''

ابن حبان حفظ واتقان میں انہیں امام اہل الشام قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

کان ممن عنی بالنساب اهل بلده وابنائهم والیه کان یرجع اهل الشام فی الجرح والعدالة شیوخهم۔ (۱)

''وہ اہل شام کے انساب کے سب سے بڑے واقف کار تھے اور شام کے علماء جرح وتعدیل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔''

فتنہ خلق قرآن:

اگر چہ حاکم بغداد مامون الرشید کے درباری اور اہل منصب معتزلہ نے اپنے اثر ورسوخ کی بناء پر عقیدہ خلق قرآن کا اعلان خلیفہ سے ۲۱۲ ہجری ہی میں کرادیا تھا، لیکن اس فتنہ کو عروج ۲۱۸ ہجری میں حاصل ہوا، جب اپنی عمر کے آخری سال میں مامون نے یہ طے کرلیا کہ حکومت کے جبر وقہر سے کام لے کر لوگوں سے خلق قرآن کے عقیدہ کا اقرار کرایا جائے۔

چنانچہ اس نے سنہ مذکورہ میں پہلی بار رقہ سے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم کے نام ایک فرمان بھیجا کہ خلق قرآن کے مسئلہ میں محدثین اور فقہاء پر سختی کرنے میں تامل نہ کرو اور ان سے قرآن کے مخلوق ہونے کا فوراً اقرار لو۔

چنانچہ اس فرمان کے مطابق اسحاق نے تمام محدثین وقضاۃ کو اپنے دربار میں بلایا، اس جماعت میں حضرت ابوحسان زیادی، بشری بن ولید، علی بن مقاتل، فضل بن غانم، احمد بن حنبل، سجادہ، قواریری، محمد بن نوح، ابن علیہ، علی بن عاصم رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ چودہ دوسرے جلیل القدر علماء شامل تھے، نائب حاکم بغداد نے ان سب کا امتحان لیا، پہلی بار سب نے قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا اقرار کیا، لیکن جب اسحاق نے زجر وتوبیخ کی اور مامون کی طرف سے سخت ترین سزا دینے کی دھمکی دی تو تقریباً سب نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے اس باطل عقیدہ کا اقرار کیا۔ (۲)

ابومسہر کی آزمائش:

لیکن اللہ نے جن لوگوں کو ثبات قلب کی نعمت عطا کی تھی وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہے، ان میں امام احمد بن حنبل نے جو

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۶، ص ۹۹۔۱۰۰　　۲۔ البدایہ النہایہ، ج ۱۰، ص ۲۷۵

رتبہ عالیہ حاصل کیا اس کی نظیر سے پوری اسلامی تاریخ خالی ہے۔

یہ رتبہ بلند ملا جسے مل گیا

ہر بوالہوس کے واسطے دار و رسن کہاں

اسی طرح ابو مسہر رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی دعوت و عزیمت کی تاریخ میں روشن رہے گا۔

علامہ ابن سعد نے ان کے ابتلاء کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

''جب بغداد کے نائب حاکم اسحاق بن ابراہیم نے عقیدہ خلق قرآن کے منکر علماء کو پابجولاں مامون الرشید کے پاس رقہ بھیجا (جہاں اس وقت وہ مقیم تھا۔) تو امام مسہر رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی طرح روانہ کیا، خلیفہ نے ان سے اس بحث کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: ھو کلام اللہ غیر مخلوق۔ مامون نے یہ استقامت دیکھ کر تلوار اور چرمی کوڑا طلب کیا تاکہ امام صاحب کی تعذیب کے بعد ان کا سر قلم کر دے۔ اس حالت میں اقرار کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا، لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کیا کہ قتل کے خوف سے اس عقیدہ کا اظہار کر رہا ہوں۔ اس کے خلیفہ نے ان کو عمر قید کی سزا کا حکم دیا اور ربیع الاخر ۲۱۸ ہجری میں انہیں رقہ سے بغداد لا کر جیل میں ڈال دیا گیا۔

اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بھی اہم ہے، انہوں نے ابو داؤد کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ابو مسہر رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار آخر تک نہیں کیا اور ان کی استقامت کو دیکھ کر انہیں قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔ (۱)

وفات:

عمر قید کی سزا کو دو ہی ماہ گزرے تھے کہ یکم رجب ۲۱۸ ہجری کو ۷۹ سال کی عمر میں طاہر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب ان کے جسد خاکی کی تدفین کے لئے زندان سے نکالا گیا تو جنازہ میں شرکت کے لیے بغداد کی ایک خلقت ٹوٹ پڑی۔ ہر طرف صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ (۲)(۳)

۳۔ **سعید بن عبد العزیز:** راجع: ۴۴۹ ۴۔ **ربیعہ بن یزید:** رجع: ۱۴۸

۵۔ **ابو ادریس: الخولانی:** ایضا

۶۔ **ابو مسلم الخولانی:**

آپ کا نام ابو مسلم عبد اللہ بن ثوب خولانی شامی (م: ۶۱ھ) ہے آپ کی ولدیت میں شدید اختلاف ہے، بعض نے ابن

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۶ ص ۱۰۰ ۱۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۱۷۴ ۲۔ سیر الصحابہ، ج ۹، ص ۱۷۳۔۱۷۷

اثوب، ابن عوف اور ابن مشکم ذکر کیا ہے، اسی طرح بعض نے آپ کا نام یعقوب بن عوف شامی لکھا ہے، آپ رواۃ کے طبقہ ثانیہ سے ثقہ، عابد، زاہد تابعی راوی ہیں، آپ حضور ﷺ کی زیارت کے لیے عازم سفر ہوئے لیکن آپ راستے میں ہی تھے کہ آقا کریم ﷺ کا وصال مبارک ہوگا۔ اس لیے حضرت ابو مسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ علامہ ابن سعد الطبقات الکبریٰ میں حضرت شرجیل بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں: حضرت اسود بن قیس رضی اللہ عنہ یمن کے عامل مقرر ہوئے، تو انہوں نے ایک شخص کو ابو مسلم خولانی کی طرف بھیجا، اس شخص نے جا کر کہا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا بھیجا ہوا ہوں، انہوں نے جواب دیا: میں نے نہیں سنا، اس شخص نے دوبارہ کہا: کہ تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ ابو مسلم خولانی نے کہا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ راوی کہتے ہیں، پھر انہوں نے دوبارہ انکار کر دیا، اس پر حضرت اسود بن قیس رضی اللہ عنہ نے آگ بھڑکانے کا حکم دیا، جب آگ خوب بھڑک گئی تو ابو مسلم خولانی کو اس میں ڈال دیا، لیکن آگ نے حضرت ابو مسلم خولانی کو کچھ نقصان نہ دیا، اس پر حضرت اسود بن قیس رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ منورہ جانے کا حکم دیا، وہ مدینہ منورہ پہنچے تو آقا کریم ﷺ کا وصال ہو چکا تھا، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول مقرر ہو چکے تھے ان کے بارے میں ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ قول ہے، جو انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کہا: تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں، جس نے ہمیں موت نہیں دی، یہاں تک کہ ہم نے امتِ محمدیہ ﷺ میں سے ایسے شخص کی زیارت کی، جس کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آیا، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔ (یعنی آگ میں وہ بھی محفوظ رہے، اور ابو مسلم خولانی بھی محفوظ رہے) اسی طرح آپ کی اور بھی بہت ساری کرامات مشہور ہیں آپ کی ثقاہت پر اہل علم متفق ہیں، امام مسلم اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

۷۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ: راجع: ۶۲

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ بیاسی ویں (۸۲) حدیث مبارکہ ہے

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۵۶۔ ۳۵۷ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۴۴۸

☆ سند کے پہلے راوی نسائی اور باقی سارے شامی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی (ربیعہ، ابوادریس، ابومسلم) راوی ہیں۔

☆ شیخ عمرو بن منصور نسائی سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں، باقی آئمہ صحاح ستہ روایت نہیں کرتے ہیں۔

☆ شیخ ابومسہر اور ابومسلم سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور آپ نے ۷۳ھ دمشق میں وفات پائی۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار اور حدثنا دو دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

كنا عند رسول الله: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

الا تبايعون: کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟

رددها ثلاث مرات: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ دہرایا۔

قدمنا ايدينا: ہم نے اپنے ہاتھ بڑھائے۔

بايعناه: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

فعلام: یہ کس چیز کی بیعت ہے۔

ان تعبدوا الله: تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

لا تشركوا: تم شرک نہ کرو

الصلوات الخمس: پانچ نمازیں

اسر كلمة خفية: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے فرمایا۔

لا تسالوا الناس: تم لوگوں سے سوال نہ کرنا۔

۷۔مسائل ونصائح:

حدیث مذکور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار امور بیان فرمائے ہیں:

۱۔ توحید ۲۔ شرک ۳۔ نماز ۴۔ سوال نہ کرنا

ان چاروں امور کے بارے میں آئمہ اسلام کی تشریحات حسب ذیل ہیں:

۱۔ توحید اور اس کے مراتب:

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نیکی اور اقسام نیکی میں اصل الاصول اور نہایت عمدہ حصہ توحید ہے پروردگار عالم کی حضوری میں نیاز وانکسار کا حاصل ہونا اس کی توحید پر منحصر ہے اور یہ نیاز ہی سعادت جاذب اخلاق میں ایک بڑی چیز ہے یہ تدبیر علمی کی بنیاد ہے جو ان دونوں تدابیر مذکور میں زیادہ مفید ہے اسی کی وجہ سے آدمی کو غیب کی جانب کامل توجہ ہوتی ہے نہایت مقدس طریقے سے نفس میں غیب کے اتصال کی اسی وجہ سے استعداد حاصل ہوتی ہے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عظمت پر تنبیہ کی ہے اور اس کو تمام اقسام نیکی میں بمنزل دل کے قرار دیا ہے اگر وہ درست ہے تو سب نیکیاں درست ہیں اگر وہ فاسد ہے تو سب نیکیاں فاسد ہین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میرے اور اللہ کے ساتھ کسی کو کسی امر میں شریک نہ کرتا ہو وہ بے شک جنت میں داخل ہو گا یا فرمایا ہے کہ اس پر دوزخ کی آگ حرام یا وہ جنت سے نہ روکا جائے گا اور ایسے عبادتیں وارد ہوئی ہیں اور اللہ کی جانب سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھ سے ملے اور روئے زمین کے برابر اس کی خطائیں ہوں لیکن کسی امر میں اللہ کا شریک کسی کو نہ کرتا ہو تو میں اتنی ہی اس کی مغفرت کروں گا۔

معلوم کرنا چاہیے کہ کہ توحید کے چار مرتبے ہیں:

۱۔　صرف اللہ تعالیٰ میں صفت وجوب وجود کی ثابت کرنا کوئی دوسرا بجز اس کے واجب نہ ہو۔

۲۔　صرف اس کی ذات کو عرش و کرسی آسمان و زمین اور تمام جوہروں کا خالق جاننا۔ کتب الٰہیہ نے ان دونوں مرتبوں سے کچھ بحث نہیں کی ہے مشرکین عرب اور یہودی ونصاریٰ نے بھی اس توحید کی مخالفت نہیں کی قرآن عظیم میں صاف مذکور ہے کہ یہ دونوں مقدمات ان سب کو مسلم تھے۔

۳۔　تیسرے آسمان وزمین اور تمام ان چیزوں کا جو دونوں کے درمیان میں ہیں مدبر صرف ذات خداوند کو سمجھنا۔

۴۔　بجز اللہ کے کوئی اور عبادت کا مستحق نہیں ہے ان دونوں حصوں میں قدرتی تعلق وربط ہے اس لیے ایک دوسرے کو لازم ہے اور انہیں میں فرقوں نے اختلاف بھی کیا ہے مخالفین میں تین فرقے بڑے ہیں۔

۱۔　نجومی ان کا مذہب ہے کہ ستارے پرستش کے مستحق ہیں ان کی پرستش سے دنیاوی منفعت حاصل ہوتی ہے اپنی حاجتوں کو ان کے سامنے پیش کرنا بجا ہے وہ قائل ہیں کہ ہم کو خوب ثابت ہو گیا کہ روزانہ حوادث میں ستاروں کا بڑا اثر ہے ان کو آدمی کی خوش نصیبی اور سیہ بختی تندرستی اور مرض میں بڑا دخل ہے ستاروں کے نفوس مجردہ اور ملاء عاقلہ ہیں ان کو ان حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں وہ اپنے پجاریوں سے بے خبر ہیں اس لیے نجومیوں نے ستاروں کے نام پر مورتیں بنالی ہیں انہیں کو وہ پوجتے ہیں۔ اور مشرکوں کا وہ فرقہ

مسلمانوں کے ساتھ اس امر میں تو موافق ہے کہ بڑے بڑے امور کی تدبیر اور قطعی حکم کرنے کا منصب تو اللہ ہی کو ہے اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا لیکن وہ باقی امور میں مسلمانوں کے موافق نہیں ہیں ان کا مذہب ہے کہ پہلے صلحاء نے جو اللہ کی خوب عبادت کی ہے اس سے وہ بارگاہ الٰہی میں مقرب ہو گئے ہیں اللہ نے الوہیت کا مرتبہ ان کو عطا کر دیا ہے اس واسطے وہ بہ نسبت اور مخلوقات کے پرستش کے مستحق ہو گئے ہیں جیسے کہ کوئی شخص کسی شہنشاہ کی نہایت خدمت کرتا ہے تب شہنشاہ اس کو ملکی خلعت عطا کر کے کسی شہر کی حکومت اور انتظام اس کے متعلق کر دیتا ہے اس لیے وہ مستحق ہو جاتا ہے کہ اس شہر کے لوگ اس کی خدمت اور اطاعت کریں۔ مشرکین کا قول ہے کہ بغیر اس کی پرستش شامل کیے عبادت مقبول نہیں ہوتی بلکہ اللہ کا رتبہ نہایت بلند ہے اس کی عبادت سے تقرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا البتہ ان لوگوں کی پرستش ضرور ہے تا کہ یہ قرب الٰہی کے لیے ذریعہ بن جائیں۔ مشرکین یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ سنتے ہیں دیکھتے ہیں اپنے پجاریوں کی شفاعت کرتے ہیں ان کے امور کا سازوسامان کرتے ہیں ان کے معاون رہتے ہیں اسی لیے مشرکین نے ان کے نام کے پتھر تراش لیے ہیں جب وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان پتھروں کو اپنی توجہ کا قبلہ کرتے ہیں۔ ان مشرکین کے بعد اور لوگ پیدا ہوئے ہیں انہوں نے ان پتھروں میں اور ان لوگوں میں جن کے لیے یہ پتھر تراش کیے گئے کوئی فرق نہیں کیا اور خود انہیں پتھروں کو اصل معبود قرار دے دیا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے رد میں تنبیہ فرمائی کہ حکومت اور قدرت صرف اللہ ہی کا خاصہ ہے اور کبھی بیان فرمایا کہ یہ محض جمادات ہیں:

الھم ارجل یمشون بھا ام لھم اید یبطشون بھا ام لھم اعین یبصرون بھا ام لھم اذان یسمعون بھا۔ (کیا ان کے پاؤں ہیں جن کے بل وہ چلتے ہیں یا ہاتھ ہیں جن سے وہ کچھ پکڑ سکتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکیں یا کان ہیں جن سے سن سکیں) اور فرقہ نصاریٰ کا مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند سے نہایت قرب ہے۔ اور تمام مخلوق سے ان کا رتبہ زیادہ ہے اس لیے مناسب نہیں ہے کہ ہم ان کو بندہ کہیں یہ ان کی شان میں سوء ادبی ہے اور اس قرب کا لحاظ ترک کر دینا ہے جو ان کو اللہ سے حاصل ہے اس لیے بعض نصاریٰ اس خصوصیت کے اظہار کے لیے ان کا نام ابن اللہ رکھتے ہیں چونکہ باپ بیٹے پر مہربانی کرتا ہے اور اپنی نظر کے سامنے اس کی تربیت کیا کرتا ہے اس کا درجہ غلام سے زیادہ ہوا کرتا ہے اس واسطے یہ ہی نام مناسب ہے۔ اور بعض نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام اللہ ہی رکھ دیا ہے اس خیال سے کہ اللہ نے ان میں حلول کیا ہے اس لیے ان سے ایسے ایسے آثار صادر ہوئے کہ آدمیوں سے وہ صادر نہیں ہوا کرتے مردوں کو انہوں نے زندہ کیا پرندوں کو پیدا کیا اس لیے حضرت کا کلام بعینہ کلام الٰہی ہے اور ان کی عبادت بالکل اللہ کی عبادت ہے اور نصاریٰ جب بعد کو پیدا ہوئے تو اس نام رکھنے کی وجہ کو انہوں نے کچھ نہ سمجھا اور وہ بیٹے کے لفظ سے حقیقی ہی معنی کے بیٹے سمجھے یا ان کو من جمیع الوجود واجب خیال کیا اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے کبھی ان کے اقوال کو اس طرح رد کیا کہ اللہ کے پاس بیوی نہیں اور کبھی اس طرح تردید فرمائی کہ اللہ بدیع

السموات والارض انما امرہ اذا ارادشیئا ان یقول لہ کن فیکون ۔ (اللہ آسمان اور زمین کا ازسرنو پیدا کرنے والا ہے اس کی شان ہے کہ جب وہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہو جاؤ وہ فوراً ہو جاتی ہے) ان تینوں فرقوں کے بڑے لمبے چوڑے دعوے ہیں ان میں بکثرت خرافات اور بے ہودہ پن بھرا ہوا ہے متلاشی پر وہ مخفی نہیں ہے قرآن عظیم نے ان دونوں مرتبوں کو خوب بیان کیا ہے اور کافروں کے شبہات کا بالاستیعاب رد کیا ہے۔(۱)

۲۔ حقیقتِ شرک اور اقسام شرک:

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

معلوم کرنا چاہیے کہ عبادت کے معنی ہیں نہایت درجہ کی عاجزی جب کسی سے ایسے نہایت درجہ کی ذلت اور عاجزی ظاہر ہوگی تو اس کی دو صورتیں ہیں یا صوری مثلاً ایک شخص کا کھڑا ہونا ایک کا سجدہ کرنا یا قصد اور نیت سے ہوتی ہے مثلاً سجدہ سے بندوں کی اپنے مولیٰ کے لیے تعظیم کرنا اور قیام سے رعیت کی بادشاہوں کے لیے یا شاگردوں کی استاد کے لیے تعظیم کرنا اور کوئی تیسری صورت تعظیم کی نہیں ہے اور جب ثابت ہو چکا ہے کہ سجدہ سے فرشتوں نے حضرت آدم علیہ علیہ السلام کے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تعظیم کی تھی حالانکہ سجدہ سے زیادہ اور کوئی تعظیم نہیں ہے تو ضرور ہوا کہ نیت سے ہی فرق کیا جائے لیکن ابھی تک پوری تنقیح نہیں ہوئی ہے کہ مولا کے لفظ کے کئی معنی مستعمل ہوتے ہیں اور یہاں اس سے مراد معبود کی ذات ہے تو وہ گویا عبادت کی تعریف میں ماخوذ ہے پس اس کے متعلق یوں تنقیح کی جائے گی کہ ذلت وخواری کا اقتضائے ذلیل میں ناتوانی اور ضعف کا لحاظ کرنا اور دوسری میں قوت اور غلبہ کا خیال کرنا ذلیل کی حالت میں ذلت اور پستی اور دوسری میں شرف اور رفعیت کو ملحوظ رکھنا اور آدمی جب مخلی بالطبع ہو جائے تو اس کو معلوم ہوگا کہ وہ قوتِ شرف مسخر کرنے وغیرہ امور کے لیے دو قسم پر اثر انداز کرتا ہے ایک اپنی ذات کے لیے اور اس کے لیے جو ذاتی امور میں اس سے ملتا جلتا ہو اور ایک اور ذات کے لیے جو حدوث و امکان کے داغ سے بالکل پاک ہے دوسرے ان لوگوں کے لیے جن میں ایسی پلید ترین ذات کی بعض خصوصیتیں منتقل ہو آئی ہیں مثلاً وہ امور غیبیہ کے معلوم کرنے کے لیے دو درجے قرار دیتا ہے ایک وہ درجہ جو غور وفکر یا مقدمات کے ترتیب دینے یا بقوت حدث یا خواب یا ان چیزوں سے الہام کو اخذ کرنا جن کے مخالف اپنے آپ کو بالکلیہ نہیں پاتا ہے دوسرے ذاتی علم جو عالم کی ذات کا ہے مقتضا ہو دوسرے سے وہ اس کو حاصل نہ کرے اور تحصیل کی محنت کا بار نہ برداشت کرے ایسے ہی تاثیر تدبیر تسخیر کے لیے کوئی سالفظ ہو دو درجے سمجھتا ہے ایک تو اعضاء اور قوا کا استعمال کرنا مزاجی کیفیات حرارت برودت وغیرہ سے اعانت لینا یا اور امور جن کی استعداد قریب یا بعید اس میں موجود ہے دوسری تاثیر کا درجہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ بغیر کسی کیفیت جمانے اور بغیر کسی امر کے استعمال

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۱۰۔۱۱۱

کیے کسی شئے کو پیدا کر دینا جس کو اللہ فرماتا ہے۔
"إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئاً أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونِ" ۔(۱) (جب وہ کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے) اور ایسے ہی وہ عزت اور شرف کے دو درجے قرار دیتا ہے ایک ایسی عظمت جیسے کہ بادشاہ کی رعیت کے مقابلے میں ہوتی ہے جس کی انتہا معاونین کی کثرت انعامات داد و دہش کا زیادہ ہونا ہے جیسے کسی بڑے توانا اور استاد کی عظمت دوسرے ضعیف القوی اور شاگرد کے مقابلے میں ہوتی ہے اور دوسرا درجہ عظمت کا وہ ہے کہ وہ صرف اس میں ہو جس کی رفعت و شان نہایت اعلیٰ درجے کی ہو اس راز کو مستعدی سے تلاش کرنا چاہیے تا کہ تجھ کو یقین ہو جائے کہ جو شخص اس کا معترف ہے کہ یہ تمام امکانی سلسلہ ذات واجبی پر ختم ہو جاتا ہے دوسرے کی پھر کوئی حاجت نہیں رہتی اس کو ان صفات قابل مدح کے دو درجہ قرار دینے پڑیں گے ایک وہ درجہ ذات خداوندی کے لائق ہو دوسرے جو اپنی حالت اور شان کے مناسب ہے۔

اور چونکہ الفاظ جو دونوں میں استعمال کیے جاتے ہیں باہم معنی کے لحاظ سے بہت قریب قریب ہوا کرتے ہیں اس لیے لوگ شرائع الہیہ کے لیے موقع معنی لگالیا کرتے ہیں اور اکثر بعض آدمیوں یا فرشتوں وغیرہ کے ایسے ایسے افعال آدمی کو معلوم ہوتے ہیں جن کا صادر ہونا ان کی ابنائے جنس سے مستبعد ہوا کرتا ہے اس لیے ان کی نظر میں حالت مشتبہ ہو جایا کرتی ہے اور ان کے لیے وہ قدسی مرتبہ اور الٰہی تاثیر ثابت کرتا ہے لوگ درجہ بلندی کی شناخت میں برابر نہیں ہوتے بعض لوگ ان انوار کی قوتوں کا احاطہ کر لیا کرتے ہیں جن کے اثر تمام موالید پر غالب اور محیط ہوتے ہیں لیکن یہ شخص ان طاقتور کو اپنی طاقت جیسے سمجھتے ہیں اور بعضوں کو ایسے احاطہ کی طاقت نہیں ہوا کرتی ہر انسان کو اس قدر تکلیف دی گئی ہے جتنی اس سے ممکن ہے اس حکایت کے معنی ہیں جس کو سراپا صداقت آنحضرت محمد ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ نے اس شخص کو نجات دی تھی جس نے اپنے اہل کو حکم دیا تھا کہ مجھ کو جلا دینا اور میرے خاکستر کو ہوا میں اڑا دینا اس کو خوف تھا کہ مبادا اللہ مجھ کو پھر زندہ کرے اور مجھ پر قابو پالے اس شخص کو یہ یقین تھا کہ اللہ میں کامل درجے کی قدرت ہے لیکن اس کو قدرت ان ہی چیزوں میں ہے جو کہ ممکن ہیں ممتنع چیزوں پر اس کو قدرت نہیں ہے وہ جانتا تھا کہ اس خاکستر کا جمع کرنا ناممکن ہے جو پراگندہ ہو کر اس کا نصف حصہ خشکی میں ہوا اور نصف دریا میں اس سے اللہ کی ذات میں نقص پیدا نہیں ہوا جتنا اس کا علم تھا اتنا ہی وہ ماخوذ ہوگا لیکن کافروں میں اس کا شمار نہ ہوگا تو تشبیہ اور ستاروں اور نیک بندوں کے ساتھ شرک کرنا جن سے خلاف عادت امور مانند مکاشفہ اور قبولیت دعا کے ظاہر ہوتے رہتے ہیں لوگوں میں موروثی ہو گیا ہے اور جو نبی اپنی قوم میں بھیجا جاتا ہے اس کو فرض ہے کہ لوگوں کو شرک کی حقیقت خوب سمجھا دے اور دونوں درجوں کی حقیقت ممیز کر کے مقدس درجہ کو صرف واجب تعالیٰ ہی میں مانے اگر چہ دونوں درجوں کے الفاظ قریب المعنی ہوں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طبیب

۱۔ یسین ۳۶:۸۲

سے فرمایا کہ تو صرف رفیق ہے اور طبیب حقیقت میں اللہ ہی ہے اور جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سردار صرف اللہ ہی ہے ان حدیثوں میں طبیب اور سردار کے خاص معنے لیے ہیں اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما اور ان کے حاملین دین کا زمانہ ختم ہو گیا ان کے بعد ایسے ناشد نے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا ورخواہشوں کی پیروی کی اور مستعمل اور مشتبہ الفاظ کے بے جا معنے بنا لیے جیسے کہ محبوبیت اور شفاعت کو اللہ نے تمام شریعتوں میں بندگان خاص کے لیے ثابت کیا ہے لیکن لوگ اس کے بجا معنے مراد نہیں لیتے اور ایسے ہی خلاف عادت اور مکاشفات سے وہ لوگ یہ مراد لیتے ہیں کہ علم الٰہی اور غلبہ الٰہی کی حالت میں اس شخص میں منتقل ہو آئی ہے جو ایسے ایسے کام کرتا ہے حالانکہ یہ امور ناسوتی یا روحانی طاقتوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں ایک خاص وجہ سے تدبیر الٰہی کے نازل ہونے کی استعداد آجاتی ہے ان امور کو ایجاد الٰہی اور ان امور سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا جو واجب تعالیٰ کے لیے خاص ہیں اس مرض میں لوگ کئی طرح سے گرفتار ہوتے ہیں بعضے اللہ کی بزرگی کو بالکل بھول جاتے ہیں اور صرف شرکاء کی ہی عبادت کرتے ہیں اپنی حاجتوں کو انہیں سے مانگتے ہیں اللہ کی طرف سے بالکل متوجہ نہیں ہوتے اگر چہ یقینی دلیل سے یقین کرتے ہیں کہ سلسلہ وجود اللہ پر ہی ختم ہوتا ہے اوبعض لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے کہ سردار اور مدبر تو اللہ ہی ہے لیکن وہ کبھی کبھی اپنے بندوں کو بزرگی اور معبوث کا خلعت پہنا دیتا ہے اور بعض خاص کاموں کا ان کو اختیار مل جاتا ہے۔ وہ ان کی سفارش کو قبول کرتا ہے جیسے کوئی شہنشاہ کسی حصہ ملکی پر کسی بادشاہ کو بھیجتا ہے۔

اور وہ بجز بڑے بڑے کاموں کے اس ملک کی پوری تدبیر اس کے سپرد کر دیتا ہے اس وجہ سے ایسے شخص کے حق میں ان لوگوں کو بندگان اللہ کہنے کی جرات نہیں ہوا کرتی کہ کہیں وہ اوروں کے برابر نہ ہو جائیں وہ بجائے اس نام کے ان کو ابن اللہ اور محبوب الٰہی کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا غلام سمجھتے ہیں وہ اپنا نام عبدالمسیح یا عبدالعزیٰ رکھتے ہیں عام یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کو یہ مرض ہوتا ہے اور فی زمانہ اسلام میں بھی بعض ایسے عالی منافق موجود ہیں اور چونکہ شریعت کی بنا اس پر ہوا کرتی ہے۔ کہ مشبہ چیز کو بجائے اصل کے قرار دیں۔ اس لیے وہ محسوس امور جن میں شرک کا گمان تھا کفر شمار کیے گئے ہیں جیسے بتوں کو سجدہ کرنا ان کے لیے قربانی کرنا ان کے نام پر حلف کرنا اور ایسے ہی اور امور اول اول مجھ پر یہ علم اس طرح منکشف ہوا کہ میرے سامنے ایسی ایک قوم پیش کی گئی جو ایک چھوٹی سی زہریلی مگس کے لیے سجدہ کرتی تھی، جو ہمیشہ اپنی دم اور ہاتھ اور پاؤں ہلاتی رہتی تھی تو میرے دل میں القا ہوا کہ کیا تو ان میں بھی شرک کی تاریکی پاتا ہے اور جیسی خطا اور بزہ کاری نے بت پرستوں کو گھیر لیا ہے ایسے ہی ان مگس پرستوں کو بھی گھیر لیا ہے میں نے کہا کہ ان لوگوں نے مکھی کو اپنا قبلہ قرار دیا ہے لیکن ذلت کے درجہ کو عزت کے درجہ سے نہیں ملایا ہے اس واسطے میں ان لوگوں میں شرک کی تاریکی نہیں پاتا مجھ سے کہا گیا کہ تجھے اصلی راز کی رہبری ہو گئی ہے اس روز سے میرا دل علم توحید سے لبریز ہو گیا اور اس میں مجھ کو بصیرت حاصل ہو گئی اور توحید شرک اور ان چیزوں کی حقیقت جن کو شرع نے توحید و شرک

کا موقع قرار دیا ہے بخوبی مجھ کو معلوم ہوگئی ہے اور تدبیر کے ساتھ عبادت کے تعلق کو میں خوب سمجھ گیا۔ واللہ اعلم۔

شرک کی اقسام :

شرک کی حقیقت یہ ہے کہ ایک بڑے بزرگ شخص کی نسبت کسی کا یہ اعتقاد ہو کہ عجیب عجیب اثر اس سے صادر ہوتے ہیں وہ اسی لیے صادر ہوتے ہیں کہ اس میں ایسی کمالی صفت حاصل ہوگئی ہے جو اس کے ابنائے جنس میں معمولی طور پر نہیں ہوسکتی بلکہ صرف واجب تعالیٰ ہی میں پائی جاسکتی ہیں دوسرے کسی شخص میں اس کا جب ہی امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ الوہیت کا خلعت اس کو پہنا دے اور اس کو اللہ اپنی ذات میں ملالے یا ایسا بیہودگمان کوئی اور ہو جس کا مشرکین اعتقاد کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین تلبیہ (لبیک کہنا) اس طرح پر کیا کرتے تھے: لا شریك لك الاشریکا وھولك تملکه و مالك۔ (ہم حاضر ہیں ہم حضور میں ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے ہاں وہ شریک جس کا تو مالک ہے اور جس کی تمام ملکیت کا تو مالک ہے) اسی لیے اس شخص معبود کی نسبت کمال ذلت اور عاجزی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس سے ویسا ہی معاملہ کیا جاتا جیسا کہ کوئی بندہ اپنے اللہ کے ساتھ شرک کے قصد سے کرتا ہے اور اس قسم کے معاملات کی مختلف صورتیں اور قالب ہوا کرتے ہیں شریعت کو صرف انہیں صورتوں سے بحث ہوتی ہے جن کو لوگ عمل میں لاتے ہیں اور ان امور میں شرک کا احتمال ہوتا ہے اور عادت وہ شرک کو لازم ہوا کرتی ہے ایسے ہی شرع کی عادت اور روش یہ ہے کہ بجائے مصالح اور مفاسد کے وہ ان کے اسباب وعلل کو قرار دیتی ہے ہم ان امور پر متنبہ کرتے ہیں جن کو شریعت محمدیہ نے (علی صاحبہا الصلوات والتسعجات) شرک کے مواقع بتا کر ان امور کو منع کیا ہے ان میں سے یہ ہے کہ مشرکین بتوں اور ستاروں کو سجدہ کیا کرتے تھے اسی لیے غیر اللہ کے سجدہ کو منع فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (لاتسجدو للشمس و لا للقمر واسجدو الله الذی خلقھن) (آفتاب اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ ان کے خالق کو سجدہ کرو) اور سجدہ کرنے میں شرک کرنے کو ضرور اور لازم ہے کہ تدبیر میں بھی شرک ہوگا۔ اس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں اور ایسا نہیں ہے جیسے متکلمین کا گمان ہے کہ توحید عبادت احکام الہیہ میں سے ایک حکم ہے اور یہ حکم مذہبوں کے اختلاف سے مختلف ہوا کرتا ہے اس کے لیے دلیل یقینی کی ضرورت نہیں ہے یہ تقریر درست نہیں اگر یہی ہوتا تو اللہ مشرکین کو الزام کیوں دیتا کہ وہ پیدا کرنے اور تدبیر کرنے میں یگانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (قل الحمدالله وسلم علی عباده الذین اصطفیٰ ء الله خیر) (کہہ الحمدللہ اور مقبول لوگوں پر سلام ہے کیا اللہ بہتر ہے) اخیر پانچ آیتوں تک بلکہ یہی حق ہے کہ مشرکین مقرر تھے کہ بڑے بڑے امور کی تدبیر اور خلق اللہ ہی کی صفت ہے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ عبادت ان دونوں صفتوں کو لازم ہے توحید کے معنی میں ہم اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے ان کو الزام دیا ولالله الحجة الباقية اور انہیں امور شرکیہ میں سے یہ تھا کہ مشرکین اپنے اغراض کے لیے غیر اللہ سے امداد طلب کیا کرتے۔ بیماروں کی شفا اور فقیروں کی تونگری کو ان سے طلب کرتے تھے ان کے لیے نذریں مانتے تھے ان نذروں

سے ان کو حل مطلب کی امید ہوا کرتی تھی۔ تبرکا ان کے نام جپا کرتے تھے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر واجب کیا کہ نمازوں میں (ایاك نعبدو ایاك نستعین) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے یاوری کے خواہاں ہیں) پڑھا کریں اور اللہ نے فرمایا: (ولا تدعوا مع اللہ احدا) (اللہ کے ساتھ دوسرے کو مت پکارا کرو۔) اور دعا کے معنی عبادت کے نہیں، جیسے بعض مفسرین کا قول ہے کہ بلکہ استغاثہ کے ہیں اللہ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ (بل ایاہ تدعون فیکشف ماتدعون) اللہ ہی سے مدد طلب کرو تاکہ وہ حاجت پوری ہو جائے جس میں تم مدد کے خواہاں ہو) انہیں امور سے یہ مشرکین بعض شرکاء سے الٰہی کا نام بنات اللہ یا ابناء اللہ رکھتے تھے۔ نہایت سخت درجہ کے تشدد سے وہ ایسے افعال سے روکے گئے پہلے ہم اس کا راز بیان کر چکے ہیں اور نیز امور شرکیہ میں سے یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے علماء اور زاہدوں کو بجز اللہ کے اپنا حاکم اور پروردگار بنا رکھا تھا ان کا اعتقاد تھا کہ جس چیز کو یہ لوگ حلال قرار دیتے ہیں وہ حلال ہو جاتی ہے نفس الامر میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا اور جس چیز کو وہ حرام کہہ دیتے ہیں وہ واقع میں مواخذے کے قابل ہوتی ہے۔ اور جب آیت (اتخذو ا احبار ھم ورھبانھم اربا با من دون اللہ۔) کافروں نے علماء اور زاہدوں کو دوسرا اللہ بنا رکھا ہے) نازل ہوئی تو عدی بن حاتم نے آنحضرت محمد ﷺ سے اس کے معنے دریافت کیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو وہ حلال کر دیا کرتے ہیں ان کو لوگ حلال سمجھنے لگتے تھے اور جن چیزوں کو حرام بناتے تھے ان کو لوگ حرام ہی سمجھتے تھے اس کا یہ راز ہے کہ تحلیل اور تحریم کا موجود کرنا ملکوت میں جاری ہوا کرتا ہے کہ فلاں شے مواخذہ کے قابل ہے اور فلاں قابل مواخذہ نہیں ہے اس طرح پر موجود کرنا مواخذہ اور ترک مواخذہ کا سبب ہوا کرتا ہے، اور یہ بجز اللہ کے کسی اور دوسرے کی صفت نہیں ہو سکتی تحلیل اور تحریم کی نسبت آنحضرت محمد ﷺ کی طرف اس واسطے کیا کرتے ہیں کہ آپ کا فرمانا قطعی قرینہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ ہی نے حرام یا حلال کیا اور امت محمد ﷺ کے مجتہدین کی طرف ان کی اس واسطے نسبت کرتے ہیں کہ انہوں نے نص شارع سے ان کو نقل کر دیا ہے یا شارع کے کلام سے اس کو مستنبط کیا ہے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے اور اس کی رسالت معجزات سے ثابت ہو جاتی ہے اور اس کی زبان سے بعض امور کا حلال وحرام ہونا معلوم ہو جاتا ہے تاہم بعض لوگوں کو اس خیال سے کہ اس کے مذہب میں کوئی چیز حرام تھی اس کے کرنے میں کشیدگی سی رہا کرتی ہے، یہ توقف دو طرح پر ہوتا ہے اگر اس کو اس شریعت کے ثبوت ہی میں کلام ہے تو تب تو وہ کافر ہے اور اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلی تحریم منسوخیت کے قابل ہی نہ تھی اللہ نے اپنے بندے کو الوہیت کا خلعت پہنا دیا تھا اور وہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھا کسی امر سے اس کا منع کرنا یا کسی امر کو اس کا مکروہ خیال کرنا مالی یا جانی نقصان کا باعث ہے ایسا شخص مشرک ہے وہ گویا اللہ کے لیے غصہ اور ناخوشی تحلیل اور تحریم الٰہی کا ثابت کرتا ہے اور غیر محدود حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے اکثر صحابہ کے نام بدل دیے تھے جن کا نام عبدالعزیٰ اور عبدالشمس تھا ان کا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن وغیرہ رکھ دیا تھا یہ سب مذکورہ بالا امور شرک کے قالب تھے

اس واسطے شارع علیہ السلام نے ان سب سے لوگوں کو روک دیا۔(۱)

۳۔ نماز کے دینی اور معاشرتی فوائد:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہ اللہ کی کثیر نعمتوں کے شکرانے کے طور پر فرض کی گئی ہے، اس کے دینی اور تربیتی دونوں طرح کے فوائد انفرادی اور اجتماعی دونوں سطح پر پائے جاتے ہیں۔

اس کے دینی فوائد میں سے چند یہ ہیں:

انسان کا اپنے رب سے تعلق، اور اس میں اپنے خالق ومعبود سے مناجات کی لذت پائی جاتی ہے، اللہ کے لیے عبودیت کا اور تمام کاموں کی باگ ڈور اللہ کے سپرد کرنے کا اظہار ہوتا ہے، امن وسکون اور اس کے دامن میں نجات حاصل کرنے کی التماس ہوتی ہے۔ یہ کامیابی اور کامرانی کا راستہ ہے، گناہ اور برائیوں کا کفارہ بنتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ"(۲)

تحقیق مومن کامیاب ہوئے، جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

دوسری آیت میں ہے:

"إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا إِلَّا الْمُصَلِّينَ"(۳)

انسان پیدا ہوا ہے ہلڑ باز، جب اس کو پہنچے برائی تو خوب آہ وزاری کرتا ہے اور جب اس کو ملے بھلائی تو سوائے نمازیوں کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بھلا بتاؤ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہائے تو کیا اس کا میل باقی رہے گا؟ صحابہ بولے: اس کو تو ذرہ بھی میل نہیں رہے گا آپ نے فرمایا یہ مثال ہے پانچوں نمازوں کی، اللہ ان کے ذریعے غلطیاں معاف کرتا ہے۔(۴)

ایک دوسری حدیث میں ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں اور جمعہ تا جمعہ بیچ کی چیزوں کے لیے کفارہ ہے، جب تک کہ کبائر کا ارتکاب نہ کرے۔(۵)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً منقول ہے کہ جب انسان کھڑا ہو کر نماز شروع کرتا ہے تو اس کے گناہ لائے جاتے ہیں، اور وہ اس کے سر یا کندھے پر ڈال دیئے جاتے ہیں، جب جب وہ رکوع یا سجدہ کرتا ہے یہ گر جاتے ہیں۔(۱) بروایت ابن حبان در صحیح ابن حبان۔ یعنی کہ خدا کے حکم سے سب گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۱۲۔۱۱۶ ۲۔ المومنون ۲۳:۱ ۳۔ المعارج ۷۰:۱۹۔۲۱

۴۔ الترغیب والترھیب، ج ۱، ص ۲۴۳ ۵۔ بروایت امام مسلم، اور ترمذی

اس کے انفرادی فوائد میں ایک بڑا فائدہ اللہ سے قریب ہونا ہے نفس انسانی کا عروج کر کے اپنے رب تک جانا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون ''(۱)

میں نے جنات اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

نماز میں نفس اور ارادے کی قوت کا سامان ہوتا ہے صرف عزت اللہ سے حاصل کی جاتی ہے دوسروں سے نہیں دنیا اور اس کے سامان شان وشوکت سے بلندی؛ اور ان کو ورائے ڈالنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ دنیا کی آرائشوں اور پرکشش چیزوں سے دور رہنے کی صلاحیت جنم لیتی ہے نماز سے نفسی میں وہ قوت اور اللہ سے ربط قائم ہوتا ہے جس کے سبب انسان جاہ وحشمت اور مال، و دولت اور سلطنت کی کشش سے چھٹکارا پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَاسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلاَّ عَلَى الْخَاشِعِينَ''(۲)

اور تم مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک یہ بھاری ہے سب پر سوائے ان کے جو خشوع کی صفت والے ہیں۔

اسی طرح نماز میں عظیم روحانی لذت، روحانی سکون وقرار نصیب ہوتا ہے، اور اس غفلت سے بچا جا سکتا ہے، جو انسان کو اس کے عظیم اور بلند مقصد سے دور رکھتی ہے، جو اس کی زندگی کا مقصد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے لیے تمہاری دنیا میں سے دو چیزیں مرغوب کی گئی ہیں، خواتین اور خوشبو، اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔ (۲) بروایت امام احمد نسائی، حاکم بیہقی، از حضرت انس بن مالک یہ حدیث حسن ہے۔

امام احمد کی روایت ہے کہ جب کوئی معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث پریشانی وتشویش ہوتا تو آپ فرماتے بلال ہمیں نماز سے راحت پہنچاؤ۔ (۳) بروایت ابوداؤد

نماز میں، امور زندگی میں، امور افعال واعمال میں نظم وضبط اور تنظیمی کیفیت پیدا کرنے کی مشق ملتی ہے وقت کا احترام اور اس کی قدر وقیمت سے آگاہی ہمیں نماز سے حاصل ہوتی ہے، کیونکہ نمازیں اوقات کے نظام کے تحت ادا کی جاتی ہیں۔ انسان اسی کے ذریعے حلم و بردباری، سکینت ووقار جیسی عمدہ خصلتیں اپنے اندر پیدا کرتا ہے، انسان اسی کے سبب اپنی فکری صلاحیتوں اچھے کاموں میں استعمال کرنے کی عادت ڈالتا ہے، کیونکہ وہ غور وخوض اور سوچ وبچار کو قرآن کی آیات کے معانی اور اللہ کی عظمت کے بارے میں غور وفکر پر مرتکز دیتا ہے، اسی طرح نماز کے معانی ومقاصد بھی اسی طرح نماز ایک اخلاقی عملی تربیتی ارادے کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے وہ سچائی اور دیانت داری جیسی عمدہ خصلتوں کو پروان چڑھاتی ہے، بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: '' وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ''(۳)

۱۔ الذاریات ۵۱:۵۶　　۲۔ البقرہ ۲:۴۵　　۳۔ العنکبوت ۲۹:۴۵

اور نماز قائم کیجئے بلاشبہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

نماز کے معاشرتی فوائد:

ایسے جامع عقیدے کا احیاء و اثبات جو معاشرے کے تمام افراد کے لیے جامع ہو ان کو اپنی ذات میں قوی بنا دے اور اسی طرح یہ جماعت کے نظم کو اس طرح تقویت دیتی ہے کہ ان کو اس عقیدے کے اردگرد جوڑے رکھتی ہے، اس میں جماعت اور اجتماعیت کے احساس کو تقویت ملتی ہے، امت کی باہمی تعلق کے روابط کا فروغ ہوتا ہے معاشرتی یکجائیت کو ترقی ملتی ہے سوچ اور جماعت کی وحدت کے تحقق فروغ ملتا ہے وہ جماعت جو بمنزلہ جسد واحد ہے، اگر عضو بیماری یا آفات کا شکار ہو تو بقیہ جسم بھی اس کے اس احساس تکلیف میں برابر کا شریک ہوتا ہے نماز یا جماعت میں بھی بڑے گہرے دوررس اثرات وفوائد ہیں، ان میں اہم اور ممتاز چیز مساوات اور برابر کا اظہار ہے ایک صف ہونے کا اعلان ہے اور ایک کلمہ ہونے کی وضاحت ہے اس اہم فوائد میں سے عمومی اجتماعی یا مشترک مسائل میں اطاعت امیر کے جذب کی سیرابی اور اس کا احیاء ہے ان امور میں جو اللہ کی خوشنودی کا باعث بنیں۔ اور ایک مقصد اور غایت کی طرف بڑھنا اور اسی طرح رخ رکھنا بھی اس کے فوائد میں سے ایک فائدہ ہے اور مقصد جس کا حصول اس کا ایک فائدہ ہے وہ مقصد ہے حصول رضائے الٰہی۔ نماز با جماعت مسلمانوں کے باہمی تعارف یگانگت اور موانست کا ذریعہ ہے، ان کو خیر کے کام پر جمع کرنے کا سبب بنے اور مسلمانوں کے احوال و معاملات کے بارے میں خصوصی توجہ اور اہتمام کی فکر میں نئی روح پھونکنے کا سبب ہے اسی طرح کمزور لوگ گرفتار افراد تہمت زدہ لوگ اور خاندان اور اہل خانہ سے بچھڑے ہوئے افراد کی امداد اعانت ان کی دست گیری، ان کی خبر گیری وغیرہ جیسے عظیم امور اس عمل ہی کے بدولت ہیں۔

مسجد اور اس میں نماز کی ادائیگی کو ایک ہیڈ کوارٹر سمجھنا چاہیے اس عوامی مرکز اور فاؤنڈیشن کا جو منظم ہو باہم تعاون کرنے والا ہو اور ایک دوسرے کا مدد معاون ہو، جو معاشرے کو قیادت فراہم کرے شرعی حکمرانی کی حمایت و معاونت کرے، اس کی غلطیاں بے راہ رویاں اور خطائیں نصیحت آمیز کلمات اور عمدہ طریقے سے دور کرنے نرم انداز اختیار کر کے ان کو راست بازی پر جمع کرے اور مثبت تنقید کا سامان کرے۔ کیونکہ حدیث کے مطابق مومن دوسرے مومن کے لیے ایسا جیسے دیوار کہ اس کے پتھر ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔ (۱) (بروایت امام بخاری، مسلم، ترمذی، اور نسائی از حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ)

نماز مسلمان کو دوسرے سے تمیز دیتی ہے اس طرح وہ بھروسے اور امانت و دیانت کا سبب بنتی ہے اور محبت کی روح کو لوگوں میں اجاگر کرنے کا سبب بنتی ہے حدیث میں آیا ہے جو شخص ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں جو مسلمان کے ہیں اور اس پر وہی سب لازم ہے جو ایک مسلمان پر لازم ہے۔ (۲)

۱۔ جامع الاصول، ج ۱، ص ۱۵۸　　(۲) الفقہ الاسلامی، وادلتہ، ج ۱، ص ۴۳۵۔۴۳۷

۴۔سوال کرنے اور نا کرنے کی صورتیں:

حضور سید علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے انہی شہرہ آفاق کتاب کشف المحجوب میں سوال کرنے والے اور نا کرنے کے آداب کے بارے میں ایک باب قائم کیا ہے، ہم اسی بحث کو تشریحات واضافات کے ساتھ نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ سوال و آداب:

کشف المحجوب میں اس باب کا عنوان ''باب آدابھم فی السوال وترکہ'' سے سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں دو آیات قرآنیہ، ایک حدیث مبارکہ اور سات حکایات سے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے اور اپنے اقوال زریں بھی ذکر کیے ہیں، جن کی تعداد سات ہے۔ اسی طرح آپ نے سوال کی تین اغراض بھی بیان فرمائی ہیں اب ان تمام کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے آیات قرآنیہ اور ان سے ماخوذ مسائل ونصائح ذکر کیے جاتے ہیں۔

ا۔آیات قرآنیہ:

ا۔''لَا یَسْأَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا''۔(۱)

وہ لوگوں سے سوال نہیں کرتے کہ (کہیں مخلوق کے سامنے) گڑگڑانا پڑے۔

مسائل ونصائح:

☆ سوال بالحافا نکند (۲) یعنی گڑگڑا کر سوال نہ کرو۔

☆ یہاں لوگوں سے مکمل طور پر نہ مانگنا مراد ہے۔(۳)

☆ ضرورتاً سوال کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور بغیر ضرورت کے نفی ہے اور رونا دھونا ہر حال میں منع ہے۔(۴)

☆ ان شرفاء اور فقراء کی حالت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور حاجات کو یوں چھپاتے ہیں جس طرح ایک انسان اپنے ستر کو چھپاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اگر کچھ دیا جائے تو صرف تنہائی میں دیا جائے تاکہ ان کی خودداری اور عزت نفس کو ٹھیس نہ لگے۔(۵)

☆ جس کے پاس آج کے لیے کھانا پورا پورا ہو اور کل کے لیے مل جانے کی امید ہو اس کے لیے سوال کرنا درست نہیں ہے۔(۶)

☆ جس کے پاس کھانا تو بقدر ضرورت ہو مگر ستر چھپانے کے لیے لباس نہ ہو یا دوسری ضروریات پوری کرنے کی سبیل نہ ہو

۱۔ البقرۃ ۲:۲۷۳　۲۔ کشف المحجوب، ص ۳۱۲　۳۔ تفسیر ابن عربی، ص ۱۱۲

۴۔ انوار التنزیل واسرار التاویل، ص ۳۸۹　۵۔ فی اظلال القرآن، ص ۴۷۹　۶۔ تفسیر مظہری، ج ۲، ص ۵۵

اس کے لیے اپنی ضروریات کے موافق سوال کرنا درست ہے۔ چالیس درہم کی مقدار ہر سوال کو حرام کر دیتی ہے۔ (۱)

☆۱۔ عن ابی هریرہ رضی اللہ عنہ یقول قال النبی ﷺ:

"لیس المسکین الذی ترده التمرة والتمرتان، ولا اللقمة ولا اللقمتان انما المسکین الذی یتعقب اقروا ان شئتم۔ یعنی قوله تعالیٰ (لایسئلون الناس الحافا" (۲)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ حقیقتاً مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خودداری برتیں اور سوال سے بچیں۔ دیکھو قرآن کہتا ہے۔"لا یسئلون الناس الحافا"

☆۲۔ "عبدالحمید ابن جعفر عن ابیه عن رجل من مزینة انه قالت له امه :الاتنطلق فتسال رسول الله ﷺ کما یسئاله الناس فانطلقت اساله فوجدته قائما یخطب وهو یقول من استعف اعفه الله ومن استغنی اغناه الله ومن سال وله عدل خمس اواق فقد سال الحافا فقلت بینی وبین نفسی لناقة له هی خیر من خمس اواق ولغلامه ناقة اخریٰ خیر من خمس اواق فرجعت ولم سئاله"۔ (۳)

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص کو ان کی والدہ فرماتی ہیں، تم بھی جا کر رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگ لاؤ جس طرح اور لوگ جا کر لے آتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب گیا تو حضور ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے کہ جو شخص سوال سے بچے گا اللہ بھی اسے سوال سے بچائے گا۔ جو شخص بے پرواہی برتے گا اللہ اسے فی الواقع بے نیاز کر دے گا جو شخص پانچ اوقیہ کے برابر مال رکھتے ہوئے سوال کرے گا، وہ چمٹنے والا سوالی ہے، میں نے اپنے دل میں سوچا کہ ہمارے پاس تو ایک اونٹنی ہے جو پانچ اوقیہ سے بہتر ہے ایک اونٹنی غلام کے پاس ہے وہ بھی پانچ اوقیہ سے زیادہ قیمت کی ہے پس میں تو یونہی سوال کیے بغیر واپس چلا آیا۔

☆۳۔ عن ابی سعید الخدری عن ابیه قال:

"سرحتنی امی الی رسول الله ﷺ قائتیته وقعدت فاستقبلنی وقال من استغنی اغناه الله عزوجل ومن استعف اعفه الله عزوجل ومن استکفی کفاه الله عزوجل ومن سال وله قیمته اوقیة فقد الحف فقلت ناقتی الیاقوته خیر من اوقیة فرجعت ولم اساله"۔ (۴)

یہ واقعہ ابوسعید کا ہے۔ اس میں ہے کہ آپ نے مجھ کو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگوں سے کنارہ کرے گا اللہ اسے کفایت کرے گا اور جو ایک اوقیہ رکھتے ہوئے سوال کرے گا وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے، ان کی اونٹنی کا نام یاقوتہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

۱۔ ایضاً، ص ۲۵۶۔ ۲۔ التفسیر، رقم ۴۵۳۹، ص ۹۱۴۔۹۱۵

۳۔ ابن حنبل، احمد، امام، مسند، الشامیین، رقم ۱۷۲۴۲، ج ۴، ص ۷۰ ۴۔ کتاب الزکاۃ، رقم ۲۵۹۱، ص ۶۳۱

۴۔عن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ :

"من سئال و لہ مایغنیہ جاء یوم القیامۃ خموش او کدوح فی وجھہ فقیل یا رسول اللہ ﷺ وما الغنی ؟ قال خمسون درھما او قیمتھا من الذھب"۔(۱)

جس کے پاس کچھ بے پرواہی کے لائق ہو، پھر بھی وہ سوال کرے، قیامت کے دن اس کے چہرے پر اس سوال کا زخم ہوگا۔اس کا منہ بھینچا ہوا ہوگا۔لوگوں نے کہا حضرت کتنا پاس ہوتو؟ فرمایا پچاس درہم یا اس کی قیمت کا سونا۔

☆۵۔ شام میں ایک قریشی تھا جنہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر ضرورت مند ہیں تو تین سوگنیاں انہیں بھجوائیں۔آپ خفا ہو کر فرمانے لگے اس اللہ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا؟ جو میرے پاس یہ بھیجیں۔میں نے تو نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے۔ابوذر کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں، چالیس بکریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں، ایک روایت میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ چالیس درہم ہوتے ہوئے سوال کرنے والا الحاف کرنے والا اور مثل ریت کے ہے۔(۲)

☆ اسلام نے بھیک مانگنے کی سخت مذمت کی ہے۔(۳)

☆ اس سے مراد ہے کہ یہ لوگ لپٹ کر یا بغیر لپٹے سوال کرتے ہی نہیں۔(۴)

☆ صحابہ کرام کا طریقہ واتباع یہ ہے کہ اپنی حاجت کے لیے کسی سے سوال نہ کیا جائے۔(۵)

☆ خیال رہے یہ قید اضافی ہے احترازی نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت مشکل میں بھی لوگوں سے نہیں مانگتے تھے۔(۶)

☆ باوجود سخت ضرورت اور بھوک و پیاس کے اپنی خودداری کی وجہ سے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتے اور ان کی اس روش کی وجہ سے ناواقف لوگ انہیں خوشحال سمجھتے ہیں۔(۷)

☆ لایسئلون الناس الحافا، میں اصل مقصود سوال کرنے کی نفی ہے "الحافا" کی قید اس کے ساتھ صرف سوال کرنے والوں کی عام حالت کی تصویر اور اس کے گھناؤنے پن کے اظہار کے لیے لگائی ہے،(۸)

۲۔" وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ "۔(۹)

اور کسی مانگنے والے کو نہ جھڑکیں۔

۱۔ کتاب الزکاۃ، رقم ۱۶۲۶ص ۳۰۵ ۲۔ تفسیر القرآن العظیم ص ۴۳۱ ۳۔ ضیاء القرآن، ج۱، ص ۱۹۲
۴۔ تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس، ص ۵ ۵۔ تفسیر عثمانی ص ۵۸ ۶۔ تفسیر نعیمی، ج۳، ص ۱۳۴
۷۔ تبیان القرآن، ج۱، ص ۱۰۰۳ ۸۔ تدبر قرآن، ج۱، ص ۶۲۴ ۹۔ الضحیٰ ۹۳:۱۰

مسائل ونصائح:

☆ کسی مانگنے والے کو ذلیل ورسوا نہ کیا جائے اور نہ ہی اسے ڈانٹ پلائی جائے۔(۱)

☆ اس سے مراد ہے کہ جو لوگ راہ حق سے بھٹکے ہوئے ہوں وہ جب آپ ﷺ سے راہ ہدایت کے متعلق سوال کریں تو آپ ان کی ویسے ہی رہنمائی کریں جیسے آپ ﷺ کی راہنمائی آپ کے رب نے فرمائی ہے۔ اور ایسے لوگوں کو پوچھنے سے نہ روکیں۔(۲)

☆ مطلب یہ ہے کہ جو سائل بھی دروازے پر آئے اس کو نہ جھڑکو، نہ ڈانٹو، بلکہ یا تو اس کو کھانا دے دو ورنہ نرمی اور خوش خلقی کے ساتھ اس کو واپس کر دو۔(۳)

☆ طالب علم اگر استاد سے کوئی سوال پوچھے تو استاد اسے ڈانٹے یا جھڑکے نہیں۔(۴)

☆ سائل کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اور اس کی عزت کرنی چاہیے۔(۵)

☆ سائل کو نہ جھڑکو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت عطا فرمائی، تو اب جو تم سے علمی باتیں پوچھے، صحیح راستہ دریافت کرے، تو تم اسے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرو، بُرا بھلا نہ کہو، سخت سست نہ بولو، اگر کچھ نہ دے سکو تو کم از کم نرمی اور رحم کے ساتھ لوٹا دو۔(۶)

☆ سائلوں سے برافروختہ وہ ہوتا ہے جس کو اپنے سرمایہ کے ختم ہو جانے یا کم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ جب آپ ﷺ کے رب نے آپ ﷺ کو غنی کر دیا تو یہ خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں۔ پھر آپ ﷺ کسی سائل کو کیوں جھڑکیں یا سائلوں کی کثرت سے تنگ دل کیوں ہوں۔ آپ ﷺ کو آپ کے رب نے بے شمار دولتیں اور بے حساب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ انہیں سائل کی استعداد کے مطابق بانٹتے رہیں۔ آپ ﷺ کے در پر آنے والا کوئی سائل خالی نہ جائے۔(۷)

☆ اگر سائل کو مدد مانگنے والے حاجت مند کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی مدد کر سکتے ہو تو کرو، نہ کر سکتے ہو تو نرمی کے ساتھ معذرت کر دو مگر بہرحال اسے جھڑکو نہیں۔(۸)

☆ اگر سائل کو پوچھنے والے، یعنی دین کا کوئی مسئلہ یا حکم دریافت کرنے والے کے معنی میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص خواہ کیسا ہی جاہل اور اجڈ کیوں نہ ہو، اور بظاہر خواہ کتنے ہی نامعقول طریقے سے سوال کرے یا اپنے ذہن کی الجھن پیش کرے، بہرحال شفقت کے ساتھ اسے جواب دو اور علم کا زعم رکھنے والے بدمزاج لوگوں کی طرح اسے جھڑکو اور دور نہ بھگا دو۔(۹)

☆ سائل کو جھڑکنے کی ممانعت اس صورت میں ہے جب وہ نرمی سے مان جائے، ورنہ اگر اڑی لگا کر کھڑا ہو جائے اور کسی

۱۔ تفسیر ابن عباس، ص ۶۵۱　　۲۔ تفسیر ابن عربی، ج ۲، ص ۴۱۲　　۳۔ تفسیر مظہری، ج ۱۲، ص ۲۹۹
۴۔ ایضاً　　۵۔ فی ظلال القرآن، ج ۲، ص ۱۰۲۰　　۶۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۵، ص ۶۵۴
۷۔ ضیاء القرآن، ج ۵، ص ۵۹۲　　۸۔ تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۳۷۴　　۹۔ ایضاً

طرح نہ مانے تو اس وقت زجر (جھڑکنا) جائز ہے۔(۱)

☆ اس میں وہ بھی داخل ہے جو کسی مال کا سوال کرے اور وہ بھی جو علمی تحقیق کا سوال کرے، دونوں کو جھڑکنے ڈانٹنے سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرمایا گیا، بہتر یہ ہے کہ سائل کو کچھ دے کر رخصت کرے اور نہیں دے سکتا ہے تو نرمی سے عذر کر دے۔ اسی طرح کسی علمی مسئلہ کا سوال کرنے والے کے جواب میں بھی سختی اور بدخوئی ممنوع ہے، نرمی اور شفقت سے جواب دینا چاہیے۔ بجز اس کے سائل کسی طرح مانے ہی نہیں تو بضرورت زجر بھی جائز ہے۔(۲)

☆ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً سائل کو جھڑکنے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ گڑگڑا کر سوال کرے یا نہ کرے اور منع کرنے سے واپس جائے یا نہ جائے اور ہم کو یہ سوچنا چاہیے کہ اگر ہم نے گنجائش کے باوجود اس سائل کو نہ دیا اور اس کو اپنے دروازے سے لوٹا دیا تو وہ کسی اور دروازے پر چلا جائے گا لیکن جب ہم اللہ سے سوال کریں گے اور اس کی سزا میں اس نے ہمیں لوٹا دیا تو ہمارے لیے اس کے سوا کوئی اور دروازہ نہیں ہے۔(۳)

☆ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب کوئی سوال کرے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ مستحق ہے کہ نہیں؟ مستحق کو دینا چاہیے اور غیر مستحق کو نہیں دینا چاہیے، میں کہتا ہوں کہ جس کو ہم نے غیر مستحق سمجھ کر مسترد کر دیا وہ کسی اور دروازے پر جا کر گدا کرے گا لیکن جب ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کریں گے، اگر اس نے بھی ہمیں اس بناء پر غیر مستحق قرار دے کر رد کر دیا تو ہم اس کے بعد کس دروازے پر جا کر سوال کریں گے۔(۴)

ہمارا حال یہ ہے جب ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں تو ہاتھ اٹھا کر بے توجہی سے سرسری طور پر چند کلمات پڑھ کر اٹھ جاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً رمضان کے مہینے میں لوگ مسجد میں آ کر نمازیوں کے سامنے اپنے مصائب بیان کر کے گڑگڑا کر سوال کرتے ہیں اور کوشش کر کے آنسو نکالتے ہیں اور روتے ہیں، پس جس کے سامنے گڑگڑانا چاہیے ہیں اس کے سامنے گڑگڑاتے نہیں اور مخلوق کے سامنے روتے ہیں گڑگڑاتے ہیں۔(۵)

حدیث مبارکہ:

۱۔ اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوہ۔(۳۴) کشف المحجوب، ص۳۱۳

i۔ احیاء علوم الدین، ج۴، ص۱۰۳

ii۔ اتحاف السادۃ المتقین، ج۹ ص۹۱

iii۔ مجمع الزوائد، ج۸، ص۱۹۴

۱۔ تفسیر عثمانی، ص۷۹۵ ۲۔ معارف القرآن، ص۷۶۸ ۳۔ تبیان القرآن، ج۱۲، ص۸۳۴

۴۔ ایضاً ۵۔ ایضاً

iv- المعجم الکبیر، رقم ۱۱۱۱۰

v- ایضاً، المعجم الاوسط، ص ۲۵۹

vi- مسند شھاب، ج ۱، ص ۳۸۴

اطلبوا الحوائج عند حسان الوجوہ (۳۴)

اپنی ضروریات خوبصورت چہرے والوں سے طلب کرو۔

مسائل ونصائح:

اس حدیث مبارکہ سے سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ ضرورت کے وقت سوال کرنا جائز ہے لیکن الحاف (رونا، پیٹنا) کسی صورت جائز نہیں۔(۱)

☆ اس سے مراد نیک ومتقی لوگ ہو سکتے ہیں کیونکہ عبادت خداوندی سے چہروں پر نور آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "سِیمَاھُمْ فِیْ وُجُوھِھِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُود"(۲)

ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدہ کا اثر ہے (خوب صورت نور نمایاں ہے)

☆ اس کی تائید حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے جسے امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ قال قال رسول اللہ ﷺ :من کثیر صلاته باللیل حسن وجهه بالنهار (۳)

جورات کو بکثرت سے نماز پڑھے گا اس کا چہرہ دن کو خوبصورت ہوگا۔

☆ شب کی دراز نمازوں سے چہرے پر نور نمایاں ہوتا ہے۔(۴)

☆ حضرت عثمان غنی کا فرمان ہے کہ دل کا آئینہ چہرہ ہے، جو اس میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرہ پر ہوتا ہے، مومن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے، اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے۔(۵)

☆ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ وپیراستہ کر دیتا ہے۔(۶)

☆ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نماز چہرے کو روشن کرتی ہے۔(۷)

☆ اس سے وہ نور مراد ہے جو عبادت گزاروں اور شب زندہ داروں کے باطن سے ان کے چہروں پر جھلکتا ہے خواہ وہ عابد زنگی اور حبشی ہی کیوں نہ ہو(۸)

۱- کشف المحجوب، ص ۳۱۳ ۲- الفتح ۴۸:۲۹ ۳- سنن ابن ماجہ، اقامۃ الصلاۃ، رقم ۱۳۳۳، ج ۱، ص ۴۲۸

۴- خزائن العرفان، ص ۹۳۶ ۵- تفسیر ابن کثیر، ج ۵، ص ۱۷۱ ۶- ایضاً ۷- ایضاً

۸- ضیاء القرآن، ج ۴، ص ۴۷۰

☆ جورات کے وقت بکثرت نماز پڑھتا ہے، دن کے وقت اس کا چہرہ بڑا دلکش ہو جاتا ہے۔(۱)

☆ نیکی کرنے سے دل میں ایک نور چہرہ میں چمک، رزق میں فراخی اور لوگوں کے دلوں سے اس کے لیے محبت پیدا ہوتی ہے۔(۲)

☆ اس حدیث مبارکہ سے مراد ہے کہ انہی نورانی چہروں سے ضروریات طلب کرو کہ تقویٰ و پرہیز گاری کیوجہ سے یہ لوگ سائل کو ذلیل ورسوا نہیں کرتے۔

☆ ضرورت کے وقت دوسروں سے سوال کرنا شرعاً جائز و درست ہے۔

سوال کے جائز ہونے کی تین صورتیں:

سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث میں لکھا ہے کہ تین اغراض سے سوال کرنا جائز۔

☆ پہلی صورت: یہ دل کی فراغت کے لئے ضروری ہو۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ہم دو روٹیوں کی قیمت نہیں رکھتے اور دن رات اس کا انتظار کرتے ہیں۔ اور ہم کو حالت اضطرار بے قراری میں اللہ تعالیٰ سے اس کے سوا کوئی حاجت نہیں ہوئی اس لئے کہ کھانے کے انتظار کی مشغولیت سے بڑھ کر اور کوئی مشغولیت نہیں ہے۔

☆ دوسری صورت: نفس کی ریاضت کے لئے سوال کیا جائے تا کہ اسے ذلت ورسوائی حاصل ہو اور دل پر رنج کو پیدا کرنے اور اپنی قدر و قیمت کو جانے کہ دوسروں کی نظر میں اس کی کیا قدر و قیمت ہے تا کہ تکبر نہ کرے اور مصیبت میں نہ پڑے

☆ تیسری صورت: حق تعالیٰ کے احترام کے لئے لوگوں سے سوال کرے اور تمام دنیا واموال کو خدا ہی کا جانے اور ساری مخلوق کو اس کا وکیل سمجھے اور جو چیز اپنے نفس کے نصیب کی تھی خدا کے وکیلوں سے مانگے۔ بات تو لوگوں کے ساتھ کرے اور نظر حق تعالیٰ کی طرف ہو جب بندہ اپنے آپ کو ایسا بنالیتا ہے تو احترام الٰہی سے جو وکیل سے مانگتا ہے وہ اطاعت میں حق تعالیٰ سے زیادہ نزدیک ہو جاتا ہے لہٰذا ایسوں کا غیر سے سوال کرنا حق تعالیٰ سے اپنے حضور وتوجہ کی علامت ہوتی ہے۔ نہ یہ غیبت ہے نہ حق تعالیٰ سے روگردانی۔(۳)

حکایت:

☆ اس بحث میں سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے سلف صالحین کی سات حکایات کو اپنے مؤقف کے استدلال کے طور پر ذکر کیا ہے

☆ میں نے ایک حکایت میں دیکھا ہے کہ کسی دنیا دار نے حضرت رابعہ عدویہ سے کہا اے رابعہ مجھ سے مانگ! تا کہ میں اسے پورا کروں۔ انہوں نے اس شخص سے کہا جبکہ میں دنیا کے پیدا کرنے والے سے شرم کرتی ہوں کہ دنیا کو مانگوں تو کیا اپنے جیسے سے مانگنے میں شرم نہ آئے گی۔(۴)

۱۔ ایضاً ۲۔ ایضاً ۳۔ کشف المحجوب ص ۳۱۳ ۴۔ کشف المحجوب ۳۱۲

☆ روایت ہے کہ ابومسلم کے زمانہ میں صاحب دعوت نے ایک درویش کو بے گناہ چوری کے الزام میں پکڑ وادیا۔ چار راتیں اسے قید میں رکھا جب رات ہوئی تو ابومسلم نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا اے ابومسلم مجھے خدا نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ اس کے ایک دوست کو تیرے جیل خانہ میں بے جرم ڈلوادیا گیا ہے اٹھ اور اسے باہر نکال ابومسلم خواب سے بیدار ہوئے اور ننگے سر اور ننگے پاؤں جیل خانہ کو دوڑتے ہوئے گئے حکم دے کر جیل خانہ کا دروازہ کھلوایا۔ اس درویش کو باہر لے آئے اور اس سے معافی مانگی اور کہا اگر کوئی حاجت ہو تو بتاؤ درویش نے کہا کہ اے امیر! جس خدا کی شان یہ ہو کہ وہ آدمی رات کے وقت ابومسلم کو بستر سے جگا کر بھیجے اور اس بلا سے رہائی دلوائے تو بندے کے کب لائق ہے کہ دوسروں سے سوال کرے اور اپنی حاجت مانگے۔ ابومسلم رونے لگے اور وہ درویش ان کے سامنے سے چلا گیا۔ (۱)

☆ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید شفیق رحمۃ اللہ علیہ کی بابت دریافت کیا جبکہ مرید زیارت کے لئے آئے تھے اس نے کہا شفیق کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اور توکل پر بیٹھ گئے ہیں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! جب تم جاؤ تو شفیق سے کہنا کہ دیکھو دو روٹیوں کی خاطر خدا کو نہ آزمانا جب تم بھوکے ہو تو دو روٹی کسی ہم جنس سے مانگ لینا اور توکل کے ناک کو ایک طرف رکھ دینا تاکہ تمہاری ولایت کی آبادی اپنے ایک معاملہ کی بدبختی سے زمین پر نہ آجائے یعنی زیادہ نہ ہو جائے۔

☆ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا! اے ابوبکر تمہارے دماغ میں ابھی تک یہ گھمنڈ ہے کہ میں خلیفہ کے خاص الخاص کا فرزند ہوں اور حلب کا امیر ہوں یہ تمہارے کام نہ آئے گا جب تک تم بازار میں جا کر ہر ایک کے سامنے دست سوال نہ پھیلاؤ گے جس وقت تک اپنا ہاتھ نہ پھیلاؤ گے اس وقت تک اپنی قدر و قیمت نہ جان سکو گے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور روزانہ بازار میں ان کی قدر و قیمت گھٹتی گئی یہاں تک کہ چھ سال میں اس حال کو پہنچ گئے کہ انہیں بازار میں کسی نے کچھ نہ دیا پھر آئے اور یہ حال حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا آپ نے فرمایا! اے ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی قدر و قیمت کو پہچانو کہ لوگوں کی نظر میں تمہاری کوئی قیمت نہیں۔ لہٰذا تم ان لوگوں کو دل میں جگہ نہ دو اور ان کی کچھ منزلت نہ سمجھو۔ یہ بات محض ریاضت کے لئے تھی نہ کسب کے لئے

☆ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی: کہ میرا ایک رفیق تھا اللہ تعالیٰ نے اسے بلالیا اور اسے دنیاوی نعمت سے اخروی نعمتوں میں پہنچادیا میں نے اسے خواب میں دیکھا اس سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے بخش دیا پوچھا کس خصلت کی بناء پر اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اٹھایا اور فرمایا اے میرے بندے تو نے بخیلوں اور کمینہ لوگوں کی بڑی اذیتیں برداشت کی ہیں تو نے ان کے آگے ہاتھ پھیلایا اور تو نے صبر سے کام لیا اس بناء پر تجھے بخشتا ہوں۔

۱۔ ایضاً ص ۳۱۲۔۳۱۳

☆ میں نے ایک حکایت میں پایا ہے کہ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی تھی ایک دن لڑکی نے اپنی ماں سے کہا مجھے فلاں چیز چاہئے اس کی والدہ نے کہا خدا سے مانگو لڑکی نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنی نفسانی خواہش خدا سے مانگو تم جو کچھ دو گی وہ بھی اسی کی جانب سے ہوگا اور وہ میری تقدیر کا حصہ ہوگا۔

☆ صاحب مرتبہ ایک بزرگ کو میں نے دیکھا کہ جنگل میں فاقہ زدہ اور سفر کی مشقت جھیلے ہوئے بازار کوفہ میں آیا اور اپنے ہاتھ پر ایک چڑیا بٹھائی ہوئی تھی وہ کہتا تھا اس چڑیا کے لئے مجھے کچھ دے دو لوگوں نے کہا اے شخص یہ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا یہ محال ہے کہ میں یہ کہوں کہ خدا کے لئے مجھ کو کچھ دے دو دنیا کیلئے ادنیٰ چیز ہی کا وسیلہ لایا جاسکتا ہے یہ بہت تھوڑا ہے۔

سید ہجویری رحمۃ اللہ علیہ نے بحث کے آخر میں سوال کے آداب کے طور پر سات باتیں ذکر کی ہیں

☆ جہاں تک ممکن ہو سکے خدا کے سوا کسی سے سوال نہ کرو۔ اس لئے کہ غیر خدا کو سوال کا محل نہیں بنایا گیا۔ چونکہ سوال کرنے سے حق تعالیٰ سے غیر خدا کی طرف التفات پایا جاتا ہے اور جب بندہ حق تعالیٰ سے روگرداں ہو تو خطرہ ہے کہ کہیں خدا تعالیٰ اپنی بارگاہ سے دور نہ کردے۔

☆ اگر سوال کا مقصد پورا ہو جائے تو اس سے زیادہ خوش نہیں ہونا چاہئے

☆ عورتوں اور بازار والوں سے سوال نہیں کرنا چاہئے۔

اپنا بھید ایسے شخص کے سوا جس کے مال کے حلال ہونے پر اعتماد ہو کسی اور سے نہ کہنا چاہئے

☆ اپنے نصیب کو برا بھلا کہہ کر سوال نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی زیب و زینت کیلئے سوال درست ہے۔

☆ ایسے مال کو اپنی ملکیت میں نہ رکھو وقت کا تقاضا سمجھو اور گندی بات کو دل میں رکھ کر اپنی ہلاکت کا سامان نہ کرو

☆ اللہ تعالیٰ کو اپنی گدائی کا ذریعہ نہ بناؤ اور اپنے آپ کو ایسا پارسا بھی نہ بناؤ کہ پارسائی کی وجہ سے کچھ زیادہ ملے۔

استاد سے سوال پوچھنے کے آداب:

استاد سے خطاب کے وقت حتیٰ المقدور ادب کے پہلوؤں کو ملحوظ رکھنا چاہیے کیونکہ نہیں میں نہیں مانتا نہیں اس کو کسی نے نقل کیا ہے یہ بات کہاں ہے اور اس جیسے کلمات ہرگز نہ کہے اگر ان سے استفادہ مقصود ہو تو انتہائی نرم لہجے میں ادب کے ساتھ ہم کلام ہو کسی بزرگ کا قول ہے جو اپنے استاد سے کہے کیوں وہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا استاد اگر کوئی بات ارشاد فرمائے تو یوں نہ کہے میں بھی یہی کہتا ہوں یا میرے دل میں یہ بات آئی ہے یا میں نے بھی یہ بات سنی ہے یا فلاں شخص نے بھی یہی کہا ہے ہاں اگر شیخ اس کو پسند کرتا ہو تو علیحدہ بات ہے یوں بھی نہ کہے کہ فلاں شخص نے اس کے خلاف کا قول کیا ہے اور یہ بھی نہ کہے یہ صحیح نہیں ہے۔ استاد کے ساتھ خطاب میں عامیانہ گفتگو نہ کرے اور ایسے کلام سے گفتگو نہ ہو جو عام لوگ آپس میں کرتے ہیں مثلاً یوں کہہ دیا کہ

تجھے کیا ہوا سمجھتے کیوں نہیں سمجھ گئے؟ آپ سمجھے نہیں اے انسان یار اور اس جیسے الفاظ استعمال کرنا مناسب نہیں حتیٰ کہ دو آدمیوں کی آپس میں ایسی مخاطبت بھی نقل نہ کرے جس میں بے ادبی کا عنصر ہو۔ مثلاً یوں کہنا کہ فلاں نے فلاں سے کہا تو بڑا بے فائدہ شخص ہے۔ تیرے اندر کوئی خیر نہیں ہے بلکہ ان جیسے خطابات کو کسی احسن پیرائے میں بیان کرے اور یوں کہے کہ فلاں نے فلاں سے کہا کہ اس میں خیر و بھلائی نہیں وغیرہ۔

☆ اور استاد کو تردیدی کلمات نہ کہے جو اکثر لوگ اس کا اہتمام نہیں کرتے مثلاً استاد کہہ دے تو نے ایسا ایسا کہا ہے؟ جواب میں کہہ دے میں نے ایسا نہیں کہا ہے استاد کہہ دے تیری مراد یہ ہے جواب میں کہے میری مراد یہ نہیں ہے بلکہ کسی احسن اور لطیف پیرائے میں اپنا دفاع کرے اس طرح اگر استفہام تقریری کے طور پر یوں پوچھے کہ کیا تو نے ایسا نہیں کہا نفی میں تردید نہ کہے کہ نہیں میں نے نہیں کہا ہے بلکہ خاموشی اختیار کرے یا کسی لطیف پیرائے میں توریہ سے کام لے کہ جس کو استاد سمجھ سکے اگر صاف کہے بغیر کوئی صورت نہیں بنتی ہو تو یوں کہے اب میں یوں کہتا ہوں اب میری رائے یوں ہے۔

طالب علم کو اگر کسی مسئلہ پر مشکل پیش آئے تو استاد سے پوچھنے میں شرمائے نہیں بلکہ ادب کے ساتھ سوال کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''من رق وجهه رق علمه''

ترجمہ جو سوال کرنے سے شرمائے گا وہ علم سے محروم رہے گا۔

کسی کا قول ہے جو استاد سے پوچھتے وقت شرمائے تو لوگوں کے سامنے اس کا عیب ظاہر ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے:

''رحم الله نساء الانصار 'لم يكن الحيا ويمنعهن ان يتفقهن فى الدين''(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم فرمائے کہ دین کی سمجھ حاصل کرنے میں حیا ان کو نہیں روکتی۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا اگر عورت کو احتلام ہو جائے کیا اس پر غسل واجب ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں جب وہ پانی (یعنی منی) دیکھے۔

کسی شاعر کا شعر ہے:

وليس العمى طول السوال و انما

تمام العمى طول السكوت

۱۔ بخاری العلم رقم ۱۳۰ ص ۴۳

ترجمہ: زیادہ پوچھنے والا اندھا نہیں ہوتا اندھا تو وہ شخص ہے جو لمبا خاموش رہتا ہے۔

سبق کے مقام سے ہٹ کر کوئی سوال نہ کرے۔ ہاں استاد کی طرف سے اس کی اجازت ہو تو جائز ہے جواب میں اگر استاد سے خطا ہو جائے تو فوراً اس کی تردید نہ کرے۔ صاف بتانے اور یہ کہنے سے بھی نہ شرمانا چاہئے کہ سبق نہیں سمجھ سکا ہوں اس لئے کہ اس سے بہت ساری مصلحتیں فوت ہو جائیں گی فی الحال یاد نہیں کر پائے گا اس سے اس کے ورع وتقویٰ پر اثر پڑے گا اور عادت بھی خراب ہو گی۔

خلیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہالت حیا اور تکبر کے درمیان ہے۔

شرمانے والے سے استاد نہیں پوچھتا بلکہ صرف سبق پڑھانے پر اکتفا کرتا ہے اس طور پر شرمانے والا محروم رہتا ہے۔

استاد کے سوال کا جواب دینے کے آداب

☆ شیخ کو کسی ایسے مسئلے کا حکم یا عجیب نکتہ بیان کرتے ہوئے سنے جو پہلے سے اس کو آتا ہو یا کوئی حکایت یا شعر جو پہلے سے اسے جو یاد ہو کہتے ہوئے سنے بے رخی سے نہ سنے بلکہ شوق ذوق کا اظہار کرتے ہوئے اور خود کو ضرورت مند ظاہر کرتے ہوئے اس کو سنے اپنی خوشی کا اظہار کرے جس سے یہ تاثر ہو کہ اس کو کوئی نئی چیز مل گئی ہے۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بسا اوقات کسی شخص سے کوئی حدیث سنتا ہوں حالانکہ میں اس سے زیادہ واقف ہوتا ہوں مگر سنانے والے کو میں تاثر دیتا ہوں کہ گویا اس کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض دفعہ کوئی نوجوان مجھے کوئی ایسی حدیث سناتا ہوں جس کے متعلق میں اس کی پیدائش سے بھی پہلے واقف ہوتا ہوں مگر اس کو اس سے سنتا ہوں۔ اگر استاد حدیث سنانے سے پہلے یہ پوچھے کہ فلاں حدیث یاد ہے؟ اگر یاد ہو تو نعم "ہاں" سے جواب نہ دے کیوں کہ اس میں استاد سے استغناء مترشح ہوتا ہے اور "نہیں یاد ہے" بھی نہ کہے کیوں کہ یہ جھوٹ ہے۔

بلکہ یوں کہے، استاد سے سننے کا کوئی اور مزا ہے۔ آپ سے بھی سننا چاہتا ہوں وغیرہ الفاظ کہے۔ اگر استاد پہلے سے یاد کرنے کو پسند کرتے ہوں یا حفظ کرنے کا حکم دیا اور یاد کے بارے میں پوچھے تو ہاں کہنا ہی افضل ہے کیوں کہ اس میں استاد کی رضا مندی ہے۔ اور اس کا حکم ہے، اسی میں برکت ہے۔ بار بار اعادہ کا مطالبہ نہ کرے۔

حضرت امام زہری فرماتے ہیں: اعادة الحديث اشد من نقلي الصخر"

حدیث کو دوہرانا چٹان اٹھانے سے بھی بھاری ہے۔

سننے اور سمجھنے میں سستی ہرگز نہ ہونے پائے۔ خیال کو کسی اور جگہ متوجہ کر کے پھر استاد سے حدیث دوہرانے کا مطالبہ ہرگز نہ ہو کیوں کہ یہ بے ادبی ہے۔ بلکہ شروع سے ہمہ تن گوش ہو کر سننے اور سمجھنے کی بھرپور کوشش کرے۔ بعض مشائخ ایسے لوگوں کے کہنے

پر نہ صرف سبق نہیں دوہراتے بلکہ ایسوں کو سزا بھی دیتے ہیں۔ ہاں شیخ سے فاصلے پر ہونے کی وجہ سے نہ سن سکے یا بھرپور سننے اور سمجھنے کی کوشش کے باوجود نہ سمجھ سکے تو دوہرانے کی درخواست کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ساتھ اپنا عذر بھی ادب کے ساتھ بیان کرے۔(۱)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

امام نسائی کا حدیث مذکورہ سے استدلال حسب ذیل ہے:

آقا کریم ﷺ نے نماز پنجگانہ کی ادائیگی اور مواظبت کے لیے علیحدہ بیعت لی، جس سے پتہ چلا کہ اسلام میں نماز کی خصوصی اہمیت ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

مسلمان اور کفر کے درمیان فرق نماز کا چھوڑنا ہے۔

☆ حضور نبی کریم ﷺ دعوت اسلام اور اس کی نشر و اشاعت پر بہت حریص تھے۔

☆ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے، اس لیے ایک مسلمان کے لیے اس پر قائم رہنا اور اس کا بنیادی اور لازمی علم ہونا ضروری ہے۔

☆ شرک توحید کے منافی ہے، اس لیے ہر قسم کے شرک سے بچنا لازمی ہے۔

☆ نماز کے بے شمار دینی اور دنیاوی فوائد ہیں، اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور قرب ملتا ہے، جبکہ مسلمانوں کی اجتماعیت کا اظہار ہوتا ہے۔

☆ نماز سے اسلام کی مساوات عیاں ہوتی ہے۔

☆ دوسروں کے آگے سوال کرنے سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔

☆ دوسروں سے سوال کرنے میں انسان کی خودی اور خودداری متاثر ہوتی ہے۔

۱۔ نظریات سید ہجویری، ص ۱۵۷۔۱۷۳

بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ باب ۶: پانچوں نمازوں کی محافظت کرنا

نماز مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور اسلام کی شان وشوکت کا مظہر ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: نماز اسلام کا بہت بڑا شعار ہے، اور اسلام کی ایسی علامات میں سے ہے کہ جس کے جاتے رہنے سے، اگر اسلام کے جانے رہنے کا حکم دیا جائے تو بجا ہے۔ (۱)

اس لیے مسلمانوں کے لیے نمازوں کی ادائیگی کلمہ شہادت کے بعد سب سے اہم فریضہ ہے، اس باب میں اسی امر کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں پانچ نمازوں کی ادائیگی پر بیعت لینے کا بیان تھا، اور اس باب میں پانچوں نمازوں کی محافظت کا بیان ہے۔

۴۶۰ - أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيزٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي كِنَانَةَ يُدْعَى الْمُخْدَجِيَّ: سَمِعَ رَجُلًا بِالشَّامِ يُكْنَى أَبَا مُحَمَّدٍ يَقُولُ الْوِتْرُ وَاجِبٌ. قَالَ الْمُخْدَجِيُّ: فَرُحْتُ إِلَى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَاعْتَرَضْتُ لَهُ وَهُوَ رَائِحٌ إِلَى الْمَسْجِدِ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِي قَالَ أَبُو مُحَمَّدٍ: فَقَالَ عُبَادَةُ: كَذَبَ أَبُو مُحَمَّدٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ مَنْ جَاءَ بِهِنَّ لَمْ يُضَيِّعْ مِنْهُنَّ شَيْئًا اسْتِخْفَافًا بِحَقِّهِنَّ كَانَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ بِهِنَّ فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدٌ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ، وَإِنْ شَاءَ أَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ

حضرت عبداللہ بن محیریز رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: قبیلہ بنو کنانہ کے ایک شخص مخدجی نامی نے، شام میں ابو محمد کو کہتے ہوئے سنا ہے: کہ وتر واجب ہیں۔ مخدجی کہتے ہیں: میں حضرت عبادہ بن صامت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اس وقت مسجد کی طرف جارہے تھے، میں نے ان کو روکا، اور ابو محمد کے قول کے بارے میں بتلایا، انہوں نے فرمایا: ابو محمد نے درست نہیں کہا، کیونکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، جو شخص انہیں ادا کرے، اور ان سے کسی نماز کو ہلکا جان کر نہ چھوڑے، تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کے لیے وعدہ ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے، اور جو شخص انہیں ادا نہ کرے، اس کے لیے وعدہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ چاہے اسے عذاب دے، اور چاہے تو اسے جنت میں داخل کرے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ، ص ۱۱۳

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازوں کی محافظت پر جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اس لیے پانچوں نمازوں کی ادائیگی اور محافظت فرض ہے۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد: ۱۴۲۰، ابن ماجہ: ۱۴۰۱، موطا مالک: ج۱، ص۱۲۳، ابن حبان: ۲۵۲-۲۵۳، احمد: ۲۲۷۵۶، السنن الکبریٰ: ۳۲۲، تحفۃ الاشرف: ۵۱۲۲:

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے پہلے چار کا تعارف گذر چکا ہے، باقی چار کے حالات قلم بند کیے جاتے ہیں:

۱۔ قتیبہ: راجع: ۱۱۸ ۲۔ مالک: راجع: ۱۱۷

۳۔ یحییٰ: راجع: ۳۴۸ ۴۔ محمد بن یحییٰ: راجع: ۲۳

۵۔ابن محیریز:

آپ کا نام ابومحیریز عبداللہ بن محیریز بن جنادہ بن وھب جمحی مکی (م: ۹۹ھ) ہے، آپ بچپن میں یتیم ہو گئے، اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی پرورش کی، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر تھے، ابن محیریز بعد میں شام منتقل ہو گئے، اور بیت المقدس فلسطین میں رہائش اختیار فرمائی ہے، آپ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ابتدائی دور یا ولید بن عبدالملک کے آخر دورِ خلافت میں وفات پائی آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، عابد، تابعی، شامی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۶۔المخدجی:

آپ کا نام ابورفیع مخدجی ہے، آپ کی نسبت مخدج بن حارث کی طرف ہے، بعض نے آپ کا نام رفیع ذکر کیا ہے۔ آپ سے یہی ایک حدیث الباب مروی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے مقبول راوی ہیں، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔ (۲)

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج۵، ص۱۶۸ ii۔ تاریخ الثقات، ص۲۷۷

۱۔ i۔ تقریب التہذیب، ج۲، ص۴۹۳ ii۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۶، ص۹۴

حضرت ابو محمد رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام ابو محمد مسعود بن اوس بن مرم بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار انصاری مدنی ہے، آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کے نام میں شدید اختلاف ہے، بعض نے مسعود بن یزید، بعض نے مسعود بن زید بن سبیع اور بعض نے قیس بن عبایہ بن عبید بن حارث خولانی لکھا ہے، آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فتح مصر میں شرکت کی، اور دمشق میں رہائش اختیار کر لی تھی، یہ بھی کہا جاتا ہے، کہ آپ بدری صحابہ میں سے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ آپ سے یہی ایک حدیث الوتر مروی ہے، امام ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۱)

۸۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

عبادہ نام، ابوالولید کنیت قبیلہ خزرج کے خاندان سالم سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے: عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن قیس بن ثعلبہ بن غنم (قوقل) بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج، والدہ کا نام قرۃ العین تھا، جو عبادہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان کی بیٹی تھیں، قرۃ العین کے جگر گوشہ کا نام اپنے نانا کے نام پر رکھا گیا۔

بنو سالم کے مکانات مدینہ کے غربی سنگستان کے کنارہ قباء سے متصل واقع تھے، یہاں ان کے کئی قلعے بھی تھے جو اطلم قوافل کے نام سے مشہور ہیں اس بنا پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا مکان مدینہ سے باہر تھا۔

اسلام:

ابھی عنفوان شباب تھا، کہ مکہ سے اسلام کی صدا بلند ہوئی، جن خوش نصیب لوگوں نے اس کی پہلی آواز کو رغبت کے کانوں سے سنا، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ انہی میں سے ہیں، انصار کے وفد ۳ سال تک مدینہ سے مکہ آئے تھے، وہ سب میں شامل تھے، پہلا وفد جو دس آدمیوں پر مشتمل تھا، وہ اس میں داخل تھے اور چھ شخصوں کے ساتھ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ارباب علم کی ایک جماعت کا یہی خیال (۲) ہے اگر چہ کثرت رائے ان کے اسلام کو دوسری بیعت تک موقوف سمجھتی ہے، جس میں بارہ آدمیوں (۳) نے مذہب اسلام قبول کیا تھا، تیسری بیعت تک جس میں ۷۲ اشخاص شامل تھے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی اس میں شرکت تھی۔ (۴)

اخیر بیعت میں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خاندان قوافل کا نقیب تجویز فرمایا:

۱۔ i۔ تہذیب التہذیب، ج ۸، ص ۳۴۵۔۳۴۶　　ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۴۵۴

۲۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۱۷۲، زرقانی، ج ۱، ص ۳۶۱　　۳۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۳۲۳، بخاری، ج ۱، ص ۵۵۰

۴۔ مسند، ج ۵، ص ۳۱۶

غزوات ودیگر حالات:

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی زندگی ابتدا ہی سے ولولہ انگیز ہے مکہ سے مسلمان ہو کر پلٹے تو مکان پہنچتے ہیں وہاں والدہ کو مشرف باسلام کیا۔(۱)

کعب بن عجرہ ایک دوست تھے اور ہنوز مسلمان نہ ہوئے تھے ان کے گھر میں ایک بڑا سا بت رکھا تھا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو فکر تھی کہ کسی صورت سے یہ گھر بھی شرک سے پاک ہو، موقع پاکر اندر گئے اور بت کو بسولے سے توڑ ڈالا، کعب کو ہدایت غیبی ہوئی اور وہ جمعیت اسلام میں آملے۔(۲)

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر انصار ومہاجرین میں برادری قائم کی تو حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی تجویز فرمایا: حضرت ابو مرثد رضی اللہ عنہ نہایت قدیم الاسلام صحابی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے اس بناء پر ان کا تعلق خود خاندان رسالت سے تھا۔

۲ھ میں غزوہ بدر واقع ہوا، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس میں شرکت کی اسی سنہ میں بنو قینقاع عبداللہ بن ابی کے اشارے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ دربار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے جلاوطنی کا فرمان صادر ہوا۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے حلف کا دیرینہ تعلق ان لوگوں سے قطع کر دیا تھا۔ اخراج البلد کا کام بھی انہی کے متعلق ہوا۔(۳)

قرآن کی یہ آیت ''یا ایھا الذین آمنو الا تتخذو االیھود و انصاریٰ'' اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

مشاہد عہد نبوت میں بیعت الرضوان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے وہ اس بیعت میں بھی شریک تھے۔(۴)

خلافت صدیقی میں شام کی بعض لڑائیوں میں شریک تھے، خلافتِ فاروقی میں مصر کے فتح ہونے میں دیر ہوئی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مزید کمک کے لیے خط لکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۴ ہزار فوج روانہ کی جس میں ایک ہزار فوج کے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ افسر تھے، اور جواب میں لکھا کہ ان افسروں میں ہر شخص ایک ہزار آدمیوں کے برابر ہے۔(۵)

یہ کمک مصر پہنچی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تمام فوج کو یکجا کر کے ایک پر اثر تقریر کی اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھے دیجئے، خود سر سے امامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر ان کے حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں خدا کی شان کہ پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

ملکی خدمات:

خدماتِ ملکی کے سلسلہ میں تین چیزیں قابل ذکر ہیں، صدقات کی افسری، فلسطین کی قضاءت اور حمص کی امارت۔

۱۔ زرقانی، ج ۱، ص ۳۶۱　　۲۔ نزھۃ الابرار فی الاسامی ومناقب الاخیار قلمی، ص ۱۶۳

۳۔ طبقات، ج ۲، ص ۳۰　　۴۔ مسند، ج ۵، ص ۳۱۹　　۵۔ کنز العمال، ج ۲، ص ۱۵۱

آنحضرت ﷺ نے اپنے اخیر عہد میں صدقہ کے عمال تمام اضلاع عرب میں روانہ کیے تھے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو بھی کسی مقام کا عامل بنایا تھا۔ وصیت کے طور پر فرمایا کہ خدا سے ڈرنا ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن چوپائے تک فریادی ہو کر آئیں انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میں دو آدمیوں پر بھی عامل بننے کا خواہشمند نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں فلسطین کا قاضی بنایا تھا، اس زمانہ میں یہ صوبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تھا کسی بات پر دونوں میں اختلاف ہو گیا جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سخت کلامی کی تو انہوں نے کہا کہ آئندہ تم جہاں ہو گے میں نہ رہوں گا، ناراض ہو کر فلسطین سے مدینہ چلے آئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو پوچھا کیوں؟ انہوں نے سارا قصہ دہرایا فرمایا کہ آپ اپنی جگہ پر جائیے، دنیا آپ ہی جیسے لوگوں سے قائم ہے جہاں آپ لوگ نہ ہوں گے خدا اس زمین کو خراب کر دے گا۔ اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا کہ عبادہ رضی اللہ عنہ کو تمہاری ماتحتی سے الگ کرتا ہوں۔ قضات فلسطین کا یہ پہلا عہد تھا جو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو تفویض ہوا۔ اسی زمانہ میں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو شام کے امیر تھے ان کو حمص کا نائب بنایا حمص کے زمانہ قیام میں انہوں نے لاذقیہ فتح کیا اور اس میں ایک خاص فوج ایجاد کی یعنی بڑے بڑے گڑھے کھدوائے جن میں ایک شخص مع اپنے گھوڑے کے چھپ سکتا تھا یہ طریقہ آج بھی یورپ میں رائج ہے۔ (۱)

وفات:

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ تادم مرگ شام میں سکونت پذیر رہے۔ ۳۴ ہجری میں پیغام اجل آیا اس وقت ان کا سن ۷۲ سال کا تھا۔ وفات سے پہلے بیمار رہے، لوگ عیادت کو آتے تھے شداد رضی اللہ عنہ بن اوس کچھ آدمیوں کے ساتھ ان کے مکان پر آئے پوچھا کیسا مزاج ہے، فرمایا خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔

وفات کے قریب بیٹا آیا اور درخواست کی کہ وصیت کیجئے۔ فرمایا مجھے اٹھا کے بٹھاؤ اس کے بعد کہا بیٹا! تقدیر پر یقین رکھنا، ورنہ ایمان کی خیر نہیں۔ (۲)

اسی حالت میں صنابحی پہنچے، دیکھا تو استاد جاں بلب تھا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بیتاب ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ استاد شفیق نے رونے سے منع کیا اور کہا کہ ہر طرح سے راضی ہوں، شفاعت کی ضرورت ہو گی تو شفاعت کروں گا، شہادت کے لیے چاہو گے تو شہادت دوں گا۔ غرض حتی الوسع تم کو نفع پہنچاؤں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ جتنی حدیثیں ضروری تھیں تم لوگوں تک پہنچا چکا، البتہ ایک حدیث باقی تھی، اس کو اب بیان کیے دیتا ہوں۔ (۳)

حدیث بیان کر چکے تو روح جسم کو وداع کہہ کر جوار رحمت میں پرواز کر گئی، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا واقعہ ہے۔

۱۔ بلاذری فتوح البلدان، ص ۱۳۹　۲۔ مسند، ج ۵، ص ۳۱۷　۳۔ مسند، ج ۵، ص ۳۱۸

مدفن کے متعلق اختلاف ہے، ابن سعد نے لکھا ہے، دوسری روایتوں میں بیت المقدس کا نام آیا ہے، اور لکھا ہے ان کی قبر وہاں اب تک مشہور ہے۔ امام بخاری نے فلسطین کو مدفن قرار دیا ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ فلسطین ایک صوبہ تھا جس کے رملہ اور بیت المقدس اضلاع تھے۔

حلیہ:

حلیہ یہ تھا۔ قد دراز تھا (۱۰ بالش طول تھا)، بدن دوہرا، رنگ ملیح، نہایت جمیل تھے۔

اولاد:

اولاد کے نام یہ ہیں۔ ولید، عبداللہ، داؤد، ان میں سے ولید کے دو بیٹے، عبادہ اور یحییٰ اور موخر الذکر کے لڑکے اسحاق، حدیث کے مشہور راویوں میں ہیں۔

فضل وکمال:

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ میں تھے۔ قرات ان کا خاص فن تھا۔ انہوں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پورا قرآن حفظ کرلیا تھا۔ اسلام کا پہلا مدرسہ قرات جو عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اصحاب صفہ کے لیے قائم ہوا تھا انہی کے زیر ریاست تھا اہل صفہ جو صحابہ کبار تھے ان سے تعلیم پاتے تھے۔ یہاں قرآن کے ساتھ لکھنا بھی سکھایا جاتا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ قرات اور کتابت سیکھ کر یہاں سے نکلے تھے۔ (۱)

بعض تلامذہ کے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا انتظام بھی استاد کے متعلق ہوتا تھا اس قسم کے بہت سے لوگ آتے تھے۔ ایک شخص کی نسبت مذکور ہے کہ ان کے گھر میں رہتا تھا اور شام کا کھانا بھی ان کے ساتھ کھاتا تھا، مکان جانے کا قصد کیا تھا تو ایک عمدہ کمان استاد کی نذر کی، انہوں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قبول کرنے سے منع کیا ہے۔ (۲)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب شام کے مسلمانوں کو تعلیم قرآن کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو شام روانہ کیا۔ وہ پہلے حمص گئے لیکن کچھ زمانہ کے بعد فلسطین کو اپنا مستقر بنایا۔ حدیث میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ بعض اولیات کے موجد ہوئے۔ صحابہ کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلسلہ حدیث پہچانے یہ طرز تھا کہ صحابی کہتا تھا کہ میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا لیکن بعض بزرگ ایسے بھی تھے جنہوں نے الفاظ روایت میں وہ مدارج قائم کیے جو بعد میں روایت حدیث کا جزء قرار پاگئے، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان الفاظ میں ایک اضافہ کیا ایک شخص سے حدیث بیان کی تو فرمایا:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فی الیٰ فی لا اقول حدثنی فلان ولا فلان"

۱۔ مسند، ج ۵، ص ۳۱۵ ۲۔ مسند، ج ۵، ص ۳۲۴

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے درود فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ مجھ سے فلاں فلاں لوگوں نے حدیث بیان کی ہے۔''(۱)

اسی طرح ایک مجمع میں خطبہ دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث سے انکار ظاہر کیا تو فرمایا ''اشھدانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''

''میں گواہ ہوں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:''

اشاعت حدیث کا خاص اہتمام تھا۔ مجامع وعظ مجالس علم، نج کی صحبتیں ہر جگہ اس کا چرچا رہتا تھا۔ کبھی گرجے میں جاتے وہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مسلمانوں اور عیسائیوں کے گوش گزار کرتے تھے۔(۲)

مرویات کی تعداد ۱۸۱ تک پہنچتی ہے جس کے روایت کرنے والے اکابر صحابہ اور نبلاء تابعین ہیں، چنانچہ وابستگان نبوت میں حضرت انس بن مالک، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابوامام، حضرت سلمہ بن محیق، محمود بن ربیع، حضرت مقدام بن معدیکرب، حضرت رفاعہ بن رافع، حضرت اوس بن عبداللہ ثقفی، شرجیل، بن حسنہ اور تابعین باحسان میں عبدالرحمن بن عسیلہ صنابحی، حطان بن عبداللہ رقاشی، ابوالاشعث صفانی، جبیر بن نضیر جنادہ بن ابی میہ، اسود ثعلبہ، عبداللہ بن محیریز ربیعہ بن ناجد عطا بن یسار قبیصہ بن ذویب، نافع بن محمد بن ربیع یعلی بن شداد بن اوس، ابومسلم خولانی، ابوادریس خولانی رحمہم اللہ اس مخزن علم سے فیض یاب ہوئے۔

فقہ میں کمال علمی مسلم تھا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا اعتراف کرتے تھے، شام کے مسلمانوں کو قرآن وفقہ کی تعلیم کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے لیے انہی کا انتخاب کیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طاعون عمواس کا خطبہ میں ذکر کیا، تو کہا مجھ سے اور عبادہ رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں گفتگو ہو چکی ہے لیکن بات وہی ٹھیک تھی، جو انہوں نے کہی تھی۔ تم لوگ ان سے فائدہ اٹھاؤ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔

حضرت جنادہ رضی اللہ عنہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کو گئے تو بیان کرتے ہیں کہ

''وکاز قد نفقه فی دین اللہ'' یعنی ''وہ دین الٰہی میں فقیہ تھے۔''

اخلاق وعادات:

امراء کے مقابلہ میں حق گوئی حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے تاج فضیلت کا طرہ رہی ہے وہ نہایت ہوش سے اس فرض کو ادا کرتے تھے شام گئے اور وہاں بیع وشراء میں شرعی خرابیاں دیکھیں تو ایک خطبہ دیا جس سے تمام مجمع میں ہلچل پڑ گئی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے بولے کہ عبادہ رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہیں فرمایا تھا، اب ان کے طیش کو کون روک سکتا تھا، فرمایا کہ مجھے معاویہ کے ساتھ رہنے کی بالکل پرواہ نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔(۳)

۱۔ ایضاً، ج ۵ ص ۳۲۲ ۲۔ ایضاً، ج ۵ ص ۳۱۹۔۳۲۰ ۳۔ مسند، ج ۵ ص ۳۱۹

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا واقعہ تھا لیکن عہد عثمانی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت میں شکایت لکھی کہ عبادہ نے تمام شام کو بگاڑ رکھا ہے، یا تو ان کو مدینہ بلایئے یا شام چھوڑ دوں گا، امیر المومنین نے جواب لکھا کہ ان کو یہاں روانہ کر دو، مدینہ پہنچ کر سیدھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کاشانہ میں پہنچے جہاں صرف ایک شخص تھا جو مہاجر اور تابعی تھا لیکن باہر بہت سے لوگ جمع تھے اندر جا کر ایک گوشہ میں بیٹھ گئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نظر اٹھی تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سامنے تھے، پوچھا کیا معاملہ ہے پیکر حق اب بھی راست گوئی کا وہی جذبہ رکھتا تھا کھڑے ہو کر مجمع سے مخاطب ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد امراء منکر کو معروف اور معروف کو منکر سے بدل دیں گے، لیکن معصیت میں طاعت جائز نہیں تم لوگ بدی میں ہرگز آلودہ نہ ہونا۔(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کسی بات میں دخل دیا تو فرمایا کہ جب ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت لی تھی تو تم اس وقت موجود نہ تھے (پھر تم ناحق بیچ میں پڑتے ہو۔) ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان شرائط پر بیعت کی تھی کہ چستی اور کاہلی میں آپ کا کیا کہنا مانیں گے فراغی اور تنگی میں مالی امداد دیں گے، اچھی باتیں پہنچائیں گے، بری باتوں سے روکیں گے سچ کہنے میں کسی سے نہ دبیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یثرب تشریف لائیں گے تو مدد کریں گے۔ اور جان و مال اور اولاد کی طرح آپ کی نگہبانی کریں گے ان سب باتوں کا صلہ جنت کی صورت میں دیا جائے گا۔ پس ہم کو ان باتوں پر پورے طور سے عمل کرنا چاہیے اور جو نہ کرے وہ اپنا آپ ذمہ دار ہے۔(۲)

اس فرض امر معروف کو وہ راستہ چلتے بھی ادا کرتے تھے، ایک دفعہ کسی سمت جا رہے تھے (عبداللہ بن عباد زرقی کو دیکھا کہ چڑیا پکڑ رہے ہیں چڑیاں ہاتھ سے چھین کر اڑا دی اور کہا بیٹا یہ حرم میں داخل ہے یہاں شکار جائز نہیں۔(۳)

جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ بیعت کرنے کے بعد ۲ مرتبہ مکہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو کوئی غزوہ واقعہ ایسا نہ تھا جس کی شرکت کا شرف انہیں حاصل نہ ہوا ہو انہی وجوہ سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے خاص محبت تھی، ایک مرتبہ وہ بیمار پڑے تو خود سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو آئے انصار کے کچھ لوگ ہمرکاب تھے فرمایا جانتے ہو شہید کون ہے؟ لوگ خاموش رہے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ ذرا مجھے تکیہ سے لگا کر بٹھاؤ بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا جواب دیا کہ جو مسلمان ہو ہجرت کرے اور معرکے میں قتل ہو، آپ نے فرمایا نہیں اس صورت میں تو شہیدوں کی تعداد بہت کم ہو گی قتل ہونا ہیضہ میں مرنا، غرق آب ہونا اور عورت کا زچگی میں مر جانا یہ سب شہادت میں داخل ہے۔(۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے تو صبح و شام دیکھنے جاتے تھے، اور اسی حالت میں ان کو ایک دعا بتائی اور فرمایا کہ مجھ کو جبرائیل علیہ السلام نے تلقین کی تھی۔(۵)(۶)

۱۔ مسند، ج ۵، ص ۳۱۹ ۲۔ مسند، ج ۵، ص ۲۵ ۳۔ مسند، ج ۵، ص ۳۱۷

۴۔ مسند، ج ۵، ۳۱۷ ۵۔ ایضاً، ص ۳۲۳ ۶۔ سیر الصحابہ، ج ۳، ص ۴۰۱۔۴۰۷

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ حسن ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

یہ روایت سباعات امام نسائی میں سے ہے، کیونکہ حضرت مخدجی نے دو صحابہ کرام حضرت ابو محمد اور حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، جو کہ ایک ہی درجہ میں ہیں یعنی دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مصنف ذخیرۃ العقبیٰ کا تسامح:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی لکھتے ہیں:

یہ روایت ثمانیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔(۱)

شیخ اتیوبی کا یہ کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ روایت ثمانیات نہیں، بلکہ سباعیات میں سے ہے کیونکہ حضرت مخدجی رحمۃ اللہ علیہ نے دو صحابہ کرام سے سماع کیا ہے، جبکہ دونوں کی روایت مختلف ہے، اور وہ ایک دوسرے سے بھی روایت نہیں کر رہے، بلکہ دونوں کی احادیث کے الفاظ و مفہوم مختلف ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ تراسی (۸۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں، البتہ مخدجی مقبول ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، اگلے تین مدنی اور باقی سارے شامی ہیں۔
☆ سند میں چار تابعی (یحییٰ، محمد، ابن محیریز، مخدجی) راوی ہیں۔
☆ سند میں دو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو محمد اور حضرت عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔
☆ حضرت عبادہ بن ثابت جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہما میں سے ہیں، اور قبلہ خزرج کے سردار تھے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمع، قال ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

الوتر :	طاق۔مراد عشاء کے وتر ہیں
واجب:	واجب۔لازمی
فرحت:	میں چلا

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ، ج۶، ص۹۵

فاعترضت له : میں ان کے سامنے آ گیا۔ میں نے انہیں روکا

هو رائح الی المسجد : وہ مسجد کی طرف جا رہے تھے

فاخبرته : میں نے انہیں اس کے بارے میں بتلایا۔

کذب ابو محمد : ابو محمد نے درست نہیں کہا۔

سمعت رسول الله ﷺ : میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔

کتبهن الله : اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیں۔

العباد : بندے　　من جاء بعن : جو انہیں ادا کرے، ان کی پابندی کرے

لم یضیع : وہ ضائع نہ کرے　　استخفاف : ہلکا۔ کم تر

عهد : وعدہ　　ان یدخلة : وہ سے داخل کرے

الجنة : باغ۔ جنت　　ان شاء عذبه : اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔

ان شاء ادخله الجنة : اگر چاہے تو اسے جنت عطا فرمادے۔

۷۔ مسائل ونصائح:

حدیث مذکور میں دو بنیادی مسئلے بیان ہوئے ہیں:

ا۔ نمازوں کی محافظت　　۲۔ وتر کا وجوب وعدم وجوب

مذکورہ بالا دونوں مسئلوں پر کثیر احادیث مبارکہ مروی ہیں، ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

ا۔ نمازوں کی محافظت:

امام جلال الدین عبدالرحمان بن ابی بکر سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ نماز پر محافظت سے مراد ان کی وقت پر محافظت ہے اور نماز سے سہو سے مراد ان کے وقت سے سہو ہے۔ (۱)

امام مالک، شافعی، بخاری، ابوداؤد، نسائی اور مسلم نے حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اہل نجد سے آیا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آواز گنگناہٹ سنائی دیتی تھی لیکن ہم اس کی بات نہیں سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو گیا پھر اس نے اسلام کے متعلق پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دن

ا۔ تفسیر طبری، ج ۲، ص ۶۶۳

رات میں پانچ نمازیں ہیں۔ پھر اس نے پوچھا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر لازم ہے؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفلی نماز پڑھے اور رمضان کے مہینہ کے روزے، اس نے پوچھا اس کے علاوہ بھی کوئی روزہ فرض ہے؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفلی روزے رکھے (پھر) رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ اس نے پوچھا اس کے علاوہ بھی مجھ پر صدقہ لازم ہے؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ تو نفلی صدقات دے، وہ شخص واپس ہوا اور یہ کہہ رہا تھا اللہ کی قسم میں اس پر نہ زائد کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کامیاب ہو گیا اگر اس نے سچ کر دکھایا۔ (۱)

امام بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ ہمیں اچھا لگتا تھا کہ کوئی عقل مند دیہاتی شخص آئے اور آپ ﷺ سے کچھ پوچھے اور ہم سنیں۔ پس ایک دیہاتی آیا اور اس نے عرض کی یا محمد ﷺ! آپ کا ایک مبلغ ہمارے پاس پہنچا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ پھر اس دیہاتی نے پوچھا آسمان کو کس نے پیدا کیا، آپ ﷺ نے فرمایا اللہ نے۔ پھر اس نے پوچھا زمین کو کس نے پیدا کیا ہے؟ دیہاتی کہنے لگا آسمان و زمین کے خالق اور پہاڑوں کے نصب کرنے والے کی قسم کیا اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پھر پوچھا ان پہاڑوں کو کس نے نصب کیا ہے اور جو کچھ اس میں ہے کس نے پیدا کیا ہے؟ فرمایا اللہ نے؟ فرمایا ہاں پھر پوچھا کہ تمہارا مبلغ کہتا ہے ہم پر دن، رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں؟ فرمایا اس نے سچ کہا، دیہاتی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا ہے کیا اللہ نے تمہیں ان نمازوں کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں۔ پھر دیہاتی نے کہا تمہارا مبلغ کہتا ہے کہ ہم پر ہمارے اموال میں زکوٰۃ لازم ہے؟ فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ پھر دیہاتی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں دیہاتی نے پوچھا تمہارا مبلغ کہتا ہے کہ ہم پر سال میں ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں؟ فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ دیہاتی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا آپ کا مبلغ کہتا ہے ہم پر حج لازم ہے جس کو راستہ کی طاقت ہو؟ فرمایا اس نے سچ کہا ہے دیہاتی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں ان فرائض پر نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اگر اس نے سچ کر دکھایا تو یقیناً جنت میں جائے گا۔ (۲)

امام بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت ابو ایوب سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے جو میں کروں تو وہ مجھے جنت کے قریب کر دے اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا۔ اللہ

۱۔ صحیح بخاری، ج ۱۱، ص ۴۵۔۴۶ ۲۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰

کی عبادت کرواس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر اور اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کر۔ جب وہ واپس مڑا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اگر اس کو مضبوطی سے تھامے رکھا تو جنت میں داخل ہوگا۔ (۱)

امام بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میری ایسے عمل پر راہنمائی فرمائیں اگر میں اسے کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں، فرمایا اللہ کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، فرض نماز قائم کر، فرض زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھو، اس اعرابی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس پر نہ کبھی اضافہ کروں گا اور نہ اس میں کمی کروں گا۔ جب وہ واپس چلا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا پس جسے یہ پسند ہو کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھے۔ (۲)

امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ جب میں فرض نمازیں پڑھوں، رمضان کے روزے رکھوں اور حلال کو حلال کروں اور حرام کو حرام کروں اور اس پر کچھ اضافہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں داخل ہوں گا فرمایا ہاں، اس شخص نے کہا اللہ کی قسم میں ان احکام پر کچھ اضافہ نہیں کروں گا۔ (۳)

امام ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تو اہل کتب کے پاس جائے گا۔ جب تو ان کے پاس پہنچے تو انہیں لا الہ اللہ وانی رسول الله کی شہادت کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری اس معاملہ میں اطاعت کریں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ یہ تسلیم کرلیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالدار لوگوں سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء پر لوٹایا جائے گا، اگر وہ یہ مان جائیں تو ان کے عمدہ اور اچھے مال نہ لینا، مظلوم کی دعا سے بچ کیوں کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ (۴)

امام ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوقتادہ بن ربعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے آپ کی امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور میں نے خود عہد کر رکھا ہے جو ان پر نمازوں کی ان کے وقت پر محافظت کرے گا میں اسے اپنے عہد کی وجہ سے جنت میں داخل کروں گا اور جو ان پر محافظت نہیں کرے گا اس کے لیے میرا کوئی عہد نہیں ہے۔ (۵)

امام ابوداؤد نے حضرت فضالہ اللیثی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ

۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۱ ۲۔ ایضاً ۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۳۲

۴۔ سنن ابن ماجہ، کتاب فرض الزکاۃ، ج ۲، ص ۳۷۸۔ ۱۷۸۳ ۵۔ سنن ابن ماجہ، باب الصلوات الخمس، ج ۲، ص ۱۸۴ (۱۴۰۳)

نے مجھے (احکام شرع کی) تعلیم دی، اس تعلیم میں یہ بھی تھا کہ پانچ نمازوں کی ان کے اوقات میں محافظت کرے۔ (۱)

امام مالک، ابن ابی شیبہ، احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کی ہیں، جو ان کو ادا کرے گا اور ان میں سے کوئی نماز ان کے حق کی کوتاہی کرتے ہوئے ضائع نہیں کرے گا۔ ایک روایت میں ہے جو ان نمازوں کا اچھی طرح وضو کرے گا اور ان کو ان کے وقت میں ادا کرے گا اور ان کا رکوع وخشوع مکمل کرے گا تو اللہ تعالیٰ پر اس کے لیے عہد ہے کہ وہ اسے بخش دے گا اور جو ایسا نہیں کرے گا اس کے لیے اللہ پر کوئی عہد نہیں ہے، اگر چاہے گا تو اسے بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو اس کو عذاب دے گا۔ (۲)

امام نسائی،، دارقطنی اور حاکم (انہوں نے اسے صحیح کہا ہے) نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کتنی نمازیں فرض کی ہیں؟ ان نمازوں سے پہلے یا بعد میں مجھ پر کچھ لازم ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اس شخص نے قسم اٹھائی اللہ کی قسم وہ نہ ان پر زیادتی کرے گا، اور نہ ان میں کمی کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے سچ کر دکھایا تو جنت میں داخل ہوگا۔ (۳)

امام حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت فضالہ الزاہرانی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تعلیم دی کہ پانچ نمازوں پر محافظت کر میں نے کہا میرے لیے کچھ ایسے اوقات ہیں جن میں میری بہت زیادہ مصروفیت ہوتی ہے، آپ مجھے کوئی ایسا جامع کام بتائیں جب میں اسے ادا کروں تو وہ میرے لیے کافی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عصرین کی محافظت کر یہ لفظ میری لغت میں نہیں تھا۔ میں نے کہا عصران سے کیا مراد ہے، فرمایا سورج کے طلوع ہونے سے پہلے کی نماز اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز۔ (۴)

امام مالک، احمد، نسائی، ابن خزیمہ، حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عامر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے سعد اور دوسرے صحابہ کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو بھائی تھے، ایک دوسرے سے افضل تھا جو افضل تھا وہ فوت ہو گیا پھر دوسرا چالیس دن اس کے بعد زندہ رہا پھر وہ بھی فوت ہو گیا، صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہلے کی فضیلت کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا دوسرا نماز نہیں پڑھتا تھا؟ صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں وہ بھی نماز پڑھتا تھا۔ فرمایا پھر اس میں بھی کوئی کمی نہیں، تمہیں پتا ہے کہ اس کی نماز نے اسے کس مقام پر پہنچا دیا۔ نماز کی مثال ایک جاری گہری میٹھی نہر کی ہے جو کسی شخص کے دروازے پر ہو جس میں ہر روز وہ داخل ہوتا ہو، (یعنی غسل کرتا ہو) تمہارا کیا خیال ہے اس پر کچھ میل

۱۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۳۰۱ ۲۔ ایضاً، ج ۵، ص ۳۲۸ ۳۔ مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۳۱۷۔ (۷۲۰)

۴۔ ایضاً، ج ۱، ص ۶۹۔ (۵۱)

باقی ہوگی؟ (فرمایا) تم نہیں جانتے کہ (دوسرے کو) اس کی نماز نے کہاں تک پہنچا دیا (۱)

امام احمد، ابن ماجہ، ابن حبان اور بیہقی نے الشعب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ قضاعہ قبیلہ کے دو آدمی تھے، دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسلام قبول کیا ان میں سے ایک شہید ہو گیا، دوسرا ایک سال مزید زندہ رہا۔ طلحہ بن عبداللہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ دونوں میں جو موخر فوت ہوا تھا اسے شہید سے پہلے جنت میں داخل کیا گیا، مجھے بہت تعجب ہوا، صبح ہوئی تو میں نے اپنا خواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس نے اپنے بھائی کے فوت ہونے کے بعد رمضان کے روزے نہیں رکھے تھے۔ ہزار رکعت نماز نہیں پڑھی تھی سال کی اتنی اتنی رکعت نہیں پڑھی تھیں۔ (۲)

امام عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں البزار اور ابو یعلی نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے یہ جان لیا کہ نماز حق اور واجب ہے تو وہ جنت میں داخل ہوا۔ (۳)

امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ (۴)

امام ابو یعلی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر ان کے دین میں سے جو چیز سب سے پہلے فرض کی وہ نماز ہے، آخر تک جو باقی رہے گی وہ نماز ہے، سب سے پہلے محاسبہ بھی نماز کا ہوگا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کی نماز کو دیکھو، اگر وہ مکمل ہوگی تو مکمل لکھی جائے گی، اگر ناقص ہوگی تو ارشاد ہوگا کیا اس کے کوئی نوافل ہیں؟ پس اگر نوافل ہوں گے تو ان کے ذریعے فرائض پورے کئے جائیں گے پھر ارشاد ہوگا کیا اس کی زکاۃ مکمل ہے، اگر وہ مکمل ہوگی تو مکمل لکھی جائے گی، اگر اس میں کمی ہوگی تو ارشاد ہوگا اس کا نفلی صدقہ دیکھو، اگر اس کا نفلی صدقہ ہو تو تو صدقہ سے اس کی زکاۃ مکمل کی جائے گی۔ (۵)

امام احمد، طبرانی، اور بیہقی نے الشعب میں حضرت حنظلہ الکاتب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے نمازوں کے رکوع سجود اور ان کے اوقات کی محافظت کی اور اس نے جان لیا کہ یہ اللہ کی طرف سے حق ہیں وہ جنت میں جائے گا۔ (۶)

امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز سب سے پہلے بندوں کے جس عمل کا محاسبہ ہوگا وہ نماز ہے۔ اگر نماز درست ہوگی تو اس کے لئے تمام اعمال درست ہوں گے اگر نماز درست نہ ہو

۱۔ موطا امام مالک، ج ۱، ص ۱۷۴ (۹۱)　۲۔ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۳۳۳　۳۔ شعب الایمان، ج ۳، ص ۴۰

۴۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۵ (۱۵۹۶)　۵۔ مسند ابو یعلی، ج ۳، ص ۴۰۳ (۴۱۱۰)　۶۔ شعب ایمان، ج ۳، ص ۴۶ (۲۸۲۴)

گی تو تمام اعمال فاسد ہوں گے۔ (۱)

امام احمد، ابن حبان، اور طبرانی نے عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر فرمایا اور فرمایا جس نے نماز کی محافظت کی تو اس کے لیے یہ نماز قیامت کے دن نور، برہان اور نجات ہوگی اور جو اس کی محافظت نہیں کرے گا اس کے لیے نہ نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات ہوگی اور قیامت کے روز وہ فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔ (۲)

امام البزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جس کے لیے نماز نہیں اس کی نماز نہیں، جس کا وضو نہیں۔

امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کا ایمان (کامل) نہیں، جو امانت دار نہیں، اس کی نماز (کامل) نہیں جو پاک نہیں اس کا دین (کامل) نہیں جو نمازی نہیں، نماز کا دین میں وہ مرتبہ ہے جو جسم میں سر کا مرتبہ ہے۔ (۳)

امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں ابو القاسم ﷺ نے فرمایا جو قیامت کے روز پانچ نمازوں کے ساتھ آئے گا جب کہ اس نے نمازوں کے وضو اور ان کے اوقات، رکوع اور سجود کی محافظت کی ہوگی، اس میں سے کچھ کم نہیں کیا ہوگا، وہ آئے گا تو اس کے لئے اللہ کی بارگاہ میں عہد ہوگا کہ وہ اسے عذاب نہیں دے گا اور جو ان نمازوں میں کوتاہی کرے گا اس کا اللہ کی بات میں کوئی عہد نہیں، اگر وہ چاہیے گا اس پر رحم فرمائے گا، چاہے گا تو اسے عذاب دے گا۔ (۴)

امام طبرانی الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ یقیناً دوست ہے اور جس نے ان کو ضائع کیا وہ یقیناً دشمن ہے۔ نماز اور روزہ اور جنابت (کا غسل) (۵)

امام طبرانی الاوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اردگرد بیٹھے امتیوں کو فرمایا تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں، میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کیا ہیں؟ فرمایا، نماز، زکوٰۃ، امانت، شرم گاہ، پیٹ اور زبان، (۶)

امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا معاصی کو چھوڑ دے، یہ بہتر ہجرت ہے اور نمازوں کی محافظت کر، یہ افضل ترین نیکی ہے۔ (۷)

۱۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۰ (۱۶۰۸)
۲۔ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۱۶۹
۳۔ المعجم اوسط، ج ۳، ص ۱۵۴۔ (۲۳۱۳)
۴۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۱ (۱۶۱۵)
۵۔ ایضاً (۱۶۱۶)
۶۔ ایضاً (۱۶۱۷)
۷۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۳۸ (۱۶۷۶)

امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نمازوں کو اپنے اوقات پر پڑھا اوران کے لیے مکمل وضو کیا اوران کے لئے قیام خشوع، رکوع، اور سجود کو مکمل کیا تو وہ نمازیں روشن ہو کر نکلتی ہیں اور کہہ رہی ہوتی ہیں اللہ تمہاری حفاظت کرے جیسے تو نے ہماری حفاظت کی اور جس نے وقت پر نماز نہ پڑھی اور نہ اس کے لئے وضو مکمل کیا اور نہ اس کا خشوع، رکوع اور سجود مکمل کیا تو وہ تاریک، سیاہ ہو کر نکلتی ہے۔ اور کہتی ہے اللہ تجھے ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا حتیٰ کہ جب اس طرح ہوتی ہے تو اللہ چاہے تو اسے لپیٹا جاتا ہے۔ جیسے پرانا کپڑا لپیٹا جاتا ہے پھر اس نماز کو پڑھنے والے کے چہرے پر مارا جاتا ہے۔(۱)

امام محمد، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم ظہر کی نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پروردگار کا کیا ارشاد ہے؟ ہم نے کہا نہیں، فرمایا تمہارا رب فرماتا ہے جس نے نمازوں کو اپنے اوقات پر پڑھا اور ان کی محافظت کی اور ان کے حق میں حقیر جانتے ہوئے ضائع نہ کیا تو اس شخص کے لیئے مجھ پر عہد ہے کہ میں سے جنت میں داخل کروں گا اور جو ان نمازوں کو وقت پر نہ پڑھے اور ان کی محافظت نہ کرے اور ان کے حق کو حقیر سمجھتے ہوئے ضائع کرے تو اس کے لیے مجھ پر کوئی حق نہیں ہے، اگر میں چاہوں گا تو اسے عذاب دوں گا، اگر چاہوں گا تو اس کو بخش دوں گا۔(۲)

امام طبرانی اور بیہقی نے الاسماء والصفات میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور انہیں فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہ سوال فرمایا پھر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میری عزت وجلال کی قسم کوئی بندہ نماز کو اپنے وقت پر نہیں پڑھتا مگر میں اسے جنت میں داخل کرتا ہوں اور جو نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتا اگر میں چاہوں گا تو اس پر رحم فرماؤں گا اور اگر چاہوں گا تو عذاب دوں گا۔(۳)

امام البزار اور طبرانی نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اس کے رکوع، سجود اور قرات کو مکمل کرتا ہے تو نماز کہتی ہے اللہ تیری حفاظت کرے، جس طرح تو نے میری حفاظت کی پھر اس کو آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے اس نماز کے لیے نور اور روشنی ہوتی ہے، اس کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور جو اچھی طرح وضو نہیں کرتا اور رکوع سجود اور قرات کو مکمل نہیں کرتا تو نماز کہتی ہے اللہ تجھے ضائع کرے جس طرح توں نے مجھے ضائع کیا ہے پھر اسے آسمان کی طرف بلند کیا جاتا ہے اور اس پر

۱۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۳۹ (۱۶۷۷)　۲۔ معجم کبیر، ج ۱۹، ص ۱۴۲　۳۔ ایضاً، ج ۱۰، ص ۲۸۱

اندھیرا ہوتا ہے، آسمان کے دروازے بند ہوتے ہیں پھر اسے لپیٹا جاتا ہے جیسے پرانا کپڑا لپیٹا جاتا ہے، پھر اسے اس نمازی کے منہ پر مارا جاتا ہے۔(۱)

امام احمد اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور افضل عمل پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز، پھر اس نے یہی سوال کیا تو فرمایا نماز، اس نے پھر یہی سوال کیا تو فرمایا نماز، تین مرتبہ فرمایا، پھر اس نے پوچھا تو فرمایا جہاد فی سبیل اللہ۔ اس شخص نے کہا میرے والدین ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نے فرمایا میں تمہیں اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیتا ہوں۔(۲)

امام طبرانی نے حضرت طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے سلمان کے پاس رات گزاری تا کہ ان کی کوشش و اجتہاد کو دیکھے۔ وہ رات کے آخری حصے میں اٹھے تو انہوں نے وہ نہ دیکھا جو وہ ان کے متعلق تصور کرتے تھے۔ سلمان کے سامنے یہ ماجرا کیا گیا تو سلمان نے کہا ان پانچ نمازوں کی حفاظت کرو، یہ ان زخموں کا کفارہ ہیں جو میدان جہاد میں نہیں لگ سکے۔ جب لوگ عشاء کی نماز پڑھتے تو وہ تین کیفیتوں میں ہوتے ہیں، ایک وہ جس پر گناہوں کا بوجھ ہوتا ہے اور اس کے لئے کوئی اجر نہیں ہوتا بعض وہ ہوتے ہیں جن کے لیے اجر ہوتا ہے اور کوئی گناہ نہیں ہوتا، بعض وہ ہوتے ہیں جن کے لئے نہ اجر ہوتا ہے نہ ان پر گناہ ہوتا ہے۔ پس جو رات کی تاریکی اور لوگوں کی غفلت کو غنیمت سمجھتا ہے۔ پھر وہ گناہوں میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے یہ وہ شخص ہے جس کے اوپر بوجھ ہے اور اس کے لئے اجر نہیں ہے اور وہ شخص جس کے لئے اجر ہوتا ہے اور نماز پڑھتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے اس شخص کے لیے نہ اجر ہے اور اور نہ اس پر گناہ اور کا بوجھ ہے۔ فرمایا ایسی عبادت سے بچو جس کے بعد انسان خستہ ہو جائے اور تم پر میانہ روی لازمی ہے اسی پر دوام پکڑ (۳)

امام طبرانی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ احکام ایسے ہیں جو ایمان کے ساتھ ان کو ادا کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو پانچ نمازوں پر محافظت کرے گا یعنی ان کے وضو، رکوع اور سجود اوقات پر محافظت کرے گا، رمضان کے روزے رکھے گا، اگر راستہ کی طاقت رکھتا ہے حج کرے، زکوۃ خوش دلی کے ساتھ ادا کرے گا اور امانت ادا کرے گا۔ عرض کی گئی اے اللہ کے نبی، امانت کی ادائیگی کیا ہے۔ فرمایا جنابت سے غسل کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے علاوہ اپنے دین میں کسی شی پر ابن آدم کو امین نہیں فرمایا۔(۴)

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزوں پر میں قسم اٹھاتا ہوں اللہ تعالیٰ

۱۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۳۰۴، (۲۷۳۴)　　۲۔ الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان، ج ۵، ص ۸

۳۔ معجم کبیر، ج ۶، ص ۱۷ (۶۰۱۵)　　۴۔ معجم صغیر، ص ۲۷۷

نہیں بتائے گا جس کا اسلام میں حصہ ہوگا اس شخص کی طرح جس کا اسلام میں حصہ نہیں ہوتا اور اسلام کے حصص تین ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ۔(۱)

امام دارمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی چابی نماز ہے۔ امام دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز، دین کا ستون ہے۔(۲)

امام بیہقی نے الشعب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میزان ہے جس نے اس کو پورا کیا، اس نے پورا اجر پایا۔(۳)

امام بیہقی نے الشعب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ایک شخص آیا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام میں اللہ کے نزدیک کون سی چیز محبوب ہے؟ فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا اور جس نے نماز ترک کی اس کا دین نہیں ہے اور نماز دین کا ستون ہے۔(۴)

امام ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم بیہقی نے سنن میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق پر استقامت اختیار کرو اور تم ہرگز ایسا نہ کرسکو گے (تم سے کچھ کمی ہو جائے گی) اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سے بہتر عمل نماز ہے۔ وضو پر صرف مومن ہی محافظت کرے گا۔(۵)

امام حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنہوں نے ان فرضی نمازوں پر محافظت کی اسے غافلوں میں سے نہیں لکھا جائے گا اور جس نے ایک رات میں سو آیات تلاوت کیں وہ قیام کرنے والوں میں سے لکھا جائے۔(۶)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جس نے ان نمازوں پر محافظت کی وہ غافلوں میں سے نہیں ہے بے شک ان میں کوتاہی ہی ہلاکت ہے۔۔

امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جو یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے روز اللہ سے مسلمان ہو کر ملاقات کرے اسے ان نمازوں پر محافظت اختیار کرنی چاہیے جب ان کے لئے اذان دی جائے، ابوداؤد کے لفظ اس طرح ہیں جہاں بھی اذان دی جائے پانچوں نمازوں پر محافظت کرو کیوں کہ یہ سنن ہدی میں سے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے سنن ہدیٰ شروع فرمائی، نمازوں سے پیچھے نہیں رہے گا مگر منافق جا کا نفاق ظاہر ہوگا اور تو نے دیکھا کہ ایک شخص کو دو آدمیوں کے درمیان اٹھا کر لایا گیا حتیٰ کہ صف میں کھڑا کیا گیا اور تم میں سے کوئی ایسا نہ ہو مگر اس کے

۱۔ مسند امام احمد، ج ۶، ص ۱۴۵
۲۔ مسند الفردوس، ج ۲، ص ۴۰۴ (۳۷۹۵)
۳۔ شعب الایمان، ج ۳، ص ۱۴۷ (۱۳۵۱)
۴۔ شعب ایمان، ج ۳، ص ۳۹ (۲۸۰۷)
۵۔ مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۲۲۱ (۴۴۸)
۶۔ ایضاً، ج ۱، ص ۴۵۲، (۱۱۶۰)

لئے مسجد ہونی چاہیے اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھو گے اور اپنی مسجد کو چھوڑ دو گے تو تم پر اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے اور تم اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو تم کفر کرو گے۔ (۱)

امام ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے روز بندے کا سب سے پہلے جس عمل کا محاسبہ ہوگا وہ اس کی نماز ہے، اگر وہ درست ہوگی تو وہ کامیاب وکامران ہوگا، اگر نماز درست نہ نکلی تو وہ خائب وخاسر ہوگا اگر اس کے فرائض میں کمی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو میرے بندے کے کوئی نفل ہیں۔ پس فرائض کی کمی کو نفلوں سے پورا کیا جائے گا پھر اس کے تمام اعمال کے لیے ایسا ہی ہوگا۔ (۲)

امام ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے جس چیز کا قیامت کے روز بندے سے حساب ہوگا وہ اس کی نماز ہے اگر وہ کامل ہوگی تو اس کے لئے کامل لکھی جائے گی، اگر کامل نہ ہوگی تو اللہ فرشتوں سے فرمائے گا دیکھو تم اس کے کوئی نفل دیکھتے ہو تو اس کے فرائض کے ضیاع کو نوافل میں سے پورا کردو۔ پھر زکوۃ میں اس کی مثل معاملہ کیا جائے گا پھر اعمال کا محاسبہ اسی طرح ہوگا۔ (۳)

امام طبرانی نے حضرت نعمان بن نوفل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میں پانچ نمازیں پڑھوں، رمضان کے روزے رکھوں، حرام کو حرام اور حلال کو حلال کروں اور اس پر کچھ اضافہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا؟ فرمایا ہاں پھر اس شخص نے کہا اللہ کی قسم میں اس پر کچھ زائد نہیں کروں گا۔ (۴)

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا اور پوچھا آپ کو کس نے پیدا کیا ہے اور آپ سے پہلے لوگوں کو کس نے پیدا کیا اور تیرے بعد کے لوگوں کا خالق کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ۔ میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے تجھے رسول بنایا ہے؟ فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور ان کے درمیان رزق کس نے جاری کیا؟ فرمایا اللہ۔ پھر اس نے کہا میں قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اس نے تجھے رسول بنایا ہے؟ فرمایا ہاں۔ ہم نے آپ کی کتاب میں پایا ہے اور تمہارے مبلغوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم رات اور دن میں پانچ نمازیں ان کے وقتوں پر ادا کریں، میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا؟ فرمایا ہاں اس نے کہا ہم کتاب میں پاتے ہیں اور تمہارے مبلغین نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اپنے اموال میں سے کچھ حصہ نکال کر اپنے فقرا کو دیں، میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو

۱۔ سنن نسائی، ج ۲، ص ۱۰۸　　۲۔ سنن ابن ماجہ، ج ۳، ص ۱۹۷ (۱۴۲۵)
۳۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۹۷ (۱۴۲۶)　　۴۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۹ (۱۶۰۲)

حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میں ان احکام پر عمل کروں گا اور جو میری قوم میں سے میری اطاعت کرے گا، پس رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا اگر اس نے سچ کر دکھایا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔(۱)

امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص ایک قوم کے پاس سے گزرا تو ان پر سلام کیا۔ انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیا جب وہ ان لوگوں سے گزرنے لگا تو ایک شخص نے کہا، اللہ کی قسم میں اللہ کی رضا کے لیے اس شخص سے بغض رکھتا ہوں۔ اہل مجلس نے کہا اللہ کی قسم تم نے بڑی بری بات کہی۔ اللہ کی قسم ہم ضرور اسے بتائیں گے اے فلاں اٹھ اور اسے بتا۔ ان کے پیغام پہنچانے والے نے اسے پایا اور جو کچھ اس شخص نے کہا تھا اس کے متعلق بتایا۔ وہ شخص لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں مسلمانوں کی ایک مجلس سے گزرا جس میں فلاں شخص تھا میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، پھر جب میں ان سے گزر آیا تو ان میں سے ایک شخص مجھے ملا اور مجھے بتایا کہ میں اللہ کی رضا کے لیے اس شخص سے بغض رکھتا ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ! اسے بلایئے اور اس سے پوچھیے کہ وہ مجھ سے کیوں بغض رکھتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور اس کی بات کے متعلق پوچھا۔ اس نے اعتراف کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اس سے کیوں بغض رکھتا ہے۔ اس نے کہا میں اس کا پڑوسی ہوں اور اس کو تاڑتا رہتا ہوں، اللہ کی قسم میں نے اسے سوائے فرضی نمازوں کے کبھی کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا،، جب کہ فرضی نمازیں تو ہر نیک و بد پڑھتا ہے اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے پوچھیے کیا اس نے مجھے کبھی دیکھا ہے کہ میں نے نماز کو کبھی لیٹ پڑھا ہو یا میں نے وضو میں کوئی کوتاہی کی ہو یا رکوع وسجود ٹھیک نہ کیا ہو، آپ ﷺ نے پوچھا تو اس نے کہا نہیں ایسا نہیں دیکھا پھر اس نے کہا میں نے کبھی اس کو روزہ رکھتے نہیں دیکھا سوائے اس مہینہ کے جس کے روزے ہر نیک و بد رکھتا ہے۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے پوچھیے کبھی اس نے مجھے دیکھا ہے کہ کبھی میں نے روزے میں کوئی کوتاہی کی ہو یا اس کے حقوق میں کمی کی ہو، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا نہیں پھر اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے کبھی کسی سائل کو کچھ دیتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے اسے نہیں دیکھا کہ اس نے اپنے مال میں سے کچھ اللہ کے راستہ میں خرچ کیا ہو سوائے اس صدقہ کے جو ہر نیک و بد کرتا ہے۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس سے پوچھیے کیا کبھی میں نے زکوٰۃ سے کچھ چھپایا ہے یا میں نے زکوٰۃ وصول کرنے والے سے کچھ کمی کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اٹھ کھڑا ہو نہیں معلوم شاید یہ تجھ سے بہتر ہو۔(۲)

امام البزار اور طبرانی نے مالک الاشجعی عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا تو رسول اللہ سب سے پہلے اسے نماز کی تعلیم دیتے تھے۔(۳)

۱۔ معجم کبیر، ج ۸، ص ۳۰۶ (۸۱۵۱) ۲۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۸ (۱۶۰۱) ۳۔ معجم کبیر، ج ۸، ص ۳۱۷ (۸۱۸۶)

امام ابن ابی شیبہ، طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی ان کے پاس آیا اور کہا ہم مسلمان لوگ ہیں اور وہاں کچھ مہاجر لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم کسی شے پر نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، بیت اللہ کا حج کیا، رمضان کے روزے رکھے، مہمان کی مہمان نوازی کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔(۱)

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ اسلام کے درجات میں سے کون سے درجہ افضل ہے؟ فرمایا نماز۔ پوچھا گیا پھر کیا ہے؟ فرمایا زکوٰۃ۔(۲)

امام ابن ابی شیبہ نے المصنف میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ اعمال کے درجات میں سے کون سا درجہ بہتر ہے؟ فرمایا نماز اور جس نے نماز نہیں پڑھی اس کا دین نہیں ہے۔(۳)

امام ابن ابی شیبہ، احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے اور کفر کے درمیان نماز کا ترک ہے۔(۴)

امام ابن ابی شیبہ، احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے وہ نماز ہے۔ پس جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔(۵)

امام محمد بن نصر المروزی نے کتاب الصلوٰۃ میں اور طبرانی نے حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میرے خلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کی وصیت فرمائی، فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں کاٹ دیا جائے یا جلا دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے اور جان بوجھ کر نماز ترک نہ کرو، جو جان بوجھ کر نماز ترک کرے گا وہ ملت سے خارج ہو جائے گا اور گناہ نہ کرو، یہ اللہ کی ناراضگی کا باعث ہوتے ہیں شراب نہ پیو۔ کیونکہ یہ تمام خطاؤں کی اصل ہے۔(۶)

امام ترمذی، حاکم نے حضرت عبداللہ بن شقیق العقیلی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں جانتے تھے۔(۷)

امام طبرانی نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے بندے اور کفر اور ایمان کے درمیان (فرق) نماز ہے، اگر نماز کو چھوڑا تو شرک کیا۔

۱۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۰۲ (۱۳۱)　۲۔ ایضاً، ج ۳، ص ۲۰۹ (۴۳۶۸)　۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۷ (۱۶۳۷)

۴۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۳ (۱۰۷۸)　۵۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۴ (۱۰۷۹)

۶۔ مجمع الزوائد، ج ۴، ص ۳۹۳ (۸۱۱۴)　۷۔ مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۴۸ (۱۲)

امام البزار اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کی آنکھ کو تکلیف تھی انہیں کہا گیا ہم تمہارا علاج کرتے ہیں، کیا تم کچھ دن نماز چھوڑ دو گے؟ فرمایا نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز ترک کرے گا وہ اللہ سے ملاقات کرے گا جب کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا۔ (۱)

امام ابن ماجہ، محمد بن نصر المروزی اور طبرانی الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے اور شرک کے درمیان نہیں ہے مگر نماز۔ پس جس شخص نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا تو اس نے شرک کیا۔ (۲)

امام ابویعلیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اسلام کے کنڈے اور دین کے قواعد تین ہیں ان پر اسلام کی بنیاد رکھی ہے۔ جس نے ان میں کسی ایک کو ترک کیا وہ کافر ہے۔ (اور) اس کا خون بہانا حلال ہے (وہ قواعد یہ ہیں) لا اله الا الله کی گواہی دینا، فرض نماز اور رمضان کے روزے۔ (۳)

امام احمد اور طبرانی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس کلمات کی وصیت فرمائی۔ فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا، اگر چہ تجھے قتل کیا جائے اور جلا دیا جائے۔ اپنے والدین کی نافرمانی نہ کر اگر چہ وہ تجھے حکم دیں کہ اپنے اہل اور مال کو چھوڑ کر نکل جا اور جان بوجھ کر فرضی نماز ترک نہ کر کیونکہ جو جان بوجھ کر فرضی نماز چھوڑے گا اس سے اللہ کا ذمہ بری ہے اور شراب نہ پینا کیونکہ یہ ہر برائی کی اصل ہے، گناہ سے بچ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بڑی ناراضگی گناہ کی وجہ سے ہے، میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنے سے بچو اگر چہ لوگ ہلاک ہو جائیں، اگر چہ لوگوں کو موت لاحق ہو جائے تو بھی ثابت قدم رہو، اور اپنے اہل پر اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کر اور ان کو ادب سکھانے کے لئے ان سے ڈنڈا نہ اٹھا اور اللہ سے انہیں ڈرا۔ (۴)

امام طبرانی نے حضرت امیمہ مولاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور عرض کی مجھے وصیت فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اگر چہ تجھے ٹکڑے کیا جائے یا تجھے جلایا جائے اور اپنے والدین کی نافرمانی نہ کر اگر چہ وہ تجھے حکم دیں کہ اپنے اہل اور دنیا کو چھوڑ جا تو چھوڑ جا، اور شراب نہ پی کیونکہ یہ ہر برائی کی چابی ہے اور جان بوجھ کر نماز ترک نہ کر جس نے ایسا کیا اس سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ بری ہے۔ (۵)

امام ابن سعد نے حضرت سماک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عباس کی آنکھوں میں پانی پڑ گیا جس کی وجہ سے ان کی نظر ختم

۱۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۶ (۱۶۳۲)
۲۔ سنن ابن ماجہ، ج ۲، ص ۱۵ (۱۰۸۰)
۳۔ مسند ابویعلیٰ، ج ۲، ص ۳۷۸ (۲۳۴۵)
۴۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۶ (۱۶۳۲)
۵۔ معجم کبیر، ج ۲۴، ص ۱۹۰ (۴۷۹)

ہوگئی، وہ لوگ ان کے پاس آئے جو آنکھوں کا آپریشن کرتے تھے اور پانی بہاتے تھے۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کہا ہمیں اجازت دو تو ہم آپ کی آنکھ کا پانی نکالتے ہیں لیکن آپ پانچ دن زمین پر نماز پڑھنے سے رکے رہیں، ہاں کسی لکڑی پر سجدہ کر سکتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ کی قسم میں تو ایک رکعت بھی نہیں چھوڑوں گا، مجھے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر ایک نماز ترک کی وہ اللہ سے ملاقات کرے گا جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا۔ (۱)

امام ابن حبان نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بادل والے دن نماز جلدی کرو کیوں کہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔ (۲)

امام احمد نے حضرت زیاد بن نعیم الحضرمی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں اللہ نے فرض کی ہیں جس نے تین کو ادا کیا تو اس کو وہ کچھ فائدہ نہ دیں گی حتیٰ کہ چاروں کو ادا کرے (۱) نماز (۲) زکوٰۃ (۳) رمضان کا روزہ (۴) بیت اللہ کا حج۔ (۳)

امام الاصبہانی نے الترغیب میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کیا اللہ تعالیٰ اس کے اعمال ضائع فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہوگا حتیٰ کہ وہ توبہ کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں رجوع کرے۔

امام احمد اور بیہقی نے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جان بوجھ کر نماز کو ترک نہ کرو کیونکہ جو جان بوجھ کر نماز کو ترک کرے گا اللہ اور اس کا رسول اس سے بری الذمہ ہوں گے۔ (۴)

ابن ابی شیبہ نے کتاب ایمان میں اور المصنف میں اور بخاری نے تاریخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے۔ ایک روایت میں ہے اس نے کفر کیا۔

امام محمد بن نصر اور ابن عبد البر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔ ابن ابی شیبہ محمد ابن نصر اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جس نے نماز کو ترک کیا اس کا دین نہیں (۵)

ابن عبد البر نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے امام ابن عبد البر نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں اس کا ایمان نہیں جس کی نماز نہیں اور اس کی نماز نہیں جس کا وضو نہیں۔

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔ (۶)

۱۔ مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۲۶
۲۔ الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان، ج ۴ ص ۳۲۳ (۱۴۶۳)
۳۔ مسند احمد، ج ۴ ص ۲۰۱
۴۔ شعب الایمان، ج ۶ ص ۱۸۸ (۷۸۶۵)
۵۔ مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۲۷ (۱۶۳۷)
۶۔ ایضاً، (۱۶۳۸)

امام مالک اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو نماز کے لئے جگایا گیا جب کہ ان کو نیزہ لگا ہوا تھا۔ لوگوں نے کہا امیر المومنین نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام میں اس کا کوئی حق نہیں جس نے نماز کو ترک کیا پھر آپ نے نماز پڑھی جب کہ آپ رضی اللہ عنہ کا خون زخم سے رس رہا تھا۔ (۱)

امام مالک نے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی طرف لکھا کہ تمہارے امور میں سے اہم ترین میرے نزدیک نماز ہے، جس نے اس کی حفاظت کی اور اس پر دوام اختیار کیا اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسری چیزوں کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔ (۲)

امام نسائی اور ابن حبان نے حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی نماز فوت ہو گئی گویا اس کے اہل اور اس کا مال تباہ ہو گیا۔ (۳)

امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کیا اس نے کبیرہ گناہوں میں سے ایک گناہ کیا۔ (۴)

امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے نمازیوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ (۵)

امام ابن ابی شیبہ اور ابو یعلی نے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیوں کے مارنے سے منع فرمایا (۶)

امام احمد اور بیہقی نے الشعب میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ کوئی ہمیں خادم عطا فرمائیں، فرمایا تم جاؤ گھر میں تین غلام ہیں تم ایک لے لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا نبی اللہ آپ ہی میرے لیے پسند فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے لئے خود پسند کرو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ منتخب فرمائیں فرمایا گھر میں تین غلام ہیں، ان میں سے جو نماز پڑھ چکا ہے وہ لے جاؤ اور اسے سزا نہ دینا کیونکہ نمازیوں کے مارنے سے منع کیا گیا ہے۔ (۷)

امام ابو یعلی نے ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ابو الہیثم بن التیہان آیا اور خادم طلب کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وعدہ فرمایا کہ اگر غلام آئیں گے (تو اسے عطا کریں گے) پھر وہ آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا ہمیں دو سیاہ غلام ملے ہیں ان میں سے تو جو چاہے لے لے۔ اس نے کہا میں آپ سے مشورہ طلب کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ غلام لے لے اس

۱۔ الیضا، ۱۶۳۶ ۲۔ موطا امام مالک، ج ا، ص ۲۔ ۶ ۳۔ الاحسان فی ترتیب صحیح ابن حبان، ج ۴، ص ۳۳۰۔ ۱۴۶۸

۴۔ مستدرک حاکم، ج ا، ص ۴۱۰۔ ۱۰۲۰ ۵۔ معجم کبیر، ج ۱۸، ص ۲۶۔ ۴۴

۶۔ مسند ابو یعلی، ج ا، ص ۵۸۔ ۸۳ ۷۔ شعب الایمان، ج ۳، ص ۳۵ (۲۷۹۹)

نے ہمارے پاس نماز پڑھی ہے اور اس کو مارنا نہیں کیونکہ ہمیں نمازیوں کے مارنے سے منع کیا گیا ہے۔(۱)

امام ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقین پر بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے، اگر وہ جانتے جو ان میں ثواب ہے تو یہ ضرور ان نمازوں میں حاضر ہوتے اگر چہ انہیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا۔ میں نے ارادہ کیا کہ میں نماز کا حکم دوں تکبیر کہی جائے تو کسی کو حکم دوں کہ لوگوں کو وہ نماز پڑھائے۔ پھر میں اپنے ساتھ کچھ لوگ لے کر چلوں، جن کے پاس لکڑیوں کے گھٹے ہوں، ایسے لوگوں کے پاس جاؤں جو نماز میں حاضر نہیں ہوئے تو ان پر ان کے گھروں کو آگ سے جلا دوں۔(۲)

امام طبرانی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تو اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر ایسا نہ ہو کہ تو اسے دیکھ سکے (تو پھر اس طرح عبادت کر کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے اور اپنے آپ کو مردوں میں شمار کر اور مظلوم کی بددعا سے بچ کیونکہ وہ قبول کی جاتی ہے، جو تم میں سے عشاء اور صبح کی نماز میں شریک ہونے کی طاقت رکھتا ہے اگر چہ گھٹنوں کے بل ہی آسکتا ہو تو اسے حاضر ہونا چاہیے۔(۳)

امام ابن ابی شیبہ، البزار، ابن خزیمہ، طبرانی، بیہقی نے الشعب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم جب کسی کو فجر اور عشاء کی نماز میں نہ دیکھتے تو اس کے متعلق ہمارا گمان اچھا نہ ہوتا۔(۴)

امام ابن ابی شیبہ احمد، ابوداؤد، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی اور پوچھا کیا فلاں شخص نماز میں حاضر ہے؟ صحابہ نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا فلاں شخص موجود ہے؟ صحابہ کرام نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ دونوں نمازیں (عشاء اور فجر) منافقین پر بہت بھاری ہیں، اگر تم جانتے کہ ان میں کتنا ثواب ہے تو تم نماز میں حاضر ہوتے اگر چہ تمہیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا (۵)

امام ابن ابی شیبہ، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ جان لیتے جو کچھ (اجر و ثواب) عشاء اور فجر کی نماز میں ہے تو وہ ضرور حاضر ہوتے اگر چہ انہیں گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑتا۔(۶)

امام طبرانی نے حضرت الحرث بن وہب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ہمیشہ اسلام پر رہے گی جب کہ یہود کی مشابہت میں وہ مغرب کی نماز کو اتنا موخر نہیں کرے گی کہ ستارے آپس میں مل جائیں اور جب تک نصاریٰ کی مشابہت میں فجر کو موخر نہیں کرے گی۔(۷)

۱۔ مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۱۸۲ (۱۳۱۶۰) ۲۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۳۲ ۳۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۱۶۵ (۲۱۴۹)

۴۔ ایضاً، ج ۲، ص ۱۶۵ (۲۱۵۱) ۵۔ سنن ابوداؤد، ج ۳، ص ۲۹ (۵۳۶)

۶۔ سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۴۳۴ (۷۹۶) ۷۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۵۶ (۱۷۳۷)

امام طبرانی نے الصنابحی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت دین کے راستہ پر رہے گی جب تک کہ وہ یہود کی مشابہت ستاروں کے خوب روشن ہونے تک مغرب کی نماز کا انتظام نہیں کرتے رہیں گے۔(۱)

امام بخاری، مسلم اور بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح اور عصر کی نمازیں پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔(۲)

امام مسلم اور بیہقی نے حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کے ذمہ میں ہے۔ پس اللہ تم سے اپنے ذمہ کچھ طلب نہیں کرتا کیونکہ جس سے وہ اپنے ذمہ سے کچھ طلب کرے گا اور وہ سے پالے گا پھر وہ اسے منہ کے بل جہنم میں گرائے گا۔(۳)

امام مسلم، ترمذی اور بیہقی نے حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو صبح کی نماز پڑھتا ہے وہ اللہ کے ذمہ ہوتا ہے پس اللہ کے ذمہ کو نہ توڑو۔(۴)

امام احمد، البزار، طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کے ذمہ میں ہے، پس اس کے ذمہ کو نہ توڑو، جس نے اللہ کے ذمہ کو توڑا اللہ تعالیٰ اس کو طلب کرے گا حتیٰ کہ اسے منہ کے بل گرائے گا۔(۵)

امام البزار، ابویعلی اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے صبح کی نماز پڑھی وہ اللہ کے ذمہ میں ہے۔ پس اس سے بچو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ میں سے کچھ تم سے طلب کرے۔(۶)

امام طبرانی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو صبح کی نماز پڑھتا ہے وہ اللہ کے ذمہ میں ہوتا ہے جو اللہ کے ذمہ کو توڑے گا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں اوندھا گرائے گا(۷)

امام طبرانی نے ابو مالک الاشجعی عن ابیہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو صبح کی نماز پڑھتا ہے وہ اللہ کے ذمہ ہوتا ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔(۸)

امام مالک، ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی گویا اس کے اہل و مال ہلاک ہوگئے۔(۹)

۱۔ ایضاً، (۱۷۳۸) ۲۔ صحیح مسلم، ج۵، ص۱۱۵ (۲۱۵) ۳۔ ایضاً، ج۵، ص۱۳۴ (۲۶۱)

۴۔ شعب الایمان، ج۳، ص۵۲ (۲۸۴۱) ۵۔ مجمع الزوائد، ج۲، ص۱۲۷ (۱۶۴۰) ۶۔ مسند ابویعلی، ج۳، ص۳۹۸ (۴۰۹۳)

۷۔ مجمع الزوائد، ج۲، ص۲۹ (۱۶۴۶) ۸۔ ایضاً، ج۲، ص۲۸ (۱۶۴۸) ۹۔ صحیح بخاری، ج۱، ص۲۰۳ (۵۲۷)

امام شافعی نے نوفل بن معاویہ الدیلمی سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جس کی نمازِ عصر فوت ہوگئی گویا اس کے اہل و مال ہلاک ہوگئے۔ (۱)

امام ابن ابی شیبہ، بخاری، نسائی، ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے عصر کی نماز ترک کی اس کا عمل ضائع ہوگیا (۲)

احمد نے ابو درداء سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عصر کی نماز جان بوجھ کر ترک کی اس کا عمل ضائع ہوگیا۔ (۳)

امام مسلم، نسائی اور بیہقی نے حضرت ابو بصرہ الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز مخمص میں پڑھائی پھر فرمایا یہ نماز تم سے پہلے لوگوں کو دی گئی، انہوں نے اسے ضائع کردیا، جس نے عصر کی نماز کی حفاظت کی اس کے لئے اس کا اجر دوہرا ہے اور اس کے بعد نماز نہیں ہے حتیٰ کہ ستارے طلوع ہوجائیں۔ (۴)

امام طبرانی نے حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا یہ نماز (عصر) تم سے پہلے لوگوں پر بھی فرض کی گئی تھی۔ انہوں نے اس کو ضائع کردیا۔ پس جس نے اس کی حفاظت کی اسے دوہرا اجر دیا جائے گا اور اس کے بعد کوئی نماز نہیں ہے حتیٰ کہ ستارے نظر آنے لگیں۔ (۵)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عصر کی نماز بغیر عذر کے نہ پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا تو گویا اس کا اہل اور مال ہلاک ہوگیا۔ ابن ابی شیبہ نے نوفل بن معاویہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ نمازوں میں سے ایک نماز ہے جس کی وہ فوت ہوجائے اس کا گویا اہل و مال ہلاک ہوگیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ یہ عصر کی نماز ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں جس کی عصر کی نماز بغیر عذر کے فوت ہوگئی اس کا عمل ضائع ہوگا۔

امام ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت فطرت (اسلام) پر رہے گی جب تک کہ ستاروں کے خوب روشن ہونے تک مغرب کی نماز مؤخر نہیں کریں گے۔ (۶)

امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے سنن میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت

۱۔ کتاب الام للشافعی، ج ۱، ص ۷۳ ۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۰۳ (۵۲۸) ۳۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۷ (۱۶۳۹)
۴۔ سنن نسائی، ج ۱، ص ۲۵۹ ۵۔ معجم کبیر، ج ۴، ص ۱۸۳ (۴۰۸۴) ۶۔ مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۳۰۴ (۶۸۶)

فطرت پر رہے گی۔ جب تک ستاروں کے طلوع ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھتے رہیں گے۔ (۱)

امام حاکم نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میری امت خیر کے ساتھ رہے گی (یا فرمایا) فطرت پر رہے گی جب تک کہ ستاروں کے خوب روشن ہونے تک مغرب کی نماز کو موخر نہیں کرے گی۔ (۲)

امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازوں میں سے افضل نماز مغرب ہے جس نے نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، اللہ تعالیٰ اس کے لے جنت میں گھر بنا دے گا۔ (۳)

امام ابن سعد، بخاری، مسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا مبارک ہو تم پر یہ اللہ کی نعمت ہے کہ تمہارے علاوہ لوگوں میں سے کوئی بھی اس نماز کو پڑھنے والا نہیں ہے یا فرمایا اس وقت تمہارے علاوہ کوئی اس نماز کو نہیں پڑھ رہا ہے۔ (۴)

امام طبرانی نے حضرت المنکد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ایک رات عشاء کی نماز کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا یہ وہ نماز ہے جسے پہلی امتوں میں سے کسی نے اس کو نہیں پڑھا ہے۔ (۵)

امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات عشاء کی نماز کے لئے تشریف لائے تو صحابہ کرام سے فرمایا یہ تمہاری نماز کبھی تم سے پہلی کسی امت نے نہیں پڑھی۔ (۶)

امام ابن ابی شیبہ، ابوداؤد اور بیہقی نے سنن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہم ایک رات عشاء کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے تاخیر کی حتیٰ کہ گمان کرنے والے نے گمان کیا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں یا باہر تشریف لانے والے نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز عشاء پڑھو کیونکہ اس کی وجہ سے تمہیں تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور تم سے پہلے کسی امت نے نہیں پڑھی۔ (۷)

امام احمد نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرا خیال ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ غلام سے اس کی نماز کے بارے میں محاسبہ ہوگا، اس میں اگر کمی ہوگی تو اسے کہا جائے گا تو نے نماز میں کمی کیوں کی ہے؟ وہ کہے گا یارب تو نے مجھ پر ایک مالک مسلط کیا تھا جس نے مجھے نماز سے غافل رکھا۔ پھر ارشاد ہوگا میں نے

۱۔ معجم کبیر، ج ۷، ص ۱۵۴ (۱۶۷۱)   ۲۔ مستدرک حاکم، ج ۱، ص ۳۰۳ (۶۸۵)   ۳۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۵۱ (۱۷۱۸)
۴۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۲۹   ۵۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۵۷ (۱۷۴۳)   ۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۵۹ (۱۷۴۹)
۷۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۲۸۹ (۴۰۵)

تجھے دیکھا کہ مالک کے مال سے اپنے لیے چوری کرتا تھا۔ پس تو نے اپنے عمل سے اپنے لیے کیوں نہ چوری کی؟ پس اللہ کے لئے اس پر حجت قائم ہو جائے گی۔ (۱)

امام ابی شیبہ، ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے عبدالملک بن ربیع بن سبر عن ابیہ عن جارہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دو اور جب دس سال کا ہو جائے تو اسے نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ (۲)

امام ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، اور حاکم نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کے سلسلہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب کہ ان کی عمر سات سال ہو جائے اور انہیں نماز کی ادائیگی پر مارو جب کہ وہ بارہ سال کے ہو جائیں اور ان کے درمیان بستر میں جدائی کرو۔ (۳)

امام ابوداؤد نے ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ بچہ کب نماز پڑھے، فرمایا جب وہ دائیں کو بائیں سے پہچان لے تو اسے نماز کا حکم دو۔ (۴)

امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت عبداللہ بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز سکھاؤ جب سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں اور انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور ان کے بستر علیحدہ علیحدہ کر دو۔ (۵)

امام الحرث بن ابی اسامہ اور طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بچہ دائیں سے بائیں کو پہچانے تو اسے نماز کا حکم دو۔ (۶) البزار نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کا حکم دو اور دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو۔ (۷)

امام ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں نماز کے متعلق اپنے بیٹوں کی مخالفت کرو اور انہیں خیر کا عادی بناؤ۔ کیوں کہ اچھی عادت ہے۔ (۸)

امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوالجوزاء رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت الحسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا یاد کیا ہے فرمایا پانچ نمازیں۔ (۹)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں مجھے بتایا گیا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر

۱۔ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۳۲۸ ۲۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۴۱۳ (۴۷۶) ۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۴۱۵ (۴۷۷)

۴۔ ایضاً، ج ۲، ص ۴۱۷ (۴۷۹) ۵۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۴ (۱۶۲۶) ۶۔ (ایضاً، ج ۲، ص ۲۵ (۱۶۲۸)

۷۔ ایضاً (۱۶۲۹) ۸۔ معجم کبیر، ج ۹، ص ۲۳۶ (۹۱۵۵) ۹۔ ایضاً، ج ۳، ص ۷۶ (۲۷۰۹)

ﷺ لوگوں کو یہ سکھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اور نماز قائم کرو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت پر فرض کی ہے کیونکہ اس کی کوتاہی میں ہلاکت ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے جعفر بن برقان سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں ہماری طرف عمر بن عبدالعزیز نے لکھا ہے امابعد، دین کی عزت اور اسلام کا قوام یہ ہیں ایمان، باللہ، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا پس نماز کو اپنے وقت پر پڑھ اور اس کی محافظت کر۔ (۱)

۲۔ وتر کا وجوب اور عدم وجوب:

امام ابوجعفر احمد بن محمد ازدی طحاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وتر کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وجوب کے قائل ہیں جبکہ تمام ائمہ ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ومحمد رحمۃ اللہ علیہ سمیت ان کی سنیت کے قائل ہیں وتر کی تعداد میں اختلاف اول یہ ہے کہ ایک رکعت یا تین پھر تین رکعت ایک سلام سے یا دو سلاموں سے ہیں۔

۱۔ وتر ایک رکعت ہے یہ عطاء بن ابی رباح قتادہ کا مسلک ہے۔

۲۔ ائمہ ثلاثہ کے ہاں وتر تین رکعت ہے مگر دو رکعت پر سلام سے فاصلہ ہے۔

۳۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، وابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ومحمد رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء سبعہ کا مسلک تین وتر ہے جو ایک سلام سے پڑھے جائیں گے۔

فریق اول کا موقف اور دلیل:

وتر ایک رکعت ہے۔

۱۶۰۸: حدثنا ابراهيم بن ابی دائود ، قال :ثنا علی بن الجعد ، قال ؛ انا شعبة ح۔

۱۶۰۸: علی بن جعد نے شعبہ سے نقل کیا۔

۱۶۰۹: و حدثنا بكار، قال :ثنا وهب، قال :ثنا شعبة، عن ابی التياح ، قال :سمعت ابا مجلز يحدث ، عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال :(الوتر ركعة من اخر الليل)۔

شعبہ نے ابوالتیاح سے انہوں نے ابومجلز سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ سے سنا کہ الوتر رکعۃ من آخر اللیل کہ وتر ایک رکعت ہے رات کے آخر میں۔

۱۶۱۰۔ حدثنا سليمان بن شعب ، الكيسانی قال :ثنا عبد الرحمن بن زياد قال :ثنا شعبة عن قتاده ، قال : سمعت ابا مجلز فذكر مثله۔

۱۔ تفسیر در منثور، ج ۱، ص ۷۵۸۔ ۷۷۷

شعبہ نے قتادہ سے انہوں نے ابومجلز سے پھر انہوں نے اپنی سند سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۱۶۱۱۔حدثنا سليمان قال :ثنا الخصيب ، قال :ثنا همام عن قتادة عن ابی مجلز ، قال :سالت ابن عباس رضی اللہ عنہما عن الوتر فقال :سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول (ركعة من آخر الليل) وسالت ابن عمر فقال :قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :(ركعة من آخر الليل) :قال ابو جعفر :فذهب قوم الى هذا فقلدوه وجعلوه اصلا ۔ وخالفهم فی ذلك آخرون فافترقوا علی فرقتين ، فقال بعضهم :الوتر ثلاث ركعات لا يسلم الا فی آخرهن ، وقال بعضهم : الوتر ثلاث ركعات لا يسلم الا نی آخر هن وقال بعضهم الوتر ثلاث ركعات يسلم فی الاثنتين ، منهن وفی آخر هن وكان قول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم (الوتر ركعة من اخر الليل) قد يحتمل عند نا ما قال اهل المقالة الا ولی ويحتمل ان يكون ركعة من شفع قد تقدمها و ذلك كله وتر فتكون تلك الركعة توتر الشفع المتقدم لها ، وقد بين ذلك ما قد رواه بعضهم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما

قتادہ نے ابومجلز سے نقل کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ وتر کتنے ہیں تو انہوں نے فرمایا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وتر رات کے اخیر میں ایک رکعت ہے اور میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا وتر رات کے آخری حصہ میں ایک رکعت ہے۔امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کچھ لوگوں نے اس بات کو اختیار کیا اور اس کا اصل قرار دیا ۔جبکہ دوسرں نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ پھران کی دو جماعتیں ہوگئیں ۔ایک فریق نے یہ کہا کہ وتر تین رکعت ہیں سلام ان کے آخر میں پھیرا جائے گا اور دوسری جماعت کہتی ہے کہ وتر تین رکعت ہے مگر وہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر لے اور پھر آخر میں سلام پھیر لے۔رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ''الوتر رکعۃ ۔۔۔(الحدیث) کہ وتر ایک رکعت ہے۔اس میں اس بات کا احتمال ہے ۔جو قول اول والوں نے کہی ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ رکعت ان دو رکعتوں کے ساتھ ہو جو پہلے پڑھی گئیں اور یہ تمام وتر کہلائیں گی ۔تو یہ رکعت ان دو پہلی رکعتوں کو وتر بنا دے گی ۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جن حضرات نے یہ بات بیان کی اس میں اسی بات کا تذکرہ ہے۔

وتر ایک رکعت ہے اس کو فریق اول سے اختیار کیا اور اپنایا ہے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مذہب قوم سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

فریق ثانی کا موقف:

وتر تین رکعت ہے ان کی پھر دو جماعتیں ہیں۔

جماعت اول:

تین وتر ایک سلام سے ہیں۔

جماعت دوم:

تین وتر دو سلام سے ہیں۔

فریق اول کی دلیل کا جواب:

کان قول رسول الله ﷺ آخره الوتر رکعة: اس میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ وتر ایک رکعت ہے۔

۲۔ وتر اس شفع کی ایک رکعت ہے جو اس سے پہلے ہے اور یہ تمام ملا کر وتر ہے پس وہ رکعت اس شفع کو جو اس سے پہلے ہے بنانے والی ہے اور یہ احتمال من گھڑت نہیں بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

۱۶۱۲: حدثنا یزید بن سنان ، قال :ثنا ابو عاصم ، عن ابن عون ، عن نافع ، عن ابن عمر ، ان رجلاً سال النبی ﷺ عن صلاة اللیل فقال :مثنیٰ ،مثنی فاذا خشیت ، الصبح فصل رکعة توتر لك صلاتك ۔)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ رات کی نماز کس طرح اور کتنی ہے تو آپ نے فرمایا مثنیٰ مثنیٰ دو دو پڑھتے رہو۔ جب صبح کا خدشہ ہو تو ایک رکعت پڑھو جو تیری ان رکعتوں کو طاق بنا دے یعنی دو کے ساتھ تیسری ملا لو یہ وتر بن جائیں گے۔

۱۶۱۳: حدثنا یونس ، قال :انا ابن وهب ان مالکا حدثه عن نافع وعبدالله بن دینار ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن رسول الله ﷺ مثله ۔

عبداللہ بن دینار سے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

۱۶۱۴: حدثنا محمد بن عبدالله بن میمون ، قال :ثنا الولید ، عن الاوزاعی ، عن یحییٰ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن رسول الله ﷺ نحوه ۔

نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔

۱۶۱۵: حدثنا نصر بن مرزوق ، قال :ثنا علی معبد قال:ثنا اسماعیل بن جعفر عن عبدالله بن دینار، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ، عن النبی ﷺ مثله ۔

عبداللہ بن دینار نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے جناب نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۱۶۱۶: حدثنا بکار قال :ثنا ابراهیم بن بشار ، قال :ثنا سفیان ، عن عمرو بن دینار عن طاوس عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن البنی ﷺ مثله۔

عمرو بن دینار نے طاوس سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت نقل کی ہے

۱۶۱۷: حدثنا بکار قال :ثنا ابو داؤد عن ھشیم ، عن ابی بشر ، عن عبداللہ بن شفیق عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ۔

عبداللہ بن حضرت شقیق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما انہوں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۱۶۱۸: حدثنا فھد ،قال :ثنا علی بن معبد ، قال :ثنا جریر ، عن منصور ، عن حبیب عن طاوس عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ۔

طاؤس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۱۶۱۹: حدثنا صالح بن عبدالرحمن ، قال :ثنا سعید بن منصور ، قال :ثنا ھشیم ، قال :انا خالد ، قال :ثنا عبداللہ بن شفیق ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ ۔

عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۱۶۲۰: حدثنا فھد، قال :ثنا ابو نعیم ، قال :ثنا فطر ، عن حبیب بن ابی ثابت ، عن طاوس ، قال سمعت ابن عمر رضی اللہ عنہما یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ ۔

طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا ہے کہ وہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ رات کی نماز دو دو رکعت جب صبح کا خطرہ ہو تو ایک ملا لے۔

۱۶۲۱: حدثنا احمد بن داؤد ، قال :ثنا مسدد ، قال :ثنا حماد بن زید ، عن بدیل بن میسرۃ و ایوب ، عن عبداللہ ابن شفیق ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ۔

عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۱۶۲۲: حدثنا ابن ابی داؤد قال :ثنا یحییٰ بن صالح ، قال :ثنا معاویۃ بن سلام ، عن یحییٰ بن ابی کثیر عن ابی سلمۃ ونافع ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما اخبرھما ، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ۔

نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح خبر دی ہے۔

۱۶۲۳: حدثنا احمد ابن عبدالرحمن ، قال :ثنا عمی عبداللہ بن وھب ، قال :ثنا عمرو بن الحارث ، عن ابن شھاب عن سالم وحمید بن عبدالرحمن ، حدثاہ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلہ ۔

سالم اور حمید نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔

۱۶۲۴: وقد حدثنا احمد بن داؤد ، بن موسیٰ ، قال :ثنا علی بن بحرن القطان ، قال ؛ ثنا الولید ،بن مسلم ، عن الوضین بن عطاء ، قال :اخبرنی (سالم بن عبدالله بن عمر ، عن ابن عمر انه کان یفصل بین شفعه ووتره بتسلیمة ، واخبر ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی علیہ السلام کان ذلك) فقد اخبر انه کان یصلی شفعا ووترا ، و ذلك فی الجملة کله وتر ، وقوله :یفصل بتسلیمة یحتمل ان یکون تلك التسلیمة یرید بها التشهد ، ویحتمل ان یکون التسلیم الذی یقطع الصلاة ، فنظر نا فی ذلك فاذ ایونس ۔ رحمۃ اللہ علیہ

سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما دو رکعت کے اور ایک رکعت کے مابین سلام سے فاصلہ کرتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ آپ شفع اور وتر ۳ رکعت پڑھتے تھے اور یہ مجموعہ بھی وتر تھا۔ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: کان یفصل بتسلیمۃ'' عین ممکن ہے کہ تسلیم سے تشہد مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ سلام جس سے نماز کو منقطع کرتے ہیں۔پس اس میں ہم غور کرتے ہیں۔

ان روایات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جفت وطاق دونوں طرح کی نماز پڑھتے اور وہ تمام کا تمام جفت سے ملا کر طاق ہو جاتا تھا اب رہی آخری روایت سالم کہ یفصل بتسلیمۃ تو اس میں دو معنی کا احتمال ہے۔

۱۔اس سلام سے مراد تشہد ہو۔

۲۔ نماز کو منقطع کرنے والا سلام ہو چنانچہ اس کی تعیین مندرجہ ذیل روایت سے ہو جائے گی۔

۱۶۲۵: قد حدثنا قال :انا ابن وهب ان مالکا حدثه عن نافع ان عبدالله بن عمر کان یسلم بین الرکعة الرکعتین فی الوتر حتیٰ یامر ببعض حاجته۔

نافع روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دو رکعتوں اور اس رکعت کے درمیان سلام پھیرتے یہاں تک کہ اپنی بعض حاجات وضروریات کا حکم فرماتے۔

۱۶۲۶: حدثنا صالح بن عبد الرحمن ، قال :ثنا سعید بن منصور ، قال :ثنا هشیم،عن منصور عن بکر بن عبدالله قال صلی ابن عمر رضی اللہ عنہما رکعتین ثم قال :یا غلام ارحل لنا ثم قام فاوتر برکعة ، ففی هذه الآثار انه کان یوتر بثلاث ولکنه کان یفصل بین الواحدة واثنتین فقد اتفق عنه فی الوتر انه ثلاث ، وقد جاء عنه من رایه ایضا ما یدل علیٰ ان قول النبی علیہ السلام الذی ذکرناه کما وصفنا انه یحتمل من التاویل ۔

بکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دو رکعت نماز ادا کی پھر فرمایا اے لڑکے کجاوہ باندھو پھر کھڑے ہو کر ایک

رکعت سے اس کو وتر بنایا۔ یہ آثار واضح کر رہے ہیں کہ آپ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ مگر دو رکعت اور ایک رکعت کے درمیان فاصلہ کرتے تھے۔ پس آپ وتروں کی رکعات کے تین ہونے پر متفق ہیں اور آپ کی رائے جو روایت میں وارد ہے وہ ہمارے بیان کے مطابق تاویل کا احتمال رکھتی ہے۔

ان دو روایتوں سے ثابت ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما تین رکعت وتر پڑھتے مگر دو رکعت کے بعد سلام انقطاعی پھیرتے اور پھر ایک رکعت سے اس شفعہ کو طاق بنا لیتے یہ تین روایات فریق ثانی کی جماعت اول کے دلائل ہیں کہ وتر تو تین ہیں مگر دو سلام سے ہیں۔

جماعت دوم از فریق ثانی کی طرف سے جواب:

اگر ان روایات سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تین وتر سلام سے پڑھنا معلوم ہو رہا ہے مگر تین ایک سلام سے ثابت ہیں۔

۱۶۲۷: حدثنا روح بن الفرج ، قال :ثنا یحییٰ بن عبدالله بن بکیر ، قال :ثنا بکر بن مضر ، عن جعفر بن ربیعة ، عن عقبة بن مسلم ، قال سالت عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہما عن الوتر فقال :اتعرف وتر النهار ؟ قلت نعم صلاة المغرب قال :صدقت او احسنت ، ثم قال :بینا نحن فی المسجد قام رجل فسال رسول الله ﷺ عن الوتر او عن صلاة اللیل فقال رسول الله ﷺ :(صلاة اللیل مثنیٰ ، مثنیٰ فاذا خشیت الصبح فاوتر بواحدة) افلا تری ان ابن عمر حین ساله عقبة عن الوتر فقال :اتعرف وتر النهار ؟ ای هو کهو وفی ذلك ما ینبئك ان الوتر کان عند ابن عمر ثلاثا کصلاه المغرب ، اذ جعل جوابه لسائله عن وتر اللیل :اتعرف وتر النهار صلاة المغرب ، ثم هدثنا بعد ذلك عن النبی ﷺ بما ذکرنا فثبت ان قوله فاوتر بواحد ای مع شئی تقدمها توتر بتلك الوحد ما صلیت قبلها وکل ذلك وتر وقد بین ذلك ایضا۔

عقبہ بن مسلم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ وتر کس کیفیت سے؟ تو انہوں نے فرمایا کیا تم دن کے وتروں کو جانتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں! وہ نماز مغرب ہے تو انہوں نے فرمایا تم نے درست جواب دیا یا فرمایا بہت خوب جواب دیا پھر کہنے لگے ہم مسجد میں تھے کہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر جناب رسول اللہ ﷺ سے وتر یا رات کی نماز کا سوال کیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کی نماز دو دو ہے جب تمہیں صبح کا خدشہ ہو تو ایک رکعت ساتھ ملا کر اس کو طاق بنا لو۔ کیا یہ بات تمہارے سامنے نہیں کہ جب حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وتروں سے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کیا تم دن کے وتروں کو جانتے ہو۔ یعنی یہ ان کے مشابہ ہیں۔ اس میں اس بات کی اطلاع ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاں وتر تین رکعت نماز مغرب کی طرح ہیں کیونکہ آپ نے رات کے وتروں سے متعلق سوال کرنے والے کو فرمایا کیا تم دن کے وتروں کو جانتے ہو اور وہ نماز مغرب ہے۔ اس کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ سے وہ بات بیان کی جس کو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ پس اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ آپ کا یہ فرمان ایک۔

ساتھ وتر بنالو۔یعنی جو کچھ پہلے پڑھا ہے اس کے ساتھ ایک رکعت ملا کر ان کو وتر بنالو یہ مجموعہ طاق ہوگا۔ یہ بات آئندہ روایت میں واضح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عقبہ بن مسلم کے سوال کے جواب وتر نہار کا حوالہ دیا اور بتلا دیا کہ ہر دو وتر ایک طرح ہیں تو اس سے واضح ہورہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاں وتر کی نماز مغرب کی طرح تین پڑھی جائیں گی۔اور ان میں سلام سے انقطاع نہ ہوگا پھر اس بات کو انہوں نے قول رسول اللہ کے ذریعے ثابت فرمایا کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک کو ملا دو اور کل تین رکعت بن جائیں گی اور جس طرح مغرب میں سلام کا فاصلہ نہیں اسی طرح ان میں بھی فاصلہ بالسلام نہ ہوگا پس ثابت ہوا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی پہلی اور اس روایت میں تعارض ہے پس اس روایت کو محل استدلال میں پیش نہیں کر سکتے۔

جواب نمبر۲:

قد بین سے ذکر کیا ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہی مطلب ہے جو ہم نے گزشتہ روایت کا بیان کیا جیسا عامر شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت بتلا رہی ہے۔

۱۶۲۸: بما حدثنا ابن ابی ابو داوٗد قال :ثنا سعید بن ابی مریم ، قال :ثنا محمد بن جعفر قال :اخبرنی موسیٰ بن عقبة عن ابی اسحاق ، عن عامر الشعبی ، قال :(سالت ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما کیف کان صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بالليل فقال :ثلاث عشرة ركعة ثمان ويوتر بثلاث وركعتين بعد الفجر) هكذا في النسخ۔

عامر شعبی کہتے ہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات والی نماز کس طرح تھی تو انہوں نے جواب دیا تیرہ رکعت ہوتی تھی۔آٹھ اور تین وتر اور طلوع صبح صادق کے بعد دو رکعت۔

اشکال جماعت اول:

تم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وتر کو ایک سلام سے ثابت کرنے کی کوشش کی حالانکہ یہ روایت اس کی تردید کر رہی ہے۔

۱۶۲۹: رحمۃ اللہ علیہ حدثنا سليمان بن شعيب ، قال :ثنا بشر بن بكر ، قال ثنا الا وزاعی ، قال ، قال حدثنی المطلب ابن عبدالله المخزومی ، ان رجلا سال ابن عمر رضی اللہ عنہما عن الوتر ، فامره ان يفصل فقال الرجل :انی لا خاف ان يقول الناس هی البتيراء ، قال ابن عمر رضی اللہ عنہما تريد سنة الله ونسة رسوله صلی اللہ علیہ وسلم ؟ هذه سنة الله و سنة رسول صلی اللہ علیہ وسلم وقد روی عن عائشة رضی اللہ عنہا فی ذكر ها وتر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مايدل علیٰ حقيقة ماذكرنا ۔ رضی اللہ عنہا

مطلب بن عبداللہ المخزومی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عمر سے وتر کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا درمیان میں فاصلہ کرے اس آدمی نے کہ تو لوگ وتر کو بتیراء (دم کٹی) کہنا شروع کریں گے۔تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اگر تم وتر کا سنت طریقہ

چاہتے ہو تو وہ یہی ہے اور سنت اللہ اور سنت رسول یہی ہے یعنی لوگ کچھ کہیں اور اس کو ترک نہیں کر سکتے ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز وتر کا تذکرہ فرمایا ہے ۔ اس میں حقیقت کی طرف راہنمائی ملتی ہے ۔

سابقہ اسناد سے ثابت ہے جبکہ اس کا مرکزی راوی مطلب بن عبداللہ خود بہت زیادہ تدلیس کرنے والا راوی ہے پس یہ روایت اس کے مقابلے میں متروک ہوگی پس ہمارا احتمال ثابت ہو جائے گا کہ تین وتر ایک سلام سے ہیں اور یہ بات دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات سے ثابت ہے جو آئندہ سطور میں پیش کی جارہی ہیں ۔

فریق ثانی کی جماعت دوم (احناف) کے دلائل :

روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: داؤد

۱۶۳۰: حدثنا ابو بشر الرقی ، قال :ثنا شجاع بن الولید ، عن سعیدبن ابی عروبة ، عن قتادہ عن زرارة بن اوفی عن سعد بن ھشام ، عن عائشة رضی اللہ عنہا : کان نبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر ۔

سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہ پھیرتے تھے ۔

۱۶۳۱: حدثنا ابن ابی داؤد ، قال :ثنا محمد بن المنھال ، قال ثنا یزید بن زریع ، عن سعید فذکر یاسنادہ ، مثلہ فاخبرت ان الوتر ثلاثا لا یسلم بین شئی منھن ثم قد روی عن عائشة رضی اللہ عنہا بعد ھذا حادیث فی الوتر اذا کشفت رجعت الیٰ معنیٰ حدیث سعد ھذا فمن ذلک ۔

محمد بن المنہال کہتے ہیں کہ ہمیں یزید زریع نے انہوں نے سعید پھر سعید نے اپنی سند سے اسی طرح روایت نقل کی ہے ۔ پس حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ وتر تین رکعت ہیں اور ان کے مابین بالکل سلام نہ پھیرے پھر اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب ان کو کھولا جائے تو ان کا مفہوم حضرت سعد رضی اللہ عنہ والی روایت کی طرف لوٹ آتا ہے ۔ ان میں سے یہ روایت ہے ۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتلایا کہ آپ وتروں کے مابین سلام نہ پھیرتے تھے پہلی روایات ابن عمر رضی اللہ عنہما قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں مجمل ہیں اور یہ مفصل پس اسی کو ترجیح ہوگی ۔

ان روایات کا مفہوم جاننے کے لیے روایت سعد بن ہشام کو سامنے رکھیں :

۱۶۳۲: ماحدثنا صالح بن عبدالرحمن ، قال :ثنا سعید بن منصور ، قال :ثنا ھشیم ، قال انا ابو حرة قال : ثنا الحسن عن سعد بن ھشام عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت :(کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ اقام من اللیل افتتح صلاتہ برکعتین خفیفتین ثم صلیٰ ثمان رکعات ثم اوتر) فاخبرت ھا ھنا انہ کان یصلی رکعتین ثم ثمانیا ثم یوتر ،

فكان معنى ثم يوتر يحتمل يو تر بثلاث منهن ركعتان من الثمان وركعة بعدها فيكون جميع ما صلى احدىٰ عشرة ركعة ويحتمل ثم يوتر بثلاث متتابعات فيكون جميع ما صلى ثلاث عشرة ركعة فنظر نا فيما يحتمل من ذلك هل جاء شيء يدل علىٰ شئی منه بعينه۔

سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو اپنی نماز دو ہلکی رکعات پڑھ کر شروع فرماتے پھر آٹھ رکعات پڑھتے پھر وتر پڑھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہاں خبری دی کہ آپ رات کی نماز دو رکعت پڑھتے پھر آٹھ رکعت ادا فرماتے، پھر وتر پڑھتے، پس ''ثم یوتر'' کا معنی احتمال رکھتا ہے کہ تین رکعت وتر پڑھتے۔ آٹھ میں دو رکعت اور ان کے ساتھ ایک رکعت اور ملا، اس طرح تمام مل کر گیارہ رکعت پڑھتے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ تین مسلسل رکعات وتر پڑھتے اس طرح آپ کی مجموعی رکعات کی تعداد گیارہ رکعت ہو جاتی۔ پھر ہم نے ان احتمالات میں غور کیا کہ آیا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اس سلسلہ میں کوئی بات روایات میں وارد ہوئی ہے جو اس بات پر دلالت کرنے والی ہو۔

پہلے آپ دو رکعت پڑھتے پھر آٹھ اور پھر وتر پڑھتے یوتر کا لفظ دو احتمال رکھتا ہے۔ کہ آٹھ میں سے آخری دو کو ایک رکعت ملا کر وتر بنا لیتے تو کل گیارہ رکعت بن گئیں اور یہ احتمال بھی ہے کہ تین الگ مسلسل پڑھتے ہیں۔

دونوں میں ایک احتمال کا تعین روایات سے ہوگا:

۱۶۳۳: فاذا ابراهيم بن مرزوق، و محمد بن سليمان الباغندی قد حدثانا قالا: حدثنا ابو الوليد ثنا حصين بن فافع العنبرى عن الحسن، عن سعد بن هشام، قال: دخلت علىٰ عائشة رضی اللہ عنہا فقلت حدثينى عن صلاة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قالت: كان النبى صلی اللہ علیہ وسلم يصلى بالليل ثمان ركعات ويوتر بالتاسعة فلما بدن صلى ست ركعات واوتر بالسابعة وصلى ركعتين وهو جالس ففى هذا الحديث انه كان يوتر بالتاسعة فذلك محتمل ان يكون يوتر بالتاسعة مع اثنتين من الثمان التى قبلها حتىٰ يتفق هذا الحديث و حديث زرارة ولا يتضادان:

سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گیا اور میں نے کہا مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق بتلائیے تو وہ کہنے لگیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو آٹھ رکعت ادا فرماتے اور نویں کو ساتھ ملا کر وتر بنا لیتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن بھاری ہو گیا (بڑھاپا آ گیا) تو چھ رکعت ساتویں ملا کر وتر بنا لیتے اور پھر دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے۔ اس روایت میں یہ ہے کہ آپ نویں رکعت کے ساتھ وتر بنا لیتے۔ پس اس میں یہ احتمال ہے آٹھویں میں آخری دو رکعت کے ساتھ تیسری ملا کر ان کو وتر بنا لیتے تا کہ یہ اور زرارہ والی روایت متفق ہو جائیں اور ان کا تضاد نہ رہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نوویں رکعت کو وتر بناتے۔اس مین دو احتمال ہیں نمبر ایک آٹھ میں سے آخری دو کے ساتھ ایک ملا کر وتر بنالیتے یہ مفہوم ماقبل روایت اور اس روایت کو جمع کرتا ہے وورنہ وہ اس کے خلاف ومتضاد ہو جائے گا۔

حدثنا بکار قال:ثنا ابو داوٗد ، قال :ثنا ابو حرۃ عن الحسن عن (سعد بن هشام الانصاری ، انه سال عائشة رضی الله عنها ، عن صلاۃ رسول الله ﷺ باللیل فقالت: کان یصلی العشا ثم یتجوز برکعتین وقد اعد رسواکه وطهوره فیبعثه الله لما شاء ان یبعثه ، فیتسوك ویتوضا ، ثم یصلی رکعتین ، ثم یقوم فیصلی ثمان رکعات یسوی بینهن فی القراءة ، ثم یوتر بالتاسعة فلما اسن رسول الله ﷺ واخذه اللحم جعل تلك الثمانی ستا ، ثم یوتر بالسابعة ، ثم یصلی رکعتین وهو جالس یقرا فیهما ب (قل یا ایها لکافرون) و (اذ زلزلت الارض) ففی هذا الحدیث انه کان یصلی قبل الثمانی التی یوتر بتاسعتهن اربعا فجمیع ذلك ثلاث عشره رکعة منها الوتر الذی فسرۃ زراره ، عن سعد ، عن عائشة رضی اللہ عنہا وهو ثلاث رکعات لا یسلم الا فی اخرهن فقد صحت روایة سعد عن عائشة وثابت علیٰ ماذ کرنا وقد رویٰ عبدالله بن شقیق عن عائشة فی ذلك۔

سعد بن ہشام انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جناب رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے سلسلہ میں دریافت کیا تو وہ فرمانے لگیں آپ عشاء کی نماز ادا فرماتے پھر آپ مختصر دو رکعت ادا فرماتے آپ کی مسواک اور پانی والا لوٹا تیار ہوتا پھر اللہ تعالیٰ جب چاہتا آپ کو بیدار کر دیتا آپ مسواک کرتے پھر وضو کرتے پھر دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر آپ کھڑے ہو کر آٹھ رکعت ادا فرماتے ان میں ایک جیسی قراءت فرماتے پھر نوویں کو ساتھ ملا کر وتر بنالیتے۔اس روایت میں ہے کہ آپ جن آٹھ رکعات کے ساتھ نوویں ملا کر ان کو وتر بناتے ان میں پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، پھر یہ ملا کر تیرہ رکعت بن جاتیں جن میں وہ وتر بھی شامل تھے جن کا زرارہ نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے اور زرارہ نے وہ حضرت عائشہ صدیقہ اور سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور وہ تین رکعات ہیں جن کے درمیان سلام نہ پھیرتے تھے۔پس حضرت سعد کی روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ثابت رضی اللہ عنہما درست ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور عبداللہ شقیق نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔وہ اس طرح ہے۔

فیبعثہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا آپ کو اٹھا دیتا ہے پھر آپ مسواک اور وضو فرماتے پھر دو رکعت ادا فرماتے پھر کھڑے ہو کر آٹھ رکعت ادا فرماتے ان میں ایک جیسی قراءت کرتے پھر نوویں کو ملا کر ان کو وتر بناتے پس جب آپ پر بڑھاپا آ گیا تو اور جسم مبارک گوشت سے بھاری ہو گیا تو ان آٹھ کو چھ میں بدل دیا اور ساتویں کو ملا کر آپ وتر بنالیتے پھر بیٹھ کر دو رکعت ادا فرماتے اور ان میں قل یاایھا الکافروں اور اذا زلزلت الارض (الزلزال) تلاوت فرماتے۔

حاصل روایات یہ ہے کہ پہلے آپ اٹھ رکعت ادا فرماتے رہے جن میں سے نو ویں کو ملا کر آپ چار کو وتر بنا لیتے پس یہ کل تیرہ رکعت ہوتیں جن میں وتر بھی ہیں۔ زرارہ نے سعد عن عائشہ رضی اللہ عنہا وتروں کی وضاحت تین سے کی ہے جن کے آخر میں آپ سلام پھیرتے تھے اور زرارہ کی روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے واضح طور پر ثابت ہے۔

۱۶۳۵: ماحدثنا ربیع المؤذن ، قال :ثنا اسد ، قال :ثنا هشیم بن بشیر ، قال :انا خالد الحذاء ، قال :انا عبد الله بن شقیق قال :سالت عائشة ، عن تطوع رسول الله ﷺ باللیل فقالت :کان ذا صلی بالناس العشاء یدخل فیصلی رکعتین قالت :وکان یصلی من اللیل تسع رکعات فیهن الوتر فاذا طلع الفجر صلی رکعتین فی بیتی ثم یخرج فیصلی بالناس صلاة الفجر) ففی هذا الحدیث انه کان یصلی اذا دخل بیته بعد العشاء رکعتین ومن اللیل تسعا فیهن الوتر فذلك عندنا علی تسع غیر الرکعتین اللتین کان یخففهما علی ماقال سعد بن هشام عن عائشة رضی اللہ عنہا (ان رسول الله ﷺ کان یفتتح صلاته من اللیل رکعتین خفیفتین) انما حملنا معنی حدیث عبدالله بن شقیق علی هذا المعنی لیتفق هو وحدیث سعد بن هشام ولا یتضادان ، وقد روی اوسلمة بن عبدالرحمن عن عائشة رضی اللہ عنہا فی ذلك ما

عبداللہ بن شقیق نے بتلایا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز سے متعلق سوال کیا تو وہ کہنے لگیں جب آپ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا لیتے گھر میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر رات کو نو رکعت نماز ادا فرماتے جن میں وتر تین عدد بھی ہوتے (جیسا کہ گزشتہ روایت میں گزرا۔) جب فجر طلوع ہوتی تو میرے گھر میں دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف لاتے۔ اس روایت میں اس طرح فرمایا کہ جب آپ رات کو گھر تشریف لاتے تو دو رکعت ادا فرماتے اور رات کو نو رکعت اور فرماتے جن میں وتر بھی ہوتے تھے۔ یہ نو رکعات ہمارے ہاں ان کے علاوہ ہیں جن کو ہلکا پھلکا ادا فرماتے۔ جیسا کہ سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اپنی رات کی نماز دو خفیف رکعات سے شروع فرماتے۔ ہم نے عبداللہ بن شقیق کی روایت کا یہ معنی کیا ہے تاکہ یہ روایت اور سعد بن ہشام کی روایت میں تضاد نہ رہے۔

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ عشاء کے بعد آپ دو رکعت گھر میں داخل ہو کر پڑھتے اور رات کو نو رکعت ادا فرماتے جن میں وتر بھی تھے ہمارے ہاں اس روایت میں نو سے مراد ان دو کے علاوہ ہیں جن کو سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر فرمایا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دو ہلکی پھلکی رکعات سے شروع فرماتے جیسا کہ عبداللہ بن شقیق والی روایت ہے تاکہ روایات میں اختلاف نہ رہے اور سعد بن ہشام کی روایت سے اس کا معنی موافق ہو جائے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ملاحظہ ہو۔

۱۶۳۶:

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعات ادا فرماتے آٹھ رکعت ادا فرماتے تھے پھر ایک رکعت ملا کر ان کو وتر بنا لیتے یعنی آخری دو کے ساتھ تیسری ملا کر وتر بناتے پھر دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے پھر ایک رکعت ملا کر ان کو وتر بنا لیتے یعنی آخری دو کے ساتھ تیسری ملا کر وتر بناتے پر دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے پس جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہو کر رکوع کرتے اور فجر کی اذان و اقامت کے درمیان دو رکعت (فجر کی سنتیں) پڑھتے۔ اس روایت میں احتمال ہے کہ وہ آٹھ رکعات جن کے ساتھ ایک ملا کر ان کو وتر بنایا یہ وہی آٹھ رکعات ہو جن کا تذکرہ سعد بن ہشام کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے چار رکعت ادا فرماتے تا کہ یہ روایت سعد والی روایت سے متفق ہو جائے اور اس حدیث سے سعد والی روایت اور عبداللہ بن شقیق والی روایت پر اضافہ ہو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد نفل پڑھتے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ نو وہی نو رکعات ہوں جن کا تذکرہ سعد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں کیا ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ادا فرماتے رہے جب آپ کا بدن مبارک بھاری ہو گیا پس وہی نو رکعات دو خفیف رکعات سمیت رہیں جن سے آپ اپنی نماز کو شروع فرماتے، پھر وتروں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر ان کے بدلے میں ادا فرماتے جن کو آپ بدن کے بھاری ہونے سے پہلے ادا فرماتے تھے اور وہ دو رکعت ہوتیں اس طرح یہ بھی تیرہ رکعت کی طرف بات لوٹ گئی۔

اس روایت میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ آٹھ رکعات وہی ہیں جن کو سعد بن ہشام نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت ان سے پہلے پڑھتے تا کہ یہ روایت اس کے موافق ہو جائے اس روایت میں سعد اور عبداللہ بن شقیق کی روایت میں وتروں کے بعد نوافل کا اضافہ پایا جاتا ہے۔

۲۔ ممکن ہے کہ یہ سعد والی روایت میں مذکور نو ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پڑھا کرتے تھے جب آپ کا بدن مبارک بھاری ہو گیا تو یہ نو رکعت ان خفیف رکعات سمیت ہوں گی جن سے آپ نماز شروع فرماتے تھے پھر وتروں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر ادا فرماتے ان کے بدلے جو بدن کے بھاری ہونے سے پہلے کھڑے ہو کر پڑھا کرتے تھے تو یہ ۱۳ رکعت بن گئیں۔

۱۶۳۷:

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے سلسلہ

میں سوال کیا تو کہنے لگیں آپ تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے اور آپ آٹھ رکعت پڑھتے دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے ان میں جب رکوع کا وقت آتا تو کھڑے ہو کر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے اور دو رکعت (سنت فجر) نماز صبح کی اقامت و اذان کے درمیان پڑھتے۔ پس یہ روایت اس کا وہی معنی ہے جو احمد بن داؤد کی سہل والی روایت کا ہے البتہ اس میں وتر کا ذکر اس سے چھوڑ دیا ہے۔

اس روایت کا معنی احمد بن داؤد کی روایت جیسا ہے جو کہ اس نے سہل سے روایت کی ہے البتہ اس روایت میں وتر کا ذکر چھوٹ گیا ہے یعنی کل تیرہ دو پہلے والی خفیف دو آخر والی بیٹھ کر چھ رکعت مزید تین وتر۔ یہ معنی پہلی روایت سے موافقت کے لیے ہے۔

:۱۶۳۸

ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گیارہ رکعت پڑھتے ان میں دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے اور دو رکعت نماز صبح سے پہلے یہ تیرہ رکعت ہوئیں۔ یہ روایت بھی احمد بن داؤد والی روایت کے موافق ہوگئی اور روایت کے الفاظ ''یصلی رکعتین قبل الصبح'' کا مطلب یہ ہے کہ نماز صبح سے پہلے دو رکعت ادا فرماتے ہیں دو رکعات ہیں جن کا تذکرہ احمد بن داؤد نے اپنی روایت میں کیا ہے یہ وہی رکعات ہیں جن کو آپ اذان و اقامت کے درمیان ادا فرماتے تھے۔

یہ روایت بھی احمد بن داؤد کی روایت کے موافق ہے اور یصلی رکعتین قبل الصبح اس کا مطلب نماز صبح سے پہلے کی دو رکعت سنت ہیں اور ان کا تذکرہ احمد بن داؤد نے اس طرح کیا ہے کہ دو رکعت فجر کی اذان و اقامت کے درمیان پڑھتے۔

:۱۶۳۹

احمد بن ابی عمران نے کہا کہ ہمیں القواریری نے بیان کیا۔ یہ روایت بھی ابو سلمہ والی روایت کے موافق ہے۔

:۱۶۴۰

ابن ابی الولید کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلمہ کو کہتے سنا ہے کہ میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو فرمانے لگیں آپ کی نماز رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت ہوتی تھی ان میں فجر کی دو رکعت بھی تھیں۔

یہ روایت بھی ابو سلمہ کی پہلی روایت کے موافق ہے:

:۱۶۴۱

ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے بتلایا کہ میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز رمضان میں کیسی ہوتی تھی تو فرمانے لگیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زیادہ نماز ادا نہیں فرماتے تھے آپ چار رکعت پڑھتے ان کی خوبی کے متعلق مت پوچھو اور ان کی درازی مت پوچھو پھر چار ان کے حسن و طول کا مت سوال کرو، پھر تین

رکعت (وتر) پڑھتے پس اس روایت میں احتمال ہے کہ روایت کے الفاظ ''ثم یصلی ثلاثا'' اس سے مراد آٹھ رکعات میں سے دو کے ساتھ ایک ملا کر وتر تین پڑھتے اور پھر وہ رکعات پڑھتے جن کا تذکرہ ابوسلمہ کی روایت میں پہلے گزرا کہ آپ ان کو بیٹھ کر ادا فرماتے تا کہ یہ روایت پہلی روایات کے موافق ہو جائے اور اس میں دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ تین وتر ہوں اور یہ مفہوم زیادہ شاندار ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی نماز کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ چار رکعت اور ان کی پھر عمدگی اور طوالت میں تعریف فرمائی۔ پھر فرماتی ہیں کہ پھر آپ تین رکعت ادا فرماتے ان کے متعلق یہ بیان نہیں کیا کہ وہ لمبی ہوتی تھیں اور آپ نے تین رکعات کا اکٹھا ذکر کیا ہے۔ ہمارے ہاں اس سے وتر مراد ہیں اسی طرح آپ کی تمام نفلی نماز گیارہ رکعت ٹھہری اس کے ساتھ وہ دو خفیف رکعات ملائیں جن کا تذکرہ سعد بن ہشام کی روایت میں ہے۔ جن کو آپ وتروں کے بعد بیٹھ کر ادا فرماتے تو اس طرح تیرہ رکعت بن گئیں۔ یہ معنی ابوسلمہ کی روایت سے زیادہ مطابقت کرنے والا ہے، کیونکہ تمام روایات میں آپ کے جسم کے بھاری ہونے کے بعد کی نماز کی خبر دی ہے اور سعد بن ہشام کی روایت میں بدن کے بھاری ہونے سے پہلے اور بعد دونوں نمازوں کا ذکر کیا ہے عروہ کی روایت ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے سوال کیا کیا آپ وتروں سے پہلے سو جاتے ہیں فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔

اس روایت میں ثم یصلی ثلاثا اس سے مراد اگر آٹھ میں سے وہ پچھلی رکعات ہوں جن کے ساتھ ایک ملا کر آپ ان کو تین بناتے پھر باقی دو رکعت پڑھتے تھے پھر یہ وہی دو رکعت بن جائیں گی جن کا تذکرہ ابوسلمہ نے اس روایت میں کیا جس کو ہم نے پہلے ذکر کیا کہ آپ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے پس اس طرح یہ روایت اور ماقبل روایات موافق ہو جائیں گی۔

۲۔ اور اگر تین وتر ہوں جیسا کہ غالب معنی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے پڑھنے کو الگ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں چار پڑھتے پھر چار پڑھتے اور وہ نہایت حسن وطول کے ساتھ ہوتیں پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پھر آپ تین رکعت پڑھتے ان کی صفت میں طوالت کا ذکر نہیں مگر تین کو نماز کے ذکر میں لایا گیا گویا یہ الگ نماز ہے۔

پس ہمارے ہاں اس سے مراد وتر ہی ہیں ان دو خفیف رکعات کے بغیر جن کا تذکرہ سعد بن ہشام کی روایت میں ہے یا ان دو رکعات کے بغیر جن کو بیٹھ کر ادا فرماتے ہیں اور وتر کے بعد ادا فرماتے کل گیارہ رکعت بن گئیں۔

یہ ابوسلمہ کی روایت کے ساتھ زیادہ مشابہ ہے کیونکہ یہ روایات آپ کی اس وقت کی نماز جب کہ بدن بھاری ہو گیا اس کا تذکرہ کر رہی ہیں اور سعد بن ہشام کی روایت میں اس نماز کا ذکر ہے جو بدن کے بوجھل ہونے اور اس سے پہلے بدن کے خفیف ہونے کی حالت میں تھی۔

اب عروہ کی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

۱۶۴۲: عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز گیارہ رکعت ادا فرماتے اور ایک شفعہ کے ساتھ ملا کر وتر بنا لیتے جب آپ فارغ ہو جاتے تو دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن آتا تو دو خفیف رکعتیں (فجر کی سنتیں) ادا فرماتے۔

حاصل روایات: اس روایت میں دو احتمال ہیں۔

۱۔ ممکن ہے کہ یہ اس زمانے کی نماز کا ذکر ہو جب آپ کا جسم مبارک بوجھل نہ ہوا تھا تو اس پر یہ ان دو خفیف رکعات کے ساتھ جو آپ ادا فرماتے جن سے آپ اپنی نماز شروع فرماتے کل گیارہ رکعت وتر سمیت ہوں گی۔

۲۔ اس میں آپ کی اس وقت کی نماز کا تذکرہ ہو جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن بھاری ہو گیا تو پھر گیارہ میں نو رکعت وتر سمیت ہوئیں اور دو دو رکعتیں ہیں جو بیٹھ کر ادا فرماتے تھے جیسا کہ ابوسلمہ اور سعد بن ہشام اور عبداللہ بن شقیق کی روایات میں آیا ہے۔

البتہ مالک نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے اس میں کچھ اضافہ کر دیا ہے۔

۱۶۴۳:

عروہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کی فراغت سے لے کر نماز فجر تک کے دوران گیارہ رکعت ادا فرماتے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے اور دو کے ساتھ ایک رکعت اور ملا کر وتر بنا لیتے اور تمہارے پچاس آیات پڑھنے کی مقدار ایک سجدہ یعنی رکعت ادا کرتے جب موذن فجر سے خاموش ہو جاتا اور فجر روشن ہو جاتی تو دو ہلکی پھلکی رکعتیں ادا فرماتے پھر دائیں پہلو پر لیٹ جاتے یہاں تک کہ موذن آتا پس آپ نماز کے لیے نکلتے۔

حاصل روایات: حدیث کے واقعہ میں بعض راوی ایک دوسرے سے اضافہ کرتے ہیں:

۱۶۴۴:

ابو عامر عقدی نے ابن ابی ذہب سے انہوں نے زہری سے اور زہری نے اپنی اسناد سے روایت نقل کی ہے۔ اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ عشاء کی نماز سے صبح صادق تک آپ کل گیارہ رکعت ادا فرماتے تھے پس اس روایت کا مفہوم روایت ابوسلمہ کی طرف لوٹ گیا کہ اس میں آپ کی اس وقت کی نماز کا تذکرہ ہے جب آپ کا جسم بھاری اور بوجھل ہو گیا تھا البتہ یسلم بین کل رکعتین اس میں دو احتمال ہیں۔ اس روایت میں یہ ہے کہ عشاء کے بعد صبح تک آپ جو نماز ادا فرماتے ہیں اس کی تعداد گیارہ رکعت تھی۔ یہ مفہوم ابوسلمہ کی روایت والا ہے اور ہم یہ بخوبی جان چکے ہیں کہ آپ کی یہ نماز جسم کے بھاری ہو جانے کے بعد تھی۔ رہا روایت کے یہ الفاظ ''یسلم بین کل رکعتین'' اس میں احتمال ہے آپ وتر اور غیر وتر کی ہر دو رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے۔

اس سے اہل مدینہ والے وتر ثابت ہو جائیں گے کہ دو رکعت اور ایک کے بعد سلام پھیرا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہر رکعتوں کے مابین سلام پھیرتے جو وتر کے علاوہ ہوتیں، تاکہ یہ روایت سعد کی روایت کے موافق ہو جائے اور ان میں تضاد نہ رہے اور اس بات کے ساتھ ساتھ کہ عروہ نے اس کے خلاف بھی روایت نقل کی ہے جو اس سے زہری نے نقل کی ہے۔

۱۔ وتر وغیرہ اور ہر شفعہ کے بعد سلام پھیرتے تھے تو اس میں اہل مدینہ کا قول ثابت ہو جائے گا کہ وتروں میں دو سلام ہیں ایک شفعہ کے بعد ایک آخر میں۔

۲۔ وتر کے علاوہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے اس سے یہ روایت سعد بن ہشام کی روایت کے عین مطابق ہو جائے گی اور ان میں تضاد نہ رہے گا۔ حالانکہ عروہ کی دوسری روایت جس کو زہری نے نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

:۱۶۴۵

عروہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تیرہ رکعات ادا فرماتے تھے پھر جب فجر کی اذان سنتے تو دو ہلکی پھلکی رکعات (فجر کی سنتیں) ادا فرماتے۔ اس میں احتمال ہے کہ اس سے آپ کی وہ نماز مراد ہو جو بدن کے بھاری ہونے سے پہلے تھی، تو اس لحاظ سے ان دو خفیف رکعات سمیت جن سے نماز کا اختتام فرماتے یہ رکعات مراد ہوں گی اور دوسرا احتمال یہ آپ کی جسم کے بھاری ہونے کے بعد والی نماز ہو۔ اس صورت میں گیارہ رکعت اس طرح ہوں گی کہ ان میں سے نو رکعات جن میں وتر بھی شامل ہیں اور دو خفیف رکعات جن کو آپ بیٹھ کر ادا فرماتے جن کا تذکرہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ جس کا تذکرہ سعد بن ہشام اور عبداللہ بن شفیق کی روایات میں بھی ہے۔ البتہ مالک نے اپنی روایت میں بعض اضافے نقل کیے ہیں یہ اس روایت کے مخالف ہے جو ابن ابی ذئب اور عمرو یونس نے زہری سے نقل کی ہیں۔ پس اس لحاظ سے یہ روایت محتمل ہے کہ اس میں دو زائد رکعت مراد ہوں اور یہ وہی دو خفیف رکعات ہیں جن کا تذکرہ سعد بن ہشام نے اپنی روایت میں کیا ہے۔ اس میں وتر کی کیفیت کا کچھ بھی تذکرہ نہیں کہ دلیل بن سکے۔

حاصل روایت:

یہ روایت ابن ابی ذئب عمرو بن یونس کی اس روایت کے مخالف ہے جو انہوں نے زہری سے نقل کی ہے اس میں ایک احتمال ہے کہ دو زائد رکعتیں ممکن ہے کہ وہ دو خفیف رکعتیں ہوں جن کا تذکرہ سعد بن ہشام کی روایت میں کیا گیا ہے مگر اس روایت وتروں کی کیفیت کچھ بھی مذکور نہیں ہے پس نتیجہ تک پہنچنے کے لیے ان روایات کو غور سے دیکھنا ہوگا ان میں پہلی شعبہ دوسری لیث کی ہشام عن عروہ اور تیسری محمد بن جعفر بن زبیر عن عروہ ہے۔

۱۶۴۶:

ہشام نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سجدات یعنی رکعات کے ساتھ وتر بنالیا کرتے تھے۔

روایت دوم: لیث عن ہشام:

۱۶۴۷:

لیث سے ہشام عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سجدات یعنی رکعات کے ساتھ وتر بناتے ان کے درمیان نہ بیٹھتے یہاں تک کہ پانچویں میں بیٹھتے پھر سلام پھیرتے۔

۱۶۴۸:

محمد بن جعفر بن زبیر عن عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کیا کہ جناب رسول اللہ پانچ رکعات کو وتر بناتے اور ان کے درمیان میں نہ بیٹھتے بس آخر میں بیٹھتے۔ زہری کی روایت ہشام اور محمد بن جعفر کی روایت کے مخالف ہے۔ کہ آپ گیارہ رکعت ادا فرماتے اور ان میں سے ایک کے ساتھ وتر بنالیتے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے۔ پس جب عروہ سے وارد روایات مضطرب ہوگئیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتروں کی کیفیت کیا تھی اور ان میں سے کسی روایت کو بطور اختیار نہیں کر سکتے تو ہم نے عروہ کے علاوہ رات کی روایات جو انہوں نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے رجوع کیا ہے۔

حاصل روایت:

ہشام اور محمد بن جعفر کی روایات عروہ سے اور زہری کی روایت عروہ سے مختلف ہوگئیں اس روایت میں گیارہ رکعت پڑھنا اور ایک کو ملا کر وتر بنانا اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرنا مذکور ہے اور یہاں پانچ وتروں کو ایک سلام سے پڑھنا مذکور ہے۔

نتیجہ:

اب عروہ سے منقول روایات میں اضطراب پیدا ہوا ان روایات میں وتروں کے ثبوت کے لیے حجت نہ رہی۔

عروہ کے علاوہ دیگر رواۃ کی روایات پر غور کرتے ہیں تا کہ کسی نتیجہ پر پہنچا جا سکے۔

۱۶۴۹:

ابراہم نے اسود سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعتوں سے وتر بناتے تھے۔

۱۶۵۰:

ابراہیم نے اسود سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعات سے وتر بناتے تھے۔ (۲ نفل ۳ وتر)

:۱۶۵۱

مسروق نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نو رکعات سے وتر بناتے تھے (۲ نفل ۳ وتر) جب بڑھاپا آ گیا اور بدن بوجھل ہو گیا تو سات سے وتر بنانے لگے۔ (۴ نفل تین وتر)

:۱۶۵۲

یحییٰ بن جزار نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ آپ کے وتر نو رکعت تھے البتہ فہد نے ابراہیم سے جو روایت کی وہ اس سے مختلف ہے امام طحاوی فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں اسود نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح نقل کیا کہ آپ کی نماز رات کو نو رکعت ہوا کرتی تھی۔ تو اس روایت میں اس طرح ہے کہ آپ کی رات والی نماز نو رکعت تھی۔ اس نے اسود والی روایت کی مخالفت کی ہے۔ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ تمام نماز جس کو اس نے وتر سے تعبیر کیا ہے وہ وتر سمیت مکمل نماز تھی اور اس کی دلیل یحییٰ کی روایت میں ہے کہ آپ کی ضعف سے پہلے کی نماز نو رکعت تھی جب آپ کو بڑھاپا آ گیا تو آپ نے سات رکعت ادا فرمائیں۔ پس یہ ہشام اس روایت کے موافق ہو گئی جس میں آپ آٹھ رکعات کا تذکرہ جن کو پہلے ادا فرماتے اور پھر ایک ملا کر ان کو وتر بنا لیتے۔ یہ اس طور پر ہے کہ آپ کی تمام نماز جس میں وتر بھی شامل تھے انہوں نے اس کا نام وتر رکھا تا کہ یہ آثار متفق ہو کہ ان میں تضاد جاتا رہے۔ البتہ اتنی بات رہے گی کہ وتر کی حقیقت پر روشنی زرارہ کی روایت کے بغیر نہیں پڑ سکتی۔ پس ہم نے اس میں غور فکر کیا کہ آیا کوئی روایت ایسی ملتی ہے جس میں وتر کی کیفیت مذکور ہو تو یہ روایات مل گئیں۔

حاصل روایت:

ان روایات سے وتر کی تعداد نو معلوم ہو رہی ہے البتہ فہد کی روایت جو حسن بن ربیع عن ابوالاحوص عن اعمش ہے اس میں بقول طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم عن اسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نو رکعات پڑھا کرتے تھے۔ تو اس روایت نے ظاہر کر دیا کہ آپ کی رات کے وقت ادا کی جانے والی نماز کی رکعات کل نو تھیں پس یہ اسود کی پہلی روایات سے مختلف ہوئی۔
اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ وہ تمام رکعات جو رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادا فرماتے ان کو وتر کہہ دیا گیا ان میں نفل و وتر سب شامل تھے (۲ نفل ۳ وتر) اس کی دلیل یحییٰ بن جزار کی روایت ہے آپ پر بڑھاپا آنے سے پہلے نو رکعات ادا فرماتے رہے جب آپ کی عمر بڑھاپے والی آ گئی تو آپ سات رکعت ادا فرمانے لگے اب اس طرح یہ روایت سعد بن ہشام کی آٹھ رکعت والی اس روایت کے موافق ہو گئی جس میں مذکور ہے کہ آپ آٹھ رکعت ادا فرماتے رہے پھر ایک کو ملا کر وتر بنا لیتے پس جب آپ کا جسم مبارک بوجھل ہو گیا تو آٹھ کو چھ سے بدل لیا اور ساتویں سے وتر بنانے لگے۔ (۴ نفل ۳ وتر)

نتیجہ:

پس اس سے یہ دلالت مل گئی کہ آپ کی رات والی تمام نماز کو وتر سے تعبیر کر دیا یہ تسمیۃ الکل باسم الجزء کی قسم سے ہے ان سات رکعات میں وتر بھی تھے تا کہ ان آثار میں تضاد واقع نہ ہو اور جو بظاہر پیدا ہو رہا ہے وہ ختم ہو جائے۔

کیفیت وتر:

اب تک جس قدر روایات گزر چکیں ان میں حقیقت وتر سے آگاہی نہیں ہوئی البتہ صرف روایت زرارہ بن اوفی عن سعد بن ہشام میں یہ مذکور ہے ہم یہاں اور روایات بھی پیش کرتے ہیں جو کیفیت وتر کی نشاندہی کریں گی۔

۱۶۵۳: یحییٰ بن سعید نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں جن میں آخری رکعت کو ملا کر وتر بنانا ہوتا تو اول میں "سبح اسم ربك الاعلیٰ" دوسری میں قل یا ایها الکافرون اور تیسری جس سے ان کو وتر بناتے اس میں "قل هوالله احد" "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" پڑھتے تھے۔(۱)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی کا استدلال:

حدیث الباب سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

مسلمانوں کے لیے پانچوں نمازوں کی پابندی کرنا فرض ہے۔

☆ کسی بھی نماز کو ہلکا جاننا کفر ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کے وعدہ سے مراد اس کا کرم اور فضل ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب یا لازم نہیں ہے، جنت کا داخلہ محض اس کے کرم اور فضل سے ہوگا۔

☆ وہ کرم کرے تو چاہے گناہگاروں کو جنت عطا فرما دے۔

☆ وتر فقہاء احناف کے ہاں واجب اور باقی آئمہ کے نزدیک سنت موکدہ ہیں۔

☆ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے وتر کے فرض ہونے کی نفی فرمائی، فقہاء احناف بھی وتر کے فرض ہونے کے قائل نہیں۔

☆ اگر کسی ایک عالم سے مسئلہ پوچھنے پر تشفی نہ ہو، تو دوسرے، بڑے عالم سے مسئلہ پوچھنا چاہیے، جیسا کہ حضرت مخدجی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو محمد رضی اللہ عنہ سے مسئلہ سننے کے بعد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

۱۔ شرح معانی الآثار، ج ۱ ص ۱۹۵۔۸۱۹

☆ علماء کا مسائل میں اختلاف امت کے لیے رحمت ہے۔

☆ علماء کو چاہیے کہ وہ اختلافی مسائل کو افتراق کا باعث نہ بننے دیں،

☆ ایک عالم دین کو دوسرے عالم دین کا موقف رد کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن دلائل کے ساتھ اور شائستگی وحسن نیت کے ساتھ ایسا کرے جیسا کہ ہمارے زمانے میں بہت فقدان ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل امت کو اس صورت حال سے نجات عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

فَضْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ باب ۷: پانچ نمازوں کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے اہم ذریعہ نماز ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے، اہل ایمان کی معراج نماز ہے، نمازوں کی ادائیگی گناہوں کا کفارہ ہے، اس باب میں اسی امر کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں پانچوں نمازوں کی محافظت کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز پنجگانہ کی پابندی کرنے والے کی فضیلت اور نمازوں کی فضیلت کا بیان ہے۔

۴۶۱۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ الْهَادِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ. قَالَ: فَكَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللَّهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو؟ کہ اگر تم میں سے کسی ایک کے دروازے پر نہر ہو اور وہ دن میں پانچ دفعہ اس نہر میں نہائے کیا اس پر کوئی میل کچیل باقی رہے گی؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اس پر میل کچیل نہیں رہے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! یہ مثال ہے پانچ نمازوں کی، اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے، یہ پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۵۶۸، مسلم: ۱۵۲۲، ترمذی: ۶۸۶۸، احمد: ۸۹۳۳، ۹۲۹۸، السنن الکبریٰ: ۳۲۳، تحفۃ الاشراف: ۱۴۹۹۸

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔ قتیبہ: رجع:۱۱۸ ۲۔ لیث: راجع:۱۲۴ ۳۔ ابن الھاد: راجع:۹۰

۴۔ محمد بن ابراہیم: راجع:۷۵ ۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: راجع:۱۱۰

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اکانوے (۱۹۱) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی راوی ہیں، وہ تین حضرت ابن الھاد، محمد بن ابراہیم، اور حضرت ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ نام کی بجائے کنیت سے مشہور ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ کے سردار ہیں، اور آپ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا، اور قال ایک ایک دفعہ جبکہ عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

ارایتم: تم مجھے بتلاؤ، تمہارا کیا خیال ہے نھرا: نہر۔

باب: دروازہ احدکم: تم میں سے کوئی ایک۔

یغتسل: وہ ایک مرد نہائے۔

کل یوم: ہر دن

خمس مرات: پانچ دفعہ

ھل یبقی: کیا باقی رہے گی؟

درن: میل کچیل

كذلك: آپ اسی طرح

يمحو الله: اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے۔

الخطايا: گناہ۔

۷۔ مسائل ونصائح:

پانچ وقت نماز کی پابندی سے گناہوں کا معاف ہونا:

عبر ونصائح:

☆ نمازیں پانچ فرض ہیں۔

☆ نمازوں کے سبب اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

☆ نماز کی با جماعت ادائیگی کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔(۱)

☆ مؤمن کی شان یہ ہے کہ اپنے گناہوں صغیرہ وکبیرہ سے نادم وتائب ہو اور مغفرت طلب کر کے نمازوں کی ادائیگی کرے۔(۲)

☆ پانچ وقت نماز پڑھنا گناہوں کا کفارہ ہے۔(۳)

☆ اللہ تعالیٰ کا فضل اپنے بندوں پر بہت زیادہ ہے۔(۴)

☆ پانچ وقت کی نمازوں کی ادائیگی مؤمن کو پاکیزہ وطاہر بنا دیتی ہے۔(۵)

گناہ کبیرہ کی بخشش کے لیے توبہ کا ضروری ہونا:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رہا گناہ کبیرہ کا حکم تو اہل سنت وجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ اس میں ضروری ہے کہ وہ نادم ہو اور توبہ کرے اور اس کی ہر ممکن تلافی کرے اور یہ عزم کرے کہ وہ آئندہ اس کا ارتکاب نہیں کرے گا تو پھر پانچ نمازیں اس کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں جب کہ وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں ان کے درمیان گناہوں کے لیے کفارہ ہیں بہ شرطیکہ وہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت تو مجھے نہیں ملی، البتہ اس سلسلہ میں دیگر صحابہ سے مروی حسب ذیل احادیث ہیں:

۱۔ انوار الباری، ج ۱۴، ص ۱۲۹ ۲۔ ایضاً، ص ۱۳۰ ۳۔ فیوض الباری، ج ۳، ص ۲۲۹ ۴۔ ایضاً
۵۔ عمدۃ القاری، ج ۴، ص ۲۲

پانچ نمازوں کے پڑھنے سے ان کے درمیان کے گناہوں کی معافی کے متعلق احادیث:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اس طرح پورا وضوء کیا، جس طرح اللہ عزوجل نے حکم دیا ہے تو فرض نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہوجائیں گی۔(۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ پانچ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں۔ الحدیث (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ پانچ نمازیں جو حقائق ہیں، ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں جب کہ وہ شخص کبائر سے مجتنب ہو۔(۳)

حضرت ابو مالک یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: نیکیاں گناہوں کو مٹادیتی ہیں۔(۴)

حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی محمد بن اسماعیل بن عیاش ہے، ابوحاتم نے کہا: اس کا اپنے والد سے سماع نہیں ہے اور یہ اس کے والد سے روایت ہے اور اس کے باقی راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔(۵)

حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فرض نماز اس سے پہلی نماز کے بعد کے گناہوں کا کفارہ ہے اور جمعہ اس سے پہلے جمعہ کے بعد کے گناہوں کا کفارہ ہے اور رمضان کا مہینہ اس سے پہلے رمضان کے مہینہ کے بعد کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج اس سے پہلے حج کے بعد کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ الحدیث

حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی المفضل بن صدقہ ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔(۶)

مؤخر الذکر دونوں حدیثوں کی سند ضعیف ہے مگر فضائل اعمال میں ضعیف السند احادیث معتبر ہوتی ہیں۔(۷)

حافظ ابن حجر کے استاد علامہ بلقینی کی طرف سے اس اشکال کا جواب کہ اجتناب کبائر سے صغائر کا کفارہ ہوجاتا ہے، پھر پانچ نمازوں سے کون سا کفارہ ہوا؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے لکھا ہے: اس حدیث کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازوں سے تمام گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے

۱۔ مسند ابوداؤد الطیالسی: ۷۵، مسند عبد بن حمید: ۵۸، صحیح ابن حبان: ۱۰۴۳، صحیح مسلم: ۲۳۱، شرح السنۃ: ۱۵۴، مصنف ابن ابی شیبہ، ج۱، ص۷، مسند البزار: ۴۰۷، مسند احمد، ج۱، ص۵۷　۲۔ مجمع الزوائد، ج۱، ص۲۹۹　۳۔ مسند ابویعلیٰ: ۵۰۹۰　۴۔ ھود: ۱۱۴　۵۔ مجمع الزوائد، ج۱، ص۲۹۹　۶۔ مجمع الزوائد، ج۱، ص۲۹۹　۷۔ نعمۃ الباری، ج۲، ص۳۵۷۔۳۵۸

لیکن صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچ نمازیں ان کے درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہیں، جب تک انسان کبائر سے اجتناب کرے، لہٰذا اس باب کی حدیث بھی اس مقید حدیث پر محمول ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس مقید حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

''إِن تَجْتَنِبُواْ كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ''(۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے۔

لہٰذا قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق صغیرہ گناہ تو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کی وجہ سے معاف ہو گئے تو پانچ نمازوں سے کون سے گناہ معاف ہوئے۔

ہمارے استاد علامہ بلقینی نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ انسان تمام عمر گناہوں سے مجتنب رہے تو اس کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور حدیث کا منشاء یہ ہے کہ ہر روز پانچ نمازیں پڑھنے سے اس کے اس روز کے صغیرہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، لہٰذا قرآن مجید سے صغائر کی معافی اور حدیث سے صغائر کی معافی دونوں کے محمل الگ الگ ہیں۔(۲)

علامہ بلقینی کے جواب پر علامہ سعیدی کا تبصرہ:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاذ علامہ بلقینی کا یہ جواب درست نہیں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی مغفرت کو بلا وجہ اور بغیر کسی دلیل کے مقید کیا ہے کہ جو شخص ساری عمر کبائر سے مجتنب رہے گا، تب اس کے صغائر کی معافی ہو گی بلکہ اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ انسان جس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی کبیرہ گناہ کرنے سے باز آ گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے صغیرہ گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

ہمارے اس جواب کی تائید اس قاعدہ سے ہوتی ہے کہ اس آیت میں ''کبائر'' بھی جمع کا صیغہ ہے اور ''سیئات'' بھی جمع کا صیغہ ہے اور جب جمع کا مقابلہ جمع سے ہو تو احاد کی تقسیم احاد کی طرف ہوتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے: ''لبس القوم ثیابهم'' سب لوگوں نے کپڑے پہن لیے یعنی ہر شخص نے اپنے کپڑے پہن لیے، اس اسلوب پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمام کبائر کے اجتناب سے تمام صغائر کی معافی ہو گی یعنی ہر کبیرہ کے اجتناب سے اس کے مقابلہ میں صغائر معاف کر دیئے جائیں گے، نیز ہمارے جواب کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

'' وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ'' (۳)

اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

۱۔ النساء ۴: ۳۱ ۲۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۱۴۷ ۳۔ الرحمٰن ۵۵: ۴۶

یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی ایک کبیرہ گناہ کو بھی ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دو جنتیں عطا فرمائے گا تو جس کو اللہ تعالیٰ دو جنتیں عطا فرمائے گا، اس کے صغار کو تو اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرمائے گا، لہٰذا علامہ بلقینی کا یہ قید لگانا صحیح نہیں ہے کہ جو تمام عمر کبائر سے اجتناب کرے، اس کے صغائر کا کفارہ ہوگا، اور علامہ عسقلانی نے جو اپنے استاذ کا جواب بڑے طمطراق سے پیش کیا تھا، وہ بھی بے سود ہے۔

اشکال مذکور کا جواب علامہ عینی کی طرف سے:

علامہ بدرالدین عینی نے اصل اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ کبائر سے اجتناب اس وقت مکمل ہوگا، جب انسان پانچ نمازیں پڑھے گا، سو جس شخص نے پانچ نمازیں نہیں پڑھیں، وہ کبائر سے مجتنب نہیں ہوا کیونکہ ان نمازوں کو ترک کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، لہٰذا کبائر کا کفارہ پانچ نمازوں کے پڑھنے پر موقوف ہے۔(۱)

علامہ عینی کے جواب پر علامہ سعیدی کا تبصرہ اور پھر علامہ سعیدی کا جواب:

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کے جواب سے اصل اشکال نہیں دور ہوا، کیونکہ اصل اشکال یہ ہے کہ جو شخص کبائر سے بھی مجتنب رہا اور اس نے دن کی پانچ نمازیں بھی پڑھیں تو اس کے صغائر کا کفارہ تو اجتناب کبائر سے ہوگیا تو اب دن کی پانچ نمازیں پڑھنے سے کس چیز کا کفارہ ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کے صغائر کا کفارہ اجتناب کبائر سے ہوگیا یا جس شخص کے صغائر تھے ہی نہیں تو پانچ نمازیں پڑھنے سے اس کے درجات میں ترقی ہوجائے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے کبائر اور صغائر زیادہ ہوں اور اس نے اس روز بعض کبائر سے اجتناب کیا ہو، جس کی وجہ سے اس کے صغائر معاف ہوگئے ہوں اور اس کے کبائر ابھی باقی ہوں اور اس روز پانچ نمازیں پڑھنے کی وجہ سے باقی ماندہ کبائر میں تخفیف ہوجائے گی، بہر حال اجتناب کبائر کی وجہ سے صغائر کی معافی کا الگ فائدہ ہے اور پانچ نمازیں پڑھنے کی وجہ سے درجات میں بلندی یا تخفیف کبائر کا الگ فائدہ ہے اور قرآن مجید اور اس حدیث میں سے کوئی بھی عبث اور بے فائدہ نہیں ہے، یہ وہ جواب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس نا کارہ کے ذہن میں القاء کیا ہے؛ اگر یہ حق وصواب ہے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فیضان ہے، ورنہ میری فکر کی غلطی ہے اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے بری ہیں۔(۲)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال:

حدیث مذکور سے امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۲۴-۲۳ ۲۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۳۶۲-۳۶۳

پانچ نمازوں کی فضیلت یہ ہے کہ ان کی ادائیگی سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

☆ حدیث میں مذکور گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کیونکہ دوسری احادیث مبارکہ میں، جو کہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث ہیں، یہ جملہ بھی ہے: کہ بشرطیکہ وہ کبائر سے بچنے والا ہو۔(۱)

☆ علماء اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ گناہ کبیرہ کی بخشش کے لیے ضروری ہے کہ انسان نادم ہو، اس پر توجہ کرے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے۔

☆ گناہ کبیرہ کی بخشش قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہوگی۔

☆ بہت سارے گناہ کبیرہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ محض اپنے فضل و کرم سے بھی معاف فرما دیتا ہے۔

☆ پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی مسلمان کو پاکیزہ و طاہر بنا دیتی ہے۔

☆ پانچ وقت کی نمازوں پر پابندی روزانہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ محض اپنے فضل و کرم سے ہمارے گناہوں (صغیرہ و کبیرہ) کی بخشش فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۲، مسند ابو یعلیٰ: ۵۰۹۰

بَابُ الْحُكْمِ فِي تَارِكِ الصَّلَاةِ　　باب ۸: نماز چھوڑنے والے کا حکم

جمہور علماء کے نزدیک نماز کا چھوڑنا موجب کفر نہیں ہے، البتہ نماز کی فرضیت کا انکار کفر ہے، جبکہ نماز چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے، اس باب میں اسی مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نماز پنجگانہ کی فضیلت کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز چھوڑنے والے کا حکم بیان ہوا ہے۔

۴۶۲۔ أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ وَاقِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْعَهْدَ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمِ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ

حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور ان (کافروں) کے درمیان عہد (فرق) نماز کا ہے، جس نے نماز چھوڑی، اس نے (گویا) کفر کیا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے،

۲۔ اطراف:

ترمذی: ۲۶۲۱، ابن ماجہ: ۱۰۷۹، السنن الکبریٰ: ۳۲۹، تحفۃ الاشراف: ۱۹۶۰

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت حسین بن واقد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی قلم بند کیے جا رہے ہیں، اسی طرح حضرت فضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ کی سرگذشتِ حیات دوبارہ تفصیلی لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ الحسین بن حریث:　　راجع: ۵۲

۲۔ الفضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

فضل نام، ابوعبداللہ کنیت اور والد کا نام موسیٰ ہے۔ بنو قطیعہ مروزی سے نسبت ولاء رکھنے کے باعث مروزی (۱) اور وطن کی طرف منسوب ہو کر سینانی مشہور ہوئے۔ (۲)

۱۔ ا۔ تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۲۸۶　　۲۔ اللباب فی الانساب، ج، ص ۵۸۹

مولد اور وطن:

۱۱۵ ہجری میں بمقام سینان پیدا ہوئے۔ یہ مرو سے پانچ فرسخ پر واقع ایک گاؤں ہے۔(۱)

ملک خراسان میں مرو مردم خیز خطہ ہے جس کو محدثین وفقہاء کے ایک انبوہ عظیم کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، کسی زمانہ میں کوفہ بصرہ اور بغداد کی طرح وہ بھی علم کا ایک بڑا مرکز شمار ہوتا تھا۔ جن آئمہ کے ناموں کے ساتھ مروزی کی نسبتیں لگی ہوئی ہیں وہ دراصل مرو ہی کی طرف منسوب ہیں۔

ترک وطن کا واقعہ:

ایک افسوسناک واقعہ کی بناء پر شیخ سینانی اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہہ کر دوسرے گاؤں میں جا کر رہنے لگے تھے، چونکہ یہ واقعہ دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی اس لیے یہاں اس کا تفصیلی ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا۔

جب شیخ فضل بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے آفتاب علم وفضل کی کرنیں اطراف عالم میں پھیلیں، تو تشنگان علم کے قافلے ہر سمت سے اسی ایک مرکز ثقل کی طرف کھنچے چلے آنے لگے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ قریہ سینان طالبان علم کی کثرت سے بھر گیا تھا۔ شیخ کی اس درجہ مقبولیت اور شہرت بہت سے دلوں میں کھٹکنے لگی اور وہ ان کی بدنامی کی تدبیریں کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے ایک فاحشہ عورت سے مال وزر کی حرص دلا کر یہ اقرار کرالیا کہ شیخ فضل رحمۃ اللہ علیہ (حاشا وکلا) کو اپنی طرف راغب کرنا چاہتے ہیں۔ پھر حاسدین نے ان پر بدکرداری کا اتہام عائد کیا، جس سے دلبرداشتہ اور ملول ہو کر فضل بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ گاؤں ہی چھوڑ دیا اور ایک دوسرے قریہ ''راماشاۃ'' نامی میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

لیکن چند ہی دن بعد خدائے عزوجل نے اپنے مقبول بندہ کی برأت کا سامان بھی کر دیا۔ ہوا یہ کہ شیخ فضل کے ترک وطن کے بعد قریہ سینان میں شدید ترین خشک سالی پیدا ہوگئی۔ لوگوں کو اپنی غلطی اور قدرت کے انتقام کا فوراً احساس ہوگیا۔ چنانچہ وہ لوگ ایک وفد کی شکل میں حاضر خدمت ہوئے اور اپنی نازیبا حرکتوں کی معافی مانگی اور بہت منت سماجت کر کے دوبارہ سینان چلنے کی درخواست کی، لیکن شیخ نے فرمایا کہ پہلے تم لوگ اپنے کذب صریح اور بہتان عظیم کا اعتراف کرو۔ چنانچہ لوگوں نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا۔ اپنی برأت سننے کے بعد انہوں نے فرمایا:

لااسکن قرية اهلها كذبه صفة

''میں ایسے گاؤں میں ہرگز نہیں رہوں گا جس کے باشندے جھوٹے ہیں''۔

اور پھر تاحیات راماشاۃ ہی میں مقیم رہے۔(۲)

۱۔ کتاب الانساب للسمعانی، ص ۳۲۳

۲۔ اللباب فی الانساب، ج ۱، ص ۵۹۰، کتاب الانساب، ص ۳۲۳

فضل وکمال:

علم وفضل میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے۔انہوں نے جو زمانہ پایا تھا اس میں تابعین کرام کی لائی ہوئی بہاریں ختم ہورہی تھیں اوران کی جگہ اتباع کی تازہ دم جماعتیں علم وکمال کی مجلسیں سجا کر درس وافادہ میں مشغول تھیں۔حضرت فضل ابن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے کوفہ اور دوسرے مراکز علم وفن کا سفر کر کے اپنے جیب وداماں کو لاتعداد گوہر آبدار سے مالا مال کیا تھا،اسی کا نتیجہ تھا کہ پھر وہ خود بھی مشاہیر زمانہ آئمہ میں شمار کئے گئے۔

حافظ ذہبی انہیں ''احد علماء الثقات ''اور شیخ مرو ومحدثها لکھتے ہیں۔(۱) علامہ سمعانی ان کو علم وفضل اور عمر میں عبداللہ بن مبارک کا قرین ومثیل قرار دیتے ہیں۔(۲)

حدیث:

حدیث ہی ان کے فکر ونظر کا خصوصی جولا نگاہ تھی۔اس کی سماعت کو کتابت انہوں نے حضرت سلیمان الاعمش، ہشام بن عروہ، اسماعیل بن ابی خالد، ابوحنیفہ، داود ابن ابی ہند، خثیم بن عراک، معمر بن راشد، یونس بن ابی اسحاق السبیعی، سفیان ثوری، شریک اور قاضی شریح سے کی تھی۔(۳)

تلامذہ:

ان کے فیض صحبت سے بہرہ یاب ہونے والوں میں علی بن حجر، معاذ بن اسد، محمود بن غیلان، اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن اکثم اور محمد بن حمید کے اسمائے گرامی معروف وممتاز ہیں۔(۴)

تثبت وثقاہت:

اتقان اور ثقاہت میں بھی ان کا مرتبہ بہت ارفع ہے۔تمام علماء ان کی صداقت وثقاہت کے معترف ہیں۔حضرت ابونعیم کا بیان ہے کہ وہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی زیادہ ثبت تھے۔(۵) ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "هو صدوق صالح" (۶) عبداللہ بن مبارک ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ''حدثنی الثقة'' (۷) امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ''اعرفه ثقة صاحب سنة'' (۸) علاوہ ازیں حضرت یحییٰ بن معین، ابن شاہین، امام بخاری، علامہ ذہبی، ابن حبان اور علامہ ابن سعد رحمہم اللہ نے بھی ان کی توثیق کی ہے۔(۹) صرف علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ایک تنہا شخص ہیں جو سینانی کی بعض روایات کو منکر قرار دیتے ہیں۔

۱۔ میزان الاعتدال، ج ۲، ص ۳۴۴ والعبر فی خبر من غبر، ج ۱، ص ۳۰۷ ۲۔ کتاب الانساب ص ۳۲۳

۳۔ تهذیب التهذیب، ج ۷، ص ۲۸۶ ۴۔ خلاصہ ذہیب تهذیب الکمال، ص ۳۰۹ ۵۔ العبر، ج ۱، ص ۳۰۷

۶۔ تهذیب التهذیب، ج ۷، ص ۲۸۷ ۷۔ تهذیب التهذیب، ج ۷، ص ۲۸۷ ۸۔ العبر، ج ۱، ص ۳۰۷

۹۔ خلاصہ تذہیب، ص ۳۰۹

عقل وفرزانگی:

بہت ہی دانشمند اور ذہین وفطین تھے، ابو اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ ترمذی بیان کرتے ہیں کہ میں نے اکثر ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ کو فضل بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہتے سنا ہے کہ:

وکان واللہ عاقلاً لبیباً (۱) ''بخدا وہ بہت عاقل اور دانشمند تھے''۔

اعتراف علماء:

مشہور محدث حاکم ان کے علم وفضل کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

کبیر السن عالی الاسناد وامام من ائمۃعصرہ فی الحدیث

''سن رسیدہ، بلند اسناد اور اپنے زمانہ کے آئمہ حدیث میں تھے''۔

ابراہیم بن شماس نے ایک دفعہ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے سینانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

ثبت سمع الحدیث معنا لاتبالی سمعت الحدیث منہ اومن ابن مبارک (۲)

''وہ ثبت ہیں۔ انہوں نے ہمارے ساتھ حدیث کا سماع حاصل کیا تھا۔ تم اگر ان سے یا ابن مبارک سے سماع کرو تو پھر کوئی پروانہ کرنا چاہئے۔''

علامہ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''وہ علم اور عمر دونوں میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے برابر تھے۔ (۳)

وفات:

باختلاف روایت ربیع الاول ۱۹۱ ہجری یا ۱۹۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ علامہ ذہبی نے اول الذکر ہی کو راجح قرار دیا ہے۔ (۴) راماشاۃ ہی میں جہاں وہ ترک وطن کے بعد مقیم تھے، تدفین ہوئی۔ (۵)(۶)

۳۔ الحسین بن واقد:

آپ کا نام ابوعبداللہ قاضی حسین بن واقد مروزی (م:۱۵۹ھ) ہے، آپ حضرت عبداللہ بن عامر بن کریز رحمۃ اللہ علیہ کے غلام تھے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، واہم راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے تعلیقاً روایت کیا ہے، سنن نسائی میں آپ سے چھبیس احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۷)

۱۔ تھذیب، ج ۷، ص ۲۸۷ ۲۔ ایضاً ۳۔ کتاب الانساب، ص ۳۲۳

۴۔ العبر، ج ۱، ص ۳۰۷ ۵۔ سمعانی، ص ۳۲۳ ۶۔ سیر الصحابہ، ج ۹، ص ۲۳۵۔ ۲۳۷

۷۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۳، ص ۶۶ ii۔ تاریخ ابی زرعہ دمشقی، ص ۲۰۷

۴۔عبداللہ بن بریدہ: راجع:۳۹۳ ۵۔حضرت بریدہ اسلمی: راجع:۱۳۳

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ حسن صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو پینسٹھ ویں (۱۶۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی مروزی ہیں، یہ بہت عجب اتفاق ہے، کیونکہ بہت کم اسناد ایسی ہوتی ہیں، جن میں تمام راوی ایک ہی علاقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے شیوخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ یہ بیٹے (عبداللہ) کی اپنے باپ (بریدہ رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے۔

☆ حضرت حسین بن واقد رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبأنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

العهد: وعدہ۔ یہاں فرق بتلانا مقصود ہے۔

بيننا وبينهم: ہمارے اور ان کے درمیان۔

الصلاة: نماز

تركها: جس نے اسے چھوڑا۔ یعنی نماز

قد كفر: اس نے کفر کیا۔

۴۶۳۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ إِلَّا تَرْكُ الصَّلَاةِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مسلمان اور کافر کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۸۲،احمد:۲۲۹۹۸،السنن الکبریٰ:۳۳۰،تحفۃ الاشراف:۲۸۱۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں،جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے،حضرت محمد بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کی سرگذشت حیات صفحہ قرطاس پر منتقل کی جارہی ہے:

۱۔احمد بن حرب: راجع:۱۳۵

۲۔محمد بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا نام محمد بن ربیعہ کلابی کوفی (م:۱۹۰ھ) ہے،آپ حضرت وکیع کے چچازاد بھائی تھے،آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ،صدوق راوی ہیں،امام بخاری (ادب المفرد) اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں،سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۳۔ابن جریج: راجع:۳۲ **۴۔ابوالزبیر:** راجع:۳۵

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے،امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ ایک سو چھیاسٹھویں (۱۶۶) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی موصلی،دوسرے کوفی،تیسرے اور چوتھے مکی،اور آخری راوی مدنی ہیں۔

☆ حضرت محمد بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت جابر بن عبداللہ،صحابی ابن صحابی ہیں،آپ مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں،آپ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس

۱۔ i۔تھذیب التھذیب،ج۹،ص۱۶۳ ii۔تاریخ الدوری،ج۲،ص۵۱۵

(۱۵۴۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

بین العبد: بندے کے درمیان، یہاں مسلمان مراد ہے۔

بین الکافر: کافر کے درمیان۔

ترک الصلاۃ: نماز کا چھوڑنا۔

۷۔مسائل ونصائح:

نماز چھوڑنے والے کے بارے میں فقہاء کا نقطۂ نظر:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز ہر مسلمان عاقل بالغ پاک شخص پر فرض ہے مراد یہ ہے کہ حیض ونفاس میں مبتلا یا جنون وبے ہوشی میں گرفتار کوئی شخص نہ ہو یہ خالص بدنی عبادت ہے جو نیابت بالکل قبول نہیں کرتی ہے چنانچہ دوسرے کی طرف سے نماز ادا کرنا درست نہیں ہے جیسے دوسرے کی طرف سے روزہ رکھنا بھی درست نہیں۔

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہے وہ کافر ومرتد ہے، کیونکہ اس کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماع کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں، سستی اور کاہلی اور غفلت کے سبب چھوڑنے والا فاسق ہے۔ ہاں اگر وہ ایسا شخص ہو جو نیا نیا مسلمان ہوا ہو یا مسلمانوں سے اتنا عرصہ میل جول نہ رکھا ہو کہ اس تک نماز کے وجوب کا حکم پہنچا تو اس کا حکم یہ نہیں ہوگا۔

نماز کا چھوڑنا دنیوی اور اخروی دونوں قسم کی سزاؤں کا باعث ہے، اخروی سزا کی دلیل تو یہ آیت ہے:

"مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ" (۱)

تمہیں کونسی چیز جہنم میں کھینچ لائی وہ بولیں گے ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے۔

دوسری آیت:

"فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ" (۲)

سو بربادی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

۱۔ سورۃ المدثر ۷۴: ۴۲۔۴۳ ۲۔ سورۃ الماعون ۱۰۷: ۴۔۵

تیسری آیت:

"فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا"(۱)

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص نماز جان بوجھ کر چھوڑ دے تو اللہ اور رسول کا ذمہ اس سے بری ہے۔ (ا۔ بروایت امام احمد از مکحول، یہ حدیث جید مرسل ہے) نماز جان بوجھ کر سستی کے سبب یا معمولی گردانتے ہوئے چھوڑنے کی مختلف سزائیں فقہاء کرام نے بیان کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔۔۔۔۔احناف فرماتے ہیں (۲) کہ نماز کا چھوڑنے والا فاسق ہے اس کو گرفتار کیا جائے گا اور ایک قول کے مطابق اس کو اتنا سخت پیٹا جائے گا کہ اس سے خون بہہ نکلے یہاں تک کہ وہ نماز پڑھنا شروع کرے اور توبہ تائب ہو یا جیل خانہ میں ہی مرجائے اسی طرح رمضان کے روزے چھوڑنے والے کا حکم ہے ایسے شخص کو قتل اس وقت نہیں کیا جائے گا جب تک وہ ان دونوں کے وجوب کا منکر نہ ہو جائے یا ان میں سے کسی ایک کو حقیر نہ سمجھے مثلاً وہ سرعام بلا عذر روزہ کھائے۔ دلیل اس کی نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ کسی مسلمان کا خون بہانا روا نہیں مگر تین چیزوں کے سبب (۱) شادی شدہ زانی (۲) قتل کے بدلے قتل، اور (۳) اپنے دین ومذہب کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دینے والا ہو۔ (۴۔ بروایت امام بخاری ومسلم از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ)

احناف اضافہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ نماز ادا کرنے والے کے اسلام کا فیصلہ کیا جائے گا چار شرائط کے ساتھ، وقت میں ادا کرے جماعت کے ساتھ ادا کرے یا وقت میں اذان دے یا آیت سجدہ سن کر سجدہ تلاوت کرے۔ ظاہر الراویۃ کے مطابق کافر کے اسلام کا فیصلہ اس کے روزہ رکھنے حج کرنے یا زکوۃ ادا کرنے سے نہیں کیا جائے گا۔

دوسرے آئمہ فرماتے ہیں (۳) کہ نماز کو بلا عذر چھوڑنے والا خواہ ایک نماز ہی چھوڑے اس کو توبہ دلائی جائے گی جیسے مرتد کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۵۔ شوافع اور جمہور کے ہاں اس موقع پر توبہ کرانا مندوب ہے مرتد سے توبہ لینا واجب ہے کیونکہ مرتد ہونا دائمی جہنمی ہونا ہے تو اس کو اس سے بچانا لازم ہے بخلاف نماز سستی کی بناء پر چھوڑنے والے کے کہ وہ کافر نہیں ہوتا ہے۔) اور اگر توبہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا، مالکیہ اور شوافع کے ہاں اس کو بطور حد کے قتل کیا جائے گا کفر کے سبب نہیں یعنی اس کے کفر کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا لیکن اس کو دیگر حدود کی طرح بطور حد قتل کیا جائے گا جیسے زنا، قذف اور چوری وغیرہ کی حد جاری کی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس شخص کی موت کے بعد اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل نماز کے چھوڑنے والے کے کافر نہ ہونے کے بارے

میں یہ آیت ہے: "إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ"(۴)

ا۔ سورۃ مریم ۱۹:۵۹
۲۔ الدر المختار، ج ا، ص ۳۲۶، مراقی الفلاح، ص ۶۰
۳۔ القوانین الفقهیه، ص ۴۲، بدایۃ المجتهد، ج ا، ص ۸۷
۴۔ سورۃ النساء ۴:۴۸

بلاشبہ اللہ اس کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ سب کچھ معاف کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔ان میں سے ایک حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کی ہیں جو ان کو ادا کرے اور ان میں سے کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے ضائع نہ کرے تو یہ اللہ کا عہد ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔اور جو ان نمازوں کو انجام نہ دے تو اللہ پر کوئی عہد اور ذمہ نہیں چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کر دے۔ بروایت امام احمد ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ۔(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کہ بروز قیامت بندے سے پہلا سوال فرض نماز کا ہوگا اگر اس نے اس کو پورا کر دیا تو ٹھیک ورنہ کہا جائے دیکھو کیا اس کی کچھ نفل نمازیں بھی ہیں؟ اگر نفل ہوئیں تو فرض کی تکمیل ان کے ذریعے کر دی جائے گی، پھر تمام فرض اعمال کے ساتھ اسی طرح کیا جائے گا۔۔ یہ حدیث پانچوں اصحاب نے روایت کی ہے ان دونوں احادیث کے مضمون پر مشتمل اور احادیث بھی منقول ہیں۔(۲) لہٰذا نماز کے ترک کرنے سے وہ کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر عقیدے کی بناء پر ہوتا ہے اور عقیدہ اس کا صحیح ہے، اور اس کے وجوب کے منکر ہونے کے عقیدے کے ساتھ اگر اس کو ترک کرتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔ یہ حضرات ان آنے والی احادیث کی جن کو امام احمد بن حنبل نے اپنی دلیل بنایا ہے تاویل کرتے ہیں کہ یہ محمول اس صورت پر ہیں کہ جب چھوڑنے والے اس کے چھوڑنے کو حلال سمجھ کر چھوڑے یا وہ مراد ہے جو کافر کی سزا کا حقدار ہو جو کہ قتل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (۳) کہ نماز کا چھوڑنے والا کافر ہو جانے کے سبب قتل کیا جائے گا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:

"فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ "(۴)

سو جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ ان کو گھیر لو اور ان کے ہر مورچے میں بیٹھ جاؤ۔

سو اگر وہ توبہ کر لیں نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تو اس آیت میں راستہ چھوڑ دینے کا حکم اس شخص کے لیے نہیں ہوگا جو نماز چھوڑ دے کیونکہ وہ اس شرط کو پورا نہیں کرتا ہے۔

لہٰذا اس کا قتل کرنا علی حالہ مباح رہے گا اور نماز نہ قائم کرنے والے کی راہ نہیں چھوڑی جائے گی۔اور اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انسان اور کفر میں فاصلہ صرف نماز چھوڑنے کا ہے۔(۵) بروایت اصحاب صحاح ستہ ماسوا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نماز کا چھوڑنا موجبات کفر میں سے ہے۔

۱۔ نیل الاوطار، ج۱،ص۲۹۴ ۔۲۔ نیل الاوطار، ج۱،ص۲۹۵ ۳۔ المغنی، ج۱،ص۴۴۲،۴۴۷

۴۔ ۴۔سورۃ التوبہ ۹:۵ ۵۔ بخاری اور نسائی، نیل الاوطار، ج۱،ص۲۹۱

اسی طرح حضرت بریدہ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان ذمہ فقط نماز ہے جو اس کو چھوڑ دے وہ کافر ہو جائے گا۔ (بروایت پانچوں حضرات اور ابن حبان حاکم کے نسائی اور عراقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۱)

یہ حدیث بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کا چھوڑنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ علامہ شوکانی نے اس رائے کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ حق یہ ہے کہ یہ شخص کافر ہے اور واجب القتل ہے اور بعض اقسام کفر ایسی ہیں جو مغفرت اور شفاعت سے مانع نہیں ہوتیں (یعنی کفر کی بعض اقسام ایسی ہیں کہ جن کا مرتکب مغفرت اور شفاعت کا حق دار ہو سکتا ہے)

میرا رجحان پہلی رائے کی طرف ہے یعنی نماز کا ترک کرنے والا کافر نہیں ہے، کیونکہ بکثرت ایسے دلائل وارد ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مسلمان کلمہ پڑھ لینے کے بعد جہنم میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور اللہ کی علاوہ معبودان باطل کی تکفیر کردی تو اس کا مال اور خون محترم ہو گیا اور اس کا حساب وکتاب اللہ کے سپرد ہے۔ (امام مسلم نے یہ حدیث حضرت طارق اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، (۲) نبی کریم ﷺ نے فرمایا جہنم سے وہ شخص نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا یا اور اس کے دل میں جو دانے کے برابر بھی خیر کا مادہ ہو اور جہنم سے وہ شخص بھی نکل جائے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا اور اس کے دل میں ایک گندم کے دانے کے برابر بھی بھلائی ہو جہنم کی آگ سے وہ شخص بھی نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی بھلائی ہوئی۔ (امام بخاری نے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔)

جمہور فقہاء کے ہاں (ماسوا احناف) نماز کے ترک کرنے والے کے قتل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ تلوار سے اس کی گردن ماردی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے۔

نماز کی فرضیت کا تاعمر برقرار رہنا:

نماز کسی حال میں معاف نہیں ہے، حالت حضر ہو یا سفر یا حالت مرض ہو مسلمان جب تک زندہ ہو اس پر نماز لازم ہے بشرطیکہ اس پر عقل کے غائب ہونے اور ہوش وحواس کھو دینے کی کیفیت طاری نہ ہو اسلام نے نماز ادا کرنے کے طریقے میں سہولت اور آسانی پیدا کی ہے جیسے صلاۃ الخوف میں اور مریض کی نماز کا طریقہ جیسے بھی وہ ادا کرنے پر قادر ہو کھڑے ہو کر بیٹھ کر پہلو کے بل، گدی کے بل (سر کے بل منہ کے بل) یا سر کے یا آنکھوں کے اشارے سے یا صرف دل ہی دل میں ارکان ادا کرنے سے وغیرہ۔ اور جو شخص کسی آپریشن وغیرہ کے نتیجے میں خون میں لت پت ہو یا اس کے ساتھ ایسی تھیلی بندھی ہوئی ہو جس میں خون جا رہا ہو، یا ٹوٹی ہڈیوں پر پلستر وغیرہ چڑھا ہوا ہو وغیرہ تو وہ شخص اسی حالت

۱۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۲۹۴　　۲۔ جامع الاصول، ج ۱، ص ۲۱۱

میں نماز پڑھے گا سب قدرت وضو یا تیمم سے پھر شفا ہو جانے کے بعد احتیاطاً وہ نماز کا اعادہ کرلے۔ (۱)

تارک نماز کا فاسق ہونا:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کر کے نماز کو ترک کر دے، اس کے کفر پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے وہ شخص ملت اسلام سے خارج ہے، الا یہ کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو، یا مسلمانوں کے ساتھ اتنا عرصہ نہ رہا ہو کہ اس کو نماز کی فرضیت کا علم ہو جائے اور اگر وہ نماز کی فرضیت کا اعتقاد رکھتا ہے اور اس نے سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کیا ہے جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے تو اس میں لوگوں کا اختلاف ہے، امام شافعی، امام مالک اور جمہور سلف اور خلف کا مسلک یہ ہے کہ وہ کافر نہیں فاسق ہے، اس سے توبہ طلب کی جائے گی اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہا ورنہ اس کو حداً قتل کر دیا جائے گا، جس طرح شادی شدہ زانی کو حد میں سنگسار کیا جاتا ہے لیکن اس کو تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ متقدمین کی ایک جماعت کا یہ مسلک ہے کہ وہ کافر ہو گیا، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے، امام احمد بن حنبل سے بھی ایک یہی روایت ہے، عبداللہ بن المبارک اور اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور بعض اصحاب شافعی کا بھی یہی مسلک ہے، امام ابوحنیفہ، کوفہ کے دیگر علماء اور امام شافعی کے تلمیذ امام مزنی کا یہ مسلک ہے کہ وہ کافر نہیں ہے اور نہ اس کو قتل کیا جائے گا بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے گی اور اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے اور نماز پڑھنے لگے۔

جمہور فقہاء جن کا یہ موقف ہے کہ نماز ترک کرنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا، ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

" إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ "(۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم ہو اس کو بخش دیتا ہے جس کے لیے چاہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے استدلال کرتے ہیں:

"من قال لاالہ الااللہ دخل الجنۃ"

جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

من مات وھو یعلم ان لاالہ الااللہ دخل الجنۃ۔

جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کو لا الہ الا اللہ کا یقین تھا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

"حرم اللہ علی النار من قال لا الہ الا اللہ"۔

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۳۷۔۴۴۰ ۲۔ النساء ۴: ۴۸

جس نے لا الہ الا اللہ کہا اللہ تعالیٰ نے اس کو دوزخ پر حرام کر دیا۔

جو علماء تارک نماز کو قتل کرنے کے قائل ہیں وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

''فَإِذَا انسَلَخَ الأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُواْ الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُواْ لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ فَخَلُّواْ سَبِيلَهُمْ''(۱)

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو پکڑو اور ان کا محاصرہ کر لو، اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

اس آیت کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا گیا ہے، یعنی اگر وہ نماز قائم کر لیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، ورنہ ان کو قتل کر دو۔

نیز اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے:

''امرت ان اقاتل الناس حتی یقولو ا لاالہ الااللہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ فازا فعلوا ذلک عصموا منی دمائھم واموالھم''۔

مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ کہیں لا الہ الا اللہ اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ ایسا کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیں گے۔

اس حدیث کے بھی مفہوم مخالف سے استدلال کیا گیا ہے، یعنی جس شخص نے نماز نہیں پڑھی اس کی جان اور مال محفوظ نہیں ہوں گے۔

(فقہاء احناف اس آیت اور حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس آیت اور اس حدیث میں صرف نماز کے ترک پر قتل کرنے کا حکم نہیں ہے اور بحث اس میں ہے، اس آیت اور حدیث میں اس شخص کو قتل کرنے کا حکم ہے جو ایمان نہ لائے اور نماز نہ پڑھے اور زکوٰۃ ادا نہ کرے، یعنی ایمان اور عمل صالح دونوں کے مجموعہ کے تارک کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ صرف نماز کے تارک کو، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں سے زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے قتال کیا تھا وہ ادائیگی زکوٰۃ کا انکار کرتے تھے۔

جو علماء تارک نماز کو کافر کہتے ہیں ان کی دلیل اس باب کی احادیث ہیں، یعنی بندہ اور اس کے کفر کے درمیان نماز نہ پڑھنے کا فرق ہے، اور دوسرے علماء نے اس باب کی حدیث ''بندہ اور اس کے کفر کے درمیان نماز نہ پڑھنے کا فرق ہے'' کی یہ تاویل کی ہے کہ

۱۔ توبہ ۹:۵

انسان نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اس سزا کا مستحق ہے جو کافر کو نماز کے ترک کی وجہ سے دی جاتی ہے، یا یہ تاویل ہے کہ جو شخص نماز کے ترک کو جائز اور حلال سمجھے وہ کافر ہے یا یہ کہ نماز کے ترک کی شامت انسان کو مآل کار کفر کی طرف لے جاتی ہے، یا اس کا نماز نہ پڑھنا کافروں کا فعل ہے۔ امام ابوحنیفہ اور جو فقہاء نماز ترک کرنے والے کو قتل کرنے کے قائل نہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

"عن عبدالله قال قال رسول الله ﷺ لایحل دم امرئ مسلم یشهد ان لااله الا الله وانی رسول الله ﷺ الا باحدی ثلاث الثیب الزان والنفس بالنفس والتارك الدینه المفارق للجماعة"۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مسلمان شخص اللہ کے ایک ہونے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دیتا ہو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ تین اسباب میں سے کوئی ایک سبب نہ پایا جائے وہ شخص شادی شدہ زانی ہو، جان کا بدلہ جان ہو، وہ شخص دین اسلام کو ترک کر کے جماعت مسلمین سے الگ ہو جائے۔

نبی ﷺ نے مسلمان کو قتل کرنے کے جو تین اسباب بتائے ہیں ان میں نماز کو ترک کرنا داخل نہیں ہے اس لیے حدیث کی بناء پر تارک نماز کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)(۳)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال:

امام نسائی رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ نماز چھوڑنا کفر ہے۔

اہل اسلام کا اجماع:

مسلمان اس پر متفق ہیں کہ جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو، وہ کافر و مرتد ہے، کیونکہ نماز کی فرضیت قرآن، سنت اور اجماع کے قطعی دلائل سے ثابت ہے۔

☆ سستی، کاہلی اور غفلت کے سبب نماز چھوڑنے والا فاسق ہے۔

☆ اگر کوئی اسلام میں نیا داخل ہوا ہو، یا اس کا مسلمانوں سے زیادہ میل جول نہ ہو، تو ایسا شخص اگر نماز چھوڑتا ہے، تو اس پر فسق کا حکم بھی نہیں ہے۔

تارکِ نماز کی سزا:

ا۔ فقہاء احناف کا موقف:

ایسے شخص کو گرفتار کیا جائے گا، جب تک تائب ہو کر نماز نہ پڑھنا شروع کر دے، اسے جیل میں ہی رکھا جائے گا۔

ا۔ صحیح مسلم، ج۲، ص۵۹　۲۔ شرح صحیح مسلم، ج۱، ص۱۶۱　۳۔ شرح صحیح مسلم، ج۱، ص۵۳۸۔۵۴۰

۲۔ فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کا مؤقف:

ایسے شخص کو نماز پڑھنے کی طرف توجہ دلائی جائے گی، جیسے مرتد کے ساتھ کیا جاتا ہے، اگر توبہ کرے تو ٹھیک، ورنہ اسے بطور حد کے قتل کر دیا جائے گا۔

۳۔ فقہاء حنابلہ کا مؤقف:

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: نماز چھوڑنے کی وجہ سے ایسا شخص کافر ہو جائے گا، اور کفر کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے گا۔

۴۔ علماء ظواہر کا مؤقف:

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

نماز چھوڑنے والا شخص کافر ہے، اور واجب القتل ہے۔

☆ نماز ہر مسلمان عاقل، بالغ، مرد، عورت پر تاحیات فرض ہے، چاہے وہ سفر میں ہو، یا حالت اقامت میں، یا بیماری کی حالت میں ہو۔

☆ مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں کفر سے مراد کافروں جیسا فعل ہے، یعنی کافر نماز نہیں پڑھتے، تو نماز نہ پڑھنا ان جیسا فعل ہے۔

☆ یہاں پر کفر بمعنی فسق ہے۔

بَابُ الْمُحَاسَبَةِ عَلَى الصَّلَاةِ باب ۹: نماز کے بارے میں پوچھ گچھ کا ہونا

اللہ تعالیٰ جل جلالہ قیامت کے دن ہر انسان سے حساب کتاب لے گا، مسلمان سے بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے حوالے سے پوچھ گچھ ہوگی، حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا، اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کے بارے میں حساب وکتاب ہوگا۔ اس باب میں حقوق اللہ کے حوالے سے پوچھ گچھ کا مسئلہ بیان ہوا ہے، اس باب میں امام نسائی نے تین احادیث مبارکہ سے استنباط فرمایا ہے، پچھلے باب میں اس دنیا میں نماز چھوڑنے والے کا حکم بیان ہوا تھا، اور اس باب میں قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھ گچھ کا ذکر ہے، یہی دونوں ابواب میں مناسبت ہے۔

۴۶۴۔أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ :حَدَّثَنَا هَارُونُ هُوَ ابْنُ إِسْمَاعِيلَ الْخَزَّازُ قَالَ :حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ حُرَيْثِ بْنِ قَبِيصَةَ قَالَ :قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قَالَ :قُلْتُ :اللَّهُمَّ يَسِّرْ لِي جَلِيسًا صَالِحًا، فَجَلَسْتُ إِلَى أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :فَقُلْتُ إِنِّي دَعَوْتُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يُيَسِّرَ لِي جَلِيسًا صَالِحًا، فَحَدِّثْنِي بِحَدِيثٍ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللَّهَ أَنْ يَنْفَعَنِي بِهِ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ بِصَلَاتِهِ، فَإِنْ صَلَحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ، وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ قَالَ هَمَّامٌ :لَا أَدْرِي هَذَا مِنْ كَلَامِ قَتَادَةَ أَوْ مِنَ الرِّوَايَةِ " :فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيضَتِهِ شَيْءٌ قَالَ :انْظُرُوا :هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ ,فَيُكَمَّلُ بِهِ مَا نَقَصَ مِنَ الْفَرِيضَةِ، ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى نَحْوِ ذَلِكَ ."خَالَفَهُ أَبُو الْعَوَّامِ

حضرت حریث بن قبیصہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں مدینہ منورہ حاضری کے لیے آیا، تو میں نے دعا کی: اے اللہ تعالیٰ جل جلالہ! مجھے کسی نیک شخص کی صحبت عطا فرما، لہٰذا مجھے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحبت نصیب ہوئی۔ میں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بتلایا، کہ میں نے اللہ تعالیٰ جل جلالہ! سے نیک صحبت کی دعا کی تھی، لہٰذا آپ مجھے کوئی ایسی حدیث بیان فرمائیں، جو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، امید ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ! مجھے اس سے فائدہ پہنچائے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: سب سے پہلے مسلمان سے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر وہ درست ہوئی، تو اس نے کامیابی اور کامرانی حاصل کر لی، اگر وہ درست نہ ہوئی، تو وہ ناکام ہوا اور گھاٹے میں گیا۔

راوی حدیث حضرت ہمام فرماتے ہیں: مجھے یہ معلوم نہیں، کہ یہ الفاظ حضرت قتادہ کے ہیں، یا حدیث کے ہیں۔
اگر مسلمان کے فرضوں میں کمی ہوئی، تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ! فرمائے گا: دیکھو! میرے بندے کے پاس نفل ہیں، تو اس کے

نفلوں سے فرضوں کو پورا کیا جائے گا، پھر باقی اعمال میں بھی اسی طرح ہوگا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت ابو عوام رحمۃ اللہ علیہ نے سند میں حضرت ہمام کی مخالفت کی ہے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی جملہ میں ہے:

سب سے پہلے مسلمان سے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

۲۔اطراف:

ترمذی:۴۱۳، السنن الکبریٰ:۳۲۵، تحفۃ الاشراف:۱۲۲۳۹

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین کی سرگذشت حیات صفحۂ قرطاس پر منتقل کی جارہی ہے۔

ا۔ابوداؤد: راجع:۱۳۶

۲۔ہارون بن اسماعیل:

آپ کا نام ابوالحسن ہارون بن اسماعیل خزاز بصری (م:۲۰۶ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ صغار سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ کے پاس حضرت علی بن مبارک کی عطا کردہ کتاب تھی، آپ ایک تاجر تھے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۳۔ہمام بن یحییٰ:

آپ کا نام ابوعبداللہ ہمام بن یحییٰ بن دینار عوذی بصری (م:۱۶۳ھ) ہے، بعض نے آپ کی کنیت ابوبکر ذکر کی ہے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، البتہ بعض نے لکھا ہے: کہ بعض اوقات وہم کا شکار ہو جاتے تھے، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے ستائیس (۲۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۲)

۴۔قتادہ: راجع:۱۳۹ **۵۔الحسن:** راجع:۱۹۲

۱۔ i۔تھذیب الکمال، ج۳۰، ص۸۷ ii۔الثقات، ج۹، ص۲۳۸

۲۔ i۔طبقات ابن سعد، ج۷، ص۲۸۲ ii۔الکامل، ج۷، ص۱۲۹

۴۔حریث بن قبیصہ:

آپ کا نام قبیصہ بن حریث انصاری بصری (م:۱۶۷ھ) مشہور ہے، البتہ بعض نے نام حریث بن قبیصہ ذکر کیا ہے، لیکن پہلا ہی زیادہ مشہور ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، صدوق، تابعی راوی ہیں، امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۷۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: راجع:۱۱۰

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چوراسی ویں (۸۴) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ راوی ہیں، البتہ حضرت حریث صدوق ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی صرانی، آخری مدنی اور باقی سارے بصری ہیں۔
☆ سند میں تین تابعی (قتادہ، حسن بصری، حریث) راوی ہیں۔
☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ کے بھی سرخیل ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

قدمت المدینة: میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔
یسرلی: میرے لیے آسان کردے۔
جلیسا صالحا: نیک آدمی۔نیک صحبت۔
جلست: میں بیٹھا۔
انی دعوت اللہ: میں نے اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے دعا کی۔
لعل اللہ ان ینفعنی بہ: شاید مجھے اللہ تعالیٰ جل جلالہ اس کے ساتھ فائدہ پہنچائے۔

۱۔ ۳۔i۔الثقات، ج۵،ص۳۱۹ ii۔التاریخ الکبیر، ج۷،ص۱۷۶

اول ما یحاسب :	سب سے پہلے جو حساب ہوگا۔	العبد :	بندہ۔ مسلمان مراد ہے۔
صلاۃ:	نماز	ان صلحت :	اگر وہ درست ہوئی۔
قدافلح :	تحقیق اس نے نجات پائی۔	قد انجح :	تحقیق وہ کامیاب ہوا۔
ان فسدت :	اگر وہ خراب ہوئی، یا درست نا ہوئی۔	قدخاب :	تحقیق وہ نامراد ہوا۔
قدخسر:	تحقیق وہ گھاٹے میں گیا۔	ان انتقص :	اگر کمی ہوگئی۔
انظروا:	تم دیکھو۔	هل لعبدی ؟:	کیا میرے بندہ کے لیے۔
تطوع :	نفل۔	یکمل :	مکمل کیا جائے گا۔
مانقص :	جو کمی ہوئی۔	الفریعنه:	فرض۔

یکون سائر عمله : اس کے سارے عمل ہوں گے۔

۴۶۵۔اَخْبَرَنَا أَبُو الْعَوَّامِ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ :أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ، فَإِنْ وُجِدَتْ تَامَّةً كُتِبَتْ تَامَّةً، وَإِنْ كَانَ انْتُقِصَ مِنْهَا شَيْءٌ" .قَالَ :انْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ لَهُ مِنْ تَطَوُّعٍ يُكَمِّلُ لَهُ مَا ضَيَّعَ مِنْ فَرِيضَةٍ مِنْ تَطَوُّعِهِ، ثُمَّ سَائِرُ الْأَعْمَالِ تَجْرِي عَلَى حَسَبِ ذَلِكَ "

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن مسلمان سے سب سے پہلا حساب نماز کا لیا جائے گا، اگر وہ مکمل پائی گئی، تو اسے مکمل لکھ دیا جائے گا، اگر اس میں کوئی کمی ہوئی، تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا: دیکھو! کیا اس کے نفلوں میں سے کچھ ہے، تو ان کے ساتھ فرضوں کی کمی پوری کردی جائے گی، پھر باقی اعمال بھی اسی کے مطابق جاری ہوں گے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی جملہ میں ہے:

قیامت کے دن مسلمان سے سب سے پہلا حساب، نماز کا لیا جائے گا۔

۲۔اطراف:

راجع:۴۶۴

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت شعیب اور ابو العوام کے

حالات زندگی لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ابوداؤد:　　راجع:۱۳۶

۲۔شعیب:

آپ کا نام شعیب بن بیان بن زیاد بن میمون صفار قسملی بصری ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے صدوق خالحی راوی ہیں، اور منکر روایات بھی کرتے ہیں، ان سے روایت لینے میں امام نسائی منفرد ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۳۔ابوالعوام:

آپ کا نام ابوالعوام عمران بن داور قطان بصری ہے، آپ نے ایک سو ساٹھ ہجری سے ایک سو ستر ہجری (۱۶۰ھ۔۱۷۰ھ) کے درمیان وفات پائی، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے صدوق وہمی راوی ہیں۔آپ کے خیالات خوارج کی طرف مائل تھے، لیکن اس امر کے داعی نہ تھے۔آپ سے امام بخاری (تعلیقاً) اور آئمہ سنن اربعہ روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۲)

۴۔قتادہ:　　راجع:۱۳۹　　۵۔الحسن:　　راجع:۱۹۲

۶۔ابورافع:　　راجع:۱۹۱　　۷۔حضرت ابوہریرہ:　　راجع:۱۱۰

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ پچاسی ویں (۸۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت شعیب اور ابوالعوام رحمہم اللہ جمہور کے نزدیک صدوق ہیں۔

☆ حضرت شعیب اور ابوالعوام رحمہم اللہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ابوداؤد اور حضرت شعیب رحمہم اللہ ایسے شیوخ ہیں، جن سے روایت لینے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں، باقی شیوخ سے

۱۔　i۔الثقات، ج۸،ص۳۰۹　　ii۔احوال جوزجانی، ص۹۹

۲۔　i۔الثقات، ج۷،ص۲۴۳　　ii۔العلل (ابن حنبل)، ج۱،ص۲۴۳

آئمہ صحاح ستہ روایت لیتے ہیں، البتہ ابوالعوام سے امام بخاری تعلیقاً روایت کرتے ہیں، جبکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ بالکل روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے راوی حرانی، آخری مدنی اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

راجع: ۴۶۴

۴۶۶۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنِ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ صَلَاتُهُ، فَإِنْ كَانَ أَكْمَلَهَا وَإِلَّا قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: انْظُرُوا لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ، فَإِنْ وُجِدَ لَهُ تَطَوُّعٌ .قَالَ: أَكْمِلُوا بِهِ الْفَرِيضَةَ "

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (قیامت کے دن) سب سے پہلے بندے سے جو حساب لیا جائے گا، وہ نماز ہے۔ پس اگر وہ مکمل ہوئی تو بہتر، وگرنہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا: دیکھو! میرے بندے کے پاس نفل ہیں؟ پس اگر اس کے نامہ اعمال میں نفل پائے گئے، تو اللہ جل جلالہ فرمائے گا: ان سے فرائض کی کمی کو پورا کردو۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

احمد، ج ۴، ص ۱۰۳، السنن الکبریٰ: ۳۲۵، تحفۃ الاشراف: ۱۴۸۱۸

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت ازرق اور حضرت یحییٰ بن یعمر رحمہما اللہ کے حالات لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ اسحاق بن ابراھیم: راجع: ۱۲۸ **نفر بن شمیل:** راجع: ۲۴۵

۳۔ حماد بن سلمہ: راجع: ۲۸۸

۴۔ ازرق بن قیس:

آپ کا نام ازرق بن قیس حارثی بصری ہے، آپ کی وفات ۱۲۰ھ کے بعد ہوئی، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی

ہیں، آپ کی ثقاہت پر اہل علم متفق ہیں، امام بخاری، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۵۔ حضرت یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

یحییٰ نام ہے۔ ابوسلیمان کنیت۔ نسبی تعلق قبیلہ لیث سے تھا۔

فضل وکمال:

قرآن، حدیث، فقہ، زبان اور ادب جملہ علوم کے جامع تھے۔

قرآن:

قرآن کے ممتاز عالم تھے۔ علامہ ابن سعد انہیں علمائے قرآن لکھتے ہیں۔(۲)

حدیث:

حافظ حدیث بھی تھے۔ حافظ ذہبی نے حفاظ تابعین کے دوسرے طبقہ میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ صحابہ میں انہوں نے حضرت عثمان، حضرت علی، عمار بن یاسر، ابوذر غفاری، ابوہریرہ، ابوموسیٰ اشعری، ابوسعید خدری، ابن عباس، ابن عمر، سلیمان بن صرد اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر سے روایتیں کی ہیں۔(۳)

یحییٰ بن عقیل، سلیمان تیمی، عبداللہ بن بریدہ، قتادہ، عکرمہ، عطاء خراسانی، رکین بن ربیع، عبداللہ بن کلب سدوسی، ازرق بن قیس اور اسحٰق بن نوید وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے۔(۴)

فقہ:

فقہ میں بھی انہیں پورا ادراک تھا۔ حافظ ذہبی انہیں فقیہ علماء میں لکھتے ہیں۔(۵) ان کے تفقہ کی ایک سند یہ ہے کہ مرو کے قاضی تھے۔(۶)

زبان وادب:

ان مذہبی علوم کے علاوہ زبان وادب میں بھی انہیں مہارت تھی۔ نحو اور عربی زبان کے فاضل تھے۔(۷) نحو انہوں نے اس کے موجد اول ابوالاسود دوائلی سے حاصل تھی۔(۸)

۱۔ i۔ الجراح والتعدیل، ج۲، ص۳۳۹ ii۔ التاریخ الکبیر، ج۱، ص۶۹ ۲۔ ابن سعد، ج۷، ص۱۰۱
۳۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۶۲۵ ۴۔ ایضاً ۵۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۶۵
۶۔ ابن سعد، ج۵، ص۱۰۱ ۷۔ ایضاً ۸۔ تھذیب التھذیب، ج۱۱، ص۳۰۵

فصاحت وبلاغت:

زبان پر عبور کے ساتھ وہ بڑے فصیح وبلیغ تھے۔ان کا شمار ممتاز فصحاء میں تھا۔(۱)

قضاءت میں سہولت:

یحیٰ خراسان کے پایہ تخت مرو کے قاضی تھے۔مرو میں باقاعدہ دارالقضاء تھا۔لیکن حاجت مندوں کی آسانی کے لیے وہ چلتے پھرتے، راستے گلی میں تنازعوں کا فیصلہ کردیتے تھے۔یحیٰ بن موسیٰ بن یسار کا بیان ہے کہ میں نے یحیٰ بن یعمر کو بازاروں اور گلیوں میں فیصلہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔بسا اوقات وہ سواری پر چلتے ہوئے، اس حالت میں اگر دو فریق آجاتے تو سواری روک کر کھڑے کھڑے فیصلہ دے دیتے۔(۲)

ایک اہم کارنامہ:

ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ جو ابدالآباد قائم رہے گا قرآن کو منقوط کرنا ہے۔ابتداء میں قرآن پاک نقطوں سے خالی تھا۔سب سے اول یحیٰ نے پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے نقطے لگائے۔(۳)

اہل بیت نبوی سے عقیدت:

اہل بیت نبوی کے ساتھ ان کو نہایت گہری عقیدت تھی، اور وہ ان کو بلاتفریق سب پر فضیلت دیتے تھے۔لیکن کسی کی تنقیص نہ کرتے۔

ایک مرتبہ حجاج نے ان سے کہا، تمہارا خیال ہے کہ حسن وحسین رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں تھے؟ یا تو تم اس خیال سے باز آؤ یا اس کا ثبوت پیش کرو۔انہوں نے قرآن کی یہ آیت پیش کر کے ''ومن ذریة دائود وسلیمان وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ'' کہا عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان اس سے کہیں کم تعلق ہے، جتنا حسن وحسین رضی اللہ عنہم اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔اس جواب میں یہ نکتہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام بعد زمانی کے باوجود صرف مادری تعلق سے ابراہیم علیہ السلام کی ذریت ہو سکتے ہیں تو حسن وحسین رضی اللہ عنہم کے جو خاص نواسے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت میں کیا شبہ۔یہ جواب سن کر حجاج مطمئن ہو گیا۔(۴)

وفات:

باختلاف روایت ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔(۵)

۶۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۱۰

۱۔ شذرات الذھب، ج۱، ص۱۷۶ ۲۔ ابن سعد، ج۱، ص۱۰۱ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۶۵

۴۔ شذرات الذھب، ج۱، ص۱۷۶ ۵۔ سیر الصحابہ، ج۷، ص۴۰۷۔۴۰۸

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمہ اللہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو بانوے ویں (۱۹۲) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی مروزی، آخری مدنی اور باقی سب بصری ہیں۔

☆ حضرت ازرق اور یحییٰ بن یعمر رحمہما اللہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، انبأنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

راجع: ۴۶۴

۷۔ مسائل ونصائح:

قیامت کے دن حقوق اللہ میں سے نماز اور حقوق العباد میں سے خون کا حساب ہوگا:

امام ابوبکر جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یہ حدیث مبارکہ (قیامت کے دن سب سے پہلے حساب نماز کا ہوگا)، اس حدیث کے مخالف نہیں ہے، جس میں حکم ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ خون والی حدیث میں بندوں کے ظلم کا بیان ہے، جو کہ حقوق العباد میں سے ہے، اور نماز حقوق اللہ میں سے ہے، (یعنی حقوق اللہ میں سے نماز کا حساب سب سے پہلے ہوگا)۔(۱)

اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرض کی کمی کو نفل سے پورا کرنا:

علامہ عبدالہادی سندھی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں جو پہلے حساب کا ذکر ہے، وہ حقوق اللہ میں سے ہے، اس لیے خون کے پہلے حساب سے اس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، کیونکہ وہاں پر بیان حقوق العباد کا ہے۔ اسی طرح حدیث مبارکہ میں فرض کے جس نقصان کے پورا کرنے کا ذکر ہے، اس سے فوت شدہ فرائض مراد ہیں، ایسی نمازوں کے نقصان کو نفلوں سے پورا کیا جائے گا، بعض لوگوں نے جو کیا ہے کہ

۱۔ زہر الربی، ج ۱، ص ۹۲

اس سے مراد فرضوں کے خشوع کو پورا کرنا ہے، وہ درست نہیں ہے، کیونکہ حدیث کے اگلے حصے میں سارے اعمال کا ذکر ہے، جس سے مراد ہے کہ زکوٰۃ میں بھی اسی طرح ہوگا (یعنی اگر فرض زکوٰۃ پوری نہ ہوگی، تو نفل صدقہ سے اس کو پورا کیا جائے گا)، اسی طرح نماز میں ہوگا، یعنی نفیس فرض کی کمی کو پورا کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فضل وسیع، اس کی رحمت عام اور تمام ہے۔ واللہ تعالیٰ جل جلالہ اعلم۔ (۱)

نماز اور خون کے حساب والی روایات میں تطبیق:

شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے سوال نماز کا ہوگا، لیکن بخاری کتاب الرقاق میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ "اول ما یقضی بین الناس بالدماء" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حساب خون کا ہوگا، اس ظاہری تعارض کو رفع کرنے کے لیے بعض حضرات نے فرمایا کہ حساب سب سے پہلے نماز کا ہوگا، اور فیصلہ سب سے پہلے قتل کا، لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلے حساب نماز کا ہوگا، اور حقوق العباد میں سب سے پہلے قتل کا، چنانچہ نسائی (۲) میں یہ دونوں روایات یکجا ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اول ما یحاسب بہ العبد الصلاۃ، واول ما یقضی بین الناس فی الدماء۔ فان انتقص من فریضۃ شیئاً قال الرب تبارک وتعالیٰ: انظروا اھل لعبدی من تطوع؟ فیکمل بھا ما انتقص من الفریضۃ"۔

اس سے استدلال کر کے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آخرت میں فرائض کی تلافی نوافل سے ہوسکتی ہے، قاضی ابوبکر ابن العربی کا یہی قول ہے، لیکن دوسرے علماء مثلاً امام بیہقی کا کہنا یہ ہے کہ فرائض میں اگر کیفاً نقص رہ گیا ہو، یعنی فرائض چھوٹ گئے ہوں تو ان کی تلافی ہزاروں نفلیں بھی نہیں کرسکتیں، وہاں اگر کیفاً نقص رہ گیا ہو تو نوافل سے اس کی تلافی ہوسکتی ہے، اور حدیث باب میں کیف ہی کا نقص مراد ہے اس کی تائید مجمع الزوائد باب (۳) فرض الصلوٰۃ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جو بحوالہ طبرانی کبیر حضرت عبداللہ بن قراط سے مرفوعاً مروی ہے "من صلی صلوٰۃ لم یتمھا زید علیھا من سحتہ" (۴) علامہ ہیثمی نے اس کے رجال کو ثقات کہا ہے۔

اور حافظ ابن عبدالبر نے دونوں اقوال میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اگر فرائض سہواً چھوٹ گئے ہوں تو نوافل سے تلافی ہوسکتی ہے، لیکن عمداً چھوڑے ہوں تو تلافی نہیں ہوسکتی۔

احقر عرض کرتا ہے کہ یہ ساری گفتگو اصل ضابطے کے بارے میں ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی ضابطے کی پابند نہیں ہے، وہ

۱۔ حاشیہ سندھی، ج ۱، ص ۹۲ ۲۔ نسائی، ج ۲، ص ۱۶۲ ۳۔ ج ۱، ص ۲۹۱

۴۔ مجمع الزوائد، ج ۱، ص ۲۸۸۔ ۲۹۱

نوافل کے ذریعے فرائض کے کم اور کیف دونوں کی تلافی کر دے تو کیا بعید ہے؟ لیکن دنیا میں عمل ضابطے ہی کو مدنظر رکھ کر کرنا ضروری ہے۔(۱)

حضرت ابوالعوام رحمہ اللہ اور حضرت ہمام رحمہ اللہ کی سند کا فرق:

شیخ محمد امین لکھتے ہیں: ھ

ابوعوام اور ہمام دونوں حضرت قتادہ کے شاگرد ہیں۔ دونوں سند کے بیان کرنے میں مختلف ہیں جیسا کہ اس حدیث اور اگلی حدیث کی سندیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ہمام کی سند میں حضرت حسن کے استاد حریث بن قبیصہ ہیں جب کہ ابوعوام کی سند میں حسن کے استاد ابورافع ہیں۔(۲)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال:

مذکورہ بالا تینوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

قیامت کے دن نماز کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

☆ حقوق اللہ میں سے قیامت کے دن سب سے پہلے حساب کتاب نماز کے بارے میں ہوگا۔

☆ حقوق العباد میں سے قیامت کے دن سب سے پہلے حساب کتاب قتل (خون) کے بارے میں ہوگا۔

☆ ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حال میں نماز کی پابندی کرے، اور خون ناحق سے بچے۔

☆ نماز کی فضیلت باقی تمام عبادتوں پر فائق ہے، کیونکہ قیامت کے دن سب سے اسی کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔

☆ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا اہل ایمان پر فضل وکرم بہت زیادہ اس دنیا میں بھی ہے، اور قیامت کے دن بھی ہوگا۔

☆ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جل جلالہ نفس فرض کے نقصان کو نوافل سے پورا فرمائے گا۔

☆ نماز میں خشوع وخضوع کے نقصان کو بھی پورا کیا جائے گا، البتہ جمہور علماء کے نزدیک اس سے مراد نفس فرض کا نقصان ہے۔

☆ نوافل کی ترغیب زیادہ سے زیادہ دینی چاہیے، اور خود بھی اس کی پابندی کرنی چاہیے، تاکہ فرض میں اگر کوتاہی ہو جائے، تو نفل سے پوری ہو سکے، اور ہم قیامت کے دن شرمندگی سے بچ سکیں۔

☆ سلف صالحین، نیک لوگوں کی ہم نشینی کے لیے بہت حریص تھے، جیسا کہ حضرت حریث بن قبیصہ رحمہ اللہ کی دعا سے ظاہر ہے۔

☆ سلف صالحین حصول علم کے ہمیشہ طلبگار رہتے، اور جہاں موقع ملتا علمی مجالس سجا لیتے، اور علمی شخصیات سے علمی گوہر حاصل کرتے۔

۱۔ درس ترمذی، ج۲، ص۱۶۲۔۱۶۳ ۲۔ سنن نسائی (فوائد)، ج۱، ص۴۶۱

☆ یہ روایت حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے دوشاگردوں حضرت ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور ابوعوام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے دونوں کے متن اور سند میں اختلاف ہے، البتہ تقریباً ایک ہی ہے۔

عصرِ حاضر کے طالب علموں کا المیہ:

ہمارے زمانے میں طالب علموں کا المیہ یہ ہے کہ علم برائے اصلاح معدوم ہوتا جارہا ہے، اسی طرح صالحین کی مجلسیں ناپید ہوتی جارہی ہیں، ہماری دعائیں بھی روحانی اور علمی فیضان کی طلب کی بجائے، دنیاوی مال وزر کے لیے ہوگئی ہیں۔ اسی طرح علم استاد کی بجائے ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، کمپیوٹر، موبائل، کتب، رسائل اور دیگر ذرائع بلکہ فلموں اور ڈراموں سے حاصل کیا جارہا ہے، اور استاد کو بالکل نظرانداز کیا جارہا ہے، بلکہ طالب علم بھی علم کی بجائے ہنر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ اسی لیے طالبعلم فیضان نظر اور روحانیت سے خالی ہے ایسے ذرائع سے حاصل کردہ معلومات سے الفاظ و جملے تو آتے ہیں، لیکن دامن علم اور برکاتِ علم سے خالی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے علم نافع عطا فرمائے اور علم غیر نافع سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بَابُ ثَوَابِ مَنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ باب۱۰: نماز قائم کرنے کا ثواب

قرآن وحدیث میں نماز قائم کرنے کا حکم بیان ہوا ہے، عربی زبان میں اقامت کا معنیٰ ہے: کسی کام کو ہمیشہ کرنا، اس کی محافظت کرنا اور اس کے تمام حقوق پورے کرنا۔ اس لیے نماز قائم کرنے سے مراد ہے، نماز کو خشوع وخضوع، سنن ونوافل اور دیگر لوازمات کے ساتھ ادا کرنا، اور ہمیشہ کرتے رہنا۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ جل جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کا دخول فرمایا ہے۔ اس باب میں امام نسائی رحمہ اللہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں نماز کی محافظت کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز قائم کرنے کے ثواب کا بیان ہے۔

۴۶۷۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي صَفْوَانَ الثَّقَفِيُّ، حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، وَأَبُوهُ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّهُمَا سَمِعَا مُوسَى بْنَ طَلْحَةَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصِلَ الرَّحِمَ ذَرْهَا كَأَنَّهُ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
ایک شخص نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسا عمل بتا دیجیے، جس کی وجہ سے مجھے جنت نصیب ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اور صلہ رحمی کرو۔ (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اسے (اونٹنی کی مہار) چھوڑ دو، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے۔ یا سائل سواری پر تھا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قائم کرنے کو جنت میں داخل ہونے والا عمل قرار دیا۔

۲۔اطراف:

بخاری:۱۳۹۶،۵۹۸۲،۵۹۸۳،مسلم:۱۳،احمد:۲۳۰۸۳،السنن الکبریٰ:۳۲۸،تحفۃ الاشراف:۳۴۹۱

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی چار کے حالاتِ زندگی لکھے جارہے ہیں:

۱۔ محمد بن عثمان:

آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن عثمان بن ابی صفوان ثقفی بصری (م:۲۵۲ھ) ہے، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد اور امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چھ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۲۔ بہز بن اسد: راجع:۲۸　　۳۔ شعبہ: راجع:۱۱۰

۴۔ محمد بن عثمان بن عبداللہ:

آپ کا نام عمرو بن عثمان بن عبداللہ بن موہب تیمی ہے، آپ کا نام اکثر تذکرہ محمد ہی ذکر کرتے ہیں، لیکن امام بخاری، امام قطان، ابن نمیر اور حضرت ابویحییٰ رحمہ اللہ کے نزدیک ان کا نام عمرو تھا، اور محمد ان کے بھائی کا نام ہے۔ اسی قول کو امام مسلم، دارقطنی، امام نووی اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے، آپ آل طلحہ کے غلام تھے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی رحمہ اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۲)

۵۔ عثمان بن عبداللہ:

آپ کا نام ابوعبداللہ عثمان بن عبداللہ بن موہب تیمی مدنی (م:۱۶۰ھ) ہے، آپ اعرج کے لقب سے مشہور ہیں، اور اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں، آپ کی کنیت بعض نے ابوعمرو بھی ذکر کی ہے، آپ بھی آل طلحہ کے غلام تھے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے چھ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۳)

۶۔ موسیٰ بن طلحہ:

آپ کا نام ابوعیسیٰ موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ تیمی مدنی (م:۱۰۳ھ) ہے، آپ کی کنیت ابومحمد بھی ذکر کی جاتی ہے، آپ نے کوفہ میں رہائش اختیار فرمائی تھی، آپ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی پیدائش ہوچکی تھی۔ آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ کو اپنے زمانہ میں مہدی کہا جاتا تھا، آپ نے اپنے باپ کے ساتھ جنگ جمل میں شرکت کی تھی، گرفتاری کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے انہیں رہا کر دیا تھا۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے اٹھارہ (۱۸) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۴)

۱۔ i۔ المعجم المشتمل، ص ۹۰۸　　ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۸، ص ۲۵

۲۔ i۔ فتح الباری، ج ۳، ص ۳۱۱۔۳۱۲　　ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۱۹۹

۳۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۳۲۸　　ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۶، ص ۱۵۵

۴۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۴۴۴　　ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۲۸۹

۷۔حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۴۴

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوترانوے ویں (۱۹۳) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت محمد بن عثمان ثقفی اور اعرج ،عثمان بن عبداللہ اور موسیٰ بن طلحہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت بہز، حضرت شعبہ، حضرت موسیٰ اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند میں مذکور راوی محمد بن عثمان کا نام عمرو بن عثمان ہے۔

☆ سند میں حضرت موسیٰ بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیک وقت باپ اور بیٹا دونوں روایت کررہے ہیں۔

☆ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وہ خوش قسمت صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے ہاں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام فرمایا تھا۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمعا، عن ایک ایک دفعہ اور حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

رجلا : ایک شخص۔

اخبرنی : آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خبر دیں۔

عمل : کام۔

یدخلنی الجنۃ: وہ مجھے جنت میں داخل کردے۔

تعبداللہ : تم اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی عبادت کرو۔

لاتشرك به شياء: اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

تقیم الصلاۃ: تم نماز قائم کرو۔

توتی الزکوٰۃ: تم زکوٰۃ ادا کرو۔

تصل الرحم : تم رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرو۔

ذرھا: تو اسے چھوڑ دے۔

کان علی راحلة: آپ ﷺ یا وہ شخص سواری پر تھا۔

۷۔مسائل ونصائح:

راجع:۴۶۱

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال:

حدیث الباب سے امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

نماز کی پابندی ایسا عمل ہے، جو جنت میں لے جائے گا۔

سوال کرنے والے صحابی کا نام:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اسی طرح کا سوال حضرت صخر بن قعقاع باہلی نے آقا کریم ﷺ کی اونٹنی کی لگام تھام کر میدان عرفات اور مزدلفہ کے درمیان کیا تھا، امام طبرانی نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے، اور کہا ہے کہ یہ حسن ہے۔(۱)

☆ صحابہ کرام جنت کی شدت سے رغبت رکھتے تھے، اور جنت میں داخلے کے اسباب ڈھونڈتے تھے۔

☆ عقیدہ توحید بنیادی عقیدہ ہے، اور یہ سارے اعمال کی بنیاد ہے۔

☆ نماز اور زکوٰۃ فرض ہے، بدنی عبادت میں نماز کی فضیلت ہے، اور مالی عبادات میں زکوٰۃ کی فضیلت ہے۔

☆ قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے، اور صلہ رحمی جنت کے داخلے کا سبب ہے۔

☆ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنی چاہیے، اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔

☆ سواری پر بیٹھے ہوئے مسئلہ بتلانا یا فتویٰ دینا جائز ہے۔

ذرھا، کا مفہوم:

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے ''ذرھا''، یعنی سواری کو چھوڑ دو، گویا کہ وہ مرد جب یہ سوال کر رہا تھا تو سواری پر سوار تھا۔

۱۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج۳، ص۳۱۰۔۳۱۱

اور رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ اس کو جلدی ہے، پس جب اس کا مقصود حاصل ہو گیا اور اس کو جواب مل گیا تو آپ نے فرمایا: تم سواری کو چھوڑ دو اور اپنی منزل کی طرف جاؤ، کیونکہ اب تمہاری کوئی اور ضرورت باقی نہیں ہے۔ یا وہ مرد سوار تھا اور وہ سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھا آپ ﷺ نے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ سواری کی لگام کو چھوڑ دو اور اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤ۔(۱)(۲)

بَابُ عَدَدِ صَلَاةِ الظُّهْرِ فِي الحَضَر باب ۱۱: حالتِ اقامت میں نمازِ ظہر کی رکعتیں

اس باب سے امام نسائی رحمہ اللہ نمازوں کی فرض رکعتوں کی تعداد کا بیان اور سفر و اقامت میں رکعتوں کا بیان شروع کر رہے ہیں، حالتِ اقامت میں ظہر کی چار رکعتیں فرض ہیں، جبکہ حالت سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں، اس باب میں حالتِ اقامت کی رکعتوں کا بیان ہے، پچھلے باب میں نماز کی ادائیگی پر ثواب اور جنت میں دخول کا بیان تھا۔ اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۴۶۸۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ، وَإِبْرَاهِيمَ بْنِ مَيْسَرَةَ، سَمِعَا أَنَسًا قَالَ :صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَبِذِي الْحُلَيْفَةِ الْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز چار رکعت اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

نماز ظہر اور عصر دونوں کی حالتِ اقامت میں چار رکعتیں فرض ہیں، اور حالت سفر میں دو دو رکعتیں فرض ہیں۔ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ نے جو نماز ظہر ادا فرمائی، وہ حالت اقامت کی تھی، اس لیے چار رکعتیں پڑھی۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ نے نماز عصر کی دو رکعتیں پڑھیں، یہ حالت سفر کی نماز تھی، چونکہ دونوں نمازوں کی رکعتیں ایک جیسی ہیں، اس لیے حالت اقامت میں ظہر اور عصر کی چار چار رکعتیں فرض ہیں، حدیث مبارکہ کے پہلے جملہ میں مدینہ منورہ میں چار رکعتیں پڑھنے کا بیان ہے، اور یہ حالتِ اقامت کی نماز ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری :۱۰۸۹،اطراف الحدیث :۱۵۴۶۔۱۵۴۷۔۱۵۴۸۔۱۵۵۱۔۱۷۱۲۔۱۷۱۴۔۱۷۱۵۔۱۷۵۱۔۲۹۵۱۔۲۹۸۶،

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۲۲، ص ۱۴۱۔۱۴۲ ۲۔ نعمۃ الباری، ج ۱۲، ص ۵۳۳

صحیح مسلم: ۶۹۰، الرقم المسلسل: ۱۵۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۲۰۴، سنن ترمذی: ۵۴۶، مسند الحمیدی: ۱۱۹۴، مصنف عبدالرزاق: ۴۳۱۵، مسند ابویعلیٰ: ۲۸۹۴، صحیح ابن حبان: ۲۷۴۳، سنن بیہقی، ج ۵، ص ۱۰، المنتقیٰ: ۱۸۲، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۱۱، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۲۰۸۳، ج ۳، ص ۱۳۷، جامع المسانید لابن جوزی: ۱۴۵، مسند الطحاوی: ۲۷۵)

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و آثار لکھے جاتے ہیں:

۱۔ قتیبہ: راجع: ۱۱۸　　　**۲۔ سفیان:** راجع: ۱۲۵

۳۔ ابن المنکدر: راجع: ۱۳۸

۴۔ ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ:

آپ کا نام ابراہیم بن میسرہ طائفی مکی (م: ۱۳۲ھ) ہے، آپ روایت کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، ثابت، حافظ، تابعی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۱۔ i۔ العلل (ابن حنبل)، ص ۸۲۶　　　ii۔ تاریخ الثقات، ص ۵۵

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۳۵

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ پندرہویں (۱۵) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ رباعی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ ترین سند ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے شیوخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ روایت میں سے ہیں، اور آپ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، عنعنہ اور سمعا چاروں الفاظ ایک ایک دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔لغات:

صلیت : میں نے نماز پڑھی۔

الظهر: ظہر کی نماز۔

المدينة: مدینہ منورہ شہر۔

اربعا: چار۔

ذی الحليفة: مقام کا نام ہے، ذوالحلیفہ۔

العصر: عصر کی نماز۔

ركعتين : دو رکعت۔

۷۔مسائل ونصائح:

شہر کی حدود اور مضافات سے نکلنے کے بعد نماز کو قصر کیا جائے گا:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ مسافر اس وقت نماز کو قصر کرے گا جب وہ شہر کے مضافات اور اس کی حدود سے نکل جائے گا بعض تابعین نے کہا ہے کہ شہر کے مکانات سے نکلنے سے پہلے نماز کو قصر کرے، ان کے اس قول کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے رد کیا گیا ہے، کیونکہ آپ نے مدینہ میں ظہر کی نماز پوری پڑھی اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر نماز کو قصر کیا اور نماز کو قصر کرنا اس وقت لازم ہے جب انسان شہر یا بستی کے مکانوں سے نکل جائے، اس سے پہلے نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سفر میں عمل اور نیت کی ضرورت ہے اور یہ اقامت کی طرح نہیں ہے جس میں صرف نیت کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں ہے۔(۱)(۲)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال:

حدیث مذکور سے امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

۱۔ شرح ابن بطال، ج ۳، ص ۸۱　　۲۔ نعمۃ الباری، ج ۳، ص ۲۴۰

حالتِ اقامت میں ظہر کی چار رکعتیں فرض ہیں۔

☆ اقامت میں ظہر کی چار رکعتوں کے فرض ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

☆ تمام فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ مسافر نماز کو قصر اس وقت کرے گا، جب وہ شہر کے مضافات اور حدود سے نکل جائے گا۔

☆ نماز کو قصر کرنا اس وقت لازم ہے، جب مسافر شہر یا بستی کے مکانوں سے نکل جائے، اس سے پہلے جائز نہیں ہے، کیونکہ سفر میں عمل اور نیت دونوں ضروری ہیں۔

☆ قصر نماز اس سفر میں ہوگی، جو کم از کم تین دن اور تین راتیں یا پیادہ پر مشتمل ہو، جو عصری پیمانوں کے مطابق ستاون (۵۷) میل اور اٹھانوے (۹۸) کلومیٹر ہے۔

☆ یہ آقا کریم ﷺ کے حج کا سفر تھا۔

☆ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔

بَابُ صَلَاةِ الظُّهْرِ فِي السَّفَرِ　　باب ۱۲: سفر میں نماز ظہر کی رکعتیں

حالتِ سفر میں چار فرضوں والی نماز کے دو فرض ہو جاتے ہیں، اس باب میں نماز ظہر کی حالت سفر میں رکعتوں کا بیان ہے، پچھلے باب میں حالتِ اقامت میں نماز ظہر کی رکعتوں کا بیان تھا، اس باب میں ''امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ'' نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال فرمایا ہے۔

۴۶۹ـ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ بْنِ عُتَيْبَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ - قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى إِلَى الْبَطْحَاءِ - فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: حضور نبی اکرم ﷺ دوپہر کے وقت بطحاء کی طرف نکلے، آپ ﷺ نے وضو کیا، پھر ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھیں، اور آپ ﷺ کے سامنے چھوٹا نیزہ گاڑھا گیا تھا۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حضور اکرم ﷺ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں، یہ نماز وادی بطحا مکہ مکرمہ میں ادا کی گئی، اور آقا کریم ﷺ اس وقت حالت

سفر میں تھے، جس سے واضح ہوا کہ سفر کی حالت میں ظہر کی دو رکعتیں فرض ہیں۔

۲۔ اطراف:

(بخاری: ۱۸۷، ۳۷۶، صحیح مسلم: ۵۰۳، الرقم المسلسل: ۱۱۰۳۔۱۱۰۲، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۰۴۴، حلیۃ الاولیاء، ج ۷، ص ۱۸۸۔۱۸۹، سنن دارمی: ۱۴۰۹، مسند ابویعلیٰ: ۸۹۱، المعجم الکبیر، ج ۲۲، ص ۳۲۰، مسند احمد، ج ۴، ص ۳۰۷، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۸۷۴۴، ج ۳۱، ص ۴۱

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔ محمد بن المثنیٰ:	راجع: ۸۰	۲۔ محمد بن بشار:	راجع: ۲۷
۳۔ محمد بن جعفر:	راجع: ۲۳۹	۴۔ شعبہ:	راجع: ۱۱۰
۵۔ الحکم بن عتیبہ:	راجع: ۱۰۴	۶۔ حضرت ابوجحیفہ:	راجع: ۱۳۷

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو سترسٹھویں (۱۶۷) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت دو شیوخ حضرت محمد بن المثنیٰ اور محمد بن بشار رحمہما اللہ سے بیان کی ہے۔

☆ حضرت محمد بن مثنیٰ اور محمد بن بشار رحمہما اللہ دونوں ایسے شیوخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری اور آخری دو کوفی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ، سمعت ایک ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

خرج: 　　آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔

الھاجرۃ: دوپہر کا وقت۔

البطحاء: وادی بطحاء مکہ مکرمہ، جوکہ قبرستان معلیٰ سے صفاومروہ کے درمیان ہے

توضأ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوفرمایا۔

صلی الظھر والعصر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نماز پڑھی۔

رکعتین: دو رکعتیں۔

بین یدیه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے۔

عنزۃ: چھوٹا نیزہ۔

۷۔مسائل ونصائح:

اس حدیث مبارکہ کی شرح فیوض النزاھی فی شرح ،سنن النسائی، ج۲،ص۳۸۲۔۳۹۹پر گذر چکی ہے، وہاں اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو سے بچے ہوئے پانی کی طہارت اور برکت، امت کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضلات کریمہ طاہر ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے حصول برکت کا جواز، مسجد میں سترہ کی بحث، سترہ کا حکم، سترہ کی مقدار، بغیر سترہ کے نماز کے آگے سے گذرنے کے متعلق فقہاء کی آراء۔

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

حدیث الباب سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

سفر میں ظہر کی نماز کی دو رکعتیں فرض ہیں۔

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز وادی بطحاء مکہ مکرمہ میں ادا فرمائیں۔

☆ وادی بطحاء سے مراد قبرستان معلیٰ سے صفاومروہ پہاڑ کی طرف آتے ہوئے درمیانی علاقہ ہے، جوکہ اب جدید تعمیر کے بعد تقریباً مسجدالحرام کا حصہ ہوگیا ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک سترہ مستحب ہے، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سترہ واجب ہے۔

☆ سترہ کی موٹائی کم ازکم ایک انگلی کے برابر اور لمبائی کم ازکم نصف میٹر ہونی چاہیے۔

☆ سترہ اور نمازی کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ نمازی رکوع وسجدہ، آرام سے کر سکے۔

☆ سترہ اور نمازی کی دائیں یا بائیں آنکھ کے سامنے ہونا چاہئے، بالکل سامنے نہیں ہونا چاہئے۔

☆ سترہ اور نمازی کے درمیان سے گذرنے والے کو روکا جائے گا، اور نماز پڑھنے والا خود بھی روک سکتا ہے۔

☆ بغیر سترہ کے نمازی کے آگے سے مسجد صغیر میں گذرنا جائز نہیں، البتہ مسجد کبیر میں دو صفوں کے فاصلے سے گذرنا جائز ہے، یا جہاں سے نماز پڑھنے والے کی گذرنے والے پر نظر نہ پڑے۔

☆ جس مسجد میں باقاعدہ جمعہ ادا نہیں کیا جاتا، وہ مسجد صغیر ہے، اور جس مسجد میں جمعہ ادا ہوتا ہے، وہ مسجد کبیر ہے۔

☆ اگر سترہ کے آگے سے مرد وعورت یا جانور گذریں، تو اس سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆ مریض کی عیادت کرنا نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔

☆ امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہوتا ہے۔(۱)

بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعَصْرِ　　باب۱۴۳: نماز عصر کی فضیلت

نماز عصر ایسے وقت میں ادا کی جاتی ہے، جس میں عام طور پر معاشرہ کے افراد کاروبار لین دین یا دیگر کاموں میں مصروف ہوتے ہیں، اور یہ وقت عموماً کاموں کے اختتامی مراحل کا ہے، انسانی طبیعتیں اس وقت دنیاوی کاموں کے سمیٹنے میں منہمک ہوتی ہے، اس لیے اس وقت رب تعالیٰ جل جلالہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونا، خصوصی فضیلت کا حامل ہے، اس لیے قرآن وحدیث میں نماز عصر کی ادائیگی کی خصوصی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس باب میں بھی اسی امر کا بیان ہے، پچھلے باب میں نماز ظہر کی حالت سفر میں رکعتوں کی تعداد کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز عصر کی فضیلت کا بیان ہے، چونکہ ظہر کی نماز کے متصل بعد نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس لیے اب پہلے اس کی فضیلت بیان کی جارہی ہے، اس باب میں امام نسائی علیہ الرحمہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۴۷۰۔ أَخْبَرَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ وَابْنُ أَبِي خَالِدٍ وَالْبَخْتَرِيُّ بْنُ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ كُلُّهُمْ سَمِعُوهُ مِنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ الثَّقَفِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَنْ يَلِجَ النَّارَ مَنْ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا

حضرت عمارہ بن رویبہ ثقفی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہرگز ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا، جو شخص سورج نکلنے سے پہلے (نماز فجر) اور سورج غروب ہونے سے پہلے (نماز عصر) نماز ادا کرتا ہے۔

۱۔ فیوض النواهی فی شرح سنن النسائی، ج۲، ص۳۹۹

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

دوزخ سے آزادی کا سندیسہ ہر اس شخص کے لیے ہے، جو سورج غروب ہونے سے پہلے نماز ادا کرتا ہے، اور یہ عصر کی نماز ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۴۸۶، مسلم: ۶۳۴، ابوداؤد: ۴۲۷، احمد: ۱۷۲۲۰، السنن الکبریٰ: ۳۵۴، تحفۃ الاشراف: ۱۰۳۷۸

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی چار کے احوال و آثار لکھے جاتے ہیں:

۱۔ محمود بن غیلان: راجع: ۳۷ ۲۔ وکیع: راجع: ۲۸۱

۳۔ مسعر: راجع: ۴۱۵

۴۔ اسمٰعیل بن ابی خالد احمسی رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

اسمٰعیل نام ہے۔ ابو عبد اللہ کنیت۔ قبیلہ بجیلہ کی شاخ بنی احمس کے غلام تھے۔ اسی نسبت سے احمسی کہلاتے ہیں۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق چھ صحابہ کو دیکھا تھا۔ انس بن مالک، ابن ابی اوفی، ابو کاہل، ابو جحیفہ، عمرو بن حریث اور طارق بن شہاب۔ (۱) اور ابونعیم کی روایت کے مطابق بارہ کو۔ (۲)

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے کبار تابعین میں تھے۔ عامر کہتے تھے، انہوں نے علم کو پی لیا ہے۔ (۳) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ (۴)

حدیث:

حدیث میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ حجت تھے، متقن تھے، مکثرت تھے اور عالم تھے۔ تمام بڑے بڑے علماء ان کے حفظ حدیث کے معترف تھے۔ سفیان ثوری کہتے تھے کہ حفاظ ہمارے نزدیک چار ہیں۔ عبد الملک بن ابی سلیمان، اسمٰعیل بن ابی خالد، عاصم الاحول اور یحییٰ ابن سعد انصاری (۵) امام شعبی کے تمام ساتھیوں میں ابو حاتم ان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے۔ (۶) اپنی صداقت کی وجہ سے میزان کہے جاتے تھے۔ (۷)

۱۔ تھذیب التھذیب، ج ۱، ص ۲۹۲ ۲۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۲۶۰ ۳۔ تھذیب الاسماء، ج ۱، ص ۱۲۱

۴۔ ابن سعد، ج ۶، ص ۲۴۰ ۵۔ ایضاً ۶۔ تھذیب الاسماء، ص ۱۲۱ ۷۔ ایضاً

صحابہ میں انہوں نے اپنے والد ابو خالد اور ابو جحیفہ، عبداللہ بن ابی اوفی، عمرو بن حریث اور ابو کاہل رضی اللہ عنہم سے سماع کیا تھا اور غیر صحابہ میں زید بن وہب، محمد بن سعد، ابی بکر بن عمارہ، قیس بن ابی حازم، اشبیل بن عوف، حارث بن شبیل، طارق بن شہاب اور شعبی وغیرہ سے۔ ان سے روایت کرنے والوں میں شعبہ دونوں سفیان، زائدہ، ابن مبارک، ہشیم، یزید بن ہارون اور یحیٰی القطان وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔(۱)

ابن مدائنی کے مطابق ان کے مرویات کی تعداد تین سو ہے۔(۲) اور عجل کے بیان کے مطابق پانچ سو کے قریب۔(۳)

عمل کا درجہ:

علم کے ساتھ عمل کے لباس سے بھی آراستہ تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ باعمل علماء میں تھے۔(۴)۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ شیخ صالح تھے۔(۵)

کسب حلال:

علمائے اسلام کا یہ خاص امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے علم کو کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا۔ اسمٰعیل بھی انہی علماء میں تھے اور آٹا پیسنے کی چکی چلا کر رزق پیدا کرتے تھے۔(۶)

وفات:

۱۴۶ھ میں وفات پائی۔(۷)(۸)

۵۔ بختری بن ابی البختری:

آپ کا نام بختری بن ابی البختری مختار عبدی بصری (م:۱۴۸ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کی بعض روایات کی مخالفت کی گئی ہے۔ امام مسلم اور امام نسائی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۹)

۶۔ ابو بکر بن عمارہ:

آپ کا نام ابو بکر بن عمارہ بن رویبہ ثقفی کوفی ہے، آپ روایت کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، مقبول، تابعی راوی ہیں، آپ کے والد گرامی حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، امام مسلم، ابو داؤد اور امام نسائی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی

۱۔ ایضاً ۲۔ تھذیب الاسماء، ج۱، ص۱۲۱ ۳۔ تھذیب التھذیب، ج۱، ص۲۹۲
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ص۱۲۸ ۵۔ تھذیب التھذیب، ج۱، ص۲۹۳ ۶۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۳۸
۷۔ ابن سعد، ج۶، ص۲۴۰ ۸۔ سیر الصحابہ، ج۷، ص۳۳۔۳۴
۹۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج۲، ص۴۲۷ ii۔ التاریخ الکبیر، ج۱، ص۱۳۷

میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، آپ نام کی بجائے کنیت سے مشہور ہیں، یا آپ کی کنیت ہی آپ کا نام ہے۔(۱)

۷۔ حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام ابوزہیر عمارہ بن رویبہ ثقفی کوفی (م: بعد ۷۰ھ) ہے، آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ سے نو احادیث مبارکہ مروی ہیں، جن میں سے دو میں امام مسلم منفرد ہیں، عمارہ بن رویبہ نام کے ایک اور راوی بھی ہیں، جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ مستور راوی ہیں، یہ عمارہ بن رویبہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، اسی حدیث کو امام نسائی نے دو جگہ اور بھی انہی سے نقل کیا ہے۔(۲)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اڑسٹھ ویں (۱۶۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، حضرت بختری بصری اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ حضرت اسماعیل، بختری، ابوبکر اور حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ روایت بیٹے (ابوبکر) کی اپنے باپ (عمارہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت وکیع رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ تین اساتذہ سے سماعت کی۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، صیغہ سماعت، عنعنہ ایک ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

لن یلج: وہ ایک شخص ہرگز داخل نہ ہوگا۔

النار: آگ۔ دوزخ مراد ہے۔

صلی: اس نے نماز پڑھی۔

۱۔ i۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۴۰۶ ii۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۶، ص ۱۴۳

۲۔ i۔ تھذیب التھذیب، ج ۷، ص ۴۱۶ ii۔ تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۵۵

قبل طلوع الشمس : سورج نکلنے سے پہلے، فجر کی نماز مراد ہے۔

قبل غروبها: سورج ڈوبنے سے پہلے، عصر کی نماز مراد ہے۔

بَابُ الْمُحَافَظَةِ عَلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ باب۱۴: نماز عصر کی پابندی کرنا

تمام نمازوں کی پابندی ہر مسلمان عاقل بالغ پر فرض ہے، البتہ قرآن وحدیث میں نماز عصر کی پابندی کرنے کے خصوصی احکامات وارد ہوئے ہیں، اس باب میں بھی اسی امر کا بیان ہے، امام نسائی نے اس باب میں دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نماز عصر کی فضیلت کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز عصر کی نگہداشت کا بیان ہے۔

۴۷۱۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنِ الْقَعْقَاعِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِي يُونُسَ مَوْلَى عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :أَمَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنْ أَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفًا فَقَالَتْ " :إِذَا بَلَغْتَ هَذِهِ الْآيَةَ فَآذِنِّي (حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى) (البقرة :۲۳۸) فَلَمَّا بَلَغْتُهَا آذَنْتُهَا فَأَمْلَتْ عَلَيَّ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَصَلَاةِ الْعَصْرِ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ "ثُمَّ قَالَتْ :سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مجھے حکم دیا، کہ میں ان کے لیے قرآن مجید کا ایک نسخہ لکھوں، ساتھ یہ بھی فرمایا: جب تم اس آیت پر پہنچو: (تم نمازوں کی حفاظت کرو، اور خاص طور پر درمیانی نماز کی) تو مجھے بتلانا۔ میں جب مذکورہ آیت پر پہنچا، تو میں نے آپ کو بتلایا۔ آپ نے مجھے اس طرح لکھوایا: (تم نمازوں کی حفاظت کرو، خاص طور پر درمیانی نماز کی، اور نماز عصر کی، اور اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی بارہ گاہ میں سراپا اطاعت بن کر کھڑے ہو جاؤ۔) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے مزید فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا تھا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

مسلم:۲۶۹، ابوداؤد:۴۱۰، ترمذی:۲۹۸۲، احمد:۲۴۵۰۲، السنن الکبریٰ:۳۵۴، تحفۃ الاشراف:۱۷۸۰۹

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ راویوں کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت ابو یونس کے مختصر احوال وآثار لکھے جا رہے ہیں:

۱۔قتیبہ: راجع:۱۱۸　　۲۔امام مالک: راجع:۱۱۷

۳۔زید بن اسلم: راجع:۱۲۰　　۴۔قعقاع بن حکیم: راجع:۴۰

۵۔ابو یونس:

آپ کا نام ابو یونس ہے، آپ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ روایت کے تیسرے طبقہ سے ثقہ تابعی راوی ہیں، امام بخاری (ادب المفرد)، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور امام نسائی رحمہم اللہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۶۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا　راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چورانوے ویں (۱۹۴) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے پہلے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت ابو یونس رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابن ماجہ روایت نہیں کرتے، جبکہ ان سے اور حضرت قعقاع سے امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت بیان کی ہے۔

☆ سند میں تین تابعی (زید، قعقاع۔ابو یونس) راوی ہیں۔

☆ حضرت ابو یونس سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

امرتنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا۔　　ان اکتب: کہ میں لکھوں۔

۱۔ i۔تھذیب التھذیب، ج۱۲، ص۲۸۳۔۲۸۴　　ii۔تقریب التھذیب، ج۲، ص۴۶۹

مصحفا: قرآن پاک۔

اذابلغت: جب تم پہنچے۔

حافظوا: تم حفاظت کرو۔

الصلوات: نمازیں۔

الصلوۃ الوسطی: درمیانی نماز

لمابلغتها: جب میں وہاں پر پہنچا۔

اذنتها: میں نے ان کو بتلایا۔

املت علی: آپ ﷺ نے مجھے لکھوایا۔

صلاۃ العصر: عصر کی نماز

قوموا: تم کھڑے ہو جاؤ۔

قانتین: اطاعت کرنے والے۔

سمعتها: میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے۔

۴۷۲۔عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کافروں نے ہمیں درمیانی نماز سے باز رکھا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے آقا کریم ﷺ کا مذکورہ بالا ارشاد اظہار افسوس کے لیے ہے، کہ کافروں کی وجہ سے ہماری درمیانی نماز فوت ہوگئی۔اور اس سے مراد نمازِ عصر ہے، کیونکہ سورج غروب ہونے سے پہلے نمازِ عصر ہی ادا کی جاتی ہے، آپ ﷺ کے اس ارشاد سے نمازِ عصر کی محافظت کا پتہ چلتا ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری:۲۹۳۱، ۴۱۱۱، ۴۵۳۳، ۶۳۹۶، مسلم:۶۲۷، ابوداؤد:۴۰۹، ترمذی، ۲۹۹۵، احمد:۵۹۱، تحفۃ اشراف:۱۰۲۳۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے باقی دو شیوخ حضرت ابوحسان، اور

حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کے احوال وآثار اختصار کے ساتھ قلم بند کیے جاتے ہیں۔

۱۔محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع: ۵　　۲۔خالد: راجع: ۱۴۵

۳۔شعبہ: راجع: ۱۱۰　　۴۔قتادہ: راجع: ۱۳۹

۵۔ابوحسان:

آپ کا نام ابوحسان مسلم بن عبداللہ اعرج اجرد (م: ۱۳۰ھ ہے، آپ نام کی بجائے کنیت سے مشہور ہیں، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے صدوق، ثقہ راوی ہیں، آپ خوارج کی طرف مائل تھے، اور آپ واقعہ حرہ والے دن شہید کیے گئے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کا اعرج لقب اس لیے ہے کہ آپ ایڑھیوں کے بل چلتے تھے۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں البتہ امام بخاری نے تعلقاً روایت کیا ہے، سنن نسائی میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۶۔عبیدہ:

آپ کا نام ابوعمرو عبیدہ بن عمرو سلمانی مرادی کوفی (م: ۶۰ قبل از ۷۰ھ) ہے، کیونکہ آپ نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضرت اسود پڑھائیں، اور آپ کو خوف تھا کہ مختار ثقفی آپ کا جنازہ نہ پڑھائے اور مختار ثقفی ۶۷ھ میں فوت ہوا تھا۔آپ روایت کے دوسرے طبقہ سے ثقہ، تابعی مخضرمی راوی ہیں، امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے اسلام لے آئے تھے، لیکن زیارتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف نہ ہوسکے۔حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے کوفہ میں فقہ کو چار لوگوں کے درمیان پایا؛ حضرت حارث، حضرت عبیدہ (اور کبھی آپ حضرت عبیدہ کا نام پہلے اور حضرت حارث کا بعد میں ذکر کرتے)، حضرت علقمہ اور حضرت قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ اور ان چاروں میں فقہی آراء کو اختیار کرنے میں قاضی شریح فائق تھے۔ علامہ ابن نمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کو جب کسی مسئلہ میں مشکل پیش آتی، تو وہ حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھتے تھے۔ علامہ ابن مدینی اور علامہ فلاس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصح الاسانید ہمارے نزدیک حسب ذیل ہے: عن ابن سیرین، عن عبیدہ، عن علی امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام محمد بن سیرین نے از عبیدہ جو بھی روایات نقل کی ہیں، وہ از حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، سوائے ان روایات کے جن میں خوابوں کی تعبیر ہے۔آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے آٹھ (۸) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۲)

۷۔حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ:

راجع: ۱۱۵

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۴، ص۴۲۹　　ii۔ طبقات ابن سعد: ج۷، ص۲۲۸

۲۔ i۔الثقات، ج۵، ص۱۳۹　　ii۔تہذیب التہذیب، ج۸، ص۸۴　　iii۔تاریخ الاوری، ج۲، ص۳۸۷

iv۔تاریخ الدارمی، ص۵۱۳　　v۔علل ابن مدینی، ص۴۲　　vi۔تاریخ الثقات، ص۳۲۵

حکم روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ چھیاسی ویں (۸۶) حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت ابوحسان صدوق ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔ البتہ حضرت ابوحسان رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلقاً روایت بیان کی ہے۔

☆ سند کے پہلے پانچ راوی بصری اور آخری دو کوفی ہیں۔

☆ سند میں تین تابعی (قتادہ، ابوحسان، عبیدہ) راوی ہیں۔

☆ حضرت ابوحسان رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت علی المرتضٰی خلفاء راشدین میں سے چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور آپ عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں۔

۶۔لغات:

شغلونا:	انہوں نے ہم کو مصروف رکھا، مراد ہے کافروں نے روکے رکھا۔
الصلاۃ الوسطیٰ:	درمیانی نماز، یعنی نمازِ عصر
حتی غربت :	یہاں تک کہ وہ ڈوب گیا۔
الشمس:	سورج

بَابُ مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ — باب۱۵: نمازِ عصر چھوڑنے والے کے لیے وعید

قرآن وحدیث میں نمازِ عصر کی پابندی کرنے کی بہت زیادہ تاکید بیان ہوئی ہے، اسی طرح اس نماز کو چھوڑنے والے کے لیے سخت وعیدیں بھی آتی ہیں، اس بات میں اس امر کا بیان ہے، پچھلے باب میں نمازِ عصر کی پابندی کا بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ عصر چھوڑنے پر اعمال ضائع ہونے کی وعید کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۴۷۳۔ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنِي يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ قَالَ :حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ :حَدَّثَنِي أَبُو الْمَلِيحِ قَالَ :كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ فَقَالَ :بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ؛ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ

حضرت ابو ملیح رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: ہم ایک ابر آلود دن میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز جلدی پڑھ لو، کیونکہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس شخص نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کا عمل ضائع ہوگیا۔

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۵۵۳، ۵۹۴، سنن نسائی: ۴۷۳، مسند ابو داؤد طیالسی: ۸۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ، ج۱، ص۳۳۱۔ ج۲، ص۲۳۷، صحیح ابن خزیمہ: ۳۳۶، سنن بیہقی، ج۱، ص۴۴۴، شرح السنۃ: ۳۲۹، مسند احمد، ج۵، ص۳۵۰، طبع قدیم، مسند احمد: ۲۲۹۵۷، ج۳۸، ص۵۴، موسسۃ الرسالۃ بیروت، جامع لمسانید لابن الجوزی: ۷۲۴، مکتبۃ الرشید، ریاض، ۱۴۲۶

تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔ عبید اللہ بن سعید: راجع: ۱۵
۲۔ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ: راجع: ۱۳۳
۳۔ ہشام: راجع: ۴۷
۴۔ یحییٰ بن ابی کثیر: راجع: ۲۴
۵۔ ابو قلابہ: راجع: ۳۲۱
۶۔ ابو الملیح: راجع: ۱۳۹
۷۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ: راجع: ۳۳۱

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایتِ سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ ستاسی ویں (۸۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت عبید اللہ سے امام ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے تمام راوی بصری ہیں، بہت کم روایات ایسی ہوتی ہیں جن سے تمام راوی ایک ہی شہر یا علاقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں۔

☆ سند میں تابعی (یحییٰ، ابوقلابہ، ابوملیح) راوی ہیں۔

☆ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ ایسے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے خراسان میں سب سے آخر میں وفات پائی، آپ کی وفات ۶۲ھ، ۶۳ھ میں ہوئی۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ حدثنی تین دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

كنامع بريدة:	ہم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔
يوم ذى غيم:	ابر آلود دن، بادل والے دن۔
بكروا بالصلاة	نماز جلدی ادا کرو۔
ترك:	اس نے چھوڑی
صلاة العصر :	عصر کی نماز۔
قد حبط:	تحقیق ضائع ہوگیا۔
عمله:	اس کا عمل

۷۔ مسائل ونصائح:

مذکورہ بالا تین ابواب اور چار احادیثِ مبارکہ میں چار فقہی مسئلے بنیادی طور پر بیان ہوئے ہیں:

۱۔نمازِ عصر کی فضیلت ۲۔ نمازِ عصر کی پابندی کرنا

۳۔درمیانی نماز کی حفاظت ۴۔ ترکِ نماز پر وعید

ان چاروں مسائل پر آئمہ کرام کی آراء حسب ذیل ہیں:

نماز کی حفاظت کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے مستحب وقت پڑھا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ نماز میں کسی قسم سہو اور نقصان واقع نہ ہو۔

حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور ترک کرنے پر وعیدات:

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام بخاری، امام مسلم اور امام نسائی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت کے قریب اور دوزخ سے دور کردے، آپ نے فرمایا اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رشتہ داروں سے نیک سلوک کرو، جب وہ شخص چلا گیا تو آپ نے فرمایا گر اس شخص نے اس پر عمل کیا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

امام ابویعلیٰ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دین کی جس چیز کو سب سے پہلے لوگوں پر فرض کیا وہ نماز ہے، اور جو سب سے آخر میں باقی رہے گی وہ نماز ہے، اور سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میری بندوں کی نماز کو دیکھو۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندوں کی نمازوں کو دیکھو اگر وہ مکمل ہوں تو مکمل لکھ دی جائیں گی اور اگر وہ ناقص ہوں تو اللہ فرمائے گا دیکھو کیا اس کے نوافل ہیں؟ اگر اس کے نوافل ہوں گے تو فرائض کی کمی نوافل سے پوری کردی جائے گی پھر فرمایا جائے گا دیکھو اس کی زکوٰۃ پوری ہے؟ اگر زکوٰۃ پوری ہو تو پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص ہو تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھوں اس نے کوئی صدقہ کیا ہے؟ اگر اس نے صدقہ کیا ہوگا تو اس صدقے سے اس کی زکوٰۃ پوری کردی جائے گی۔

امام طبرانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جس چیز کا سب سے پہلے بندے سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اگر نماز درست ہو تو باقی عمل درست ہوں گے اور اگر نماز فاسد ہو تو باقی عمل بھی فاسد ہوں گے۔

امام طبرانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا کوئی ایمان نہیں، جس کا وضو نہ ہو اس کی کوئی نماز نہیں اور جس کی نماز نہ ہو اس کا کوئی دین نہیں ہے، دین میں نماز ایسی ہے جیسے جسم

میں سر ہے۔

امام بزار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی نماز نہ ہو اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

امام طبرانی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جو شخص پانچ نمازیں لے کر آیا جن کے وضوان کے اوقات اور ان کے رکوع سجود کی اس نے حفاظت کی ہوئی ہو، اس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے کہ وہ اس کو عذاب نہیں دے گا، اور جس نے ان میں سے کسی چیز کی کمی کی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد نہیں ہے، اگر اللہ چاہے تو اس پر رحم فرمائے اور چاہے تو اس کو عذاب دے۔

امام طبرانی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے تین چیزوں کی حفاظت کی وہ یقیناً (اللہ کا) ولی ہے اور جس نے ان کو ضائع کیا وہ یقیناً (اللہ کا) دشمن ہے، نماز، روزہ اور جنابت۔

امام طبرانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے وقت میں نماز پڑھی اور اس کے لیے مکمل وضو کیا اور نماز کے قیام، خشوع، رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا کیا تو وہ نماز سفید اور روشن ہوگی اور اس شخص سے کہے گی اللہ تیری بھی اس طرح حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے اور جس نے وقت نکلنے کے بعد نماز پڑھی، اس کے لیے مکمل وضو نہیں کیا اور نہ اس کے خشوع، رکوع اور سجود کو پوری طرح ادا کیا تو وہ نماز سیاہ اندھیری ہوگی اور کہے گی اللہ تجھے بھی اس طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا حتیٰ کہ جب اللہ چاہے گا اس نماز کو پرانے کپڑے میں لپیٹ کر اس شخص کے منہ پر مار دے گا۔

امام احمد، امام طبرانی اور امام ابن مردویہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے رویت کرتے ہیں کہ ایک ہم ظہر کی نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے کہا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ جس شخص نے نماز اپنے وقت میں پڑھی اس کی حفاظت کی اور اس کے حق کو معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کیا اس کے ساتھ میرا یہ عہد ہے کہ میں اس کو جنت میں داخل کروں گا، اور جس شخص نے نماز اپنے وقت میں نہیں پڑھی، اس کی حفاظت نہیں کی، اور اس کے حق کو معمولی جان کر ضائع کیا، اس کے ساتھ میرا کوئی عہد نہیں ہے، اگر میں چاہوں تو اس کو عذاب دوں اور اگر چاہوں تو اس کو معاف کر دوں۔

امام درامی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی چابی نماز ہے

امام دیلمی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز دین کا ستون ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون سی چیز دین میں سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو اپنے وقت میں پڑھنا، جس شخص نے نماز کو ترک کیا اس کا کوئی دین نہیں ہے، نماز دین کا ستون ہے۔

امام ابن ماجہ، امام ابن حبان، امام حاکم، تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی اپنی سنن میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مستقیم رہو، اور اگر تم ہرگز نہ رہ سکو گے اور جان لو کہ تمہارا بہترین عمل نماز ہے اور مومن کے سوا اور کوئی شخص ہمیشہ ہرگز نہ رہ سکے گا۔ امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی اور امام ابن ماجہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جس شخص کو اس سے خوشی ہو کہ وہ کل اللہ سے حالت اسلام میں ملاقات کرے، اسے چاہیے کہ جب ان نمازوں کی اذان ہو تو وہ ان کی حفاظت کرے۔ امام ابوداؤد کی روایت یہ ہے کہ جب اذان ہو تو پانچوں نمازوں کی حفاظت کرو، کیونکہ اذان جماعت سنن الھدی میں سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے سنن الھدی کو مشروع کیا ہے، اور ہمارے عہد میں منافق کے سوا اور کوئی جماعت کو نہیں چھوڑتا تھا، اور ہم نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی دو آدمیوں کے سہارے سے چل کر صف میں جا کر کھڑا ہوتا تھا، اور ہر شخص کے لیے اس کے گھر میں نماز کی جگہ ہوتی ہے اور اگر تم نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی اور اپنی مسجدوں کو چھوڑ دیا تو تم اپنے نبی کی سنت کو ترک کرو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کیا تو تم کافر ہو جاؤ گے۔

اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بہ طور استخفاف یا بہ طور اہانت ترک کیا وہ کافر ہو جائے گا۔ یا کفر بہ معنی کفران نعمت ہے۔

امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور حاکم تصحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ فرمایا نے فرمایا قیامت کے دن بندہ کے عمل سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے اگر وہ صحیح ہوئی تو وہ کامیاب اور کامران ہو گیا اور اگر وہ فاسد ہوئی تو وہ ناکام اور نامراد ہو گیا اور اگر اس کے فریضہ میں کچھ کمی ہوئی تو رب فرمائے گا، دیکھو کہ میرے بندہ کا کوئی نفل ہے جس سے اس کا فرض پورا کیا جائے، پھر باقی اعمال کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوگا۔

امام احمد اور امام طبرانی نے حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص لوگوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور ان کو سلام کیا، لوگوں نے اس کے سلام کا جواب دیا، جب وہ گزر گیا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا بہ خدا میں اس شخص سے اللہ کے لیے بغض رکھتا ہوں لوگوں نے کہا تم نے بہت بری بات کی ہے اے فلاں شخص، جاؤ اس کو بلا کر لاؤ وہ شخص اس کو بلا کر لے آیا اور اس کو بتایا کہ اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مسلمانوں کی ایک مجلس کے پاس سے گزرا میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا، جب میں چلا

گیا تو ایک شخص نے میرے متعلق کہا میں اللہ کے لیے اس شخص سے بغض رکھتا ہوں یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کو بلایئے اور اس سے بغض کی وجہ معلوم کیجئے، رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بلایا تو اس نے اعتراف کیا کہ اس نے یہ کہا تھا، اس نے کہا یہ شخص میرا پڑوسی ہے، بہ خدا میں نے اس کو فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز پڑھتے نہیں دیکھا جس کو ہر نیک اور بد پڑھتا ہے، اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اسے سے پوچھیے کبھی میں نے نماز کو وقت سے موخر کر کے پڑھا یا اس کے وضو میں کوئی کمی کی یا رکوع سجود میں کوئی کوتاہی کی؟ رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا نہیں پھر اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے اس شخص کو رمضان کے سوا اور کوئی روزہ رکھتے نہیں دیکھا جس مہینہ میں ہر نیک و بد روزہ رکھتا ہے، اس نے کہا یا رسول اللہ اس سے پوچھیے میں نے کبھی روزہ کے حق میں کوئی کوتاہی کی ہو یا کمی کی؟ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا نہیں پھر اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے زکوٰۃ کے سوا اس کو کبھی اللہ کہ راہ میں مال خرچ کرتے ہوئے نہیں دیکھا اور زکوٰۃ تو ہر نیک و بد ادا کرتا ہے، اس نے کہا یا رسول اللہ اس سے پوچھیے میں نے کبھی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی یا کمی کی ہو اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا اٹھو یہ تم سے بہتر ہے۔

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا اسلام کا کون سا درجہ افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز اور جس نے نماز نہیں پڑھی اس کا کوئی دین نہیں۔

امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابوداؤد، امام مسلم، امام نسائی اور امام ابن ماجہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان اور اس کے کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام ابو داؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن حبان، اور امام حاکم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ و نے فرمایا ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد ہے، جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

امام طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے محبوب رسول اللہ ﷺ نے مجھے سات چیزوں کی نصیحت کی فرمایا: اللہ کے ساتھ بالکل شرک نہ کرو خواہ تمہارے ٹکڑے ٹکرے کر دیئے جائیں یا تم کو جلا دیا جائے، یا تم کو سولی پر چڑھا دیا جائے اور نماز کو عمداً ترک نہ کرو کیونکہ جس نے عمداً نماز کو ترک کیا وہ ملت اسلام سے نکل گیا، اور معصیت کا ارتکاب نہ کرو، کیونکہ اس میں اللہ کی ناراضگی ہے اور شراب نہ پیو کیونکہ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب نماز کے سوا اور کسی چیز کے ترک کو کفر نہیں کہتے تھے۔

امام طبرانی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کفر اور ایمان کے درمیان نماز ہے جس نے نماز کو ترک کیا اس نے شرک کیا۔

امام بزار اور امام طبرانی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب ان کی آنکھوں میں تکلیف ہوگئی تو ان سے کہا گیا کہ ہم آپ کا علاج کرتے ہیں آپ چند دن نماز چھوڑ دیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ اللہ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔ امام ابن حبان حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بارش کے دن جلدی نماز پڑھ لو، کیونکہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا۔

امام اصبہانی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا اللہ اس کے معل کو ضائع کر دیتا ہے اور اس کا ذمہ سے بری ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اللہ سے توبہ کرلے۔

امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے نماز نہیں پڑھی وہ کافر ہے اور ایک روایت ہے اس نے کفر کیا۔

امام مالک نے نافع سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے اپنے عمال کی طرف لکھا کہ میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے اہم کام نماز ہے۔ جس نے نماز کی حفاظت کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ باقی دین کو زیادہ ضائع کرنے والا ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بغیر عذر کے دو نمازوں کو جمع کیا اس نے گناہ کبیرہ کیا۔

امام نسائی اور امام ابن حبان نے حضرت نوفل بن معاویہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی ایک نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہوگئے۔ (۱)

صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء:

علامہ آلوسی حنفی بیان کرتے ہیں: صلوٰۃ وسطیٰ (درمیان نماز) کی تعیین میں متعدد اقوال ہیں:

۱۔ اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے۔

۲۔ اس سے مراد عصر کی نماز ہے، کیونکہ یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن اور متعدد صحابہ اور فقہاء تابعین کا یہی نظریہ ہے، امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

۴۔ اس سے مراد مغرب کی نماز ہے، کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے، حضرت قبیصہ بن ذویب کا یہی نظریہ ہے۔

۱۔ الدر المنثور، ج ۱، ص ۲۹۴۔۲۹۸

۵۔　اس سے مراد عشاء کی نماز ہے کیونکہ یہ مغرب کی نمازوں کے درمیان ہے جس میں قصر نہیں ہے۔

۶۔　اس سے مراد فجر کی نماز ہے، کیونکہ یہ دن اور رات کی نمازوں کے درمیان ہے، نیز یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ، عطاء، عکرمہ اور مجاہد کا یہی قول ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تر ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد چاشت کی نماز ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الفطر ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عید الاضحیٰ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اسے مراد تہجد ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز جمعہ ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد صلوٰۃ خوف ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال ہیں۔(۱)

زیادہ تر احادیث میں عصر کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ کہا گیا ہے اور ظہر اور فجر کی نماز کے متعلق بھی احادیث ہیں۔ ہم اختصار کے ساتھ ان احادیث کا بیان کریں گے۔ فنقول وباالله التوفيق وبه الا ستعانة يليق۔

فجر کی نماز کے صلوۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث:

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں: امام مالک نے موطا میں لکھا ہے کہ ہمیں حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ صلوۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے، اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

امام ابن جریر نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے بصرہ کی جامع مسجد میں صبح کی نماز پڑھائی اور رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھی اور فرمایا یہ وہ صلوۃ وسطیٰ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے۔

امام سعید بن منصور نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا صلوۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے جس کو اندھیر میں پڑھا جاتا ہے۔

امام ابن جریر نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صلوۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے حبان ازدی سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ نے فرمایا صلوۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے۔(۱)

ظہر کی نماز کے صلوۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث:

امام طبرانی نے معجم اوسط میں ثقہ راویوں کے ساتھ حضرت عبد الہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ صلوۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے تو انہوں نے کہا ہم یہ کہتے تھے کہ صلوۃ وسطی وہ نماز ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف متوجہ کیا

۱۔　روح المعانی، ج ۲، ص ۱۲۵　　۲۔　الدر المنثور، ج ۱، ص ۳۰۱

گیا اور وہ ظہر کی نماز ہے۔

امام احمد، امام بخاری نے اپنی تاریخ میں امام ابوداؤد، اور امام ابن جریر، امام طحاوی، امام ابویعلی، امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھتے تھے اور یہ نماز آپ کے اصحاب پر سب نمازوں سے زیادہ دشوار تھی تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ''حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى'' نیز اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں اور اس کے بعد بھی دو نماز ہیں۔

امام طیالسی، امام ابن ابی شیبہ نے مصنف، امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، امام ابن ابی حاتم، امام ابویعلی اور امام بیہقی نے زہرہ بن معبد سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو لوگوں نے حضرت اسامہ کے پاس کسی کو بھیجا اور ان سے صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ ظہر کی نماز ہے، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔

امام نسائی اور امام طبرانی نے زہری کی سند سے روایت کیا ہے کہ سعید بن مسیب نے کہا میں لوگوں کے پاس بیٹھا تھا وہ اس میں بحث کر رہے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟ میں ان میں سب سے کم سن تھا۔ انہوں نے مجھے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تاکہ میں ان سے معلوم کروں کہ صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟ میں نے ان کے پاس جا کر پوچھا تو انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ظہر کی نماز دوپہر میں پڑھاتے تھے لوگ اس وقت گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے تھے اور بازاروں میں ہوتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صرف ایک صف یا دو صفیں ہوتی تھیں، تو یہ آیت نازل ہوئی حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں گا۔

امام ابن جریر نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے حضرت سعد بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوسعد خدری رضی اللہ عنہ سے سنا کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے پھر وہاں سے حضرت ابن عمر کا گزر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابن عمر سے معلوم کیا انہوں نے بھی کہا صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔

امام جریر نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اور ابن ابی شیبہ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہے۔(۱)

عصر کی نماز کے صلوٰۃ وسطیٰ ہونے کے متعلق احادیث:

امام عبدالرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، اور امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام ابن جریر، اور امام بیہقی زر سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا عبیدہ سے کہو کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز وسطیٰ کے متعلق

۱۔ جامع البیان، ج ۱، ص ۳۰۲۔۳۰۱

سوال کریں، انہوں نے سوال کیا تو حضرت علی نے جواب دیا، ہم یہ خیال کرتے تھے کہ صلوۃ وسطیٰ فجر کی نماز ہے حتیٰ کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ان کے ساتھ (جنگ میں) مشغول رہنے کی وجہ سے ہم صلوۃ وسطی صلوۃ العصر نہیں پڑھ سکے اللہ تعالیٰ نے ان کی قبروں کو اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھردے۔

امام عبدلرزاق، امام ابن ابی شیبہ، امام مسلم، امام نسائی اور امام بیہقی بشیتر ین شکل سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صلوۃ وسطی کے متعلق دریافت کیا کہ تو انہوں نے کہا ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ صبح کی نماز تھی کہ میں نے جنگ خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھردے کیونکہ انہوں نے ہمیں صلوۃ پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اور نبی کریم ﷺ نے غروب آفتاب تک ظہر اور عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔

امام ابن ابی شیبہ، امام ترمذی اور امام ابن حبان نے حضرت مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صلوۃ وسطی نماز عصر ہے۔

امام ابن جریر، امام ابن المنذ ر اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے جنگ خندق کے دن فرمایا۔ انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطیٰ پڑھنے سے مشغول کر دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو ان کے پیٹوں کو آگ سے بھردے۔

امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہوں نے ہمیں صلوۃ وسطیٰ صلوۃ عصر پڑھنے سے محروم کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کے پیٹوں کو اور ان کے دلوں کو آگ سے پھردے۔

امام احمد، امام ابن جریر ابن امام طبرانی نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حافظو اعلی الصلواۃ والصلوۃ الوسطی اور ہمارے لیے صلوۃ وسطیٰ کا نام صلوۃ عصر رکھا ہے۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل اور مال ہلاک ہو گئے۔

امام ابن ابی شیبہ ربیع بن خشیم سے روایت کرتے ہیں ان سے کسی شخص نے صلوۃ وسطیٰ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو، صلوۃ وسطیٰ انہیں میں سے کوئی ایک ہے۔ (۱)۔ (۲)

۱۔ الدر المنثور، ج ۱، ص ۳۰۵۔ ۳۰۳ ۲۔ تبیان القرآن، ج ۱، ص ۸۹۷۔ ۹۰۴

قضاء نماز کے واجب ہونے کی تحقیق:

علامہ عمر بن علی ابن الملقن شافعی لکھتے ہیں:

نبی ﷺ نے خندق کھودنے کی مشغولیت کی وجہ سے نماز عصر کو اس لیے قضاء کر دیا کہ اس وقت تک صلوۃ خوف پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس طرح نسیان کی وجہ سے نماز فوت ہو جائے تو اس کی قضاء پڑھی جاتی، اسی طرح اگر عمداً نماز ترک کر دی جائے تو اس کی قضاء پڑھی جائے گی اور ابن حزم نے جو قضا پڑھنے کا انکار کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔(۱)

قضاء نماز پڑھنے کے وجوب پر دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز کو بھول گیا تو جب اسے وہ نماز یاد آئے، اس کو پڑھ لے، اس کے سوا اس نماز کا اور کوئی کفارہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو۔(۲)(۳)

علامہ عمر بن علی ابن الملقن لکھتے ہیں:

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ سونے والے پر اور بھولنے والے پر نماز کی قضاء پڑھنا واجب ہے خواہ نمازیں زیادہ ہو یا کم اور یہ تمام فقہاء کا مذہب ہے اور بعض لوگوں کا یہ قول ہے شاذ ہے کہ جب پانچ سے زیادہ نمازیں فوت ہو جائیں تو پھر ان کی قضاء واجب نہیں ہے اس قول کو علامہ قرطبی نے نقل کیا ہے۔(۴)

اور اس قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے اگر کسی شخص نے عمداً نمازوں کو ترک کیا تو جمہور فقہاء کے نزدیک ان کی قضاء بھی واجب ہے، ماسواء داؤد ظاہری کے اور ایک قلیل جماعت کے ابن حزم نے اس مسئلہ میں طویل کلام کیا ہے اور اپنی عادت کے مطابق بدزبانی کی ہے۔(۵)

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: جمہور فقہاء نے عمداً نماز ترک کرنے والے کو بھولنے پر قیاس کیا ہے اور قیاس کی نفی کی ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس میں اعلیٰ کو ادنیٰ پر قیاس کیا ہے اور حدیث میں ہے کہ جب وہ نماز کو یاد کرے تو نماز پڑھے، پھر اس حدیث میں نسیان سے مراد ترک کرنا ہے خواہ نسیان سے نماز کو ترک کرے یا عمداً ترک کرے، نیز اس حدیث میں ہے کہ اس کا یہی کفارہ ہے اور کفارہ عموماً گناہ کی وجہ سے لازم ہوتا ہے اور سوتے میں اور بھول کر نماز کو ترک کرنے میں کوئی گناہ نہیں، پس متعین ہو گیا کہ اس حدیث میں عمداً نماز کو ترک کرنے کا کفارہ بیان ہے۔

۱۔ التوضیح الشرح الجامع الصحیح، ج۲۱، ص ۲۳۷ ۲۔ طہٰ: ۱۴

۳۔ صحیح البخاری: ۵۹۷، صحیح مسلم: ۶۸۴، سنن ترمذی: ۱۷۸، سنن نسائی: ۶۰۹، سنن ابن ماجہ: ۶۹۶،

۴۔ المفہم، ج۲، ص ۳۰۹ ۵۔ المحلی، ج۲، ص ۲۴۴۔۲۳۵

قضاء خطاب اول سے واجب ہوتی ہے اور عبادت کا وقت نکلنے سے اس کا وجوب ساقط نہیں ہوتا کیونکہ قضاء اس کے ذمہ قرض کی طرح لازم ہوتی ہے اور واجب کو ادا کرنے سے قضا ساقط ہوتی ہے اور اس واجب کی ادا نہیں پائی گئی نیز اس کا رمضان کے روزوں کی قضاء پر قیاس ہے اور اگر قضاء کو لازم نہ مانا جائے تو اس سے لازم آئے گا کہ نماز کی فرضیت بندوں سے ساقط ہوگئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن قتال میں مشغولیت کی وجہ سے عصر اور دیگر نمازیں ترک کر دی تھیں، پھر آپ نے ان کا اعادہ کیا۔

آپ نے فرمایا: اس کا یہی کفارہ ہے یعنی اس فوت شدہ نماز کو پڑھنا، اس حدیث کا اس حدیث سے تعارض نہیں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نیند میں تقصیر نہیں'' ۔(۱)، اور اس حدیث سے بھی تعارض نہیں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت سے خطاء اور نسیان کو معاف کر دیا گیا ہے''۔(۲)، کیونکہ کفارہ کبھی خطاء کی صورت میں بھی ہوتا ہے جیسے قتل خطاء میں کفارہ ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز پڑھو، اور جب بندہ ترک شدہ نماز کو یاد کر کے نماز پڑھے گا تو وہ اپنے معبود کو یاد کرے گا، (۳)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

امت کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے رمضان کا ایک روزہ عمداً بغیر کسی عذر کے چھوڑا اس پر اس کی قضاء واجب ہے اسی طرح نماز کا حکم ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (۴)

قضاء کا معنی اور اس کا شرعی حکم، قضاء کے اعذار اور وجوب قضاء کے دلائل:

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

ادا کا معنی ہے: جو فعل واجب ہو اس کو اپنے وقت میں ادا کرنا۔

قضاء کا معنی ہے: جو فعل واجب ہو اس کو اس کا وقت گزرنے کے بعد ادا کرنا۔ (۵)

مسلمان کو چاہیے کہ وہ نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنے میں جلدی کرے اور بغیر عذر شرعی کے وہ نماز کو تاخیر سے پڑھنے کے سبب سے گناہ گار ہوگا اور بغیر عذر شرعی کے نماز کو تاخیر سے پڑھنا گناہ کبیرہ ہے اور صرف نماز کو قضاء کرنے سے اس گناہ کا ازالہ نہیں ہوگا بلکہ لازم ہے کہ قضاء نماز پڑھنے کے بعد تاخیر پر توبہ کرے۔ جس نے عذر شرعی کی وجہ سے نماز میں تاخیر کی اور وقت گزرنے کے بعد نماز کو پڑھا وہ گناہ گار نہیں ہوگا اور اعذار شرعیہ یہ ہیں: دشمن کا خوف ہو، بچے جننے والی کو اپنے یا بچے کی موت کا

۱۔ صحیح مسلم: ۶۸۱　۲۔ سنن ابن ماجہ: ۲۰۴۵　۳۔ التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۶، ص ۲۸۸۔۲۸۶

۴۔ الفجر الساطع، ج ۲، ص ۳۰۳　۵۔ الدر المختار، ج ۱، ص ۶۷۹۔۶۷۲

خوف ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے خندق کے دن نماز کو موخر کر دیا تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو چار نمازیں پڑھنے سے مشغول رکھا۔ (۱)

جس شخص کے ذمہ کوئی فرض ہو وہ اس فرض سے اس وقت تک سبکدوش نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو ادا نہ کرلے یا اس کی قضاء نہ کرے، حدیث میں ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا کہ میری بہن نے حج کرنے کی نذر مانی تھی اور اب وہ فوت ہوگئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم اس کا قرض ادا کرتے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تو تم اللہ کا قرض ادا کرو وہ قرض کی ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔ (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا: میری ماں نے حج کرنے کی نذر مانی تھی، پھر وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہوگئی، آیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم اس کی طرف سے حج کرو یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم اس قرض کو ادا کرتیں؟ اس نے کہا جی! آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر تم اللہ کا قرض ادا کرو کیونکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا جائے۔ (۳)

ان حدیثوں میں قضاء کے وجوب کا واضح ثبوت ہے۔

سو جس شخص پر نماز واجب ہوگئی اور اس کے مخصوص وقت کے فوت ہو جانے سے وہ نماز فوت ہوگئی، اس پر اس نماز کی قضا کرنا واجب ہے اور وہ اس کو عمداً ترک کرنے سے گناہ گار ہوگا اور اس نماز کی قضاء واجب ہے۔ (۴)(۵)

عمداً عصر کی نماز ترک کرنے والے کی مغفرت کیسے ہوگی؟

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی الاندلسی المالکی لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے، کیونکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اعمال ضائع نہیں ہوتے، جو علماء یہ کہتے ہیں کہ جو شخص وقت نکلنے کے بعد بھی نماز نہ پڑھے، وہ کافر ہے ان کے لیے تو اس حدیث میں کوئی مشکل نہیں، اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نیک اعمال صرف شرک سے ضائع ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر اس کی اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے یا رسول اللہ کی شفاعت سے فوری مغفرت نہ ہوئی تو پھر وہ دوزخ میں اپنے گناہ کی سزا بھگت کر جنت میں چلا جائے گا۔ (۶)(۷)

۱۔ سنن ترمذی: ۱۷۹، مسند احمد، ج ۱، ص ۱۵۷
۲۔ صحیح البخاری: ۶۶۹۹، سنن ابو داؤد: ۸۰۹، سنن دارمی: ۱۸۴۰
۳۔ صحیح البخاری: ۷۳۱۵، موطا امام مالک: ۲۳۶
۴۔ الفقہ الاسلام وادلتہ، ج ۲، ص ۱۳۰-۱۲۹
۵۔ نعمۃ الباری، ج ۷، ص ۴۶۳-۴۶۵
۶۔ القبس فی شرح موطا ابن انس، ج ۱، ص ۷۲-۷۱
۷۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۳۹۰

غزوہ خندق کے دن قضاء ہونے والی نمازوں کی تعداد:

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی ﷺ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی، دوسری احادیث میں چار نمازوں کا ذکر ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو چار نمازوں کے پڑھنے سے مشغول رکھا، حتیٰ کہ جتنا اللہ نے چاہا رات کا حصہ گزر گیا، پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا، سوانہوں نے اذان دی، پھر اقامت کہی، پس آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی، پھر اقامت کہی تو آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔(۱)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس حدیث میں عشاء کی نماز کو بھی قضاء نمازوں میں شمار کیا گیا ہے، حالانکہ عشاء کی نماز تو رات میں پڑھی گئی تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ عشاء کی نماز اس کے معروف وقت میں نہیں پڑھی گئی تھی، اس لیے اس کو (ظاہراً) قضاء نمازوں میں شمار کرلیا گیا،

غزوہ خندق کے دن جو نماز قضاء کی گئیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک صلوۃ خوف کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، صلوٰۃ خوف میں یہ بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت دشمن کے سامنے مسلح کھڑی رہے، اور دوسری جماعت نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھے پھر ایک رکعت پڑھنے کے بعد یہ جماعت دشمن کے سامنے چلی جائے اور دوسری جماعت آکر نبی ﷺ کی اقتداء میں ایک رکعت نماز پڑھے اور بعد میں مسبوق کی طرح اپنی نماز پوری کرے پھر وہ دشمن کے سامنے چلی جائے اور پھر پہلی جماعت لاحق کی طرح اپنی نماز پوری کرے اور چونکہ غزوہ خندق تک صلوٰۃ خوف پڑھنے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس وجہ سے بعض نمازیں قضاء کی گئیں ورنہ نماز کو ترک کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔

غزوہ خندق کے موقع پر قضاء ہونے والی نمازوں کے متعلق مختلف احادیث میں تطبیق:

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں:

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ غزوہ خندق کے دن مسلمانوں کی جو نماز رہ گئی تھی، وہ صرف ایک نماز تھی، اور وہ نماز عصر ہے، اس کی تائید اس حدیث میں ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۃ الاحزاب کے دن فرمایا: (کفار نے) ہم کو صلوٰۃ الوسطیٰ کے پڑھنے سے مشغول کر دیا تھا، حتیٰ کہ سورج غروب ہونے کی طرف لوٹ گیا، اللہ ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے یا فرمایا: ان کے گھروں کو یا ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے۔(۲)

۱۔ سنن ترمذی: ۱۷۹، مسند احمد، ج۱، ص ل ۳۷۵، مسند احمد، ج۳، ص۵

۲۔ صحیح مسلم: ۶۲۷، الرقم المسلسل: ۱۳۹۲، صحیح البخاری: ۲۹۳۱، سنن ابوداؤد: ۴۰۹، سنن ترمذی: ۲۹۸۴، سنن نسائی: ۳۔۴۔۷۲۔۴، مسند احمد، ج۱، ص۷۹

بعض علماء نے ان احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ غزوہ خندق کئی روز تک ہوتا رہا تھا، اس لیے ہوسکتا ہے کہ کسی دن آپ کی صرف نماز عصر قضا ہوئی ہو جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، اور ہوسکتا ہے کہ کسی دن آپ کی چار نمازیں قضاء ہوئی ہوں جیسے حضرت ابن مسعود کی روایت ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ نمازیں آپ سے نسیاناً قضاء ہوئی تھیں یا عمداً قضاء ہوئی تھیں، اور زیادہ راجح یہ ہے کہ خندق کھودنے کی مشغولیت کی وجہ سے آپ نے یہ نمازیں عمداً ترک کی تھیں۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ دشمن کے خلاف جہاد کی مشغولیت کی وجہ سے کیا اب بھی نماز کو ترک کر نماز جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اب نماز کو اپنے وقت سے موخر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ واقعہ صلوٰۃ خوف کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے یعنی اب نماز کو قضاء کرنے کے بجائے صلوٰۃ الخوف کے طریقہ پر ادا کیا جائے گا۔ (۱)

قضاء نمازوں کی ترتیب کا وجوب اور ان کی شرائط:

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ وقتی نماز اور قضاء نماز کے درمیان ترتیب واجب ہے، پہلے وقتی نماز پڑھی جائے گی پھر قضاء نماز پڑھی جائے گی، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ان کے اصحاب، امام مالک، امام احمد اور اسحاق کا یہ مذہب ہے اور یہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور طاؤس نے یہ کہا ہے کہ وقتی اور قضاء نماز کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے، یہی امام شافعی، بعض مالکیہ اور ظاہریہ کا مذہب ہے۔ (۲)

علامہ برھان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی لکھتے ہیں:

جس شخص کی نماز قضاء ہو جائے وہ اس کو ادا کرے اور وقتی نماز پر اس کو مقدم کرے، اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قضا نمازوں اور وقتی نمازوں کے درمیان ترتیب واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک یہ ترتیب مستحب ہے کیونکہ ہر فرض اپنی جگہ مستقل ہے لہٰذا وہ دوسرے فرض کی ادائیگی کے لیے شرط نہیں بنے گا، ہماری دلیل یہ حدیث ہے۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کو بھول جائے اور اس کو وہ نماز اس وقت یاد آئے، جب وہ اپنے امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو وہ امام کے ساتھ نماز پڑھ لے اور جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہو جائے تو پھر وہ اس نماز کو پڑھے، جس کو پڑھنا بھول گیا تھا، پھر اس نماز کو دہرائے جس کو امام کے ساتھ پڑھا تھا۔ یہ حدیث مرفوع بھی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے۔ (۳)

اور اگر اس کو وقتی نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو تو پہلے وقتی نماز پڑھ لے، پھر فوت شدہ نماز کی قضاء پڑھے، کیونکہ وقت

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۱۳۳-۱۳۲ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۱۳۳

۳۔ سنن دار قطنی: ۱۵۴۲، ج ۲، ص ۹۹، سنن بیہقی، ج ۲، ص ۲۲۱، نصب الرایہ، ج ۲، ص ۱۴۲

کی تنگی کی وجہ سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے۔اسی طرح بھولنے کی وجہ سے اور قضاء نمازوں کی کثرت کی وجہ سے بھی ترتیب ساقط ہو جاتی ہے اور اگر اس نے فوت شدہ نماز کو پہلے پڑھا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ فوت شدہ نماز کو پہلے پڑھنے کی ممانعت کسی اور وجہ سے ہے،اس کے برخلاف جب وقت میں وسعت اور گنجائش ہو اور وہ وقتی نماز کو پہلے پڑھ لے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس نے وقتی نماز کو اس کے اس وقت سے پہلے پڑھا ہے، جو حدیث سے ثابت ہے اور اگر اس کی کئی نمازیں قضاء ہو گئی ہوں تو ان قضاء نمازوں کو اس ترتیب سے پڑھے،جس طرح ان کی اصل میں ترتیب ہے کیونکہ غزوہ خندق کے دن جب نبی ﷺ کی چار نمازیں قضاء ہو گئیں تو آپ نے ان کو ترتیب وار ادا کیا اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔(۱) سوا اس صورت کے چھ سے زیادہ نمازیں فوت جائیں کیونکہ فوت شدہ نمازیں جب زیادہ ہو جائیں تو ان کے درمیان ترتیب ساقط ہو جاتی ہے،اور کثرت کی حد یہ ہے کہ قضاء نمازوں کی تعداد چھ ہو جائے اور چھٹی نماز کا وقت جائے ،اسی طرح الجامع الصغیر میں مذکور ہے۔(۲)

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جس وقت اس کو نماز یاد آئے فوراً اس کو قضاء کر لے حالانکہ قضاء نماز پڑھنا فوراً واجب نہیں بلکہ اس کو قضاء کرنے میں وسعت دی گئی ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے،اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس کو یاد آئے تو اس نے فلاں نماز قضا پڑھنی ہے اور ایک مدت تک اس کو یاد رہے اور اسی اثناء میں وہ اس نماز کو پڑھ لے تو اس پر یہ صادق آئے گا کہ اس کو جب وہ نماز یاد آئی تو اس نے اس نماز کو پڑھ لیا اور اس پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس مدت میں اس کو نماز کو یاد آئے تو وہ اس مدت کی پہلی ساعت میں اس نماز کو پڑھ لے۔

اس کی توجیہ کہ فوت شدہ نماز کا کفارہ صرف اس کی قضاء کرنا ہے:

نیز اس حدیث میں فرمایا ہے: اس قضاء نماز کا صرف یہی کفارہ ہے۔

کفارہ کا معنی ہے: وہ فعل جو کسی گناہ کو مٹا دے یا اس گناہ کو چھپا دے اس کا حاصل یہ ہے کہ فوت شدہ نماز کا صرف یہی کفارہ ہے یا اس کا صرف یہی تدارک اور تلافی ہے کہ اس کو پڑھ لیا جائے اور جو شخص اس نماز کو پڑھنا بھول گیا تھا، اس پر اس کی تلافی میں کسی چیز کا صدقہ کرنا واجب نہیں ہے یا اس کے تاوان میں اس پر کوئی جرمانہ نہیں ہے۔

جو نماز کے وقت نشہ میں تھا یا سو گیا تھا یا نماز کو بھول گیا تھا، اس کا کفارہ صرف اس نماز کو ادا کرنا ہے:

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص کسی نماز کو بھول گیا خواہ وہ ایک نماز ہو یا متعدد نمازیں ہوں، اس پر اس نماز کی قضاء لازم ہے اور اسی طرح اگر وہ نماز کے وقت میں سوتا رہا، خواہ اس پر ایک وقت کی نماز کا وقت گزرا یا متعدد نمازوں کا وقت گزرا تو

۱۔ صحیح البخاری: ۶۳۱، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۳۵۸، سنن دارمی: ۱۲۳۳، مسند احمد، ج ۳، ص ۴۳۶

۲۔ ھدایہ اولین، ص ۱۵۵۔۱۴۵، الجامع الصغیر، ص ۱۰۶

اس پر اس کی قضاء لازم ہے اور قضاء نماز پڑھنے کے بعد اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

اہل ظواہر اور غیر مقلدین کے نزدیک جو شخص نشہ میں مدہوش ہو اور اس وجہ سے اس کی نماز فوت ہو جائے تو نشہ اترنے کے بعد اس پر اس نماز کی قضاء لازم ہے، اور وہ ساری عمر اس نماز کو قضا کر سکتا ہے۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی لکھتے ہیں:

جو شخص نشہ میں تھا حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا وہ سویا ہوا تھا حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا یا وہ نماز کو بھول گیا حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا، خصوصیت سے صرف ان لوگوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ہمیشہ ان نمازوں کی قضاء کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رحمۃ اللہ علیہ

''لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ''(۱)

نشہ کی حالت میں تم نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے نشہ میں مدہوش شخص کے لیے نماز پڑھنا مباح نہیں کیا، حتیٰ کہ وہ جان لے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیند میں تقصیر نہیں ہے، تقصیر بیداری میں ہے، پس جب تم میں سے کوئی شخص نماز کو بھول جائے تو یا نماز کے وقت سویا ہوا ہو تو اس کو جب نماز یاد آئے پڑھ لے۔(۲)

ان تمام امور پر یقینی اجماع ہے۔(۳)

غیر مقلدین کے نزدیک جس نے عمداً نماز کو ترک کیا وہ اس نماز کی قضاء نہیں کرے گا، اس پر شیخ ابن حزم کے دلائل اور مصنف کے جوابات: داؤد ظاہر، غیر مقلدین اور شیخ ابن حزم کا مذہب یہ ہے کہ نشہ میں مدہوش سوئے ہوئے اور جس نے بھولے سے نماز کو ترک کر دیا، حتیٰ کہ اس کا وقت نکل گیا تو صرف ان ہی لوگوں پر نماز قضاء لازم ہے اور جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کر دیا، اس کے لیے نماز کو قضاء کرنا جائز نہیں ہے۔

شیخ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں:

جس شخص نے عمداً نماز کو ترک کیا حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل گیا، یہ شخص کبھی بھی نماز کو قضاء نہیں کر سکتا، اب اس کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نیک کام کرے اور بہ کثرت نوافل پڑھے تا کہ قیامت کے دن اس کے گناہ کا پلہ ہلکا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے کہ جس نے عمداً نماز کو ترک کر دیا، وہ وقت نکلنے کے بعد اس نماز کی قضاء کرے۔

۱۔ النساء۴:۴۳ ۲۔ سنن ابو داؤد: ۴۴۱، سنن ترمذی: ۱۷۷، سنن نسائی: ۶۱۱

۳۔ المحلی بالآثار، ج۲، ص۱۰-۹

شیخ ابن حزم نے کہا: ہمارے قول کی صحت پر یہ آیات دلیل ہیں:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُوْن.(۱)

ان نمازیوں کے لیے عذاب ہے جو اپنی نمازوں سے غفلت کرتے ہیں۔

فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا

پھر ان کے بعد ان کے برے جانشین پیدا ہوئے جنہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی، وہ عنقریب (جہنم کی وادی) غی میں داخل ہوں گے۔(۲)

اگر عمداً نماز کو ترک کرنے والے کا کفارہ یا نماز کو ترک کرنے کی تلافی وقت گزرنے کے بعد اس کی قضاء پڑھنے سے ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ نماز ترک کرنے والے کا عذاب ہوگا یا اس کو دوزخ کی وادی میں ڈال دیا جائے گا۔(۳)

شیخ ابن حزم کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ آیاتِ وعید میں قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ جس فعل پر قرآن مجید نے وعید سنائی ہے جب بندہ اس فعل پر توبہ کر لے اور اس فعل کا تدارک اور اس کی اصلاح کر لے تو پھر وہ وعید ساقط ہو جاتی ہے، قرآن مجید میں ہے:

فَمَن تَابَ مِن بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ.(۴)

پس جس شخص نے اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اصلاح کا معنی یہی ہے کہ اس نے اس گناہ کا تدارک کر لیا، مثلاً کا کسی مال چھینا تھا تو اس کا مال واپس کر دیا، کسی کی امانت میں خیانت کی تھی تو اس کی امانت واپس کر دی، کوئی روزہ بغیر شرعی عذر کے ترک کیا تھا تو اس روزہ کی قضاء کر لی، کسی سال کی زکوٰۃ نہیں دی تھی تو اس سال کی زکوٰۃ ادا کر دی، بغیر عذر کے کسی وقت کی نماز نہیں پڑھی تھی اور اس نماز کا وقت گزر چکا تھا تو بعد میں اس وقت کی نماز پڑھ لی قرآن مجید میں اسی معنی میں حسب ذیل آیات ہیں:

أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ.(۵)

(یہ اللہ کی رحمت ہے) کہ تم میں سے جو شخص جہالت سے کوئی گناہ کر گزرے، پھر اپنے گناہ کے بعد توبہ کرے اور اس گناہ کی اصلاح کر لے تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا ہے، بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئاً.(۶)

مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر بالکل ظلم

۱۔ الماعون ۱۰۷:۵ ۲۔ مریم ۱۹:۵۹ ۳۔ المحلی بالآثار، ج ۲، ص ۱۰
۴۔ المائدہ ۵:۳۹ ۵۔ الانعام ۶:۵۴ ۶۔ مریم ۱۹:۶۰

نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے علم اور ہدایت کے چھپانے پر لعنت فرمائی ہے (البقرہ:۱۵۹) اور مرتد ہونے پر عذاب کی وعید فرمائی ہے (۱) پھر فرمایا: جو لوگ علم چھپانے کے بعد توبہ کرلیں اور علم کو بیان کریں اور اصلاح کرلیں، اسی طرح مرتد ہونے کے بعد توبہ کرلیں اور دوبارہ اسلام لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ:(۲)

سو ان لوگوں کے جنہوں نے (علم چھپانے سے) توبہ کرلی اور اصلاح کرلی اور (علم) بیان کردیا، سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی میں توبہ قبول فرماؤں گا اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہوں۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ:(۳)

سو ان لوگوں کے جنہوں نے (مرتد ہونے کے بعد) توبہ کرلی اور اصلاح کرلی تو بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔

النمل:۱۱۹، النور:۵، اور الفرقان:۷۱ میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ کرنے کے بعد توبہ کرلے اور اصلاح کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کردیتا ہے اور اصلاح کرنے کا معنی یہی ہے کہ وہ اس گناہ کا کفارہ ادا کرے گا اور اس کا تدارک کرے۔

عمداً نماز ترک کرنے پر نماز قضاء کرنے کی دلیل:

نیز جمہور علماء نے عمداً نماز کے ترک کرنے کو نماز کے وقت سونے یا نماز کے بھولنے پر قیاس کیا ہے اور جب حدیث میں نماز کے وقت سونے یا نماز کو بھولنے والے پر لازم کیا ہے کہ جب اس کو نماز یاد آئے تو وہ اس نماز کو پڑھے تو اسی قیاس پر کہا جائے گا کہ جب کسی نے عمداً نماز کو ترک کیا تو جب اس کو یاد آئے کہ اس نے فلاں وقت کی عمداً نماز نہیں پڑھی تھی تو وہ اس نماز کی قضا کرے ۔اور یہ قیاس دلالۃ النص کے طور پر ہے جیسے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا :(۴)

اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا اگر تمہارے پاس وہ دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اف (تک) نہ کہنا اور نہ ان کو ڈانٹنا۔

جب ماں باپ کو اف کہنا اور ڈانٹنا بھی ممنوع ہے تو ان کو مارنا تو بہ طریق اولیٰ ممنوع ہوگا، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب

۱۔ آل عمران۳:۸۸　۲۔ البقرہ۲:۱۶۰　۳۔ آل عمران۳:۸۹　۴۔ بنی اسرائیل۱۷:۲۳

بھولے سے نماز کو ترک کرنے کی قضاء لازم ہے تو عمداً نماز کو ترک کرنے کی قضاء تو بہ طریق اولیٰ لازم ہوگی، باقی رہا یہ سوال کہ نبی ﷺ نے بھولے سے نماز کو ترک کرنے پر تو نماز کو قضاء کرنے کا حکم بیان فرمایا تو آپ نے عمداً نماز ترک کرنے کا حکم کیوں نہیں بیان فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں کوئی شخص بھی عمداً نماز کو ترک نہیں کرتا تھا اور آپ کے عہد میں وقت پر نماز نہ پڑھنے کا سبب غالب یہی تھا کہ لوگ نماز کے وقت سوئے ہوئے ہوں یا نماز پڑھنا بھول جائیں اور نماز کا وقت نکل جائے، سو آپ نے اس کا حکم بیان فرمایا، اور عمداً نماز ترک کرنے والے کا حکم اس پر قیاس کرنے کے لیے چھوڑ دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ (۱)

پس اے آنکھوں والوں قیاس کرو۔

بہر حال ہم نے عمداً نماز ترک کرنے والے پر نماز کی قضاء کے وجوب اور لزوم پر دلائل بیان کر دیے اور غیر مقلدین اعتراضات کے جواب ذکر کر دیئے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

عمداً نماز ترک کرنے والے کو غیر مقلدین کا، کافر اور واجب القتل قرار دینا:

بغیر عذر کے نماز ترک کرنے والے کے متعلق غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ وہ شخص کافر ہو گیا اور اس کو قتل کرنا واجب ہے۔

مشہور غیر مقلد عالم محمد بن شوکانی لکھتے ہیں حدیث میں ہے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی شخص کے درمیان اور شرک اور کفر کے درمیان (حد) نماز کو ترک کرنا ہے۔ (۲)

یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ نماز ترک کرنا موجب کفر ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو شخص نماز کی فرضیت کا انکار کر کے نماز کو ترک کرے وہ کافر ہے، اور اگر وہ نماز کی فرضیت کا معتقد ہو اور سستی کی وجہ سے نماز کو ترک کر دے جیسا کہ اکثر لوگوں کا حال ہے تو اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے امام مالک، امام شافعی، اور جمہور متقدمین اور متاخرین کا مسلک یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے، اگر اس نے توبہ کر لی تو فبہاء ورنہ ہم اس کو بہ طور حد قتل کر دیں گے، امام احمد بن حنبل کی بھی ایک روایت یہی ہے، امام ابو حنیفہ اور دیگر فقہاء کوفہ اور مزنی شافعی کا مذہب یہ ہے کہ وہ کافر ہے نہ اس کو قتل کیا جائے گا بلکہ اس کو تعریز دی جائے گی اور اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ نمازی بن جائے گا اور حدیث مذکور کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کی توجیہ یہ ہے کہ اگر وہ جائز بہر حال سمجھ کر نماز کو ترک کرنے تو وہ کافر ہے یا اس کا مسلسل یہ فعل اس کو کفر تک پہنچا دے گا یا اس نے کافروں کا سا فعل کیا۔

۱۔ الحشر ۵۹:۲

۲۔ صحیح مسلم: ۸۲، سنن ابوداؤد: ۴۶۷۸، سنن ترمذی: ۲۶۲۰، سنن نسائی: ۴۶۳، سنن ابن ماجہ: ۱۰۷۸، مسند احمد: ج ۳، ص ۳۷۰

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس کی شہادت دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں، اس کا خون بہانا صرف تین صورتوں میں جائز ہے: شادی شدہ زانی ہو، اس کو کسی شخص کے قصاص میں قتل کیا جائے وہ شخص اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے نکل جائے (اس کے سوا اس کو اور کسی صورت میں قتل کرنا جائز نہیں ہے)۔(۱)

شیخ شوکانی لکھتے ہیں: حق یہ ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور اس کو قتل کیا جائے گا، اس کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عمداً نماز کو ترک کیا، اس نے کھلم کھلا کفر کیا۔(۲)

(ہمارے نزدیک اس حدیث کی بھی یہی توجیہ ہے کہ جس نے جائز سمجھ کر نماز کو ترک کیا وہ کافر ہے یا اس نے کافروں کا سا کام کیا۔

اور اس کو قتل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں حتیٰ کہ وہ یہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں پس جب وہ یہ کام کرلیں گے تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے، مگر جس جان یا مال پر اسلام کا حق ہو اور ان کا حساب اللہ عزوجل پر ہے۔(۳)

مصنف کے نزدیک اس حدیث سے شوکانی کا تارکِ نماز کو قتل کرنے والے سے قتال اور جہاد کرنے کا حکم ہے نہ کہ ان کو قتل کرنے کا حکم ثالث یہ کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ کچھ لوگوں کی جماعت نماز پڑھنے کا انکار کردے تو ان سے قتال کیا جائے جیسے کچھ لوگوں کی جماعت نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کیا جب کہ شیخ شوکانی اس شخص کے قتل کرنے پر اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں جو نماز کی فرضیت کا قائل ہو اور سستی کی وجہ سے عمداً نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ نماز کا وقت نکل جائے اور ظاہر ہے کہ اس موقف پر اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے اور خود غیر مقلدین کا بھی اس موقف پر عمل نہیں ہے، کم از کم ۵۰ سال سے ہمارے مشاہدہ میں یہ نہیں آیا کہ انہوں نے کسی عمداً نماز کو ترک کرنے والے کو قتل کر دیا ہو حالانکہ غیر مقلدین میں بھی ایسے بہت لوگ ہیں جو سستی اور کاہلی یا بے پرواہی کی وجہ سے عمداً نماز نہیں پڑھتے، جب کہ بعض ممالک میں ان کو اقتدار بھی حاصل ہے۔ ایک اور مشہور غیر مقلد عالم شیخ محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم

۱۔ صحیح البخاری: ۲۸۷۸، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ابوداؤد: ۴۳۵۲، سنن ترمذی: ۱۴۰۲، سنن نسائی: ۴۰۲۷۔۴۰۱۶، سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۴، مسند احمد، ج ۱، ص ۴۴۴۔۴۲۸۔۳۸۲

۲۔ المعجم الاوسط: ۳۳۴۸، مجمع الزائد، ج ۱، ص ۲۰۰

۳۔ صحیح البخاری: ۲۵، صحیح مسلم: ۲۲، مسند احمد، ج ۲، ص ۲۲۳، نیل الاوطار، ج ۱، ص ۴۱۲۔۴۱۱

مبارک پوری نے بھی عمداً نماز ترک کرنے والے کو کافر اور واجب القتل قرار دیا ہے اور انہوں نے بھی یہ دلائل پیش کیے ہیں (۱)(۲)

تارکِ نماز کو کافر قرار دینے کے متعلق متاخرین غیر مقلدین علماء کی تصریحات:

مشہور غیر مقلد عالم حافظ عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں:

ام سلمہ سے روایت ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم پر امیر ہوں گے جن کی کئی باتیں اچھی ہوں گی، کئی بری جو شخص ان کی برائی کو دل سے برا سمجھے وہ بری ہے اور جو کراہت کرے وہ سلامتی والا ہے، جو راضی ہو جائے اور برائی میں ان کی موافقت کرے (وہ ہلاک ہوگیا) صحابہ نے کہا: کیا ایسے امیروں سے ہم لڑائی نہ کریں؟ فرمایا: نہ جب تک نماز پڑھیں نہ جب تک نماز پڑھیں۔ ان تین حدیثوں سے پہلی میں فرمایا ہے: امیر خواہ نیک ہوں یا برے ہر حال میں ان کی تابع داری کرو۔ ہاں اگر صریح کفر دیکھو جس پر تمہارے پاس قطعی دلیل ہو تو پھر ان سے بیعت توڑ دو اور ان کا مقابلہ کرو اور دوسری حدیثوں میں فرمایا: ایسے امیروں کی تابع داری ہر حال میں ضروری ہے مگر نماز نہ پڑھیں تو ان سے الگ ہو جاؤ اور ان سے لڑو۔

نتیجہ صاف ہے کہ نماز نہ پڑھنا صریح کفر ہے جس پر خدا کی طرف سے دلیل قطعی آچکی ہے، جس میں کسی قسم کے شک وہ شبہ کی گنجائش نہیں ان کے علاوہ اس قسم کی احادیث بہت ہیں، جن میں سے ایک دو اوپر کے مضمون میں بھی ذکر ہیں، اور بعض مولوی عبدالقادر گنگوہی حصاری کے مضمون میں ذکر ہیں، جو پرچہ تنظیم کی جلد اول کے ص ۱۷۔۱۹ میں درج ہو چکا ہے اور بعض ہمارے مندرجہ جلد ۵۔۲ میں مذکور ہیں اور بعض کا محل متفرقات ہیں، یہ سب بے نماز کے کفر پر صراحۃ دلالت کرتے ہیں۔ (۳)

سوال: بے نماز کس کو کہتے ہیں، کیا بے نماز ہمیشہ تارک الصلوٰۃ کو کہا جاتا ہے یا چند یوم نماز پڑھے، پھر چھوڑ دے یا جو صرف جمعہ اور نماز پڑھے، باقی نمازیں نہ پڑھے۔ ایسے لوگوں پر نماز جنازہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی امام یا عالم نماز جنازہ نہ پڑھے تو اس کا یہ عمل شرعی نقطہ نظر سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اگر بے نماز پر نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی صورت میں شرارتی افراد مسجد کے نام سے کوئی عمارت الگ بنالیں تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا وہ مسجد ضرار تو نہیں۔

جواب: جن دنوں میں کوئی نماز پڑھے، ان دنوں میں مر جائے تو اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے ورنہ نہیں، کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے اور جو بے نماز کا جنازہ نہ پڑھے وہ عین حق پر ہے اور اس وجہ سے جو مسجد بنائی جائے وہ مسجد ضرار ہے کیونکہ اس کی بنیاد حق پر نہیں بلکہ تفریق اور ضرر کے لیے ہے۔ (۴)

سوال: بے نماز کا جنازہ پڑھنا کیسا ہے اور بے نماز کی اولاد کا کیا حکم ہے؟ کیا انہیں ''ھم من اباءھم'' کے تحت کر دیا جائے۔؟

۱۔ نیل الاوطار، ص ۴۱۲۔۴۱۱ ۲۔ تحفۃ الاحوذی، ج ۷، ص ۴۰۷۔۴۰۶

۳۔ فتاویٰ اہل حدیث، ج ۱، ص ۳۸۳۔۳۸۲ ۴۔ فتاویٰ اہل حدیث، ج ۱، ص ۳۸۶

جواب بے نماز کا جنازہ نہ پڑھنا چاہیے، جس کی دو وجہیں ہیں:

ایک یہ کہ بے نماز کافر ہے اور کافر کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔

دوم: بے نمازیوں کو تنبیہ ہو جائے گی، جیسے خودکشی کرنے والے پر اور مقروض پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ نہیں پڑھی حالانکہ خودکشی اور قرض سے ترکِ نماز بڑا گناہ ہے۔ بس اس وجہ سے بہ طریق اولیٰ نماز جنازہ ترک ہونی چاہیے۔ رہا بے نماز کی اولاد کا مسئلہ تو اس کے متعلق ظاہراً بہ حکم حدیث "ھم من اباھم" وہ اپنے باپوں سے ہیں۔ اصل تو یہی ہے کہ نماز جنازہ نہ پڑھے کیونکہ کافروں کی اولاد ظاہری احکام میں ماں باپ ہی کے تابع ہوتی ہیں۔(۱)

نیز اسی فتاویٰ میں مذکور ہے:

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: مشرکین اور ہمارے درمیان جو کچھ عہد ہے وہ نماز ترک کردے وہ کافر ہے۔ اس قسم کی بعض اور احادیث بھی ہیں۔ ان سے مطلع صاف ہو گیا کیونکہ جب ترک نماز شرک یا کفر ہوا تو یہ اس دفتر سے ہوا جو خدا معاف نہیں کرے گا۔(۲)

حافظ عبداللہ روپڑی نے جن احادیث سے بے نمازی کے کفر پر استدلال کیا ہے، ہمارے نزدیک وہ احادیث اس صورت پر محمول ہیں جب کوئی شخص نماز کی فرضیت کا انکار کرتے ہوئے نماز کو ترک کرے یا نماز کو معمولی اور حقیر جان کر ترک کرے تو وہ کافر ہے یا اس شخص نے کافروں کا سا کام کیا یا اس شخص کا مسلسل نماز ترک کرنا اس کو کفر تک پہنچا دے گا۔

نیز اس فتاویٰ میں مذکور ہے:

سوال: جنازہ کے ساتھ بے نماز کو شامل ہونا کیوں منع ہے؟

جواب: بے نماز کو جنازہ میں شامل ہونے سے ممانعت نہیں بلکہ بے نماز کے جنازہ میں شامل ہونے سے ممانعت ہے۔ ہاں! بے نماز چونکہ کافر ہے اس لیے اس کا جنازہ میں شریک ہونا کچھ مفید نہیں۔(۳)

ایک اور مشہور غیر مقلد عالم ابوالوفاء ثناء اللہ لکھتے ہیں:

سوال: بے نمازی مسلمان ہے یا کافر اور جنازہ پڑھنا اور اس کی لاش مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: تارک الصلوٰۃ کے حق میں علماء کا اختلاف ہے بہت سے علماء جن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور حافظ ابن قیم وغیرہ بھی ہیں تارک الصلوٰۃ کو کافر مرتد اور واجب القتل قرار دیتے ہیں، یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں۔ ان کے سوا اور بہت سے علماء ہیں جن میں امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم خیال علماء

۱۔ فتاویٰ اہل حدیث، ج ۱، ص ۳۸۶ ۲۔ فتاویٰ اہل حدیث، ج ۱، ص ۳۹۵-۳۹۴ ۳۔ فتاویٰ اہل حدیث، ج ۱، ص ۳۹۶

ہیں، تارک الصلوٰۃ کو فاسق فاجر سخت مجرم قرار دیتے ہیں لیکن کافر مرتد نہیں کہتے ہیں۔ حدیث شریف جو تارک الصلوٰۃ کے حق میں آئی ہے۔ ''فقد کفر'' (یعنی وہ کافر ہے) پہلے گروہ کی دلیل ہے دوسرے گروہ کی دلیلیں اور ہیں خاکسار کی تحقیق پچھلے گروہ سے متفق ہے۔(۱)

اس فتویٰ کی تشریح میں شیخ ثناء اللہ لکھتے ہیں:

تارخ الصلوٰۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں علماء کرام مختلف ہیں۔ علامہ شوکانی نیل الاوطار میں لکھتے ہیں: ''ولا خلاف بین المسلمین فی کفر من ترك الصلوٰة منکر الوجوبها الخ ''یعنی جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو کر نماز کو ترک کرے وہ بالاتفاق کافر ہے، اس کے کفر میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہیں مگر ہاں جو شخص نومسلم ہو یا مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا ہو تو اس کو جب تک نماز کے وجوب کی خبر نہ پہنچے تب تک وہ کافر نہیں ہوسکتا اور جو شخص نماز کے وجوب کا عقیدہ رکھ کر بہ سبب کاہلی اور غفلت کے نماز کو ترک کرے جیسا کہ بہت سے لوگوں کا حال ہے تو ایسے تارک الصلوٰۃ کے کافر ہونے اور نہ ہونے میں لوگوں کا اختلاف ہے پس عترت اور امام مالک اور امام شافعی اور جماہیر سلف وخلف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا شخص کافر نہیں ہے بلکہ فاسق ہے وہ اگر توبہ کرے فبہا ورنہ اس کو قتل کرنا چاہیے اور اسی کی یہی حد ہے جیسا کہ زانی محصن کی حد قتل ہے مگر ایسے تارک الصلوٰۃ کو تلوار سے قتل کرنا چاہیے اور سلف میں سے ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ وہ کافر ہے اور یہی مذہب مروی ہے حضرت علی سے اور امام احمد سے ایک روایت میں یہی منقول ہے اور عبداللہ بن مبارک اور اسحٰق بن راہویہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اور بعض اصحاب شافعی کا بھی یہ مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ نہ کافر ہے اور نہ وہ قتل کیا جاوے گا بلکہ اس کی تعزیر کی جائے گی اور جب تک وہ نماز نہیں پڑھے گا تب تک وہ قید میں رکھا جاوے گا اس کے بعد علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایسا تارک الصلوٰۃ کافر ہے اور وہ قتل کیا جائے گا اس کا کافر ہونا تو اس وجہ سے حق ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ شارع نے ایسے تارک الصلوٰۃ کو کافر لکھا ہے اور جو لوگ اس کے کافر ہونے کے قائل نہیں ہیں، وہ جس قدر معارضات وارد کرتے ہیں، ان میں سے ایک بھی ہم کو لازم نہیں آتا کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ جائز ہے کہ کفر کی بعض قسمیں ایسی ہوں، جو مغفرت واستحقاق شفاعت سے مانع نہ ہوں جیسا کہ اہل قبلہ کا کفر بہ وجہ بعض ایسے گناہوں کے جن کو شارع نے کفر کہا ہے، پس اس بناء پر ان تاویلات کی کچھ حاجت نہیں ہے جن میں لوگ پڑتے ہیں انتہیٰ (کلام شوکانی) بلاشبہ علامہ ممدوح کی یہ تحقیق احق بالقبول ہے۔(۲)

خلاصہ یہ ہے کہ مقدم اور موخر علماء غیر مقلدین کے نزدیک بے نماز شخص کافر ہے اور واجب القتل ہے اور چونکہ اس زمانے میں علماء غیر مقلدین کا اپنے اس موقف پر عمل نہیں ہے، اس لیے ان کو عوام بے نماز غیر مقلدین کو کافر قرار دینے پر قتل نہ

۱۔ فتاویٰ ثنائیہ، ج ۱، ص ۴۲۵ ۲۔ فتاویٰ ثنائیہ، ج ۱، ص ۴۲۶۔۴۲۲

کرنے کے لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے دامن میں پنا لینی پڑے گی ورنہ ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے ہم مسلک عوام بے نمازیوں کو چن چن کر حکومت سے قتل کروائیں۔

بے عمل اور تارکِ نماز کے متعلق غیر مقلدین کا مسلک:

ایک اور مشہور غیر مقلد عالم نواب محمد صدیق خان، بن حسن القنونی المتوفی لکھتے ہیں:

ہمارے شیخ اور ہماری برکت امام شوکانی سے ان دیہاتیوں کے متعلق سوال کیا گیا، جو کسی شرعی حکم پر عمل نہیں کرتے صرف کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، آیا وہ کافر ہیں یا نہیں؟ اور کیا مسلمانوں کو ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے "ارشاد السائل الی ادلۃ المسائل میں اس کا جواب لکھا جس کی عبارت یہ ہے:

جو شخص ارکان اسلام اور جمیع فرائض کا تارک ہو اور تمام اقوال اور افعال واجبہ کو چھوڑنے والا ہو اور سوائے کلمہ شہادت پڑھنے کے اور کچھ نہ کرتا ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ کافر ہے اور اس کا کفر بہت شدید ہے اس کو قتل کرنا اور اس کا مال لوٹنا مباح ہے احادیث صحیحہ متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ جان اور مال کی سلامتی تب ثابت ہوتی ہے جب ارکان اسلام پر عمل کیا جائے اور مسلمانوں سے جو شخص اس طرح کے کافر کے پڑوس میں رہتا ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اس کو اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دے، اس کو ثواب کی طرح راغب کرے، اور اس کو عذاب سے ڈرائے اور اگر یہ کافر اپنے کفر پر اصرار کرے تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس سے قتال کریں اور اس سے تمام احکام اسلام پر عمل کرائیں اور اگر وہ اس پر عمل نہ کرے تو اس کو قتل کرنا اور اس کا مال لوٹنا مباح ہے اور اس کا حکم اہل جاہلیت کا ہے۔(۱)

بے عمل کلمہ گو کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد:

نواب صدیق حسن اور ان کی برکت دونوں کے رد کے لیے یہ حدیث کافی ہے:

حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری آنکھ میں کچھ تکلیف ہوگئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ میرے پاس آئیں اور میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھیں تو میں اس جگہ کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ بنا لوں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب میں سے جن کو اللہ نے چاہا وہ میرے گھر آئے، آپ نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ اصحاب آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ان کو یہ بہت ناگوار ہوا کہ مالک دخشم اس وقت نہیں آئے تھے، انہوں نے یہ چاہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے خلاف دعا کریں اور وہ ہلاک ہو جائے اور انہوں نے یہ چاہا کہ اس پر کوئی مصیبت آئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو آپ نے فرمایا: کیا وہ (مالک بن دخشم) یہ شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ کا

۱۔　السراج الوہاج، ج۱ ص ۴۹۔۴۸

رسول ہوں انہوں نے کہا: ہاں! وہ یہ شہادت دیتا ہے اور یہ شہادت اس کے دل میں نہیں ہے، آپ نے فرمایا: جو شخص بھی یہ شہادت دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں تو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، یا فرمایا: اس کو دوزخ نہیں کھائے گی۔ (۱)

جن صحابہ نے حضرت مالک بن دخشم کو منافق کہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کا رد کیا اور فرمایا: کیا وہ شہادت نہیں پڑھتا، نیز فرمایا: جو شخص کلمہ شہادت پڑھتا ہے ہو وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا اور نواب صدیق حسن خاں اور ان کے امام اور ان کی برکت (شوکانی) بے عمل کلمہ شہادت پڑھنے والے کو کافر اور واجب القتل قرار دے رہے ہیں۔

بے عمل اور تارکِ نماز کے متعلق اہل سنت اور اہل حق کا مسلک:

علامہ یحیٰی بن شرف نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یاد رکھو اہل سنت اور اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص توحید پر مر گیا، وہ قطعی طور پر جنت میں داخل ہوگا، اگر اس نے گناہ نہیں کیے تھے یا گناہ کرنے کے بعد توبہ صحیحہ کر لی تھی تو وہ ابتداء جنت میں داخل ہوگا اور دوزخ میں داخل نہیں ہوگا، اور اگر اس نے گناہ کبیر کیے تھے اور وہ بغیر توبہ کے مر گیا تو وہ اللہ کہ مشیت پر موقوف ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کو معاف کر کے اس کو ابتداء جنت میں داخل کر دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہے گا تو اس کو دوزخ میں جتنا عرصہ چاہے گا داخل کر کے پھر جنت میں داخل کر دے گا، بہر حال جو شخص توحید پر مر گیا، وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا، خواہ اس نے گناہ کیے ہوں۔ (۲)

بے نماز کے متعلق شیخ عبدالعزیز بن باز کا مفصل فتویٰ:

شیخ عبدالعزیز عبداللہ بن باز لکھتے ہیں:

جو شخص جان بوجھ کر نماز ترک کرتا ہے تو وہ علماء کے صحیح قول کے مطابق کفر اکبر کا مرتکب ہے، جب کہ وہ وجوب نماز کا اقرار کرتا ہو اور اگر نماز کے وجوب ہی کا منکر ہو تو پھر تمام اہل علم کے ہاں وہ کافر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اصل معاملہ تو اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس حدیث کو امام احمد و ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترکِ نماز ہے۔ (صحیح مسلم) نیز آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ وہ عہد جو ہمارے اور ان کے درمیان ہے وہ نماز ہے جو اسے ترک کر دے وہ کافر ہے۔ اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہے وہ در حقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتا ہے لہذا اس بات پر

۱۔ صحیح مسلم: ۳۳، صحیح البخاری: ۴۲۵، السراج الوھاج، ج ۱، ص ۴۷ ۲۔ صحیح مسلم بشرح النووی، ج ۱، ص ۵۵۶

تمام اہل علم وایمان کا اجماع ہے کہ اس کا کفر اس شخص کے کفر کی نسبت اکبر واعظم ہے جو محض سستی کی وجہ سے نماز کا تارک ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں مسلمان حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ تارک نماز سے توبہ کرائیں اگر توبہ کرے تو بہت بہتر ورنہ اس سلسلہ میں وارد دلائل کی بنیاد پر اسے قتل کر دیا جائے۔ تارک نماز کا بائیکاٹ اس کے ساتھ قطع تعلقات اور اس کی دعوت کو قبول نہ کرنا واجب ہے حتیٰ کہ وہ توبہ کرلے۔ اسی طرح یہ بھی واجب ہے کہ اسے نصیحت کی جائے حق کی دعوت دی جائے اور ان سزاؤں سے ڈرایا جائے جو ترک نماز کی وجہ سے دنیا وآخرت میں مرتب ہوتی ہیں، شاید اسی طرح وہ توبہ کرلے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کے گناہ معاف فرمادے گا۔

میرا دوست نماز پڑھتا ہے اور نہ روزہ رکھتا ہے:

سوال: میرا ایک بہت عزیز دوست، جس سے مجھے بہت زیادہ محبت ہے فرض نماز پڑھتا ہے نہ رمضان کے روزے رکھتا ہے میں نے اسے سمجھایا ہے لیکن وہ میری بات نہیں مانتا تو کیا میں اس سے دوستی رکھوں یا نہ رکھوں؟

جواب: اس جیسے آدمیوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض اور دشمنی رکھنا واجب ہے حتیٰ کہ وہ توبہ کرلیں کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ترک نماز کفر اکبر، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آدمی اور کفر وشرک کے درمیان فرق، ترک نماز ہے، (صحیح مسلم) نیز نبی علیہ الصلوۃ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے لہذا جو اسے ترک کر دے گا وہ کافر ہے۔ اس حدیث کو امام احمد واہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے، نیز اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ کسی شرعی عذر کے بغیر رمضان کے روزے ترک کرنا بھی بہت بڑے جرائم میں سے ہے بعض اہل علم کا یہ قول ہے کہ جو شخص مرض یا سفر وغیرہ کے کسی شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ ترک کرتا ہے تو وہ کافر ہے، لہذا واجب ہے کہ آپ اس شخص سے بغض رکھیں۔ اور اسے چھوڑ دیں وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور توبہ کرے۔ مسلمانوں حکمرانوں پر بھی واجب ہے کہ وہ تارک نماز سے توبہ کرائیں اگر وہ توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِن تَابُواْ وَأَقَامُواْ الصَّلاَةَ وَآتَوُاْ الزَّكَاةَ فَخَلُّواْ سَبِيلَهُمْ (۱)

پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جو نماز نہ پڑھے اس کی راہ نہ چھوڑی جائے، نیز نبی ﷺ نے فرمایا: مجھے نمازیوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو نماز نہ پڑھے اس کے قتل سے آپ کی منع نہیں کیا گیا۔ الغرض آیات واحایث کے ادلہ شرعیہ سے یہ ثابت ہے ہے جو شخص نماز نہ پڑھے تو مسلمانوں حکمرانوں پر یہ واجب ہے کہ اسے قتل کرا دے بشرطیکہ وہ توبہ نہ کرے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ آپ کے دوست کو توبہ اور راہ راست کی توفیق بخشے۔

۱۔ التوبہ ۹:۵

تارکِ نماز کے ساتھ سکونت:

سوال: کچھ عرصہ قبل مجھے ایک ہسپتال میں داخل ہونے کا اتفاق ہوا میں جس کمرہ میں رہا تھا، اس میں دو آدمی تھے اور کمرہ میں ہم تین دن تک رہے میں تو اس مدت میں نماز پڑھتا رہا لیکن دونوں آدمی نماز نہیں پڑھتے تھے حالانکہ وہ بھی مسلمان اور میرے ہی شہر کے باشندے تھے، میں نے اس سلسلہ میں ان سے کوئی بات بھی نہ کی تو کیا مجھے اس کا گناہ ہوگا کہ میں نے انہیں نماز کا حکم کیوں نہ دیا، اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: آپ پر یہ واجب تھا کہ ان دونوں کو نصیحت کرتے اور اس منکر عظیم یعنی ترک نماز کے ارتکاب کی مذمت کرتے، تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو جاتا: وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ :(۱)

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے کہ جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

اور نبی ﷺ کے اس ارشاد پر عمل ہو جاتا کہ تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے (سمجھائے (اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین حصہ ہے۔

جب آپ نے فرض کو ادا نہیں کیا تو اب واجب یہ ہے کہ اس معصیت کی وجہ سے خالص توبہ کریں، خالص توبہ کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کرے، اب اس سے رک جائیں اور یہ پختہ عزم کریں کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، تعظیم، اس سے ثواب کی امید اور اس کے عذاب کے خوف کی وجہ سے کریں۔ جو صدقِ دل سے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ :(۲)

اور تحقیق جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے راستے پر چلے، اس کو میں بخشنے والا ہوں۔

نماز میں سستی کرنے والے کی صحبت:

سوال: نماز میں سستی کرنے والے کی صحبت اختیار کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اس کی اور کسی بھی دوسرے کافر کی صحبت جائز نہیں ہے۔ ترک نماز بھی چونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کی وجہ سے کفر ہے کہ آدمی کفر و شرک کے درمیان فرق، نماز کی وجہ سے۔ (صحیح مسلم) نیز نبی ﷺ نے فرمایا: ہمارے اور ان کے درمیان نماز کا عہد

۱۔ آل عمران ۳:۱۰۴ ۲۔ طٰہٰ ۲۰:۸۲

ہے، جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔(۱) احمد داؤد، ترمذی، نسائی ابن ماجہ، باسناد صحیح) ان اور دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی صحبت جائز نہیں۔(۱) (۲)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

مذکورہ بالا تینوں ابواب سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے استنباطات حسب ذیل ہیں:

حدیث نمبر ۴۷۰ سے استنباط:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوعِ شمس سے قبل اور غروب شمس سے قبل نماز ادا کرنے والے کو دوزخ سے آزادی کا مژدہ سنایا ہے سورج غروب ہونے سے پہلے نمازِ عصر ادا کی جاتی ہے، اس لیے نمازِ عصر کی خصوصی فضیلت ہے۔

حدیث نمبر ۴۷۱۔۴۷۲ سے استنباط:

قرآن مجید سے صلوۃ وسطیٰ سے مراد نمازِ عصر ہے، اس لیے اس نماز کی خصوصی پابندی کا ذکر ہے، اسی طرح غزوہ خندق والے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کی قضاء پر اظہار افسوس فرمایا: اور کفار کے لیے دعا ضرر فرمائی، جس سے واضح ہوا کہ ایک مسلمان کے لیے نمازِ عصر کی پابندی کتنی ضروری ہے۔

حدیث نمبر ۴۷۳ سے استنباط:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے چھوڑنے کو اعمال کے ضائع ہونے کا سبب قرار دیا ہے، جو کہ وعید باری تعالیٰ ہے، اس لیے ہر حال میں اس امر سے بچنا چاہیے کہ کہیں نمازِ عصر قضاء نہ ہو جائے۔

☆ نماز کی حفاظت کا معنی یہ ہے کہ: نماز کو اس کے مستحب وقت میں پڑھا جائے۔

☆ نماز پنجگانہ کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے، اور تمام نمازوں کے ترک پر وعیدیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز پنجگانہ باجماعت نصیب فرمائے۔ امین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

☆ جمہور علماء کے نزدیک نماز وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے، البتہ بعض نے اس سے فجر، ظہر، مغرب اور عشاء کی نماز بھی مراد لی ہے۔

☆ نماز کی قضاء واجب ہے، البتہ وجوب قضاء کے وقت میں وسعت ہے۔

☆ اگر نیند نسیان یا دیگر وجوہ کی بناء پر کوئی نماز رہ جائے تو یاد آنے کے بعد اسے قضاء کرنا لازم ہے۔

۱۔ مقالات وفتاوئی، ج ۱ ص ۲۵۳۔۲۵۱　　۲۔ نعمۃ الباری، ج ۲ ص ۴۴۳۔۴۴۶

ادا کا معنیٰ:

جو فعل واجب ہو، اسے اپنے وقت میں ادا کرنا۔

قضاء کا معنیٰ:

جو فعل واجب ہو، اس کو اس کے وقت گذر جانے کے بعد ادا کرنا۔

☆ جس شخص کے ذمہ کوئی فرض ہو، وہ فرض سے اس وقت تک سبکدوش نہ ہوگا، جب تک کہ اس کو ادا نہ کرے، یا اس کی قضاء نہ کرے۔

☆ فوت شدہ نماز کی قضاء ہی اس کا کفارہ ہے۔

قضاء نمازوں کی ترتیب:

حضرت ابو بن امام، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل، اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقتی نماز اور قضاء نماز میں ترتیب واجب ہے، یعنی پہلے وقتی نماز پڑھی جائے گی، اور پھر قضاء نماز پڑھی جائے گی۔

☆ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور علماء ظواہر کے نزدیک وقتی اور قضاء نماز کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے۔

نمازِ عصر کے قضاء ہونے کا مقام:

☆ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث نمبر ۴۷۲ میں جس نمازِ عصر کے قضاء ہونے کا ذکر فرمایا ہے، اس سے مراد غزوہ خندق والے دن کی نماز ہے۔

نماز قضاء کون لوگ کریں گے؟:

آئمہ اربعہ اہل سنت کے نزدیک نشہ میں مدہوش، سوئے ہوئے بھول سے اور جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے پر نماز کی قضاء واجب ہے جبکہ امام داؤد ظاہری، غیر مقلدین اور شیخ ابن حزم کے نزدیک اگر کسی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی، تو اس کے لیے قضاء کرنا جائز نہیں ہے۔

جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کا حکم:

اہل سنت کے تمام آئمہ کا اس پر اجماع ہے کہ جان بوجھ کر نماز چھوڑنا گناہ کبیرہ ہے، جبکہ علماء ظواہر پر اور غیر مقلدین کے نزدیک جان بوجھ کر نماز چھوڑنا کفر ہے، جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک ایسے شخص کو قتل کرنا بھی واجب ہے، جب کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک ایسے شخص کو قتل کرنا جائز نہیں۔

بَابُ عَدَدِ صَلَاةِ الْعَصْرِ فِي الْحَضَرِ　باب ۱۶: حالت اقامت میں نمازِ عصر کی رکعتیں

حالتِ اقامت میں نمازِ عصر کی چار رکعتیں فرض ہیں، اور سفر میں دو رکعتیں فرض ہیں، اسی طرح ظہر اور عشاء کی بھی یہی ترتیب ہے۔ پچھلے باب میں نمازِ عصر کے چھوڑنے پر وعید کا بیان تھا، اور اس باب میں رکعتوں کا بیان ہے، دونوں ابواب نمازِ عصر سے متعلق ہیں۔ اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۴۷۴۔ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، أَخْبَرَنَا مَنْصُورُ بْنُ زَاذَانَ، عَنِ الْوَلِيدِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، فَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الظُّهْرِ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً قَدْرَ سُورَةِ السَّجْدَةِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ، وَفِي الْأُخْرَيَيْنِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ، وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى قَدْرِ الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ، وَحَزَرْنَا قِيَامَهُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُخْرَيَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ عَلَى النِّصْفِ مِنْ ذَلِكَ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم ظہر اور عصر کی نمازوں میں حضور اکرم کے قیام کا اندزہ لگاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورت سجدہ کی تیس آیات کے برابر اور دوسری دو رکعتوں میں اس سے آدھا قیام فرماتے تھے۔ اسی طرح ہم نے اندازہ لگایا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی دوسری رکعتوں کے برابر اور دوسری رکعتوں میں اس سے آدھا قیام فرماتے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ میں عصر کی چار رکعتیں پڑھی جانے کا بیان ہے، یہ حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۴۵۲، ابوداؤد: ۸۰۴، احمد: ۱۰۹۸۶، السنن الکبریٰ: ۳۵۱، تحفۃ الاشراف: ۳۹۷۴

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین شیوخ منصور بن زادان، ولید بن مسلم اور ابوصدیق ناجی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و آثار لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ **یعقوب بن ابراہیم:** راجع: ۲۲　　۲۔ **ہشیم:** راجع: ۱۰۹

۳۔ منصور بن زاذان:

نام ونسب:

منصور نام ہے: ابوالمغیرہ کنیت۔ قبیلہ کی غلامی میں تھے۔ اس نسبت سے ثقفی کہلاتے تھے۔ (۱)

فضل وکمال:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص ساتھیوں میں تھے۔ ان کے فیض صحبت نے منصور کو علم وعمل بنادیا تھا اور وہ واسطہ کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علماء اسلام میں تھے۔ ثقہ، حجت، عبادت گذار اور کبیر الشان تھے۔ (۲)

حدیث:

حدیث میں انہوں نے انس بن مالک، ابوالعالیہ، رفیع بن ابی رباح حسن بصری، محمد بن سیرین میمون بن ابی شبیب، معاویہ بن قرہ، حمید بن ہلال، قتادہ، عمرو بن دینار، حکم بن عتیبہ عبدالرحمٰن بن قاسم اور محمد بن ولید بن مسلم عنبری سے فیض اٹھایا تھا۔

مسلم بن سعید واسطی حبیب شہید، جریر بن خازم خلف ہشم اور ابوحمزہ سکری ان کے تلامذہ میں تھے۔ (۳)

عبادت وریاضت:

زہد وعبادت ان کے صحیفہ کمال کے زیادہ روشن ابواب ہیں وہ بڑے عابد وزاہد تابعی تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقشفین اور متجردین میں تھے۔ (۴)

ابن عماد حنبلی ان کو بصرہ کا زاہد اور شیخ لکھتے ہیں۔ (۵)

ان کا سارا وقت عبادت وریاضت میں گزرتا تھا۔ طلوع آفتاب سے لے کر عصر تک نماز اور عصر سے مغرب تک تسبیح وتہلیل میں مشغول رہتے تھے۔ (۶)

قرآن کی تلاوت سے خاص شغف تھا۔ بہت تیز قرآن پڑھتے تھے، صبح سے دوپہر تک ایک قرآن ختم کردیتے تھے۔ (۷)

نوافل میں قرآن کا بڑا حصہ پڑھ ڈالتے تھے۔ ہشام بن حسان کا بیان ہے کہ میں نے مغرب اور عشا کے درمیان منصور کے پہلو میں نماز پڑھی۔ دوسری رکعت میں وہ سورہ نحل تک پڑھ گئے۔ (۸)

رمضان میں عبادت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ روزانہ قرآن ختم کرتے تھے۔ نماز میں اس شدت کا گریہ طاری ہوتا کہ آنسو پوچھتے عمامہ تر ہو جاتا باری گاہ ایزدی میں جبین سائی سے بڑا ذوق تھا۔ فرض نماز سے پہلے گیارہ سجدہ کرتے تھے۔ عمر بھر دو راتوں کے سوا ایک

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۲۶　۲۔ ایضاً　۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۳۰۶
۴۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۳۰۷　۵۔ شذرات الذہب، ج ۱، ص ۱۰۱　۶۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۶۰
۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۲۶　۸۔ حلیۃ الاولیاء، ابونعیم، ج ۳، ص ۵۸

مرتبہ ماں کے اور دوسری مرتبہ لڑکے کے انتقال کے موقع پر آرام سے رات بھر بسترِ استراحت پر نہ تھے۔ (۶) انہوں نے عبادت اور ریاضت کو آخری حد تک پہنچا دیا۔ ہشیم کا بیان ہے کہ وہ اپنی عبادت کرتے تھے کہ اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ موت کا فرشتہ دروازہ پر آ گیا ہے تو جتنی عبادت وہ کرتے تھے اس میں زیادتی ممکن نہ تھی۔ (۱)

ایک زرین مقولہ:

فرماتے ہیں کہ رنج و غم بھلائیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور اترانا اور فخر کرنا برائیوں میں (۲)

وفات رحمۃ اللہ علیہ

اپنے محاسن اخلاق کی وجہ سے وہ مذہب و ملت کے آدمیوں میں اتنے مقبول تھے کہ آپ کے جنازہ میں ہر مذہب کے آدمی شریک تھے۔ یہود و نصاریٰ دونوں علیحدہ علیحدہ جنازہ میں ساتھ تھے اور خلق اللہ کا ہجوم تھا۔ (۳) (۴)

۴۔ ابو الولید بن مسلم:

آپ کا نام ابو بشر ولید بن مسلم بن شہاب تمیمی عنبری بصری ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام بخاری (جزء القراۃ)، مسلم، ابو داؤد اور نسائی آپ سے روایت کرنے میں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ (۵)

۵۔ ابو الصدیق ناجی:

آپ کا نام ابو صدیق بکر بن عمرو ناجی بصری (م:۱۰۸ھ) ہے، بعض نے آپ کی ولایت ابن قیس لکھی ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، تابعی راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

۶۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ: راجع: ۲۶۲

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے،

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

۱۔ ایضاً، ص ۱۲۷ ۲۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۶۰ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۲۷

۴۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۳۹۰۔۳۹۱ ۵۔ i۔ تاریخ، الدوری، ج ۲، ص ۱۳۴ ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۹، ص ۱۶

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو پچانوے ویں (۱۹۵) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ حضرت یعقوب بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ آئمہ صحاح ستہ کے شیخ ہیں، اور تمام ان سے روایات لیتے ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی ہی روایت کرتے ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغدادی، دوسرے اور تیسرے واسطی، اگلے دو بصری اور آخری مدنی ہیں۔
☆ سند میں دو تابعی (ابوالولید، الوالصدیق) راوی ہیں۔
☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، اور آپ سے ایک ہزار ایک سوستر (۱۱۷۰) احادیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ حضرت منصور، ابو ولید اور حضرت ابوصدیق سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا اور حدثنا ایک ایک دفعہ، جبکہ عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کنانحزر: ہم انداز لگاتے تھے۔
قیام رسول اللہ ﷺ: رسول اللہ ﷺ کے قیام کا۔
قدر ثلاثین اية: تین آیات کے برابر۔
قدر سورة السجدة: سورت سجدہ کی آیات کے برابر۔
الركعتين الاولیين: پہلی دو رکعتیں۔
الاخريين: آخری دو رکعتیں۔
النصف: آدھا۔

۴۷۵۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ أَبِي عَوَانَةَ، عَنْ مَنْصُورِ بْنِ زَاذَانَ، عَنِ الْوَلِيدِ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ فِي الظُّهْرِ فَيَقْرَأُ قَدْرَ ثَلَاثِينَ آيَةً فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، ثُمَّ يَقُومُ فِي الْعَصْرِ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ قَدْرَ خَمْسَ عَشْرَةَ آيَةً

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: آقا کریم ﷺ ظہر کی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہر رکعت میں تقریباً تیس آیات کے برابر پڑھتے اور نماز عصر کی پہلی دو رکعتوں میں تقریباً پندرہ آیات کے برابر پڑھتے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حدیث مبارکہ کا آخری حصہ ہے: آپ ﷺ نماز عصر کی پہلی دو رکعتوں میں پندرہ آیات کی مقدار پڑھتے تھے، جس سے مترشح ہوا کہ، آپ ﷺ بعد والی دو رکعات بھی پڑھتے، پہلی دو رکعتیں کہنے کا فائدہ اسی صورت میں ہے، جب کہ دوسری دو رکعتوں بھی ہوں، ورنہ یہ کلام بے فائدہ ہوگا۔

۲۔اطراف:

الکنی (دولابی)، ج۱ ص۱۲۹، السنن الکبریٰ: ۳۵۲، تحفۃ الاشرف: ۵۲۵۹

۳۔تعارف:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔سوید بن نصر:	راجع: ۵۵	۲۔عبداللہ بن مبارک:	راجع: ۲۲۹
۳۔ابوعوانہ:	راجع: ۱۳۹	۴۔منصور بن زاذان:	راجع: ۴۷۴
۵۔الولید بن مسلم:	ایضاً	۶۔ابوالمتوکل:	رجع: ۲۶۱
۷۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ:	ایضاً		

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایات سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ ستاسی ویں (۸۷) حدی مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی، اگلے دو واسطی، پانچویں اور چھٹے بصری، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مدنی راوی ہیں۔

☆ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یقوم:	آپ ﷺ کھڑے ہوتے، قیام فرماتے۔
یقراء :	آپ ﷺ پڑھتے۔
قدر ثلاثین اية:	تیس آیات کی مقدار
کل رکعة:	ہر رکعت:
الرکعتین الاولیین:	پہلی دو رکعتیں۔
قدر خمس عشراية:	پندرہ آیات کے برابر۔

بَابُ صَلَاةِ الْعَصْرِ فِي السَّفَرِ باب نمبر: ۱۷ سفر میں نمازِ عصر کی رکعتیں

مسافر کے لیے عصر کی نماز قصر ہوگی، اور یہ چار رکعات کی بجائے دو رکعتیں پڑھے گا، اس باب میں اس امر کا بیان ہے ،پچھلے باب میں حالتِ اقامت میں نمازِ عصر کی رکعتوں کا بیان تھا، اور اس باب میں حالت سفر میں نمازِ عصر کی رکعتوں کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے چار احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے،

۴۷۶۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا، وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں چار رکعات پڑھی، اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے: حضور ﷺ نے عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۵۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵۔۲۹۸۶، مسلم: ۹۰، ابوداؤد: ۱۷۹۶، ۲۷۹۳، تحفۃ الاشراف: ۹۴۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔قتیبہ: راجع:۱۱۸　　۲۔حماد: راجع:۲۲۳

۳۔ایوب: راجع:۱۶۲　　۴۔ابوقلابہ: راجع:۳۲۲

۵۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع:۱۳۵

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چھیانوے ویں حدیث مبارکہ ہے۔(۱۹۶)

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، اجل، آئمہ حدیث ہیں۔

☆ سند ایسے شیوخ کرام پر مشتمل ہے، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ سند میں دو تابعی (ایوب، ابوقلابہ) راوی ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں، آپ بصرہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ نے ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں وفات پائی، اور سو سال سے زائد کی عمر مبارک پائی۔

۶۔لغات:

راجع:۴۲۸

۴۷۷۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ :حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ، أَنَّ عِرَاكَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ نَوْفَلَ بْنَ مُعَاوِيَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ قَالَ عِرَاكٌ :وَأَخْبَرَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: جس شخص کی عصر کی نماز رہ گئی؛ گویا کہ اس کا گھر بار لوٹ لیا گیا۔ حضرت عراک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ انہوں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے (سند و متن میں) حضرت جعفر بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی ہے۔

ا۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی بظاہر باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں بنتی، کیونکہ باب میں سفر میں نمازِ عصر کی رکعتوں کا ذکر ہے، جبکہ حدیث مبارکہ میں نمازِ عصر رہ جانے پر وعید کا بیان ہے، البتہ بطریقہ استدلال مطابقت حسب ذیل ہے:

مسافر حالتِ سفر میں منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے، اور اسے منزل پر پہنچنے میں جلدی بھی ہوتی ہے، اسی طرح مسافر کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ منزل مقصود پر شام ہونے سے پہلے پہنچ جائے، تاکہ اندھیرا چھانے سے پہلے سفر طے ہو جائے۔ اور یہی وقت نمازِ عصر کا ہے، اس کے رہ جانے سے پر وعید بیان ہوئی ہے کہ کس سفر کرتے ہوئے نمازِ عصر میں کوتاہی نہ ہو جائے، اسی امر کی مزید وضاحت آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی اشارہ ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر چھوٹنے پر فرمایا: گویا کہ اس کا گھر بار لوٹ لیا گیا۔

مسافر چونکہ سفر میں اس خطرہ سے دوچار ہوتا ہے کہ اگر دو دن میں سفر طے نہ کیا، تو کہیں رات ہونے پر ڈاکو اس کا سامان و مال ہی نہ لوٹ لیں۔ تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ ڈاکو تو صرف سامان ہی لوٹیں گے۔ اور اگر تمہاری نمازِ عصر رہ گئی، تو گویا تمہارا مال بھی لوٹ لیا گیا، اور اہل و عیال بھی تم سے چھین لیے گئے۔

اس لیے حالتِ سفر میں نمازِ عصر کی ادائیگی پر خصوصی توجہ دلائی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (۱)

۲۔اطراف:

تقدم: ۴۷۸، ۴۷۹، احمد: ۲۳۷۰۳

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، باقی فی حضرت حیوۃ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے احوال و آثار سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں:

۱۔سوید بن نصر: راجع: ۵۵　　**۲۔عبداللہ بن مبارک:** راجع: ۲۲۹

۳۔حیوۃ بن شریح:

آپ کا نام ابو زرعہ حیوۃ بن شریح بن صفوان تجیبی مصری (م: ۱۵۸ھ) ہے، آپ راویوں کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، ثابت

۱۔ بخاری: ۵۵۲، مسلم: ۲۸۸۶، ابوداؤد: ۴۱۴، السنن الکبریٰ: ۳۴۴، تحفۃ الاشراف: ۲۳۲۰، ۱۱۷۱۷

،فقیہ، زاہد راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے بہت سارے لوگوں کی صفات کا چرچا سنا اوران کی زیارت بھی کی، لیکن حضرت حیوۃ کو ان کی صفات سے بڑھ کر پایا۔

علامہ ابن حبان کا حضرت حیوۃ کے بارے میں فرمان ہے:

علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ مستجاب الدعوات تھے، یعنی جو دعا مانگتے اللہ تعالیٰ قبول فرماتا تھا، اور یہ بھی منقول ہے: کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کنکریاں ہاتھ میں پکڑ کر دعا فرمائی، تو وہ کنکریاں آپ کے ہاتھ میں کھجوروں سے تبدیل ہوگئیں۔

حضرت حیوۃ کی کرامت:

حضرت ابن وضاح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے، یہ دعا مانگی: اے اللہ تعالیٰ میرا قرض اتار دے۔

اس نے حالتِ خواب میں دیکھا (کہ کوئی کہہ رہا ہے) اگر تو چاہتا ہے کہ تجھے قرض سے چھٹکارہ حاصل ہو، تو حضرت حیوۃ بن شریح کے پاس جاؤ، اوران سے گذارش کرو، کہ وہ تمہارے لیے دعا کریں، وہ شخص (مکہ مکرمہ سے) شہر اسکندریہ میں جمعہ کے دن عصر کے بعد پہنچا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں کھڑا ہوا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے اردگرد دینار ہی دینار ہیں۔ حضرت حیوۃ بن شریح رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اوران میں سے اتنے ہی دینار لو، جتنا تم پر قرض ہے، لہذا میں نے تین سو دینار اٹھا لیے، (۱)

آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پندرہ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۲)

۴۔ جعفر بن ربیعہ: راجع: ۱۷۳ ۵۔ عراک بن مالک: راجع: ۲۰۷

۶۔ حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام حضرت ابو معاویہ نوفل بن معاویہ بن مخر بن یعمر بن نعامہ بن عدی بن دیل بن بکر بن عبد مناف بن کنانیہ (م: ۶۱ھ ت) ہے، آپ مشہور صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ ان صحابہ میں سے ہیں، جو فتح مکہ والے دن اسلام لائے۔ علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت نوفل غزوہ بدر میں خندق میں مشرکین کی طرف سے شریک ہوئے پھر اسلام قبول کیا، اور فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شریک ہوئے پھر بنی دیل کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہائش اختیار فرمائی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سنہ ۹ھ میں حج ادا فرمایا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تقریباً دس سال رہے، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مدینہ

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۷۰ ۲۔ i۔ الثقات، ج ۸، ص ۲۱۷ ii۔ الجرح التعدیل، ج ۳، ص ۳۰۶

منورہ میں وفات پائی۔آپ نے ایک سوبیس سال طویل عمر پائی۔جس میں سے ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام کی خدمت کرنے میں گذارے، امام بخاری، مسلم، اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۷۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۱۷

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوستانویں (۱۹۷) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل، آئمہ حدیث ہیں۔

☆ حضرت سوید رحمۃ اللہ علیہ سے امام ترمذی، اور نسائی، اور حضرت نوفل سے امام بخاری، مسلم اور نسائی روایت کرتے ہیں، جبکہ باقی راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی، اگلے دو مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت عراک رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے دو شاگردوں حضرت یزید اور حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے، اور دونوں نے سند اور متن دونوں میں اختلاف کیا ہے، (جس کی تفصیل مسائل ونصائح میں بیان ہوگی)

☆ حضرت شریح اور حضرت نوفل رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں دو صحابی (نوفل رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ) اور دو تابعی (جعفر، عراک) ہیں۔

☆ حضرت نوفل رضی اللہ عنہ ایسے صحابی رسول ہیں، جنہوں نے ایک سو بیس سال کی عمر پائی، اور ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار دو دفعہ، اور انبانا دو دفعہ صیغہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ وقال ایک ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

من فاتته: جس شخص کی فوت ہو جائے۔

صلاۃ العصر: عصر کی نماز۔

۱۔ i۔ تقریب التہذیب، ج۲، ص۳۱۵ ii۔ تہذیب التہذیب، ج۱۰، ص۴۹۲
iii۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۶، ص۱۷۴۔۱۷۵

کانماوتر: گویا کہ لوٹ لیا جائے۔

اھلہ: اس کے اہل وعیال

مالہ: اس کا مال

۴۷۸۔ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ زُغْبَةُ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ، أَنَّ نَوْفَلَ بْنَ مُعَاوِيَةَ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :مِنَ الصَّلَاةِ صَلَاةٌ مَنْ فَاتَتْهُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ .قَالَ ابْنُ عُمَرَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :هِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ خَالَفَهُ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: نمازوں میں سے ایک نماز ایسی ہے، جس کی وہ نماز فوت ہوگئی گویا کہ اس کا گھربار لوٹ لیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: وہ عصر کی نماز ہے۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس روایت میں حضرت محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے امام لیث رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفت کی ہے۔

۱۔مطابقت:

راجع: ۴۷۷

۲۔اطراف:

ایضاً

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔عیسیٰ بن حماد: راجع: ۲۱۱ ۲۔لیث: راجع: ۱۲۴

۳۔زید بن ابی حبیب: راجع: ۲۰۷ ۴۔عراک: ایضاً

۵۔حضرت نوفل رضی اللہ عنہ: راجع: ۴۷۷ ۶۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوانہترویں (۱۶۹) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی تجیبی، دوسرے اور تیسرے مصری، اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ، عنعنہ اور قال دو دو دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

۶۔لغات:

سمعت: میں نے سنا

من الصلاة: نمازوں میں سے

صلاة: ایک نماز

صلاة العصر: عصر کی نماز

۴۷۹۔أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ حَدَّثَنِي عَمِّي قَالَ :حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ :حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ :سَمِعْتُ نَوْفَلَ بْنَ مُعَاوِيَةَ يَقُولُ :صَلَاةٌ مَنْ فَاتَتْهُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ قَالَ ابْنُ عُمَرَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ صَلَاةُ الْعَصْرِ

حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک نماز ایسی ہے جس کا کسی شخص سے رہ جانا ایسے ہے جیسے اس شخص کا گھر بار لوٹ لیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عصر کی نماز ہے۔

۱۔مطابقت:

راجع: ۴۷۷

۲۔اطراف:

راجع: ۴۷۷

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے چھ کے احوال و آثار گذر چکے ہیں، باقی دو شیوخ حضرت عبیداللہ

اور حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی سرگذشتِ حیات صفحہ قرطاس پر منتقل کی جا رہی ہے۔

۱۔عبید اللہ بن سعد بن ابراہیم بن سعد:

آپ کا نام ابو الفضل عبید اللہ بن سعد بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم زہری بغدادی (م: ۲۶۰ھ) ہے آپ روایۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، البتہ علامہ ابن ابی حاتم نے صدوق قرار دیا ہے، جبکہ امام خطیب بغدادی، امام دارقطنی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ثقہ قرار دیا ہے، آپ اجہان کے دو دفعہ قاضی مقرر رہے ،اور تھوڑے ہی عرصے بعد معزول کردیے گئے، امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں، امام ابو اسحاق حبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے روایت کیا ہے، صحیح بخاری میں آپ سے چھ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آپ نے پچھتر سال کی طویل عمر پائی، آپ کا سن ولادت ۱۸۵ھ ہے۔(۱)

۱۔یعقوب بن ابراہیم:　راجع: ۳۱۳　　**۲۔ابو یعقوب:**　ایضاً

۴۔محمد بن اسحاق:

نام ونسب: محمد نام ہے۔ابو عبداللہ کنیت ہے۔والد کا نام اسحٰق تھا۔ان کے دادا الیسار عین التمر کے قیدیوں میں تھے اور غالباً اسی تعلق سے ابن اسحاق بھی غلامی کے سلسلہ میں منسلک تھے۔چنانچہ وہ قیس بن مخرمہ بن مطلب بن عبد مناف کے غلام تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ابن اسحاق ممتاز تابعین میں تھے۔خصوصاً فن مغازی اور سیرت کے امام تھے۔

حدیث میں ان کا پایہ:

حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے۔اگرچہ امام مالک اور بعض دوسرے علماء نے ان پر جرح کی ہے، لیکن ایک دو کے علاوہ اور باقی تمام آئمہ اور ارباب کمال کا ان کے حفظ پر اتفاق ہے۔ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو النصری روایت کرتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق ایسے شخص ہیں، جن سے اخذ حدیث میں تمام بڑے بڑے اہل علم سفیان ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، حماد بن زید، حماد سلمہ، ابن مبارک اور ابراہیم بن سعد، وغیرہ کا اتفاق ہے۔اکابر میں یزید بن ابی حبیب نے ان سے روایت کی ہے۔

اہل حدیث نے ان کا امتحان لیا تو انہیں سچا اور خیر پایا۔(۲)

علماء کا اعتراف:

شعبہ ان کو "امیر المومنین فی الحدیث" اور امیر المحدثین کہتے تھے۔لوگوں نے پوچھا کیوں؟ جواب دیا ان کے حفظ کی وجہ سے۔(۳)

۱۔ i۔تہذیب التہذیب، ج۶، ص۱۵۔۱۶　ii۔تاریخ بغداد، ج۱۰، ص۳۲۳　۲۔ تاریخ خطیب بغداد، ج۱، ص۲۲۴　۳۔ ایضاً ص۲۲۸

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میرے ہاتھوں میں حکومت ہوتی تو محمد بن اسحٰق کو محدثین کا سردار بناتا۔ ابو معاویہ انہیں حفظ الناس اور یحییٰ بن معین انہیں ثقہ اور حسن الحدیث کہتے تھے۔ (۱)

علی بن مدائنی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مدار چھ شخصوں پر تھا۔ پھر ان چھ آدمیوں کا علم بارہ میں منتقل ہو گیا تھا، ان میں ایک ابن اسحٰق تھے۔ (۲)

امام زہری کا طرز عمل:

خود ان کے استاد امام زہری کو ان کے علم پر اس قدر اعتماد تھا کہ فرماتے تھے، جب تک محمد بن اسحٰق موجود ہیں، اس وقت تک اہل مدینہ میں علم رہے گا۔ (۳)

چنانچہ جب وہ مدینہ کے باہر جاتے تھے، تو ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے تھے۔ ایک مرتبہ باہر جا رہے تھے بعض شائقین علم نے بھی ساتھ جانا چاہا۔ زہری نے ان سے کہا کہ احول غلام (ابن اسحٰق) کو تم میں چھوڑ جاتا ہوں۔ (۴)

انؒ کی یہ جانشینی زہری کے تلامذہ میں مسلم تھی۔ چنانچہ ان کے بعد وہ لوگ ان کی روایات کی تصدیق کے لئے ابن اسحٰق کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (۵)

امام زہری انہیں اس قدر مانتے تھے کہ دربانوں کو خاص ہدایت دے رکھی تھی کہ ابن اسحٰق جس وقت بھی آئیں تو آنے دیا جائے۔ ایک مرتبہ ابن اسحٰق نے آنے میں معمول سے دیر کی۔ زہری نے پوچھا کہاں تھے؟ انہوں نے کہا، حاجیوں اور دربانوں کی وجہ سے کوئی شخص آپ تک پہنچ سکتا ہے؟ زہری نے اسی وقت دربان کو بلا کر حکم دیا کہ ابن اسحٰق جس وقت بھی آئیں انہیں روکا نہ جائے۔ (۶)

مالک اور ہشام کی جرح اور اس کے اسباب:

ان محامد اور کمالات کے ساتھ ابن اسحٰق پر امام مالک اور ہشام کی جرح بھی ملتی ہے۔ خصوصاً امام مالک کی رائے ان کے بارے میں زیادہ سخت تھی۔ اور وہ ان کے متعلق نا ملائم الفاظ تک استعمال کر جاتے تھے۔

حضرت ہشام بھی انہیں لائق اعتماد سمجھتے تھے۔ لیکن محدثین نے خود ان دونوں کی جرح کے اسباب بیان کر دیئے ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالک اتنے متشدد تھے اور ان کا معیار اتنا بلند تھا کہ اگر کسی میں ادنیٰ خامی بھی ہوتی تھی تو وہ اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ بعض علماء کا بیان ہے کہ امام مالک کے ہمعصر علماء نے ان لوگوں پر جو صلاح، تقویٰ، دینداری، ثقاہت اور امامت میں مشہور تھے امام مالک کی درشتی زبان پر نکتہ چینی کی ہے۔ (۷)

دوسری وجہ یہ تھی کہ ابن اسحٰق خود امام مالک پر طعن کیا کرتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ مالک کی حدیثیں مجھے سنایا کرو

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۶ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱، ص ۲۱۸ ۳۔ ایضاً، ص ۲۱۹

۴۔ ایضاً ۵۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۸۴ ۶۔ تاریخ خطیب بغداد، ج ۱، ص ۲۱۹ ۷۔ ایضاً، ص ۲۲۳

، میں ان کے امراض کا طبیب ہوں۔ (۱)

ایسی حالت میں اگر امام مالک نے ان کے متعلق درشت الفاظ استعمال کیے تو اس سے ابن اسحٰق کی ثقاہت مجروح نہیں ہوسکتی۔

تیسرا سبب یہ تھا کہ ابن اسحٰق غزوات کی روایت قبول کرنے میں محتاط نہ تھے۔ اس لیے امام مالک ان کے مغازی پر طعن کرتے تھے۔ ان کی احادیث کو اس جرح سے کوئی تعلق نہ تھا۔

علامہ ابن حبان لکھتے ہیں کہ مالک نے صرف ایک مرتبہ محمد بن اسحٰق کے بارے میں کہا تھا پھر ان کے رتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے تھے۔ مالک ان کی احادیث کی وجہ سے نہیں، بلکہ مغازی کی وجہ سے ان پر جرح کرتے تھے۔ کیونکہ ابن اسحٰق غزوہ خیبر وغیرہ کے حالات یہودیوں کی نومسلم اولادوں سے سنتے تھے، جن کو وہ اپنے بزرگوں سے سن کر بیان کرتے تھے۔ گو ابن اسحٰق ان بیانات سے حجت نہیں لاتے تھے، لیکن امام متقن کے علاوہ کسی سے روایت لینا جائز ہی نہ سمجھتے تھے۔ (۲)

بعض علماء کا بیان ہے کہ مالک کی جرح مغازی کی بناء پر بھی نہ تھی بلکہ بعض عقائد کی بناء پر تھی۔ عبدالرحمٰن بن عمرو النصری کا بیان ہے کہ میں نے وحیم کے سامنے ابن اسحٰق کے بارے میں مالک کی جرح کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا، یہ احادیث کی وجہ نہ تھی بلکہ اس لئے تھی کہ امام مالک انہیں قدر کے عقیدے سے متہم سمجھتے تھے۔ (۳)

بہرحال ان تمام روایات سے اتنا معلوم ہوگیا کہ امام مالک کی جرح کا سبب ابن اسحٰق کی بے اعتباری اور ان کا ضعف نہ تھا، بلکہ اس کے اسباب دوسرے تھے۔ اس لیے اس جرح سے ان کی مرویہ احادیث پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔ اسی لئے امام مالک کے علاوہ اور آئمہ اور علماء ان کی روایت قبول کرتے تھے۔ خود امام ابن حنبل جو عقیدہ کے تشدد میں امام مالک سے کم نہ تھے ابن اسحٰق کی روایات قبول کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کے جواب میں جس نے ابن اسحٰق کے بارے میں ان سے پوچھا تھا کہ میرے والد ان کی روایات جانچ کر قبول کرتے تھے او مسند میں لیتے تھے۔ لیکن سنن میں ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے۔ (۴)

امام مالک کے بعد ابن اسحٰق پر جرح کرنے والوں میں دوسرا نام ابن ہشام کا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہشام کو محض اس لئے لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے ان کی بیوی فاطمہ، بنت منذر سے بعض روایتیں کی ہیں۔ ہشام کہتے تھے کہ انہوں نے میری بیوی سے جو ایک پردہ نشین خاتون تھیں اور جن پر نو سال کی عمر سے موت تک کسی مرد کی نظر نہیں پڑھی، کیسے احادیث سنیں۔ لیکن جیسا کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ محض اس دلیل پر ابن اسحٰق کی روایات کو غلط کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ پردہ کی آڑ سے سن سکتے تھے۔

۱۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۴۸۴　　۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۹، ص ۴۵　　۳۔ تاریخ خطیب، ج ۱، ص ۲۲۴
۴۔ ایضاً، ص ۲۳۰

ابن حبان لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحٰق کے بارے میں ہشام اور مالک دو آدمیوں نے کلام کیا ہے۔ لیکن ہشام کے قول سے کوئی انسان بھی مجروح نہیں ہو سکتا۔ تابعین بغیر چہرے پر نظر ڈالے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے احادیث سنا کرتے تھے۔ اسی طریقہ سے ابن اسحٰق نے فاطمہ سے سنا ہوگا۔ (۱)

شیوخ:

ابن اسحٰق خاص شاگرد تو امام زہری کے تھے لیکن ان کے علاوہ بھی انہوں نے بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا تھا۔ چنانچہ ان کے شیوخ میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر ابن مالک، محمد بن ابراہیم تیمی، قاسم بن محمد بن ابی بکر، محمد بن جعفر بن زبیر، عاصم بن عمرو بن قتادہ، عباس بن سہل بن سعد، ابن منکدر، مکحول، ابراہیم بن عقبہ، حمید الطویل، سالم ابی النضر، سعید مقبری، سعید بن ابی ہند، ابی الزناد، عبد الرحمٰن بن اسود نخعی، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ ابن خالد، علاء بن عبد الرحمٰن وغیرہ جیسے اکابر علماء تھے۔ (۲)

تلامذہ:

خود ابن اسحٰق سے فیض اٹھانے والوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ ان میں بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں، جریر بن حازم، عبد اللہ بن سعید، ابن عون، ابراہیم بن سعد شعبہ سفیان، زہیر بن معاویہ، ابن ادریس، ابو عوانہ، عبد الاعلیٰ، عبدہ بن سلیمان، جریر بن عبد الحمید، اور زیاد البکائی وغیرہ۔ (۳)

سیرت و مغازی:

ابن اسحٰق کا اصل فن مغازی و سیرت تھا۔ اس کے وہ امام تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ مغازی اور سیرت کی معرفت میں حبر تھے۔ (۴)

امام شافعی کہتے تھے کہ جو شخص مغازی میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ ابن اسحٰق کا دست نگر ہے۔ (۵)

خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس علم کی طرف توجہ کی اور اس کو اتنا پڑھایا کہ ان کے بعد پھر کوئی اس پر اضافہ نہ کر سکا اور سلاطین اور امراء کی توجہ بے نتیجہ اور لایعنی قصص و حکایت سے تاریخ کی طرف پھیر دی۔

اسی طرح انہوں نے سب سے پہلے تاریخ کا مزاج پیدا کیا۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحٰق میں اور کوئی فضیلت نہ ہوتی کہ انہوں نے سلاطین کا مزاج بدل کر ان کی توجہ مشغولیت لا حاصل کتابوں سے رسول اللہ ﷺ کے مغازی آپ کی سنت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیر دی تو تنہا یہی کارنامہ اور اولیت کا یہ فخر ہی ان کی فضیلت کے لیے کافی تھا۔

ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں۔ لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا، (۶)

۱۔ تہذیب التہذیب، ج۹ ص۴۵ ۲۔ تہذیب التہذیب، ج۹ ص۳۸ ۳۔ ایضاً ص۳۹

۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱ ص۱۵۶ ۵۔ تاریخ خطیب، ج۱ ص۲۱۹ ۶۔ تہذیب التہذیب، ج۹ ص۴۴

خود امام زہری جن سے انہوں نے اس فن کو حاصل کیا، اس میں ان کی وسعتِ علم کے معترف تھے۔(۱)

تاریخ:

اگرچہ مغازی اور سیرت تاریخ ہی کی ایک شاخ ہے، لیکن اس کے علاوہ ابن اسحٰق تاریخ عالم کے بھی عالم تھے خطیب لکھتے ہیں کہ وہ سیرت، مغازی، ایام ناس، آغاز خلق اور قصص انبیاء کے عالم تھے۔(۲)

تصانیف:

انہوں نے تاریخ اور سیرت پر متعدد مستقل تصانیف کی تھیں۔ ابن ندیم لکھتے ہیں:

''وله لکتب الخلفاء رواه عنه الاموی کتاب السیرة والمبتداء والمغازی''(۳)

ان کی سب سے مشہور اور قدیم ترین کتاب سیرت ابن اسحٰق ہے۔ یہ کتاب صدیوں سے ناپید ہوگئی ہے، لیکن اس لحاظ سے اس کی روایات اب تک محفوظ ہیں کہ ابن ہشام کی سیرت کا سب سے بڑا ماخذ یہی ہے۔ اس لیے اس کی تمام روایتیں اس میں محفوظ ہوگئی ہیں۔ موجودہ سیرت ابن ہشام درحقیقت ابن اسحٰق کی سیرت کا مثنیٰ ہے۔

علامہ ابن اسحٰق نے یہ کتاب خلیفہ مہدی عباسی کے کسی لڑکے کے لئے لکھی تھی۔ اس کی تالیف کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ مہدی کے دربار میں گئے۔ اس وقت مہدی کا لڑکا بھی موجود تھا۔ مہدی نے ابن اسحٰق سے پوچھا، اس کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا امیر المومنین کے صاحبزادے ہیں مہدی نے فرمائش کی ان کے لئے ایک ایسی کتاب لکھو جس میں خلق آدم سے لے کر اس وقت تک کے حالات ہوں۔ اس حکم کے مطابق انہوں نے دوبارہ اس کو مختصر کیا اور پہلی کتاب مہدی کے کتب خانہ میں رکھ دی۔(۴)

عقیدہ قدر:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحٰق قدری تھے، لیکن کچھ روایات اس کے خلاف بھی ہیں۔ محمد بن عبداللہ بن نمیر کا بیان ہے کہ ابن اسحٰق قدر سے متہم کیے جاتے تھے۔ حالانکہ ان کو اس سے دور کا لگاؤ بھی نہ تھا۔(۵)

وفات:

ابتداء میں وہ مدینہ میں رہتے تھے، پھر یہاں کا قیام ترک کر کے کوفہ، جزیرہ اور رے وغیرہ مختلف مقامات پر پھرتے رہے۔ آخر میں بغداد چلے گئے تھے اور یہیں ۱۵۶ھ میں وفات پائی اور ہارون رشید کی ماں خیزران کے قبرستان میں دفن ہوئے۔(۶)(۷)

۱۔ تاریخ خطیب، ج ۱، ص ۲۱۹　　۲۔ ایضاً، ص ۴۵　　۳۔ فہرست ابن ندیم، ص ۱۳۶

۴۔ تاریخ خطیب، ج ۱، ص ۲۲۱　　۵۔ ایضاً، ص ۲۲۲　　۶۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۲۷

۷۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۳۱۹۔۳۲۴

۵۔یزید بن ابی حبیب: راجع:۲۰۷ ۶۔عراک: ایضا

۷۔حضرت نوفل رضی اللہ عنہ: راجع:۴۷۷ ۸۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: راجع:۱۱۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ انانوے (۸۹) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بغدادی اور آخری چار مدنی ہیں۔

☆ سند میں دو صحابی (نوفل، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) اور دو تابعی (یزید۔عراک) راوی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، سمعت، قال ایک ایک دفعہ، عنعنہ دو دفعہ اور صیغہ تحدیث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۴۷۷

۷۔مسائل ونصائح:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب مذکور کے تحت جو چار احادیث مبارکہ روایت کی ہیں، ان سے تین بنیادی مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

۱۔ سفر میں نماز عصر کی رکعتوں کا بیان

۲۔ روایات کے سند ومتن کا اختلاف

۳۔ نمازِ عصر کی اپنے وقت میں ادائیگی کی فضلیت:

۱۔سفر میں نمازِ عصر کی رکعتوں کا بیان:

مسافر عصر کی نماز قصر کر کے دو رکعتیں پڑھے گا، اس کی تفصیل باب نمبر۳ اور حدیث نمبر ۴۵۶ کے تحت گذر چکی ہے۔

۲۔روایات میں سند ومتن کا اختلاف:

حدیث نمبر ۴۷۷ اور حدیث نمبر ۴۷۸ میں راویوں حضرت جعفر بن ربیعہ اور حضرت یزید بن حبیب کا سند اور متن میں اختلاف ہے، اسی طرح حدیث نمبر ۴۷۹ میں حضرت محمد بن اسحاق اور حضرت لیث کا بھی سند ومتن میں اختلاف ہے۔اس بارے

میں شیخ محمد امین لکھتے ہیں:

یزید بن ابی حبیب اور جعفر بن ربیعہ حضرت عراک کے شاگرد ہیں۔ دونوں نے سند میں بھی اختلاف کیا ہے اور متن میں بھی سند کا اختلاف تو یہ ہے کہ یزید بن ابی حبیب کی روایت میں ہے کہ حضرت عراک کو یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت نوفل بن معاویہ یوں فرماتے تھے گویا عراک نے خود حضرت نوفل سے نہیں سنا ہے جب کہ جعفر بن ربیعہ کی روایت میں سماع اور تحدیث کی صراحت ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے عراک نے یہ روایت واسطے سے سنی ہو پھر براہ راست سن لی۔ اور دونوں طرح بیان کر دیا۔ متن میں اختلاف یہ ہے کہ جعفر کی روایت میں نماز عصر کی صراحت ہے جب کہ یزید بن ابی حبیب کی روایت میں ''کسی ایک نماز'' کا ذکر ہے ممکن ہے کہ حضرت نوفل کی روایت میں عصر کی صراحت نہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہو۔ پہلے حضرت عراک مبہم بیان کرتے ہوں گے، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صراحت کے بعد انہوں نے حضرت نوفل کی روایت میں بھی نماز عصر کی صراحت شروع کر دی ہو۔ واللہ اعلم۔ (۱)

نمازِ عصر کی ادائیگی اور دیگر امور کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کا لوٹایا جانا اور روکا جانا:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے علاوہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے متعدد بار سورج کو لوٹایا گیا اور روکا گیا ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الأَنْبِيَاءِ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ :لاَ يَتْبَعْنِي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا؟ وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا، وَلاَ أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا، وَلاَ أَحَدٌ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خَلِفَاتٍ وَهُوَ يَنْتَظِرُ وِلاَدَهَا، فَغَزَا فَدَنَا مِنَ القَرْيَةِ صَلاَةَ العَصْرِ أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ :إِنَّكِ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ اللَّهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا، فَحُبِسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ، فَجَمَعَ الغَنَائِمَ، فَجَاءَتْ يَعْنِي النَّارَ لِتَأْكُلَهَا، فَلَمْ تَطْعَمْهَا فَقَالَ :إِنَّ فِيكُمْ غُلُولًا، فَلْيُبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ :فِيكُمُ الغُلُولُ، فَلْيُبَايِعْنِي قَبِيلَتُكَ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلاَثَةٍ بِيَدِهِ، فَقَالَ :فِيكُمُ الغُلُولُ، فَجَاءُوا بِرَأْسٍ مِثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ، فَوَضَعُوهَا، فَجَاءَتِ النَّارُ، فَأَكَلَتْهَا ثُمَّ أَحَلَّ اللَّهُ لَنَا الغَنَائِمَ رَأَى ضَعْفَنَا، وَعَجْزَنَا فَأَحَلَّهَا لَنَا "(۱)

۱۔ سنن نسائی، ج ۱، ص ۴۶۹۔۵۷۰

۲۔ ا۔ بخاری، کتاب فرض الخمس، رقم ۳۱۲۴، ص ۲۵۱

اا۔ ایضاً، کتاب النکاح، رقم ۵۱۵۷، ص ۱۰۸۴

ااا۔ مسلم، کتاب الجہاد، رقم ۴۵۵۵، ص ۹۸۷

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی نے جہاد کیا (جہاد کا ارادہ کیا) تو اپنی قوم سے کہا کہ: وہ شخص میرے ساتھ نہ چلے، جس نے حال ہی میں نکاح کیا ہو، اور وہ اس کے ساتھ سہاگ رات منانا چاہتا ہو، اور ابھی تک اس نے بیوی کے ساتھ رات نہ گذاری ہو۔ اسی طرح وہ بھی میرے ساتھ نہ چلے، جس نے گھر بنانا شروع کیا ہو اور ابھی تک اس کی چھتیں نہ اٹھائی ہوں۔ نہ وہ شخص میرے ساتھ چلے جس نے مویشی اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور ان کے ہاں بچوں کی پیدائش کا منتظر ہو (کہ ان باتوں میں مشغولیت کی وجہ سے ذہن انہیں میں اٹکا رہتا ہے اور جہاد کیلیے جس یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے وہ ناپید ہوتی ہے)۔ پھر انہوں نے جنگ کی، عصر کی نماز کے وقت یا اس کے قریب قریب وہ اس بستی کے قریب پہنچ گئے جسے فتح کرنا تھا تو انہوں نے سورج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: ''بلاشبہ تو بھی (اللہ کے) حکم کا پابند ہے اور میں بھی اس کے حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ! سورج کی گردش ہمارے لیے روک دے''۔ پس اس کی گردش روک دی گئی، یہاں تک کہ اللہ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔ فتح کے بعد انہوں نے اموال غنیمت جمع کئے اور انہیں لے کر (حسبِ روایت) آگ کے قریب آئے، تاکہ اس میں ڈال دیں اور وہ اسے کھالے۔ لیکن آگ نے مال نہیں کھایا۔ اس پر انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: تمہارے درمیان کوئی خائن شخص ہے (جس کی خیانت کی وجہ سے مال غنیمت کو آگ قبول نہیں کر رہی)۔ لہٰذا ہر قبیلہ میں سے ایک فرد میرے ہاتھ پر بیعت کرے، پھر (جب بیعت ہوئی تو جس قبیلہ کے آدمی نے خیانت کی تھی) اس قبیلے کے آدمی کا ہاتھ نبی علیہ السلام کے ہاتھ سے چپک گیا۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: کہ تمہارے اندر ہی خیانت ہے، لہٰذا تمہارا پورا قبیلہ میرے ہاتھ پر بیعت کرے، پھر دو یا تین آدمیوں سے ہی ہاتھ ملایا تھا، کہ فرمایا: تمہارے اندر ہی خیانت ہے۔ چنانچہ وہ لوگ گائے کے سر کے برابر سونا لے کر آئے (جو انہوں نے چھپا لیا تھا)۔ جب رکھ دیا پھر آسمان سے ایک آگ آئی اور اس نے سارا مال غنیمت کھالیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے (امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) کے لیے مال غنیمت حلال فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف اور کمزوری و عجز کو دیکھا تو مال غنیمت کا مال ہمارے لیے حلال قرار دیا۔

ا۔ مسائل ونصائح:

☆ یہ نبی حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی ملاقات کے لیے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کا میدان تیہ میں انتقال ہو گیا تھا۔ پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کا ہوا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہوا۔ (۱)

☆ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا تو چالیس سال میدان تیہ میں رہنے کی مدت پوری ہو گئی۔ تو حضرت یوشع بن

ا۔ نزہۃ القاری، ج ۴، ص ۲۳۱

نون علیہ السلام منصب نبوت پر فائز ہوئے۔اور انہیں جبارین سے قتال کا حکم ہوا۔انہوں نے بنی اسرائیل کو بتایا، انھوں نے انکی تصدیق کی اور بیعت کی۔حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر جبارین سے قتال کے لیے چلے اوران کے شہر کا سولہ ماہ تک محاصرہ کیے رہے۔سترہویں مہینے قرنا کو پھونکنا شروع کیا، جس سے دشت وجبل گونج اٹھے اور شہر پناہ ٹوٹ گئی۔اب حضرت یوشع علیہ السلام مجاہدین کے ساتھ شہر میں داخل ہوئے اور جبارین کو قتل کرنا شروع فرمایا۔یہ جمعہ کا دن تھا۔ ان کے قتل کے بعد بھی کچھ بچ رہے تھے، یہاں تک کہ عصر کا وقت اخیر ہو گیا ہفتے کے دن قتال ان کی شریعت میں جائز نہیں تھا۔اس لیے سورج سے فرمایا۔(۱)

☆ حضرت یوشع علیہ السلام جمعہ کے دن عصر کے وقت پہنچے تھے، اس لیے دعا فرمائی۔یہ بستی اریحا بیت المقدس تھی۔(۲)

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے علاوہ کسی بشر کے لیے سورج نہیں رکا۔وہ جب بیت المقدس کی طرف جہاد کے لیے گئے، اس وقت ان کے لیے رکا تھا۔(۳)

کتب تفسیر اور احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے انبیائے کرام کے لیے بھی سورج رکا ہے:

اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو لے کر چلنے کا حکم دیا تو یہ بھی فرمایا: کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت ہمراہ لیتے جانا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا: کہ فجر کے وقت نکلیں گے، مگر یہ معلوم نہیں تھا، کہ وہ مبارک تابوت کہاں ہے، اور فجر طلوع ہونے کے قریب ہوگئی مگر پتہ نہیں چلا تو اللہ عزوجل سے دعا فرمائی: کہ طلوع فجر موخر فرمادے، یہاں تک کہ تابوت کو حاصل کرلیا۔(۴)

☆ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ "ردوھا علی" کے بارے میں پوچھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جہاد کا ارادہ فرمایا، اس کے لیے گھوڑوں کا معائنہ فرمارہے تھے کہ سورج ڈوب گیا، تو سورج پر جو فرشتے موکل ہیں، انہیں حکم دیا: "ردوھا علی" کہ سورج کو لوٹاؤ۔فرشتوں نے سورج کو لوٹایا، یہاں تک کہ انہوں نے عصر پڑھ لی۔(۵)

☆ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا: کہ غزوہ خندق کے موقعہ پر ایک دن نماز عصر قضا ہو گئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج لوٹایا گیا۔امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اسے روایت فرمایا اور فرمایا اسکے راوی ثقہ ہیں۔(۶)

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار سورج کو حکم دیا، تو وہ تھوڑی دیر تک رکا رہا۔(۷)

☆ شب معراج واپسی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے قریب ضجنان میں ایک قافلہ ملا تھا، جب مکہ معظمہ پہنچ گئے تو اہل مکہ کو خبر دی، کہ ابھی تمہارا قافلہ تنعیم کی ثنیۃ البیضاء سے آئے گا جس کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے، جس کے اوپر دو بوریاں ہیں:

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۱۵، ص ۴۲۔۴۳
۲۔ فتح الباری، ج ۶، ص ۲۲۱
۳۔ مسند احمد، ابو ہریرہ، رقم ۸۳۳۵، ج ۲، ص ۳۲۵
۴۔ نزہۃ القاری، ج ۴، ص ۲۲۲
۵۔ فتح الباری، ج ۶، ص ۲۲۲
۷۔ عمدۃ القاری، ج ۱۵، ص ۴۳

ایک کالی دوسری نیلی۔ مکے والے اس گھاٹی کی طرف بڑھے تو انہیں اسی طرح قافلہ ملا۔ امام سدی نے کہا: اس قافلے کے آنے سے پہلے سورج نکلنے والا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور سورج رک گیا۔(۱)

☆ منزل صہبا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز قضا ہونے پر سورج کا لوٹنا بہت مشہور و معروف ہے۔(۲)

☆ ''انك مامورۃ'' حضرت یوشع بن نون علیہ الصلاۃ والسلام کا سورج سے یہ خطاب فرمانا اس کی دلیل ہے کہ سورج میں ادراک اور تمیز ہے وہ سنتا اور سمجھتا ہے۔(۳)

☆ فلم تطعمه۔ اگلی امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ جنگ کے بعد سارا مال اکٹھا کیا جاتا۔ من جانب اللہ آگ آتی اور سب کو کھا جاتی۔ اگر یہ آگ نہ آتی یا آتی مگر مال غنیمت کو کھاتی نہیں، تو یہ اس کی علامت تھی کہ یہ جہاد مقبول نہیں، یا مال غنیمت میں چوری کی گئی ہے۔ یہ جہاد ایک نبی کی سرکردگی میں ہوا تھا، اس لیے اس کے غیر مقبول ہونے کا کوئی سوال نہیں، اس وجہ سے حضرت یوشع بن نون علیہ الصلاۃ والسلام نے متعین فرمادیا: کہ مال غنیمت میں چوری ہوئی ہے۔(۴)

☆ انبیاء سابقین میں سے جس نبی علیہ السلام کی دعا سے سورج کے ٹھہرنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اس سے مراد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ہیں جیسا کہ امام حاکم نیشاپوری نے کعب بن الاحبار سے روایت کیا ہے، اور اس کی اصل ایک حدیث ہے، جس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورج کو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے سوا کسی بشر کے لیے نہیں ٹھہرایا گیا، اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خطیب بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''ایک قوم نے حضرت یوشع علیہ السلام سے سوال کیا کہ وہ انہیں لوگوں کے پیدا ہونے اور مرنے کے اوقات سے مطلع کر دیں، حضرت یوشع علیہ السلام نے ان کو بارش کے پانی میں تاریخیں دکھا دیں۔ سو ان میں سے ہر شخص کو علم تھا کہ وہ کب مرے گا اور وہ اس کیفیت پر قائم رہے، یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان کے کفر کی بنا پر ان سے جہاد کیا تو ان لوگوں نے حضرت داؤد علیہ السلام سے لڑنے کے لیے ان لوگوں کو بھیجا جن کی موت ابھی نہیں آئی تھی، سو اس جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھی تو قتل ہو جاتے تھے اور وہ لوگ قتل نہیں ہوتے تھے۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سورج کے ٹھہرانے کی دعا کی اور سورج ٹھہرا دیا، اور دن بہت بڑا ہو گیا، پھر ان پر دن اور رات کا حساب مشتبہ ہو گیا، کیونکہ دن اور رات غیر متوازن ہو گئے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کو حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے ٹھہرایا گیا تھا۔ اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے سوا کسی بشر کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خطیب کی اس روایت کی سند بہت ضعیف ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے متعلق حدیث روایت کی ہے، وہ اس

۱۔ فتح الباری، ج۶ ص۲۲۲　　۲۔ عمدۃ القاری، ج۱۵ ص۴۳　　۳۔ ایضاً
۴۔ نزہۃ القاری، ج۴ ص۲۲۳　　۵۔ ایضاً ص۲۲۳۔۲۲۴

سے اولیٰ ہے، کیونکہ اس حدیث کے راوی وہ ہیں جن سے صحاح میں بھی روایات ہیں، اس لیے صحیح اور معتمد یہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے سوا اور کسی شخص کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا، البتہ اس پر اعتراض ہوگا کہ ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت لائیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس تابوت کو تلاش کرتے رہے، حتیٰ کہ طلوع فجر کا وقت آگیا اور انہوں نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا، کہ وہ طلوع فجر ہوتے ہی اس تابوت کو لے آئیں گے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی: کہ وہ طلوع فجر کو موخر کردے، حتیٰ کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملے سے فارغ ہوجائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوگیا" اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی سورج کو ٹھہرایا گیا، پھر حضرت یوشع علیہ السلام کے حق میں یہ حصر کس طرح صحیح ہوگا کہ صرف ان کے لیے سورج کو ٹھہرایا گیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے تو نفس سورج کو ٹھہرایا گیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طلوع فجر کو موخر کیا گیا تھا اور یہ اس حصر کے منافی نہیں ہے۔ (۱)(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو ٹھہرانا اور سورج کو لوٹانا:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی نے جہاد کیا۔ امام ابن اسحاق نے کہا: یہ نبی سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام تھے اور سورج کی صرف ان کے لیے ٹھہرایا گیا اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج ٹھہرانے کی اصل یہ ہے کہ جب شب معراج کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس سے واپس آرہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضجنان میں بنوفلاں کا ایک قافلہ ملا، اور جب آپ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس کی خبر دی اور فرمایا: اب وہ قافلہ التنعیم البیضاء کی گھاٹی میں پہنچ چکا ہے اس قافلہ کے آگے ایک خاکی رنگ کا اونٹ ہے، اس پر دو بوریاں لدی ہوئی ہیں ایک سیاہ رنگ کی ہے اور دوسری دھاری دار ہے، پھر لوگ جلدی جلدی اس گھاٹی پر پہنچے تو وہاں پر انہوں نے ایسا ہی قافلہ پایا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی تھی۔

سدی نے بیان کیا ہے کہ اس قافلہ کے پہنچنے سے پہلے سورج غروب ہونے والا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سورج کو ٹھہرالیا، حتیٰ کہ جس طرح آپ نے بیان فرمایا تھا، اس کے مطابق وہ قافلہ پہنچ گیا۔ امام ابن اسحاق نے کہا ہے کہ کسی کے لیے سورج کو نہیں ٹھہرایا گیا صرف آپ کے لیے اس دن سورج کو ٹھہرایا گیا اور حضرت یوشع بن نون کے لیے سورج کو ٹھہرایا گیا، اسطرح امام بیہقی نے روایت کیا ہے (۳)

۱۔ فتح الباری، ج ۶، ص ۲۲۲ ۲۔ قصص الحدیث (مقالہ Phd)، ص ۴۷۲۔۴۷۵ قصہ نمبر ۹۲

۳۔ سنن بیہقی، ج ۶، ص ۲۹۰، المستدرک، ج ۳، ص ۱۳۹

علامہ عینی فرماتے ہیں: سورج کو غزوہ خندق کے دن بھی ٹھہرایا گیا تھا، جب آپ ﷺ عصر کی نماز کے وقت خندق میں مشغول رہے اور سورج غروب ہو گیا تو آپ نے عصر کی نماز پڑھ لی، اس کا قاضی عیاض نے اکمال میں ذکر کیا ہے، امام طحاوی نے کہا: اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طلوع فجر کو موخر کیا گیا، کیونکہ اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہوں اور آپ کو یہ بھی حکم دیا تھا کہ آپ حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت ساتھ لے کر جائیں اور تابوت کی نشان دہی نہیں کی گئی حتیٰ کہ فجر طلوع ہونے والی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کیا تھا کہ فجر طلوع ہوتے ہی وہ ان کو لے کر روانہ ہوں گے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ وہ طلوع فجر کو موخر کر دے حتیٰ کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کو تلاش کرنے سے فارغ ہو جائیں، سو اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا، اس کا ذکر بھی امام ابن اسحاق نے المبتداء میں یحییٰ بن عروہ از والد خود کی روایت سے کیا ہے۔

امام الضحاک نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ایسا واقعہ ہوا ہے:

امام حاکم نے حضرت اسماء بنت عمیس سے یہ روایت کی ہے کہ نبی ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے، حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، پھر جب نبی ﷺ بیدار ہوئے تو حضرت علی نے کہا: یارسول اللہ! میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تو نبی ﷺ نے دعا کی اے اللہ! بے شک تیرا بندہ علی تیرے نبی کی خدمت میں مصروف تھا تو اس کے اوپر سورج کو لوٹا دے! حضرت اسماء بیان کرتی ہیں کہ پھر سورج پہاڑوں پر اور زمین پر طلوع ہو گیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھی، یہ واقعہ مقام صہبا میں ہوا تھا، اور امام طحاوی نے اس کو مشکل الآثار میں ذکر کیا ہے۔(۱)

علامہ عینی نے امام طحاوی سے نقل کیا ہے کہ ہر عالم کو حضرت اسماء بنت عمیس کی حدیث کو حفظ کر لینا چاہیے کیونکہ اس میں علامت نبوت کا بیان ہے اور علامہ ابن جوزی نے اس حدیث پر جو اعتراض کیا ہے، اس کی طرح التفات نہیں کرنا چاہیے۔(۲)

سورج کو ٹھہرانے اور لوٹانے میں مسند احمد کی روایت سے تعارض کا جواب:

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی نے بھی اس کے ثبوت میں احادیث کو ذکر کیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کے لیے بھی سورج کو ٹھہرایا گیا ہے جیسا کہ شام سے قافلہ آنے کی حدیث میں ہے اور آپ کے لیے سورج کو غروب ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کے لیے لوٹایا بھی گیا ہے جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس کی حدیث میں ہے، نیز حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سورج کو کسی بشر کے

۱۔ المعجم الکبیر: ۳۹۰، ج ۲۴، ص ۱۵۰، مشکل الآثار للطحاوی: ۳۸۵۰، ج ۴، ص ۲۶۸، مختصر تاریخ دمشق، ج ۱۷، ص ۳۴۸، سبل الہدیٰ والرشاد، ج ۹ ص ۴۳۵۔ ۴۴۳۹۔ عمدۃ القاری، ج ۱۵، ص ۵۹

لیے نہیں ٹھہرایا گیا سوائے حضرت یوشع بن نون کے، جن راتوں میں وہ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ الحدیث (۱)

اور یہ حدیث ان حدیثوں کے معارض ہے جن میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج کو ٹھہرانے کا ثبوت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مسند احمد کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ انبیاء سابقین میں سے کسی نبی کے لیے سورج کو ٹھہرایا سوائے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لہذا یہ حدیث ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج ٹھہرانے کے خلاف نہیں ہے۔

علامہ ابن جوزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سورج ٹھہرانے کی حدیث کو موضوعات میں درج کر کے خطاء کی ہے، اسی طرح ابن تیمیہ نے حضرت علی کے لیے سورج لوٹانے کی حدیث کو کتاب الرد علی الروافض میں موضوع قرار دیا ہے، سو یہ ابن تیمیہ کی خطاء ہے۔ (۲)(۳)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

چاروں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

حالتِ سفر میں نمازِ عصر قصر کی جائے گی، اور یہ چار کی بجائے دو رکعتیں فرض پڑھی جائیں گی۔

حدیث نمبر ۴۷۷۔۴۷۹ بطریقہ استنباط استدلال:

بظاہر ان تینوں احادیث مبارکہ میں سفر میں نمازِ عصر کی دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، جس سے مترشح ہوتا ہے، کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق استنباط ان روایات سے استدلال فرمایا ہے، جو حسب ذیل ہے:

نمازِ عصر کے فوت ہونے پر وعید کا بیان:

تینوں احادیث مبارکہ میں نمازِ عصر کے فوت ہونے پر وعید کا بیان ہے، چونکہ حالتِ سفر میں عصر کا وقت ایسا وقت ہے، جس میں مسافر منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے جلدی میں ہوتا ہے، اس لیے نمازِ عصر کا خصوصی طور پر ذکر کیا ہے، کہ کہیں مسافر اس سے غفلت نہ برتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم السلام حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کا لوٹایا جانا:

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے لیے سورج کو لوٹایا اور روکا، اس کی توضیح مختصر حسب ذیل ہے:

☆ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غزوہ خندق کے دن سورج کو لوٹایا گیا، اور سفر معراج سے واپسی والے دن سورج کو غروب ہونے سے روکا گیا۔

۱۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۳۲۵　۲۔ فتح الباری، ج ۴، ص ۴۰۱　۳۔ نعمۃ الباری، ج ۶، ص ۹۵۔۹۷

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تابوت یوسف علیہ السلام کی تلاش کے لیے سورج کو طلوع ہونے سے روکا گیا۔

☆ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے فتح بیت المقدس کے وقت نمازِ عصر کی ادائیگی کے لیے سورج کو روک دیا گیا۔

☆ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نمازِ عصر کے لیے سورج کو لوٹایا گیا،

☆ مقام صہبا پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نماز عصر قضاء ہونے پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج کو لوٹایا۔

بَابُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ — باب ۱۸: نمازِ مغرب کی رکعتیں

نمازِ مغرب کی سفر واقامت میں تین رکعتیں ہیں، اور یہ دن کے وتر ہیں، اس باب میں نمازِ مغرب کی تین رکعتیں ہونے کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں حالتِ سفر میں نماز عصر کی رکعتوں کا بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ مغرب کی رکعتوں کا بیان ہے۔

۴۸۰۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ :رَأَيْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ بِجَمْعٍ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى يَعْنِي الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ صَنَعَ بِهِمْ مِثْلَ ذَلِكَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ، وَذَكَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ ذَلِكَ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ

حضرت سلمہ بن کہیل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:
میں نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مزدلفہ میں دیکھا؛ آپ رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی، اور نمازِ مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں، پھر اقامت کہی اور نمازِ عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں، پھر فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس جگہ ان کو ایسے ہی نمازیں پڑھائی تھیں اور فرمایا تھا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ ایسے ہی کیا تھا۔

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے مزدلفہ میں مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں۔

۲۔ اطراف:

تقدیم: ۴۸۲، ۴۸۳، ۶۰۵، ۳۰۳۰، مسلم: ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ابوداؤد: ۱۹۳۰، ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ترمذی: ۸۸۸، احمد: ۵۵۳۹، تحفۃ الاشراف: ۷۰۵۲

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔محمد بن عبدالاعلی: راجع: ۵ ۲۔خالد: راجع: ۱۴۵

۳۔شعبہ: راجع: ۱۱۰ ۴۔سلمہ بن کہیل: راجع: ۳۱۱

۵۔سعید بن جبیر: راجع: ۳۴۵ ۶۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: راجع: ۱۱۷

۴۔حکم روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے،

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایتِ سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اٹھانوے (۱۹۸) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت محمد بن عبدالاعلی سے امام بخاری بالکل روایت نہیں کرتے، جبکہ امام ابوداؤد نے ''کتاب القدر'' میں روایت کیا ہے۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری، حضرت سعید کوفی اور حضرت عبداللہ بن عمر مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (سلمہ) کی دوسرے تابعی (سعید) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر فقہاء عبادلہ اربعہ اور مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، آپ سے دو دو ہزار چھ سو تیں (۲۶۳۰) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، عنعنہ اور رأیت ایک ایک دفعہ، جبکہ حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

رایت: میں نے دیکھا۔

جمع: مقامِ مزدلفہ

اقام: آپ نے اقامت کہی۔

صلی: آپ نے نماز پڑھی

ثلاث رکعات: تین رکعات

رکعتین: دو رکعتیں

منع بھم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ کیا، یعنی نمازیں پڑھائیں

ذلك المكان: اس جگہ، یہ جگہ

مثل ذلك: اسی طرح

۷۔ مسائل ونصائح:

علامہ یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جمع، جیم کے فتح اور میم کے سکون کے ساتھ ہے، یہ مقام مزدلفہ کا اسم ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ لوگ یہاں پر جمع ہوئے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے: کہ یہاں پر نمازیں جمع کر کے پڑھی جاتی ہیں، اس لیے اس کو جمع کہتے ہیں۔(۱)

شیخ محمد عطا اللہ حنیف امرتسری لکھتے ہیں:

جمع مقام مزدلفہ کا نام ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام جب جنت سے نکلے، تو زمین پر اس جگہ ان کی ملاقات ہوئی تھی۔(۲)

سفر وحضر میں نمازِ مغرب کی تین رکعتوں کا ہونا:

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس حدیث مبارکہ میں دلیل یہ ہے کہ مغرب کی ہمیشہ تین ہی رکعتیں پڑھی جائیں گی، اور اس میں قصر نہیں ہے، اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ نماز عشاء اور چار رکعتوں والی میں قصر کرنا ہی افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۳)

میثاق آدم علیہ السلام اور اس کا مقام:

مزدلفہ کو جمع کہنے کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس جگہ پر بنو آدم علیہ السلام کو جمع کر کے میثاق لیا گیا تھا، اس میثاق کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۷۲۔۱۷۴ میں موجود ہے، اس بارے میں علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتَ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۔(۴)

اور یاد کیجئے جب آپ کے رب نے بنو آدم علیہ السلام کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو خود ان کے حکموں پر گواہ کرتے ہوئے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم (اس پر) گواہی دیتے ہیں، (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تاکہ

۱۔ تہذیب الاسماء واللغات، ج۳، ص۵ ۲۔ التعلیقات السلفیہ، ج۱، ص۵۶

۳۔ المنہاج فی شرح مسلم بن الحجاج، ص۸۱۰ ۴۔ الاعراف ۷: ۱۷۲۔۱۷۴

قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے یا تم یہ (نہ) کہہ سکو کہ شرک تو ابتداء ہمارے اباء نے کیا تھا اور ہم اس کے بعد کی اولاد ہیں، کیا تو باطل پرستوں کے فعل کی وجہ سے ہمیں ہلاک کرے گا؟ اور ہم اسی طرح تفصیل سے آیتیں بیان کرتے ہیں تا کہ وہ حق کی طرح لوٹ آئیں۔

بنو آدم سے میثاق لینے کے متعلق احادیث:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت کے متعلق میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا پھر اس پشت سے اولاد نکالی پھر فرمایا ان کو میں نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے۔ پھر ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور ان سے ایک اور اولاد نکالی اور فرمایا میں نے ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ اہل دوزخ کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! پھر عمل کس چیز میں ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ جب کسی بندہ کو جنت کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل جنت کے عمل کراتا ہے، حتیٰ کہ وہ شخص اہل جنت کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لیے پیدا کرتا ہے تو اس سے اہل دوزخ کے عمل کراتا ہے حتیٰ کہ وہ اہل دوزخ کے اعمال پر مرتا ہے پھر اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر (ہاتھ) پھیرا تو ان کی پشت سے ان کی اولاد کی وہ تمام روحیں جھڑ گئیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا تھا، اور ان میں سے ہر انسان کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک تھی، پھر وہ سب روحیں آدم پر پیش کی گئیں۔ حضرت آدم نے کہا اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد ہیں۔ حضرت آدم نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان کی چمک ان کو بہت پیاری لگی۔ پوچھا اے رب یہ کون ہے؟ فرمایا یہ تمہاری اولاد کی آخری امتوں میں سے ایک شخص ہے اس کا نام داؤد ہے۔ کہا اے رب! آپ نے اس کی کتنی عمر رکھی ہے؟ فرمایا ساٹھ سال کہا اے میرے رب! میری عمر میں سے اس کے چالیس سال زیادہ کر دے۔ جب حضرت آدم کی عمر پوری ہوگئی تو ان کے پاس ملک الموت آیا۔ حضرت آدم نے کہا کیا ابھی میری عمر میں سے چالس سال باقی نہیں ہیں! انہوں نے کہا کیا آپ نے یہ چالیس اپنے بیٹے داؤد کو نہیں عطا کیے تھے پس حضرت آدم نے انکار کر دیا تو ان

۱۔ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۶، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: ۴۷۰۳، موطا امام مالک رقم الحدیث: ۱۶۶۱، مسند احمد، ج ۱، ص ۳۱۱، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۱۶۶، الشریعہ للآجری، رقم الحدیث: ۷۰، کتاب الاسماء والصفات، للبیہقی ص ۳۲۵، المستدرک، ج ۱، ص ۲۷، ج ۲، ص ۳۲۴، ج ۲، ص ۵۴۴، التمہید لابن عبد البر، ج ۲، ص ۳-۲

کی اولاد نے بھی انکار کر دیا۔ اور آدم بھول گئے تو ان کی اولاد بھی بھول گئی اور حضرت آدم نے (اجتہادی) خطا کی تو ان کی اولاد نے بھی خطا کی۔ (۱)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان سے میثاق لیا، ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو ان کی اولاد کو چیونٹوں کی مانند نکالا، پھر ان کی مدت حیات، ان کا رزق اور ان کے مصائب لکھ دیے اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ کیا اور فرمایا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا کیوں نہیں! (۲)

محمد بن کعب القرظی نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ روحوں کو ان کے اجسام سے پہلے پیدا کیا۔ (۳)

میثاق لینے کا مقام:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرتے ہی ان کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے عہد لیا تھا۔ امام ابن ابی حاتم، امام ابن مندہ اور امام ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور امام ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا اور اس سے ہر اس روح کو نکالا جس کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے۔ (۴)

امام احمد، امام النسائی، امام ابن جریر، امام ابن مردویہ، امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء الصفات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یوم عرفہ کے دن وادی نعمان میں آدم علیہ السلام کی پشت سے میثاق لیا اور ان کی پشت سے تمام اولاد کو نکالا اور فرمایا کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں؟۔ (۵)

علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی نے لکھا ہے کہ جس جگہ میثاق لیا گیا تھا اس کی تعیین میں اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں چار اقوال ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت ہے کہ یہ میثاق عرفہ کی ایک جانب وادی نعمان میں لیا گیا تھا اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ سرزمین ہند میں جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو اتارا گیا تھا وہیں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا کلبی سے روایت کیا ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ پر یہ میثاق لیا گیا تھا اور یہ کہ جب آدم کو جنت سے آسمان دنیا کی طرف سے اتارا گیا تو وہاں ان سے یہ میثاق لیا گیا تھا۔ (۶)

۱۔ سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۰۸۷، جامع البیان، ج ۹ ص ۵۵ تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم، ج ۵ ص ۱۶۱۴

۲۔ جامع البیان، جز ۹ ص ۱۵۰　　۳۔ جامع البیان، ج ۹ ص ۵۷، الدرالمنثور، ج ۳ ص ۵۹۹

۴۔ الدرالمنثور، ج ۳ ص ۶۰۱، جامع البیان، ج ۹ ص ۱۴۹　　۵۔ الدرالمنثور، ج ۳ ص ۶۰۱　　۶۔ الجامع الاحکام القرآن، ج ۷، ص ۲۸۳

میثاق حضرت آدم کی پشت سے ذریت نکال کر لیا گیا تھا یا بنو آدم کی پشتوں سے:

قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے بیٹوں کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لیا اور احادیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکال کر یہ میثاق لیا۔ اور بہ ظاہر یہ تعارض ہے۔ علامہ آلوسی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں جو بنی آدم مذکور ہے اس سے مراد حضرت آدم اور ان کی اولاد ہیں۔ اور اولاد کو ان کی پشتوں سے نکالنے کا معنی یہ ہے کہ بعض لوگ بعض لوگوں سے اپنے اپنے زمانہ میں پیدا ہوتے رہیں اور حدیث میں صرف حضرت آدم کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ حضرت آدم اصل ہیں اور اصل کا ذکر کرنے کے بعد فرع کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ اصل کا ذکر فرع کے ذکر سے مستغنی کر دیتا ہے، اور حدیث میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت پر ہاتھ پھیرا اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ ہاتھ پھیرنے والا فرشتہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے اسناد کر دیا کہ وہ حکم دینے والا ہے۔ علامہ آلوسی نے یہ جواب علامہ بیضاوی سے نقل کیا ہے)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ حدیث کا یہ معنی نہیں ہے کہ تمام اولاد کو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے بالذات نکالا، بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جو اولاد ان سے بالذات اور براہ راست پیدا ہوئی اس کو نکالا پھر ان کے بیٹوں کی پشت سے ان کی براہ راست پیدا ہونے والی اولاد کو نکالا اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام مظہر اصل تھے اس لیے کل اولاد کا اسناد ان کی طرف کر دیا، خلاصہ یہ ہے کہ تمام اولاد کو تفصیلاً حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی پشت سے نکالا گیا اور اجمالاً حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالا گیا۔ قرآن مجید میں تفصیلاً بیٹوں کی پشت سے تمام اولاد کو نکالنے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم کی پشت سے تمام اولاد کو اجمالاً نکالنے کا ذکر ہے۔

امام رازی نے یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ دو مرتبہ میثاق لیا گیا ہو ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو اور دوسری بار ان کے بیٹوں کی پشت سے اولاد کو نکال کر میثاق لیا گیا ہو، قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کی پشتوں سے اولاد کو نکال کر میثاق لینے کا ذکر ہے اور حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے اولاد کو نکال کر ان سے میثاق لینے کا ذکر ہے۔

میثاق کے حجت ہونے پر ایک اور اشکال کا جواب:

اس آیت میں یہ فرمایا ہے: (یہ گواہی اس لیے لی ہے) تا کہ قیامت کے دن تم یہ (نہ) کہہ دو کہ ہم اس سے بے خبر تھے اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اگر یہ اقرار اضطراری تھا بایں طور پر ان پر حقیقت واقعی منکشف کر دی گئی تھی اور انہوں نے عین الیقین سے مشاہدہ کر لیا تھا تو ان کے لیے جائز ہو گا کہ وہ قیامت کے دن یہ کہہ دیں کہ ہم نے اس وقت اقرار کیا تھا جب ہم پر یہ حقیقت منکشف کر دی گئی تھی اور جب ہم سے یہ انکشاف زائل کر دیا گیا اور ہم کو ہماری آراء کے حوالے کر دیا گیا تو ہم میں سے بعض صحت

اور صواب کو پہنچنے اور بعض سے خطا ہوئی اور اگر انہوں نے اس دن نظر اور فکر سے استدلال کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید سے صحت اور صواب کو پہنچ کر اقرار کیا تھا تو وہ قیامت کے دن یہ کہہ سکتے ہیں جس طرح پہلے دن ہماری نصرت اور تائید کی گئی تھی اگر بعد میں بھی ہمیں یہ نصرت اور تائید حاصل ہوتی تو بعد میں بھی ہم اسی طرح اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے اور شرک نہ کرتے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جوان سے اپنی ربوبیت کا میثاق لیا تھا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ایسی عقل اور بصیرت رکھ دی تھی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور معرفت کے ادارک پر قادر تھے۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ اقرار اضطراری تھا اور حقیقت واقعی ان پر منکشف کر دی گئی تھی۔ لیکن ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ دنیا میں جسمانی تولد کے بعد ان کو ان کی آراء کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ ان سے کہا جائے گا کہ اے جھوٹو تم کو تمہاری آراء کے حوالے کب کیا گیا تھا کیا ہم نے تمہارے پاس اپنے نبی اور رسول نہیں بھیجے تھے جو تم کو خواب غفلت سے جگا رہے تھے اور تم کو اس عہد اور میثاق کی یاد دلا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر اور اپنے رسولوں کے صدق پر دلائل قائم کر دیے ہیں اور جب رسول نے یہ بتادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ازل میں یہ میثاق لیا تھا اور ان کا صدق معجزہ سے ثابت ہو چکا ہے تو اب جو شخص اس میثاق سے انکار کرے گا وہ معاند ہوگا اور اس عہد کا توڑنے والا ہوگا اور مخبر صادق کی خبر کے بعد اس کے بھول جانے اور یاد نہ رہنے کا عذر معتبر نہیں ہوگا۔ کیا یہ میثاق کسی کو یاد ہے؟

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

ذی النون سے پوچھا گیا کہ آپ کو یہ میثاق یاد ہے؟ انہوں نے کہا گویا کہ اب بھی میرے کانوں میں اس عہد اور میثاق کی آواز آرہی ہے۔ اور بعض عارفین نے یہ کہا کہ لگتا ہے کہ یہ میثاق کل لیا گیا تھا (۱)

نبی ﷺ کا اصل کائنات ہونا:

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض اہل اللہ نے یہ کہا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کے ذروں کو نکالا گیا تو سب سے پہلے نبی ﷺ کے ذرہ نے جواب دیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں سے یہ فرمایا:

خوشی یا ناخوشی سے دونوں حاضر ہو جاؤ۔ (تو) دونوں نے کہا ہم خوشی سے حاضر ہوئے۔ (۲)

اس وقت زمین کے جس ذرہ نے سب سے پہلے جواب دیا تھا وہ نبی ﷺ کا ذرہ تھا۔ اور یہ کعبہ کی مٹی کا ذرہ تھا اور سب سے پہلے زمین کا یہی حصہ بنایا گیا تھا، پھر اسی کو پھیلایا گیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اور جب آپ تربت (مٹی)

۱۔ روح المعانی، ج۹، ص۱۰۶ ۲۔ حم السجدۃ: ۱۱

شریفہ کعبہ کی مٹی تھی تو آپ ﷺ کا مدفن بھی مکہ میں ہونا چاہیے تھا، کیونکہ روایت ہے کہ جس جگہ کی مٹی سے انسان بنایا جاتا ہے اسی جگہ اس کا مدفن ہوتا ہے، لیکن کہا گیا کہ جب طوفان آیا تھا تو ایک جگہ کی مٹی دوسری جگہ پہنچ گئی تھی اور مٹی کا وہ مبارک اور پاک ذرہ جو نبی ﷺ کا مبدء تھا اس جگہ پہنچ گیا جہاں اب مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کا مدفن اقدس ہے۔ اور اس کلام سے یہ مستفاد ہوا کہ نبی ﷺ تخلیق کی اصل ہیں اور تمام کائنات آپ ﷺ کی تابع ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ چونکہ آپ کا ذرہ تمام مخلوق کی ام (اصل) ہے اسی وجہ سے آپ کا لقب امی ہے۔ (۱) (۲)

۸۔ خلاصہ

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

حدیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

سفر و اقامت میں نماز مغرب کی تین ہی رکعتیں فرض ہیں، اور اس میں قصر نہیں ہے۔

☆ مزدلفہ کو جمع کہنے کی تین وجوہ ہیں:

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام جنت سے اترنے کے بعد، اس مقام پر ملے تھے، یعنی جمع ہوئے تھے۔

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام اولاد کو نکال کر یہاں پر جمع کیا گیا تھا۔

۳۔ حج کے موقع پر یہاں دو نمازیں جمع کر کے پڑھی جاتی ہیں۔

☆ نمازِ مغرب میں قصر نہیں ہے، اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔

☆ مزدلفہ میں دونوں نمازوں کے لیے ایک اذان کافی ہے، البتہ اقامت دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ مستحب ہے، جیسا کہ حدیث الباب میں مذکور ہے۔

☆ سفر میں عشاء اور دوسری چار رکعتوں والی نمازوں میں قصر واجب ہے، اور وہ دو رکعتیں پڑھی جائیں گی۔

☆ صحابہ کرام، تابعین، عظام، حضور اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ کو اپنانا اور اسی طریقہ پر عبادت کرنا دین سمجھتے تھے، اور یہی اصل دین ہے۔ اسی لیے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ نے اس جگہ پر ایسی ہی نماز ادا فرمائی تھی۔

۱۔ روح المعانی، ج ۹، ص ۱۱۱ ۲۔ تبیان القرآن، ج ۴، ص ۴۱۰۔۴۱۳

بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ — باب ۱۹: نمازِ عشاء کی فضیلت

عشاء کی نماز صرف امتِ محمدیہ پر فرض کی گئی ہے، اس سے پہلی امتوں پر یہ نماز فرض نہ تھی، اس لیے یہ اسی امت کی خصوصیت ہے اسی لیے نماز عشاء کی خصوصی فضیلت ہے، اس باب میں نمازِ مغرب کی رکعتوں کا بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ عشاء کی فضیلت کا بیان ہے، گویا امام نسائی رحمہ اللہ نمازِ مغرب کے بعد نمازِ عشاء کے احکامات بیان فرماتے ہیں:

۴۸۱۔ أَخْبَرَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ نَصْرٍ، عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَاءِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُصَلِّي هَذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ وَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ أَحَدٌ يُصَلِّي غَيْرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک رات) عشاء کی نماز میں تاخیر فرمائی حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا؛ عورتیں اور بچے سو گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: تمہارے علاوہ کوئی اور یہ نماز نہیں پڑھتا: ان دنوں اہل مدینہ کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھتا تھا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

تمہارے علاوہ کوئی شخص یہ نماز نہیں پڑھتا یعنی عشاء کی نماز پڑھنے میں تمہیں باقی تمام امتوں اور لوگوں پر فضیلت حاصل ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۵۳۵، ۵۳۶، بخاری: ۸۶۲، ۶۳۸، مسلم: ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، احمد: ۲۴۱۱۴، السنن الکبریٰ: ۳۸۹، ابن حبان: ۱۵۳۵، سنن دارمی: ۱۲۱۳، سنن بیہقی: ج ۱، ص ۳۷۴، تحفۃ الاشراف: ۱۶۶۴۲

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی اور ایک راویہ ہیں ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ نصر بن علی:	راجع: ۳۸۵	۲۔ عبد الاعلی:	راجع: ایضاً
۳۔ معمر:	راجع: ۱۶۱	۴۔ الزہری:	راجع: ۱۱۶
۵۔ عروہ:	راجع: ۱۴۶	۶۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:	راجع: ۱۱۲

حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوننانوے (۱۹۹) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور دوسرے تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت نصر بن علی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شیخ ہیں، جن سے آئمہ تسعہ براہ راست روایت کرتے ہیں۔

☆ یہ تابعی (زھری) کی دوسرے تابعی (عروہ) سے روایت ہے، اور بھانجے (عروہ) کی اپنی خالہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا اور حدثنا ایک ایک دفعہ، جبکہ عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

اعتم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندھیرا کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر فرمائی۔

حتیٰ ناداہ: یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے پکارا۔

نام النساء والصبیان: عورتیں اور بچے سو گئے۔

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔

لیس احد: کوئی ایک

یصلی: وہ نماز پڑھتا ہے

ھذہ الصلاۃ: یہ نماز پڑھتا ہے

غیر کم: تمہارے علاوہ

لم یکن یومئذ احد: اس وقت کوئی ایک نہ تھا۔

غیرا ھل المدینۃ: اہل مدینہ کے علاوہ

۷۔ مسائل ونصائح:

''اعتم'' کا معنی احکام اسلام کا ظہور کہاں نہیں ہوا تھا؟ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے سونے کا جواز: اور دیگر فوائد حدیث:

اس حدیث میں مذکورہ ہے: ''اعتم'' اس کا معنی ہے: اندھیرے میں داخل ہوئے اور اس سے مراد ہے: آپ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام کے احکام پھیلے نہیں تھے۔ اس سے مراد ہے: مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں اسلام کے احکام کا ظہور نہیں ہوا تھا کیونکہ مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں اسلام کے احکام کا ظہور فتح مکہ کے بعد ہوا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر تمہارے سوا اس نماز کا کوئی اور انتظار نہیں کر رہا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مدینہ کے سوا اور کہیں نماز نہیں پڑھی جا رہی تھی، اور دوسرے ادیان اور مذاہب میں اس وقت نہیں تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ عام طور پر عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر نہیں کرتے تھے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز پڑھانے کے لیے امام کو گھر سے بلانا جائز ہے، نیز اس حدیث میں نبی ﷺ کے لطف وکرم اور آپ کی تواضع کا بیان ہے، کیونکہ جب حضرت عمر نے بلند آواز سے کہا: بچے اور عورتیں سو گئے ہیں تو آپ نے اس پر حضرت عمر کو کچھ نہیں کہا۔ (۱) (۲)

نماز عشاء کی فضیلت:

شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

آپ ﷺ دیر سے نماز کے لیے تشریف لائے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''نام النساء والصبیان'' عورتیں اور بچے سو گئے ہیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ سارا دن محنت کرتے اور آخر شب سے بھی پہلے اٹھتے، تہجد پڑھتے، اس وقت بجلی نہیں تھی، مغرب سے پہلے کھانا کھا لیتے، عام طور پر عرب مغرب کے بعد جلد سو جانے کے عادی تھے، اب یہ انتظار میں بیٹھے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نام النساء والصبیان'' آپ تھوڑی دیر بعد تشریف لائے اور مسجد والوں سے فرمایا: ''ماینتظر ھا احد من اھل الارض غیر کم'' اس نماز کا تمہارے سوا اور کوئی روئے زمین پر انتظار نہیں کر رہا ہے۔ فضیلت بیان فرمائی کہ یہ وہ نماز ہے جس کے انتظار میں دنیا میں تمہارے سوا اور کوئی نہیں جاگتا، اللہ نے تمہیں یہ فضیلت بخشی ہے کہ تم اس کے انتظار میں جاگتے ہو، یہ فضیلت متعدد احادیث میں آئی ہے۔ (۳)

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۹۲۔۹۳ ۲۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۴۰۷ ۳۔ انعام الباری، ج ۳، ص ۳۵۶،

اہل مدینہ کی تخصیص کی وجہ:

شیخ مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی لکھتے:

یعنی عشاء کی نماز باجماعت اس وقت سوائے مدینہ کے اور کہیں نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے کہ جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے، وہ تو رات کو گھروں میں چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، جماعت سے نہیں پڑھ سکتے تھے اور دوسرے علاقوں میں ابھی اسلام نہیں پھیلا تھا، لہٰذا صرف مدینہ میں عشاء کی نماز باجماعت ہوئی تھی۔ (۱)

نماز کے انتظار کی فضیلت:

علامہ محمد بن عبدالھادی سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے مراد یہ ہے کہ نمازِ عشاء تمہارے لیے مخصوص ہے، اس لیے تمہیں چاہیے کہ اس سے فائدہ حاصل کرو۔ اور اس کے ادا کرنے میں مشغول رہو اور اس کے انتظار میں بیٹھو، کیونکہ انتظار کرنے کا ثواب بھی اسی طرح ہے، جس طرح اس میں مشغول ہونے کا ثواب ہے۔ (۲)

امام کو نماز کے لیے بلانا:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی لکھتے ہیں:

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ امام کو اس لیے بلانا کہ وہ نماز پڑھائے، یہ امر جائز ہے۔ (۳)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

اس حدیث مبارک سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حسب ذیل ہے۔

نمازِ عشاء کی خاص فضیلت ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے علاوہ کوئی اور شخص یہ نماز نہیں پڑھتا۔

نمازِ عشاء نہ پڑھنے کے محمل:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ: تمہارے علاوہ کوئی اور یہ نماز نہیں پڑھتا، اس کے تین محمل ہیں۔

۱۔ یہ نماز امت محمدیہ سے پہلے کسی اور امت پر فرض نہیں تھی۔

۲۔ ان دنوں نمازِ عشاء باجماعت مدینہ منورہ کے علاوہ کہیں اور نہیں پڑھی جاتی تھی۔

۳۔ اتنی تاخیر سے نمازِ عشاء مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کہیں اور نہیں پڑھی جاتی تھی اور نہ ہی لوگ ایسا کسی اور جگہ انتظار کرتے تھے۔

۱۔ انعام الباری، ج ۳، ص ۳۵۹　　۲۔ حاشیہ سندھی، ص ۱۲۶　　۳۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۶، ص ۱۹۱

نمازِ عشاء کا مستحب وقت:

نمازِ عشاء کا مستحب وقت وہی ہے، جس وقت زیادہ لوگ نماز کے لیے جمع ہو سکیں، جیسا کہ ہمارے زمانے میں لوگوں نے سہولت کی خاطر اذان و نماز کے لیے اوقات مقرر کیے ہوئے ہیں۔

☆ فقہاء احناف کے نزدیک عشاء کا مستحب وقت تہائی رات ہے، اور آدھی رات تک مباح وقت ہے، اور اس کے بعد بغیر عذر کے تاخیر کرنا مکروہ ہے۔

☆ جماعت کروانے کے لیے امام کو بلانا جائز ہے۔

☆ نماز کے لیے انتظار کرنا باعث اجر و ثواب ہے۔

☆ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عورتیں اور بچے نماز مسجد میں ہی پڑھتے تھے۔

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز با جماعت کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔

☆ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا باآواز بلند اعلان کرنا ابتدائی دور کا واقع ہے، جب کہ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلند آواز سے بولنے کی ممانعت کر دی گئی۔

☆ اور یہ واقعہ سورۃ حجرات کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔

☆ اہل مدینہ کی تخصیص بطور فضیلت ہے، اسی سے نمازِ عشا کی فضیلت کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

## بَابُ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فِي السَّفَرِ		باب ۲۰: سفر میں نمازِ عشاء کی رکعتیں

حالت اقامت میں عشاء کی چار رکعات فرض ہیں، اور حالت سفر میں دو رکعتیں قصر ہوتی ہیں، اس لیے مسافر کے لیے دو فرض ہوں گے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نماز عشاء کی فضیلت کا بیان تھا، اور اس باب میں حالتِ سفر میں نماز عشاء کی رکعتوں کا بیان ہے، اس طرح دونوں ابواب نماز عشاء کے مسائل پر مشتمل ہیں۔

۴۸۲۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ يَزِيدَ قَالَ :حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ :أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ قَالَ :صَلَّى بِنَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ بِجَمْعٍ الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا بِإِقَامَةٍ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ ذَكَرَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ فَعَلَ ذَلِكَ، وَذَكَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذَلِكَ

حضرت حکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے: ہمیں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے مزدلفہ میں اقامت کے ساتھ نماز مغرب کی تین رکعتیں پڑھائیں، پھر سلام پھیر دیا، پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھائیں اور فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی کیا تھا، اور انہوں نے فرمایا تھا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے، مقامِ مزدلفہ میں عشاء کی دو رکعتیں پڑھایا جانا، سفر کی وجہ سے تھا، اس لیے حالتِ سفر میں عشاء کی دو رکعتیں فرض ہیں۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۴۸۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے،

۱۔عمرو بن یزید: راجع: ۱۳۰		۲۔بہز بن اسد: راجع: ۲۸

۳۔شعبہ: راجع: ۱۱۰		۴۔الحکم: راجع: ۱۰۴

۵۔سعید: راجع: ۴۳۵		۶۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: راجع: ۱۱۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو (۲۰۰) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی جرمی، اگلے دو بصری، اس سے اگلے دو کوفی اور آخری مدنی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فقہاء عبادلہ اربعہ تابعین کے سرخیل ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار حدثنا، اور ذکر دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۴۸۰

۴۸۳۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ يَزِيدَ قَالَ :حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ كُهَيْلٍ قَالَ :سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ :رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ صَلَّى بِجَمْعٍ فَأَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ قَالَ :هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي هَذَا الْمَكَانِ

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، آپ نے مزدلفہ میں اقامت کہی ، اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں، پھر عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں، پھر فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ ایسے ہی نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

ا۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حج کے موقع پر مزدلفہ میں یہ دو نمازیں اکٹھی پڑھیں، اور چونکہ یہ سفر کی نماز تھی، اس لیے عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں۔

۲۔اطراف:

تقدم: ۴۸۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔عمرو بن یزید: راجع:۱۳۰ ۲۔بہز بن اسد: راجع:۲۸

۳۔شعبہ: راجع:۱۱۰ ۴۔سلمہ: راجع:۳۱۱

۵۔سعید بن جبیر: راجع:۴۳۵ ۶۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: راجع:۱۱۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایتِ سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو ایک (۲۰۱) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیثِ مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی جرمی، اگلے دو بصری، اگلے دو کوفی، اور آخری مدنی ہیں

☆ سند میں الفاظ روایتِ اخبرنا، سمعت، رایت، ایک ایک دفعہ اور حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۴۸۰

مسائل ونصائح:

راجع:۴۵۳

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

باب مذکور میں دونوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استنباط حسب ذیل ہے۔

☆ حالتِ سفر میں عشاء کی نماز کی دو رکعتیں فرض ہیں۔

☆ جمع یہ مقام مزدلفہ کا نام ہے۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نمازیں حج کے موقع پر ادا فرمائی تھیں۔

☆ یہ نمازیں حالتِ سفر میں تھیں اسی لیے عشاء کی دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

☆ نمازِ مغرب کی سفر و حضر میں تین ہی رکعتیں ہیں۔

☆ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بہترین طریقہ تعلیم عملی طور پر کر کے سمجھانا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا۔

☆ احکامِ شرح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ حجت ہے۔

بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ باب ۲۱: نمازِ فجر کی فضیلت (یا نماز باجماعت کی فضیلت)

یہ باب نمازِ فجر کی فضیلت کے بارے میں ہے، کیونکہ فجر اور عصر کی نماز میں انسانوں کے ساتھ فرشتے بھی شریک ہوتے ہیں اور فرشتے رب تعالیٰ کے سامنے مسلمانوں کے نماز پڑھنے کی گواہی دیتے ہیں، اور یہ منظر فجر اور عصر دونوں میں ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں نمازوں کی خصوصی فضیلت ہے، نمازِ عصر کی فضیلت کا باب پہلے گزر چکا ہے اس لیے یہ باب نمازِ فجر کی فضیلت میں ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیثِ مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ عشاء کا بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ فجر کا بیان ہے، اس طرح دونوں باب نماز سے متعلق ہیں۔

باب کے قائم کرنے میں تسامح ہونا:

سنن نسائی المجتبیٰ کے اکثر نسخوں میں باب کا عنوان ''نماز باجماعت کی فضیلت ہے'' اور بعض نسخوں میں عنوان: ''نمازِ فجر کی فضیلت''، شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی سلفی نجدی لکھتے ہیں:

مصری اور ہندی نسخوں میں بھی باب کا عنوان: ''نماز باجماعت کی فضیلت'' ہے، جبکہ یہ غیر واضح عنوان ہے، ہاں البتہ اگر اس عنوان کے قائم کرنے سے مراد'' فجر اور عصر کی نماز باجماعت کی فضیلت'' ہو تو مناسب ہے۔ کیونکہ ''نماز باجماعت کی فضیلت'' کا باب امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الامامۃ'' میں باب نمبر ۴۲ میں قائم کیا ہے۔ اسی طرح ہندوستانی نسخہ میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ بعض نسخوں میں باب کا عنوان: ''نماز فجر کی فضیلت'' ہے، اسی طرح السنن الکبریٰ میں بھی اس کا عنوان ''نماز فجر کی فضیلت ہی ہے، اور یہی باب کا عنوان زیادہ واضح اور مناسبت والا ہے، کیونکہ اس سے پہلے دونوں بابوں کے عنوانات'' نماز عصر کی فضیلت'' اور ''نماز عشاء کی فضیلت'' ہے۔(۱)

غالباً یہ کاتب یا راوی نسخہ کا تسامح ہے۔

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۶، ص ۱۹۳

۴۸۴۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ :تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ "

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہارے پاس رات اور دن کے فرشتے باری باری آتے ہیں، اور وہ نمازِ فجر اور نمازِ عصر میں جمع ہوتے ہیں، پھر جن فرشتوں نے تمہارے ساتھ رات گذاری تھی، وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا، وہ کہتے ہیں: ہم نے ان کو نماز پڑھنے کی حالت میں چھوڑا ہے، ہم جب ان کے پاس گئے، وہ اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

ا۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے۔

نمازِ فجر اور نمازِ عصر میں فرشتے جمع ہوتے ہیں رب تعالیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے، اور وہ جواب دیتے ہیں، کہ جب ہم گئے تھے اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے، جب ہم آئے ہیں اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے پوچھنا، اوران کا جواب دینا، بطورِ مدح ہے یہی نماز فجر اور عصر کی فضیلت ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۵۵۵، ۳۲۲۳، ۷۴۲۹، ۷۴۸۶، صحیح مسلم: ۶۳۲، الرقم المسلسل: ۱۴۰۵، موطاء امام مالک: ۴۲۰۔ ج ا، ص ۱۲۷، دارالمعرفہ، بیروت، صحیح ابن حبان: ۱۷۳۷، شرح السنۃ: ۳۸۰، مسند ابویعلی: ۶۳۳۰، سنن بیہقی، ج ا، ص ۴۶۵، تاریخ بغداد: ج ۸، ص ۳۰۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۴۸۶، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۰۳۰۹۔ ج ۱۶، ص ۲۰۹، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ۴۹۸۱ مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶ھ، (ا) نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۳۹۳

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

ا۔قتیبہ: راجع: ۱۱۸ ۲۔مالک: راجع: ۱۱۷

۳۔ابوالزناد: راجع:۲۲۱ ۴۔الاعرج: راجع:۷

۵۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: راجع:۱۱۰

۴۔حکم روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوستر (۱۷۰) ویں ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں

☆ یہ تابعی (ابوالزناد) کی دوسرے تابعی (الاعرج) سے روایت ہے۔

☆ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ دارالہجرۃ اور فقہ مالکی کے بانی ہیں۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ کے سرخیل ہیں، اور آپ سے سب سے زیادہ روایات پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

يتعاقبون فيكم: وہ تمہارے پاس باری باری آتے ہیں۔

ملائكة: رات کے فرشتے۔

ملائكة بالنهار: دن کے فرشتے

يجتمعون: وہ اکٹھے ہوتے ہیں۔

صلاة الفجر: فجر کی نماز

صلاة العصر: عصر کی نماز۔

يعرج: وہ اوپر چڑھتا ہے

باتوا:	انہوں نے رات گذاری
یسألھم:	اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے
ھواعلم بھم:	وہ اپنے بندوں کو زیادہ جانتا ہے
کیف ترکتم؟:	کیسے چھوڑا تم نے
عبادی:	میرے بندوں کو
یقولون:	وہ کہتے ہیں۔
ترکناھم:	ہم نے انہیں چھوڑا۔
یصلون:	وہ نماز پڑھتے ہیں۔
اتیناھم:	ہم ان کے پاس گئے۔

۴۸۵۔ أَخْبَرَنَا كَثِيرُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمْعِ عَلَى صَلَاةِ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا، وَيَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ (وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نماز باجماعت تمہارے اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس گناہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے، اور فجر کی نماز میں رات دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اگر چاہو تو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ لو۔

اور فجر کی نماز بھی ادا کیا کریں، کیونکہ نمازِ فجر کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔(۱)

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل جملہ میں ہے۔

فجر کی نماز میں رات دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں نماز فجر میں فرشتوں کا جمع ہونا، اس نماز کی فضیلت ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۶۴۸، ۴۷۱۷، مسلم: ۶۴۹، السنن الکبریٰ: ۴۶۱، ۸۳۸، ۹۱۲، تحفۃ الاشراف: ۱۳۲۵۹

۱۔ بنی اسرائیل ۱۷: ۸۷

۲۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ کثیر بن عبید:	راجع: ۱۹۶	۲۔ محمد بن حرب:	راجع: ۱۷۲
۳۔ الزبیدی:	راجع: ۵۶	۴۔ الزھری:	راجع: ۱۱۶
۵۔ سعید بن المسیب:	راجع: ۱۶۰	۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:	راجع: ۱۱۰

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسودو (۲۰۲) ویں حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ بھی روایت کرتے ہیں
☆ البتہ شیخ کثیر بن عبید رحمۃ اللہ علیہ سے امام نسائی، ابوداؤد، اور ابن ماجہ روایت کرتے ہیں۔
☆ سند کے پہلے تین راوی حمصی اور باقی تین مدنی ہیں۔
☆ یہ تابعی (زھری) کی دوسرے تابعی (سعید) سے روایت ہے۔
☆ حضرت سعید بن مسیب فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان فقہاء کا اجماع ایسے ہی ہے جیسے امت کا اجماع ہے۔
☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ کے سرخیل ہیں۔
☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

تفضل:	فضیلت حاصل ہے۔
صلاۃ الجمع:	نماز باجماعت
صلاۃ احدکم وحدہ:	تم میں سے کسی ایک کی اکیلے

خمسة وعشرين: پچیس

يجتمع: وہ جمع ہوتے ہیں

الملائكة فرشتے

الليل والنهار: رات دن

صلاة الفجر: فجر کی نماز

اقرؤوا: تم پڑھ لو

ان شئتم: اگر تم چاہو

قرآن الفجر: فجر کی نماز

كان مشهودا: فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

۴۸۶۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَيَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَا يَلِجُ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ

حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کوئی ایسا شخص دوزخ میں نہیں جائے گا، جو فجر اور عصر کی نمازیں پڑھتا ہو۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حدیث مبارکہ میں فجر کی نماز پڑھنے میں جہنم سے آزادی کا مژدہ سنایا گیا ہے، یہ نماز فجر کی فضیلت ہے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۴۷۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ عمرو بن علی: راجع: ۴ ۲۔ یعقوب بن ابراہیم: راجع ۲۲

۳۔ یحییٰ بن سعید: راجع: ۱۳۳ ۴۔ اسماعیل: راجع: ۴۷۰

۵۔ ابوبکر بن عمارہ: ایضاً ۶۔ حضرت عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ: ایضاً

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اکہتر (۱۷۱) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے اور تیسرے راوی بصری، دوسرے بغدادی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (ابوبکر) کی اپنے باپ (عمارہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو شیوخ (عمرو یعقوب) سے یہ حدیثِ مبارکہ سماعت کی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، صیغہ تحدیث اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

راجع: ۴۷۰

۷۔ مسائل ونصائح:

لفظ قرآن الفجر کا معنی اور نماز فجر میں فرشتوں اور جنات کا جمع ہونا:

امام جلال الدین عبدالرحمان بن ابوبکر سیوطی شافعی لکھتے ہیں:

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قران الفجر کا معنی صبح کی نماز روایت کیا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن المنذر ر نے حضرت مجاہد سے قرآن الفجر کا معنی صبح کی نماز روایت کیا ہے۔

امام عبدالرزاق اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے ''ان قرآن الفجر کان مشھودا'' کے تحت روایت کیا ہے کہ فجر کی نماز کے وقت فرشتے اور جن حاضر ہوتے ہیں۔

امام احمد، ترمذی (انہوں نے اس کو صحیح کہا ہے)، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر ر، ابن ابی حاتم، حاکم (انہوں نے

اس کو صحیح کہا ہے) ابن مردویہ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیت کے تحت روایت کیا ہے کہ صبح کی نماز کے وقت رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے نماز میں جمع ہو جاتے ہیں۔(۱)

امام عبدالرزاق، بخاری، مسلم، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے صبح کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر تم چاہو تو یہ پڑھ لو قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا۔(۲)

امام سعید بن منصور ،ابن جریر، ابن المنذر اور طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے رات اور دن کی نگہبانی کرنے والے فرشتے صبح کی نماز کے وقت ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو، قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا پھر فرمایا رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے اترتے ہیں۔(۳)

امام حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں، ابن جریر، طبرانی اور ابن مردویہ رحمھم اللہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے رویت کیا ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا۔ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا: اس وقت رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔(۴)

عبدالرزاق نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ صبح کی نماز کے وقت رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے موجود ہوتے ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاسم رحمہ اللہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود صبح کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے، جب لوگ قبلہ کی طرف پیٹھوں سے سہارا لیے بیٹھے تو انہوں نے فرمایا: قبلہ شریف ہو جاؤ فرشتوں اور ان کی نماز کے درمیان حائل نہ ہو جاؤ کیونکہ یہ دو رکعتیں فرشتوں کی نماز ہیں۔(۵)

لفظ قرآن کا منصوب ہونا اور نمازوں میں قرات کی تفصیل:

قولہ تعالیٰ: قرآن الفجر اس میں قرآن دو وجھوں سے منصوب ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ الصلوٰۃ پر معطوف ہو، اس کا معنی ہوگا: اقم قرآن الفجر یعنی صبح کی نماز قائم کرنا، یہ فراء نے کہا ہے۔ اور اہل بصرہ نے کہا ہے: یہ اغراء کی بناء پر منصوب ہے: یعنی فعلیک بقرآن الفجر (تجھ پر صبح کی نماز لازم ہے): یہ زجاج نے کہا ہے۔ خاص کر اس نماز کو قرآن سے تعبیر کیا گیا ہے دوسری نمازوں کو نہیں، کیونکہ قرآن ان سے عظمت وشان والا ہے، جبکہ صبح کی نماز کی قرات طویل اور بالجہر ہے جیسا کہ یہ مشہور بھی ہے اور لکھی ہوئی بھی؛ یہ بھی زجاج سے مروی ہے۔

صبح کی نماز قرات کو طویل کرنے کے مستحب ہونے پر اہل مدینہ کا پختہ عمل ہے اتنی مقدار تک جو پیچھے کھڑے ہونے

۱۔ سنن ترمذی، کتاب التفسیر، ج۲، ص۱۴۱　　۲۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ج۲، ص۶۸۶
۳۔ معجم کبیر، ج۹، ص۲۳۲　　۴۔ تفسیر طبری زیر آیت ہذا: ج۱۵، ص۱۶۱　　۵۔ تفسیر در منثور، ج۴، ص۵۱۵۔۵۱۶

والوں کے لیے تکلیف دہ نہ ہو۔ وہ اس میں طوال مفصل پڑھتے ہیں، اور ظہر اور جمعہ کی نمازوں کو بھی اس میں اس کے ساتھ ملاتے ہیں۔ اور مغرب کی نماز میں قرات میں تخفیف کرتے ہیں اور عصر اور عشاء میں متوسط قرات کرتے ہیں۔ اور عصر کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ اس میں بھی مغرب کی طرح تخفیف کی جائے گی۔ اور جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ ان نمازوں میں قرات طویل کرنا جن میں مختصر قرات پر استقرار ہے، اور ان نمازوں میں قرات طویل کرنا جن میں مختصر قرات پر استقرار ہے، اور ان نمازوں میں قرات مختصر کرنا جن میں طویل قرأت کرنے پر عمل ہے، جیسا کہ فجر کی نماز میں معوذتین پڑھنا (۱)

جیسا کہ اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور مغرب کی نماز میں سورہ اعراف، مرسلات اور طور کی قرات کرنا، پس اس پر عمل متروک ہے اور اس وجہ سے بھی کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو قرات طویل کرنے سے منع کیا تھا جس وقت آپ نے اپنی قوم کو عشاء کی نماز کی امامت کرائی اور اس میں سورۃ البقرہ پڑھی، اسے صحیح نے روایت کیا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ آپ نے ائمہ کو تخفیف کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ فرمایا: اے لوگو! بے شک تم میں سے بھگانے والے بھی ہیں پس تم میں سے جو کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو اسے چاہیے کہ وہ تخفیف کرے کیونکہ ان میں بچے بھی ہوتے ہیں اور بوڑھے بھی، مریض بھی ہوتے ہیں اور درد والے بیمار بھی، اور ضعیف اور کمزور بھی ہوتے ہیں اور صاحب حاجت بھی (۲)

اور فرمایا: پس جب تم میں سے کوئی اکیلے نماز پڑھے تو وہ جتنی چاہے لمبی اور طویل پڑھے۔ (۳) یہ سب صحیح حدیث میں لکھا ہوا ہے۔

قرآن کے بغیر نماز کا نہ ہونا..... قولہ تعالیٰ: وقرآن الفجر یہ اس پر دلیل ہے کہ کوئی نماز بغیر قرات کے نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کو قرآن کا نام دیا۔ علماء نے نماز میں قرات کے بارے میں اختلاف کیا ہے پس جمہور کا نظریہ یہ ہے کہ امام کے لیے اور اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے اور آپ سے یہ بھی روایت ہے کہ نماز کے بڑے حصے ہیں اس کی قرات واجب ہے اور یہ اسحاق کا قول ہے۔ اور آپ سے یہ بھی ہے کہ ایک رکعت میں اس کی قرات واجب ہے؛ یہ مغیرہ اور سحنون نے کہا ہے۔ اور ان سے یہ بھی ہے کہ نماز میں سے کسی شے میں قرات واجب نہیں ہوتی۔ اور یہ آپ سے انتہائی شاذ روایات میں سے ہے۔ **اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ قرات** نصف نماز میں واجب ہوتی ہے، اور اسی طرف امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ بھی گئے ہیں۔ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اور ایوب سے بھی روایت ہے کہ امام پر اکیلے نماز پڑھنے والے پر اور مقتدی پر ہر حال میں قرات واجب ہوتی ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں میں سے ایک ہے۔

۱۔ سنن نسائی، کتاب الصلوۃ، ج ۱، ص ۱۵۱ ۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، ج ۱، ص ۹۸

۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۹۷

کان مشھودا ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قول باری تعالیٰ: وقرآن الفجر ، ان قرآن الفجر کے بارے میں فرمایا: ''اس نماز میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے سبھی حاضر ہوتے ہیں''(۱)

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اسے علی بن مسہر نے اعمش سے انہوں نے ابوصالح سے، انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اور بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جماعت کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کی فضلیت اکیلے آدمی کی نماز پر پچیس درجے ہے اور صبح کی نماز میں رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ جمع ہو جاتے ہیں۔(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو: و قرآن الفجر ، ان قرآن الفجر کان مشھودا (۳)

اسی وجہ سے اس نماز کو جلدی (صبح سویرے) پڑھا جاتا ہے، پس جس نے یہ نماز سویرے پڑھی تو اس کی نماز میں ملائکہ کے دو گروہوں میں سے صرف ایک گروہ حاضر ہوگا۔ اور اس معنی کی بناء پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر روشن کر کے پڑھنا اندھیرے میں پڑھنے سے افضل ہے اور یہ اس کے مخالف ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تغلیس پر مداومت اختیار کرتے تھے، اور یہ بھی کہ اس میں رات کے ملائکہ کی حاضری کو بھی فوت کرنا لازم آتا ہے واللہ اعلم۔

بعض علماء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا ہے: ''اس میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔(۴)

کہ صبح کی نماز نہ رات کی نماز میں سے ہے اور نہ دن کی نماز میں سے۔

اس بنا پر تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عصر کی نماز بھی نہ رات کی نماز میں سے ہو اور نہ دن کی نماز میں سے، کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت میں مروی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں۔ ''تم میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں، پس وہ عصر کی نماز میں اور فجر کی نماز میں جمع ہو جاتے ہیں''(۵)

الحدیث۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ عصر کی نماز دن میں سے ہے پس اسی طرح فجر کی نماز رات کی نماز میں سے ہوگی اور یہ اس طرح نہیں، بلاشبہ یہ عصر کی نماز کی طرح دن کی نمازوں میں سے ہی ہے اور اس کی دلیل روزہ اور قسم وغیرہ ہے، اور یہ بالکل واضح ہے۔(۶)

۱۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ج۲،ص ۱۴۱ ۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، ج۱،ص ۹۰ ۳۔ ایضاً
۴۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، ج۲،ص ۱۴۱ ۵۔ صحیح مسلم، ج۱،ص ۲۲۷ ۶۔ تفسیر قرطبی، ج۵،ص ۲۳۱۔ ۲۳۳

نماز فجر کی خاص فضیلت:

نمازِ فجر کی فضیلت:

صبح کی تلاوت قرآن پر دن اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔(۱)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ تنہا شخص کی نماز پر جماعت کی نماز پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔صبح کی نماز کے وقت دن اور رات کے فرشتے اکھٹے ہوتے ہیں۔اسے بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم قرآن کی اس آیت کو پڑھ لو۔قرآن الفجر الخ۔(۴) بخاری کتاب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل: باب قلہ (ان قرآن الفجر کان مشھودا) ح ۴۷۱۷، مسلم کتاب المساجد: باب فضل صلاۃ الجماعۃ۔

صحیحین میں ہے کہ رات کے اور دن کے فرشتے تم میں برابر پے درپے آتے رہتے ہیں، صبح کی اور عصر کی نماز کے وقت ان کا اجتماع ہو جاتا ہے تم میں جن فرشتوں نے رات گزاری وہ جب چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے، باوجودیکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں پایا اور واپس آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ چوکیدار فرشتے صبح کی نماز میں جمع ہوتے پھر یہ چڑھ جاتے ہیں اور وہ ٹھہر جاتے ہیں۔(۳)

ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے اور اس ارشاد فرمانے کا ذکر کیا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے استغفار کرے اور میں اسے بخشوں کوئی ہے کہ مجھ سے سوال کرے اور میں اسے دوں، کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے پس اس وقت پر اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔(۴)

فجر اور عصر میں فرشتوں کے اجتماع اور نوید جنت کی وجہ خصوصیت:

علامہ غلام رسول سعیدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ صبح کی نماز کے وقت رات کے فرشتے بندوں کے نامہ اعمال کو نوٹ کر کے لے جاتے ہیں اور دن کے فرشتے نامہ اعمال لکھنے کے لیے آجاتے ہیں اور عصر کے وقت دن کے فرشتے جاتے اور رات کے فرشتے آجاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو بدل بدل کر بھیجنا ابن آدم کی عبادت پر متعدد فرشتوں کو گواہ بنانے کے لیے ہے اور ان سے

۱۔ تفسیر طبری، ۱۷۔۵۲۰، کتاب تفسیر القرآن، ح ۳۱۳۵　　۲۔ بخاری ح ۵۵۵، مسلم کتاب المساجد، ح ۶۳۲

۳۔ تفسیر طبری، ۱۷۔۵۲۱　　۴۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۲۵۴، ۲۵۵

سوال کرنا اور ابن آدم کا حال دریافت کرنا ان پر اقراری حجت قائم کرنے کے لیے ہے تاکہ خلقت آدم پر اعتراض کرنے والے اور اس کو گنہگار اور فسادی کہنے والے فرشتے خود زمین کے چپہ چپہ پر ابن آدم کی عبادت دیکھ کر آئیں اور اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ابن آدم کی عبادت کا اعتراف کریں اور بتلائیں کہ جن لوگوں میں اپنا پیٹ بھرنے کے لیے فکرِ معاش فطری طور پر رکھ دی گئی ہے وہ شام کے وقت اپنے فطری تقاضوں اور کاروبار معاش چھوڑ کر عصر کی نماز میں تیری عبادت کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی اس عبادت کا یہ منظر اس قدر پسند آیا کہ اسی نے اس منظر پر گواہ بنانے کے لیے دن اور رات کے فرشتوں کو جمع کیا، اسی طرح وہ فرشتوں کو دکھاتا ہے کہ انسانی بدن کے خمیر میں نیند کی چاشنی رکھ دی گئی ہے لیکن اس کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اس قدر محبت ہے کہ وہ نیند کی حلاوت اور مٹھاس میں محو اور مدہوش پڑے ہوتے ہیں لیکن جیسے ہی ان کے کانوں میں موذن کی آواز پہنچتی ہے تو وہ فطری تقاضوں سے دامن چھڑا کر مسجد کی طرف بھاگتے ہیں اور اس راہ میں نرم و گداز بستر ان کی رکاوٹ بنتا ہے نہ نیند کی لذت اور مٹھاس یہ وہ دل کش منظر ہے جسے دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ دن اور رات کے فرشتوں کو جمع کر لیتا ہے اور شاید اسی وجہ سے خوش ہو کر اس نے اعلان کر دیا ''جس نے صبح اور عصر کی نماز پڑھی وہ جنت میں جائیگا۔ اسے دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ عصر اور فجر کے وقت بڑے مان سے فرشتوں کو بلاتا ہے کہیں آپ اسی کا مان توڑ نہ ڈالیں!!(۱)

فرشتوں کے باری باری آنے کی کیفیت اور قرآن مجید میں صرف فجر کے وقت کے ذکر کی توجیہ:

حافظ یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر المالکی القربی لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ جماعت میں حاضر ہوتے ہیں اگرچہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بغیر جماعت سے پڑھی جانے والی نماز میں ہی حاضر ہوتے ہیں، اس حدیث میں مذکور ہے: وہ باری باری حاضر ہوتے ہیں یعنی فرشتوں کی ایک جماعت حاضر ہوتی ہے، اس کے بعد دوسری جماعت حاضر ہوتی ہے۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ دن کے فرشتے صبح کی نماز میں نازل ہوتے ہیں، پھر بنی آدم کے اعمال کا شمار کرتے ہیں اور جن فرشتوں نے بنو آدم کے پاس رات گزاری تھی، وہ اوپر چڑھ جاتے ہیں اور جب عصر کا وقت ہوتا ہے تو رات کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور انسانوں کے اعمال کا شمار کرتے ہیں، اور دن کے فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں، پھر اسی طرح باری باری فرشتے آتے جاتے رہتے ہیں۔ قرآن مجید میں:

وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا: (۲)

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج۲، ص ۲۵۸　　۲۔ بنی اسرائیل: ۷۸

ور فجر میں قرآن پڑھنا، بے شک فجر میں قرآن پڑھنے کے دوران فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

فجر کا اس لیے خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کہ فجر کی نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھا جاتا ہے، اس کے برخلاف عصر کی نماز میں قرآن آہستہ آہستہ پڑھا جاتا ہے، اگرچہ فرشتے فجر اور عصر دونوں نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں۔(۱)

رشتوں کا بنو آدم کی عبادت کا اعتراف کرنا:

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال فرماتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ: جب ہم ان کے س گئے وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے اس جواب سے رشتوں پر حجت فرماتا ہے کہ تم نے آدم کی پیدائش کے وقت کہا تھا کہ اس کی اولاد زمین میں فتنہ اور فساد کرے گی، خون ریزی کرے گی اور اب فرشتوں کی زبان سے یہ اعتراف کراتا ہے کہ ہم بنو آدم کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہم ان کے پاس سے آئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔(۲)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

باب مذکور کے قائم کرنے اور ان احادیث ثلاثہ سے امام نسائی کے وجوہ استدلال حسب ذیل ہیں:

نمازِ فجر کی فضیلت:

نماز فجر کی خصوصی فضیلت ہے، کیونکہ اس نماز میں رات دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس نماز کا ذکر قرآن مجید میں خصوصیت کے ساتھ فرمایا ہے، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ نمازِ فجر کی پابندی کرنے والوں کے لیے بخشش کا اعلان فرمایا ہے۔

نماز باجماعت کی فضیلت:

اگر یہاں پر باب نماز باجماعت کی فضیلت کا مراد ہو، تو اس سے نماز باجماعت کی فضیلت مترشح ہوتی ہے، کیونکہ حدیث نمبر ۴۸۵ میں نماز باجماعت کی فضیلت پچیس گناہ زیادہ بیان کی گئی ہے، اس طرح نماز اصل میں باجماعت ہی مطلوب ہے، جس سے اس کی فضیلت کا ثبوت نکلتا ہے۔

☆ قرآن مجید میں لفظ قرآن الفجر سے مراد نمازِ فجر کا قائم کرنا ہے، یہاں پر لفظ ''قرآن'' نماز کے معنیٰ میں ہے۔

☆ نمازِ فجر میں انسانوں کے ساتھ ساتھ فرشتے اور جنات بھی حاضر ہوتے ہیں۔

۱۔ تمہید، ج ۷، ص ۴۶۲۔۴۶۳　　۲۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۳۹۳۔۳۹۴

☆ نماز فجر اور عصر میں رات اور دن کے دونوں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

☆ لفظِ ''قرآن'' کے منصوب ہونے کی دو وجوہ ہیں:

۱۔ یہ لفظ ''الصلوۃ'' پر معطوف ہے۔

۲۔ یہ اغراء کی بناء پر منصوب ہے۔

☆ اس آیت مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے بغیر نماز نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں پر قرآن نماز کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

☆ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اندھیرے میں نمازِ فجر پڑھنا افضل ہے، جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روشنی میں نمازِ فجر کا ادا کرنا افضل و مستحب ہے۔

☆ نماز فجر رات کی نماز ہے، اور نمازِ عصر دن کی نماز ہے،

☆ رات اور دن کے فرشتے جو انسانوں کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں، اس حدیث مبارکہ میں وہی مراد ہیں، اور یہ باری باری نازل ہوتے ہیں۔

☆ جب رات کے فرشتے آتے ہیں، تو دن کے فرشتے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں، اور جب دن کے فرشتے آتے ہیں رات کے فرشتے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔

☆ فرشتے ہر دن اور رات میں انسانی عظمت کا اقرار کرتے ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو جواب دیتے ہیں، ہم ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑ کر آئے ہیں، یہ اس سوال کا جواب ہے، جو فرشتوں نے تخلیق آدم کے وقت کیا تھا، کہ تو ایسے انسان کو خلیفہ بنانے والا ہے، جو خون ریزی کرے گا، اور فساد کرے۔ سبحان اللہ

☆ اللہ تعالیٰ علم ہونے کے باوجود اس لیے پوچھے گا، تاکہ مسلمانوں کی عظمت بیان ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خاص احسان ہے، جس کا جتنا شکر ادا کیا جائے، وہ کم ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیبِ مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہمیں نماز پنجگانہ با جماعت پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے، اور خاص طور پر نمازِ فجر اور نمازِ عصر کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

بَابُ فَرْضِ الْقِبْلَةِ — باب۲۲: نماز میں سمتِ قبلہ کا فرض ہونا

حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ میں اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں تقریباً سولہ سترہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھتے رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خواہش پر کعبہ مکرمہ کو قبلہ مقرر فرما دیا۔ اس باب میں اس امر کا بیان ہے، نماز میں قبلہ کی طرف چہرے کا ہونا فرض ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ فجر کی فضیلت کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز کی حالت میں قبلہ کی طرف چہرے کے فرض ہونے کا بیان ہے، اس طرح پچھلا باب نماز کی فضیلت کا تھا، اور یہ باب نماز کے فرض رکن سمتِ قبلہ کے بیان پر مشتمل ہے۔

۴۸۷۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ :صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا، أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا - شَكَّ سُفْيَانُ -وَصُرِفَ إِلَى الْقِبْلَةِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: آقا کریم ﷺ کے ساتھ ہم نے سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف چہرے کر کے نماز پڑھی، (حضرت سفیان کو عدد میں شک واقع ہوا) پھر کعبہ مکرمہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری:۴۴۹۲، مسلم:۵۲۵، احمد:۱۸۵۶۴، تحفۃ الاشراف:۱۸۴۹

تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

ا۔محمد بن بشار: راجع:۲۷ — ۲۔یحییٰ بن سعید: راجع:۱۳۳

۳۔سفیان ثوری: راجع:۱۱۱ — ۴۔ابو اسحاق: راجع:۲۳۰

۵۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ: راجع:۱۰۵

حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو بہتر (۱۷۲) ویں حدیثِ مبارکہ ہے

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ مذکورہ سند ایسے شیوخ پر مشتمل ہے، جن سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ محمد بن بشار ایسے جلیل القدر استاد ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت محمد بن بشار بندار رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ صحاح ستہ میں کوئی اور راوی اس نام کے نہیں ہیں۔

☆ حضرت ابو اسحاق سبیعی مدلّس راوی ہیں، اور عنعنہ سے روایت کر رہے ہیں، لیکن بخاری کی روایت میں سماع کی تصریح موجود ہے، اس لیے ان کی روایت قابلِ قبول ہے۔(۱)

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ ایک ایک دفعہ اور حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

صلينا :	ہم نے نماز پڑھی
مع النبی ﷺ :	نبی کریم ﷺ کے ساتھ
نحو بيت المقدس:	بیت المقدس کی طرف
ستة عشر:	سولہ
سبعة عشر:	سترہ
شهرا:	مہینہ
شك سفيان:	حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو شک ہوا۔
صرف:	پھیر دیا گیا۔
الى القبلة:	کعبہ کی طرف

۱۔ فتح الباری، ج۱، ص۱۱۹

۴۸۸۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ يُوسُفَ الْأَزْرَقُ، عَنْ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، فَصَلَّى نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا، ثُمَّ إِنَّهُ وُجِّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَمَرَّ رَجُلٌ قَدْ كَانَ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى قَوْمٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ وُجِّهَ إِلَى الْكَعْبَةِ فَانْحَرِفُوا إِلَى الْكَعْبَةِ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے، تو سولہ مہینوں تک بیت المقدس کی طرف (چہرہ کر کے) نماز پڑھی، پھر کعبہ مکرمہ کو قبلہ بنا دیا گیا، ایک صحابی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تھی ایک انصاری قبیلہ کے پاس سے گذرا، تو اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ کعبہ مکرمہ کو بنا دیا گیا ہے، تو وہ (نماز کی حالت میں ہی) کعبہ مکرمہ کی طرف پھر گئے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

چونکہ نماز میں سمتِ قبلہ فرض ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جیسے ہی حالتِ نماز میں قبلہ کی تبدیلی کا علم ہوا تو انہوں نے اپنا رخ کعبہ شریف کی طرف کر دیا، جس سے سمتِ قبلہ کے فرض ہونے کا پتا چلتا ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۴۰، ۳۹۹، ۴۴۸۶، ۴۴۹۲، ۷۲۵۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دونوں شیوخ حضرت محمد بن اسماعیل اور اسحاق بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں۔

۱۔محمد بن اسماعیل بن ابراہیم:

آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم اسدی بصری دمشقی (م:۲۶۴ھ) ہے، آپ ابوابن علیہ کے عرف سے مشہور ہیں، آپ دمشق کے تاحیات جج بھی رہے، آپ روایت کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ، حافظ راوی ہیں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت لینے میں منفرد ہیں سنن نسائی میں آپ سے باون (۵۲) روایات مروی ہیں۔(۱)

۱۔ i۔المعجم المشتمل، ص ۲۶۱ ii۔الثقات، ج۹ ص ۱۱۳

۲۔اسحاق بن یوسف:

آپ کا نام اسحاق بن یوسف بن مرداس مخزومی واسطی (م:۱۹۵ھ) ہے، آپ ازرق کے لقب سے مشہور ہیں، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ کی تاریخ ولادت ۱۱۷ھ ہے، آپ نے اٹھہتر سال کی عمر میں وفات پائی، سنن نسائی میں آپ سے انیس (۱۹) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۳۔زکریا بن ابی زائدہ: راجع:۱۱۵　　**۴۔ابواسحاق:** راجع:۲۳۰

۵۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ: راجع:۱۰۵

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوتہترویں (۱۷۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے تمام مروات سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت محمد بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرنے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بصری، دوسرے واسطی، تیسرے اور چوتھے کوفی اور آخری مدنی ہیں۔
☆ حضرت محمد بن اسماعیل اور اسحاق بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ حضرت زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے آخر عمر میں سماع کیا ہے
☆ سند میں الفاظ روایت ہے اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔
صلی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔
نحو بیت المقدس: بیت المقدس کی طرف

۱۔ i۔تقریب التھذیب، ج۱،ص۷۵　　ii۔ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج۶،ص۲۱۰

ستة عشر شهرا: سولہ مہینے

وجه الی لکعبة: کعبہ مکرمہ کی طرف پھیر دیا گیا۔

مررجل: ایک صحابی گذرے

قوم من الانصار: انصاری قوم

اشهد: میں گواہی دیتا ہوں

انحرفوا: وہ پھر گئے۔

۷۔مسائل ونصائح:

تحویل قبلہ کے احکام قرآن مجید سورۃ بقرہ کی آیت نمبر۱۴۲۔۱۴۵ میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، ان آیات سے مفسرین نے بہت سارے احکامات کا استنباط کیا ہے، جن میں سے چند، ایک حسب ذیل ہے۔

مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھنے کی ہدایت:

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اہل اسلام کے مابین اس امر میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے کہ حضور ﷺ مکہ میں نیز ہجرت کے بعد ایک عرصے تک مدینہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا ہے حضور ﷺ کی مدینہ تشریف آوری کے سترہ مہینے بعد تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ قتادہ نے کہا ہے کہ سولہ ماہ بعد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ عرصہ نو ماہ کا یا دس ماہ کا تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا:

شریعت محمدیہ میں ناسخ اور منسوخ:

زیر بحث آیات کے اندر اللہ تعالیٰ نے نصاً بیان فرمادیا کہ نماز غیر کعبہ کے رخ ادا کی جاتی تھی اور پھر اللہ سبحانہ نے اپنے قول: سیقول السفهاء من الناس تا آخر آیت کے ذریعے وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الالنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه

(پہلے جس طرف تم رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے) اور: قد نریٰ تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضها) یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں، ہم اسی قبلے کی طرف تمہیں پھیرے دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو) کے ذریعے قبلہ کا رخ پھیر دیا۔ مذکورہ بالا تمام آیات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ غیر کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف رخ پھیر دیا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے قول کو باطل کر دیتی ہے جو کہتے ہیں حضور ﷺ کی شریعت میں

کوئی ناسخ و منسوخ نہیں ہے۔

بیت المقدس کی طرف چہرہ کرنا فرض تھا یا کہ آپ ﷺ کا اختیار:

بیت المقدس کی طرف حضور ﷺ کے رخ کرنے کے بارے میں اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا۔ یہ فرض تھا اور اس کے سوا کوئی اور بات جائز نہیں تھا، یا آپ کو بیت المقدس کی طرف اور اس کے سوا کسی اور طرف رخ کرنے کا اختیار تھا۔ الربیع بن انس کے قول کے مطابق آپ کو اس بارے میں اختیار دیا گیا تھا، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا فرض تھا اور اس سلسلے میں کوئی تخییر نہیں تھی، مذکورہ بالا دونوں اقوال میں سے جو قول بھی قبول کیا جائے اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا فرض تھا کیونکہ تخییر اسے فرضیت کے دائرے سے خارج نہیں کرتی جس طرح مثلاً کفارہ یمین میں کئی باتوں کے درمیان تخییر ہے لیکن ان میں سے جس صورت کے تحت یہ کفارہ ادا کیا جائے گا وہ فرض قرار پائے گی۔ یا جس طرح اول یا درمیانی یا آخر وقت میں نماز کی ادائیگی، جعفر بن محمد نے روایت بیان کی، انہیں عبداللہ بن صالح نے معاویہ بن صالح سے، انہوں نے علی ابن ابی طلحہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ انہوں نے فرمایا: قرآن مجید کی سب سے پہلی بات جو منسوخ ہوئی وہ قبلے کی بات تھی۔ وہ اس طرح کہ جب حضور ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس پر یہودی بڑے خوش ہوئے۔ آپ ﷺ نے کچھ اوپر دس مہینے اس کی طرف رخ کیا، لیکن آپ کو اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ دل سے پسند تھا، آپ ﷺ اس کے لیے اللہ سے دعائیں کرتے اور آسمان کی طرف نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھتے۔ اس پر اللہ نے: قد نری تقلب وجھك، تا آخر آیت نازل فرمائی۔ اس روایت کے ذریعے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس بات کی خبر دی کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا فرض تھا اور مذکورہ بالا آیت کے ذریعے یہ فرضیت منسوخ ہوگئی۔ اس میں ان حضرات کے قول پر کوئی دلالت نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ تخییر کے بغیر بیت المقدس کی طرف رخ کرنا فرض تھا، یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنا علی وجہ التخییر فرض ہوا اور پھر نسخ کا ورود تخییر پر ہوا ہو اور اس کے ذریعے مسلمانوں کو کعبے کی طرف رخ کرنے میں بلا تخییر محدود کر دیا گیا ہو، روایت میں ہے کہ ہجرت سے پہلے کچھ لوگ مدینہ سے مکہ حضور ﷺ کے پاس آنے کے ارادے سے چل پڑے۔ یہ لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے تھے۔ ان لوگوں میں حضرت البراء بن معرور بھی تھے۔ انہوں نے راستے میں اپنی نمازیں کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھیں۔ جبکہ دوسرے رفقا نے یہ کہہ کر ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ جب یہ حضرات مکہ پہنچ گئے تو انہوں نے حضور ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا آپ نے حضرت البراء سے فرمایا: تم ایک قبلے، یعنی بیت المقدس پر تھے، اگر اس پر ثابت رہتے تو تمہارے لیے یہ بات کافی ہوتی آپ ﷺ نے انہیں پڑھی ہوئی نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا جس سے یہ

بات معلوم ہوئی کہ اس معاملے میں انہیں تخییر حاصل تھی اور انہوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کی بات اختیار کر لی تھی۔

اگر یہاں کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلی بات جو منسوخ ہوئی وہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا، تو جواب میں کہا جائے گا کہ ممکن ہے کہ اس سے مراد قرآن کا وہ حصہ ہو جو منسوخ التلاوۃ قرار پایا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد: سیقول السفھاء من الناس تا آخر آیت ہو اور اس کا نزول نسخ سے پہلے ہوا، ہو اور اس کے بعد مسلمانوں کو خبر دی گئی ہو کہ انہیں موجودہ قبلہ کی جگہ کسی اور قبلے کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس کی اپنے مذکورہ بالا قول سے مراد یہ ہو کہ قرآن میں سب سے پہلا نسخ ہے۔ اس صورت میں ان کی مراد ناسخ ہو گی منسوخ نہیں ہو گی۔

ابن جریج نے عطاء سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: قرآن میں سے پہلی بات جو منسوخ ہوئی وہ قبلے کی بات تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وللہ المشرق والمغرب فاینما تو لو ا فثم وجہ اللہ (مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں جس طرف بھی تم رخ کرو گے اسی طرف اللہ کا رخ ہے) پھر اللہ نے نازل فرمایا: سیقول السفھاءُ تا قول باری: فول وجھک شطر المسجد الحرام: مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو) یہ روایت دو باتوں پر دلالت کرتی ہے اول یہ کہ مخاطبین کو اپنے حسب منشا جس سمت چاہتے رخ کرنے کی تخییر حاصل تھی۔ دوم یہ کہ قرآن کی جو بات منسوخ کی گئی ہے وہ یہی تخییر ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور جسے: قول وجھک شطر المسجد الحرام کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا۔

یہود کا اعتراض اور ان کا نادان ہونا:

قول باری: سیقول السفھاءُ من الناس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ یہاں نادانوں کے ذکر سے یہود مراد ہیں، نیز یہ کہ انہوں نے تحویل قبلہ کے حکم پر نکتہ چینی کی تھی۔ یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے۔ یہود نے اسی نکتہ چینی کے ذریعے نسخ کے انکار کا ارادہ کیا تھا کیونکہ ان میں سے ایک گروہ نسخ کا قائل نہیں تھا۔ ایک قول کے مطابق انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قبلے سے کیوں پھر گئے جس کی طرف پہلے رخ کرتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کی طرف پھر جایئے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے۔

انہوں نے یہ کہہ کر صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانا چاہا تھا۔ اس طرح قبلہ اول سے قبلہ ثانی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل پر یہود کا اعتراض اور ان کی نکتہ چینی مذکورہ بالا دو میں سے ایک معنی پر محمول ہو گی۔ حسن بصری نے کہا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ملا تو مشرکین عرب نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو چھوڑ دیا تھا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس طریقے کی طرف لوٹ آئے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دین کی طرف بھی ضرور لوٹ

آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کو بھی بیان فرمایا جس کی خاطر اس نے مسلمانوں کو قبلہ اول سے قبلہ ثانی کی طرف پھیر دیا تھا، چنانچہ ارشاد ہے: وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه (پہلے تم جس طرف رخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لیے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹا پھر جاتا ہے ایک قول کے مطابق مسلمانوں کو مکہ کے اندر بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا اس لیے حکم دیا گیا تھا کہ وہ مشرکین سے ممتاز ہو جائیں جو ان کے سامنے کعبہ کی طرف رخ کیا کرتے تھے۔ پھر جب حضور ﷺ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو مدینہ کے آس پاس آباد یہودی بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو پھر سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ یہودیوں سے اسی طرح ممتاز ہو جائیں جس طرح وہ مکہ میں مشرکین سے ممتاز تھے۔ اس طرح مسلمان دونوں قبلوں کے اختلاف کے ذریعے مشرکین اور یہودیوں سے ممتاز ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی طرف سے نسخ کے انکار پر یہ فرما کر حجت قائم کر دی کہ: قل لله المشرق والمغرب یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ (آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب اللہ کے لیے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے) یہود پر حجت قائم کرنے کی صورت یہ ہے کہ جب مشرق اور مغرب اللہ کے لیے ہے تو ان دونوں کی طرف رخ کرنا یکساں ہے، انسانی عقل کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ دین اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی مصلحت کی خاطر جس جہت کو چاہتا ہے رخ کرنے کے حکم کے ساتھ مختص کر دیتا ہے۔ اسے ایک اور جہت سے دیکھیے۔ یہود کا دعویٰ یہ تھا کہ ارض مقدس (فلسطین جہاں بیت المقدس واقع ہے) کی طرف رخ کرنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سرزمین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو شرف اور عظمت بخشی ہے اس لیے اس سرزمین سے رخ پھیرنا بلاوجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس دعوے کا ابطال یہ کہہ کر کر دیا ہے کہ مشرق سے مغرب تک تمام مقامات اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں سے جس مقام کو چاہتا ہے ہر زمانے کے اندر بندوں کی بھلائی اور مصلحت کے پیش نظر مخصوص کر دیتا ہے۔ مقامات کے اندر بالذات تفصیل کی کوئی بات نہیں ہوتی، بلکہ ان مقامات کو فضیلت کے وصف کے ساتھ ان امور کی بنا پر موصوف کیا جاتا ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان مقامات کی تعظیم واجب کی اور ان مقامات پر ادا کیے جانے والے اعمال کو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

قرآن کے ذریعہ سنت کا نسخ:

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ زیر بحث آیت کے ذریعے ان حضرات سے استدلال کیا ہے جو قرآن کے ذریعے سنت کے نسخ کے قائل ہیں۔ اس لیے کہ حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے اس کا قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ پھر یہ

بات زیر بحث آیت کے ذریعے منسوخ کر دی گئی ۔ جو حضرات مذکورہ بالا نسخ کے قائل ہیں ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے کہ قول باری: فاینما تولوا فثم وجه الله ۔ منسوخ ہوا ہے۔ اس آیت کے مضمون میں کسی بھی جہت کی طرف رخ کرنے کی بات کی گئی ہے جسے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دے کر منسوخ کر دیا گیا ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا قول باری منسوخ نہیں ہوا، بلکہ اس کے حکم پر تین صورتوں کے اندر عمل ہوتا ہے ۔ اول اس صورت میں جب ایک شخص اپنی سمجھ بوجھ اور اجتہاد سے کام لے کر کعبہ کی جہت کے سوا کسی اور جہت کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر لے دوم خوف زدہ انسان کی نماز کی صورت میں اور سوم سواری پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی صورت میں ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے کہ مذکورہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی ، جو اپنے اجتہاد سے کام لے کر کعبہ کے سوا کسی اور رخ نماز ادا کر لے اور پھر اس کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ اس نے کعبہ کے رخ نماز ادا نہیں کی ۔ حضرت ابن عمر سے یہ بھی مروی ہے کہ مذکورہ آیت کا نزول سواری پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے والے کے متعلق ہوا ہے۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ جب ہمارے لیے نسخ کے ایجاب کا حکم عائد کیے بغیر آیت پر عمل کرنا ممکن ہے تو پھر اس کے نسخ کا حکم لگانا جائز نہیں ہوگا۔ ہم نے اس مسئلہ پر اصول فقہ کے اندر سیر حاصل بحث کی ہے۔

تحویل قبلہ کے حکم پر دیگر مسائل کی تصریح امام ابوبکر احمد بن علی جصاص حنفی لکھتے ہیں:

زیر بحث آیت کے اندر ایک اور حکم بھی ہے ۔ حماد بن سلمہ نے ثابت سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے پھر یہ آیت نازل ہوئی ۔ فول وجهك شطر المسجد الحرام (اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف موڑلو) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی کرنے والے نے اعلان کر دیا کہ مسلمانو تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف موڑلو ۔ یہ اعلان سن کر بنو سلمہ نے اپنے چہرے بیت اللہ کی طرف رکوع کی حالت میں ہی موڑ لیے ہیں۔

عبدالعزیز بن مسلم نے عبداللہ بن دینار سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ لوگ قبا (مدینہ کی ایک آبادی کا نام) کے اندر صبح کی نماز میں مصروف تھے کہ ایک شخص ان کے پاس پہنچا اور انہیں آگاہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا ہے، اور آپ کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لیے تم لوگ بھی استقبال کعبہ کرو ۔ یہ سن کر تمام لوگ اسی حالت میں کعبہ کی طرف مڑ گئے جبکہ پہلے ان کا رخ شام کی طرف تھا۔

اسرائیل نے ابو اسحٰق سے اور انہوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ جب آیت : قد نری

تقلب وجھک فی السماء کے نزول کے بعد حضور ﷺ کعبہ کے رخ مڑ گئے تو آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کرنے والا ایک شخص انصار کے ایک گروہ کے پاس سے گزرا۔ یہ حضرات بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کر رہے تھے یہ دیکھ کر مذکورہ شخص نے کہا کہ حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی ہے۔ یہ سن کر انصار کا مذکورہ گروہ نماز کے اندر ہی رکوع میں جانے سے پہلے کعبہ کی طرف مڑ گیا۔

ابوبکر جصاص کہتے ہیں کہ اہل علم کے ہاتھوں میں یہ ایک صحیح اور مستفیض روایت ہے اور لوگوں نے اس روایت کو قبول بھی کیا ہے، اس لیے یہ روایت متواتر حدیث کے مقام پر پہنچ گئی ہے اور حدیث متواتر علم کی موجب ہوتی ہے یہی روایت اس شخص کے مسئلے پر اصول کی حیثیت رکھتی ہے جو اپنے اجتہاد سے کام لے کر غیر کعبہ کے رخ نماز شروع کرے اور پھر نماز کے دوران میں سے معلوم ہو جائے کہ اس کا رخ کعبے کی طرف نہیں ہے تو وہ کعبہ کی طرف پھر جائے گا اور نئے سرے سے نماز شروع نہیں کرے گا۔

اسی طرح اگر لونڈی کو نماز کے اندر آزاد ہو جانے کی خبر مل جائے تو وہ ڈوپٹہ لے کر اپنی نماز جاری رکھے گی۔ یہ روایت دین کے معاملے میں خبر واحد کو قبول کر لینے کے سلسلے میں اصل اور بنیاد ہے، اس لیے کہ انصار نے ایک شخص کی دی ہوئی خبر کی بنیاد پر نماز کے اندر ہی اپنا رخ کعبہ کی طرف کر لیا تھا، نیز حضور ﷺ نے جس شخص کے ذریعے تحویل قبلہ کے حکم کی منادی کرائی تھی وہ بھی ایک تھا اور اس کی دی ہوئی خبر، خبر واحد کا درجہ رکھتی تھی۔ اگر صحابہ کرام کے لیے خبر واحد کو قبول کرنا لازم نہ ہوتا تو حضور ﷺ کی طرف سے منادی کرانے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

یہاں اگر کوئی کہے کہ آپ کا اصول تو یہ ہے کہ ایسا حکم جو علم کو واجب کر دینے والے ذریعے سے حاصل ہوا ہو اسے رفع کرنے میں خبر واحد کو قبول نہیں کیا جائے گا اور زیر بحث واقعہ آپ ﷺ کے اس اصول کے خلاف ہے کیونکہ لوگ آپ کی طرف سے توقیف اور حکم کی بنا پر بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور پھر انہوں نے خبر واحد کی بنا پر اس حکم کو ترک کر دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے مذکورہ حکم اس لیے ترک کر دیا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس سے دور رہ کر انہیں اس حکم کے باقی رہنے کا یقین نہیں تھا اور وہ اس حکم کے نسخ کو ممکن سمجھتے تھے۔

اگر یہاں کوئی شخص یہ کہے کہ جس طرح ان حضرات نے تحویل قبلہ کے بعد اپنی نمازیں جاری رکھیں اسی طرح آپ اس تیمّم کرنے والے کو اپنی نماز جاری رکھنے کا حکم نہیں دیتے جسے نماز کے اندر پانی دستیاب ہو جائے۔؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں اس بنا پر فرق ہے کہ تیمّم کرنے والے کے لیے نماز جاری رکھنے کو جائز قرار دینا اس پر وضو کو واجب نہیں کرتا اور پانی مل جانے کے باوجود تیمّم کے ساتھ اس کے لیے نماز جاری رکھنا جائز ہوتا ہے جب کہ دوسری طرف بنو سلمہ کے انصار کو جب تحویل قبلہ کی خبر پہنچی تو وہ فوراً کعبہ کی طرف پھر گئے اور اس جہت کی طرف اپنا رخ باقی نہیں

رکھا جس کی طرف وہ اپنے چہرے کیے ہوئے تھے۔ اس لیے قبلہ کی نظیر یہ ہے کہ تیمّم کرنے والے کو وضو کرنے اور نماز جاری رکھنے کا حکم دیا جائے۔ اس مسئلے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ تیمّم کرنے والے کو اگر وضو کرنا لازم ہو جائے تو اس کے لیے تیمم کے ساتھ نمازیں جاری رکھنا جائز نہیں ہوتا۔ اسے ایک اور جہت سے دیکھیے کہ تیمّم کرنے والے کے لیے اصل فرض پانی کے ذریعے طہارت حاصل کرنا ہوتا ہے اور مٹی اس کا بدل ہوتی ہے۔ اس لئے جب اسے پانی مل جائے تو وہ اپنے اصل فرض کی طرف لوٹ آتا ہے جس طرح موزوں پر مسح کرنے والا شخص مسح کا وقت ختم ہو جانے پر اپنی نماز مسح کے ساتھ جاری نہیں رکھ سکتا یہی کیفیت تیمّم کرنے والے کی ہے۔

بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والوں کا اصل فرض اس وقت کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا نہیں تھا جب وہ نماز میں داخل ہوئے تھے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا فرض تو انہیں نماز کی حالت میں لاحق ہوا تھا۔ اسی طرح لونڈی کو اگر نماز کی حالت میں آزاد کر دیا جائے تو اس سے پہلے اس پر ستر فرض نہیں تھا۔ یہ فرض تو اسے نماز کی حالت میں لاحق ہوا۔ اس لیے لونڈی کا مسئلہ حضرات انصار کے مسئلے کے مشابہ ہو گیا جب انہیں تحویل قبلہ کا حکم معلوم ہوا۔ اسی طرح اپنی سمجھ بوجھ سے کام لے کر ایک جہت کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے والے کا فرض اس جہت کی طرف رخ کرنا تھا جس کی طرف اپنے اجتہاد کی بنا پر اس نے رخ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کے سوا اس پر قول باری: فاینما تولوا فثم وجه الله ۔ کی بنا پر کوئی اور بات فرض نہیں تھی۔ وہ تو ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف منتقل ہوا تھا۔ بدل سے اصل فرض کی طرف منتقل نہیں ہوا تھا۔

اوامر اور زواجر کے احکام کا علم ہونے پر متعلق ہونا:

زیر بحث آیت میں ایک حکم اور بھی ہے، وہ یہ کہ حضرات انصار کا مذکورہ بالا فعل اس بات کی بنیاد ہے کہ اوامر اور زواجر کے احکام ان کے بارے میں علم ہو جانے پر متعلق ہوتے ہیں۔ یہ وجہ ہے کہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ ایک شخص اگر دارالحرب میں مسلمان ہو جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس پر نماز فرض ہے اور پھر وہ دارالاسلام میں آ جائے، تو اس پر گزشتہ نمازوں کی قضا لازم نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ فرضیت اسے سماع کے طریقے سے لازم ہوگی۔ لیکن جب تک اس کا علم نہیں ہوگا اس وقت تک اس کا حکم اس سے متعلق نہیں ہوگا۔ جس طرح حضرات انصار کے ساتھ تحویل قبلہ کی خبر آنے سے پہلے اس کا حکم متعلق نہیں ہوا۔ یہ بات وکالہ اور مضاربہ اور اسی طرح کے دیگر عقود میں جن کا تعلق بندوں کے اوامر سے ہے اس مسئلے کی اصل اور بنیاد ہے کہ اگر ان عقود میں حق فسخ رکھنے والا شخص انہیں فسخ کر دے تو جب تک دوسرے کو اس کا علم نہ ہو اس وقت تک ان عقود کی کوئی بات فسخ نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے کہا ہے عقد وکالہ کا علم ہونے سے پہلے وکیل کا تصرف جائز نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (۱)

۱۔ احکام القرآن: ج ۱، ص ۱۹۵۔۲۰۲

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق:

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں؛

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف چہرہ کیے ہوئے تھے اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دے تو یہ آیت نازل ہوئی: بے شک ہم آپ کے چہرہ کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں۔ (۱)

حسن بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ خبر دی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ قبلہ کو بیت المقدس سے پھیر کر کسی اور سمت پر کر دے گا، اور یہ نہیں بیان کیا تھا کہ کس سمت آپ کو پھیرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ یہ محبوب تھا کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ کو آسمان کی طرف پھیر کر وحی کا انتظار کر رہے تھے، تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیر لو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانوں پر مسجد حرام کی طرف منہ کرنا فرض کر دیا، خواہ وہ کسی جگہ ہوں، اگر کوئی شخص بیت المقدس میں بھی ہو تو اس پر بیت اللہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے علامہ حصکفی حنفی نے لکھا ہے کہ جو شخص بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہا ہو اس پر بعینہ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے اور جو شخص کعبہ سے غائب ہو اس پر اس کی سمت کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔ (۳)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد (حرام) والوں کے لیے بیت المقدس قبلہ ہے اور اہل حرم کے لیے مسجد قبلہ ہے اور تمام روئے زمین پر میری امت کے مشرق اور مغرب والوں کے لیے مسجد حرام قبلہ ہے اور جو شخص مسجد حرام میں ہو اس کو اپنے چہرے کا رخ کعبہ کی طرف کرنا چاہیے کیونکہ روایت ہے کہ کعبہ کی طرف دیکھنا عبادت ہے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو، اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ نماز کی حالت میں قیام میں نظر سامنے قبلہ کی طرف ہونی چاہیے، نیز قیام کا حکم سارے جسم کے لیے ہے اور چہرہ اشرف الاعضاء ہے اس کے قیام کا حکم بہ طریق اولیٰ ہو گا اور چہرہ کا قیام اس وقت ہو گا جب چہرہ کا رخ بیت اللہ کی جانب ہو اور یہی امام مالک کا مذہب ہے، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ قیام میں سجدہ کی جگہ نظر ہو رکوع، میں قدموں کی جگہ اور سجدہ میں ناک کی طرف نظر ہو (۴)

۱۔ جامع البیان، ج ۲، ص ۱۳ ۲۔ جامع البیان، ج ۲، ص ۱۴ ۳۔ درمختار علی ھامش ردالمحتار، ج ۱، ص ۲۸۷

۴۔ الجامع الاحکام القرآن، ج ۲، ص ۱۶۰۔۱۵۹

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

قیام میں نظر موضع سجود کی طرف ہونی چاہیے اور رکوع میں قدموں کی پشت پر اور سجدہ میں ناک کے نرم گوشے کی طرف اور بیٹھتے وقت گود میں اور سلام کے وقت کندھوں کی طرف اس کے اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص کعبہ کا مشاہدہ کر رہا ہو، اس کی نظر بھی ان ہی مواضع کی طرف ہو، کیونکہ اس سے مقصود خشوع ہے اور ان مواضع کی طرف دیکھنے سے خشوع حاصل نہ ہو تو ان سے عدول کر سکتا ہے۔ (۱)

خشوع کا معنی ہے عجز اور انکسار کرنا اور آنکھیں نیچی کرنا، اور اللہ تعالیٰ نے خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کی مدح فرمائی ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ، الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (۲)

بے شک ایمان والے کامیاب ہوئے جو خشوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں

اس لیے نماز کی حالت قیام میں سجدہ گاہ نظر رکھنا، خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا طریقہ ہے اور یہ کعبہ کی طرف چہرہ کرنے کے منافی نہیں ہے۔

اہل کتاب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب طرف سے حق ہے۔

یعنی یہود اور نصاریٰ کو یہ علم ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہود و نصاریٰ کو کیسے یہ علم ہوگا حالانکہ یہ حکم ان کے دین میں تھا نہ ان کی کتاب میں لکھا ہوا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے یہ علم تھا کہ سیدنا محمد ﷺ برحق نبی ہیں، آپ اللہ کی وحی کے سوا کوئی بات نہیں کہتے اور آپ کی کہی ہوئی ہر بات حق اور ثواب ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنے دین سے یہ معلوم تھا کہ احکام منسوخ ہوتے رہتے ہیں اس لیے ان کو علم تھا کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے، اس لیے تحویل قبلہ پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، تیسرا جواب یہ ہے کہ ان کو اپنی کتاب سے علم تھا کہ ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا اور یہی اللہ کا سب سے پہلا گھر ہے اور نبی ﷺ کو ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا، چوتھا جواب یہ ہے کہ معجزات اور دیگر دلائل سے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ثابت ہو چکی تھی اس لیے ان کو لامحالہ علم تھا کہ جس جانب کو آپ نے قبلہ قرار دیا وہی قبلہ ہے، پانچواں جواب یہ ہے کہ ان کی کتاب میں تحویل قبلہ کا حکم بھی لکھا ہوا تھا۔ (۳)

۱۔ ردالمحتار، ج ۱، ص ۳۲۱　　۲۔ المومنون: ۲:۱　　۳۔ تبیان القرآن، ج ۱، ص ۶۰۶۔۶۰۷

تحویل قبلہ کا مقام:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

میں (مفسر) کہتا ہوں کہ اس حدیث میں مشرق سے بہت چھوٹے دنوں کی مشرق مراد ہے اسی طرح مغرب سے مراد بہت چھوٹے دنوں کی مغرب ہے اس کے مابین جہت جنوب ہوئی یہی قبلہ اہل مدینہ کا ہے اسی طرح ہر ملک کے لوگوں کا علیحدہ قبلہ ہے چنانچہ اہل ہند کا قبلہ دو مغربوں کے درمیان ہے اور وہ دونوں مغرب راس جدی کی مغرب ہے مواہب اور سبیل الرشاد میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی سلمہ میں ام بشر ابن براء بن معرور سے ملنے براء کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے ام بشر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کا وقت آ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اصحاب کے مسجد بنی سلمہ میں نماز شروع فرمائی جب آپ دو رکعتیں پڑھ چکے تو جبرائیل نے آ کر اشارہ کیا کہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھو آپ نماز ہی میں کعبہ کی طرف میزاب کی جانب پھر گئے، جس جگہ مرد تھے وہاں عورتیں آ گئیں اور جہاں عورتیں تھی وہاں مرد آ گئے غرض سب نماز میں پھر گئے اس واسطے اس مسجد کو مسجد القبلتین کہتے ہیں واحدی نے کہا ہے ہمارے نزدیک یہ قصہ نہایت قوی سند سے ثابت ہے غرض آپ نے ظہر کی دو رکعت تو بیت المقدس کی طرف پڑھیں اور دو رکعت کعبہ کی طرف۔ عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نماز پڑھ کر جا رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ بنی حارثہ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں اور رکوع میں ہیں انہوں نے باآواز بلند کہا کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آ رہا ہوں وہ سن کر فوراً بیت اللہ کی طرف پھر گئے اور صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول نماز جو کعبہ کی طرف پڑھی وہ عصر کی نماز تھی یہ حدیث پہلی حدیث کے خلاف ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی لیکن تحقیق یہ ہے کہ ظہر ہی کی نماز پڑھی اور دوسری حدیث میں جو عصر کی نماز آئی ہے تو ممکن ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو آپ کے بنی سلمہ میں ظہر پڑھنے کی اطلاع نہ ہوئی ہو یا ان کی مراد یہ ہو کہ پوری نماز سب سے پہلے کعبہ کی طرف عصر کی نماز پڑھی۔ کیونکہ ظہر کی دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں یا یہ مقصود ہو کہ اپنی مسجد میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی اور تحویل قبلہ کی خبر قبا والوں کو اگلے روز فجر کی نماز میں ہوئی ہے چنانچہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قباء میں لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا ہے وہ سب اسی وقت کعبہ کی طرف پھر گئے اول ان کے منہ شام کی طرف تھے اور رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ ہم بنی عبد الاشہل میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر پکارا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو گیا ہمارا امام یہ سن کر کعبہ کی طرف پھر گیا اور ہم سب بھی پھر گئے۔ (۱)

۱۔ تفسیر مظہری۔ ج۱، ص۲۱۲۔۲۱۳

نماز میں خاص بیت اللہ کا استقبال ضروری نہیں اس کی سمت کا استقبال بھی بیرونی دنیا کے لیے کافی ہے:

یہاں ایک فقہی نکتہ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس آیت میں کعبہ یا بیت اللہ کے بجائے لفظ مسجد حرام کا استعمال فرمایا گیا ہے
جس میں اشارہ ہے کہ بلادِ بعیدہ کے رہنے والوں کے لیے یہ ضروری نہیں کہ عین بیت اللہ کی محاذات پائی جائے بلکہ سمتِ بیت اللہ کی
طرف رخ کر لینا کافی ہے، ہاں جو شخص مسجد حرام میں موجود ہے یا کسی قریبی پہاڑ پر بیت اللہ کو دیکھ رہا ہے، اس کے لیے خاص بیت
اللہ ہی کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، اگر بیت اللہ کی کوئی چیز بھی اس کے چہرے کے محاذات میں نہ آئی تو اس کی نماز نہیں ہوتی
بخلاف ان لوگوں کے جن کے سامنے بیت اللہ نہیں کہ ان کے واسطے سمتِ بیت اللہ یا سمت مسجد حرام کی طرف رخ کر لینا کافی ہے۔

بہر حال ہجرتِ مدینہ سے سولہ سترہ مہینے بعد پھر آپ ﷺ کا اور مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ کو بنایا گیا اس پر یہود اور بعض
مشرکین ومنافقین آنحضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ اعتراض کرنے لگے کہ ان کے دین کا بھی کوئی ٹھکانا نہیں اور ان کا قبلہ
روز روز بدلتا رہتا ہے۔

قرآن کریم نے ان کا یہ اعتراض آیت مذکورہ میں نقل فرمایا، مگر ساتھ ہی عنوان یہ رہا کہ بیوقوف لوگ یہ اعتراض کرتے
ہیں، اور ان کی بیوقوفی اس جواب سے واضح ہوگئی جو اس کے بعد ذکر فرمایا گیا ہے، ارشاد ہے: قل للہ المشرق والمغرب
یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ ''یعنی آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی کے ہیں مشرق اور مغرب وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ
چلاتا ہے'' اس میں استقبال قبلہ کی حقیقت کو واضح فرما دیا کہ کعبہ اور بیت المقدس کی کوئی خصوصیت بجز اس کے نہیں کہ حکم ربانی نے
ان کو کوئی امتیاز دے کر قبلہ بنا دیا، وہ اگر چاہیں تو ان دونوں کے علاوہ کسی تیسری چوتھی چیز کو بھی قبلہ بنا سکتے ہیں، پھر جس کو قبلہ بنا دیا
گیا اس کی طرف رخ کرنے میں جو کچھ فضیلت اور ثواب ہے اس کی روح حکم حق جل شانہ کی اطاعت کے سوا کچھ نہیں، جو بانی
کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا بنیادی اصول ہے، اور اسی لیے دوسری آیت میں اور زیادہ واضح فرمایا کہ:

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ:(۱)

اس میں ذاتی کوئی نیکی اور ثواب نہیں کہ تم مشرق کی طرف رخ کر و یا مغرب کی طرف لیکن نیکی اللہ پر ایمان لانے اور
اس کی اطاعت کرنے میں ہے۔ اور ایک آیت میں فرمایا:

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ:(۲)

''یعنی تم اللہ کے فرمان کے مطابق جس طرف بھی رخ کرو اللہ تعالیٰ کی توجہ اس طرف پاؤ گے''

ان آیات نے قبلہ اور استقبالِ قبلہ کی حقیقت کو بھی واضح فرما دیا، کہ اس میں ان مقامات کی کوئی ذاتی خصوصیت نہیں ہے

۱۔ بقرہ:۱۷۷　　۲۔ بقرہ:۱۱۵

بلکہ ان میں فضیلت پیدا ہونے کا سبب ہی یہ ہے کہ ان کو حق تعالیٰ نے قبلہ بنانے کے لیے اختیار فرمالیا، اور اس کی طرف رخ کرنے میں ثواب کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ حکم ربانی کی اطاعت ہے، اور شاید آنحضرت محمد ﷺ کے لیے کوئی بت نہیں جس کی پرستش کی جائے، بلکہ جب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل گیا تو اسی کی طرف رخ کرنا عبادت ہوگیا، اس کے بعد والی آیت میں خود قرآن کریم نے بھی اس حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں فرمایا:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ.(۱)

''یعنی جس قبلہ پر آپ ﷺ رہ چکے ہیں اس کو قبلہ بنانا تو محض اس بات کو ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ کون رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتا ہے اور کون پیچھے ہٹ جاتا ہے۔''

اس حقیقتِ قبلہ کے بیان سے ان بیوقوف مخالفین کا بھی پورا جواب ہوگیا جو قبلہ کے بارے میں تغیر وتحویل کو اصولِ اسلام کے منافی سمجھتے اور مسلمانوں کو طعنے دیتے تھے، آخر میں ارشاد فرمایا: یھدی من یشاء الی صراط مستقیم، اس میں بتلادیا ہے کہ سیدھی راہ یہی ہے کہ انسان حکم حق جل شانہ کے لیے کمر بستہ منتظر رہے، جو حکم مل جائے اس پر بے چون وچرا عمل کرے اور یہ سیدھی راہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی۔

اہل اسلام کی تین خصوصیات:

مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل کتاب کو مسلمانوں کے ساتھ سب سے بڑا حسد تین چیزوں پر ہے ایک یہ کہ ہفتہ میں ایک دن عبادت کے لیے مخصوص کرنے کا حکم ساری امتوں کو ملا تھا، یہود نے سنیچر کا دن مقرر کرلیا، اور نصاریٰ نے اتوار کا اور حقیقت میں عنداللہ وہ جمعہ کا روز تھا، جو مسلمانوں کے انتخاب میں آیا، دوسرے وہ قبلہ جو تحویل کے بعد مسلمانوں کے لیے مقرر کیا گیا، اور کسی امت کو اس کی توفیق نہیں ہوئی، تیسرے امام کے پیچھے آمین کہنا کہ یہ تینوں خصلتیں صرف مسلمانوں کو میسر ہوئیں اہل کتاب ان سے محروم ہیں۔ (۲)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

مذکورہ بالا دونوں احادیث سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال دو طرح سے ہے۔

۱۔ نماز میں سمتِ قبلہ فرض ہے۔

۲۔ خانہ کعبہ بطورِ قبلہ ہجرت مدینہ کے سولہ یا سترہ مہینے مقرر رہا، اس سے پہلے قبلہ بیت المقدس تھا۔

۱۔ بقرہ۲: ۱۴۳ ۲۔ معارف القرآن، ج۱، ص ۳۶۳۔۳۶۵

تحویل قبلہ کا مقام:

☆ حضور اکرم ﷺ ام بشر بن براء سے ان کے باپ کے انتقال پر اظہار تعزیت کے لیے تشریف لے گئے تھے، اور یہ قبلہ بنو سلمہ کا محلہ تھا، بیان پر ہی ظہر کا وقت ہو گیا، تو آقا کریم ﷺ نے مسجد بنو سلمہ میں نماز شروع فرمائی تھی، دو رکعت پڑھنے کے بعد تحویل قبلہ کا حکم ہوا تھا۔ اس طرح آپ ﷺ نے دو رکعت بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے اور دو رکعت بیت اللہ شریف کی طرف چہرہ کر کے نماز ادا فرمائی۔

مسجد قبلتین کی وجہ تسمیہ:

بنو سلمہ کی اسی مسجد کو مسجد قبلتین کہا جاتا ہے، جو کہ مدینہ منورہ میں موجود ہے۔

انصار کے قبیلے کا نام:

☆ انصار کے اس قبیل کا نام بنو حارثہ تھا۔ اور یہ نماز عصر تھی اسی طرح کا واقعہ اہل قباء کے لیے فجر کی نماز میں پیش آیا تھا، اسی طرح کا واقعہ بنو عبدالاشھل کے محلہ میں بھی پیش آیا چنانچہ یہ مختلف واقعات پیش آئے۔

☆ تحویل قبلہ کے حکم سے واضح ہوا کہ شریعت محمدیہ ﷺ میں ناسخ و منسوخ جاری ہوا ہے، کیونکہ آپ ﷺ اس سے پہلے بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور بعد میں بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا۔

☆ بیت المقدس کی طرف چہرہ کرنا فرض تھا، البتہ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کے مطابق اس امر کا آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا۔

☆ قرآن مجید میں سب سے پہلے ناسخ حکم تحویل قبلہ کا تھا۔

☆ قرآن کے ذریعے سنت کا منسوخ ہونا، اس تحویل قبلہ کے حکم سے ثابت ہے

☆ اوامر و زواجر کے احکامات پر عمل اس وقت واجب ہوتا ہے، جب اس کا علم ہو۔

☆ اگر کوئی شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا، اور اسے نماز کے فرض ہونے کا علم نہ ہوا، پھر وہ دارالاسلام میں آ گیا، تو اب اس پر دارالحرب والی نمازیں قضا کرنا واجب نہ ہوں گی۔

☆ تحویل قبلہ حضور اکرم ﷺ کی خواہش پر ہوا، یہ امتِ محمدیہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔

☆ مسجد حرام والوں کے لیے بیت اللہ قبلہ ہے، اہل حرم کے لیے مسجد حرام قبلہ ہے۔ اور باقی تمام روئے زمین والوں کے لیے بھی مسجد حرام قبلہ ہے۔

☆ نماز میں عین کعبہ کی طرف چہرہ کرنا فرض نہیں، بلکہ جہت قبلہ فرض ہے۔

☆ خانہ کعبہ کو دیکھنا بھی عبادت ہے، اس لیے دوران نماز اگر خانہ کعبہ پر نظر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بَابُ الْحَالِ الَّتِي يَجُوزُ فِيهَا اسْتِقْبَالُ غَيْرِ الْقِبْلَةِ باب ۲۳: غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا جواز

فرض اور واجب نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا شرط ہے، البتہ حالتِ خوف یا سواری پر نفل پڑھنے کے لیے یہ شرط نہیں ہے، اس باب میں سواری پر نفل اور وتر پڑھنے کی صورت میں قبلہ رخ کی شرط نہ ہونے کا بیان ہے، امام نسائی نے اس باب میں تین احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں قبلہ رخ کے فرض ہونے کا بیان تھا، اور اس باب میں سواری پر نفل نماز میں رخصت کا بیان ہے۔

۴۸۹۔ أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ حَمَّادٍ زُغْبَةُ وَأَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ السَّرْحِ وَالْحَارِثُ بْنُ مِسْكِينٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ وَاللَّفْظُ لَهُ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَتَوَجَّهُ، وَيُوتِرُ عَلَيْهَا غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُصَلِّي عَلَيْهَا الْمَكْتُوبَةَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفل اور وتر نماز پڑھ لیا کرتے تھے، اگرچہ سواری کا منہ کسی طرف بھی ہوتا، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر فرض نماز نہیں پڑھتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۷۴۳۔، بخاری: ۱۰۹۸، مسلم: ۷۰۰، ابوداؤد: ۱۲۲۴، احمد: ۱۵۶۹۵، تحفۃ الاشراف: ۶۹۷۸

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن مین سے سات کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں:

۱۔ عیسٰی بن وزعبہ: راجع: ۲۱۱ ۲۔ احمد بن عمرو: راجع: ۳۹ ۳۔ الحارث بن مسکین: راجع: ۹
۴۔ ابن وہب: ایضاً ۵۔ یونس: ایضا ۶۔ ابن شہاب: راجع: ۱۱۶

۷۔حضرت سالم بن عبداللہ:

نام ونسب:

سالم نام ہے۔ابوعمر کنیت۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامور فرزند حضرت عبداللہ کے خلف الصدق تھے۔ددھیال کی طرح ان کا نھیال بھی روشن وتاباں تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یزدگرد شہنشاہ ایران کی جولڑکیاں گرفتار ہوئی تھیں۔ان مین سے یک عبداللہ کودی گئی تھی۔سالم اسی کے بطن سے تھے،اس طرح ان کی رگوں میں ایران کے شاہی خاندان کا خون بھی شامل تھا۔(۱)

فضل وکمال:

سالم کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں سے تھے جوعلم وعمل کا پیکر اورزہدوورع کی تصویر تھے،ان کی تعلیم وتربیت نے انہیں بھی اپنا مثنیٰ بنا دیا تھا،ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی تمام اولادوں میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ عبداللہ تھے،اور عبداللہ کی اولادوں میں اُن کے مشابہ سالم تھے۔(۲) اس طرح سالم گویا عمر فاروق کا نقش ثانی تھے۔

ان کا شمار مدینہ کے ان تابعین میں تھا جواقلیم وعمل دونوں کے فرماں روا تھے۔علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سالم فقیہ، حجت اوران مخصوص علماء میں تھے جن کی ذات علم وعمل دونوں کی جامع تھی۔(۳)

امام نووی لکھتے ہیں کہ سالم کی امامت،جلالت،زہدوورع اورعلوئے مرتبت پرسب کا اتفاق ہے۔(۴)

تفسیر:

تفسیر،حدیث فقہ جملہ فنون میں ان کو یکساں درک تھا،لیکن شدتِ احتیاط کی وجہ سے قرآن کی تفسیر نہ بیان کرتے تھے۔(۵) اسی لیے مفسر کی حیثیت سے انہوں نے کوئی خاص شہرت نہیں حاصل کی۔

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حدیث کے رکن اعظم تھے سالم نے زیادہ ترانہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی،ان کے علاوہ وہ اکابر صحابہ میں ابوہریرہ،ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے بھی استفادہ کرتے تھے۔(۶)

ان بزرگوں کے فیض سے ان کا دامن علم نہایت وسیع ہوگیا تھا۔علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ سالم ثقہ،کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ لوگوں میں تھے۔(۷)

۱۔ تہذیب التہذیب،ج۳،ص۴۳۸ ۲۔ ابن سعد،ج۵،ص۱۴۵ ۳۔ تذکرۃ الحفاظ،ج۱،ص۷۷

۴۔ تہذیب الاسماء،ج۱،۲۷ ۵۔ ابن سعد،ج۵،ص۱۴۸ ۶۔ تہذیب التہذیب،ج۳،ص۴۳۸

۷۔ ابن سعد،ج۵،ص۱۴۵

تلامذہ:

حدیث میں عمرو بن دینار، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، حمید الطّویل، صالح بن کیسان عبید اللہ بن عمرو بن حفص، ابو واقد لیثی، عاصم بن عبد اللہ، عبد اللہ بن ابی بکر، اور ابو قلابہ جرمی جیسے اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے۔ (۱)

فقہ:

سالم کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت کا درجہ رکھتے تھے، بعض آئمہ جن میں ایک ابن مبارک بھی ہیں ان کو مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں شمار کرتے تھے، (۲) گو ساتویں فقیہ کی تعین میں اختلاف ہے، مختلف اشخاص نے اپنی اپنی نظر و بصیرت کے مطابق مختلف نام لیے ہیں۔ لیکن ہر سال اس زمرہ میں سالم کا نام لیا جاتا ہے ان کے فقہی کمالات کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کی صاحب افتاء جماعت کے وہ ممتاز رکن تھے۔ (۳)

زہد و تقویٰ:

سالم علم کے ساتھ عمل کے بھی اسی درجہ پر تھے، امام مالک فرماتے تھے کہ سالم کے زمانہ میں ان سے زیادہ زہد و ورع میں سلف صالحین سے مشابہ کوئی نہ تھا۔ (۴) امام نووی اور حافظ ذہبی وغیرہ جملہ ارباب سیر ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں۔

صحتِ عقیدہ:

عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے اور بعد میں جو نکتہ آفرینیاں ہوئیں انہیں سخت ناپسند کرتے تھے، چنانچہ قدریوں پر جو قدر کی بنا پر خیر و شر کا عقیدہ رکھتے ہیں لعنت بھیجتے تھے۔ (۵)

شدتِ احتیاط:

وہ ہر چیز میں انتہائی احتیاط برتتے تھے، جس بات میں جھوٹ کا خفیف سا شائبہ بھی نکلتا اسے پسند نہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک کپڑا ست گزا مشہور تھا، جو سات گز سے کچھ کم ہوتا تھا لیکن عرف عام میں وہ ست گز ہی کہلاتا تھا، مروان بن جبیر بزار کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سالم کپڑا خریدنے کے لیے آئے، میں نے ان کے سامنے ست گزا پھیلا دیا، وہ سات گز سے کچھ کم تھا، فرمایا تم نے تو ست گزا کہا تھا، میں نے کہا سالم لوگ اسی کو ست گزا کہتے ہیں، فرمایا جھوٹ ایسا ہی ہوتا ہے۔ (۶)

خونِ مسلم کی حرمت:

آپ کے نزدیک مسلمان کا خون اتنا محترم تھا کہ مجرم مسلمان پر بھی ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ حجاج نے آپ کا ایک ایسے شخص کے قتل کا حکم دیا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے معاونین میں تھا۔ آپ تلوار لے کر مجرم کی طرف بڑھے اور پاس جا کر پوچھا،

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ۴۳۷ ۲۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۰۸ ۳۔ اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۲۵
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۷۷ ۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۴۸ ۶۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۴۷

تم مسلمان ہو۔ اس نے کہا ہاں مسلمان ہوں لیکن آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کیجئے۔ آپ نے پوچھا تم نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے، اس نے کہا ہاں پڑھی ہے۔

یہ سن کر سالم لوٹ گئے، اور حجاج کے سامنے تلوار پھینک کر کہا یہ شخص مسلمان ہے۔ آج صبح تک اس نے نماز پڑھی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ خدا کی حفظ وامان میں آ گیا۔

حجاج نے کہا ہم اس کو صبح کی نماز کے لیے تھوڑا ہی قتل کرتے ہیں، بلکہ اس لئے قتل کرتے ہیں کہ وہ قاتلین عثمان کے معاونوں میں ہے۔ فرمایا اس کے لیے وہ لوگ موجود ہیں جو عثمان کے خون کا انتقام لینے کے ہم سے زیادہ حقدار ہیں۔ سالم کے والد حضرت عبداللہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا سالم نے سمجھ داری کا کام کیا ہے۔(۱)

امراء کی دولت سے بے نیازی:

آپ غیر خدا کے سامنے کسی حاجت کو پیش کرنا پسند نہ کرتے اور امراء کی دولت اور ان کی دادودہش سے اتنے بے نیاز تھے، کہ ان کی درخواست پر بھی کبھی خواہش کا اظہار نہ کرتے تھے۔ ہشام بن عبدالملک آپ کو بہت مانتا تھا، اور اتنا احترام کرتا تھا کہ آپ نہایت معمولی اور موٹے جھوٹے لباس میں بے محابا اس کے دربار میں چلے جاتے تھے اور وہ اسی لباس میں آپ کو تخت شاہی پر ساتھ بٹھاتا تھا۔(۲)

ایک مرتبہ وہ حج کے لئے آیا خانہ کعبہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی، ہشام نے آپ سے درخواست کی آپ کی جو ضروریات ہوں انہیں بیان کیجئے۔ آپ نے فرمایا، خدا کے گھر میں کسی غیر سے نہ مانگوں گا۔(۳)

پندوموعظمت:

آپ کی پندوموعظمت نہایت موثر اور دلپذیر ہوتی تھی، ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے آپ کو لکھا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے کچھ مسائل لکھ بھیجے، آپ نے جواب میں لکھا، عمر! ان بادشاہوں کو یاد کرو جن کی وہ آنکھیں بے نور ہو گئیں جو لذت نظر سے کبھی سیر نہ ہوتی تھیں، وہ پیٹ پھٹ گئے جو ایوان نعمت سے کبھی آسودہ نہ ہوتے تھے، آج وہ زمین کے ٹیلوں کے نیچے مردار پڑے ہیں، اگر وہ ہماری آبادی سے قریب ہوتے تو ان کی عفونت سے ناک نہ دی جاتی۔(۴)

باپ کی محبت:

حضرت عبداللہ اپنے والد بزرگوار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح بال بچوں سے بہت کم دلچسپی رکھتے لیکن سالم کے ساتھ ان کے محاسن اور کمالات کی وجہ سے والہانہ شیفتگی تھی۔ چنانچہ سالم جب خاصے سن رسیدہ ہو گئے تھے، اس وقت بھی عبداللہ رضی اللہ عنہ انہیں

۱۔ ایضاً ص ۱۴۵ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۷۷ ۳۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۹۸ ۴۔ ایضاً

چومتے تھے اور فرماتے تھے، تم لوگ تعجب نہیں کرتے کہ ایک بوڑھا، ایک سن رسیدہ کو بوسہ دیتا ہے۔ ان کی اس غیر معتدل محبت پر لوگ ان پر نکتہ چینی کرتے تو جواب دیتے۔(۱)

''یلو مو ننی فی سالم و الومھم　　وجلدۃ بین العین و الا نف سالم''

''لوگ مجھے سالم کے معاملہ میں ملامت کرتے ہیں اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں سالم آنکھ اور ناک کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں۔''

وفات:

ذی الحجہ ۱۰۶ھ میں مدینہ مین وفات پائی۔ ہشام بن عبدالملک نے جوحج سے فراغت کے بعد مدینہ آیا ہوا تھا، نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں خلقت کا اتنا ہجوم تھا کہ بقیع کے میدان میں نماز پڑھائی گئی۔(۲)

حلیہ ولباس وغیرہ:

حضرت سالم کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ اس میں تکلیف وتصنع کا گذر نہ تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی زندگی نہایت خشک اور سادہ تھی۔ صوف کا لباس پہنتے تھے، پورے لباس کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ غذا میں صرف روٹی اور روغن زیتوں ہوتا تھا۔(۳)

(فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زندگی بھی یہی تھی) گوشت بہت کم کھاتے تھے، اور لوگوں کو منع کرتے تھے گوشت کم کھایا کرو اس میں شراب جیسی تیزی ہوتی ہے۔(۴)

لیکن اس غذا کے باوجود جسم نہایت تر وشاداب تھا، ایک مرتبہ ہشام نے حج کے موقعہ پر جب کہ لباس میں صرف احرام ہوتا ہے، ان کے جسم کی تازگی دیکھ کر پوچھا ابوعمیر کیا کھاتے ہو انہوں نے کہا روٹی اور روغن زیتون، اس نے کہا یہ غذا کیسے کھائی جاتی ہے فرمایا اسے ڈھک کر رکھ دیتا ہوں جب بھوک معلوم ہوتی اس وقت کھالیتا ہوں۔(۵)

اولاد:

اپنے بعد کئی اولادیں یادگار چھوڑیں، عمر، ابوبکر، عبداللہ، عاصم جعفر، عبدالعزیز فاطمہ اور حفصہ۔(۶)

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:　　راجع: ۱۱۷

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۱۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۷۷، وابن سعد، ج ۵، ص ۱۴۵　۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۱۴۸　۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۷۷
۴۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۱۹۸　۵۔ ابن سعد، ج ۱، ص ۱۴۸　۶۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۱۱۵۔۱۱۹

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسوتین (۲۰۳) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ کے علاوہ تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، جبکہ حضرت عیسیٰ بن حماد رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے امام بخاری اور ترمذی راویت نہیں کرتے ہیں اور حضرت حارث بن مسکین رحمۃ اللہ علیہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت لینے میں منفرد ہیں۔

☆ سند کے پہلے پانچ راوی مصری اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (سالم) کی اپنے باپ (حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے

☆ حضرت سالم بن عبداللہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہے، آپ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے، اور اس کتاب میں کل ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ یہ روایت تابعی (ابن شہاب) کی دوسرے تابعی (سالم) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فقہاء عبادلہ اربعہ میں سے ہیں، اسی طرح مکثرین سبعہ صحابہ میں سے بھی ہیں، آپ سے دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۳۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کان رسول اللہ یسبح:	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز پڑھتے تھے	الراحلة:	سواری
قبل:	طرف	ای وجه:	جس طرف
تتوجه:	وہ متوجہ ہوتی	یوتر علیها:	آپ اس پر وتر بھی پڑھ لیتے
غیر انه:	سوائے بے شک وہ	لا یصلی:	نماز نہیں پڑھتے تھے،
المکتوبة:	فرض		

۴۹۰۔أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ قَالَ :حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ "َ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى دَابَّتِهِ وَهُوَ مُقْبِلٌ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَفِيهِ أُنْزِلَتْ (فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ) (البقرة115 :)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان:

حضور اکرم ﷺ سواری پر نماز پڑھتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف عازم سفر ہوتے تھے، اسی کے بارے میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ لہٰذا تم جس طرف بھی رخ کرو، ادھر ہی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ جہت ہے۔

۱۔مطابقت

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

آقا کریم ﷺ سواری پر نفل پڑھتے تھے، حالانکہ آپ ﷺ کا چہرہ انور مدینہ منورہ کی طرف ہوتا تھا، جس سے واضح ہوا کہ سواری پر نماز پڑھتے ہوئے غیر قبلہ کی طرف بھی ہو تو نماز جائز ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم: ۷۰۰، ترمذی: ۲۹۵۸، احمد: ۴۷۱۴، تحفۃ الاشراف: ۷۰۵۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے:

۱۔عمرو بن علی: راجع: ۴ ۲۔محمد بن المثنیٰ: راجع: ۸۰

۳۔یحییٰ: راجع: ۱۳۳ ۴۔ عبدالملک: راجع: ۴۰۶

۵۔سعید بن جبیر: راجع: ۴۳۶ ۶۔حضرت عبداللہ بن عمر: راجع: ۱۱۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چوہتر (۱۷۴) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں، البتہ حضرت عبدالملک مختلف فیہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت عمرو بن علی فلاس آئمہ صحاح ستہ کے استاد ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری، اگلے دو کوفی اور آخری مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (عبدالملک) کی دوسرے تابعی (سعید) سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔لغات:

كان رسول الله ﷺ يصلي:	آقا کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے۔
دابته :	اپنی سواری پر
من مكة الى المدينة:	مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف
انزلت:	نازل ہوئی
فاينماتولوا :	آپ ﷺ جس طرف بھی رخ کرو
وجه:	لفظی معنیٰ چہرہ۔ یہاں مرادی معنیٰ پسندیدہ جہت ہے۔

۴۹۱۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ فِي السَّفَرِ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ قَالَ مَالِكٌ :قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ :وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذَٰلِكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: حضور اکرم ﷺ سفر میں سواری پر نماز پڑھا کرتے تھے، چاہے جس طرف بھی سواری کا رخ ہوتا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے

۲۔اطراف:

تقدم: ۴۲ے، بخاری: ۱۰۹۶، مسلم: ۷۰۰، موطا: ج ا، ۱۵۱، احمد: ۵۴۰۶، تحفۃ الاشراف: ۷۲۳۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔قتیبہ بن سعید: راجع: ۱۱۸ ۲۔مالک: راجع: ۱۱۷

۳۔**عبداللہ بن دینار:** راجع: ۲۶۰ ۴۔**حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:** راجع: ۱۱۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت، رباعیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ سولہ (۱۶) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ رباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے اعلیٰ وارفع سند ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ایسے شیخ ہیں، کہ صحاح ستہ کے راویوں میں کوئی اور ان کا ہم نام نہیں ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کان رسول اللہ ﷺ یصلی: رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے لیتے تھے۔ **راحلۃ:** سواری

حیثما توجھت: جس طرف بھی اس کا رخ ہوتا۔ **کان یفعل ذلک:** وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

۷۔مسائل ونصائح:

احادیث الباب میں دو بنیادی مسئلے بیان ہوئے ہیں:

۱۔سواری پر نفل نماز کا غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔

۲۔وتر نماز کا حکم

۱۔سواری پر نفل نماز کا پڑھنا:

اس مسئلہ میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نفل نماز سواری پر پڑھنا جائز ہے، چاہے سواری کا رخ کسی طرف بھی ہو۔

نماز میں قبلہ رخ کے بارے میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:(۱)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لئے قبلہ رخ ہونا شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَه

اور جہاں سے آپ نکلے تو پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف اور تم جہاں بھی ہو تو اپنا منہ اسی کی طرف موڑ لو۔(۲)

تاہم یہ دو حالتوں میں شرط نہیں ہے۔

۱۔ شدید خوف کی حالت میں۔

۲۔ اور مسافر کے لئے نفل نماز میں جو وہ سواری پر پڑھ رہا ہو۔

مالکیہ اور احناف نے قبلہ رخ ہونے کی شرط کو اس قید کا پابند کیا ہے کہ دشمن اور درندے کا خوف نہ ہو انسان اس پر قادر ہو، چنانچہ حالت خوف میں قبلہ رخ ہونا لازم نہیں ہوتا اور نہ ہی عاجز ہونے کی صورت میں جیسے بندھا ہوا شخص یا وہ مریض جس کو الٹنے پلٹنے کی طاقت نہ ہو اور نہ کوئی اس کو قبلہ رخ کرانے والا موجود ہو تو وہ جہت قبلہ کے علاوہ رخ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، جہاں بھی وہ رخ کر سکے کیونکہ عین متحقق ہے۔ اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کعبہ کو خود دیکھ سکتا ہو تو اس کے لئے عین قبلہ کی طرف متوجہ ہونا فرض ہے اور حنابلہ کے ہاں اسی طرح حکم ہے اہل مکہ کا یا وہاں رہنے والے کا بیچ میں آڑ موجود ہو جیسے دیوار وغیرہ۔

اور جو شخص عین قبلہ کو نہ دیکھ رہا ہو جمہور فقہاء ماسوا شوافع کے نزدیک اس پر جہت قبلہ کا پانا فرض ہے۔(۳)

کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مابین المشرق والمغرب قبلة:(۱)(بروایت ابن حبان وترمذی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے یہ حکم اہل مدینہ اور اہل شام کے قبلے کا ہے۔)

مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تمام کا تمام قبلہ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر عین قبلہ کا پانا ضروری ہوتا تو ان لوگوں کی نماز درست نہیں ہوتی، جو خط استواء پر ایک طویل صف بناتے اور نہ ان دو آدمیوں کی جو ایک دوسرے سے دور ہوں اور ایک قبلے کی طرف رخ کر رہے ہوں کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ انسان بڑی صف کے ساتھ قبلہ رخ ہو مگر

۱۔ فقہ الاسلامی، ج۱ص۴۹۸ ۲۔ البقرۃ، ۱۵۰

۳۔ الدر المختار، ج۱ص۳۹۷۔۴۰۶، الشرح الصغیر، ج۱ص۲۹۲۔۲۹۶، الشرح الکبیر، ج۱ص۲۲۲۔۲۲۸، القوانین الفقھیہ ص۵۵، کشف القناع، ج۱ص۳۵۰۔۳۶۴، المغنی، ج۱ص۴۳۱۔۴۵۲، اللباب، ج۱ص۶۷، مراقی الفلاح ص۳۴، تبیین الحقائق، ج۱ ص۱۰۰

اسی کے بقدر یہ رائے میرے نزدیک راجح ہے۔

امام شافعی الام میں فرماتے ہیں کہ مکہ سے غائب شخص فرض عین قبلہ کو پانا ہے کیونکہ جس شخص کے لیے قبلے کا فرض لازم ہو۔ اس کے لیے عین قبلہ کا پانا ضروری ہے جیسے مکہ میں رہنے والا شخص۔ اور اللہ کا فرمان ہے کنتم فولوا وجوھکم شطرہ، بھی اس کی دلیل ہے یعنی اس شخص پر قبلے کی طرف منہ کرنا لازم ہے لہذا اس پر عین قبلہ کی طرف منہ کرنا لازم ہے جیسے دیکھنے والے پر ہوتا ہے۔ (۲) (بروایت ابن احبان وترمذی از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ترمذی نے اس کو حدیث حسن صحیح قرار دیا ہے۔ یہ حکم اہل مدینہ اور اہل شام کے قبلے کا ہے۔)

باقی آئمہ مذاہب کے مطلوب جہت قبلہ کے بدن کے ساتھ اور آنکھوں سے دیکھ کر محاذی ہونا ہے۔ (۳) (شوافع فرماتے ہیں کہ کھڑے اور بیٹھے ہوئے شخص پر حقیقتاً قبلہ رخ ہونا واجب ہے اور رکوع اور سجدے والے پر حکماً قبلہ رخ ہونا لازم ہے پہلو کے بل اور لیٹے شخص پر سینے اور چہرے سے قبلہ رخ ہونا لازم ہے اور چت لیٹے ہوئے شخص پر چہرے اور پاؤں کے تلوے سے قبلہ رخ ہونا لازم ہے۔)

اس طرح کہ چہرے کا کچھ حصہ کعبہ کے محاذی (بالمقابل ہو یا اس کی فضاء کے بالمقابل ہو یہ حکم جمہور کے ہاں ہے سوائے مالکیہ کے اور یہ بھی اس طرح کہ اگر زاویہ قائمہ کے بیچ سے لکیر کھینچی جائے تو وہ سیدھی کعبہ پر یا اس کی ہواء میں سے گذرے اور کعبہ ساتویں زمین سے لے کر عرش تک کعبہ ہے تو جو شخص اونچے پہاڑوں یا گہرے کنوں میں نماز پڑھے تو یہ اس کے لئے جائز ہو گا اس طرح کعبہ کی چھت پر اس کے اندر بھی نماز جائز ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ کعبہ خدانخواستہ) ڈھے گیا ہے تو اس کی دیواروں کی بنیادوں کی طرف رخ کر کے نماز درست ہوگی۔ مالکیہ فرماتے ہیں کہ کعبہ کی عمارت کا رخ کرنا واجب ہے صرف ھواء کعبہ کی جہت کا رخ کرنا کافی نہیں ہے۔ (۱)

<u>نمازِ وتر کا حکم:</u>

حدیث نمبر ۴۸۹ میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر نفل اور وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

وتر کے بارے میں آئمہ اربعہ کے درمیان اختلاف ہے کہ یہ سنت (نفل) ہے، یا واجب، آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر سنت ہیں، اور فقہاء احناف کے نزدیک واجب ہیں، پھر اسی بناء پر سواری پر پڑھنے کے بارے میں بھی جواز اور عدم جواز کا اختلاف ہے، پھر رکعات وتر میں بھی آئمہ اربعہ کا اختلاف ہے، آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے، جبکہ احناف کے نزدیک اس کی تین رکعتیں ہیں، پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ دعائے قنوت کب پڑھی جائے گی ان تمام کی تفصیلی ابحاث علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے

ا۔ الفقہ اسلامی وادلتہ، ج ا، ص ۴۹۸۔۴۹۹

لکھی ہیں، ہم اختصار کے ساتھ انہی کی تحقیقات سے خوشہ چینی کر رہے ہیں۔

سواری پر وتر پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کے دلائل:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

علامہ طبری نے کہا ہے: یہ حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حجت ہے کیونکہ وہ وتر کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ بغیر عذر کے فرض نماز کو سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اگر وتر فرض ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر عذر کے وتر سواری پر نہ پڑھتے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ مجاہد نے یہ نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ تھا وہ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے اور سواری کی پشت پر نوافل پڑھتے تھے اور فجر سے پہلے زمین پر اتر کر وتر پڑھتے تھے اور ابراہیم النخعی نے کہا: وہ اپنے اونٹ پر نماز پڑھتے تھے، اونٹ کا منہ جس طرح بھی ہو سوا فرض اور وتر کے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کے فعل میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے فضیلت کے حصول کے لیے زمین پر اتر کر وتر پڑھے ہوں نہ اس لیے کہ ان کے نزدیک واجب تھے کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر نے اپنے اونٹ پر وتر پڑھے ہیں، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی اسی کی مثل کرتے تھے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابن عمر کے سواری سے اتر کر وتر پڑھنے کی کیا وجہ تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کے علم میں یہ مقرر تھا کہ نفل پڑھنا بھی جائز ہے اور سواری سے اتر کر زمین پر بھی پڑھنا افضل ہے اور یہ فقہاء احناف کے خلاف حجت ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد نے کہا ہے کہ اس حدیث کی اتباع میں سواری پر وتر پڑھنے چاہئیں۔ (۱)

سواری پر وتر پڑھنے کے منسوخ ہونے کا بیان:

امام جعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ۳۲۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر وتر پڑھتے تھے۔ (۲)

امام طحاوی فرماتے ہیں: کہ ایک قوم کا یہ مذہب ہے کہ مسافر کے لیے سواری پر وتر پڑھنا جائز ہے جیسا کہ باقی نوافل کا سواری پر پڑھنا جائز ہے، اور دوسرے فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ سواری پر وتر پڑھنا جائز نہیں ہے جیسا کہ فرائض کو سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے اور وتر کو سواری سے اتر کر زمین پر پڑھنا چاہیے اور ان کی دلیل میں یہ احادیث ہیں۔

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر نماز پڑھتے تھے اور وتر زمین پر پڑھتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ

۱۔ شرح ابن بطال، ج۲، ص۶۶۴ ۲۔ شرح معانی الآثار، ص ۲۴۲۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کرتے تھے۔(۱)

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر میں اپنے اونٹ پر نماز پڑھتے تھے وہ جس طرح بھی منہ کرے اور اور سحری کے وقت سواری سے اتر کر وتر پڑھتے تھے۔(۲)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وتر پڑھتے تھے اور بعض اوقات سواری سے اتر کر زمین پر وتر پڑھتے تھے(۳)

امام طحاوی فرماتے ہیں: یہ ہوسکتا ہے کہ مجاہد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو زمین پر وتر پڑھتے ہوئے دیکھا ہو اور یہ جانا ہو کہ سواری پر وتر پڑھنے کے متعلق ان کا مذہب کیا ہے، لہذا انہوں نے یہ روایت کر دی کہ حضرت ابن عمر نے سواری سے اتر کر زمین پر وتر پڑھے اور اس سے ان کے سواری پر وتر پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی اور ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ نے وتر کو موکد اور واجب قرار دینے سے پہلے سواری پر وتر پڑھے ہوں اور جب آپ نے وتر کو واجب قرار دے دیا تو پھر اس کو ترک کرنے کی اجازت نہیں دی اور اس کی دلیل یہ احادیث ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے سامنے بستر کے عرض میں لیٹی ہوئی تھیں، جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو آپ ان کو ایک طرف ہونے کا اشارہ کرتے اور فرماتے: یہ وہ نماز ہے جس کو (میرے کہنے سے) تم نے زیادہ کر دیا۔(۴)

خارجہ بن حذیفہ العدوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے ایک نماز کے ساتھ تمہاری امداد کی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے، عشاء کی نماز سے طلوع فجر تک وہ وتر ہے وتر ہے۔(۵)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے یہ خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ نے تمہاری ایک نماز زیادہ کر دی ہے پس اس کو عشاء سے صبح تک پڑھو، وہ وتر ہے وتر۔(۶)

امام طحاوی فرماتے ہیں: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر کو مؤکد فرما دیا اور کسی کو اس کے ترک کرنے کی اجازت نہیں دی، اور اس سے پہلے اس کی اس طرح تاکید نہیں تھی، پس ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر وتر پڑھے وہ اس کو موکد کرنے اور واجب قرار دینے سے پہلے کا واقعہ ہو پھر بعد میں آپ نے اس کو موکد کر دیا اور سواری پر وتر پڑھنے کو منسوخ کر دیا پس جس طرح جو شخص قیام کی طاقت رکھتا ہو وہ زمین پر بیٹھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا، اسی طرح جو شخص سواری سے اترنے کی طاقت رکھتا ہو اس کے لیے سواری پر وتر پڑھنا جائز نہیں اور اس جہت سے میرے نزدیک سواری پر وتر پڑھنا منسوخ ہو گیا اور یہ

۱۔ شرح معانی الآثار، ص ۲۴۲۷ ۲۔ شرح معانی آلاثار: ۲۴۲۸ ۳۔ شرح معانی آلاثار: ۲۴۳۱
۴۔ شرح معانی آلاثار: ۲۴۳۲ ۵۔ شرح معانی آلاثار، ۲۴۳۴ ۶۔ شرح معانی آلاثار، ۲۴۳۶

امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول ہے۔(۱)

سواری پر وتر پڑھنے کے عدم جواز کے متعلق صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کے آثار:

ابن عون بیان کرتے ہیں کہ میں نے قاسم سے پوچھا کہ ایک شخص سواری پر وتر پڑھتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ان کا کہنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمین پر وتر پڑھتے تھے (۲) قاسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمین پر نماز پڑھتے تھے۔(۳)

بکر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اتر کر زمین پر وتر پڑھتے ۔(۴)

منصور بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم النخعی نے کہا ہے کہ وہ لوگ سواریوں پر نماز پڑھتے تھے خواہ ان کا منہ کسی طرف ہو سوائے فرض اور وتر کے وہ ان کو زمین پر پڑھتے تھے۔(۵)

ہشام بن عروہ نے بیان کیا کہ عروہ اپنی سواری پر نماز پڑھتے خواہ اس کا منہ کسی طرف ہو اور جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے۔(۶)

ابوالہز ھاز نے کہا: ضحاک جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اتر کر پڑھتے۔(۷)

ہارون بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری سے سوال کیا: کیا میں سواری پر نماز پڑھوں؟ انہوں نے کہا: سواری پر نماز پڑھو میں نے سوال کیا: سواری پر وتر بھی پڑھوں؟ انہوں نے کہا: نہیں اور کہا: ابن سیرین زمین پر وتر پڑھتے تھے۔(۸)(۹)

وتر کے حکم میں مذاہب ائمہ:

علامہ دشتانی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''الوتر عندمالك سنة موكده ''امام مالک کے نزدیک وتر سنت موکدہ ہے۔ (۱۰)

علامہ نووی شافعی فرماتے ہیں:

''الوتر سنة عند نابلا خلاف'' ہمارے نزدیک وتر کے سنت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(۱۱)

۱۔ شرح معانی الآثار، ۵۵۴۔۵۵۲ ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۸۶، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبا: ۶۹۱۴

۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۸۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۱۵

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۸۸ مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۱۶

۵۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۸۹ مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۱۷

۶۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۹۰ مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۱۸

۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۹۱ مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۱۹

۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۹۲ مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۱۹ ۹۔ نعمۃ الباری، ج ۳، ص ۱۱۹۔۱۲۱

۱۰۔ اکمال اکمال المعلم، ج ۲، ص ۳۷۹ ۱۱۔ شرح المذہب مع المجموع، ج ۴، ص ۱۲

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

وهو سنة موكدة قال احمد من ترك الوتر عمد افهو رجل سوء ولا ينبغي ان تقبل له شهادة واراد المبالغة في تاكيده لماقدورد فيه من الاحاديث في الامربه ۔(۱)

وتر ہمارے نزدیک سنت موکدہ ہے امام احمد نے فرمایا جس شخص نے عمداً وتر ترک کیا، وہ برا شخص ہے اس کی شہادت نہیں قبول کرنی چاہیے، علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ امام احمد نے وتر کی تاکید میں مبالغہ کا ارادہ کیا ہے کیونکہ احادیث میں وتر پڑھنے کا حکم وارد ہوا ہے۔

علامہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وتر کی نماز تمام سنتوں سے زیادہ قوی ہے حتیٰ کہ اگر صرف وتر کی نماز پڑھنے سے رہ جائے تو اس کی قضاء کی جاتی ہے کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں وتر کی قضاء پڑھنے سے ابتداء کی تھی اور جس روایت میں ہے کہ صبح کے بعد وتر کی نماز نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ صبح کی نماز تک وتر کو موخر نہ کرو اس کی قضا سے منع کرنا مقصود نہیں ہے، نماز فجر کے بعد طلوع شمس سے پہلے بھی وتر کی قضاء پڑھی جاتی ہے یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وتر سنتوں سے زیادہ قوی ہے اور فرائض سے کم ہے کیونکہ وتر کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور نہ وتر کے لیے اذان دی جائے گی اور رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت میں مشروع نہیں ہے اس کے سوا اختلاف ہے حماد بن زید، امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ وتر فرض ہے اور یوسف بن خالد سمتی نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وتر واجب ہے اور امام اعظم کا یہی ظاہر مذہب ہے اور اسد بن عمر نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وتر سنت موکدہ ہے اور یہی امام ابو یوسف امام محمد رحمہم اللہ کا قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث اعرابی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو تعلیم دی کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں، اعرابی نے پوچھا کہ ان کے سوا بھی مجھ پر کوئی نماز ہے فرمایا نہیں! الا یہ کہ تم نفل پڑھو۔(۲)

اور مروی ہے کہ ابو محمد نام کے ایک انصاری شخص نے کہا کہ وتر فرض ہے جب یہ بات حضرت عبادہ بن صامت تک پہنچی تو انہوں نے اس کا رد کیا اور فرمایا ابو محمد نے جھوٹ بولا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔(۳)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وتر سنت ہے لازم نہیں ہے۔(۴) اور قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی اور وسطی (درمیانی نماز) اسی وقت متحقق ہوگی جب فرائض کا عدد پانچ ہو

۱۔ المغنی، ج۱، ص۴۵۳۔۴۵۲ ۲۔ صحیح مسلم، ج۱، ص۳۰ ۳۔ سنن ابوداؤد، ج۱، ص۲۰۱

۴۔ المصنف، ج۳، ص۳

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابو بصرۃ الغفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لاریب اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک نماز زیادہ کردی ہے سنو! وہ وتر ہے اس کو عشاء سے لیکر طلوع فجر تک پڑھا کرو۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کا وجوب باقی فرائض کے بعد مقرر ہوا کیونکہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک نماز زیادہ کی ہے اور زیادہ کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے جبکہ سنتوں کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے اور زیادتی کا تحقیق بھی واجبات میں ہوتا ہے کیونکہ واجبات کا عدد معین ہوتا ہے اور نوافل کی کوئی گنتی شمار اور انتہاء نہیں ہوتی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مغرب کی طرح وتر کی تین رکعات ہیں اور ایک روایت میں ہے رات کے وتر دن کے وتر کی طرح ہیں۔(۲)

اور دن کے وتر (مغرب کی نماز۔ از سعیدی) واجب ہیں لہٰذا رات کے وتر بھی واجب قرار پائیں گے، اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ تراویح کی مقدار بیس رکعات ہیں کیونکہ دن اور رات کے واجبات کی تعداد بھی بیس رکعت ہے اور دن اور رات کے واجبات کی تعداد بیس رکعت تبھی ہوگی۔ جب وتر کو واجب قرار دیکر دیگر واجبات میں شامل کیا جائے، البتہ وتر کا وجوب چونکہ ظنی دلیل سے ثابت ہوا ہے اس لیے اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے اور باقی فرائض سے اس کا مرتبہ کم ہوگا اور اس پر فرض کا اطلاق نہیں ہوگا بہرحال فرض صرف پانچ نمازیں ہیں جیسا کہ سابقہ روایات میں مذکور ہے اور فرائض اور واجبات میں ہمارے نزدیک فرض ظاہر ہے۔(۳)

وجوب وتر پر احناف کے مزید دلائل:

عن ابی ایوب، عن النبی ﷺ قال :الوتر حق واجب الحدیث۔(۴)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر حق واجب ہے۔

علامہ ابوطیب اس حدیث کی سند کے بارے میں فرماتے ہیں:

رواتہ کلھم ثقات قال الحافظ حدیث ابو ایوب اخرجہ ابو دائود والنسائی والدار قطنی فی العلل والبیھقی وغیر واحد وقفہ ،وھو الصواب۔(۵)

اس حدیث کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ اس حدیث کو ابوداؤد، نسائی اور دارقطنی نے علل میں بیان کیا ہے اور بیہقی اور دیگر محدثین نے اس کو موقوف قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

عن خارجہ بن حذافۃ العدوی قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ صلوٰۃ الغداۃ فقال لقد امرکم اللہ اللیلۃ بصلوٰۃ ھو خیر لکم من حمر النعم قال قلنا وما ھی یا رسول اللہ ﷺ قال الوتر فیما بین صلوٰۃ العشاء الی طلوع الفجر ۔(٦)

۱۔ المصنف، ج۲،ص۲۹۷ ۲۔ المصنف، ج۳،ص۱۹ ۳۔ المبسوط ، ج۱، ص ۱۵٦۔۱۵۵

۴۔ سنن دارقطنی، ج۲،ص۲۲ ۵۔ التعلیق المغنی علی دارقطنی، ج۲،ص۲۳ ٦۔ المصنف، ج۲،ص۲۹۷

خارجہ بن حذافۃ العدوی بیان کرتے ہیں کہ صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آج رات ایک نماز کو زیادہ فرمایا ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون سی نماز ہے، فرمایا وتر (جس کا وقت) عشاء کی نماز سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔

کسی چیز میں زیادتی ہمیشہ اس چیز کی جنس سے ہوتی ہے اس لیے پانچ فرائض میں وتر کی زیادتی اس بات کی مستلزم ہے کہ وتر بھی فرض ہو لیکن چونکہ یہ اخبار احاد اور ظنی دلائل سے ثابت ہے اس لیے واجب قرار پائے گا۔

عن ابی بصرۃ الغفاری یقول سمعت رسول اللہ ﷺ ان اللہ زاد کم صلوٰۃ وھی الوتر فصلو ھا بین صلوٰۃ العشاء الی صلوٰۃ الصبح ۔(۱)

ابو بصرہ غفاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایک نماز زیادہ کردی ہے اور وہ وتر ہے اسی کو عشاء سے لے کر صبح کے وقت تک پڑھو۔

اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ بھی امام احمد (۴) مسند احمد بن حنبل، ج ٦ ص ۷ اور امام ہیثمی نے بیان کیا ہے۔(۲)

اس حدیث سے بھی اولاً استدلال اس وجہ سے ہے کہ کسی چیز میں زیادتی اس کی جنس سے ہوتی ہے اور ثانیاً اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھنے کا فرمایا ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے۔ اور احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر رہ جانے کی صورت میں اس کی قضاء کا حکم دیا ہے او یہ وتر کے واجب ہونے کی واضح دلیل ہے کیونکہ قضاء واجب کی ہوتی ہے سنت یا نفل کی نہیں ہوتی۔ عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ من نام عن وترہ اونسیہ فلیصلہ اذاذکرہ۔ حضرت ابو سعید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص وتر سے سو جائے یا وتر پڑھنا بھول جائے تو جس وقت یاد آئے وتر پڑھ لے۔ یہ حدیث جامع ترمذی، ص ۹۳ میں ہے اور سنن ابن ماجہ میں ۸۳ میں ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب:

ائمہ ثلاثہ کے بعض دلائل کا جواب علامہ سرخسی کی عبارت میں گذر چکا ہے ان کی ایک اور اہم دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث میں سواری پر وتر پڑھنے کا ذکر ہے اور سواری پر فرض یا واجب نہیں پڑھے جاتے نفل پڑھے جاتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ وتر نفل ہیں عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ اوتر علی البعیر۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ پر وتر پڑھے اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ رسول

۱۔ مسند احمد بن حنبل، ج ٦، ص ۳۹۷ ۲۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۳۹ ۳۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۳٦

اللہ ﷺ کا یہ عمل وتر کو واجب قرار دینے سے پہلے کا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ عذر کی بناء پر آپ نے سواری پر وتر پڑھے ہوں جیسا کہ ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے کیچڑ کے عذر کی بناء پر فرض سواری پر پڑھے کیونکہ آپ سے ثابت ہے کہ آپ سواری سے اتر کر وتر پڑھا کرتے تھے۔

عن ابن عمر انه كان يصلي على راحلة ويوتر بالارض ويزعم ان رسول الله ﷺ كان يفعل كذلك ۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر نماز پڑھتے اور وتر اتر کر زمین پر پڑھتے تھے اور وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے تیسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جس طرح سواری پر وتر پڑھنا مروی ہے اسی طرح ان سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ سواری سے اتر کر وتر پڑھتے تھے (عنقریب باحوالہ ذکر آ رہا ہے) اور جب ایک صحابی سے یہ دونوں فعل مروی ہیں تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ان احادیث پر عمل کیا جائے جن کی رو سے سواری پر وتر جائز نہیں کیونکہ اصول میں مقرر ہے کہ علت اور حرمت میں تعارض ہو تو جانب حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث انہیں بھی مفید نہیں ہے کیونکہ شوافع کا مسلک ہے کہ وتر رسول اللہ ﷺ پر واجب تھے اور امت کے لیے سنت تھے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

ان الوتر واجب على رسول الله ﷺ وان كان سنة في حق الامة۔(۲)

رسول اللہ ﷺ پر وتر واجب ہیں اگرچہ امت کے حق میں سنت ہیں۔ شرح معانی الآثار کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سواری سے اتر کر وتر پڑھتے تھے اس کے علاوہ حسب ذیل آثار سے بھی ثابت ہے کہ بلا عذر سواری پر وتر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

عن القاسم بن محمد ان عمر كان يوتر بالارض ۔(۳)

قاسم بن محمد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواری سے اتر کر) زمین پر وتر پڑھا کرتے تھے۔

عن سعيد بن جبير ان ابن عمر كان اراد ان اوان يوتر نزل عن راحلة فاوتر بالارض ۔(۴)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے اور زمین پر وتر پڑھتے تھے۔ امام احمد نے بھی اس سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے مگر اس میں یہ اضافہ ہے: **ان ابن عمر كان يصلي على راحلة تطر عافاذا اراد ان يوتر ۔(۵)**

۱۔ شرح المہذب، مع المجموع، ج ۴، ص ۲۰　۲۔ المسند، ج ۲، ص ۵۷۹　۳۔ المصنف، ج ۲، ص ۴

۴۔ المسند، ج ۲، ص ۵۴۔ المصنف، ج ۲، ص ۳۰۳

عن ابن عون قال سالت القاسم عن رجل یوتر علی راحلة فقال زعموان عمر کان یوتر بالارض ۔(۱)
ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے قاسم سے سواری پر وتر پڑھنے کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا صحابہ کہتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمین پر وتر پڑھتے تھے۔

عن بکران ابن عمر کان اذااراد ان یوتر نزل فاوتر بالارض ۔(۲)
بکر کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو زمین پر وتر پڑھتے۔

عن ھشام بن عروة عن ابیه قال کان یصلی علی راحلته فاذا اراد ان یوتر نزل فاوتر۔(۳)
عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سواری پر نماز پڑھتے تھے۔ جب وتر پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اتر کر وتر پڑھتے۔

رکعات وتر میں مذاہب ائمہ:

قاضی ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

فان مالکا رحمة الله استحب ان یوتر بثلاث یفصل بینھا بسلام الی قوله فالوتر عنده علی الحقیقة اماان یکون رکعة واحدة ولکن من شرطھا ان یتقدمھا شفیع واما ان یری ان الوتر المامور به ھو یشتمل علی شفع ووتر فانه اذازید علی الشفع وتر صار الکل وترا ۔(۴)

امام مالک کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ تین رکعت وتر پڑھے جائیں اور ان رکعات میں سلام کے ساتھ فصل کیا جائے۔ امام مالک کے نزدیک حقیقت میں وتر ایک رکعت ہے یا ایک رکعت پڑھی جائے اور اس سے پہلے ایک دوگانہ ہو یا ان کے نزدیک جس وتر کا حکم دیا گیا ہے وہ جفت اور طاق رکعات پر مشتمل ہے، جب بھی کسی دوگانہ کے بعد ایک رکعت پڑھ لی جائے تو وتر ہو جائیں گے۔

علامہ نووی شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

الوتر سنة عندنا بلاخلاف واقله رکعة بلاخلاف وادنی کماله ثلاث رکعات واکمل منه خمس ثم سبع ثم تسع ثم احدی عشرة وھی اکثره المشھور فی المذھب۔(۵)

ہمارے نزدیک وتر بالاتفاق سنت ہے اور کم از کم وتر بالاتفاق ایک رکعت ہے، اور کم از کم درجہ کمال تین رکعت ہیں، پھر اس سے کامل پانچ پھر نو پھر گیارہ رکعت ہیں اور بنا بر شہرت یہ وتر کی سب سے زیادہ رکعات ہیں (یعنی گیارہ رکعات)

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

۱۔ المصنف، ج۲،ص۳۰۳ ۲۔ المصنف، ج۲،ص۳۰۳ ۴۔ بدایۃ المجتہد ج۱،ص۱۴۵۰۶ ۵۔ شرح المہذب مع الشروح، ج۴،ص۱۲

ان احمد قال ان نذھب فی الوتر الی رکعۃ وان اوتر بثلاث او اکثر فلا باس (۱)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا وتر میں ہمارا مذہب ایک رکعت ہے اور اگر تین یا زیادہ رکعت پڑھیں پھر بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

علامہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

ان الوتر ثلاث رکعات لا یسلم الافی اخرھن عندنا الی قولہ ولنا حدیث عائشۃ رضی اللہ عنھا کما روینا فی صفۃ قیام رسول اللہ ﷺ ثم یوتر بثلاث وبعث ابن مسعود رضی اللہ عنہ امہ لتراقب وتر رسول اللہ ﷺ فذکرت انہ اوتر بثلاث رکعات قرافی الاولی سبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیۃ قل یا ایھا الکافرون وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد وقنت قبل الرکوع و ھکذا ذکرابن عباس رضی اللہ عنہما حین بات عند خالت میمونۃ لیراقب وتر رسول اللہ ﷺ ولما رای عمر رضی اللہ عنہ سعد ایوتر برکعۃ فقال ماھذا البتیراء۔

وانما قال ذلک لان الوتر اشتھران النبی ﷺ نھی عن البتیراء وقال ابن مسعود رضی اللہ عنہ واللہ ما اجزأت رکعۃ قط ولانہ لو جاز الا کتفاء برکعۃ فی شیء من الصلواۃ لدخل فی الفجر قصر بسبب السفر۔(۲)

وتر میں تین رکعات ہیں جن میں ہمارے نزدیک ایک صرف آخری رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے گا۔ ہماری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جس کو ہم نبی کریم ﷺ کی صفت قیام میں بیان کر چکے ہیں، اس میں ہے کہ آپ آٹھ رکعت پڑھنے کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کو رسول اللہ ﷺ کے وتر کے مشاہدے کے لیے بھیجا تو انہوں نے آکر بتایا کہ حضور نے تین رکعت وتر پڑھے پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلی پڑھی۔ دوسری میں قل یایھا الکافرون تیسری میں قل ھو اللہ احد۔ اور رکوع میں جانے سے پہلے دعائے قنوت پڑھی۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے جب انہوں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رسول اللہ ﷺ کے وتر کے مشاہدہ کے لیے رات گزاری اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد کو ایک رکعت وتر پڑھتے دیکھا تو فرمایا یہ تم کیسی دم بریدہ نماز پڑھتے ہو یا تو دوگانہ نماز پڑھو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا، حضرت عمر نے یہ بات اس وجہ سے کہی تھی کہ یہ بات مشہور تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے دم بریدہ (ایک رکعت) نماز سے منع فرمایا تھا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا قسم بخدا میں ایک رکعت نماز کو ہرگز کافی نہیں سمجھتا نیز اگر ایک رکعت نماز مشروع ہوتی تو سفر کی وجہ سے فجر کی نماز کو قصر کر کے ایک رکعت نماز پڑھنا جائز ہوتا۔

تین رکعت وتر پر احناف کے دلائل:

ائمہ ثلاثہ اس بات پر متفق ہیں کہ ایک رکعت نماز وتر پڑھنا جائز ہے اور احناف کے نزدیک ایک رکعت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ دلائل یہ ہیں:

۱۔ المغنی، ج۱، ص ۴۴۷ ۲۔ المبسوط، ج۱، ص ۱۶۴

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ نھیٰ عن البتیرء ان یصلی الرجل واحدۃ یوتر بھا۔(۱)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دم بریدہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے یعنی کوئی شخص ایک رکعت وتر پڑھے اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے عثمان بن محمد ربیعہ عقیل نے کہا ان کو احادیث میں وہم ہوتا تھا، ابن الترکمانی فرماتے ہیں کہ عقیلی کے سوا متقدمین میں سے کسی نے عثمان بن محمد بن ربیعہ پر جرح نہیں کی اور ان کی جرح بھی معمولی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ان کی روایات جمع کی ہیں۔(۲) علامہ ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے کہ اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔(۳)

عن محمد بن کعب القرطبیٰ ان النبی ﷺ نھیٰ، عن البتیر۔ محمد بن کعب قرطبی بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے دم کٹی ایک (رکعت) نماز سے منع فرمایا ہے۔ ہر چند کہ عراقی نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن چونکہ یہ حدیث دیگر اور اسانید سے موید ہے۔ اس لیے اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔

عن ابن مسعود ما اجزات رکعۃ واحدۃ قط۔(۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں ایک رکعت وتر کو ہرگز کافی نہیں سمجھتا۔

ہر چند کہ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے لیکن چونکہ یہ بات قیاس اور رائے سے نہیں کہی جاسکتی اس لیے یہ حدیث حکما مرفوع ہے۔

عن ابراھیم قال بلغ ابن مسعود ان سعد ایوتر برکعۃ فقال ما اجزات رکعۃ قط۔(۵)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت سعد ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں ایک رکعت کو ہرگز کافی نہیں قرار دیتا۔

علامہ ہیثمی نے اس حدیث کی سند کو سند حسن قرار دیا ہے۔

مذکور الصدر احادیث اور آثار سے یہ امر واضح ہو گیا کہ ایک رکعت نماز وتر پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اور تین رکعت وتر پر احناف کے یہ دلائل ہیں:

اس باب کی حدیث نمبر ۱۶۲۰ میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے، متن حدیث یہ ہے۔

۱۔ درایۃ، ج ۱، ص ۱۱۴　۲۔ الجوہر النقی السنن الکبریٰ، ج ۳، ص ۲۷　۳۔ لسان المیزان، ج ۴، ص ۱۵۲

۴۔ موطا امام محمد، ص ۱۴۶　۵۔ مجمع الزوائد، ج ۲، ص ۲۴۹

ثم یصلی ثلاثا فقالت عائشه رضی اللہ عنہا فقلت یا رسول الله اتنا م قبل ان توتر فقال یا عائشة ان عینی تنا مان ولاینام قلبی۔(۱)

(تہجد پڑھنے کے بعد) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت (وتر) پڑھتے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں، فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے۔(۲) اس حدیث کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔(۳)

عن عبدالعزیز جریج قال سالت عائشة بای شی ء کان یوتر رسول الله ﷺ قالت کان یقرا فی الاولیٰ بسبح اسم ربك الاعلیٰ وفی الثانیة بقل یایها الکفرون وفی الثالثة بقل هو الله احد والمعوذتین۔(۴)

عبدالعزیز بن جریج بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کیا پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلیٰ پڑھتے تھے دوسری میں قل یا ایهالکافرون، اور تیسری میں قل ھو اللہ احد، اور موذتین پڑھتے تھے۔

امام، ابوداؤد نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔(۵)

بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابوداؤد کی روایات سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے

ہر چند کہ ائمہ ثلاثہ بھی تین رکعت وتر کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن وہ یہ دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے ہیں، پھر ایک رکعت کے بعد دوبارہ سلام پھیرتے ہیں جبکہ احادیث سے اس کا خلاف ثابت ہے۔

عن ابی بن کعب قال کان رسول الله ﷺ یقرا فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلیٰ وفی الرکعة الثانیة بقل یاایها الکفرون وفی الثالثة بقل هو الله احد ولا یسلم الافی اخرهن ۔(۶)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھتے اور سلام صرف آخر میں پھیرتے تھے۔

دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرنے والی اس روایت کو علامہ نووی نے بھی صحیح قرار دیا ہے لکھتے ہیں:

حدیث عائشة رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر رواۃ النسائی باسناد حسن ورواۃ البیہقی فی السنن الکبیرۃ باسناد صحیح (۷)

۱۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۵۴　۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۴　۳۔ سنن نسائی، ج ۱، ص ۵۷

۴۔ جامع ترمذی، ص ۹۳　۵۔ سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۰۱　۶۔ سنن نسائی، ج ۱، ص ۱۷۵

۷۔ شرح المہذب، ج ۴، ص ۱۸۔۱۷

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے اس کو نسائی نے سند حسن اور بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

عن الحسن قال اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی اخرھن ۔(۱)

حسن بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں اور اس کی صرف آخری رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔

عن ثابت عن انس انہ اوتر بثلاث لم یسلم الافی اخرھن ۔(۲)

ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین رکعت نماز وتر پڑھی اور صرف آخر میں سلام پھیرا۔

عن ابی اسحاق قال کان اصحاب علی و اصحاب عبداللہ لا یسلمون فی رکعتی الوتر ۔(۳)

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اصحاب وتر کی دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

ان عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یسلم فی رکعتی الوتر ۔(۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

عن الحسن قال ؛ کان ابی بن کعب یوتر بثلاث لا یسلم الا فی الثالثۃ مثل المغرب ۔(۵)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور مغرب کی نماز کی طرح تین رکعت کے بعد سلام پھیرتے تھے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات:

تین رکعت نماز وتر پر ائمہ ثلاثہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں تین رکعت نماز وتر پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے مغرب کی نماز کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

عن ابی ھریرہ ان سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا توتر و ابثلاث اوتر وا بخمس اوسبع ولا تشبھوا بصلوۃ المغرب ۔(٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین رکعت وتر مت پڑھو، پانچ یا سات رکعت وتر پڑھو اور وتر کو مغرب کی نماز کے مشابہ نہ کرو۔

۱۔ المصنف، ج۲، ص۲۹۴ ۲۔ المصنف، ج۲، ص۲۹۴ ۳۔ المصنف، ج۲، ص۲۹۴۔۲۹۵

۴۔ المصنف، ج۲، ص۲۹۵ ۵۔ المصنف، ج۳، ص۲۶ ۶۔ سنن دار قطنی، ج۲، ص۲۵

اس اعتراض کے تین جواب ہیں اول یہ کہ یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے بھی منافی ہے کیونکہ تین رکعت وتر کو وہ بھی جائز قرار دیتے ہیں اور مالکیہ کے نزدیک تین رکعت پڑھنا اولیٰ ہے جیسا کہ ہم بیان مذاہب میں تصریح کر چکے ہیں بلکہ علامہ نووی شافعی نے ایک سلام کے ساتھ بلافصل تین رکعت پڑھنے کو افضل قرار دیا ہے لکھتے ہیں:

واذا اراد الاتیا ن بثلا ث ر کعات ففی الا فضل اوجه الی قوله ان وصل بتسلیمة واحدة افضل قال الشیخ ابو زید المروزی للخروج من الخلاف فان ابا حنیفة رحمه الله لا یصحح المغصولة ۔(۱)

جب کوئی شخص تین رکعت نماز وتر پڑھنے کا ارادہ کرے تو اس میں اختلاف ہے کہ افضل طریقہ کیا ہے ایک قول یہ ہے کہ ایک سلام کے ساتھ تین رکعات بلافصل پڑھنا افضل ہے۔ شیخ ابوزید مروزی نے کہا اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اختلاف نہیں رہے گا کیونکہ وہ فصل کے ساتھ وتر کو صحیح قرار نہیں دیتے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان احادیث کے معارض اور خلاف ہے جو اس سے زیادہ ثقہ، قوی اور صحیح کتب میں موجود ہیں کیوں کہ بخاری، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، اور مصنف عبدالرزاق سے ہم تین رکعت وتر کے ثبوت میں احادیث نقل کر چکے ہیں بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ سے تین رکعات وتر پر مسلمانوں کا اجماع بھی نقل کر چکے ہیں۔ لہذا سنن دار قطنی کی اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ خود سنن دار قطنی میں اس کے خلاف روایت موجود ہے۔

عن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله ﷺ وتر اللیل ثلاث کوتر النهار صلوٰة المغرب ۔(۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات کے وتر کی تین رکعات ہیں جیسے دن کے وتر مغرب کی تین رکعات ہیں۔

اور امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:

عن ثابت انس انه اوتر بثلاث مثل المغرب ۔(۳)

ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مغرب کی طرح تین رکعت وتر پڑھے۔

جن روایات میں فصل اور دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھنے کا ذکر آیا ہے، وہ سب ان احادیث صحیحہ اور اجماع مسلمین سے منسوخ اور متروک ہیں کیونکہ ہم مصنف ابن ابی شیبہ سے باحوالہ نقل کر چکے ہیں کہ ایک سلام کے ساتھ بلافصل تین رکعت وتر پر مسلمانوں کا اجماع ہو چکا ہے۔

۱۔ شرح المہذب، ج ۴، ص ۱۳　　۲۔ سنن دار قطنی، ج ۲، ص ۲۸　　۳۔ المصنف، ج ۳، ص ۲۶

ایک رکعت وتر پر استدلال کا جواب:

عن عائشه رضی اللہ عنہا ان رسول الله ﷺ کان یصلی باللیل احدی عشرة رکعة یوتر منها بواحدة ۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو گیارہ رکعات پڑھتے تھے ایک رکعت کے ساتھ (ان رکعات کو) وتر (طاق) کرتے تھے۔

اس مضمون کی متعدد روایات ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ ایک رکعت وتر پر استدلال کرتے ہیں، احناف کے نزدیک ایسی تمام روایات اس معنی پر محمول ہیں کہ یہ ایک رکعت دوگانہ سے ملی ہوئی تھی وجہ حمل یہی ہے کہ ایک رکعت نماز پڑھنا ممنوع ہے اس پر دلائل گذر چکے ہیں۔

قنوت وتر میں مذاہب:

امام مالک کے نزدیک وتر میں قنوت پڑھنا ممنوع ہے۔علامہ ابن رشد مالکی فرماتے ہیں:

واما اختلا فهم فی القنوت فیه فذهب ابو حنیفه واصحابه الی انه یقنت فیه ومنعه مالك واجاز الشافعی ۔(۲)

بہر حال وتر کے اندر قنوت پڑھنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہ اوران کے اصحاب فرماتے ہیں وتر میں قنوت پڑھے اورامام مالک منع کرتے ہیں اورامام شافعی نے اجازت دی ہے۔

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

فی موضع القنوت فی الوتر الوجه الصحیح المشهور بعد الرکوع ونص علیه الشافعی رحمه الله۔(۳)

وتر میں قنوت پڑھنے کے کئی قول ہیں صحیح اور مشہور یہ ہے کہ رکوع کے بعد پڑھے۔امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی کی تصریح کی ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں:

ویقنت بعدالرکوع نص علیه احمد الی قوله لما روی حمید قال سئل انس عن القنوت فی صلوة الصبح فقال کنا نقنت قبل الرکوع وبعد ہ ۔(۴)

رکوع کے بعد قنوت پڑھے،امام احمد نے اس کی تصریح کی ہے۔کیونکہ حمید نے بیان کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صبح نماز میں قنوت کی کیفیت کو پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ہم رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرف قنوت کرتے تھے۔

علامہ سرخسی حنفی فرماتے ہیں:

۱۔ صحیح مسلم، ج۱،ص ۲۵۳　۲۔ بدایۃ المجتہد، ج۱،ص ۱۴۸　۳۔ شرح المہذب، ج۴،ص ۱۵

۴۔ المغنی، ج۱،ص ۴۴۷

ویقنت قبل الرکوع عندنا لمار وینا من الاثار ولا ن القنوت فی معنی القراۃ فان قوله اللهم انا نستعینك مکتوب فی مصحف ابی وابن مسعود فی سورتین فالقراۃ قبل الرکوع فکذلك القنوت وعند الشافعی رحمه الله تعالیٰ بعد الرکوع ولا اثرله فی قنوت الوتر فی ذلك انما الاثر فی القنوت فی صلوۃ الفجر فقاس به القنوت فی الوتر۔(۱)

ہمارے نزدیک رکوع سے پہلے قنوت کرے جیسا کہ ہم آثار صحابہ سے نقل کر چکے ہیں کیونکہ قنوت حکماً قرات ہے اس لیے کہ نماز کا قول اللهم انا نستعینك۔ حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود کے مصحف میں دو سورتوں میں لکھا ہوا ہے اور جبکہ قرات رکوع سے پہلے ہے تو قنوت بھی رکوع سے پہلے ہوگا امام شافعی رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا قول کرتے ہیں اور اس پر ان کے پاس کوئی حدیث نہیں ہے انہوں نے وتر کے قنوت کو نماز فجر کے قنوت پر قیاس کیا ہے۔

قنوت بعد از رکوع پر شوافع اور حنابلہ کے دلائل:

اس سے پہلے ہم مغنی ابن قدامہ کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں کہ امام احمد قنوت فجر پر قیاس کر کے قنوت وتر کو بھی بعد از رکوع قرار دیتے ہیں۔

علامہ نووی نے بھی اس مسئلہ کو قنوت فجر پر قیاس کیا ہے لکھتے ہیں:

وقد سبقت ادلة المسئلة فی قنوت الصبح۔(۲)

قنوت قبل از رکوع پر احناف کے دلائل:

عن عاصم قال سئلت انس بن مالك عن القنوت فقال قد کان القنوت قلت قبل الرکوع اوبعده قال قبله الحدیث ۔(۳)

عاصم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے فرمایا قنوت ثابت ہے۔ میں نے پوچھا رکوع سے پہلے یا بعد میں فرمایا رکوع سے پہلے۔

عن ابی بن کعب ان رسول الله ﷺ قنت فی الوتر قبل الرکوع ۔(۴)

حضرت ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

فرای عبدالله بن مسعود القنوت فی الوتر فی السنة کلها واختار القنوت قبل الرکوع۔(۵)

۱۔ المبسوط، ج ۱، ص ۱۶۴-۱۶۵ ۲۔ شرح المہذب، ج ۴، ص ۲۴ ۳۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۳۶
۴۔ سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۰۲ ۵۔ جامع ترمذی، ص ۹۳

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تمام سال قنوت مشروع قرار دیتے تھے ان کا مسلک تھا کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھا جائے۔

عن ابی بن کعب ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر بثلث رکعات کان یقرا فی الاولی بسبح اسم ربك الا علیٰ وفی الثانیة بقل یا ایھا الکافرون وفی الثالثة بقل ھو اللہ احد ویقنت قبل الرکوع ۔(۱)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الا علیٰ پڑھتے دوسری میں قل یاایھاالکافرون اور تیسری میں قل ھواللہ احد۔ پڑھتے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔(۲)

عن علقمة عن عبداللہ ان النبی ﷺ کان یقنت فی الوتر قبل الرکوع۔(۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

عن الاسود بن یزید ان ابن عمر قنت فی الوتر قبل الرکوع۔(۴)

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی۔

عن علقمة ان ابن مسعود و اصحاب النبی ﷺ کانو ایقنتون فی الوتر قبل الرکوع ۔(۵)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود اور دیگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

ان احادیث اور آثار کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی بکثرت احادیث وآثار ہیں جن کو ہم نے طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔ امام شافعی اور امام احمد نے قیاس کی بناء پر ان تمام احادیث اور آثار کو رد کر دیا اور امام مالک نے بھی وتر میں قنوت کا انکار کر کے بکثرت احادیث آثار کو مسترد کر دیا۔

قنوت وتر کا محل:

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ہمارا مشہور مذہب یہ ہے کہ رمضان کے آخری نصف میں وتر کے اندر قنوت پڑھنا مستحب ہے۔ ابن منذر، ابی بن کعب، ابن عمر، ابن سیرین، زہیری، یحییٰ بن وثاب، امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے اور حضرت ابن مسعود، حسن بصری نخعی، اسحاق، اور ابوداؤد کا قول یہ ہے کہ پورے سال وتر میں قنوت پڑھا جائے امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے، امام احمد اور امام شافعی سے بھی ایک روایت میں یہ منقول ہے شافعیہ کا مذہب یہی ہے جیسا کہ علامہ نووی نے نقل کیا ہے، البتہ امام احمد بن حنبل کا مذہب علامہ نووی نے صحیح نقل نہیں کیا۔ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ پورے سال وتر میں قنوت کو پڑھنا چاہیے۔ البتہ ایک قول شوافع کی طرح ہے۔

۱۔ سنن نسائی، ج ا، ص ۱۷۵ ۲۔ سنن ابن ماجہ، ج ا، ص ۸۳ ۳۔ المصنف، ج ۲، ص ۳۰۲
۴۔ المصنف، ج ۲، ص ۳۰۲ ۵۔ المصنف، ج ۲، ص ۳۰۲

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

ان القنوت مسنون فی الوتر فی الرکعة الواحدة فی جمیع السنة هذا المنصوص عند اصحابنا الی قوله وعن احمد روایة اخری انه لایقنت الا فی النصف الا خیر من رمضان الی قوله والروایة الاولی هی المختارة عند اکثر الاصحاب۔(۱)

ایک رکعت وتر میں ہمارے نزدیک قنوت پڑھنا سارا سال مستحب ہے۔ ہمارے اصحاب نے اسی چیز کی صراحت کی ہے۔ امام احمد کا ایک قول یہ بھی ہے کہ رمضان کے نصف اخیر کے اندر وتر میں قنوت پڑھا جائے لیکن ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک پہلا قول مختار ہے۔

امام مالک کا مذہب بھی علامہ نووی نے صحیح نقل نہیں کیا کیونکہ، امام مالک وتر میں قنوت پڑھنے سے منع کرتے تھے۔(۲)

احادیث اور آثار میں مطلقا وتر کے اندر قنوت پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ اپنے عموم اور اطلاق کے اعتبار سے مالکیہ اور شافعیہ پر حجت ہیں۔(۳)

فرض نماز کو سواری پر پڑھنے کے اعذار:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ فرض نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کو ترک نہیں کیا جائے گا اور اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے لیکن شدید خوف میں اس کو ترک کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور خلاصۃ الفتاویٰ میں مذکور ہے کہ عذر کی حالت میں سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے اور ان اعذار میں سے ایک عذر بارش ہے، امام محمد سے منقول ہے کہ جب کوئی شخص سفر میں ہو اور بارش ہو جائے اور اس کو سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کے لیے کوئی خشک جگہ نہ ملے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے سواری پر بیٹھا رہے اور اشاروں سے نماز پڑھے اور اگر اس کے لیے یہ ممکن نہ ہو تو وہ قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بھی نماز پڑھ سکتا ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ وہاں اتنی کیچڑ ہو جس میں اس کا منہ چھپ جائے لیکن اگر وہاں اتنی کیچڑ نہ ہو لیکن زمین گیلی ہو تو وہ گیلی زمین پر نماز پڑھ لے۔

دیگر اعذار میں سے یہ ہے کہ وہ سواری سرکش ہو اگر وہ سواری سے اتر جائے تو اس کے لیے خود سوار ہونا ممکن نہ ہو اور ان اعذار میں سے چور اور بیماری کا خطرہ ہے اور اس کا بہت بوڑھا ہونا ہے اور وہاں کوئی ایسا شخص میسر نہ ہو جو اس کو سواری پر سوار کرا سکے اسی طرح درندے کا خطرہ بھی ہے۔ المحیط میں مذکور ہے کہ ان صورتوں میں وہ سواری پر فرض نماز پڑھ سکتا ہے اور عذر زائل ہونے کے بعد اس پر اس نماز کا اعادہ لازم نہیں ہے، اور یہ اس وقت ہے جب وہ شہر سے باہر ہو۔(۴)

۱۔ المغنی، ج ۱ ص ۴۴۸۔۴۴۷ ۲۔ بدایۃ المجتہد، ج ۱ ص ۱۴۸ ۳۔ شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۷

۴۔ ۴۴۸۹۔ عمدۃ القاری، ج ۴ ص ۲۰۳

چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا اعذار مذکورہ سے بڑا عذر ہے:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے ان صورتوں میں سواری پر فرض نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، جب راستہ میں کیچڑ ہو جب سواری سرکش ہو جب سواری سے اتر کر نماز پڑھنے میں مرض کا یا سامان چوری ہونے کا خطرہ ہو، جب بارش ہو، جب سوار بہت بوڑھا ہو اور ان سب سے بڑا خطرہ چلتی ہوئی تیز رفتار ٹرین سے اتر کر نماز پڑھنے میں ہے کیونکہ اس میں اس کی جان یا اس کے اعضاء کی ہلاکت کا یقینی خطرہ ہے تو جب ان کم خطرات میں سواری پر فرض پڑھنا جائز ہے تو اس سے زیادہ خطرہ میں بہ طریق اولیٰ چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا جائز ہونا چاہیے اور بعد میں اس کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔

المحیط کی اصل عبارت:

علامہ عینی نے اپنی عبارت میں المحیط کا حوالہ دیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ المحیط کی اصل عبارت پیش کر دیں۔ علامہ برہان الدین ابو المعالی محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری لکھتے ہیں:

مسافر بغیر ضرورت کے سواری پر فرض نماز نہ پڑھے اور ضرورت کے وقت اس کے لیے سواری پر فرض نماز اور وتر پڑھنا جائز ہے کیونکہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ تھے کہ بارش ہوگئی، آپ نے منادی کو حکم دیا کہ وہ نداء کرے تم اپنی سواریوں پر نماز پڑھو۔(۱)

ان اعذار میں سے یہ ہیں کہ اگر وہ سواری سے اترا تو اس کو اپنی جان پر یا اپنی سواری پر چور یا درندہ کا خطرہ ہو یا راستہ میں کیچڑ ہو اور اس کو زمین پر خشک جگہ نہ ملے یا اس کی سواری سرکش ہو اگر وہ اس سے اتر گیا تو وہ بغیر کسی کی مدد کے اس پر سوار نہیں ہو سکے گا یا وہ بہت بوڑھا ہو اور بغیر کسی کی مدد کے وہ از خود سواری پر سوار نہیں ہو سکے گا، اور اس کو سوار کرنے والا میسر نہ ہو، ان تمام حالتوں میں سواری پر فرض نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اگر تم کو جان کا خطرہ ہو تو تم پیدل چلتے ہوئے نماز پڑھو یا سواری پر۔(۲)

اور ہم نے جو اعذار بیان کیے ہیں ان ہی پر یہ قیاس ہے کہ جو شخص جنگل میں یا قافلہ میں سفر کر رہا تو اس کے لیے سوار پر فرض نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ اگر وہ سواری سے اترا تو اس کو اپنی جان اور اپنے سامان کا خطرہ ہوگا کیونکہ قافلہ اس کا انتظار نہیں کرے گا۔ اور حسن نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فجر کی دو سنتوں کو بھی فرض کے ساتھ لاحق کیا ہے اور عذر کی حالت میں ان سنتوں کو بھی سواری پر پڑھے۔(۳)(۴)

۱۔ سنن نسائی: ۶۴۷، مسند احمد: ۱۴۸۸۶، مسند حمد: ج ۳، ص ۴۱۶
۲۔ البقرۃ: ۲۳۹.
۳۔ المحیط البرہانی، ج ۲، ص ۴۲۶
۴۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۱۴۴۔۱۴۵

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

مذکورہ بالا تینوں احادیث مبارکہ سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استنباط دو مسئلوں میں ہے:

۱۔ حالتِ سفر میں سواری پر نفلی اور وتر نماز پڑھنا جائز ہے۔

۲۔ وتر نماز بھی نفل ہے۔

سواری پر نفل نماز کا پڑھنا:

آئمہ اربعہ کے نزدیک حالتِ سفر میں نفل پڑھنا جائز ہے، اگرچہ سواری کا رخ کعبہ کی طرف نہ ہو، اس امر پر آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

حالتِ خوف یا عجز میں قبلہ رخ کی شرط کا نہ ہونا:

آئمہ اربعہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ حالتِ خوف میں یا عجز کی حالت میں بھی نماز کے لیے قبلہ کی شرط ساقط ہو جاتی ہے۔

وتر کا سنت یا واجب ہونا:

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر سنت ہے، جبکہ فقہاء احناف کے نزدیک وتر واجب ہیں۔

وتر کی رکعتیں:

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر کی ایک رکعت ہے، جبکہ فقہاء احناف کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں ہیں۔

وتر میں دعائے قنوت کا پڑھنا:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر میں دعائے قنوت پڑھنا جائز نہیں ہے۔ جبکہ آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر میں دعائے قنوت پڑھی جائے گی۔

دعائے قنوت قبل از رکوع یا بعد از رکوع پڑھنا:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر میں دعائے قنوت رکوع کے بعد پڑھی جائے گی، جب کہ آئمہ احناف کے نزدیک قنوت رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی۔

عذر کی بناء پر سواری پر فرض اور وتر پڑھنے کا جواز:

مختلف اعذار کی بناء پر فرض اور وتر سواری پر پڑھنا جائز ہے جیسے شدید بارش، کیچڑ، بیماری، سامان چوری ہونے کا خطرہ، بڑھاپا، جان کا خطرہ کی وجہ سے سواری پر فرض یا واجب پڑھنا جائز ہے، اسی طرح ہوائی جہاز، بحری جہاز، ٹرین اور کشتی پر بھی فرض

اور وتر پڑھنا جائز ہے۔

سواری پر وتر پڑھنے کا حکم:

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک وتر چونکہ نفل نماز ہے، اس لیے سواری پر وتر پڑھنا جائز ہے، جبکہ فقہاء احناف کے نزدیک وتر واجب ہیں، اس لیے سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہیں۔

نیز فقہاء احناف کے نزدیک سواری پر وتر پڑھنے والی روایت منسوخ ہے۔

بَابُ اسْتِبَانَةِ الْخَطَأِ بَعْدَ الِاجْتِهَادِ باب: ۲۴ غور وفکر کے باوجود استقبال قبلہ میں خطا واقع ہونا

نماز میں استقبال قبلہ فرض ہے، البتہ اس میں خطا کے احتمال کو مدنظر رکھتے ہوئے، شریعت اسلامیہ میں یہ وسعت دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص غور وفکر کر کے قبلہ رخ نماز پڑھتا ہے، اور بعد میں اسے پتا چلتا ہے کہ قبلہ رخ درست نہیں تھا، تو اس صورت میں اس کی نماز ہو جائے گی، اور اسے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہوگی، اس باب میں اسی مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے، اس باب میں امام نسائی نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں حالتِ سفر میں سواری پر غیر قبلہ کی طرف نفل پڑھنے کا حکم بیان ہوا تھا، اور اس باب میں تحری کے باوجود (غیر قبلہ پر فرض نماز پڑھنے پر نماز کے ادا ہو جانے کا بیان ہے۔

۴۹۲۔اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ " :بَيْنَمَا النَّاسُ بِقُبَاءَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ جَاءَهُمْ آتٍ فَقَالَ :إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ، وَقَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوهَا، وَكَانَتْ وُجُوهُهُمْ إِلَى الشَّامِ فَاسْتَدَارُوا إِلَى الْكَعْبَةِ "

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: صحابہ کرام مسجد قباء میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، کہ اس دوران ایک شخص نے آکر بتلایا، بے شک آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آج رات ایک حکم نازل ہوا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہذا تم کعبہ معظمہ کی طرف اپنے چہرے پھیر لو۔ نماز پڑھنے والے صحابہ کے چہرے شام کی طرف تھے، پس وہ سارے کعبہ معظمہ کی طرف گھوم گئے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

تحویل قبلہ کا حکم اس نماز فجر سے ایک دن پہلے ظہر کے وقت نازل ہوا تھا، اس طرح اس حکم کے بعد بھی قباء والوں نے تین نمازیں (عصر، مغرب، عشاء) بیت المقدس کی طرف ہی چہرہ کر کے پڑھی تھیں۔ لیکن آپ ﷺ نے انہیں ان نمازوں کے لوٹانے کا حکم نہیں دیا، جس سے ثابت ہوا کہ غور وفکر کے بعد سمت قبلہ کی طرف منہ کر کے اگر غیر قبلہ کی جہت پر بھی نماز پڑھ لی جائے، اور بعد میں اس کا علم بھی ہو جائے، تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہوگی، امام نسائی کے نزدیک حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ یہی مطابقت معلوم ہوتی ہے۔

۲۔ اطراف:

تقدم: ۷۴۴، بخاری ۴۰۳، ۴۴۸۸، ۴۴۹۰، ۴۴۹۱، ۴۴۹۳، ۴۴۹۴، ۷۲۵۱، صحیح مسلم: ۵۲۶، الرقم، المسلسل: ۱۱۵۸ سنن ترمذی: ۳۴۱۔ ۲۹۶۳، السنن الکبریٰ للنسائی: ۵۴۵، سنن دارمی: ۱۲۳۷، صحیح ابن خزیمہ: ۴۳۵، سنن دارقطنی ج ۱، ص ۲۷۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۳۵، المعجم الکبیر، ج ۲۴، ص ۵۳۰۔ مسند احمد، ج ۲، ص ۱۶، طبع قدیم، مسند احمد: ۴۶۴۲ ج ۸، ص ۲۶۶، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ۳۴۹۱، مکتبۃ الرشد، ریاض، ۱۴۲۶

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ قتیبہ بن سعید: راجع: ۱۱۸ — ۲۔ مالک: راجع: ۱۱۷

۳۔ عبداللہ بن دینار: راجع: ۲۶۰ — ۴۔ حضرت عبداللہ بن عمر: راجع: ۱۱۷

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ سترویں (۱۷) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ آئمہ اربعہ میں سے ہیں، اور فقہ مالکی کے بانی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔لغات:

الناس :	لوگ، صحابہ کرام	قباء :	مقام قباء، مسجد قباء
صلاۃ الصبح:	نمازِ فجر	جاء هم:	ان کے پاس آیا
ات:	آنے والا	الليلة:	رات
قدانزل:	بے شک اترا	قدامر:	آپ کو حکم دیا گیا۔
ان يستقبل الكعبة:	کعبہ کی طرف چہرہ کرنا	استقبلوها:	تم بھی اسی طرف چہرہ کرو۔
الشام:	شام	استداروا :	وہ تمام پھر گئے۔وہ سب گھوم گئے۔

۷۔مسائل ونصائح:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام طبری نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں کے رہنے والے اکثر یہود تھے، جو اپنی نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا، پس یہود اس سے خوش ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف منہ کریں، پس آپ اس کی دعا کرتے تھے اور آسمان کی طرف دیکھتے تھے، تب یہ آیت نازل ہوئی: ہم آپ کے چہرہ کا بار بار آسمان کی طرف پھرنا دیکھ رہے ہیں (۱) اور امام طبری نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ آپ یہ پسند کرتے تھے کہ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے، کیونکہ یہود یہ کہتے تھے (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے ہی قبلہ کی پیروی کرتے ہیں، تب یہ آیت نازل ہوئی۔(۲)

حضرت ابن عباس کی اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنا ہجرت کے بعد واقع ہوا ہے، لیکن ایک اور سند حضرت ابن عباس نے روایت کی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبہ آپ کے سامنے ہوتا تھا، اور ان دونوں حدیثوں کو جمع کرنا ممکن ہے، بایں طور کہ جب آپ نے ہجرت کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، اور امام طبری نے ابن جریج کی سند سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر آپ کو بیت المقدس کی طرف پھیر دیا گیا اور اس وقت آپ مکہ میں ہی تھے، سو آپ نے تین سال تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر آپ نے ہجرت کی اور مدینہ آنے کے بعد

۱۔ البقرہ: ۱۴۴ ۲۔ جامع البیان، ج ۲، ص ۲۷۔۲۶

سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر اللہ نے آپ کو کعبہ کی طرف متوجہ کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا، اس سے ان لوگوں کا رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے اجتہاد سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی۔(۱)(۲)

نسخ اور دیگر ابحاث:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں نسخ اور تحویل قبلہ سے متعلق چند ضروری ابحاث ذکر کی ہیں، ہم انہیں ابحاث کو نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔

نسخ کی بحث:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لانے کے بعد ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی مرضی کے مطابق آپ کا قبلہ بیت الحرام کو بنا دیا، چونکہ مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا ثبوت صرف احادیث میں ہے، اس لیے علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم حدیث سے ثابت تھا اور قرآن مجید نے اس کو منسوخ کر دیا، نسخ کی حسب ذیل تعریفات علماء سے منقول ہیں۔

نسخ کی تعریفات:

(۱) والنسخ البطال شئی و اقامة غیر ہ مقامه نسخت الشمس الظل وھو معنی ما ننسخ من اية۔(۱) مجمع بحار الانوار، ج ۳، ص ۳۵۲،

نسخ ایک شے کو باطل کرنا اور دوسری شے کو اسی کا قائم مقام کرنا ہے۔ سورج نے سایہ مٹا دیا۔ آیہ کریمہ میں بھی نسخ کا یہی معنی ہے۔ ہم نے جس آیت کو منسوخ کر دیا (یعنی) اس کا حکم بدل دیا۔

۲۔ الناسخ فی اصطلاح العلماء عبارة عن طریق شرعی یدل علی ان الحکم الذی کان ثابتابطریق شرعی لا یوجد بعد ذلك مع تراقیه عند علی وجه لو لا ہ لکان ثابتا۔(۳)

علماء کی اصطلاح میں ناسخ اس طریق شرعی کو کہتے ہیں جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو حکم پہلے طریق شرعی سے ثابت تھا اب وہ نافذ العمل نہیں رہا اور یہ (طریق شرعی) پہلے طریق شرعی سے موخر ہوتا ہے، بایں طور کہ اگر یہ نہ ہوتا تو پہلا طریق شرعی ثابت رہتا۔

(۳) النسخ فی لغة التبدیل وشرعا بیان لانتهاء الحکم المطلق۔(۴)

۱۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۶۳ ۲۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۱۴۳ ۳۔ تفسیر کبیر، ج ۱، ص ۴۳۳

۴۔ مرقاۃ، ج ۱، ص ۳۶۲

نسخ کے لغوی معنی تبدیل کرنا ہے اور شرح میں حکم مطلق کی انتہا بیان کرنا ہے۔

(۴) النسخ في اللغة عبارة عن التبديل والرفع والازالة يقال نسخت الشمس الظل ازالته وفى الشريعة هو بيان انتهاء الحكم الشرعي في حق صاحب الشرع وكان انتهاء ه عندالله تعالىٰ معلو ما الان فى علمنا كان استمراره ودوامه وبالناسخ علمنا انتهاء ه وكان فى حقنا تبديلا و تغييرا۔

نسخ کے لغوی معنی تبدیل کرنا، اٹھانا اور زائل کرنا ہے کہا جاتا ہے۔ سورج نے سایہ زائل کر دیا۔ اور اصطلاح شریعت میں نسخ شارع کے اعتبار حکم شرعی کی انتہاء کا بیان ہے اللہ تعالیٰ کو اس حکم کی انتہاء معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے سامنے چونکہ ناسخ نہیں ہوتا اس لیے ہم اس حکم کو دائمی خیال کرتے ہیں اور ناسخ آنے کے بعد ہم کو اس حکم کی انتہاء معلوم ہوتی ہے اس لیے ہمارے اعتبار سے نسخ حکم سابق کا بدل جانا ہے۔

نسخ کی اقسام:

ملا علی قاری رحمہ الباری لکھتے ہیں کہ نسخ کی چار قسمیں ہیں۔ قرآن کا قرآن سے، قرآن کا حدیث سے حدیث کا حدیث سے اور حدیث کا قرآن سے (۱)

علامہ ابن خلدون متوفی لکھتے ہیں کہ احادیث ناسخ اور منسوخ کو معلوم کرنا بہت دشوار ہے۔ بہر حال اگر دو حدیثیں نفیاً واثباتاً متعارض ہوں اور ان میں تطبیق نہ ہو سکے اور کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ ان میں سے ایک حدیث مقدم اور دوسری موخر ہے تو مقدم منسوخ اور مؤخر ناسخ قرار پائے گی (۲)

قرآن کریم میں ناسخ اور منسوخ کو معلوم کرنا اس قدر دشوار نہیں ہے کیونکہ سورتوں اور آیات کا مقدم اور موخر ہونا معروف اور منضبط ہے تاہم یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ نسخ کا عمل انشاء (امر اور نہی یعنی احکام) میں جاری ہوتا ہے۔ وہ آیات اور حدیث جن میں کسی واقعہ کی خبر ہو اور باہم متعارض ہوں ان میں نسخ کا عمل جاری نہیں ہوگا ورنہ منسوخ کو خلاف واقعہ اور جھوٹا ماننا پڑے گا۔

یہود مطلقاً نسخ انکار کرتے ہیں اور اپنی شریعت کو قیامت تک جاری اور اپنی کتاب کو ہمیشہ کے لیے قابل عمل گردانتے ہیں۔ ان کا یہ نظریہ اولاً اس لیے باطل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن بھائی کا آپس میں نکاح جائز تھا (تورات) اور وہ بھی مانتے ہیں کہ اب یہ حکم منسوخ ہے ثانیاً حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت میں تمام جانور حلال تھے اور تورات نے بہت سے جانوروں کو حرام کر دیا۔ (۳)

۱۔ مرقاۃ، ج ۱، ۳۶۲ ۲۔ مقدمہ ابن خلدون، ج ۲ ص ۳۳۵ ۳۔ تفسیر کبیر، ج ۱ ص ۴۳۳۔۴۳۴

ثالثاً اس لیے کہ یوسف علیہ السلام کی شریعت میں آزاد آدمیوں کو غلام بنانا جائز تھا، رابعاً پہلے ہفتے کے دن شکار جائز تھا۔(۱)

بعض شافعیہ قرآن کا حدیث سے اور حدیث کا قرآن سے نسخ نہیں مانتے۔(۲) اس کے برخلاف جمہور علماء اہلسنت نسخ کی چاروں قسموں کو مانتے ہیں۔

شوافع کہتے ہیں کہ اگر قرآن کا نسخ حدیث سے مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ کے کلام کی سب سے پہلے تکذیب اس کے رسول نے کی ہو اور اگر حدیث کا نسخ، قرآن سے مانا جائے تو لازم آئے گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی سب سے پہلے تکذیب اللہ تعالیٰ نے کی ہو، لیکن یہ دلیل اس لیے مخدوش ہے کہ شوافع نسخ القرآن بالقرآن مانتے ہیں اس صورت میں لازم آئے گا کہ قرآن کا سب سے پہلا مکذب خود اللہ تعالیٰ ہو، نیز وہ نسخ الحدیث بالحدیث بھی مانتے ہیں اس طور پر لازم آئے گا کہ حدیث کا مکذب سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا رسول ہو۔

دراصل ان حضرات نے نسخ کے معنی پر غور نہیں کیا۔ نسخ کے معنی ''تکذیب'' نہیں ''بیان'' ہیں جیسا کہ نسخ کی تعریف میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ اکثر علماء اور محققین نے کسی حکم کی انتہاء کے بیان کو نسخ قرار دیا ہے لیکن دقیق نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی حکم کے عموم اور شمول سے بعض افراد کے استثنا کا بیان بھی نسخ ہے اور نسخ القرآن بالحدیث کے سلسلہ میں ہم اس کی نظائر بیان کریں گے۔

نسخ القرآن بالقرآن:

إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُواْ أَلْفاً مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُونَ الآنَ خَفَّفَ اللّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفاً فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُواْ أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّهِ۔(۳)

اگر تم میں سے بیس صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے سو صابر ہوں تو وہ ہزار کفار پر غالب ہوں گے کیونکہ کفار اپنی عقل سے (صحیح) ادارک نہیں کرتے اب اللہ نے تم پر تخفیف فرمائی ہے اور اس نے تمہارے ضعف کو ظاہر کر دیا ہے۔ اگر تم میں سے سو صابر ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ہوں تو دو ہزار پر۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو دس کافروں کے ساتھ لڑنے کا مکلف کیا ہے پھر یہ حکم منسوخ کر کے ایک مسلمان کو دو کافروں کے ساتھ لڑنے کا مکلف کیا۔

۱۔ عمدۃ القاری، ج۱، ص۲۴۷　　۲۔ شرح مسلم للنواوی، ج۱، ص۲۰۱　　۳۔ انفال ۸: ۶۵-۶۶

نسخ القرآن بالحدیث:

نسخ کی یہ قسم انتہائی نازک اور اہم ہے منکرین حدیث فقہاء کی توہین کرتے ہوئے اس قسم کا بہت چرچا کرتے ہیں اور یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ خبر متواتر (لفظی) صرف ایک ہے۔ باقی اخبار احاد ہیں۔ پھر قرآن مجید کو جو کہ تواتر سے ثابت ہے خبر واحد سے کیسے منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم سے یہ مراد نہیں ہے کہ حدیث کے ذریعے متن قرآن کو یا اس کے عام حکم کو کلیۃً منسوخ کر دیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے کسی عام حکم کے بعض افراد کو زبان رسالت سے خاص کرلیا جائے یہ تخصیص ہم تک جن اسانید سے پہنچی وہ متواتر نہیں لیکن جن لوگوں نے زبان رسالت سے یہ تخصیص سنی، ان کے لیے وہ تخصیص، ایسی ہی قطعی اور یقینی تھی جیسا کہ قرآن کریم کا قرآن کریم ہونا قطعی اور یقینی ہے کیونکہ جس زبان سے کسی آیت کی تلاوت کر کے آپ نے یہ بتلایا کہ یہ قرآن ہے اسی زبان سے یہ بتلایا کہ اس حکم عام سے فلاں فلاں اشخاص خاص کر لیے گئے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم نے عام حکم دیا ہے کہ ہر مسلمان اپنی پسند کی چار شادیاں کر سکتا ہے۔ (نساء: ۳ ملخصا) لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا اور فرمایا کہ علی، حیات فاطمہ میں ابوجہل کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتے۔ (۱)

اسی طرح قرآن حکیم نے عام حکم دیا ہے کہ ہر نزاعی معاملہ میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔ (بقرہ) لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا اور فرمایا کہ خزیمہ کی اکیلی گواہی دو کے برابر ہے۔ (۲)

اسی طرح قرآن کریم نے عام حکم دیا ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں ادا کی جائے (نساء: ۱۰۳) لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم عام سے عرفات کی عصر اور مزدلفہ کی مغرب کو خاص کرلیا۔ کیونکہ عرفات میں عصر، ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہے (۳)

اسی طرح قرآن کریم نے عام حکم دیا ہے کہ اگر میت کے ورثاء میں سے ایک لڑکی ہو تو اس کو آدھی میراث ملے گی، (نساء: ۱۱) لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عام حکم سے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خاص کرلیا اور آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت میں سے نصف حصہ نہیں دیا کیونکہ جس زبان سے انہوں نے وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ (نساء: ۱۱) سنا تھا اسی زبان سے انہوں نے سنا تھا "لا نورث" ہم گروہ انبیاء کسی کو وارث نہیں بناتے۔ (۴) ان کے لیے دونوں حکم ایک جیسے قطعی تھے۔

۱۔ سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۲۸۲۔۲۸۳ ۲۔ سنن ابوداؤد، ج ۲، ص ۱۵۲ ۳۔ سنن ابو داؤد، ج ۱، ص ۲۶۴

۴۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۰۶

نسخ الحدیث بالحدیث:

عن ابن مسعود ان رسول اللہ ﷺ قال کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا۔(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو (پہلے) زیارت قبور سے منع کیا تھا۔سنو! قبروں کی زیارت کیا کرو۔

اس حدیث سے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے قبروں کی زیارت سے منع فرمایا تھا بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے قبروں کی زیارت کا حکم دیا۔

نسخ الحدیث بالقرآن:

قرآن مجید سے حکم حدیث کے منسوخ ہونے کی واضح مثال باب مذکور کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے معین کردہ قبلہ کو اللہ تعالیٰ نے بدل کر کعبہ کو قبلہ بنا ڈالا۔

تحویل قبلہ کی تاریخ:

ہجرت کے ۱۶ یا ۱۷ ماہ بعد کی تحویل ۱۵ رجب ۲ھ میں ہوئی (۲)، بعض معاصرین کا یہ لکھنا صحیح نہیں ہے کہ "یہ تحویل ہجرت کے دو سال بعد نصف رجب میں ہوئی۔(۳)

کعبہ کی طرف پہلی نماز:

یہ تحقیق بھی کافی دقت نظر کی حامل ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد حضور ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلے کون سی نماز پڑھی، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ۱۶ یا ۱۷ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کا قبلہ کعبہ بنا دیا جائے اور آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے جو نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی، صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، ایک شخص نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی نماز پڑھنے کے بعد اس شخص کا انصار کی ایک جماعت پر گزر ہوا، وہ لوگ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اس شخص نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے تو اس جماعت نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔(۴)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد حضور ﷺ نے جو سب سے پہلی نماز پڑھی وہ ظہر کی نماز تھی کیونکہ انصار عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اور حضور ﷺ نے تحویل قبلہ کے بعد جو نماز پڑھی وہ اس سے پہلے (یعنی ظہر) تھی۔

۱۔ سنن ابن ماجہ، ص ۱۱۲ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۱، ص ۲۴۵، فتح الباری، ج ۱، ص ۹۷

۳۔ تفہیم البخاری، ج ۱، ص ۲۳۰ ۴۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۷

علامہ محمد بن سعد طبقات میں لکھتے ہیں: ایک راویت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ظہر کی دو رکعات مسلمانوں کو مسجد میں پڑھائیں، پھر آپ کو مسجد حرام (کعبہ) کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا، آپ نے کعبہ کی طرف اثناء نماز میں رخ کر لیا، اور مسلمان بھی آپ کے ساتھ کعبہ کی طرف پھر گئے۔ روایات میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ ام بشر بن براء بن معرور سے ملاقات کے لیے بنو سلمہ میں گئے، انہوں نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا۔ اسی دوران ظہر کا وقت آ گیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کو دو رکعت نماز پڑھائی اس کے درمیان آپ کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ آپ کعبہ کی طرف پھر گئے اور اس مسجد کا نام ''مسجد القبلتین'' رکھا گیا علامہ ابن سعد کہتے ہیں کہ علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ یہ روایت ہمارے نزدیک زیادہ ثابت ہے'' ابو داؤد، بزار، اور طبرانی میں یہ روایات موجود ہیں۔ (۱)

روایات میں تطبیق:

صحیح بخاری ص ۱۰، اور ص ۵۷ کی دونوں روایتیں متعارض ہیں۔ کیونکہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل کے بعد آپ نے پہلی نماز، عصر اور دوسری سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہر کی پڑھی، اور دوسری روایت کی موید، ابو داؤد، بزار، اور طبرانی کی روایات بھی ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی ان روایات میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

تحقیق یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے تحویل کے بعد پہلی نماز بشر بن براء بن معرور کی وفات کے موقع پر ان کی مسجد میں ظہر پڑھی اور مسجد نبوی میں تحویل کے بعد پہلی نماز عصر پڑھی۔ اور قباء میں تحویل کے بعد پہلی نماز صبح پڑھی۔ (۱) فتح الباری، ج ۱، ص ۹۷

اس تحقیق سے ظاہر ہوا کہ بخاری ج ۱، ص ۵۷ میں جس پہلی نماز کا ذکر ہے اس سے مراد اولیت حقیقی ہے اور بخاری، ج ۱، ص ۱۰ پر جس اولیت کا ذکر ہے اس سے مراد اولیت اضافی ہے۔ بعض معاصرین اس حقیقت کو نہ پا سکے اور انہوں نے لکھ دیا: ''یہ کہنا صحیح نہیں کہ ظہر کی آدھی نماز پڑھنے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا تھا کیونکہ صحیح روایات اس کے خلاف ہیں تحویل کعبہ ظہر اور عصر کے درمیان ہوئی اور سید عالم ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے سب سے پہلی نماز عصر پڑھی تھی۔ (۲)

خبر واحد پر عمل:

ایک شخص نے اہل قباء کو حالت نماز میں خبر دی کہ'' قبلہ بدل گیا ہے'' اور انہوں نے حالت نماز میں رخ بدل لیا۔ اس سے علماء استدلال کرتے ہیں کہ خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے نیز انہوں نے قبلہ اولی کو جو قطعی اور یقینی تھا خبر واحد سے کیسے منسوخ کر دیا جو ہر حال ظنی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خبر دینے والے نے قرآن پاک کی آیت پڑھی اور انہوں نے پہلے حکم کو قرآن کریم

۱۔ فتح الباری، ج، ص ۵۰۳ ۲۔ تفہیم البخاری، ج ۱، ص ۶۹

سے منسوخ کر دیا اور چونکہ وہ لوگ اہل زبان اور فصحاء عرب تھے اور اسلوب قرآن سے آشنا تھے، اس لیے انہوں نے قرآن کریم کو اس کی اعجاز آفریں عبارت سے پہچان لیا۔

ورود شرع سے قبل تکلیف کا حکم:

اہل قباء کو خبر دینے سے پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ اب کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا ہے اس لیے ان سے اس پر مواخذہ نہیں ہوا کہ انہوں نے تحویل کے بعد بیت المقدس کی طرف منہ کر کے کیوں نماز پڑھی۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جس شخص کو احکام شرعیہ کی تبلیغ نہ کی گئی ہو اور وہ کسی اور طریقہ سے احکام شرعیہ کو نہ جان سکتا ہو وہ ان احکام کا مکلف نہیں ہے۔ (۱)

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس شخص تک نبوت، معاد، جزا، سزا اور احکام شرعیہ نہ پہنچے ہوں وہ ان کا مکلف نہیں ہے البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہے یا نہیں ماتریدیہ امام ابوحنیفہ اور عام معتزلہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا تو وہ مستحق عذاب ہوگا، اور اشاعرہ کا مسلک یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب نہیں ہے۔ (۲)

اشاعرہ کے دلائل:

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیں گے جب تک رسول کو نہ بھیج دیں (۳)

اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے جو بشارت دینے والے اور عذاب سے ڈرانے والے ہیں تاکہ لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی عذر کا موقع نہ رہے۔ (۴)

سید نعیم الدین مراد آبادی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی بعثت سے قبل خلق پر عذاب نہیں فرماتا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا۔ اور یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ معرفت الٰہی بیان شرع و زبان انبیاء ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ عذاب جہنم میں مبتلا کفار کو فرشتوں کی زبان سے قائل کرتے ہوئے کہلوائے گا!

کیا تمہارے پاس تمہاری جنس سے رسول نہیں آئے تھے۔ جو تم پر تمہارے رب کی آیات تلاوت کرتے تھے۔ (۵)

جہنم کے فرشتے کہیں گے کیا تمہارے پاس رسول معجزات لے کر نہیں آئے تھے کفار کہیں گے ''کیوں نہیں''

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۱، ص ۲۴۷　۲۔ روح المعانی، ج ۱۵، ص ۳۹۔۴۲　۳۔ بنی اسرائیل ۱۷:۱۵
۴۔ النساء ۴:۱۶۵　۵۔ زمر: ۳۹

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کفار کو عذاب دینے کی حجت، رسولوں کا مبعوث فرمانا ہے۔قرآن کریم میں کہیں بھی اللہ تعالیٰ نے عقل محض کو حجت نہیں قرار دیا۔

ماتریدیہ ان آیات کی تاویل کرتے ہوئے رسول سے، عقل مراد لیتے ہیں، لیکن قرآن کریم کا اسلوب اس سے انکار کرتا ہے اور بداہت شاہد ہے کہ یہ بے جا تاویل ہے صحیح بات وہی ہے جو اشاعرہ نے کہی ہے

دیگر فوائد:

اس حدیث میں سب سے نمایاں طور پر جو بات سامنے آئی ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قدر و منزلت کہ اللہ تعالیٰ نے کسی دعا اور سوال کے بغیر آپ کی خواہش کے مطابق کعبہ کو آپ کا قبلہ بنا دیا۔

بقول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ تعالیٰ آپ کی خواہش بہت جلدی پوری کرتا ہے۔(۱)

اگر کوئی شخص لاعلمی سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لے تو اس پر اعادہ نہیں ہے۔صحابہ کرام دینی معاملات میں اپنے مسلمان بھائیوں سے خیر خواہی کیا کرتے تھے، مسلمان کو چاہیے کہ وہ طاعات میں اکمل احوال کا خواہاں رہے، نماز میں قبلہ کی طرف رخ کرنا واجب ہے اور اب قبلہ کعبہ ہے شرفھا اللہ تعالیٰ۔

مکہ میں قبلہ کا رخ:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ میں کس قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے بعض حضرات نے کہا کہ مکہ میں کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن محققین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ نسخ دو مرتبہ ہوا۔کعبہ کو منسوخ کر کے بیت المقدس پھر اس کو منسوخ کر کے دوبارہ کعبہ کو قبلہ بنایا ہو زیادہ تر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آپ مکہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں ہوتی تھی۔(۲)(۳)

قبلہ کے بارے میں غور و فکر کرنے کے بعد پڑھی گئی نماز کا حکم:

شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی لکھتے ہیں:

مختلف فیہ مسئلہ:

مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص جنگل میں ہے اور اسے قبلے کا پتہ نہیں چل رہا تو حکم یہ ہے کہ تحری کرے اور تحری کرنے کے نتیجے میں اگر ذہن کا خیال اس طرف آیا کہ قبلہ اس طرف ہے، لہذا اس نے تحری کے مطابق نماز پڑھ لی، لیکن جب نماز ختم کر چکا تو بعد میں پتہ چلا کہ قبلہ تو مخالف سمت میں تھا تو اب آیا وہ پہلی نماز ہوگئی یا اس کا اعادہ واجب ہے؟

۱۔ بخاری، ج ۲، ص ۷۶۷ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۱، ص ۲۴۰ ۳۔ شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۶۸۔۴

احناف کا قول اور امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک:

مذکورہ مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز ہوگئی ہے، اعادہ واجب نہیں ہوگا اور یہی امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر تحری کرنے کے بعد یقینی طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ میں نے غلط رخ پر نماز پڑھی تھی اور قبلہ مخالف سمت میں تھا تو وقت کے اندر اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر وقت گزر چکا ہو تو اس پر اعادہ نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یقین سے غلطی واضح ہوگئی تو اعادہ واجب ہے اور بظاہر ان کے نزدیک وقت کے بعد غلطی واضح ہونے پر اعادہ واجب نہیں ہے۔(۱)

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال:

امام بخاری رحمہ اللہ و احناف کا قول یہ تھا کہ تحری کے ذریعے جو نماز پڑھی گئی ہے چاہے اس کی خطا یقینی طور پر ظاہر ہو جائے تب بھی جو نماز پڑھی ہے وہ نماز ہوگئی ہے لہٰذا اس کا اعادہ ضروری نہیں اور اس قول کی تائید میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ تعلیق نقل کی ہے کہ" وقد سلم النبی و فی رکعتی الظهر واقبل علی الناس بوجهه ثم اتم ما بقی "یعنی حضور اقدس ﷺ نے ظہر کی رکعتوں میں دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا تھا یہ سمجھتے ہوئے چار پوری پڑھ لی، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے پھر باقی دو رکعتوں کو پورا کیا۔

اس واقعہ سے استدلال اس طرح ہے کہ جس وقت آنحضرت محمد ﷺ نے دو رکعت پڑھنے کے بعد یہ سمجھتے ہوئے سلام پھیر دیا کہ چار رکعت پڑھ لی ہیں اور پھر مصلیوں کی طرف متوجہ بھی ہو گئے تو اس متوجہ ہونے سے استقبال قبلہ فوت ہو گیا پھر بعد میں پتہ چلا کہ نماز پوری نہیں ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے اس نماز کو پورا کیا اور جو پہلی دو رکعتیں تھیں ان کے اوپر ہی بنا فرمائی اس کے باوجود کہ درمیان میں ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ جس میں استقبال قبلہ فوت ہو چکا ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ کسی اجتہادی غلطی کی بنا پر اگر استقبال قبلہ فوت ہو جائے تو اس کا اعادہ ضروری نہیں ہے لہٰذا تحری کے اندر بھی اگر غلطی ہو جائے تو اعادہ واجب نہ ہوگا کیونکہ یہ بھی اجتہادی غلطی ہے۔

اگر حنفیہ کے نزدیک بھی یہی مسئلہ ہے کہ اعادہ واجب نہیں لیکن جو استدلال امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے وہ احناف کے طریقے پر درست نہیں، کیونکہ احناف کے نزدیک تحری کی صورت میں اگر کوئی شخص غلطی کر جائے تو نماز واجب الاعادہ نہیں ہوتی لیکن اس صورت میں کہ چار رکعتیں تھیں اور دو رکعتوں پر سلام پھیر دیا اور قبلہ کی طرف سے رخ پھیر کر نمازیوں کی طرف متوجہ

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۳، ص ۳۸۴۔۳۸۵، المجموع، ج ۳، ص ۲۰۱

ہو گئے اور پھر سابق دو رکعتوں پر بنا کر لینا یہ جائز نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جس واقعہ سے استدلال کیا ہے یہ ذوالیدین کا واقعہ ہے اور یہ واقعہ احناف کے نزدیک منسوخ ہے کیونکہ آپ ﷺ نے قبلہ سے رخ موڑ لیا تو استقبال قبلہ فوت ہو گیا اور پھر آپ ﷺ نے باتیں بھی کی تھیں تو یہ عمل کثیر ہوا اور پھر ان تمام چیزوں کے باوجود آپ ﷺ نے سابق دو رکعتوں پر بنا فرمائی، تو یہ واقعہ حنفیہ کے نزدیک منسوخ ہے، لہذا اس سے احناف کا استدلال درست نہیں ہوگا۔

احناف کا استدلال:

احناف کا اس مسئلہ میں استدلال ترمذی وابن ماجہ کی اس حدیث سے ہے کہ جب حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک سفر میں تھے اور رات کا وقت تھا اور رات اتنی تاریک تھی کہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ قبلہ کس سمت میں ہے تو ہر شخص نے اپنے اپنے حساب سے نماز پڑھی لی اور پھر آپ ﷺ سے ذکر فرمایا کہ ہم نے اس طرح نماز پڑھی ہے کہ کسی کا رخ اُس طرف اور کسی کا رخ اس طرف تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب کی نماز ہو گئی ہے۔(۱)

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ تحری کے ساتھ جب نماز پڑھ لی جاتی ہے تو وہ نماز ہو جاتی ہے اور تحری کے غلط ثابت ہو جانے پر بھی واجب الاعادہ نہیں ہوتی ہے۔(۲)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

اس حدیث مبارکہ سے امام نسائی کا استدلال حسب ذیل ہے:

اگر غور وفکر کرنے کے بعد سمتِ قبلہ کا تعین کیا، نماز پڑھ لی، پھر بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ دوسری طرف ہے، تو وہ نماز ادا ہو گئی ہے، بعد میں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

نسخ کی تعریف:

اصطلاح شریعت میں نسخ شارع کے اعتبار سے حکم شرعی کی انتہاء کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ کو اس حکم کی انتہاء معلوم ہوتی ہے ہم اس کو دائمی خیال کرتے ہیں، اور ناسخ آنے کے بعد ہم کو اس حکم کی انتہا معلوم ہوئی ہے، اس لیے ہمارے اعتبار سے نسخ حکم سابق کا بدل جانا ہے(۳)

۱۔ سنن الترمذی، ج۲، ص۶۷ ۲۔ انعام الباری، ج۳، ص۱۴۲۔۱۴۴ ۳۔ التعریفات، ص۱۰۶

نسخ کی چار صورتیں ہیں:

قرآن وحدیث میں جو نسخ واقع ہوا ہے، اس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ قرآن کا قرآن سے نسخ　　۲۔ قرآن کا حدیث سے نسخ

۳۔ حدیث کا حدیث سے نسخ　　۴۔ حدیث کا قرآن سے نسخ

☆ جمہور اہل سنت نسخ کی مذکورہ چاروں صورتوں کے قائل ہیں

☆ بعض شوافع کے نزدیک قرآن کا حدیث سے اور حدیث کا قرآن سے نسخ نہیں ہے

خبر واحد پر عمل کرنا:

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ خبر واحد پر عمل کرنا جائز ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک شخص کے کہنے پر حالتِ نماز میں قبلہ تبدیل کرلیا تھا۔

احکام شرع کا مکلّف ہونا:

جس شخص کو احکام شرعیہ کی تبلیغ نہ کی گئی ہو، اور وہ کسی اور طریقہ سے احکام شرعیہ کو نہ جان سکا ہو، تو وہ احکامِ شرعیہ کا مکلّف نہیں ہے۔

☆ امام ابوحنیفہ، ماتریدیہ اور معتزلہ کے نزدیک ہر شخص پر اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہے، اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لایا، تو وہ مستحق عذاب ہوگا۔

☆ البتہ اشاعرہ کے نزدیک ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی واجب نہیں ہے۔

غور وفکر کرنے کے بعد جہت قبلہ میں غلطی کا حکم:

اگر کوئی شخص قبلہ کے بارے میں غور وفکر کر کے نماز پڑھتا ہے، اور بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ نماز غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھی ہے، اس کی نماز کامل ہونے کے بارے میں آئمہ کے تین اقوال ہیں:

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسی صورت میں نماز ہوگئی ہے، اور بعد میں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

اگر نماز کے بعد یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ قبلہ مخالف سمت تھا، تو وقت کے اندر اندر کا اعادہ واجب ہے، وقت کے بعد اعادہ نہیں ہے۔

۳۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

اگر یقین سے غلطی واضح ہوگئی،تو ہر حال میں اعادہ واجب ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کے حبیب مکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے آج مورجہ ۴ شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ بمطابق یکم مئی ۱۷ء / ۱۸ بیساکھ ۲۰۷۴، بوقت نماز مغرب سنن نسائی کی "کتاب الصلوٰۃ (حدیث نمبر ۴۴۷۔۴۹۲) کی شرح مکمل ہوگئی ہے۔اے رب العالمین! جس طرح تو نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناکارہ وحقیر وناچیز سے یہاں تک شرح کروائی ہے،اسی طرح باقی حصوں کی بھی شرح مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین

ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان

جامعہ علمیہ متصل جامع مسجد حنفیہ انوارِ مدینہ وٹڈیر پارک،اچھرہ لاہور

موبائل: ۰۳۲۱۔۴۲۶۸۹۶۷

كِتَابُ الْمَوَاقِيتِ

نماز کے اوقات

کِتَابُ الْمَوَاقِیتِ کتاب ۶: نماز کے اوقات

عربی زبان میں اوقات مقررہ کے لیے لفظ مواقیت بولا جاتا ہے، یہ لفظ مواقیت میقات کی جمع ہے، جس کا معنی: وقت کی مقدار ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الصلاۃ'' کے بعد ''کتاب المواقیت'' کو بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وقت نماز کے لئے شرط ہے، کیونکہ وقت شروع ہونے پر ہی نماز فرض ہوتی ہے، اسی لیے امام صاحب نے کتاب الصلاۃ کے بعد ''کتاب المواقیت'' یعنی نماز کے اوقات کو شروع فرمایا ہے۔ اس کتاب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچوں نمازوں کے ابتدائی انتہائی مکروہ مستحب اور ممنوع اوقات بیان فرمائے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ نمازوں کے مستحب اوقات بھی ذکر کیے ہیں، فقہاء احناف کے ہاں پانچوں نمازوں کے اوقات حسب ذیل ہیں:

۱۔ فجر کا وقت:

طلوع صبح صادق سے سورج کے طلوع ہونے تک۔

۲۔ ظہر کا وقت:

سورج کے زوال کے بعد سے ہر چیز کے سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل ہونے تک۔

۳۔ عصر کا وقت:

ہر چیز کے سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک۔

۴۔ مغرب کا وقت:

غروب آفتاب سے لے کر شفق ابیض تک۔

۵۔ عشاء کا وقت:

اس کا وقت شفق ابیض کے غروب ہونے سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔

اس کتاب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پچپن ابواب قائم فرمائے ہیں، اور ایک سو بتیس (۱۳۲) احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے پچھلی کتاب نماز سے متعلق تھی، اور اس کتاب میں نماز کے وقتوں کا بیان ہے، دونوں کتابیں نماز سے متعلقہ مسائل پر مشتمل ہیں۔ یہی دونوں کتابوں میں مناسبت ہے۔

نمازوں کو اوقات مقررہ پر ادا کرنے کی فضیلت واہمیت:

جہاں تک پانچ نمازوں کے اوقات کی بات ہے تو قرآن وحدیث میں ان کا وقت محدود و متعین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَاباً مَّوْقُوتاً(۱)

''یقیناً نماز مومنوں پر وقت مقررہ پر فرض ہے'' بالا عذر شرعی کوئی نماز اس کے متعین وقت سے موخر کرنا گناہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے (۲)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (۲)

''ہلاکت ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز میں سستی کرتے ہیں''

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اجمع المسلمون علی ان الصلوات الخمس موقتة بمو اقیت محددة'''' تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانچ نمازوں کی ادائیگی ان کے مقررہ اوقات میں فرض ہے۔(۳)

اسی لیے نماز میں سستی کرنے والوں کے متعلق اللہ رب العزت نے فرمایا ہے: (۲)

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ(۴)

''ہلاکت ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز میں سستی کرتے ہیں۔'' اس آیت کی تفسیر میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی نماز اصل وقت سے لیٹ پڑھتے ہیں۔(۵)

اس کی سند میں حسن ہے۔ یہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔ لیکن اس کی سند میں عکرمہ بن ابراہیم ضعیف ہے کذا قال شیخنا الثری ۔حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ''تاخیر صلاۃ (نماز) سے مراد اسے کلیتاً ترک کرنا یا اس کے شرعاً مقررہ وقت سے لیٹ کر کے پڑھنا ہے یا نماز کے اول وقت سے موخر کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔(۶)

بہر حال ﴿عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ کے تحت یہ سارے مفہوم آسکتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین عمل کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: الصلاہ علی وقتها ''نماز کو اس کے وقت پر (بروقت) ادا کرنا (۶) صحیح البخاری، مواقیت الصلاۃ، حدیث: ۵۲۷ اس کے وقت پر اس سے مراد نماز کا اول وقت ہے۔

اس کی توضیح حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث سے ہوتی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ترین عمل کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: الصلاة فی اول وقتها۔'' (افضل ترین عمل) نماز کو اس کے اول وقت

۱۔ النساء ۴:۱۰۳ ۲۔ الماعون ۱۰۷:۴-۵ ۳۔ المغنی لابن قدامۃ: ۱/۴۱۲ ۴۔ الماعون ۱۰۷:۴-۵

۵۔ تفسیر الطبری، الماعون: ج ۱۵، ص ۳۰۴، ومسند ابی یعلیٰ، حدیث: ۷۰۱ ۶۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۷۱۸

میں ادا کرنا ہے'' سنن ابی داؤد الصلاۃ الحدیث: ۴۲۶، صحیح سنن ابی داؤد، (مفصل) للالبانی، حدیث: ۴۵۳ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں: ما صلى رسول الله صلاة لوقتها الاخر مرتين حتىٰ قبضه الله ''رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز اس کے آخری وقت میں دو مرتبہ بھی نہیں پڑھی تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض کر لی'' (۱)

اس حدیث کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: ھذا حدیث (حسن) غریب ولیس اسنادہ بمتصل) '' یہ حدیث حسن غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے'' جبکہ درحقیقت یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ مستدرک حاکم میں یہ موصولا مروی ہے ۔ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین کی شرط پر اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی موافقت کی ہے ۔ (۲)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ شرعی عذر کے سوا نماز اول وقت ہی میں ادا کرنا افضل ہے، سوائے نماز عشاء کے کہ اسے دیر سے پڑھنا افضل ہے ۔ اس کے سوا کسی نماز کو اس کے درمیانی یا آخر وقت میں ادا کرنا افضل نہیں ہے بلکہ صرف جائز اور مباح ہے جیسا کہ آئندہ بحث میں آئے گا ۔

نمازوں کے اوقات کی اسی اہمیت کے پیش نظر بالخصوص اول وقت میں ان کی ادائیگی کی اہمیت وافضلیت اجاگر کرنے کے لیے صحیح احادیث کی روشنی میں پانچوں نمازوں کے اوقات قدر تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں ۔ اس تفصیلی گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی نمازیں بروقت ادا کریں اور اس فکر کو عام کرنے کی کوشش بھی کریں تا کہ بروقت نماز پڑھنے سے ہم صحیح معنوں میں نبی کریم ﷺ کی اس عظیم بشارت کے مستحق قرار پائیں ۔ ارشاد گرامی ہے من توضا کما امر وصلی کما امر غفرلہ ما قدم من عمل ''جس نے اس طرح وضو کیا جیسے حکم دیا گیا اور نماز بھی اس طرح پڑھی جیسے اسے حکم دیا گیا (یعنی مسنون اوقات واعمال کا خیال رکھا) تو اس کی گزشتہ ہر قسم کی لغزش معاف کر دی جائے گی ۔ (۳)(۴)

۱۔ جامع ترمذی، الصلاۃ حدیث: ۱۷۴

۲۔ المستدرک للحاکم، ج ۱، ص ۱۹۰، واھدایۃ الرواۃ بتعلیق الالبانی: ج ۱، ص ۲۹۸، والتلخیص الحبیر، ج ۱، ص ۳۲۵

۳۔ سنن النسائی، الطھارۃ، حدیث: ۱۴۴ ۴۔ سنن نسائی (دارالسلام)، ج ۱، ص ۲۸۱۔۲۸۳

باب:۱۔امامة جبریل و تحدید اوقات الصلوات الخمس

باب ۱: حضرت جبرائیل امین کی امامت اور پانچوں نمازوں کے اوقات

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو سفرِ معراج سے واپسی پر نماز پنجگانہ کا تحفہ عطا فرمایا، جسے امت محمدیہ ﷺ پر فرض کیا گیا، سفر معراج کے اگلے دو دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر آقا کریم ﷺ کو کعبہ مکرمہ میں پانچوں نمازیں باجماعت پڑھائیں۔

پہلے دن حضرت جبرائیل امین نے اول وقت میں پانچوں نمازیں پڑھائیں، اور دوسرے دن آخری اوقات میں نمازیں پڑھائیں، اور بتلایا کہ امتِ محمدیہ کے لیے پانچوں نمازوں کے اوقات ان کے درمیان ہیں، اس باب میں اسی امر کا بیان ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط فرمایا ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب اور حدیث سے ''کتاب المواقیت'' کو اس لیے شروع فرمایا ہے، تاکہ مطلقاً پانچوں نمازوں کے اوقات مقررہ کا علم ہو، اور اس لیے بھی کہ یہ اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں۔

۴۹۳۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا. فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ :أَمَا إِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ نَزَلَ فَصَلَّى إِمَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ عُمَرُ :اعْلَمْ مَا تَقُولُ يَا عُرْوَةُ .فَقَالَ :سَمِعْتُ بَشِيرَ بْنَ أَبِي مَسْعُودٍ يَقُولُ :سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُودٍ يَقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :نَزَلَ جِبْرِيلُ فَأَمَّنِي فَصَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهِ خَمْسَ صَلَوَاتٍ

امام محمد بن مسلم شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (گورنر مدینہ) نے عصر کی نماز میں کچھ تاخیر کی، تو حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا: حضرت جبرائیل امین حاضر ہوئے، اور حضور اکرم ﷺ کو آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ٹوکا اور پوچھا: اے عروہ! سوچ لو کیا کہہ رہے ہو؟ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے بشیر بن ابی مسعود رحمۃ اللہ علیہ اور انہوں نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے سنا، اور آپ ﷺ نے فرمایا؛ حضرت جبرائیل امین نازل ہوئے، اور انہوں نے میری امامت فرمائی۔ پس میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر میں نے اپنی انگلیوں پر پانچوں نمازیں شمار کیں۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے: حدیث مبارکہ میں حضرت جبرائیل امین کے نماز پڑھانے اور آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کا پانچ دفعہ ذکر ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے پانچوں نمازوں کو انگلیوں پر شمار کیا، جس سے واضح ہوا کہ حضرت جبرائیل امین نے پانچوں نمازوں کو ان کے اوقاتِ مقررہ میں ادا کر کے دکھلایا۔ جس سے نماز پنجگانہ کے اوقات مقررہ معلوم ہوئے۔ اس طرح اس حدیثِ مبارکہ میں پانچوں نمازوں کے اوقات بیان ہوئے ہیں، یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۵۲۱، ۳۲۲۱، ۴۰۰۷، مسلم: ۶۱۰، ابوداؤد: ۳۹۴، ابن ماجہ: ۶۶۸، احمد، ج ۴، ص ۱۲۱، جامع المسانید (ابن جوزی): ۵۴۳۹، تحفۃ الاشراف: ۹۹۷۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت بشیر اور حضرت ابومسعود کے حالات زندگی قلم بند کیے جا رہے ہیں۔

۱۔قتیبہ: راجع: ۱۱۸ ۲۔لیث بن سعد: راجع: ۳۵

۳۔ابن شہاب: راجع: ۱۱۶ ۴۔عروہ: راجع: ۱۴۶

۵۔بشیر بن ابی مسعود:

آپ کا نام بشیر بن ابی مسعود عقبہ بن عمرو انصاری مدنی ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ صحابی رسول ﷺ ہیں، جبکہ امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہ کبار تابعی ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام ترمذی روایت نہیں کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۶۔حضرت ابومسعود:

نام ونسب:

عقبہ نام، ابومسعود کنیت۔ سلسلہ نسب یہ ہے: عقبہ بن عمر بن ثعلبہ بن اسیرہ بن عمیرہ ابن عطیہ بن خوراراہ بن عوف بن حارث بن خزرج۔

۱۔ i۔ تقریب التھذیب، ج۱، ص ۱۱۱ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۸۲

اسلام:

عقبہ ثانیہ میں اسلام قبول کیا اور دین حنیف کے پر جوش داعی ثابت ہوئے۔

غزوات اور عام حالات:

تمام غزوات میں شرکت کی۔ عام خیال یہ ہے کہ بدر میں شریک نہ تھے۔ صرف بدر کی سکونت سے بدری مشہور ہو گئے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ امام شعبہ بخاری، مسلم ان کی شرکتِ بدر کا اعتراف کرتے ہیں۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں اس کی طرف صاف طور پر اشارہ کیا ہے۔(۱)

اس کے سوا بیعتِ عقبہ کی شرکت پر تمام آئمہ فن متفق ہیں۔ پھر بدر سے غائب ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟
عہد نبوت اور خلفاء ثلاثہ کے زمانہ تک مدینہ میں اقامت پذیر رہے۔ کچھ دنوں بدر میں سکونت رکھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کوفہ میں منتقل ہو گئے۔(۲) اور یہاں مکان بنوایا تھا۔(۳)
جناب امیر رضی اللہ عنہ کے احباب خاص میں تھے۔ جب آپ جنگ صفین کے لئے روانہ ہوئے تو ان کو کوفہ میں اپنا جانشین بنا کر گئے اور آپ کی واپسی تک کوفہ انہی کی ذات سے مرکز امارت رہا۔(۴)
جنگ صفین کے بعد (مدینہ) کی محبت نے اپنی طرف کھینچا اور آپ مدینہ لوٹ آئے۔

وفات:

۴۰ھ میں انتقال ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہ خلافت تک موجود تھے۔ لیکن یہ غلطی سے خالی نہیں۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کی ولایت کوفہ کے وقت زندہ تھے۔ جس کا زمانہ قطعاً ۴۰ھ کے بعد تھا۔

اولاد:

لڑکے کا نام بشیر تھا۔ ایک صاحبزادی تھیں۔ جو امام حسین رضی اللہ عنہ کو منسوب تھیں۔ زید انہی کے بطن سے تولد ہوئے تھے۔ بشیر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا کچھ بعد پیدا ہوئے۔

فضل وکمال:

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی کی نشر و اشاعت کا فرض بھی انجام دیا۔ راویان حدیث کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار ہے اور کتب حدیث میں ۱۰۲ روایتیں ان کی موجود ہیں۔ رواۃ میں تابعین کے کئی طبقے داخل ہیں۔ جن میں مشہور لوگوں کے نام یہ ہیں، بشیر، عبداللہ بن یزید خطمی، ابو وائل، علقمہ، قیس بن ابی حازم، عبدالرحمن بن یزید نخعی، یزید بن شریک تیمی،

۱۔ مسند، ج۴، ص۱۲۰　۲۔ بخاری، ج۲، ص۵۷۱　۳۔ اصابہ، ج۴، ص۲۵۲　۴۔ ایضاً

محمد بن عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری۔

اخلاق:

پابند احکام رسول اور امر بالمعروف آپ کے خاص اوصاف تھے۔ حکم نبوی کی متابعت کا یہ واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ پیچھے سے آواز آئی: ''ابومسعود ذرا سوچ کر ایسا کرو! جس خدا نے اس پر تم کو قادر کیا ہے اس کو تم پر بھی قدرت دے سکتا ہے'' یہ آنحضرت محمد ﷺ کی آواز تھی۔ دل پر خاص اثر پڑا۔ قسم کھا کر عرض کی کہ آئندہ کسی غلام کو نہ ماروں گا اور اس کو آزاد کرتا ہوں۔(۱)

امر بالمعروف کے فرض سے بھی غافل نہ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے امارات کوفہ کے زمانے میں نماز عصر دیر میں پڑھائی۔ اسی وقت ان کو ٹوکا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نماز پنجگانہ حضرت جبرائیل کے بتانے کے مطابق پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''ھکذا امرت'' (۲)

سنت کی پوری اتباع کرتے تھے۔ ایک روز لوگوں سے کہا کہ جانتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ کس طرح نماز پڑھتے تھے، پھر خود نماز پڑھا کر بتائی۔(۳)

نماز میں مل کر کھڑے ہونا، رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ لوگوں نے اس کو چھوڑا تو فرمایا اس کا فائدہ یہ تھا کہ باہم اتفاق تھا۔ اب تم لوگ دور کھڑے ہوتے ہو، اسی وجہ سے تو اختلاف ہو گیا ہے۔(۴)

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو چار (۲۰۴) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت بشیر سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند کے تین تابعین کرام (ابن شہاب، عروہ، بشیر) ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

۱۔ مسند، ج ۵، ص ۲۷۳۔۲۷۴ ۲۔ صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۷۱ ۳۔ مسند احمد، ج ۵، ص ۱۲۲

۴۔ سیر الصحابہ، ج ۳، ص ۱۹۳۔۱۹۴

☆ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت بشیر رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی میں بائیس (۲۲) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (بشیر) کی اپنے باب (ابو مسعود) سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، عنعنہ ایک ایک دفعہ اور صیغہ سماع دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اخر العصر شیاء :	انہوں نے عصر کی نماز میں کچھ تاخیر کی۔	قدنزل:	وہ اترا۔
فصلی:	پس اس نے نماز پڑھی	امام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے۔
اعلم ماتقول ؟:	سوچو! کیا کہہ رہے ہو۔	سمعت:	میں نے سنا۔
نزل جبرئیل:	حضرت جبرئیل امین آئے۔	امنی:	وہ میرے امام ہوئے۔
فصلیت معه :	پس میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔		
یحسب باصابعه:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشتِ مبارکہ پر شمار کیا۔		
خمس صلوات:	پانچ نمازیں		

۷۔مسائل ونصائح:

حدیثِ مذکور میں حضرت جبریل امین کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ فرض نمازیں باجماعت پڑھانے کا بیان ہے، حضرت جبرائیل امین نے یہ نمازیں دو دن پڑھائیں، پہلے دن ابتدائی اوقات میں اور دوسرے دن آخری اوقات میں یہ نمازیں پڑھائیں، ان تمام نمازوں کے تفصیلی مسائل تو آگے ابواب کے تحت آرہے ہیں، البتہ یہاں پر اختصار کے ساتھ پانچوں نمازوں کے اوقات اور چند دیگر مسائل کو بیان کیا جارہا ہے۔

آئمہ اربعہ کے نزدیک پانچ نمازوں کا حکم اور ان کے اوقات:

تعریف:

ا۔صلوات: اس کا مفرد صلاۃ ہے۔

مفروضہ سے مراد: روزانہ رات میں ادا کی جانے والی پنج گانہ نمازیں ہیں: یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر، ان کی فرضیت کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے، یہ دین کی ایک بدیہی معلومات میں سے ہے، ان کا منکر کافر ہے۔(۱)

ا۔ البدائع، ج۱ص۹۱، الفواکہ الدوانی، ج۱ص۱۹۲، مغنی المحتاج، ج۱ص۱۲۱، المغنی لابن قدامہ، ج۱ص۳۷۰، العنایہ علی الہدایہ، ج۱ص۱۹۱

صلوات خمس (پنجگانہ نمازیں): شہادتین کے بعد تمام فرائض میں سب سے زیادہ موکدہ اور افضل ہیں۔ یہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے دوسرا رکن ہے۔

ان نمازوں میں سے ہر نماز کی رکعات کی تعداد کا ثبوت، رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے اور اجماع سے ہے، کاسانی نے کہا ہے: ہم کو اس کا علم رسول اللہ ﷺ کے عمل اور آپ کے اس فرمان سے ہوا ہے: "صلوا کما رایتمو نی اصلی "(۱) (جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا، اسی طرح تم بھی پڑھو)، یہ اس لیے کہ نمازوں کی تعداد رکعات کتاب اللہ میں نہیں ہے، کتاب اللہ کی نصوص اس کی مقدار کے بارے میں مجمل ہیں، پھر یہ اجمال قول وعمل کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے بیان سے ختم ہو گیا۔(۲)

ان کو با جماعت ادا کرنا جمہور کے نزدیک سنت موکدہ ہے، اس میں بعض حنفیہ اور ان کے موافقین کا اختلاف ہے، وہ جماعت کو واجب کہتے ہیں، ذیل میں ان نمازوں کا بیان جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ) کی اختیار کردہ ترتیب کے مطابق ہے، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، انہوں نے نماز صبح سے شروعات کی ہے۔(۳)

اول: نماز ظہر:

۱۔ ظہر: زوال کی گھڑی اور اس کا وقت ہے اور اسی وجہ سے اس میں تذکیر وتانیث دونوں جائز ہے، کہا جاتا ہے: حان الظہر: یعنی زوال کا وقت آ گیا، اور حانت الظھر یعنی زول کی گھڑی آ گئی ہے۔(۴) المصباح المنیر، اسی مادہ کے تحت زوال سے مراد: سورج کا بیچ آسمان سے مغرب کی طرف مائل ہونا ہے۔(۴)

نماز ظہر: وہ نماز جو وقت ظہر داخل ہونے سے واجب ہوتی ہے، اور دوپہر کے وقت ادا کی جاتی ہے۔

نماز ظہر کو پہلی نماز بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ یہی پہلی نماز ہے، جسے حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو پڑھایا تھا، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " **امنی جبریل عندالبیت مرتین، فصلی الظهر فی الاولی منهما حین کان الفیء مثل الشراك، ثم صلی العصر حین کان کل شئی مثل ظله، ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم، وصلی المرة الثانیة الظهر حین کان ظل کل شئی مثله لوقت العصر بالامس، ثم صلی العصر حین کان ظل کل شئی مثلیه ثم صلی المغرب لوقته الاول، ثم صلی العشاء الاخرة حین ذهب ثلث اللیل، ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبریل فقال: یا محمد، هذا وقت الانبیاء من قبلك، والوقت فیما بین هذین الوقتین۔** "(۵)

۱۔ بخاری الفتح، ج ۲، ص ۱۱۱ ۲۔ البدائع، ج ۱، ص ۹۱، الفواکہ الدوانی، ج ۱، ص ۱۹۱، الحطاب، ج ۱، ص ۳۹۷، کشاف القناع، ج ۱، ص ۲۹۷
۳۔ سابقہ مراجع، کشاف القناع، ج ۱، ص ۲۴۹ ۴۔ المجموع للنووی، ج ۳، ص ۲۴، المغنی، ج ۱، ص ۳۷۲
۵۔ ترمذی، ج ۱، ص ۲۷۹۔۲۸۰

جبریل نے دوبار بیت اللہ کے پاس میری امامت کی: پہلی بار ظہر کی نماز اس وقت پڑھی، جبکہ نعلین کے تسمہ کے برابر سایہ ڈھلا تھا، پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تھا۔ پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جب آفتاب غروب ہو گیا، اور روزہ دار نے روزہ کھولا، پھر عشاء کی نماز اس وقت پڑھی جب شفق غائب ہوگئی پھر صبح کی نماز اس وقت پڑھی جب صبح بجلی کی طرح چمک اٹھی (پوپھٹی) اور روزہ دار پر کھانا حرام ہوگیا، دوسری بار ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا جس وقت انہوں نے کل عصر پڑھی تھی، پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہوگیا، پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھی، جس وقت پہلی بار پڑھی تھی، پھر عشاء کی نماز پڑھی جب تہائی رات ہوگئی۔ پھر فجر کی نماز پڑھی، جب زمین خوب روشن ہوگئی، پھر جبریل میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے محمد! آپ سے پہلے پیغمبروں کا یہی وقت ہے، اور نماز کا وقت انہیں دونوں وقتوں کے درمیان ہے) اسلام میں یہ سب سے پہلی نماز سامنے آئی۔

اسی طرح ظہر کی نماز کو"ہجیرہ" بھی کہتے ہیں۔(۱)

ابو برزہ نے کہا: "**كان رسول الله ﷺ يصلي الهجيرة التي يدعونها الاولىٰ حين تدحض الشمس او تزول**"(۲)

رسول اللہ ﷺ ہجیرہ جس کو تم پہلی نماز کہتے ہو، اس وقت پڑھتے تھے، جس وقت سورج ڈھلتا تھا)

ظہر کا اول اور آخری وقت:

۳۔ فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ ظہر کا اول وقت، زوال آفتاب ہے، یعنی بیچ آسمان سے اس کا مائل ہونا، اور ہمارے سامنے ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہے، اس لیے کہ حکم کا تعلق اسی سے ہے، فی الواقع ایسا ہونا شرط نہیں۔

رہا ظہر کا آخری وقت تو اس کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے جمہور فقہاء نے کہا: اس کا آخری وقت اس وقت تک ہے جب فئی (۳) زوال (زوال کا سایہ) کے علاوہ سایہ اس کے برابر پہنچ جائے۔(۴)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور روایت ہے کہ ظہر کا آخری وقت: فئی زوال کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہونے تک ہے۔(۱)

زوال: ظہر کے آخری وقت کے بارے میں تفصیلات، اور اس کے بارے میں فقہاء کے دلائل معلوم کرنے کے لیے دیکھئے

نماز ظہر میں ابراد (ٹھنڈا) کرنا:

۴۔ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈے وقت تک مؤخر کرنا مسنون ہے نووی نے کہا: ابراد کی حقیقت یہ ہے کہ

۱۔ الحطاب، ج۱ص۳۸۳، مغنی المحتاج، ج۱ص۱۲۱، المغنی لابن قدامہ، ج۱ص۳۷۱ ۲۔ الفتح، ج۲، ص۲۶

۳۔ ابن عابدین، ج۱ص۲۴۰، المغنی المحتاج، ج۱ص۱۲۲ ۴۔ ابن عابدین، ج۱ص۲۴۰، فتح القدیر مع الہدایہ، ج۱ص۱۹۲، جواہر الاکلیل، ج۱ص۳۲، مواہب الجلیل للحطاب، ج۱ص۳۸۲، مغنی المحتاج، ج۱ص۱۲۲، المغنی لابن قدامہ، ج۱ص۳۷۱، کشاف القناع، ج۱ص۲۵۰۔۲۵۱

ماز میں اول وقت سے اس قدر تاخیر کی جائے کہ دیواروں کا سایہ پڑنے لگے، جس کے نیچے چل کر جماعت کے لیے آنے والا آ سکے، نصف قد سے زیادہ تاخیر نہیں کی جائے گی۔(۱)

اسی کے قریب مالکیہ وحنابلہ کی رائے ہے۔(۲)

حنفیہ کے یہاں ظہر کو گرمی میں مطلقاً موخر کرنا مستحب ہے، یعنی گرمی کی شدت اور شہر کے گرم ہونے کی شرط نہیں ہے۔(۳)

ظہر کو قصر کرنا اور اس کو عصر کے ساتھ جمع کرنا:

۵۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ سفر میں نماز ظہر میں قصر کرنا مشروع ہے۔(۴)

اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ ظہر وعصر کو عرفہ میں جمع تقدیم کرتے ہوئے ایک ساتھ پڑھنا مشروع ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ دونوں کو ظہر کے وقت میں پڑھے، البتہ یوم عرفہ کے علاوہ میں اختلاف ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک سفر کے عذر کی وجہ سے دونوں کو جمع تقدم یا تاخیر کے طور پر پڑھنا جائز ہے کہ عصر کو ظہر کے وقت میں یا اس کے برعکس ادا کیا جائے، اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے۔(۵)

ظہر میں مستحب قرات:

۶۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ظہر میں: امام یا منفرد کے لیے مستحب ہے کہ طوال مفصل (۶) پڑھے اگر وہ مقیم ہو جیسا کہ نماز فجر میں پڑھتا ہے۔(۷)

بعض حنفیہ کی رائے ہے کہ ظہر، عصر کی طرح ہے، لہٰذا اس میں اوساط مفصل پڑھنا مسنون ہے۔(۸)

مالکیہ کی عبارتوں میں آیا ہے کہ ظہر، قرات میں فجر کی طرح ہے طوال یا اس سے کچھ مختصر قرات ہو۔(۹)

فقہاء مذاہب کا اتفاق ہے کہ ظہر کی نماز رکعات میں سری قرات ہے، خواہ با جماعت پڑھے یا اکیلے۔

نماز عصر:

۷۔ عصر کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے سورج کے سرخ ہونے تک شام کا وقت اور یہ دن کی آخری گھڑی ہے، اسی طرح اس کا اطلاق دن کے آخری حصہ میں پڑھی جانے والی نماز پر بھی ہوتا ہے، فیومی نے کہا کہ عصر، نماز کا نام ہے، صلاۃ کے ساتھ یہ مونث لفظ ہے، اور صلاۃ کے بغیر مذکر، مونث دونوں استعمال ہے۔(۱۰)

۱۔ المجموع، ج۳، ص۶۰ ۲۔ الدسوقی، ج۱، ص۱۸۰۔۱۸۱، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۳۹۰ ۳۔ ابن عابدین، ج۱، ص۲۴۵، فتح القدیر مع الہدایہ، ج۱، ص۱۹۹ ۴۔ البدائع، ج۱، ص۹۱، الحطاب، ج۱، ص۳۷۹، الاقناع، ج۲، ص۱۶۹، کشاف القناع، ج۱، ص۲۴۹ ۵۔ ابن عابدین، ج۱، ص۲۵۶، البدائع، ج۱، ص۱۲۷، جواہر الاکلیل، ج۱، ص۹۲، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۴۰۹ ۶۔ ابن عابدین، ج۱، ص۳۶۲۔۳۶۳ ۷۔ ابن عابدین، ج۱، ص ۳۶۲۔۳۶۳ الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۲۲۷، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۶۳، المغنی الابن قدامہ، ج۱، ص۵۷۰۔۵۷۱ ۸۔ فتح القدیر، ج۱، ص۱۹۲، ابن عابدین، ج۱، ص۳۶۳ ۹۔ الفواکہ الدونی، ج۱، ص۲۲۷ ۱۰۔ القرطبی، ج۲، ص۱۷۸، کشاف القناع، ج۱، ص۲۲۱، مواہب الجلیل، ج۱، ص۳۷۷

کہا جاتا ہے: ''اذن للعصر'' یعنی نماز عصر کے لیے اذان دی (۱) نماز عصر کو ''عشی'' بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ عیشۃ (شام) میں ادا کی جاتی ہے۔ (۲)

عصر کا اول و آخری وقت:

۸۔ جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں صاحبین) کی رائے ہے کہ عصر کا اول وقت ہوتا ہے: جب ہر چیز کا سایہ فئی زوال کو چھوڑ کر اس کے برابر ہو جائے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت ہے (۳)

ان حضرات کا استدلال حضرت جبریل کی امامت والی حدیث سے ہے، جس میں وارد ہے: ''ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله'' پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور روایت ہے: عصر کا اول وقت: جب ہر چیز کا سایہ فئی زوال کو چھوڑ کر اس سے دوگنا ہو جائے۔ (۴)

۹۔ کیا ظہر کے آخری اور عصر کے اول وقت کے درمیان کوئی مہمل وقت پایا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء سے مختلف روایات ہیں: بعض شافعیہ و حنابلہ نے عصر کے اول وقت کے داخل ہونے کے لیے شرط لگائی ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، اور معمولی سا زیادہ ہو جائے خرقی نے کہا کہ جب تھوڑا سا زیادہ ہو جائے تو عصر واجب ہو جائے گی۔ (۵) اسی کے مثل شربینی نے بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے۔ (۶)

ان کی عبارت ہے کہ عصر کا وقت: مثل پر معمولی زیادہ ہونے کے وقت سے ہے جو ظہر کے وقت سے ملا ہوا ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھیں گے، جیسا کہ ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں تحریر کیا ہے۔ (۷)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ قول بھی مروی ہے: جب سایہ فئی زوال کو چھوڑ کر اپنی لمبائی کو پہنچ جائے تو ظہر کا وقت نکل جائے گا اور عصر کا وقت دوگنا لمبائی تک داخل نہ ہوگا۔ (۸)

بناء بریں ظہر و عصر کے درمیان ایک مہمل ہے، جیسا کہ فجر اور ظہر کے درمیان ہے۔ شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عصر کے وقت اور ظہر کے وقت کے درمیان فصل کرنے والی زیادتی کا پایا جانا شرط نہیں ہے، جیسا کہ شربینی نے کہا ہے۔ (۹)

یہی بات ابن قدامہ نے خرقی کے علاوہ حنابلہ سے نقل کیا ہے۔ (۱۰) بہوتی نے کہا ہے: دونوں کے درمیان کوئی فصل یا مشترک وقت نہیں ہے۔ (۱۱)

۱۔ القرطبی، ج ۲۰، ص ۱۷۸ ۲۔ الحطاب، ج ۱، ص ۳۷۹ ۳۔ جواہر الاکلیل، ج ۱، ص ۳۲، الحطاب مع التاج، والاکلیل، ج ۱، ص ۳۸۲ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۱۔۱۲۲ کشاف القناع، ج ۱، ص ۲۵۲، المغنی، ج ۱، ص ۳۷۵ ۴۔ فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۹۵
۵۔ المغنی لابن قدامہ، ج ۱، ص ۳۷۴ ۶۔ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۲ ۷۔ المغنی، ج ۱، ص ۲۷۵
۸۔ فتح القدیر، العنایہ علی الہدایہ، ج ۱، ص ۱۹۳ ۹۔ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۲ ۱۰۔ المغنی لابن قدامہ، ج ۱، ص ۳۷۵
۱۱۔ کشاف القناع، ج ۱، ص ۲۵۲

مالکیہ کے یہاں مشہور ہے کہ عصر کا اول، اور ظہر کا آخران دونوں میں سے ایک کے برابر مشترک ہے، یعنی حضر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعات کے بقدر، لہٰذا ظہر کا آخری وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ فئی زوال کو چھوڑ کر اس کے برابر ہو جائے، اور یہی بعینہ عصر کا اول وقت ہے، اس طرح دونوں کے لیے ایک مشترکہ وقت ہوگا۔(۱)

اس کی تائید، امامت جبریل والی حدیث کے ظاہر سے ہوتی ہے، جس میں آیا ہے: ''صلی المرة الثانية الظهر حين كان ظل كل شئی مثله لوقت العصر بالامس'' (دوسری بار انہوں نے ظہر اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا، جس وقت کل عصر پڑھی تھی)

عصر کا آخری وقت: جب تک آفتاب غروب نہ ہو، یعنی غروب آفتاب سے کچھ پہلے تک رہتا ہے۔(۲)

عصر میں مستحب قرات:

حنفیہ وشافعیہ نے صراحت کی ہے کہ نماز عصر میں اوساط مفصل پڑھنا مسنون ہے۔(۳)

مالکیہ نے کہا: اس میں قصار مفصل سورتیں پڑھے گا، مثلاً (والضحیٰ) اور (انا انزلناہ) وغیرہ، (۴)

حنابلہ کے یہاں مستحب یہ ہے کہ عصر میں قرات ظہر کی آدھی ہو (۵)

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ عصر وظہر میں سری قرات مسنون ہے، جبکہ حنفیہ اس کو واجب کہتے ہیں۔(۶)

عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا:

فی الجملہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز پڑھنا ناجائز ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا صلاة بعد العصر حتیٰ تغيب الشمس'' (۷) (عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں)

اگر عصر کی نماز وقت ظہر میں جمع تقدیم کر کے پڑھی جائے تو اس کو بھی یہ شامل ہے، جیسا کہ فقہاء مذاہب نے صراحت کی ہے۔

سوم: نماز مغرب:

مغرب اصل میں: ''غربت الشمس'' سے ماخوذ ہے: سورج غائب ہو گیا، چھپ گیا، لغت میں اس کا اطلاق: غروب کے وقت اور اس کی جگہ پر ہوتا ہے، نیز اس نماز پر بھی ہوتا ہے جو اس وقت ادا کی جاتی ہے۔(۸)

۱۔ التاج والاکلیل مع الحطاب، ج۱، ص۳۹۰ الدسوقی، ج۱، ص۱۷۷ ۲۔ ابن عابدین، ج۱، ص۲۴۱، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۶، الحطاب مع المواق، ج۱، ص۳۹۰، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۲ المغنی، ج۱، ص۳۷۶۔۳۷۷ کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۲

۳۔ ابن عابدین، ج۱، ص۳۶۳، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۶۳ ۴۔ الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۲۲۹۵۔ المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۵۷۲۔۵۷۳ ۶۔ فتح القدیر، ج۱، ص۳۸۳، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۲۲۷، المجموع، ج۱، ص۳۹۰، المغنی، ج۱، ص۵۶۹

۷۔ الفتح، ج۲، ص۶۱، مسلم، ج۱، ص۵۶۷ ۸۔ کشاف القناع، ج۱، ۲۳۵، حاشیۃ الباجوری، ج۱، ص۱۲۳

مغرب کا اول وآخر وقت:

اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ مغرب اول وقت سورج کے چھپ جانے اور مکمل ڈوبنے پر داخل ہوتا ہے، یہ صحراء میں ظاہر ہوتا ہے، آبادی کے اندر اس کا علم، پہاڑوں کی چوٹیوں پر شعاع کے زائل ہونے پر اور مشرق سے تاریکی آنے سے ہوتا ہے۔ اور اس کا آخر وقت جمہور کے نزدیک، جب تک شفق غائب نہ ہو۔ (۱)

مالکیہ کے یہاں مشہور اور شافعیہ کے یہاں ''جدید'' قول ہے: مغرب کا ایک ہی وقت ہے اور وہ اس قدر کہ نمازی طہارت حاصل کر لے۔ ستر ڈھانپ لے، اور نماز کے لیے اذان واقامت کہہ سکے۔ (۲)

مغرب کا نام عشاء رکھنا:

مالکیہ وشافعیہ کی رائے ہے کہ مغرب کا نام عشاء رکھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ حضرت عبداللہ مزنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لا تغلبنکم الا عراب علی اسم صلاتکم المغرب ، قال :وتقول الا عراب ھی العشاء ۔ (۳)

ایسا نہ ہونے دو کہ گنوار (دیہاتی) لوگ تمہاری مغرب کی نماز کا کچھ اور نام رکھ دیں، عبداللہ نے کہا: گنوار لوگ مغرب کو عشاء کہتے تھے) حنابلہ کے یہاں مذہب میں صحیح یہ ہے کہ مغرب کو عشاء کہنا مکروہ نہیں ہے، البتہ مغرب ہی کہنا اولیٰ ہے۔ (۴)

چہارم: نماز عشاء:

عشاء (عین کے کسرہ اور مد کے ساتھ) غروب آفتاب سے مکمل اندھیرا ہونے تک کی ابتدائی تاریکی کا نام ہے، نماز کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس وقت میں ادا کی جاتی ہے، اور عشاء (عین کے فتحہ و مد کے ساتھ) اسی وقت کا کھانا (۵) اس نماز کو ''آخری عشاء'' یا لفظ آخری کے بغیر صرف ''عشاء'' کہنا جائز ہے۔ (۶)

فرمان باری ہے: ''من بعد صلاۃ العشاء'' (۷) (عشاء کی نماز کے بعد سے)۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''ایما امراۃ اصابت بخورا فلا تشھد معنا العشاء الاخرۃ'' (۸) جو عورت کسی خوشبو کی دھونی لے، وہ ہمارے ساتھ ''آخری عشاء'' میں شریک نہ ہو)۔

۱۔ البدائع، ج۱، ص۱۲۳، الحطاب، ج۱، ص۳۹۱، جواہر الاکلیل، ج۱، ص۳۲۔۳۳، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۲، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۳۸۱

۲۔ الحطاب، ج۱، ص۳۹۳۔۳۹۴، جواہر الاکلیل، ج۱، ص۳۲۔۳۳، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۳، المجموع، ج۳، ص۲۸

۳۔ الفتح، ج۲، ص۴۳، جامع الاصول، ج۶، ص۲۶۲　۴۔ الحطاب، ج۱، ص۳۹۲، المجموع، ج۳، ص۲۸، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۳، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۳

۵۔ الحطاب، ج۱، ص۳۹۶، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۴، المجموع، ج۳، ص۳۶

۶۔ المجموع، ج۳، ص۴۲، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۴، الحطاب، ج۱، ص۳۹۷　۷۔ نور: ۵۸

۸۔ مسلم، ج۱، ص۳۲۸، ابوداؤد، ج۴، ص۴۰۱

نماز عشاء کو عتمہ کہنا:

اکثر فقہاء نے عشاء کو "عتمہ" کہنا جائز قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ بہت سی احادیث میں وارد ہے، مثلاً "بخاری" میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "لو یعلمون مافی العتمة والصبح لا تو هما ولو حبوا" (۱) (اگر یہ جانتے ہیں کہ عتمہ (عشاء) اور فجر میں کیا اجر ہے، تو ان دونوں نمازوں میں آتے، اگر چہ سرین کے بل آنا پڑتا)، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "کانوا یصلون العتمة فیما بین ان یغیب الشفق، الی ثلث اللیل الاول" (۲)، (لوگ عتمہ شفق ڈوبنے سے لے کر پہلی تہائی رات گذرنے تک پڑھا کرتے تھے) عتمہ سخت تاریکی کو کہتے ہیں جیسا کہ بہوتی نے کہا ہے۔(۳)

بعض شافعیہ اور مالکیہ نے اس کو عتمہ کہنا مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ مسلم میں ابن عمر کی حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "لا تغلبنکم الاعراب علی اسم صلاتکم، الا انها العشاء وهم یعتمون بالا بل" (۴) (ایسا نہ ہونے دو کہ گنوار تمہاری نماز کا کچھ اور نام رکھ دیں، سنو! اس کا نام عشاء ہے، وہ اونٹوں کے دودھ دوہنے میں دیر کیا کرتے ہیں،) مطلب یہ ہے کہ اس کو عتمہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اونٹوں کا دودھ دوہنے میں دیر کرتے ہیں، یعنی اس قدر تاخیر کرتے ہیں کہ سخت تاریکی آجاتی ہے۔(۵)

بعض شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔(۶)

نووی نے کہا: یہ استعمال، بیان جواز کے لیے نادر حالات میں آیا ہے، یہ حرام نہیں ہے، یا اس کا مخاطب ایسا شخص تھا جس کو عشاء و مغرب میں اشتباہ ہو سکتا تھا کہ اگر عشاء کہا جاتا تو اس کو مغرب مراد ہونے کا وہم ہو جاتا، اس لیے کہ یہ ان کے یہاں عشاء کے نام سے مشہور تھی، رہا عتمہ تو آخری عشاء کے بارے میں صریح ہے۔(۷) یہ نام رکھنے کے بارے میں مالکیہ کے یہاں دو اور اقوال ہیں: اول: بلا کراہت جائز ہے دوم: حرام ہے۔(۸)

عشاء کا اول اور آخری وقت:

فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ عشاء کا اول وقت شفق غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے۔(۹)

۱۔ مسلم، ج ۱، ص ۳۲۸، ابوداؤد، ج ۴، ص ۴۰۱ ۲۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۱۳۹، صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۲۵، مالک الموطا، ج ۱، ص ۱۳۱ فتح الباری، ج ۲، ص ۳۴۷

۳۔ مواہب الجلیل للحطاب، ج ۱، ص ۳۹۶، مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۴۔۱۲۵ المجموع للنووی، ج ۳، ۳۶، کشف القناع، ج ۱، ص ۲۵۴

۴۔ مسلم، ج ۱، ص ۴۴۵، ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ج ۵، ص ۲۶۱۔۲۶۲ ۵۔ الحطاب، ج ۱، ص ۳۹۶، مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۴۔۱۲۵، المجموع للنووی، ج ۳، ص ۳۶ ۶۔ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۵ ۷۔ المجموع للنووی، ج ۳، ص ۴۲

۸۔ الحطاب، ج ۱، ص ۳۹۷ ۹۔ ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۴۱، الجلیل للحطاب، ج ۱، ص ۳۹۷، مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۳۔۱۲۴ المغنی لابن قدامہ، ج ۱، ص ۳۸۲۔۳۸۳

البتہ شفق کے بارے میں اختلاف ہے: جمہور کے نزدیک اس سے مراد: سرخی ہے، امام ابوحنیفہ اور زفر کہتے ہیں اس سے مراد: سرخی کے بعد سفیدی ہے۔ عشاء کا آخری وقت فجر صادق تک ہے۔(۱)

اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "آخر وقت العشاء مالم يطلع الفجر"۔ (عشاء کا آخری وقت جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے) علاوہ ازیں جمہور فقہاء نے وقت کو اختیاری وضروری میں تقسیم کیا ہے۔

عشاء نہ پانے والے کی نماز:

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ فرض نماز کے وجوب کا سبب وقت ہے، اور انہوں نے ان لوگوں کا حکم لکھا ہے جن کو سال کے کچھ دنوں میں یا پورے سال عشاء کا وقت نہ ملے کہ کیا ان پر نماز عشاء واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر واجب ہے تو کیسے ادا کریں گے؟ جمہور کی رائے ہے کہ ان پر نماز عشاء واجب ہے، اور وہ اس کے وقت کا اندازہ اپنے قریب ترین ملک میں شفق غائب ہونے سے لگائیں گے، بعض حنفیہ کے یہاں ایک رائے ہے کہ جس کو عشاء کا وقت نہ ملے، وہ نماز عشاء کا مکلّف نہیں، اس لیے کہ اس کے وجوب کا سبب موجود نہیں ہے۔(۲)

نماز عشاء کی تاخیر:

جمہور فقہاء حنفیہ، حنابلہ کی رائے اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے کہ عشاء کو تہائی رات تک موخر کرنا مستحب ہے(۳)

زیلعی نے کہا: عشاء کی تاخیر میں بہت سی صحیح روایات منقول ہیں، یہی صحابہ وتابعین میں سے اکثر اہل علم کا مذہب ہے۔(۴)

تاخیر عشاء کے استحباب کے لیے جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے، ان میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے: "لو لا ان اشق على امتى لا مرتهم ان يوخروا العشاء الى ثلث الليل او نصفه"(۵)

(اگر مجھے اپنی امت پر بار محسوس نہ ہوتا تو انہیں حکم دیتا کہ عشاء کو تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کریں)۔ بعض حنفیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ جاڑے میں عشاء کو مؤخر کرنا مستحب ہے، گرمی میں ان کے نزدیک جلدی پڑھنا مندوب ہے۔(۶)

مالکیہ کی رائے ہے کہ منفرد اور اس جماعت کے حق میں جسے دوسروں کا انتظار نہیں نمازوں کو اول مختار وقت میں ادا کرنا افضل ہے اگر چہ عشاء کی نماز ہو بشرطے کہ وقت یقینی طور پر داخل ہو چکا ہو۔(۷)

۱۔ المحتاج، ج۱، ص۱۲۴، المغنی، ج۱، ص۳۸۴   ۲۔ ابن عابدین، ج۱، ص۲۴۱، الاختیار، ج۱، ص۳۹، مغنی المحتاج، ج۱،
ص۱۲۴، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۸، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۳۸۴   ۳۔ ابن عابدین، ج۱، ص۲۴۶، البدائع، ج۱، ص۱۲۴، المجموع
، ج۳، ص۴۰، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۳۹۳   ۴۔ الزیلعی، ج۱، ص۸۴   ۵۔ سنن ترمذی، ج۱، ص۳۱۰۔۳۱۲، سنن ابن ماجہ،
ج۱، ۲۲۶، احمد بن حنبل، ج۲، ص۲۵۰، مستدرک، ج۱، ص۱۴۶   ۶۔ ابن عابدین، ج۱، ص۲۴۶
۷۔ الشرح الکبیر مع حاشیہ الدسوقی، ج۱، ص۱۸۰

عشاء کو تہائی رات تک موخر نہیں کرنا چاہیے مگر کوئی شخص کسی اہم کام جیسے اپنے پیشہ کے کام یا کسی عذر، مثلاً مرض وغیرہ کے سبب اس کو موخر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، البتہ مسجد والوں کے لیے مستحب ہے کہ اس کو تھوڑا سا موخر کریں، تا کہ نمازی جمع ہو جائیں۔(۱)

عام نمازوں کو حتیٰ کہ عشاء کو اول وقت میں پڑھنے کا افضل ہونا، شافعیہ کا بھی دوسرا قول ہے نووی نے کہا ہے کہ ہمارے صحاب کے یہاں دونوں اقوال میں اصح، ان کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، پھر موصوف نے کہا: تاخیر کو افضل قرار دینا: دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے۔(۲)

نماز عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کی کراہت:

فقہاء کی رائے ہے کہ نماز عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد گفتگو کرنا مکروہ ہے۔(۳)

اس لیے کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "کان النبی ﷺ یکرہ النوم قبلها والحدیث بعدها،" (۶)(۴) (رسول اللہ ﷺ اس سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے تھے)، نفراوی نے کہا ہے کہ عشاء کے بعد گفتگو کرنے میں اس سے قبل سونے سے زیادہ کراہت ہے۔(۵)

عشاء سے قبل سونے کی کراہت کی دلیل: عشاء کے وقت کے چھوٹنے یا اس میں جماعت کے چھوٹنے کا اندیشہ ہے۔(۶)

البتہ حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر کسی کو عشاء کے وقت میں جگانے کے لیے مقرر کر دے تو اس کے لیے سونا مباح ہے، جیسا کہ زیلعی نے طحاوی سے نقل کیا ہے۔(۷) نماز عشاء کے بعد گفتگو کی کراہت اس لیے ہے کہ یہ چیز بسا اوقات رات کو ایسے جاگنے کا باعث بن جاتی ہے جس کی وجہ سے صبح کی نماز چھوٹ جاتی ہے، نیز تا کہ لغویات میں نہ پڑے لہذا لغویات پر بیداری کو ختم کرنا مناسب نہیں، یا اس لیے کہ اس شخص کی قیام لیل چھوٹ جائے گی جس کو اس کی عادت ہے، نیز تا کہ نماز جو سب سے افضل عمل ہے، اس کا آخری عمل رہے، نیند موت کی طرح ہے، ہوسکتا ہے کہ سونے میں مرجائے۔(۸)

یہ بلاضرورت گفتگو کا حکم ہے، اگر کسی اہم ضرورت سے ہو تو مکروہ نہیں ہے، اسی طرح تلاوت قرآن وحدیث پڑھنا، فقہ کا مذاکرہ صالحین کے واقعات، مہمان کے ساتھ گفتگو اور سفر سے آنے والے سے گفتگو وغیرہ اس میں سے کوئی مکروہ نہیں ہے، اس

۱۔ الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۷ ۲۔ مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۶۔۱۲۵، المجموع للنووی، ج۳، ص۵۷

۳۔ تبیین الحقائق للزیلعی، ج۱، ص۸۴، الفواکہ الدوانی للنفراوی، ج۱، ص۱۹۷، المجموع للنووی، ج۳، ص۴۲

۴۔ فتح الباری، ج۲، ص۷۳، مسلم، ج۱، ص۴۴۷، سنن ترمذی، ج۱، ص۳۱۲۔۳۱۳ ۵۔ الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۷

۶۔ الزیلعی، ج۱، ص۸۴، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۷ ۷۔ تبیین الحقائق، ج۱، ص۸۴

۸۔ الزیلعی، ج۱، ص۸۴، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۷، المجموع، ج۳، ص۴۲، المغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۵

لیے کہ فوری بھلائی ہے، جس کو ایک وہمی فساد کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ نووی نے کہا ہے۔ (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسمر مع ابی بکر فی امر من امور المسلمین وانا معهما" (۲) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے امور میں ابوبکر کے ساتھ عشاء کے بعد گفتگو کرتے تھے اور میں ان دونوں کے ساتھ ہوتا تھا۔

نماز فجر:

فجر دراصل شفق ہے، اس سے مراد صبح کی روشنی ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رات کی تاریکی مین سورج کی سرخی کے سبب اس روشنی سے تاریکی پھٹ جاتی ہے، آخری رات میں فجر، شروع رات میں شفق کی طرح ہے۔ (۳)

فجر دو ہیں:

فجر اول: فجر کاذب، یعنی لمبائی میں پھیلنے والی سفیدی، جو آسمان کی سمت میں ظاہر ہوتی ہے، عرب والوں کے نزدیک اس کو ذنب سرحان (بھیڑیئے کی دم) کہا جاتا ہے، پھر یہ روشنی ختم ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے اس کو فجر کاذب کہتے ہیں، اس لیے کہ اس کی روشنی ظاہر ہونے کے بعد پھر تاریکی آجاتی ہے۔

فجر ثانی: یا فجر صادق: افق میں چوڑائی میں پھیلنے والی سفیدی، جس کی روشنی آفتاب تک بڑھتی جاتی ہے، اس کو فجر صادق اس لیے کہتے ہیں کہ جب اس کی روشنی ظاہر ہوتی ہے تو افق میں پھیل جاتی ہے۔ (۴)

حدیث میں ہے: "لا یمنعنکم من سحور کم اذان بلال ولا الفجر المستطیل، ولکن الفجر المستطیر فی الافق" (۵) (تم کو بلال کی اذان سحری سے نہ روک دے، اور نہ لمبی فجر، مگر ہاں وہ فجر جو افق میں پھیلی ہوئی ہو۔)

نووی نے کہا: سارے احکام کا تعلق فجر ثانی سے ہے، اسی سے نماز فجر کا وقت داخل ہوتا ہے عشاء کا وقت نکل جاتا ہے، روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے، اسی سے رات ختم ہوتی ہے، اور دن شروع ہوتا ہے۔ (۶)

فجر کا اطلاق: نماز فجر پر بھی ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ اسی وقت ادا کی جاتی ہے۔ (۷)

یہ نام قرآن میں آیا ہے: وقرآن الفجر ان قران الفجر کان مشهودا" (۸)

(اور صبح کی نماز بھی بیشک صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے)۔ اسی طرح اس نماز کا نام: صبح و فجر احادیث میں آیا ہے: مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح" (۹)

۱۔ المجموع، ج۳، ص۴۲ ۲۔ الزیلعی، ج۱، ص۸۴ ۳۔ القرطبی، ج۲، ص۲۸، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۵

۴۔ فتح القدیر، ج۱، ص۱۹۲، الشرائع للکاسانی، ج۱، ۱۲۲، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴، الفواکہ الدونی، ج۱، ص۱۹۲، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۵

۵۔ ترمذی، ج۳، ص۸۶، سنن ابوداؤد، ج۲، ص۵۹۷ ۶۔ المجموع للنووی، ج۳، ص۴۴

۷۔ الکفایہ مع الہدایہ وفتح القدیر، ج۱، ص۱۹۲ ۸۔ سورہ اسراء: ۷۸

۹۔ فتح الباری، ج۲۷، ص۵۶، صحیح مسلم، ج۱، ص۴۲۴

(جس کو طلوع آفتاب سے قبل صبح کی ایک رکعت مل گئی، اس کو صبح مل گئی)

نماز فجر کا غداۃ نام رکھنا:

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ نماز فجر کا غداۃ (سویرے کی نماز) نام رکھنا مکروہ نہیں ہے، جیسا کہ مالکیہ، حنابلہ اور محققین شافعیہ نے صراحت کی ہے۔(۱)

نووی نے ''الام'' سے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے: مجھے پسند ہے کہ اس میں نماز کو صرف ان دو (فجر و صبح کے) ناموں میں سے کسی ایک سے ذکر کیا جائے، مجھے پسند نہیں کہ اس کو ''غداۃ'' کہا جائے، نووی نے کہا: اس سے کراہت معلوم نہیں ہوتی، اس لیے کہ مکروہ وہ ہے جس کے بارے میں ایسی نہی (مخالف) ثابت ہو جو قطعی نہ ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے، بلکہ نماز فجر کے لیے لفظ 'غداۃ'' کا استعمال حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام سے مشہور ہے البتہ فجر و صبح کہنا افضل ہے،(۲) بعض کتب شافعیہ، مثلاً: ''المہذب''وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہ نام رکھنا مکروہ ہے۔(۳)

فجر کو نماز وسطی کہنا:

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ فرمان باری: **حافظوا علی الصلوات، والصلوٰۃ الوسطیٰ** (۳) (سب ہی نمازوں کی پابندی کرو (خصوصاً درمیانی نماز کی)، میں نماز وسطی سے مراد نماز عصر ہے، جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے۔ مالکیہ کے یہاں مشہور اور یہی امام شافعی کا قول ہے، جس کی صراحت ''الام'' میں ہے نماز وسطی: نماز فجر ہے حتیٰ کہ مالکیہ اس کو وسطی کہتے ہیں: نفراوی نے کہا: اس کے چار نام ہیں: صبح، فجر، وسطی اور غداۃ (۴)

فجر کا اول و آخری وقت:

فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ نماز فجر کا اول وقت طلوع فجر ثانی، یعنی فجر صادق ہے، اور اس کا آخری وقت طلوع آفتاب تک ہے۔(۵)

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:'' ان للصلاۃ اولا و آخرا وان اول وقت الفجر حین یطلع الفجر وان آخر وقتھا حین تطلع الشمس ''(۶) (نماز کا اول اور آخری وقت ہوتا ہے، فجر کا اول وقت طلوع فجر ہے اور اس کا آخری وقت طلوع آفتاب ہے۔)

۱۔ الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۲، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۶ ۲۔ المجموع، ج ۳، ص ۳۴۶۔ ۳۔ المہذب، ج۱، ص۶۰ ۳۔ سورہ بقرہ: ۲۳۸ ۴۔ ابن عابدین، ج ۱، ص۲۴۱، الالحطاب، ج۱، ص ۳۹۸ ـ ۴۰۰، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۲، المجموع، ج۳، ص۶۰، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۶ ۵۔ فتح القدیر مع الہدایہ، ج۱، ص۱۹۲، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۴، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۳۸۵ ۶۔ سنن الترمذی، ج۱، ص۲۸۳ـ۲۸۴

بعض فقہاء نے فجر کے وقت کو: وقت مختار وضرورت وغیرہ میں تقسیم کیا ہے۔(۱)

فجر میں قرأت:

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ فجر میں لمبی قرات کرنا، یعنی طوال مفصل پڑھنا مسنون ہے۔(۲) ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرا فی الفجر مابین الستین الی المائۃ آیۃ'' (۲) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں ساٹھ سے سو آیات تک پڑھتے تھے) شربینی نے کہا: اس کی حکمت یہ ہے کہ صبح کا وقت لمبا ہے، نماز دو ہی رکعات ہیں، لہٰذا اس کو لمبی کرنا اچھا ہے۔(۳)

یہ حکم حضر میں ہے، سفر میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت پڑھ سکتا ہے، یہ ثابت ہے کہ ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرا فی الصلاۃ الصبح فی سفرہ بالمعوذتین''، (۴) (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں نماز صبح میں معوذتین پڑھی)

نماز فجر کے بعد اور اس سے قبل نفل کی ممانعت:

فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نفل نماز پڑھنا جائز ہے، اسی طرح جمہور فقہاء نماز فجر سے پہلے فجر کی دو رکعات سنت کے علاوہ نفل نماز پڑھنا جائز نہیں کہتے؛ (۵) اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اذ طلع الفجر فلا صلاۃ الا رکعتی الفجر'' (۶) (جب فجر طلوع ہو جائے تو فجر کی دو رکعات کے علاوہ کوئی نماز نہیں ہے)

فجر میں تغلیس یا اسفار:

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ تغلیس، یعنی نماز فجر کو اندھیرے میں پڑھنا (۷) سفار (اجالے میں پڑھنے) سے افضل ہے (۸) اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشاد ہے:: ''افضل الا عمال الصلاۃ فی اول و قتھا'' (۹)

حنفیہ نے کہا ہے کہ فجر کو اسفار تک موخر کرنا مندوب ہے۔(۱۰)

اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اسفر و ابالفجر فانہ اعظیم للا جر'' (۱۱) (صبح کی نماز روشنی میں پڑھو، اس سے اجر زیادہ ملتا ہے)، زیلعی نے کہا ہے کہ اس قدر تاخیر نہ کرے کہ طلوع آفتاب کا شک ہونے لگے، بلکہ اس قدر اجالے میں پڑھے کہ اگر معلوم ہو کہ نماز فاسد ہوگئی تو پھر سے دوبارہ وقت کے اندر مستحب قرأت کے ساتھ اس کو پڑھنا ممکن ہو، نماز فجر میں اسفار کرنے سے قربانی کے دن مزدلفہ میں نماز فجر مستثنیٰ ہے کہ تمام حضرات کے نزدیک تغلیس مستحب ہے۔(۱۲)

۱۔ سابقہ مراجع: الدوقی، ج۱، ص۱۸۹، حاشیہ الجمل، ج۱، ص۲۷۳ ۲۔ فتح الباری، ج۲، ص۲۵۱ ۳۔ مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۳، ابن عابدین، ج۱، ص۲۶۳ ۴۔ ابوداؤد، ج۱، ص۱۵۲ ۵۔ الزیلعی، ج۱، ص۸۷، الحطاب، ج۱، ص۴۱۶، المجموع، ج۴، ص۱۶۴، المغنی، ج۲، ص۱۱۳-۱۱۴ ۶۔ فیض القدیر، ج۱، ص۳۹۸، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۳-۱۹۴ ۷۔ الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۳-۱۱۹۴ ۸۔ الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۳، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۵-۱۲۶، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۶، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۳۹۴-۳۹۵ ۹۔ سنن الترمذی، ج۱، ص۳۱۹-۳۲۰ ۱۰۔ تبیین الحقائق، ج۱، ص۸۲ ۱۱۔ سنن ابو داؤد، ج۱، ص۲۹۴، سنن ترمذی، ج۱، ص۲۸۹-۲۹۰ سنن نسائی، ج۱، ص۲۷۲ ۱۲۔ تبیین الحقائق، ج۱، ص۸۲

ز فجر میں قنوت:

مالکیہ وشافعیہ کی رائے ہے کہ صبح میں قنوت مشروع ہے، مالکیہ نے کہا: صرف صبح کی نماز میں بقیہ نمازوں میں نہیں رکوع قبل قرات کے بعد سراً قنوت پڑھنا مندوب ہے، اس سے قبل تکبیر نہیں ہے۔(۱)

شافعیہ نے کہا ہے صبح کی دوسری رکعت کے اعتدال میں قنوت مسنون ہے۔(۲) یعنی دوسری رکعت میں رکوع سے سر نے کے بعد، اس میں انہوں نے کسی حادثہ کی قید نہیں لگائی۔

حنفیہ وحنابلہ نے کہا ہے کہ نماز فجر میں صرف حوادث میں قنوت ہے۔(۳)، اس لیے کہ حضرت ابن مسعود اور ابو ہریرہ ﷺ کی روایت ہے: ''ان النبی ﷺ قنت شهرا یدعو علی احیاء من احیاء العرب ثم ترکه''(۴)

رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ قنوت پڑھا، عرب کے کچھ قبائل پر بد دعا کر رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے ترک کر دیا)۔

رت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''ان رسول الله ﷺ کان لا یقنت فی صلاة الصبح الا ان یدعو لقوم او علی م''(۵) (رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، مگر یہ کہ کسی قوم کے لیے دعا یا کسی قوم پر بد دعا کرنی ہوتی)۔ اس مطلب یہ ہے کہ حوادث کے علاوہ میں فجر میں قنوت کی مشروعیت منسوخ ہو گئی ہے۔ علاوہ ازیں قنوت کے الفاظ اور اس کے یقہ اختلاف وتفصیل ہے۔(۶)

نچ نمازوں کی فرضیت کا ثبوت:

امہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قرآن مجید، احادیث متواترہ، اجماع امت اور عقل سلیم سے مسلمانوں پر فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی پانچ نمازیں رض ہیں۔

ر آن مجید سے استدلال:

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ)
(۷)

۱۔ جواہر الاکلیل، ج ۱، ص ۵۱، حاشیۃ الدسوقی، ج ۱، ص ۲۴۸ ۲۔ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۶۶، القلیوبی، ج ۱، ص ۱۵۷
۳۔ الہدایہ مع فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۷۸۔۳۷۹، المغنی لابن قدامہ، ج ۲، ص ۱۵۴۔۱۵۵، حاشیہ ابن عابدین، ج ۱، ص ۴۵۱
۴۔ مسلم، ج ۱، ص ۴۶۹، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، ج ۳، ص ۲۲۰ ۵۔ الرایہ، ج ۱، ص ۱۳۰
۶۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۷، ص ۳۳۶۔۳۴۹ ۷۔ روم: ۱۸۔۱۷

شام کے وقت اور صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو، اسی کے لیے حمد ہے آسمانوں اور زمینوں میں اور شام سے پہلے اور ظہر کے وقت۔

ان آیات میں فجر، ظہر، عصر اور مغرب کے اوقات کا ذکر ہے۔ شام اور صبح میں فجر اور مغرب کے اوقات کا ذکر ہے اور شام سے پہلے عصر کی نماز کا وقت ہے اور ظہر کا وقت صراحتہً ذکر ہے علامہ آلوسی نے لکھا ہے ''عشیا'' میں شام اور عشاء دونوں مراد ہیں، اس طرح اس آیت میں پانچویں نمازوں کا ذکر ہے اور فرمایا:

وَأَقِمِ الصَّلاَةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفاً مِّنَ اللَّيْلِ (۱)

دن کے دو کناروں میں نماز پڑھیے اور رات کے حصہ میں۔

اس آیت میں فجر اور مغرب کے علاوہ عشاء کا بھی ذکر ہے کیونکہ فجر اور مغرب دن کے دو کناروں کی نمازیں ہیں اور عشاء رات کے ایک حصہ میں پڑھی جاتی ہے۔

ان دونوں آیتوں میں پانچ نمازوں کے اوقات کا ذکر آ گیا ہے۔

نیز فرمایا: حَافِظُواْ عَلَى الصَّلَوَاتِ والصَّلاَةِ الْوُسْطَى (۲)

تمام نمازوں کی اور خصوصاً درمیانی نماز کی حفاظت کرو۔

اس آیت میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے کیونکہ صلوات جمع کا صیغہ ہے عربی قواعد کے اعتبار سے اس کا اطلاق کم از کم تین نمازوں پر ہوگا اور صلوٰۃ وسطیٰ کا اس پر عطف کیا گیا ہے جو مغائرت کو مستلزم ہے اس لیے صلوٰۃ وسطیٰ ان تین نمازوں کے علاوہ نماز ہو گی اس طرح چار نمازیں ثابت ہوئیں اور چار میں درمیانی نماز نہیں ہو سکتی اس لیے صلوٰت سے کم از کم چار نمازیں مراد ہونگی اور ایک صلوٰۃ وسطیٰ اس طرح ملا کر پانچ نمازیں ثابت ہو گئیں۔

نیز قرآن کریم میں ہے: أَقِمِ الصَّلاَةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً (۳)

سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر رات کا اندھیرا چھانے تک نماز پڑھو اور صبح کو قرآن پڑھو لاریب فجر میں قرآن پڑھتے وقت (فرشتے) حاضر کیے جاتے ہیں۔ اس آیت میں بھی پانچ نمازوں کا ذکر ہے کیونکہ سورج ڈھلنے کے بعد سے لیکر رات کے اندھیرے تک چار نمازیں پڑھی جاتی ہیں۔ ظہر، عصر، مغرب، یہ سورج ڈھلنے کے بعد ہیں اور عشاء رات کا اندھیرا چھا جانے کے بعد پڑھی جاتی ہے اور قرآن الفجر میں فجر کی نماز کا ذکر ہے۔

۱۔ ھود ۱۱:۱۱۴　　۲۔ بقرہ ۲:۲۳۸　　۳۔ بنی اسرائیل ۱۷:۷۸

ز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ نَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى (١)

طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے اور رات کے اوقات میں اور دن کے راف میں تسبیح کیجئے تا کہ آپ راضی ہو جائیں۔ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے پانچوں نمازوں کا ذکر فرمایا ہے طلوع آفتاب سے پہلے فجر اور غروب آفتاب سے پہلے ظہر اور عصر، رات کے اوقات میں عشاء اور دن کے کنارے میں مغرب پڑھی جاتی ہے۔

حادیث سے استدلال:

پانچ نمازوں کی فرضیت پر اس قدر کثرت سے احادیث وارد ہیں جن کا شمار مشکل ہے حتیٰ کہ علماء نے ان احادیث کو معنی تواتر قرار دیا ہے۔حدیث شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ضمام بن ثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

الله امرك ان تصلى الصلوات الخمس اليوم والليلة قال اللهم نعم ۔(٢)

کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔فرمایا اے اللہ!

اِس ایک اور روایت میں ہے: عن طلحة بن عبيد الله يقول جاء رجل الیٰ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من اهل نجد ثائر الراس نسمع روى صوته ولا نفقه ما يقول حتى دنا من رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فاذا هو يسئل عن الا سلام فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات فى اليوم و الليلة فقال هل علىٰ غير هن قال لا ۔(٣)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اہل نجد سے ایک شخص حاضر ہوا جو بہت آہستہ بات کرتا تھا اور ہمیں نہیں پتا چلتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے ناگاہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو وہ آپ سے اسلام کے بارے میں سوال کر رہا تھا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں۔اس نے پوچھا کیا ان پانچ نمازوں کے علاوہ کوئی اور نماز بھی فرض ہے۔آپ نے فرمایا نہیں!

اجماع امت سے استدلال:

علامہ بابرتی لکھتے ہیں کہ حدیث مشہور سے ثابت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر مسلمان مرد اور عورت پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کی امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ دن اور رات

ا۔ طٰہٰ ۲۰:۱۳۰ ۲۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۵ ۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۰

میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔(۱)

بارہ سو سال تک امت محمدیہ کا پانچ نمازوں پر بلانکیر اجماع رہا اور اسلام کے تمام فرقے اس پر متفق رہے۔بارہ سو سال بعد عبداللہ چکڑالوی نے تین نمازوں کا قول کیا اور یہ پہلا شخص ہے جس نے اس مسئلہ میں اجماع امت کے خلاف نئی راہ اختیار کی اور سواد اعظم سے علیحدہ ہو گیا۔

عقل سے تائید:

نماز کے پانچ اوقات احوال آفتاب کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں طلوع شمس سے پہلے فجر کی نماز ہے نصف النہار سے زوال کے بعد ظہر کی نماز ہے۔آفتاب ڈھل جانے کے بعد عصر کی نماز ہے،غروب آفتاب کے بعد مغرب کی نماز ہے اور روشنی کے آثار بالکلیہ مٹ جانے کے بعد عشاء کی نماز ہے۔انسان کی زندگی کے بھی پانچ بنیادی احوال ہیں ایک اس کی پیدائش جب وہ عدم سے وجود میں آتا ہے دوسرا اس کا شباب اور جوانی کا زمانہ تیسرا ادھیڑ عمری کا زمانہ جب جوانی ڈھل جاتی ہے چوتھا موت کا وقت جب زندگی کا سورج غروب ہو جاتا ہے لیکن کچھ عرصے تک لوگوں کے دلوں میں اس کی یاد اور زبانوں پر اس کا ذکر رہتا ہے پھر ایک وقت آتا ہے جب وہ بالکل بھولا بسرا ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان پانچ احوال کے مناسب ہر روز پانچ نمازیں فرض کر دیں۔طلوع شمس سے پہلے فجر کی نماز فرض کی تاکہ طلوع آفتاب کے آثار دیکھ کر انسان کو اپنا پیدا ہونا یاد آئے اور اپنی پیدائش پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے زوال کے بعد جب سورج شباب پر ہوتا ہے ظہر کی نماز فرض کی تاکہ شباب آفتاب دیکھ کر انسان اپنی جوانی کا شکر ادا کرے سورج ڈھل جانے پر عصر کی نماز فرض کی تاکہ ڈھلتے ہوئے سورج کو دیکھ کر وہ اپنی ڈھلتی ہوئی جوانی کو یاد کرے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرے اور اس عرصہ میں حاصل ہونے والی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے پھر سورج غروب ہو جاتا ہے اور کچھ عرصہ تک اس کی روشنی کے آثار دیکھ کر وہ وقت یاد کرے جب وہ مر جائیگا اور کچھ عرصہ تک لوگ اس کا ذکر کرتے رہیں گے اور اپنی موت اور بعد کے احوال کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور توشہ آخرت کی فکر کرے اور امید اور خوف کے جذبات سے نماز پڑھے اور جب غروب آفتاب کے بعد کی سرخی اور سفیدی غائب ہو جاتی ہے اور مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے عشاء کی نماز فرض کی تاکہ اس وقت کو دیکھ کر انسان کو یاد آئے کہ مرنے کے بعد ایک وقت ایسا آئے گا جب لوگوں کی زبانوں سے اس کا ذکر اور دلوں سے اس کی یاد نکل چکی ہو گی نہ کوئی اس کے لیے فاتحہ پڑھے گا؛ نہ اس کا ذکر خیر کرے گا اس وقت کے لیے ابھی سے تیاری کرے تاکہ کوئی اس کا ذکر کرے نہ کرے اس کی اپنی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کا سرمایہ اس کی نجات کے لیے کافی ہو اور اس فکر سے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔

۱۔ فتح القدیر، ج۱، ص ۱۹۱

یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ طلوع شمس سے پہلے اندھیرے کے بعد اجالے کے وجود کو دیکھ کر مرنے کے بعد زندہ ہونے کو یاد کر کے فجر کی نماز پڑھے۔ نصف النہار کے وقت سورج کی تمازت کو دیکھ کر میدان حشر کی گرمی یاد کر کے ظہر کی نماز پڑھے سورج ڈھلنے کے بعد اپنی ڈھلتی ہوئی زندگی کو یاد کر کے عصر کی نماز پڑھے، غروب آفتاب کے بعد موت کو یاد کر کے مغرب کی نماز پڑھے، اور مکمل اندھیرا چھا جانے کے بعد قبر اور قیامت کے اندھیروں کو یاد کر کے عشاء کی نماز پڑھے۔

اس طرح یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رات ختم ہونے کا شکر ادا کرنے کے لیے فجر کی نماز پڑھے، دن نکلنے کا شکر ادا کرنے کے لیے ظہر کی نماز پڑھے۔ تمازت آفتاب ڈھلنے کا شکر ادا کرنے کے لیے عصر پڑھے۔ دن کے رخصت ہونے کا شکر ادا کرنے کے لیے مغرب پڑھے اور رات کی چادر پھیلنے کا شکر ادا کرنے کے لیے عشاء پڑھے کیونکہ دن کا آنا بھی نعمت ہے اور دن کا جانا بھی نعمت ہے اگر لگا تار دن رہتا تو اعصاب کو آرام اور سکون نہ ملتا اور پیہم رات رہتی تو کسب معاش کے ذرائع میسر نہ ہوتے۔(۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کا نماز موخر کرنا:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے نمازِ عصر کو موخر کرنے کا ذکر ہے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی تاخیر کرنے کا ذکر ہے، وہ روایت حسب ذیل ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے امام مالک پر قرات کی از ابن شہاب کہ ایک دن عمر بن عبدالعزیز نے نماز کو موخر کر دیا پھر ان کے پاس عروہ بن الزبیر آئے اور ان کو یہ خبر دی کہ حضرت المغیرہ بن شعبہ نے ایک دن نماز کو موخر کر دیا اور وہ اس وقت عراق میں تھے، پھر ان کے پاس حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: اے مغیرہ! یہ کیا وقت ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت جبریل نازل ہوئے، پھر انہوں نے نماز پڑھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، پھر انہوں نے نماز پڑھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، آپ نے فرمایا مجھے اس چیز کا حکم دیا گیا ہے، پھر عمر بن عبدالعزیز نے عروہ سے کہا: سمجھو! تم کیا حدیث بیان کر رہے ہو، کیا حضرت جبریل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نماز کا وقت مقرر کیا تھا؟ عروہ نے کہا: اسی طرح بشیر بن ابی مسعود اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز نے جو نماز میں تاخیر کی تھی، یہ ان کا معمول نہیں تھا اور موخر ہونے والی نماز کی تعیین:

اس حدیث میں ہے کہ حضرت المغیرہ بن شعبہ نے ایک دن نماز کو موخر کر دیا، اور امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے:

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۲۱۔۲۲۵

ایک دن حضرت المغیرہ نے عصر کی نماز کو موخر کر دیا، (۱)

عمر بن عبدالعزیز نے اس طرح نماز کو موخر نہیں کیا تھا، جس طرح بنوامیہ کے امراء نماز کو موخر کرتے تھے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ولید نماز کو موخر کر کے پڑھاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس پر انکار کرتے تھے، عطاء نے کہا: ایک دفعہ ولید نے جمعہ میں اتنی تاخیر کر دی حتیٰ کہ شام ہوگئی، اس طرح حجاج بھی کیا کرتا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے جو نماز کو موخر کیا تھا تو مستحب وقت سے موخر کیا تھا نہ کہ اس کے اصل وقت سے موخر کیا تھا اور ان کی جلالت کی وجہ سے ان کے متعلق یہ اعتقاد نہیں کیا جائے گا، اور عروہ نے ان پر اس لیے انکار کیا تھا کہ انہوں نے عصر کی فضیلت والے وقت کو ترک کر دیا تھا، جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نماز پڑھائی تھی علامہ ابن عبدالبر نے کہا کہ انہوں نے اس نماز کو اس کے مستحب وقت سے موخر کر دیا تھا، اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ انہوں نے عصر کو اتنا موخر کر دیا تھا، حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا۔

حضرت جبریل کا پانچ نمازوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت کرانا:

نیز اس حدیث میں ہے: حضرت جبریل نازل ہوئے، پھر انہوں نے نماز پڑھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ حضرت جبریل نے نماز پڑھائی پھر اس کے فوراً بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شب معراج جو پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں، حضرت جبریل ان پانچ نمازوں کی کیفیت کے بیان کے لیے نماز پڑھا رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا، یعنی ان اوقات میں نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔

پھر عمر بن عبدالعزیز نے کہا: سمجھو! تم کیا حدیث بیان کر رہے ہو۔

بہ ظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت جبریل نے ان نمازوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امامت کرائی تھی، ہوسکتا ہے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی نہ ہو یا وہ بھول گئے ہوں۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدی ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ہونے کے منافی نہیں:

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام امام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی تھے اور امام مقتدی سے افضل ہوتا ہے، **اس سے لازم آئے گا کہ حضرت جبریل علیہ السلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں؟**
اس کا جواب یہ ہے کہ محض امام ہونے سے افضل ہونا لازم نہیں آتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی، اور ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتداء میں نماز پڑھی، اسی طرح بعض مرتبہ استاذ اپنے شاگرد کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے اور والد اپنے بیٹے کی اقتداء میں نماز پڑھتا ہے، جب کہ افضل استاذ اور والد ہی ہوتا ہے، اس لیے افضل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ صحیح البخاری: ۴۰۰۷
۲۔ عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۵۔ ۷

تھے، اگر چہ امام اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام تھے، نیز رسول اللہ ﷺ نے اس لیے بھی اقتداء میں نماز پڑھی ہے کہ جس طرح آپ کی زندگی میں امام کا نمونہ ہے، اسی طرح آپ کی زندگی میں اقتداء کا بھی نمونہ ہے، آپ کی امت میں کم لوگ امام ہوتے ہیں اور آپ کی امت کی اکثریت مقتدی ہوتی ہے، اگر آپ کسی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھتے تو آپ کی امت کی اکثریت آپ کی سنت کی اتباع سے محروم ہو جاتی۔(۱)

۔خلاصہ:

امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال:

حدیث الباب سے امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال دو مسائل میں سے ہے۔

۔حضرت جبریل علیہ السلام کی امامت:

اس حدیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے امام بن کر آقا کریم ﷺ کو نماز پڑھائی۔

۔نمازوں کے اوقات کی حد بندی:

امام نسائی رحمہ اللہ کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ پانچ نمازوں کے اوقات محدود ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں، جس کی وضاحت حضرت جبریل امین کی امامت اور آپ ﷺ کی اقتداء سے ہوئی۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد لکھتے ہیں:

۱۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا فرض ہے اور نماز کو اس کے وقت سے پہلے پڑھنا جائز نہیں ہے۔

۲۔ نماز کو اول وقت پر پڑھنا افضل ہے سوا ان نمازوں کے جن کے متعلق احادیث میں تاخیر سے پڑھنے کا حکم ہے، مثلاً فجر کی نماز کو سفیدی پھیلنے کے بعد پڑھنا مستحب ہے، ظہر کی نماز کو گرمیوں میں ٹھنڈے وقت میں پڑھنا مستحب ہے، اور عشاء کی نماز کو تہائی رات تک موخر کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

۳۔ عروہ، عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے اور ان کو تاخیر سے عصر کی نماز پڑھنے پر ٹوکا، اس سے معلوم ہوا کہ جب علماء حکام کے پاس جائیں اور ان کو خلافِ سنت کام کرتے ہوئے دیکھیں تو ان کو اس پر ملامت کریں۔

۴۔ عمر بن عبدالعزیز نے عروہ سے پوچھا: کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ عصر کو اول وقت میں پڑھنا چاہیے تو عروہ نے اس پر یہ دلیل بیان کی ہے کہ حضرت جبریل نے نبی ﷺ کو اول وقت میں عصر پڑھائی۔

۵۔ پہلے عروہ نے حضرت مغیرہ کی حدیث بیان کی، جب اس سے عمر بن عبدالعزیز مطمئن نہیں ہوئے تو انہوں نے حضرت

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۳۴۸۔۲۵۰

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع بیان کی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر طالب علم قوی دلیل کا مطالبہ کرے تو شیخ کو چاہیے کہ اس کا مطالبہ پورا کرے۔

۶۔ علامہ ابن العربی نے اس حدیث سے اس پر استدلال کیا ہے کہ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض تھی اور چونکہ حضرت جبریل مکلف نہیں ہیں،، اس لیے ان کی نماز نفل تھی، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ کی وہ نماز نفل تھی ورنہ حضرت جبریل بیان کرتے کہ آپ کی یہ نماز فرض ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب حضرت جبریل کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ یہ نماز پڑھائیں تو ان پر بھی اس نماز کو پڑھانا فرض ہوگیا۔

۷۔ علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ حضرت جبریل کی امامت کرنے کی حدیث ضعیف ہے، اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ پہلے دن حضرت جبریل نے ہر نماز کو اول وقت میں پڑھایا اور دوسرے دن ہر نماز کو آخر وقت میں پڑھایا اور کہا: ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو عروہ، عمر بن عبدالعزیز کو آخر وقت میں نماز پڑھنے پر انکار نہ کرتے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے عصر کی نماز اس وقت پڑھی، جب عصر کا مختار وقت نکل چکا ہو، عصر کا مختار وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایا دو مثل ہو جائے نہ کہ وقت جواز میں پڑھی ہو اور وہ غروب آفتاب کا ہے اور چونکہ عمر بن عبدالعزیز نے مختار وقت کے نکلنے کے بعد عصر کی نماز پڑھی تھی، اس لیے عروہ نے ان پر اعتراض کیا تھا،، اس لیے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

۸۔ حضرت ابو مسعود کی حدیث روایت کرنے کے بعد عروہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے، اور دھوپ ان کے حجرے میں ہوتی تھی،، اس حدیث کو روایت کرنے سے عروہ کی غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اول وقت میں پڑھتے تھے۔(۱)،(۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نماز عصر کو مستحب وقت سے کچھ موخر کیا تھا، نہ کہ کل وقت سے۔ اور یہ ولید بن عبدالملک کے دور کی بات ہے جبکہ آپ اس کی طرف سے مدینے کے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ حضرت عروہ کا مقصد یہ تھا کہ نماز کا وقت انتہائی اہمیت کا حامل ہے حتیٰ کہ وقت بتلانے کے لیے حضرت جبریل اترے تھے، لہٰذا نماز کی ادائیگی میں سستی نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت جبریل نے دو دن نماز پڑھائی تھی۔ پہلے دن سب نمازیں اول وقت میں اور دوسرے دن آخر وقت میں۔ اس روایت میں اوقات ذکر نہیں کیے گئے کیونکہ مقصد صرف یہ بتلانا تھا کہ جبریل نے اوقات بتلائے تھے اوقات کا علم حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پہلے سے تھا۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ مذکورہ روایت سننے کے بعد انہوں نے کبھی نماز میں تاخیر نہیں کی۔

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۹۔۸　　۲۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۳۵۰۔۳۵۱

اگر کسی خلاف سنت کام کا ارتکاب کریں تو اہل علم کی ذمے داری ہے کہ ان کی اصلاح کریں اور گاہے گاہے انہیں تنبیہ کرتے رہیں۔ عالم دین سے مسئلے کی دلیل طلب کی جاسکتی ہے، اور عالم کو چاہیے کہ وہ خالص کتاب وسنت کے دلائل سے سائل کو تشفی کرائے۔ اختلاف کے وقت قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے۔ خبر واحد حجت ہے۔ (۱)

۱۔ دارالسلام، (فوائد) ج ۱ ص ۵۶۳

أَوَّلُ وَقْتِ الظُّهْرِ

باب۲: نمازِ ظہر کا ابتدائی وقت

عربی زبان میں زوال کے فوراً بعد کے وقت کو ظہر کہتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے،اس لیے اسے صلاۃ الظہر ،''نمازِ ظہر'' کہتے ہیں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ظہر کی نماز کے اوقات سے متعلق پانچ ابواب قائم فرمائے ہیں،اور ان ابواب کے تحت نو احادیث مبارکہ کو اپنا مستدل بنایا ہے۔

امام نسائی کا سب سے پہلے نمازِ ظہر کے اوقات کو ذکر کرنے کی وجہ:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی حنبلی نجدی لکھتے ہیں:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے نماز ظہر کے اوقات کو اس لیے بیان فرمایا ہے، کیونکہ حضرت جبریل امین نے سب سے پہلے نماز ظہر کی امامت کروائی تھی،اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اقتداء میں یہی نماز سب سے پہلے پڑھی تھی،اسی وجہ سے ظہر کو پہلی فرض نماز قرار دیا گیا ہے۔(۱)

۴۹۴۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، حَدَّثَنَا سَيَّارُ بْنُ سَلَامَةَ قَالَ :سَمِعْتُ أَبِي يَسْأَلُ أَبَا بَرْزَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ :أَنْتَ سَمِعْتَهُ؟ قَالَ :كَمَا أُسْمِعُكَ السَّاعَةَ. فَقَالَ :أَبِي يَسْأَلُ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :كَانَ لَا يُبَالِي بَعْضَ تَأْخِيرِهَا -يَعْنِي الْعِشَاءَ- إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا .قَالَ شُعْبَةُ :ثُمَّ لَقِيتُهُ بَعْدُ فَسَأَلْتُهُ، قَالَ " :كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ يَذْهَبُ الرَّجُلُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ لَا أَدْرِي أَيَّ حِينٍ ذَكَرَ .ثُمَّ لَقِيتُهُ بَعْدُ فَسَأَلْتُهُ، فَقَالَ : وَكَانَ يُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ فَيَنْظُرُ إِلَى وَجْهِ جَلِيسِهِ الَّذِي يَعْرِفُهُ فَيَعْرِفُهُ .قَالَ وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ

حضرت سیار بن سلامہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

میں نے اپنے والدِ محترم کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھتے ہوئے سنا؟ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا: کیا آپ نے واقعی ان سے سنا ہے؟ حضرت سیار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بالکل! میں نے اپنے والدِ محترم سے سنا، وہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں پوچھ رہے تھے،اس پر حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاء کو آدھی رات تک موخر کرنا پسند فرماتے تھے،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے پہلے سونا اور بعد میں باتیں کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کچھ عرصہ بعد میں دوبارہ حضرت سیار کی خدمت میں حاضر ہوا،اور پھر وہی سوال کیا،تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ ظہر اس وقت پڑھتے تھے، جب سورج ڈھل جاتا تھا،اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے کہ

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ، فی شرح المجتبیٰ، ج۶،ص۲۵۶

(آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے والا) صحابی مدینہ منورہ دور دراز کی بستی میں چلا جاتا تھا، جب کہ سورج ابھی پوری طرح چمک رہا ہوتا تھا (راوی حدیث کہتے ہیں) مجھے مغرب کا وقت یاد نہیں ہے کہ انہوں نے کون سا وقت بتایا تھا، پھر کچھ عرصہ کے بعد میں ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور پوچھا، تو آپ نے فرمایا: آپ ﷺ فجر کی نماز پڑھتے تھے، اس وقت نمازی سلام پھیر کر اپنے شناسا شخص کے چہرے کو پہچان لیتا تھا، اور آپ ﷺ نمازِ فجر میں ساٹھ سے سو آیاتِ قرآنی تلاوت فرماتے تھے۔

ا۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل درمیانی حصہ میں ہے۔

آقا کریم ﷺ نمازِ ظہر سورج کے ڈھلنے پر پڑھتے تھے۔ چونکہ سورج کا ڈھلنا نمازِ ظہر کا اول وقت ہے، یہی حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۵۴۱، ۵۴۷، ۵۹۹، ۷۷۱، صحیح مسلم: ۴۶۱، الرقم المسلسل: ۱۰۱۳، سنن ابن ماجہ: ۸۱۸۔ ۷۰۱، صحیح ابن خزیمہ: ۳۴۶، سنن بیہقی، ج ا، ص ۴۵۰، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ا، ص ۳۱۸، سنن دارمی: ۱۳۰۰، مسند ابویعلیٰ: ۷۴۲۵، شرح السنۃ: ۳۵۰، مسند احمد، ج ۴، ص ۴۲۰، طبع قدم، مسند احمد: ۱۹۷۶۷۔ ج ۲۳ ص ۱۲ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ۶۴۸۵

۴۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو راوی حضرت سیّار رحمۃ اللہ علیہ اور صحابی رسول ﷺ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جارہے ہیں۔

ا۔ **محمد بن عبدالاعلیٰ:** راجع: ۵ ۲۔ **خالد:** راجع: ۱۴۵

۳۔ **شعبہ:** راجع: ۱۱۰

۴۔ سیار بن سلامہ:

آپ کا نام ابوالمنہال سیّار بن سلامہ ریاحی بصری (م: ۱۲۹ھ) ہے، آپ روایت کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ (چار دفعہ مکرر) مروی ہے۔ (۱)

ا۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۴، ص ۲۵۴، ii۔ تاریخ الثقات، ص ۲۱۲

۵۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

فضلہ نام، ابو برزہ کنیت، سلسلہ نسب یہ ہے فضلہ بن عبداللہ بن حارث ابن جبال بن ربیعہ بن وعبل بن انس بن خزیمہ بن مالک بن سلامان بن اسلم بن افصیٰ اسلمی۔

اسلام وغزوات:

دعوت اسلام کے ابتدائی زمانہ میں اسلام لائے اسلام کے بعد جس قدر غزوات ہوئے سب میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے، (۱)، فتح مکہ میں خون کا ایک قطرہ نہیں گرا تھا، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دشمنان اسلام کے لیے عفوودرگذر کا اعلان فرمادیا تھا، چند معاندین جن کا عناد اور جن کی سرکشی حد سے بڑھی ہوئی تھی البتہ اس سے مستثنیٰ تھے اور ان کا خون ہدر کردیا گیا تھا، ان میں ایک عبداللہ بن خطل تھا، یہ پہلے اسلام لاچکا تھا، مگر اپنے مسلمان خادم کو قتل کردیا، اور اسلامی عدالت کے قانون قصاص سے ڈر کر پھر مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا، (زرقانی فتح مکہ) اس کی دو طوائفیں تھیں جو بازاروں میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی پھرتی تھیں، (۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی القتل الاسیر صبراء۔

اس لیے جب مکہ فتح ہوا تو امان کے لیے خانہ کعبہ کا غلاف پکڑ کر لٹک گیا، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے کہا کہ یہ کعبہ کے غلاف کی پناہ میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل کردو، آقا کا ارشارہ پاتے ہی ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کردیا۔ (۳)

ابو برزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بھر مدینہ میں رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مصر میں رہنے لگے، جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، نہروان میں خارجیوں کا مقابلہ کیا، پھر خراسان کی فتوحات میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ (۳)

وفات:

زمانہ وفات میں اختلاف ہے، بعض نے ۶۰ھ اور بعض ۶۵ھ بتاتے ہیں، دوسری روایت زیادہ صحیح ہے، کیونکہ مروان اور ابن زبیر کے ہنگاموں تک زندہ تھے، اور کہتے پھرتے تھے کہ یہ سب دنیا کے لیے جھگڑتے ہیں، (۵) ایضاً وفات کے بعد ایک لڑکا مغیرہ یادگار چھوڑا۔

فضل وکمال:

ابو برزہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا کافی موقع ملا، اس لیے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی معتد بہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۶۴ ہے، ان میں ۲۷ متفق علیہ ہیں، ان کے علاوہ ۲ بخاری میں اور ۴، مسلم میں منفرد ہیں۔ (۴)

۱۔ ابن سعد، ج ۱، ص ۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ اصابہ، ج ۶، تذکرہ نضلہ ۴۔ تہذیب الکمال، ص ۴۰۶

ان کے تلامذہ کی تعداد بھی کافی ہے، ذیل کے نام قابل ذکر ہیں۔

مغیرہ، ابومنہال ریاحی، ارزق بن قیس، ابوعثمان نہدی، ابوالعالیہ ریاحی، کنانہ ابن نعیم ابوالزراع، راسبی، ابوالوضی، عید بن عبداللہ، ابوالسواری عدوی، ابوطالب، عبدالسلام، وغیرہ، (۱)

زہد وعفاف:

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ میں زہد وعفاف کا رنگ بہت نمایاں تھا، نہ کبھی بیش قیمت کپڑا پہنا اور نہ گھوڑے پر سوار ہوئے، گیرو رنگ کے دو کپڑوں سے ستر پوشی کرتے تھے، ان کے ایک معاصر عائذ بن عمر بیش قیمت کپڑا بھی پہنتے اور گھوڑے پر بھی سوار ہوتے تھے، ایک شخص نے ان دونوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے کے خیال سے عائذ سے آکر کہا، ابو برزہ رضی اللہ عنہ کو دیکھئے، وہ لباس اور وضع قطع میں بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں، آپ خز (ایک بیش قیمت کپڑا) استعمال کرتے ہیں، اور گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور وہ ان دونوں چیزوں سے احتراز کرتے ہیں، لیکن صحابہ کی اخوت لباس اور طرز معاشرت کے اختلاف سے بلند تھی، جواب دیا، خدا ابو برزہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے آج ہم میں ان کے رتبہ کا کون ہے یہاں سے مایوس ہوکر یہ شخص ابو برزہ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا عائذ کو دیکھئے، آپ کی وضع تک ان کو ناپسند ہے، گھوڑ سواری میں ہے، خز کا لباس زیب تن ہے، مگر یہاں بھی وہی جواب ملا کہ خدا عائذ پر رحم کرے، ہم میں ان کا ہمرتبہ کون ہے؟ (۲)

مسکین نوازی:

مسکین نوازی ان کا خاص شعار تھا، صبح وشام معمولاً فقراء اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے، حسن بن حکیم اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ ایک کاسہ ثرید (ایک قسم کا عربوں کا مرغوب کھانا) صبح اور ایک کاسہ شام بیواؤں، یتیموں اور مساکین کو کھلاتے ہیں۔ (۳)

احترام نبوت:

ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی قسم کا طنز وتمسخر برداشت نہیں کر سکتے تھے، عبداللہ ابن زید کو حوض کوثر کے متعلق کچھ پوچھنا تھا، اس نے لوگوں سے پوچھا، حوض کوثر کے متعلق کون بتا سکتا ہے، انہوں نے ابو برزہ رضی اللہ عنہ کا نام لیا، عبیداللہ نے ان کو بلا بھیجا یہ گئے، اس نے آتے ہی دیکھا تو بہ سبیل استہزا کہا کہ تمہارے یہ محمدی ہیں ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے برہمی سے جواب دیا، خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے زمانہ تک زندہ رہا جس میں شرف صحبت پر عار دلایا جاتا ہے، اور اس برہمی کی حالت میں تخت پر بیٹھ گئے، عبیداللہ نے اپنا

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۴۴۶ ۲۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۳۵ ۳۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۳۵

سوال پیش کیا، انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص اس (حوض کوثر) کو جھٹلائے گا، وہ نہ اس کے پاس جانے پائے گا اور نہ خدا اس کو اس سے سیراب کرے گا، یہ کہا اور اٹھ کے چلے آئے۔(۱)(۲)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو پچھتر (۱۷۵) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ شیخ محمد بن عبد الاعلیٰ سے امام بخاری نے اصلاً روایت نہیں لی، جبکہ امام ابوداؤد نے کتاب القدر میں روایت بیان کی ہے۔

☆ سند کے تمام راوی بصری ہیں۔

☆ حضرت سیار اور حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے کل چونسٹھ احادیث مبارکہ مروی ہیں، جن میں سے ستائیس متفق علیہ ہیں، جبکہ دوسری امام بخاری اور چار میں امام مسلم، منفرد ہیں۔

☆ سنن نسائی میں آپ سے بارہ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

سمعت ابی:	میں نے اپنے باپ کو سنا۔	یسال:	اس نے سوال کیا۔
صلاة رسول الله ﷺ:	حضور ﷺ کی نماز	قلت:	میں نے پوچھا
انت سمعته:	کیا آپ نے خود ان سے سنا ہے۔	کما اسمعك الساعة:	جیسا میں تم سے اس وقت سن رہا ہوں
کان لایبالی:	آپ ﷺ حرج نہ سمجھے	بعض تاخیر ھا:	بعض اوقات اس کی تاخیر
نصف اللیل:	آدھی رات	لایحب:	آپ ﷺ ناپسند کرتے۔

۱۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۳۵　　۲۔ سیر الصحابہ، ج ۲، ص ۵۴۲۔۵۴۳

لاالحدیث بعدها: عشاء کے بعد گفتگو کرنا　ثم لقیته بعد: میں کچھ عرصہ بعد حاضر خدمت ہوا

سالته: میں نے ان سے پوچھا　کان یصلی الظهر: آپ ﷺ ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔

حین تزول الشمس: جب سورج ڈھل جاتا　یذهب الرجل: آدمی جاتا۔

اقصیٰ المدینة: مدینہ منورہ کی دور دراز آبادی۔　الشمس حیة: سورج چمک رہا ہوتا۔

لاادری: میں نہیں جانتا۔　ای حین ذکر: یعنی انہوں نے کون سا وقت بتلایا

کان یصلی الصبح: آپ ﷺ نماز فجر پڑھتے تھے۔　ینصرف الرجل: آدمی سلام پھیرتا۔

ینظر: وہ ایک آدمی دیکھتا ہے۔　وجه: چہرہ

جلیس: ہم نشین　الذی یعرفه: اس کا شناسا آدمی

کان یقرا: آپ ﷺ تلاوت فرماتے تھے۔　الستین الی المائة: ساٹھ سے سو (آیات)

۴۹۵۔أَخْبَرَنَا كَثِيرُ بْنُ عُبَيْدٍ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ، عَنِ الزُّبَيْدِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ :أَخْبَرَنِي أَنَسٌ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى بِهِمْ صَلَاةَ الظُّهْرِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔
حضور اکرم ﷺ سورج ڈھلنے کے وقت (حجرہ انور) سے باہر تشریف لائے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ظہر کی نماز پڑھائی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۵۴۰، ۲۳۴۹، السنن الکبریٰ: ۱۴۸۴، تحفۃ الاشرف: ۱۵۳۵

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

ا۔کثیر بن عبید: راجع: ۱۹۶　۲۔محمد بن حرب: راجع: ۱۷۲

۳۔الزبیدی: راجع: ۵۶　۴۔الزھری: راجع: ۱۱۶

۵۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۳۱

حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چھہتر (۱۷۶) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی حمصی، چوتھے مدنی اور آخری بصری ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابہ میں سے ہیں، آپ نے سو سال سے زائد کی طویل عمر پائی۔ آپ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں، اور آپ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ حدیث حدثنا ایک دفعہ، صیغہ اخبار اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

خرج:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔	حین زاغت:	جب وہ ڈھل گیا۔
الشمس:	سورج	صلی:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی
بھم:	انہیں	الظھر:	ظہر۔ دوپہر۔ پیشیں

۴۹۶۔ أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ :حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ خَبَّابٍ قَالَ :شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فَلَمْ يُشْكِنَا "قِيلَ لِأَبِي إِسْحَاقَ فِي تَعْجِيلِهَا؟ قَالَ :نَعَمْ

حضرت خباب بن ارت بیان کرتے ہیں:
ہم نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمینی تپش کی شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر توجہ نہ فرمائی حضرت ابو اسحاق سے پوچھا گیا: کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شکوہ نماز جلدی پڑھنے کے بارے میں تھا؟ انہوں نے فرمایا: ہاں

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان سے مطابقت حسب ذیل ہے:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوال نماز ظہر کو موخر کرنے کے بارے میں تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کو اول وقت سے تاخیر کرنے

سے منع فرما دیا۔ جس سے واضح ہوا کہ ظہر کا اول وقت میں پڑھنا ہی مستحب و افضل ہے۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۶۱۹، احمد: ۲۱۱۰۸، تحفۃ الاشراف: ۳۵۱۳

تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین حضرت حمید بن عبدالرحمان، سعد بن وہب، اور حضرت حباب بن ارت رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی سپرد قلم کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ یعقوب بن ابراہیم: راجع: ۲۲

۲۔ حمید بن عبدالرحمان:

آپ کا نام ابوعوف حمید بن عبدالرحمان بن حمید بن عبدالرحمان رواسی (کوفی م: ۱۸۹ھ) ہے، آپ روایت کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے نوے سال کی طویل عمر پائی۔ آپ سے سنن نسائی میں پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۳۔ زہیر: راجع: ۱۲۷ ۴۔ ابواسحاق: راجع: ۲۳۰

۵۔ سعید بن وہب:

آپ کا نام سعید بن وہب ہمدانی خیوانی کوفی (م: ۷۵ھ، ۷۶ھ) ہے، آپ کا لقب القراد، ذکر کیا جاتا ہے، آپ روایت کے دوسرے ثقہ مخضرمی راوی ہیں، آپ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اقدس پایا، لیکن زیارت سے مشرف نہ ہو سکے آپ نے حیات نبوی میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یمن میں سماع کیا، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ امام بخاری (ادب المفرد)، امام مسلم اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ (۲)

حضرت خباب بن ارت:

نام و نسب: خباب نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خباب ابن ارت جندلہ ابن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن مناۃ بن تمیم، زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں فروخت کیے گئے۔ (۳)

۱۔ أ۔ تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۱۳۶ أ أ۔ الثقات: ج ۶، ص ۱۹۴

۲۔ أ۔ التاریخ الکبیر (بخاری)۔ ج ۳، رقم: ۱۷۳۱، أ أ۔ اسد الغابۃ، ج ۲، ص ۳۱۶

۳۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۰۶

اسلام:

حضرت خباب رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جو دعوت اسلام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں یعنی زید بن ارقم کے گھر میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پناہ گزین ہونے کے قبل مشرف باسلام ہوئے۔(۱)، اسلام لانے والوں میں ان کا چھٹا نمبر تھا، اسی لیے ''سادس الاسلام'' کہلاتے ہیں۔

ابتلا وآزمائش:

ان کے اسلام قبول کرنے کے زمانہ میں اسلام کا ظہور تعزیرات مکہ میں ایسا شدید جرم تھا، جس کی سزا میں امال و دولت، ننگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا، لیکن حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق پرواہ نہ کی اور بانگ دہل اپنے اسلام کا اظہار کیا۔(۲)، یہ غلام تھے ان کا کوئی بھی حامی و مددگار نہ تھا، اس لیے کفار نے ان کو مشق ستم بنالیا، اوران کو بڑی دردناک سزائیں دیتے تھے، ننگی پیٹھ دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹا کر سینہ پر ایک بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی اوپر سے مسلتا اور وہ اس وقت تک ان انگاروں پر کباب ہوتے رہتے جب تک خود زخموں کی رطوبت آگ کو نہ بجھاتی۔(۳)، لیکن اس سختی کے باوجود زبان کلمہ حق سے نہ پھرتی، رحمۃ العالمین اس کسمپرسی کی حالت میں تالیف قلب فرماتے تھے، لیکن ان کا آقا اتنا سنگدل تھا کہ وہ ان کے لیے اتنا سہارا بھی نہ برداشت کرسکا، اوراس کی سزا میں لوہا آگ میں تپا کر اس سے ان کا سر داغا، (۴)، انہوں نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میرے لیے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمایئے کہ وہ مجھ کو اس عذاب سے نجات دے، آپ نے دعا فرمائی کہ ''خدایا خباب کی مدد کرو۔''

جب اس جسمانی سزا سے بھی آتش سرد نہ پڑھی تو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کی، عاص بن وائل کے ذمہ ان کا قرض تھا، یہ جب تقاضا کرتے تو جواب دیتا کہ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑو گے، اس وقت تک نہیں مل سکتا، یہ جواب دیتے کہ جب تک تم مرکر دوبارہ زندہ نہ ہو گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہوسکتا، وہ کہتا اچھا میں مرکر پھر زندہ ہوں گا، اور مجھ کو مال اور اولاد ملے گی، اس وقت تمہارا قرض دوں گا، (اس سے مسلمانوں کے اس عقیدے پر تعریض تھی کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی ملے گی) اس واقعہ پر کلام اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔(۵)

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَاطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (۶)

اے محمد کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر کی جس نے ہماری آیات سے کفر کیا اور کہا کہ (قیامت میں بھی) مجھ کو اولاد ملے گی، کیا اس کو غیب کی خبر ہوگئی، یا اس خدائے رحمٰن سے عہد لیا ہے، ہرگز نہیں یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھ لیتے ہیں اور اس کے

۱۔ ابن سعد، ج ۳، ص ۱۱۶　۲۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۱۶　۳۔ ابن سعد، ج ۳، ص ۱۱۷

۴۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۰۶　۵۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۰۷　۶۔ مریم ۱۹: ۷۷، ۷۹

راب میں ڈھیل دیتے چلے جائیں گے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس کے ہم وارث ہوں اور یہ تنہا ہمارے سامنے لایا جائے گا۔

ہجرت ومواخات:

خباب رضی اللہ عنہ مدتوں نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ یہ تمام مصیبتیں جھیلتے رہے، پھر جب ہجرت کی اجازت ملی تو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، ہجرت بھی تکلیف ومصائب کے خوف سے نہ کی تھی، بلکہ خاصتہ لوجہ اللہ ہجرت کی تھی، چنانچہ کہا کرتے تھے کہ ں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کالصتاً لوجہ اللہ (۱) مدینہ آنے کے بعد آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اور خراش بن صمہ غلام تمیم کے رمیان مواخات کرادی۔ (۲)

غزوات: مدینہ آنے کے بعد شروع سے آخر تک تمام غزوات میں شریک رہے۔ (۳)

خلافت فاروقی: حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے فضائل کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے ایک دن یہ ان سے ملنے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے گدھے پر بٹھایا اور لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کے علاوہ صرف ایک شخص ہے جو اس پر بیٹھنے کا مستحق ہے، خباب رضی اللہ عنہ نے پوچھا امیر المومنین! وہ کون؟ فرمایا بلال رضی اللہ عنہ آپ نے عرض کیا، وہ میرے برابر کیوں کر مستحق ہو سکتے ہیں، مشرکین میں ان کے بہت سے مددگار تھے، لیکن میرا پوچھنے والا، سوائے خدا کے کوئی نہ تھا، اس کے بعد اپنا استحقاق بتاتے ہوئے اپنے مصائب کی داستان سنائی۔ (۴)

علالت ووفات:

۳۷ھ میں کوفہ میں بیمار پڑے، علاج سے افاقہ ہونے کے بجائے مرض اور بڑھ گیا، اس کی طوالت اور تکلیف سے گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے موت کی دعا کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو میں دعا کرتا جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور کفن لایا گیا تو اسے دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے فرمانے لگے، آہ! حمزہ رضی اللہ عنہ کو پورا کفن بھی میسر نہ ہوا تھا، ایک معمولی چھوٹی سی چادر میں کفنائے گئے کہ اگر پیر ڈھنکا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے، آخر میں سر ڈھانک کر اذخر (ایک قسم گھاس) سے پاؤں چھپائے گئے۔

کچھ لوگ عیادت کرنے کو آئے اور کہا ابو عبداللہ تم کو خوش ہونا چاہیے، کل تک اپنے ساتھیوں سے مل جاؤ گے، یہ سن کر رقت طاری ہوگئی، فرمایا کہ میں موت سے نہیں گھبراتا تم لوگوں نے ایسے لوگوں کو یاد دلایا جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اٹھے، مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ثواب آخرت کے بدلہ میں مجھ کو یہ دنیا نہ ملی ہو۔ (۵)

۱۔ مسند ابن حنبل، ج۵، ص۱۰۹　۲۔ اسد الغابہ، ج۲، ص۱۰۷　۳۔ ابن سعد، ج۳، ص۱۷

۴۔ مستدرک حاکم، ج۳، تذکرہ خباب بن ارت　۵۔ ابن سعد، ج۳، ص۱۱۸

وصیت اور وفات:

کوفہ والے عموماً اپنے مردوں کو شہر کے اندر دفن کرتے تھے لیکن انہوں نے وصیت کر دی تھی کہ بیرون شہر دفن کرنا، اس وصیت کے مطابق ان کو شہر کے باہر دفن کیا گیا، آپ پہلے صحابی ہیں جن کی قبر سے کوفہ کے باہر ویرانہ کی آبادی ہوئی وفات کے وقت بہتر (۷۲) سال کی عمر تھی، حضرت علی جنگ صفین سے واپس آ رہے تھے، خباب رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع ملی چنانچہ آپ نے نماز جنازہ پڑھائی، (۱)، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۳۷ھ میں وفات پائی، ایک روایت یہ تھی کہ ۱۹ھ میں مدینہ میں پیوند خاک ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

ذریعہ معاش:

زمانہ جاہلیت میں اور اس کے بعد عرصہ تک تلواریں بنا کر کسب معاش کرتے رہے اسلام کا ابتدائی زمانہ بہت عسرت میں بسر ہوا لیکن کچھ دنوں کے بعد خدا نے فارغ البال کیا اور اتنی دولت ملی کہ پھر کسی پیشہ وغیرہ کی احتیاج باقی نہ رہی وفات کے وقت چالیس ہزار درہم پس انداز تھے۔

فضل وکمال:

خباب رضی اللہ عنہ کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کی بڑی جستجو رہتی تھی اور وہ کبھی کبھی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لاعلمی میں رات رات بھر آپ کے طریقہ عبادت کو دیکھتے اور صبح کو اس کے متعلق استفسار کرتے، ایک مرتبہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری رات نماز پڑھی، یہ پوری رات دیکھتے رہے اور صبح کو آکر پوچھا، فدیت بابی وامی یا رسول اللہ، رات کو آپ نے ایسی نماز پڑھی کہ اس کے قبل کبھی نہ پڑھی تھی، فرمایا وہ بیم ورجا کی نماز تھی، میں نے بارگاہ ایزدی میں تین چیزوں کی دعا کی تھی، دو مقبول ہوئیں اور ایک نامقبول ایک دعا یہ تھی کہ خدا مسلمانوں کو اس عذاب سے نہ ہلاک کرے جس سے گذشتہ امتیں ہلاک ہوئیں اور میرے دشمنوں کو مجھ پر غالب نہ کرے، یہ دونوں دعائیں تو قبول ہو گئیں لیکن تیسری قبول نہیں ہوئیں۔(۲) ان کی مرویات کی مجموعی تعداد ۳۲ ہے، ان میں سے ۳ متفق علیہ ہیں اور ۲ میں امام بخاری اور ایک میں مسلم منفرد ہیں (۲) تہذیب الکمال تذکرہ خباب بن ارت اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ میں جن بزرگوں نے ان سے حدیثیں سنی ہیں ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ اور ابو امامہ باہلی، ابو معمر، عبداللہ بن شخیر، قیس ابن ابی حازم، مسروق بن اجدع اور علقمہ بن قیس وغیرہ، (۳)(۴)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۱۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۸۲ ۲۔ مسند احمد بن حنبل، ج ۱۰۸ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۱۳۳

۴۔ سیر الصحابہ، ج ۲، ص ۲۸۱۔۲۸۴

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو پانچ (۲۰۵) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔ البتہ حضرت سعید بن وہب سے امام ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ روایت نہیں کرتے، جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ادب المفرد میں ان سے روایت کی ہے۔

☆ حضرت یعقوب بن ابراہیم دورقی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شیخ ہیں، جن سے آئمہ صحاح ستہ براہ راست روایت کرتے ہیں، یعنی آپ آئمہ صحاح ستہ کے شیخ ہیں، سبحان اللہ۔

☆ سند کے تمام راوی بغدادی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ حضرت حمید رحمۃ اللہ علیہ، سعید رحمۃ اللہ علیہ اور خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے کل تینتیس احادیث مبارکہ مروی ہیں، جن میں سے تین متفق علیہ ہیں، دو میں امام بخاری اور ایک میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں، جبکہ سنن نسائی میں آپ رضی اللہ عنہ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

شکونا: ہم نے شکایت کی۔ حر: گرمی، شدت

الرمضاء: زمینی تپش، کنکریوں کا سورج کی روشنی سے گرم ہونا:

لم یشکنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکایت دور نہ کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ نہ دی۔

قیل لابی اسحاق: حضرت ابو اسحاق سے پوچھا۔

فی تعجیلھا؟: ان کی شکایت نماز جلدی پڑھنے کے بارے میں تھی؟ نعم: ہاں

بَابُ تَعْجِيلِ الظُّهْرِ فِي السَّفَرِ — باب ۳۰: سفر میں ظہر جلدی پڑھنا

دورانِ سفر اگر پڑاؤ کیا جائے، اور دوبارہ سفر شروع کرنے سے پہلے نماز کا وقت ہو جائے، تو مستحب یہ ہے کہ نماز ادا کر لی جائے اور سفر بعد میں شروع کیا جائے، اس باب میں اسی حالت کا بیان نماز ظہر کے ضمن میں ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نماز ظہر کے ابتدائی وقت کا بیان تھا، اور اس باب میں حالتِ سفر میں ظہر جلدی پڑھنے کا بیان ہے۔

۴۹۷۔ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ شُعْبَةَ قَالَ :حَدَّثَنِي حَمْزَةُ الْعَائِذِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ :كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا لَمْ يَرْتَحِلْ مِنْهُ حَتَّى يُصَلِّيَ الظُّهْرَ فَقَالَ رَجُلٌ :وَإِنْ كَانَتْ بِنِصْفِ النَّهَارِ؟ قَالَ: وَإِنْ كَانَتْ بِنِصْفِ النَّهَارِ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (دورانِ سفر) جب کسی جگہ پڑاؤ کرتے، تو نماز ظہر ادا کرنے سے پہلے وہاں سے کوچ نہ فرماتے، ایک شخص نے پوچھا: اگرچہ سورج سر پر ہوتا، آپ نے فرمایا: اگرچہ سورج سر پر ہوتا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم دورانِ سفر بھی نماز ظہر کو جلدی پڑھنے کی کوشش فرماتے تھے، جیسا کہ حدیث مبارکہ سے واضح ہے یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان سے مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

ابوداؤد: ۱۲۰۵، السنن الکبریٰ: ۱۴۸۵، تحفۃ الاشرف: ۵۵۵

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے؛ حضرت حمزہ عائذی کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ عبیداللہ بن سعید: راجع: ۱۵ — یحییٰ بن سعید: راجع: ۱۳۳

۳۔ شعبہ: راجع: ۱۱۰

۴۔ حمزہ عائذی:

آپ کا نام ابو عمر حمزہ بن عمرو ضبی بصری ہے، آپ کی عائذی نسبت قبیلہ بنو عائذہ بن مالک بن سعد بن ضبی یا عائذی بن سعد بن ضبہ کی وجہ سے ہے، آپ روایت کے چوتھے طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:　　راجع: ۱۳۱

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیثِ مبارکہ خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو ستتر (۱۷۷) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی سرخسی اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت، اخبرنا، عن، سمعت ایک ایک دفعہ اور صیغہ اخبار دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

اذانزل منزلا : جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ پڑاؤ کرتے، کسی منزل پر اترتے۔

لم یر تحل : آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا آغاز نہ کرتے۔

حتی یصلی الظھر : یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھ لیتے۔

نصف النھا : سورج کا سر پر ہونا۔ یعنی سورج کے ڈھلنے کی ابتداء۔

رجل : آدمی۔ شاگرد مراد ہے۔

۱۔ i۔ تاریخ الاسلام، (ذہبی) ج ۴، ص ۲۴۵　　ii۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج ۳، ص ۱۴۷

تَعْجِيلُ الظُّهْرِ فِي الْبَرْدِ　　باب۴: سردیوں میں ظہر جلدی پڑھنا

ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں دیر سے پڑھنا مستحب ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں حالتِ سفر میں ظہر کی نماز جلدی پڑھنے کا بیان تھا اور اس باب میں سردیوں میں ظہر جلدی پڑھنے کا بیان ہے، اس طرح دونوں ابواب نمازِ ظہر سے متعلق ہیں۔

۴۹۸۔ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ قَالَ :حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ دِينَارٍ أَبُو خَلْدَةَ قَالَ :سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ، وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم گرمی میں نماز ظہر ٹھنڈے وقت پڑھتے، اور سردی میں جلدی پڑھتے۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری:۹۰۶، جامع المسانید لابن جوزی:۴۴۷، السنن الکبریٰ:۱۴۸۶، تحفۃ الاشراف:۸۲۳

تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں، جن میں سے دو کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت ابوسعید اور خالد بن دینار کے حالات، سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں۔

۱۔**حضرت عبیداللہ بن سعید:**　راجع:۱۵

۲۔ابوسعید:

آپ کا نام ابوسعید عبدالرحمان بن عبداللہ بن عبید بصری مکی (م:۱۹۷ھ) ہے، آپ بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ آپ کا لقب جردقہ ہے۔ آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں۔ آپ کو امام احمد بن حنبل، ابن معین، ابن شاہین، بغوی اور دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے۔ جبکہ امام ابوحاتم، ساجی، امام احمد بن حنبل (دوسرا قول) اور ابن حجر عسقلانی نے مقبول خاطی قرار دیا ہے۔ امام بخاری، ابوداؤد، (فضائل الانصار)، امام نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۱۔　i۔العلل، ج۱،ص۴۶　ii۔ثقات ابن شاہین، ص۸۰۳　iii۔تقریب التھذیب، ج۱،ص۴۵۳

۳۔خالد بن دینار:

آپ کا نام ابو خلدہ خالد بن دینار خیاط تمیمی سعدی (بصری م:۱۵۲ھ) ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، اکثر اہل علم آپ کی ثقاہت کے قائل ہیں، امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع:۱۳۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ رباعی امام نسائی کی اعلیٰ ترین سند ہے۔

☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ اٹھارویں (۱۸) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی سرخسی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابوسعید اور حضرت خالد بن دینار سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں، اور آپ رضی اللہ عنہ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سو سال سے زائد کی عمر پائی۔

☆ سند میں الفاظِ روایت، اخبرنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

الحر: گرمی ابرد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھنڈے وقت میں پڑھتے۔

عجل: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی کرتے۔

۱۔ i۔طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۲۷۵ ii۔اسماء التابعین، ص ۲۷۱

الْإِبْرَادُ بِالظُّهْرِ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ باب۵: جب گرمی زیادہ ہوتو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھنا

جمہور علماء کے نزدیک گرمیوں میں ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنا سنتِ مستحبہ ہے۔اس باب میں اسی امر کا بیان ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط فرمایا ہے، پچھلے باب میں سردی کے موسم میں ظہر جلدی پڑھنے کا بیان تھا، اور اس باب میں گرمیوں میں ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان ہے۔

۴۹۹۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيِّبِ وَأَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ؛ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب گرمی زیادہ ہوتو نماز کو ٹھنڈے وقت میں ادا کرو، کیونکہ گرمی کا زیادہ ہونا، دوزخ کے جوش کی وجہ سے ہوتا ہے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۱۸۰، ابوداؤد:۴۰۲، ترمذی:۱۵۷، ابن ماجہ:۶۷۸، احمد:۷۱۳۳، السنن الکبریٰ:۱۴۸۹، تحفۃ الاشراف:۱۳۲۲۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔قتیبہ بن سعید:	راجع:۱۱۸	۲۔لیث:	راجع:۱۲۴
۳۔ابن شہاب:	راجع:۱۱۶	۴۔سعید بن مسیب:	راجع:۱۶۰
۵۔ابوسلمہ:	راجع:۱۶۱	۶۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:	راجع:۱۱۰

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اٹھہتر (۱۷۸) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ یہ تابعی (ابن شہاب) کی دوسرے دو تابعین (ابن مسیب۔ابوسلمہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت سعید بن مسیب اور حضرت ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔البتہ بعض نے حضرت ابوسلمہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری، اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ کے سرخیل ہیں اور آپ سے پانچ ہزار تین سو تہتر (۵۳۷۳) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اذا اشتد:	جب وہ زیادہ ہو	الحر:	گرمی۔حدت
ابردوا:	تم ٹھنڈی کرو۔مراد ہے ٹھنڈے وقت میں	الصلاۃ:	نماز
شدۃ الحر:	گرمی کی تیزی	فیح:	جوش
		جھنم:	دوزخ

۵۰۰۔أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي وَأَنْبَأَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَفْصٌ وَأَنْبَأَنَا عَمْرُو بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَوْسٍ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ أَبِي مُوسَى يَرْفَعُهُ قَالَ: أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ، فَإِنَّ الَّذِي تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو، یہ جو تم گرمی محسوس کرتے ہو، یہ دوزخ کا جوش ہے۔

ا۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی جملہ میں ہے:

تم ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

۲۔اطراف:

السنن الکبریٰ: ۱۴۹۰، تحفۃ الاشراف: ۸۹۸۳

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں دس راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، باقی پانچ شیوخ حضرت عمر بن حفص، حضرت یحییٰ بن معین، حضرت حسن بن عبید اللہ، حضرت یزید بن اوس اور حضرت ثابت بن قیس کے حالات زندگی صفحہ قرطاس پر منتقل کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ابراہیم: راجع: ۱۷۴

۲۔عمر بن حفص:

آپ کا نام عمر بن حفص بن غیاث بن طلق کوفی (م: ۲۲۲ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام ابن ماجہ کے علاوہ آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۳۔حفص بن غیاث: راجع: ۱۰۵

۴۔یحییٰ بن معین:

فن حدیث کا ایک اہم شعبہ ''اسماء الرجال ہے'' اس میں حدیث کے رواۃ پر اس حدیث سے بحث ہوتی ہے کہ کون راوی قابل اعتماد ہے اور کون نا قابلِ اعتماد راوی کی اخلاقی زندگی کیسی ہے؟ اس میں عقل وفہم کا ملکہ کس قدر ہے؟ اس میں عقل وفہم کا ملکہ کس قدر ہے؟ اس کے علم اور قوت حافظہ کا کیا حال ہے؟ چونکہ ان ہی بحثوں پر حدیث کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ ہوتا ہے اس لیے اس فن میں کلام کرنے کے لیے غیر معمولی علم وفضل اور عقل وبصیرت کے ساتھ ساتھ خدا ترسی اور احساس ذمہ داری کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے اس لیے کہ اگر کسی راوی کی جرح میں افراط کی گئی اور اس کی روایت ترک کر دی گئی تو حدیث نبوی ﷺ کی تکذیب ہوتی ہے اور اگر تعدیل میں تفریط کی گئی تو اقوال رسول ﷺ میں غلط باتوں کے داخل ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث نبوی ﷺ کی تحدیث وروایت کرنے والوں کی تعداد تو آپ کو بے شمار ملے گی مگر فن رجال کے جاننے والوں کی تعداد بہت کم ملے گی۔ حضرت یحییٰ بن معین خاص فن کے امام ہی نہیں بلکہ امام آئمہ سمجھے جاتے ہیں ان کے عہد میں اس فن کے متعدد آئمہ تھے مثلاً احمد بن حنبل، ابن مدینی، سعید القطان، ابن مہدی وغیرہ، مگر ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کو ان سب بزرگوں میں ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج ۶، ص ۱۰۲، ii۔تاریخ الثقات، ص ۳۶۰،

حضرت یحییٰ بن معین کے حالاتِ زندگی ان کے علم وفضل کے علاوہ اس حیثیت سے بھی قابل ذکر ہیں کہ ان کی زندگی اسلامی معاشرہ کی مساوات اور رفعت کا صحیح مرقع ہے۔

غلام خاندان سے تھے:

اسلامی معاشرہ میں خواہ وہ غلام ہو یا آزاد ہر شخص کو مساوی طور پر پروان چڑھنے اور ترقی کا موقع حاصل ہوتا ہے اس لیے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ ایک غلام خاندان کے فرزند تھے مگر اسلامی معاشرہ کی مساوات پسندی نے ان کی فطری صلاحیتوں کو پورے طور پر ابھرنے کا موقع دیا یہاں تک کہ وہ بڑے بڑے آزاد علمی خانوادوں کے ارباب فضل وکمال سے بھی سبقت لے گئے اور ان کی یہ غلامی ان کے اعزاز کی کسی راہ میں مانع نہیں ہوئی۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ عرب سے ہیں؟

بڑی بے نیازی سے فرمایا کہ:

''میں عرب نہیں ہوں بلکہ عربوں کا غلام ہوں''۔(۱)

نام ونسب:

۱۵۱ھ میں ولادت ہوئی۔ یحییٰ نام اور ابوزکریا کنیت تھی ان کے والد کا نام معین تھا ان کا وطن بغداد کے مضافات میں موضع نقیا میں تھا یہ عباسی حکمران منصور کے عہد حکومت میں رے کے عامل تھے۔ دنیاوی اعزاز کے ساتھ انہوں نے دولت بھی کافی کمائی جو ان کی وفات کے بعد حضرت یحییٰ بن معین کو ترکہ میں ملی۔

تحصیل علم:

ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے اپنی ساری توجہ علم حدیث کی تحصیل کی طرف مرکوز رکھی اور اس کے لیے اپنی جان ومال کا پورا سرمایہ لگایا۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ اپنے والد کی تمام متروکہ رقم جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ درہم تھی، انہوں نے علمِ حدیث میں صرف کر ڈالی یہاں تک کہ وہ اس قدر مفلس ہو گئے کہ پہننے کے لیے جوتے نہیں رہ گئے۔

شیوخ حدیث:

کسی علم کے حاصل کرنے میں اس علم کے اساتذہ اور ماہرین کی صحبت اور ان سے اکتساب فیض کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ حدیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت کے تمام آئمہ علوم وفن سے مستفید ہوئے تھے۔ چند مشاہیر کے نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

عبدالسلام بن حرب، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن جراح، عبدالرحمٰن بن مہدی، حفص بن غیاث

۱۔　تاریخ ابن بغداد، ج۱۴، ص۱۷۸

سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق، ہشام بن یوسف وغیرہ۔

کتابتِ حدیث:

وہ صرف حدیث کے سماع پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ سنی ہوئی حدیثوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ علی ابن المدینی ذکر کرتے ہیں کہ حدیث کی جتنی کتابت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کی کسی دوسرے محدث نے نہیں کی، خود ابن معین فرماتے تھے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے لاکھوں حدیثیں لکھی ہیں پھر یہی نہیں (۲) (بعض روایتوں میں چھ لاکھ، بعض روایتوں میں بارہ لاکھ اور بعض میں ایک لاکھ کی تعیین کی گئی ہے مگر اس طرح کی تعیین عموما بالکل صحیح نہیں ہوتی اس لیے ہم نے مجملاً لکھا ہے۔)

پھر یہی نہیں کہ سرسری طور پر جس حدیث کو سن لیتے لکھ لیتے بلکہ اس پر کافی غور وخوض کرتے اس غور وخوض میں بعض وقت ایک ایک روایت کو پچاس پچاس مرتبہ لکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے کہ اگر ہم کسی روایت کو بار بار لکھتے اور کاٹتے نہیں تو اس کے مغز سخن کو نہیں سمجھ پاتے۔ (۱)

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کتابت حدیث میں معروف تھے۔

تلامذہ:

تحصیل علم کے بعد وہ اپنا بیشتر وقت رواۃ حدیث کی جرح وتعدیل اور متن حدیث کی صحت وعدم صحت پر غور کرنے میں صرف کرتے تھے اس لیے خود ان کو تحدیث روایت کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ قریب قریب حدیث کی روایت نہیں کرتے تھے۔ (۲)، تاہم ان سے اہل علم کی ایک کثیر تعداد مستفید ہوئی۔ جن مین بڑے آئمہ شامل ہیں مثلا امام احمد بن حنبل، ابوزرعہ رازی۔ ابویعلیٰ الموصلی، امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمھم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی کارنامہ:

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحدیث وروایت بڑی ذمہ داری کا کام تھا اس لیے عہد صحابہ تک اس پر قانونی اور اخلاقی دونوں طرح کی پابندی عائد تھی اس لیے ہر شخص اس کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب کوئی نئی حدیث بیان کی جاتی تو وہ اکابر صحابہ تک سے شہادت طلب کرتے تھے۔ اس قانونی پابندی کے ساتھ صحابہ تک روایت حدیث کی اہمیت اور اس کی ذمہ داری کا احساس بھی عام تھا، یعنی جلیل القدر صحابہ تک اس احساس ذمہ داری کی بناء پر تحدیث روایت سے گریز کرتے تھے کہ مبادا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات نہ منسوب ہو جائے۔ (۳) (یہ احساس ذمہ داری اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر تھا کہ جو شخص میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔)

۱۔ تذکرۃ الحفاظ تہذیب، ج ۱۱، ص ۲۸۲　　۲۔ ایضاً

ان ہی اخلاقی اور قانونی بندشوں کا اثر یہ تھا کہ بہت کم لوگ روایت حدیث کی جرات کرتے تھے مگر بعد میں نہ قانونی گرفت باقی رہی اور نہ وہ پہلا سا اخلاقی اثر ہی رہا۔ پھر رواۃ حدیث کو معاشرہ میں ایک عزوشرف کی نگاہ سے بھی دیکھا جاتا تھا اس لیے اہل اور صاحب کمال لوگوں کے ساتھ بہت سے نااہل بھی اس مجد دشرف میں سہیم وشریک بننے کے لیے اس منصب پر متمکن ہو گئے اور انہوں نے نہایت ہی غیر ذمہ دارانہ طور پر حدیث نبوی کی روایت شروع کر دی، خصوصیت سے پیشہ ور واعظوں اور قصہ گویوں نے گرمئ مجلس کی خاطر نہ جانے کتنی بے سروپا روایتیں بیان کرنی شروع کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار غلط باتیں یا صحیح باتیں غلط طریقہ پر رواج پا کر زبان زد خاص وعام ہو گئیں۔ یہ ایسا فتنہ تھا کہ اگر اس کے سد باب کی فوری طور پر فکر نہ کی جاتی نہ جانے اس کے نتائج کتنے برے نمودار ہوتے۔ حکومت وقت اس فتنہ کو بڑی آسانی سے دبا سکتی تھی مگر اس کو اس کی بہت زیادہ فکر نہیں تھی۔ امت احمدیہ محدثین اور علماء کے احساس سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی، جنہوں نے اپنی خداداد فہم وبصیرت سے اس فتن کی اہمیت کو بروقت سمجھ لیا اور اہمیت وجرأت کر کے مقابلہ کے لیے میدان میں آ گئے یہ کام پہلی صدی کے آخر ہی سے شروع ہو گیا تھا مگر دوسری صدی میں محدثین نے جس کے سرخیل ابن معین رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ باقاعدہ ایک نئے فن کی بنیاد ڈال کر اس فتنہ کا بڑی حد تک سد باب کر دیا۔ اسی فن کو فن اسماء الرجال کہتے ہیں۔ اس میں انہوں نے سندِ حدیث کے کچھ اصول وقوانین مرتب کیے۔ رواۃ کے لیے سیرت و کردار کا ایک معیار مقرر کیا۔ اب جو لوگ اس پر پورے اترتے تھے ان کی روایتیں رد کر دی جاتی تھیں لیکن صرف اصول وقوانین مرتب کر دینے سے بھی اس فتنہ کا پورے طور پر سد باب نہیں ہو سکتا تھا۔ ضرورت تھی کہ ان غلط روایتوں کو جو عوام میں رواج پا چکی تھیں ان میں سے ایک ایک روایت نیز اس کے راوی کو پرکھ کر دیکھا جائے کہ روایت کا کتنا حصہ صحیح اور کتنا غلط ہے۔ وہ راوی ذمہ دار ہے یا غیر ذمہ دار۔

ظاہری بات ہے کہ یہ کام آسان نہ تھا اس کے لیے غیر معمولی فہم وبصیرت اور قوتِ حافظہ کے علاوہ کتاب وسنت سے غیر معمولی ذوق وشغف کی بھی ضرورت تھی چنانچہ خدا نے جب جن بزرگوں سے یہ کام لیا ان کو فہم وبصیرت کے ساتھ ایسا غیر معمولی حافظہ بھی بخشا تھا کہ ان کے حفظ کے واقعات سن کر حیرت ہوتی ہے، ان ہی لوگوں میں ایک اہم شخصیت حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی بھی تھی انہوں نے اس سلسلہ میں جو غیر معمولی محنت ومشقت کی ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔

انہوں نے صحیح اور عدم صحیح روایتوں کی تمیز اور رواۃ حدیث کے سیرت وکردار کے معلوم کرنے میں اپنی پوری ذہنی وعملی قوت صرف کر دی تھی۔ وہ ایک حدیث کو پچاس پچاس (ایک بات کو جب متعدد آدمی بیان کرتے ہیں تو اس میں کچھ نہ کچھ اختلاف تو ضرور ہو جاتا ہے جو لوگ جتنے ذمہ دار ہوتے ہیں وہ اتنی ہی ذمہ داری سے روایت کرتے ہیں اس لیے ہر شخص کا بیان جب سامنے آتا ہے تو صحیح بات معلوم کرنے میں آسانی ہوتی ہے اسی لیے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ یہ کرتے تھے کہ تمام روایتوں کے سلسلوں کو لکھ لیتے تھے پھر کتاب

وسنت کی روشنی میں اپنی بصیرت سے صحیح وغلط ہونے کا فیصلہ کرتے تھے۔) باراس لیے لکھتے تھے کہ ان کے عیوب ونقائص معلوم ہو جائیں۔

وہ واعظوں، کاذب راویوں کی روایتوں کو بھی اس لیے لکھ لیا کرتے تھے کہ ان کی پھیلائی ہوئی غلط روایتوں کے انبار سے صحیح باتیں اخذ کر لی جائیں خود فرماتے ہیں کہ

میں کاذبین کی روایتوں کو لکھ لیتا ہوں اور ان کو تنور میں ڈال کر ان سے پکی پکائی روٹیاں نکال لیتا ہوں۔

مقصد یہ ہے کہ روایت ودرایت کے معیار پر ان روایتوں کا پرکھتا ہوں اس میں جو صحیح ہیں انہیں لے لیتا ہوں اور جو غلط ہیں ان کی غلطی کو واضح کر کے ان کی حدیث نبوی ہونے کی حیثیت کو ختم کر دیتا ہوں۔ علامہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ جو خود اس فن کے امام ہیں، ان کا بیان ہے کہ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بہت سی ملتبس احادیث لائی جاتیں تو سب کی حیثیت کو واضح کر دیتے تھے۔(۱)

جن روایتوں کی غلطی پر بڑے بڑے ائمہ حدیث کی نظر نہیں جاتی تھی یحیٰی بن معین بیک نظر ان کو پا لیتے تھے۔ ابوسعید حداد رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ جب کسی محدث کی خدمت میں جاتے تو اس کی کتابوں میں جو احادیث درج ہوتیں ان کو صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے مگر جب وہی روایتیں ابن معین کے سامنے پیش کی جاتیں تو ان کی نظر فوراً غلطیوں پر پڑ جاتی اور وہ غلطی اتنی باریک ہوتی تھی کہ وہ اگر توجہ نہ دلاتے تو ہم کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا۔

احساس ذمہ داری:

آئمہ رجال کا کام بڑا اہم، نازک اور بڑی ذمہ داری کا ہے اگر وہ کہیں نقد وجرح میں افراط سے کام لیتے ہیں تو ایک طرف راوی پر ناحق کذب بیانی وافتراء پردازی کا الزام عائد ہو جاتا اور دوسری طرف بہت سی احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب یا کم از کم ان کی صحت میں تشکیک پیدا ہو جاتی اور یہ دونوں باتیں دینی نقطہ نظر سے صحیح نہیں تھیں۔ اسی طرح اگر انہوں نے تعدیل وتوثیق میں نرمی اور تفریط سے کام لیا ہوتا تو ایک طرف بہت سے نا اہلوں کی تحدیث روایت کے منصب پر متمکن ہونے کا موقع مل جاتا تو دوسری طرف ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بے شمار غلط باتوں کے شامل ہو جانے کا خطرہ تھا اور یہ دونوں باتیں دین کے حق میں مضر ثابت ہوتیں۔

پھر جرح وتعدیل کی زد میں بسا اوقات وہ علماء ومشائخ تک آ جاتے ہیں جن کی شہرت اور وثاقت پر ایک زمانہ کو اعتماد ہوتا ہے اس لیے اس منصب کے لیے جہاں غیر معمولی علم وفضل فہم وبصیرت اور اہمیت وجرات کی ضرورت تھی وہیں تقویٰ، خشیت الٰہی، احساس ذمہ داری اور بے نفسی کی بھی بہت زیادہ ضرورت تھی ورنہ پھر اس نازک ذمہ داری سے عہدہ برآمد ہونا بہت مشکل تھا۔

۱۔ تہذیب، ج ۱۱ ص ۳۸۸

امام یحییٰ بن معین میں دونوں طرح کے اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے، بڑے بڑے آئمہ سے بھی اگر بیان و روایت میں غلطی ہو جاتی تھی تو وہ ان کی غلطی واضح کیے بغیر نہیں رہتے تھے۔ ابن الرومی کا بیان ہے کہ

''شیوخ حدیث کے بارے میں میں نے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حق بات کہنے والا نہیں دیکھا''۔(۱) مگر اس اظہارِ حق میں ذب عن حدیث الرسول کے علاوہ کوئی دوسرا نفسانی جذبہ نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ دعا فرماتے تھے کہ ''بار الہا اگر میں نے کسی شخص کے اوپر تنقید و جرح کر کے اس کی کذب بیانی واضح کی ہو مگر اس میں وہ بات نہ ہو تو میری مغفرت نہ کرنا۔''(۲)

ظاہر ہے کہ اگر وہ جرح و تعدیل میں احساسِ ذمہ داری کو پورے طور پر ملحوظ نہ رکھتے تو آخرت میں فلاح و مغفرت سے محروم ہو جانے کی دعا بھی نہ کرتے کیونکہ ایک مومن کا سب سے قیمتی سرمایہ یہی ہے۔ جس طرح دوسروں کی روایت قبول کرنے میں محتاط تھے اسی طرح خود بھی روایت کرنے میں حد درجہ محتاط تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ، میں ایک روایت بیان کر دیتا ہوں مگر پھر اس خوف سے رات کو نیند حرام ہو جاتی ہے کہ شاید روایت میں غلطی ہو گئی ہو۔(۳)

فرماتے تھے کہ حدیث کے معاملے میں آدمی کو ''سمح''، یعنی فیاض اور سیر چشم نہیں ہو گا تو کذب بیانی کرے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ حدیث میں آدمی کیسے سمح ہو؟ فرمایا کہ

اذا شكٍ فی الحدیث ترکه۔

''جب کسی حدیث میں شک ہو تو اسے چھوڑ دے''۔

مقصد یہ ہے کہ حدیث کے قبول کرنے میں اگر وہ بہت زیادہ محتاط نہیں رہے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نادانستہ طور پر وہ بہت ہی غلط روایتوں کو صحیح سمجھ کر ان کی تحدیث کرے گا اور اس طرح سے قبول و روایت میں حد درجہ محتاط ہونے کے باوجود کسی راوی کی کوئی غلطی دیکھتے تھے تو اسے حتی الامکان چھپاتے تھے کہ وہ خود اس کو مان لے اگر وہ نہیں مانتا تھا تو پھر اس کی غلطی کو برملا بیان کرتے تھے اور پھر اس کی دوسری روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ

''جب میں کسی شخص کی کوئی غلطی دیکھتا ہوں تو اس کو پوشیدہ رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ حسن و خوبی سے اس کی غلطی اس پر واضح ہو جائے اور کبھی میں ایسے راوی سے ملتا ہوں جس کے چہرے سے مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی غلطی ایسی ہے جس کے اظہار کو وہ پسند نہیں کرتا تو میں اس کی غلطی اس پر واضح کرتا ہوں اگر وہ اپنی غلطی تسلیم کر لیتا ہے تو اس کو اپنے تک محدود رکھتا ہوں ورنہ پھر اس کو متروک قرار دیتا ہوں۔''

۱۔ تہذیب، ج ۱۱، ص ۲۸۴ ۲۔ تاریخ بغداد، ج ۱۱، ص ۱۱۲ ۳۔ تہذیب، ج ۱۱، ص ۲۸۷

آئمہ حدیث کی رائے:

ان کے ان ہی اوصاف وکمالات اور علم وفضل کی بنا پر تمام معاصر ائمہ حدیث ان کی جلالت شان کے قائل تھے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جو روایت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کو نہ معلوم ہو اس کی صحت مشکوک ہے۔(۱)

ایک شخص نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کچھ احادیث بیان کیں اور ان سے پوچھا کہ ان میں کوئی غلطی ہو تو بتا دیجئے، فرمایا کہ علیك بابی زكریا فانه یعرف الخطاء۔(۲)

''ان احادیث کو یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کرو روایات کی غلطیوں کو وہ خوب پہچانتے ہیں۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ یحییٰ بن معین کے ساتھ سماع حدیث کرنے میں یہ فائدہ ہوتا تھا کہ قلب میں کچھ خلش ہوتی تھی نکل جاتی تھی۔

فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا شخص پیدا کر دیا ہے جو کاذبوں کی کذب بیانی ظاہر کر دیتا ہے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ غایت احترام میں اپنی مجلس میں ان کے نام کے بجائے ان کی کنیت ابوزکریا سے ان کا ذکر کرتے تھے۔

حضرت ابوسعید حداد رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ اگر یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نہ ہوتے تو میں حدیث نہ لکھتا مقصد یہ تھا کہ حدیث کی صحت اس زمانے میں اس قدر مشتبہ ہوگئی تھی کہ صحیح اور غلط میں کوئی تمیز باقی نہیں رہ گئی تھی مگر یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں حد فاصل قائم کر دی تھی۔اس لیے اب لکھنے میں کوئی حرج نہیں، علی بن المدینی جو خود امام جرح وتعدیل تھے فرماتے ہیں میں بغداد میں چالیس سال تک مقیم تھا اس مدت میں امام احمد سے مجھ سے برابر حدیث کا مذاکرہ ہوتا تھا، جب کسی حدیث کے بارے میں ہم دونوں میں اختلاف ہوتا تھا تو اسے یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کرتے تھے وہ فوراً حدیث کے مالہ وماعلیہ کو بتا دیتے تھے۔

ان ہی کا قول ہے کہ یحییٰ بن آدم کے بعد علم کے مرکز یحییٰ بن معین ہیں۔

ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ امام احمد بن حنبل، علی ابن المدینی اور ابوبکر بن شیبہ اور یحییٰ بن معین پر علم ختم ہوگیا مگر ان چاروں میں یحییٰ بن معین حدیث کی صحت وسقم کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔(۳)

صالح بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ معاصر آئمہ حدیث میں سب سے زیادہ رجال سے واقف ہیں۔

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے بعض بڑے بڑے آئمہ پر بھی جرح کر دی ہے مگر اس کے معنی یہ نہیں کہ ان کی جرح سے وہ آئمہ مجروح یا متروک قرار دیئے جائیں گے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں بعض ایسی احادیث رواج پا گئیں تھیں کہ جو تھیں تو واقعی ضعیف مگر وہ چونکہ مشہور ومعروف ہوگئی تھیں اور شرعی احکام کے خلاف بھی نہیں تھیں اس لیے ان روایتوں میں بعض آئمہ نے زیادہ احتیاط

۱۔ تہذب، ج ۱۱، ص ۲۸۶　　۲۔ ایضاً، ص ۲۸۳　　۳۔ تہذیب، ج ۱۱، ص ۲۸۳

نہیں کی یا انہوں نے ان کے قبول کرنے میں تسہیل سے کام لیا مگر چونکہ دوسرے آئمہ کے نزدیک ان روایتوں کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صحیح نہیں تھی اس لیے انہوں نے جرح وتنقید کر کے ان کی حیثیت کو واضح کیا اور بہر حال ائمہ بھی انسان ہی تھے معصوم نہ تھے۔ اس لیے ان کی اس غلطی پر جن لوگوں نے ٹوکا انہوں نے بہت ہی اہم کام انجام دیا اس لیے کہ ان آئمہ پر جرح کرنا اس سے بہت کم درجہ کی بات تھی کہ آنحضرت محمد ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔

غرض یہ کہ ان پر جو جرح وتنقید کی گئی وہ اپنی جگہ صحیح تھی مگر اس کی وجہ سے ان کی امامت وجلالت پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ اس سے ان کی کوئی تنقیص ہوتی ہے اور نہ وہ متروک قرار پاتے ہیں، علامہ عبدالبر اور علامہ سبکی نے اس پر بڑی لمبی گفتگو کی ہے یہاں ہم اس کا کچھ خلاصہ درج کرتے ہیں:

''جرح وتعدیل کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی امامت وعدالت عام ہو چکی ہو اور ان کے مادحین کی تعداد زیادہ اور جرح وقدح کرنے والوں کی تعداد بہت کم ہو تو ایسے اشخاص پر جو جرح کی جائے گی وہ قابل التفات نہیں ہے ورنہ اگر یہ راستہ کھول دیا جائے تو پھر آئمہ میں کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکتا''۔

محدثین کا یہ اصول ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔ خصوصیت سے ان لوگوں کے بارے میں جن کی امامت اور جلالت علم پر ایک دنیا کا اتفاق ہو۔

مثلاً ابن ابی ذیب نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر اور ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن صالح رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ پر جرح کی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان ائمہ کے بارے میں یہ اصول کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے بالکل ہی غلط ہے ان کی طرف توجہ نہیں کی جا سکتی۔ (۱)

وفات:

وفات ایسی پائی کہ خدا ہر مسلمان کو نصیب کرے۔ امام نے متعدد حج کیے تھے حج سے فارغ ہو کر مدینۃ النبی ﷺ کا قیام بھی ان کا معمول تھا ۲۳۳ھ میں آخری بار یہ موقع نصیب ہوا تو حسب معمول حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔ دیار حبیب ﷺ کی زیارت کے بعد واپس ہونا چاہتے تھے مگر جوار نبی کا شرف ہمیشہ کے لیے ان کی قسمت میں مقدر تھا اس لیے پھر رک گئے ابھی چند ہی دن گزرے تھے پیغام اجل آ پہنچا۔

مدینہ میں جب آپ کی وفات کی خبر عام ہوئی تو جنازہ میں شرکت کے لیے ایک مخلوق ٹوٹ پڑی سب سے بڑی سعادت یہ نصیب ہوئی کہ آپ کا جنازہ اسی تابوت میں اٹھایا گیا جس میں آنحضرت محمد ﷺ کا جسد مبارک اٹھایا گیا۔ جس وقت آپ کا

۱۔　طبقات الشافعیہ، ج ۱، ص ۱۸۸

جنازہ اٹھایا گیا تو لوگوں کی زبان پر عام طور پر جملہ تھا کہ

''یہ اس شخص کا جنازہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو کذب بیانی سے بچاتا تھا۔'' جنۃ البقیع جہاں ہزاروں گنج ہائے گراں مایہ مدفون تھے اسی میں آپ بھی سپردِ خاک کیے گئے۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة۔

بہت سے لوگوں نے آپ کا مرثیہ کہا۔(۱)

۵۔عمرو بن منصور: راجع: ۱۴۷

۶۔الحسن بن عبید اللہ:

آپ کا نام ابو عروہ الحسن بن عبید اللہ بن عروہ نخعی کوفی (م:۱۳۹) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، فاضل راوی ہیں۔ اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام مسلم، اور آئمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۷۔ابراہیم بن یزید: راجع: ۱۱۸

۸۔یزید بن اوس:

آپ کا نام یزید بن اوس ہے، آپ روایت کے چوتھے طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام ابو داؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے تین احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۳)

۹۔ثابت بن قیس:

آپ کا نام ابو المنقع ثابت بن قیس نخعی کوفی ہے، آپ روایت کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، آئمہ صحاح ستہ میں سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ ہے۔(۴)

۱۰۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ: راجع: ۳۱۹

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت ثمانیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ سترویں (۱۷) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے اکثر راوی ثقہ اور بعض صدوق ہیں۔

۱۔ سیر الصحابہ: ج ۸، ص ۳۱۵۔۳۲۳ ۲۔ i۔تاریخ الثقات، ص ۱۱۵ ii۔الجرح والتعدیل، ج ۳، ص ۲۳

۳۔ i۔تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۳۷۱ ii۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج ۶، ص ۲۹۷

☆ سند میں تین تابعی (ابراہیم، یزید، ثابت) راوی ہیں، جو کہ ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

☆ حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ دو شیوخ حضرت ابراہیم بن یعقوب اور حضرت عمرو بن منصور رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے۔

☆ سند میں دو جگہ تحویل ہے، جو کہ سند کی تقویت کا باعث ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ، انبانا، دو دفعہ حدثنا، چھ دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

☆ سند میں ''عن ابی موسیٰ یرفعہ'' آیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے، البتہ راوی کو بعینہ وہ الفاظ یاد نہیں رہے۔

٦۔لغات:

ابردوا: تم ٹھنڈا کرو۔یعنی ٹھنڈے وقت کا انتظار کرو۔ الظهر: ظہر کی نماز، سورج ڈھلنے کا وقت

تجدون: تم پاتے ہو، تم محسوس کرتے ہو۔ الحر: گرمی:

فيح: جوش: جهنم: دوزخ

آخِرُ وَقْتِ الظُّهْرِ باب ٦: ظہر کا آخری وقت

نمازِ ظہر کا آخری وقت اور نمازِ عصر کا ابتدائی وقت اس میں فقہاء اسلام کا اختلاف ہے، اور یہ مسئلہ فقہاء کے مابین معرکۃ الآراء مسائل میں سے ہے۔آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے (سوائے سایہ اصلی) پر ہے، جبکہ فقہاء احناف میں سے صاحبین (امام ابو یوسف، امام محمد) اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ موقف ہے، البتہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے پر ختم ہوتا ہے، فقہاء احناف کے نزدیک یہی موقف راجح اور مفتی بہ ہے۔ اور صدیوں سے علماء احناف اور عوام کا اسی پر عمل ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف آئمہ ثلاثہ والا ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں گرمیوں میں ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا بیان تھا، اور اس باب میں ظہر کے آخری وقت کا بیان ہے۔ظہر کے اوقات میں یہ پانچواں باب امام نسائی نے قائم فرمایا ہے۔

۵۰۱ـ أَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، قَالَ :أَنْبَأَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَذَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَاءَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ، فَصَلَّى الصُّبْحَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ، وَصَلَّى الظُّهْرَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِينَ رَأَى الظِّلَّ مِثْلَهُ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَحَلَّ فِطْرُ الصَّائِمِ، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ حِينَ ذَهَبَ شَفَقُ اللَّيْلِ ، ثُمَّ جَاءَهُ الْغَدَ فَصَلَّى بِهِ الصُّبْحَ حِينَ أَسْفَرَ قَلِيلًا، ثُمَّ صَلَّى بِهِ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ الظِّلُّ مِثْلَهُ، ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِينَ كَانَ الظِّلُّ مِثْلَيْهِ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِوَقْتٍ وَاحِدٍ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَحَلَّ فِطْرُ الصَّائِمِ، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ حِينَ ذَهَبَ سَاعَةٌ مِنَ اللَّيْلِ ، ثُمَّ قَالَ :الصَّلَاةُ مَا بَيْنَ صَلَاتِكَ أَمْسِ وَصَلَاتِكَ الْيَوْمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ حضرت جبریل امین ہیں جو تمہیں دین سکھلانے آئے ہیں۔ پھر انہوں نے صبح صادق (مشرق کی جانب چوڑائی میں روشنی پھیلنے کا وقت) کے ظاہر ہونے پر فجر کی نماز پڑھائی، پھر سورج کے ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھائی۔ اور عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا، پھر سورج غروب ہونے پر مغرب کی نماز پڑھائی اور جب رات کی سرخی غائب ہو گئی تو عشاء کی نماز پڑھائی، پھر اگلے دن حضرت جبرائیل امین دوبارہ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فجر کی نماز اجالا میں پڑھائی اور ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا، پھر عصر کی نماز ہر چیز کے سایہ دو گنا ہونے پر پڑھائی، پھر مغرب کی نماز اسی وقت پر پڑھائی یعنی جب سورج غروب ہو گیا، اور روزے کھولنے کا وقت ہو گیا، پھر عشاء کی نماز اس وقت پڑھائی جب رات کا ایک حصہ گذر گیا، پھر فرمایا: ہر نماز کا وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل اور آج کی نماز کا درمیانی وقت ہے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس درمیانی حصہ میں ہے:

پھر ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی، جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔

۲۔اطراف:

مستدرک حاکم: ۷۱۹۔۷۲۳، ترمذی: ۱۵۱، مؤطا امام مالک: ج۱ص ۸، احمد: ۷۱۷۵، السنن الکبریٰ (بیہقی)، ج۱، ص

۳۷۵، السنن الکبریٰ (نسائی)، ۱۴۹۳، تحفۃ الاشراف: ۱۵۰۸۵

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ الحسین بن حریث: راجع: ۵۲ — ۲۔ الفضل بن موسیٰ: راجع: ۴۶۲

۳۔ محمد بن عمرو: راجع: ۱۷ — ۴۔ ابوسلمہ: راجع: ۱۶۱

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۱۰

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ اس سند سے حسن اور دیگر شواہد ومتابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سواناسی (۱۷۹) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں، البتہ حضرت محمد بن عمرو صدوق ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے آئمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ البتہ حضرت حسین بن حریث سے امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ کے بھی سرخیل ہیں، اور آپ سے پانچ ہزار تین سو تہتر (۵۳۷۳) احادیث مبارکہ مروی ہیں

☆ سند میں الفاظ روایت، اخبرنا انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

هذا جبريل:	یہ حضرت جبریل امین ہیں۔	جاء كم:	وہ تمہارے پاس آئے۔
يعلمكم:	وہ تمہیں سکھلاتے ہیں۔	دينكم:	تمہارا دین۔
فصلى الصبح:	صبح کی نماز پڑھائی۔	حين:	جب
طلع الفجر:	فجر طلوع ہوئی، یعنی مشرق پر چوڑائی میں روشنی پھیلی۔		

صلى الظهر:	نمازِ ظہر پڑھائی۔	زاغت الشمس:	سورج ڈھل گیا۔
صلى العصر:	نمازِ عصر پڑھائی۔	حين راى:	جب وہ دیکھے
الظل:	سایہ	مثله:	اس کے برابر، ایک مثل اس کی
صلى المغرب:	نمازِ مغرب پڑھائی۔	غربت الشمس	سورج غروب ہوگیا۔
صلى العشاء:	نمازِ عشاء پڑھائی۔	هين ذهب:	جب وہ چلی گئی۔ وہ غائب ہوگئی
شفق:	سرخی۔	الغد:	کل۔ اگلے دن
اسفر قليلا:	تھوڑا اجالا۔ تھوڑی روشنی	مثليه:	اس کے دوگنا۔ اس کی دو مثل
وقت واحد:	ایک ہی وقت۔ اسی وقت	حل:	حلال ہوگیا۔ جائز ہوگیا۔
فطر الصائم:	روزہ رکھنے والے کا روزہ کھولنا۔	ساعة من الليل:	رات کا ایک حصہ۔ ایک پہر
امس:	کل گذرا ہوا۔	اليوم :	آج

۵۰۲۔أَخْبَرَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْأَذْرَمِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ سَعْدِ بْنِ طَارِقٍ، عَنْ كَثِيرِ بْنِ مُدْرِكٍ، عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ :كَانَ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلَاثَةَ أَقْدَامٍ إِلَى خَمْسَةِ أَقْدَامٍ، وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ أَقْدَامٍ إِلَى سَبْعَةِ أَقْدَامٍ

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں:
حضور اکرم ﷺ کی نمازِ ظہر گرمیوں میں تین سے پانچ قدم (سایہ) اور سردیوں میں پانچ سے سات قدم (سایہ) کی مقدار میں ہوئی۔

ا۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے گرمیوں میں سایہ اصل کے علاوہ ایک مثل تک کی مقدار پانچ قدم تک ہے، اور یہ مقدار سردیوں میں سات قدم تک ہے، جس سے واضح ہوا کہ آپ ﷺ ظہر میں زیادہ سے زیادہ تاخیر سایہ اصل کے علاوہ ایک مثل تک فرماتے تھے۔ اور آئمہ ثلاثہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت ہے۔ یہی امر باب کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد: ۴۰۰، السنن الکبریٰ: ۱۴۹۲، تحفۃ الاشراف: ۹۱۸۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت ابوعبدالرحمان اور کثیر بن مدرک کے حالاتِ زندگی صفحہ قرطاس پر منتقل کیے جا رہے ہیں۔

ا۔ابوعبدالرحمان عبداللہ بن محمد اذرمی:

آپ کا نام ابوعبدالرحمان عبداللہ بن محمد بن اسحاق جزری اذرمی موصلی ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد اور امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۲۔عبیدہ بن حمید: راجع:۱۳۰ **۳۔ابومالک اشجعی:** راجع:۱۴۹

۴۔کثیر بن مدرک:

آپ کا نام ابومدرک کثیر بن مدرک اشجعی کوفی ہے آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں مسلم، ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں۔سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۲)

۵۔اسود بن یزید: راجع:۲۳۴ **۶۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ:** راجع:۳۰۶

حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ اس سند سے حسن اور دیگر شواہد و متابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دو سو چھ (۲۰۶) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔البتہ حضرت عبیداللہ بن حمید صدوق ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی اذرمی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆ یہ بڑوں کی چھوٹوں سے روایت ہے، کیونکہ حضرت سعد بن طارق تابعی ہیں، اور حضرت کثیر بن مدرک تبع تابعی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۵، ص۱۶۱ ii۔ الثقات، ج۸، ص۳۶۱

۲۔ i۔الثقات، ج۷، ص۳۴۹ ii۔تاریخ الثقات، ص۳۹۶

۶۔لغات:

قدر:	مقدار۔ برابر	صلاة رسول الله ﷺ :	حضور اکرم ﷺ کی نماز
الصیف:	گرمی	خمسة اقدام:	تین قدم
الشتآء:	سردی	سبعة اقدام:	سات قدم

۷۔مسائل ونصائح:

نماز ظہر کا ابتدائی وقت سورج ڈھلنے کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، ظہر کا آخری وقت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل تک ہے، جبکہ آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل تک ہے، علماء احناف کے ہاں راجح اور مفتی بہ قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ایک مثل سے دو مثل تک کے وقت مہمل بھی ہے۔ اس لیے نماز ظہر کا آخری وقت ان مسائل میں سے ہے، جو دلائل کے لحاظ سے فقہاء کے درمیان معرکۃ الآراء مسائل ہیں۔ اس لیے اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

وقت کی تعریف:

۱۔　تعریف کا معنی کسی چیز کے لیے زمانہ کی مقرر مقدار ہے، کسی چیز کے لیے کوئی وقت مقرر کر دیا جائے تو کہا جاتا ہے: ''وقتہ توقیتا'' اوقاتِ نماز: وہ زمانے ہیں جو شریعت نے نماز کی ادائیگی کے لیے مقرر کر دیے ہیں، لہذا وقت نماز کے وجوب کا سبب ہے، اس سے پہلے درست نہیں، اور وقت نکلنے کے بعد وہ قضا ہو گی (۱)

مقررہ اوقات والی نمازوں کی اقسام:

۲۔　حنفیہ کے یہاں مقرر اوقات والی نمازوں کی تین قسمیں ہیں:

قسم اول: فرض نمازیں یعنی پانچوں نمازیں

قسم دوم: واجب نمازیں، اور یہ وتر اور عیدین ہیں۔

قسم سوم: سنت نمازیں، مثلاً پانچویں نمازوں سے قبل اور بعد کی سنتیں۔

جمہور کے یہاں فرض اور واجب میں فرق نہیں ہے، اور وتر جمہور کے یہاں سنت ہے، اسی طرح عیدین کی نمازیں مالکیہ وشافعیہ کے یہاں سنت ہیں جب کہ حنابلہ کے یہاں فرض کفایہ ہیں۔

۱۔　المصباح مادہ ''وقت'' الطحطاوی، ص ۹۳

فرض نمازوں کے اوقات:

ان اوقات کی مشروعیت کی دلیل:

۲۔ ان اوقات کی مشروعیت کی دلیل کتاب اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ (17) وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ (18)

سواللہ کی تسبیح کیا کرو شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی، اور آسمانوں اور زمین میں حمد اسی کی ہوتی ہے، اور بعد زوال بھی اور ظہر کے وقت بھی۔(۱)

بعض مفسرین نے کہا: یہاں تسبیح سے مراد نماز ہے، یعنی شام کے وقت نماز پڑھو، اور اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں، اور ''حین تصبحون'' سے مراد نماز فجر ہے، اور ''عشیا'' سے مراد نماز عصر ہے اور ''حین تظهرون'' سے مراد ظہر ہے۔(۱)

اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً (۲)

(نمازوں کو ادا کیا کیجئے آفتاب ڈھلنے (کے بعد) سے رات کے اندھیر ہونے تک، اور صبح کی نماز بھی، بے شک صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے)

حدیث شریف میں نماز کے اوقات کا بیان ہے، جیسا کہ حضرت جبرائیل کی امام والی حدیث ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: امتی جبریل عند البیت مرتین ، فصلی الظهر فی الاولیٰ منهما حین کان الفیء مثل الشراك ، ثم صلی العصر حین کان کل شی مثل ظلله ، ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس افطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب السنفق ، ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم ، وصلی المرة الثانية الظهر حین کان ظل کاشئی مثله لوقت العصر بلاء مس ثم صلی العصر حین کان ظل کل شئی مثلیه ، ثم صلی المغرب لو قته الاول ، ثم صلی العشاء الاخراة حین ذهب ثلث اللیل ، ثم صلی الصبح حین اسفرت الا رض الارض ، ثم التفت الی جبریل وقال :یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلك ، والوقت فیما بین هذین الوقتین''(۳)

۱۔ احکام القرآن للقرطبی، ج۱۴،ص۱۴ ۲۔ سورہ اسراء:۷۸

۳۔ سنن ترمذی، ج۱،ص ۲۷۸۔۲۸۰ طبع الحلبی، نصب الرایہ، ج۱،ص۲۲۱، جامع الاصول، ج۵،ص۲۰۹۔۲۱۰

(حضرت جبریل نے بیت اللہ کے قریب دو بار میری امامت کی، پہلی بار ظہر کی نماز اس وقت ادا کی جب سایہ اصلی جوتے کے تسمہ کے مانند تھا، پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو چکا تھا، پھر مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جب آفتاب غروب ہو چکا تھا، اور روزہ کے افطار کا وقت آچکا تھا، پھر جب شفق ختم ہو تو عشاء کی نماز پڑی، پھر صبح طلوع ہونے کے بعد فجر کی نماز پڑھی، اور یہ وہ وقت تھا جب سے روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ اور دوسری بار حضرت جبریل نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا تھا گویا پہلے دن جس وقت عصر پڑھی تھی، پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو مثل ہو چکا تھا، پھر مغرب کی نماز اسی وقت ادا کی جس وقت پہلے دن ادا کی تھی (یعنی آفتاب کے غروب ہونے کے بعد) پھر عشاء کی نماز تہائی رات گزر جانے کے بعد پڑھی، پھر فجر کی نماز اس وقت پڑھی جب زمین روشن ہو گئی، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے محمد! آپ سے پہلے انبیاء کا یہ وقت ہے اور ان دونوں وقتوں کے درمیان جو اوقات نماز آئے ہیں وہ نماز کے اوقات ہیں)۔

فرض نمازوں کے اوقات کی تعداد:

۴۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ فرض نمازوں کی تعداد کے برابر ان کے اوقات کی تعداد بھی پانچ ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو نقل کیا گیا ہے کہ وتر فرض ہے، تو اوقات کی تعداد چھ ہو جائے گی، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ان کے یہاں وتر واجب ہے، اور واجب کا درجہ فرض سے کم ہے۔(۱)(۲)

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف احناف کے بارے میں تسامح:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ احناف کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ ظہر کا وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل (سوائے سایہ اصلی کے) ہونے تک رہتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ فقہاء احناف کے ہاں راجح اور مفتی بہ قول امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور وہ ہر چیز کا سایہ دو مثل (سوائے سایہ اصلی کے) تک ہے ہم پہلے پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف لکھتے ہیں، اور پھر اس کے بعد فقہاء احناف کا راجح اور مفتی بہ قول تحقیق کے ساتھ لکھیں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ ظہر کے وقت کے بارے میں آئمہ اربعہ کا موقف لکھتے ہیں:

ظہر کا وقت:

سورج کے زوال کے بعد سے ہر چیز کا سایہ اس کے سایہ اصلی کے علاوہ اس کے برابر ہو جانے تک رہتا ہے یہ صاحبین کی رائے ہے جس پر احناف کے ہاں فتویٰ ہے اور ائمہ ثلاثہ کا قول بھی یہی ہے۔ اور ظاہر الروایہ کے مطابق جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۔ بدائع الصنائع، ج۱، ص۱۲۳ ۲۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج۷، ص۲۳۷۔۲۳۹

کا قول ہے، اس کا آخری وقت اس وقت تک ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے دو چند (ڈبل) ہو جائے تاہم چونکہ یہ وقت بالا تفاق عصر کا ہے اس لیے ظہر کی نماز کو اس سے قبل ادا کر لینا چاہیے، کیونکہ عبادات کے بارے میں احتیاط کا پہلو اپنانا چاہیے۔

زوال شمس کا مطلب یہ ہے کہ سورج کا بیچ آسمان سے ڈھلنا اور سورج کے وسط آسمان تک پہنچنے کو وقت استواء کہا جاتا ہے۔ اور جب سورج مشرق جہت سے مغربی جہت کی طرف بڑھتا ہے تو زوال متحقق ہو جاتا ہے۔

زوال کو اس طرح پہچانا جا سکتا ہے کہ انسان کی قامت یا کوئی ستون یا لکڑی وغیرہ ہموار زمین پر کھڑی کر دی جائے اس کا سایہ اگر گھٹ رہا ہو تو یہ زوال سے قبل کا وقت ہے اور اگر سایہ ٹھہر جائے گھٹے بڑھے نہیں تو یہ استواء کا وقت ہے، اور جب سایہ بڑھنا شروع ہو جائے تو اس کا مطلب ہے کہ زوال ہو چکا ہے۔

تو جب کسی چیز کے اصلی سائے (یعنی وہ سایہ جو اس چیز کے حالت استواء شمس کے وقت تھا) سے اس کا سایہ بڑھ جائے یا سورج مغربی جانب ڈھلنا شروع ہو جائے تو ظہر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا وقت کسی چیز کے سائے کے اس چیز کی طرح مقدار اور لمبائی میں ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ سایہ جو اس چیز کے برابر ہوگا اس میں یہ ضروری ہے کہ وہ اس چیز کے اس سائے سے زائد ہو جو اس کا اصلی سایہ ہے یعنی جو استواء کے وقت تھا۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو نماز دوسرے دن اس وقت پڑھائی تھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بات قوی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کے بڑھنے سے ہوتی ہے۔ (۱)

اور ان علاقوں میں شدید گرمی اس وقت ہوتی ہے جب ہر چیز کا سایہ اس کے ہم مثل ہوتا ہے اور ظہر کے وقت کی ابتداء کی دلیل ان تمام حضرات کے ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ (۲) (۳) اور نماز قائم کرو سورج کے ڈھل جانے پر۔

نماز ظہر کا وقت فقہاء اور احناف کا موقف اور دلائل:

علامہ ابوبکر علاؤالدین کاسانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نماز ظہر کا وقت:

نماز ظہر کا وقت بالاتفاق سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت محمد ﷺ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''ظہر کی نماز کا وقت سورج کے زوال سے شروع ہوتا ہے'' اور جہاں تک اس کے آخری

۱۔ نصب الرایہ، ج ۱ ص ۱۲۲۸۔　۲۔ بنی اسرائیل: ۷۸　۳۔ الفقہ الاسلامیہ وادلتہ، ج ۱ ص ۴۴۱۔۴۴۲

وقت کا تعلق ہے تو اس کا ظاہر روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں مختلف روایات مروی ہیں: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ان سے نقل فرماتے ہیں کہ اس کا آخری وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ ہر شئی کا سایہ اصلی سائے کے علاوہ، اس کے مساوی نہ ہو جائے الاصل کی روایت میں یہ مذکور ہے کہ ''عصر کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر شئی کا سایہ اس سے دو چند ہو جائے اور اس میں ظہر کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب ہر شئی کا سایہ اس سے دو چند ہو جائے اور اس میں ظہر کی نماز کے آخری وقت کا ذکر نہیں کیا گیا، حسن رحمۃ اللہ علیہ، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ اس کا آخری وقت اس وقت تک رہتا ہے کہ جب تک ہر شئی کا سایہ، اصلی سائے کے سوا اس شئی کے مساوی (ایک مثل) نہ ہو جائے، یہی امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ، حسن رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے اور اسد بن عمرو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ ظہر کی نماز کا وقت ختم تو بیشک اس وقت ہو جاتا ہے، جب ہر شئی کا سایہ اس کے مساوی (مثل) ہو جائے، مگر عصر کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے، جب کہ ہر شئی کا سایہ اس کے مساوی (مثل) ہو جائے مگر عصر کی نماز کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے کہ جب ہر شئی کا سایہ دوگنا ہو جائے، اس روایت کی رو سے ظہر اور عصر کے درمیان مہمل وقت ہوتا ہے، جیسے فجر اور ظہر کے درمیان مہمل وقت ہونا مسلم ہے، ان میں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح روایت وہ ہے جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے، اس لیے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''ظہر'' کی نماز کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے، جب عصر کی نماز کا وقت شروع ہو جائے'' جس سے دونوں کے درمیان مہمل وقت کی نفی ہوتی ہے۔

پھر سورج کے ڈھلنے کی تفصیل جاننا بھی ضروری ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ زوال آفتاب کی تعریف یہ ہے کہ (مثلاً مشرقی ممالک میں) اگر کوئی شخص قبلے کی جانب رخ کر کے کھڑا ہو جائے تو جب سورج اس کی بائیں جانب سے نیچے کی طرف مائل ہو جائے تو زوال شروع ہو جاتا ہے لیکن اس بارے میں سب سے صحیح قول محمد بن شجاع البلخی کا ہے کہ اس کے لیے ایک سیدھی لکڑی عموداً ہموار زمین میں گاڑ دی جائے، اور جہاں اس کا سایہ ہو وہاں کوئی نشان لگا دیا جائے، تو جب تک سایہ اس نشان سے گھٹتا رہے اس وقت تک زوال کا وقت رہے گا پھر جب سایہ ایک جگہ آ کر ٹھہر جائے کہ نہ تو بڑھے اور نہ کم ہو تو یہ استواء) کا وقت ہوگا، اور پھر جب سایہ اس نشان سے (دوسری جانب بڑھنے لگے، تو اب آفتاب ڈھل جاتا ہے، تو جب سورج کا ڈھلنا محسوس ہو، تو جہاں سے سایہ بڑھنا شروع ہوا ہے وہاں نشان لگایا جائے تو اس نشان سے لکڑی تک کا ''سایہ تو سایہ ہو گا'' اور جب سایہ مذکورہ نشان سے بڑھ کر دو چند ہو جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا وقت ختم اور عصر کا وقت شروع ہو جائے گا، اور جب اس کا سایہ اس نشان سے لے کر لکڑی کے مساوی ہو جائے تو باقی ائمہ کے ہاں ظہر کا وقت ختم ہو کر عصر کی نماز کا وقت شروع ہو جائے گا۔ باقی آئمہ کی دلیل حضرت جبرائیل کی امام والی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

حضرت جبرائیل نے دو مرتبہ مجھے نماز پڑھائی، پہلے دن انہوں نے مجھے ظہر اس وقت پڑھائی، جب ابھی سورج ڈھلا ہی تھا اور عصر اس وقت پڑھائی، جب ہر شئی کا سایہ اس کے مساوی ہو گیا، اور مغرب اس وقت پڑھائی جب ابھی سورج غروب ہوا ہی تھا عشاء اس وقت جب شفق ڈوبی ہی تھی اور فجر اس وقت جب صبح صادق ابھی نمودار ہوئی ہی تھی اور دوسرے انہوں نے مجھے ظہر اس وقت پڑھائی جب ہر شئی کا سایہ اس کے مساوی ہو چکا تھا، اور عصر اس وقت پڑھائی جب ہر شئی کا سایہ اس کے مساوی ہو گیا مغرب اس وقت پڑھائی جب ابھی سورج غروب ہوا ہی تھا اور عشاء اس وقت جب شفق ڈوبی ہوئی تھی اور فجر اس وقت جب صبح صادق ابھی نمودار ہوئی ہی تھی اور دوسرے انہوں نے مجھے ظہر اس وقت پڑھائی جب ہر شئی کا سایہ اس کے مساوی ہو چکا تھا، اور عصر اس وقت پڑھائی جب ہر شئی کا سایہ اس سے دوگنا ہو گیا تھا اور مغرب اسی وقت پڑھائی جس وقت کہ پہلے دن پڑھائی تھی اور عشاء دو تہائی رات گزرنے کے بعد اور فجر اس وقت جب صبح کی روشنی اچھی طرح نمودار ہو چکی تھی اور پھر فرمایا: نماز کا وقت ان ہی دو اوقات کے مابین ہے''

اس حدیث سے مذکورہ ائمہ دو طرح سے استدلال کرتے ہیں، اولاً اس طرح کہ حضرت جبرائیل نے پہلے دن آپ کو نماز عصر اس وقت پڑھائی جب ہر شئی کا سایہ اس کے ہم مثل ہو گیا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ، جب ہر شئی کا سایہ اس کے مساوی ہو جائے تو اس وقت لامحالہ طور پر ظہر کی نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور ثانیاً اس طرح کہ حضرت جبرائیل کی دوسرے دن کی امامت نمازوں کے اوقات کی اختتامی حدود واضح کرنے کے لیے تھی تو اس دوسرے دن بھی آپ نے نماز ظہر کو سایہ کے دوچند ہو جانے تک مؤخر نہیں فرمایا۔ تو اس سے بھی یہ پتہ چلا کہ نماز ظہر کا آخری وقت وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس روایت سے ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

''تمہاری اور تم سے پہلی امتوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے کوئی مزدور اجرت پر حاصل کرنا چاہا، اور کہا'' کہ کون ہے جو میرے ہاں ''فجر سے ظہر تک'' ایک قیراط پر مزدوری کرے گا، تو یہودیوں نے اس عرصے کے لیے مذکورہ اجرت پر کام کیا، پھر کہا کہ'' کون ہے جو میرے لیے ظہر سے عصر کے وقت تک ایک قیراط پر مزدوری کرے گا تو عیسائیوں نے اس عرصے میں مزدوری کی۔ پھر کہا کون ہے جو عصر سے مغرب تک میرے لیے دو قیراط پر مزدوری کرے گا، تو تم (امت محمدیہ) نے اس آواز پر لبیک کہا، تو تمہارا وقت سب سے کم، لیکن اجرت سب سے زیادہ ہے'' تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ عصر کی نماز کا وقت ظہر کی نماز کے وقت سے کم ہوگا اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو تسلیم کیا جائے'' نیز ارشادِ نبوی ہے ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فيح جهنم: ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی گرمی سے ہے۔

اور نماز ظہر کا وقت اسی وقت ٹھنڈا ہوتا ہے جب ہر شئی کا سایہ اس سے دوچند ہو جائے۔ اس لیے کہ ایک مثل سایہ ہونے

تک بالخصوص عرب ملکوں میں گرمی کی شدت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ علاوہ ازیں اس لیے بھی کہ جب دونوں دلائل میں تعارض ہو گیا تو اس سے عصر کی نماز کے وقت کا اثبات مشکل ہو جائے گا، اس لیے کہ تعارض پیش آنے کا مقام تو شک کا مقام ہوتا ہے اور جو چیز پہلے سے ثابت شدہ نہ ہو وہ شک سے ثابت نہیں ہوتی اور اگر یہ کہا جائے کہ اس شک سے تو ظہر کی نماز کے وقت کا رہنا بھی مشکوک ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسد بن عمرو کی روایت کی رو سے ہی کہتے ہیں "کہ دونوں کے مابین مہمل وقت ہوتا ہے، اس طرح انہوں کے ان روایات کے یقینی پہلو پر عمل کیا ہے، اور ثانیاً یہ کہ جو شئی یقینی طور پر ثابت ہو جائے وہ شک کی بنا پر باطل نہیں ہوتی اور جو شئی پہلے سے ثابت شدہ نہ ہو وہ محض شک سے ثابت نہیں ہوتی، اور حضرت جبریل کی امامت والی حدیث زیر بحث مسئلے پر منسوخ ہے، اس لیے کہ اس میں مروی ہے کہ انہوں نے دوسرے دن میں اس وقت آپ کو نمازِ ظہر پڑھائی جس وقت پہلے دن انہوں نے نمازِ عصر پڑھائی تھی حالانکہ بالا جماع ان دونوں نمازوں کا وقت باہم مختلف (متغایر) ہے لہذا یہ حدیث اس متنازع فیہ مسئلے میں منسوخ تصور ہوگی۔ اس حدیث کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں جو ہر شئی کے سائے کے ہم مثل ہونے کے وقت، پہلے (ان نمازِ ظہر پڑھانے کا ذکر آیا ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ "سایہ کے مساوی ہونے کے بعد آپ کو عصر پڑھائی گئی اور دوسرے دن میں سایہ اصلی کے ہم مثل ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ دوسرے دن آپ کو ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی گئی جب ہر شی کا سایہ اس کے مساوی ہونے کے قریب تھا یعنی مساوی ہونے سے قبل تو اسے اس کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں، اس لیے کہ اس سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غفلت اور دونوں کے اوقات میں عدم تمیز کی نسبت ہوتی ہے۔ یا شریعت کی تبلیغ اور دو مختلف معاملات کو بلا ضرورت یکساں قرار دینے کا گمان باطل پیدا ہوتا ہے اور اس بات کا بھی کہ آپ نے دو مسائل کو بغیر بیان یا کسی ایسی دلیل کے بغیر مبہم چھوڑ دی ہے جس سے ان دو مسائل کے مابین فرق معلوم کیا جاسکتا ہو حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس قسم کا وہم بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظل اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہو جائے وقتِ عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آجاتا ہے اگرچہ بعض کتب فتاویٰ وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی وفیض کرکی و در مختار میں قول صاحبین کو مرجح بتایا مگر قول امام ہی احوط واضح اور از روئے دلیل ارجح ہے عموماً متون مذہب قول امام پر جزم کیے ہیں عامہ اجلہ شارحین نے اسے مرضی ومختار رکھا اور اکابر آئمہ ترجیح وافتا بلکہ جمہور پیشوایان مذہب نے اس کی تصحیح کی امام (۲) ملک العلما ابوبکر مسعود نے بدائع اور امام سرخسی (۳) نے محیط میں فرمایا: هوالصحیح (یہی صحیح ہے) امام اجل قاضی خان (۴)

۱۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۱، ص ۴۲۰۔۴۲۳ ۲۔ ردالمحتار، ج ۱، ص ۵۰ ۳۔ البقرہ ۲: ۱۴۸

۴۔ بحرالرائق بدائع، ج ۱، ص ۲۴

نے اسی کو تقدیم دی اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو اظہر من حیث الدرایۃ اور اشہر من حیث الروایۃ ہو(١) کما نص علیہ فی خطبۃ الخانیۃ جیسا کہ خانیہ کے خطبہ میں یہ بات صراحۃً مذکور ہے) اور وہی قول معتمد ہوتا ہے کہ کما فی الطحطاوی والشامی (جیسا کہ شامی اور طحاوی میں ہے۔) یونہی امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسے تقدیم دی امام اجل برہان الدین صاحب ہدایہ نے ہدایہ اور امام اجل ابوالبرکات نسفی نے کافی اور امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کی دلیل مرجح رکھی، امام اجل محبوبی نے اسی کو اختیار فرمایا: امام صدرالشریعۃ نے اسی پر اعتماد کیا وہ چند متاخرین اعنی مصنفین برہان وفیض و درمختار ان اکابر میں ایک کی بھی جلالت شان کو نہیں پہنچتے، فتاویٰ غیاثیہ وجواہر اخلاطی میں فرمایا: ھو المختار (یہی مختار ہے) علامہ قاسم نے تصحیح قدوری میں اسی کی تحقیق کی امام سمعانی نے خزانۃ المفتین میں اسی پر اقتصار فرمایا قول خلاف کا نام بھی نہ لیا امام محمود عینی نے اسی کی تائید فرمائی، ملتقی الابحر میں اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو ارجح ہو کما ذکر فی خطبۃ (جیسا کہ اس کے خطبے میں ذکر کیا گیا ہے) اور وہی مختار للفتویٰ ہوتا ہے کما فی شرحہ مجمع الانہر (جیسا کہ اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے۔(٢)

مراقی الفلاح میں ہے ھو الصحیح و علیہ جل المشایخ والمتون (٣)

(یہی صحیح ہے اور اسی پر بزرگ مشائخ و متون مذہب ہیں) طحاوی علی المراقی میں ہے صحیح مصور اھل المذہب (٣) مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی (جمہور آئمہ مذہب نے اسی کی تصحیح فرمائی) نقایہ میں روایت خلاف کی تضعیف فرمائی شرح المجمع للمصنف میں ہے انہ المذہب واختارہ اصحاب المتون وارتضاہ الشارحون (٤)

(مذہب یہی ہے اور اسی کو اصحاب متون نے اختیار فرمایا اور اسی کو شارحین نے مرضی و پسندیدہ رکھا) ینابیع و عالمگیری میں ہے ھو الصحیح (٥) (یہی صحیح ہے) جامع الرموز میں اسی کو مفتیٰ بہ بتایا السراج المنیر میں ہے علی قولہ الفتویٰ (٦) السراج المنیر۔ امام ہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے قول امام سے عدول کی اجازت نہیں اس مذہب مہذب پر دلیل جلیل صحیح بخاری شریف کی حدیث باب الاذان للمسافر میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم (٦) کے ہمراہ رکاب اقدس تھے موذن نے اذان ظہر دینی چاہی، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) دیر کے بعد پھر موذن نے اذان دینی چاہی فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) اور یونہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے حتیٰ ساوی الظل التلول (یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا) اس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے تو جب گرمی سخت ہو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو۔ مشاہدہ شاہد اور قواعد علم ہیات گواہ اور خود آئمہ شافعیہ کی تصریحات ہیں کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں معدوم محض ہوتا ہے خصوصاً اقلیم ثانی میں جس میں حرمین طیبین اور ان کے بلاد ہیں، امام نووی، شافعی اور امام قسطلانی شافعی نے فرمایا: ٹیلے زمین پر نصب کی ہوئی اشیاء کی مانند نہیں

١۔ فتاویٰ قاضی خان، ج١، ص٢ ٢۔ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، ج١، ص٧ ٣۔ مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی

٤۔ البحرالرائق شرح المجمع، ج١، ص٢٤٥ ٥۔ الفتاویٰ الہندیۃ، ج١، ص٥١ ٦۔ صحیح البخاری، ج١، ص٧٨

بلکہ زمین پر پھیلے ہوئے ہیں تو زوال کے بہت زمانے کے بعد ان کا سایہ شروع ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت گزر جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب آغاز اس وقت ہوگا تو ٹیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا مگر مثل ثانی کے بھی اخیر حصہ میں اس وقت تک حضور اقدس ﷺ نے اذان نہ دینے دی تو نماز تو یقیناً اور بھی بعد ہوئی تو بلاشبہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہوا اور اس حدیث کو ارادہ جمع بین الصلاتین پر حمل کرنا خود اسی حدیث کے الفاظ سے باطل ہے حضور یہاں ابراد کا اظہار فرما رہے ہیں کہ نماز اپنے وقت کے ٹھنڈے حصے میں پڑھی جائے نہ یہ کہ وقت نکال دینے کے بعد وہ دوسری نماز کے وقت میں ادا کی جائے، حضور یہاں حکم عام ارشاد فرما رہے ہیں کہ جب گرمی سخت ہو یوں ہی وقت ٹھنڈا کر دو یہ نہیں فرماتے کہ جب مسافر ہو تو ظہر کو عصر سے ملا کر پڑھو اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ حدیث امامت جبریل جس کے بھروسے پر برہان و درمختار نے مثل اول اختیار کیا اصل حجت نہیں ہو سکتی کہ وہ دنیا میں سب سے پہلی حدیث اوقات ہے نماز شب اسراء میں فرض ہوئی اور اسی کے دن میں وقت ظہر کو آ کر جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان اوقات کے لیے امامت کی تو جو حدیث اس کے خلاف ہے اس کے بعد اور اس کی ناسخ ہے اور قول دو مثل سے امام کا رجوع فرمانا ہرگز صحیح نہیں بلکہ اس کا خلاف ثابت ہے کہ تمام متون مذہب وہی نقل فرما رہے ہیں اور متون ہی نقل مذہب کے لیے موضوع ہیں امام محمد نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے وہی قول امام لکھا نہایہ میں ہے امام سے وہی ظاہر الروایۃ ہے غایۃ البیان میں ہے یہی امام کا مذہب مشہور و ماخوذ ہے محیط میں ہے کہ قول امام سے یہی صحیح ہے ینابیع میں ہے امام سے یہی روایت صحیح ہے شرح مجمع میں ہے مذہب امام یہی ہے کل ذلک فی البحر (یہ سب بحر میں ہے) تو بعض نقول خاملہ مرجوحہ کی بنا پر زعم رجوع محض ناموجہ ہے بلکہ ایک مثل ہی ہے رجوع ثابت ہے کہ وہ خلاف ظاہر الروایہ ہے اور جو کچھ خلاف ظاہر الروایۃ ہے مرجوع عنہ ہے کما فی البحر والخیریۃ وغیرھما (جیسا کہ بحر اور خیریہ وغیرہ میں ہے) تو یہ مذہب مہذب بوجوہ کثیرہ مذہب صاحبین پر مرجح ہوا۔

اولاً: یہ مذہب امام ہے اور مذہب امام اعظم پر عمل واجب جب تک کوئی ضرورت اس کے خلاف پر باعث نہ ہو۔

ثانیاً: اسی پر متون مذہب ہیں اور متون کے حضور اور کتابیں مقبول نہیں ہوتیں۔

ثالثاً: اسی پر عامہ شروح ہیں اور شروح فتاویٰ پر مقدم۔

رابعاً: اجلہ اکابر آئمہ تصحیح و فتویٰ مثل امام قاضی خان و امام برہان الدین صاحب ہدایہ و امام ملک العلماء مسعود کاشانی صاحب بدائع وغیرہم رحمہم اللہ نے اسی کی ترجیح و تصحیح فرمائی اور جلالت شان مصححین باعث ترجیح ہے۔

خامساً: جمہور مشائخ مذہب نے اس کی تصحیح و ترجیح کی اور عمل اسی پر چاہیے جس طرف اکثر مشائخ ہوں۔

سادساً: اسی میں احتیاط ہے کہ مثل ثانی میں عصر پڑھی تو ایک مذہب جلیل پر فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوا پڑھی بے پڑھی برابر رہی

اور بعد مثل ثانی پڑھی تو بلا تفاق صحیح و کامل ادا ہوئی۔

سابعاً: رہیں حدیثیں بعض صاحبوں نے گمان یہ کیا کہ احادیث مذہب صاحبین میں نص ہیں بخلاف مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ حالانکہ حق یہ ہے کہ صحاح احادیث دونوں جانب موجود ہر گز کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ مذہب صاحبین پر کوئی حدیث صحیح صریح سالم عن المعارض ناطق ہے جسے دعویٰ ہو پیش کرے اور بامداد اور وح پر فتوح حضرت سیدنا الامام اس فقیر سے جواب لے ان شاء اللہ تعالیٰ یا تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ حدیث جس سے مخالف نے استناد کیا صحیح نہ تھی یا صحیح تھی تو مذہب صاحبین میں صریح نہ تھی یا یہ بھی سہی تو اس کا معارض صحیح موجود ہے اور فقیر ان شاء اللہ تعالیٰ ثابت کرے گا کہ اس تعارض میں احادیث مذہب صاحبین کو منسوخ ماننا ہی مقتضائے اصول ہے اور اگر نہ مانیں تاہم تعارض قائم ہو کر تساقط ہوگا اور پھر وہی مذہب امام رنگ ثبوت پائے گا کہ جب بوجہ تعارض مثل ثانی میں شک واقع ہوا کہ یہ وقت ظہر ہے یا وقت عصر اور اس سے پہلے ظہر بالیقین ثابت تھا و شک کے سبب خارج نہ ہو گا اور وقت عصر بالیقین نہ تھا تو شک کے سبب داخل نہ ہوگا والحمد للہ رب العلمین۔ بالجملہ عند التحقیق مثل ثانی میں عصر ادا ہی نہ ہوگی بلکہ فرض ذمہ پر باقی رہے گا ورنہ علی التنزل اس وقت نماز مکروہ ہونے میں تو شک نہیں کہ جب بعض کتب فقہ میں اس وقت نماز ظہر میں کراہت گمان کی صرف اس خیال سے کہ صاحبین کے نزدیک وقت قضا ہو گیا حالانکہ فرض ظہر بالا جماع ساقط ہو جائے اگرچہ قضا ہی سہی تو اس وقت نماز عصر لا جرم سخت کراہت رکھے گی کہ امام کے نزدیک ہنوز وقت ہی نہ آیا تو فرض ہی سرے سے ساقط نہ ہو گا ادھر خلاف صاحبین تھا یہاں خلاف امام وہاں قضاء ادا میں خلاف تھا اور صحت اجماعی ادھر نفس صحت و بطلان ہی میں نزاع ہے جب وہاں کراہت زعم کی گئی تو یہ کس درجہ شدید مکروہ ہونا چاہیے اور یہ تو بے شمار کتب ائمہ میں تصریح ہے کہ اس وقت عصر کا پڑھنا بے احتیاطی ہے پس محتاط فی الدین کو لازم کہ اگر جانے کہ مجھے مثل ثانی کے بعد جماعت مل سکتی ہے اگرچہ ایک ہی آدمی کے ساتھ تو اس جماعت باطلہ یا کم از کم مکروہہ بکراہت شدیدہ میں شریک نہ ہو بلکہ وقت اجماعی پر اپنی جماعت صحیحہ نظیفہ ادا کرے اور اگر جانے کہ پھر میرے ساتھ کوئی نہ ملے گا تو بتقلید صاحبین شریک جماعت ہو جائے اور تحصیل صحت متفق علیہا و رفع کراہت کے لیے مثل ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے واللہ تعالیٰ علم بالصواب۔ (۱)

وقت زوال کا فقہی معنی:

علامہ ابن محمود البابرتی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: وقت کے زوال کو جاننے کے لیے صحیح قول وہ ہے جس کو محمد بن شجاع نے ذکر کیا ہے کہ لکڑی کو ایک برابر جگہ پر نصب کیا جائے اور اس کے سائے پر ایک علامت بنادی جائے۔ لہٰذا جب سایہ اس خط سے کم ہو گا تو یہ وقت زوال سے پہلے وقت میں شمار کیا جائیگا۔ اور جب سایہ اس خط پر ٹھہر جائے نہ اس سے کم ہو نہ اس سے زیادہ ہو تو یہ

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۱۳۲۔۱۳۶

وقت زوال ہوگا اور یہی فئی زوال سے عبارت ہے۔ اور جب کسی چیز کا سایہ اس سے بڑھ جائے تو اس وقت یہ اعتبار کیا جائے گا کہ اب سورج زائل ہو چکا ہے۔ اسے زوال شمس کہتے ہیں اسی طرح مبسوط اور محیط میں ہے۔

اور جب کسی چیز کا سایہ اس خط سے بڑھ کر دوگنا ہو جائے گا تو اس وقت تک امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز ظہر کا وقت رہے گا۔ (۱)

زوال آفتاب کے ڈھلنے کو کہتے ہیں جسے ہماری عرف میں دوپہر ڈھلنا کہا جاتا ہے:

سایہ اصلی اس سایہ کو کہتے ہیں جو زوال کے وقت باقی رہتا ہے۔ یہ سایہ ہر شہر کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی جگہ بڑا ہوتا ہے، کسی جگہ چھوٹا ہوتا ہے اور کہیں بالکل نہیں ہوتا ہے، جیسے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں زوال اور سایہ اصلی کے پہچاننے کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین پر گاڑی جائے اور جہاں تک اس کا سایہ پہنچے اس مقام پر ایک نشان دیا جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ سایہ اس نشان کے آگے بڑھتا ہے یا پیچھے ہٹتا ہے۔ اگر آگے بڑھتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ابھی زوال نہیں ہوا اور اگر پیچھے ہٹے تو زوال ہو گیا۔ اگر یکساں رہے نہ پیچھے ہٹے نہ آگے بڑھے تو ٹھیک دوپہر کا وقت ہے اس کو استواء کہتے ہیں۔ (۲)

ظہر کی نماز کے وقت میں مذاہب اربعہ، زوال کے وقت میں ظہر کی نماز کی فرضیت پر دلائل اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ظہر کا اول وقت زوال آفتاب سے ہوتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم زوال کے وقت ظہر کی نماز پڑھتے تھے، اور ابراہیم نخعی نے الاسود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ جلدی کسی کو ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا: جب سورج کا زوال ہو جائے تو ظہر کی نماز پڑھا کرو اور ابراہیم نخعی نے کہا: ہم کبھی کبھی علقمہ کے ساتھ نماز پڑھتے تو ایک مثل سائے پاتے، ہم اس سائے میں بیٹھ جاتے اور کبھی ہم سایا نہیں پاتے تھے، یہ تمام احادیث اور آثار امام ابن ابی شیبہ نے ذکر کیے ہیں۔

امام طحاوی نے کہا: ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ظہر کو اول وقت میں پڑھنا چاہیے، انہوں نے ان آثار

۱۔ عنایہ شرح الہدایہ، ج ۱، ص ۳۵۱　　۲۔ شرح ہدایہ، ج ۲، ص ۳۶۔۳۷

استدلال کیا ہے اور دوسرے فقہاء نے ان کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا: سردیوں میں ظہر کو جلدی پڑھنا چاہیے لیکن گرمیوں میں ظہر کو مؤخر کر کے ٹھنڈے وقت میں پڑھنا چاہیے، یہ فقہاء احناف امام احمد اور اسحاق کا قول ہے اور ابوالفرج نے اس کو امام مالک سے بھی روایت کیا ہے۔

ان فقہاء کا استدلال ان احادیث سے ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ نے ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے ار انہوں نے کہا کہ یہ معلوم ہے کہ ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنا صرف ظہر میں مطلوب ہوتا ہے اور انہوں نے ان آثار کی مخالفت کی، جن میں گرمیوں میں ظہر کو جلدی پڑھنے کا ذکر ہے، پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ ان میں سے ایک چیز دوسری چیز پر راجح ہے، یہ کہا گیا ہے کہ پہلے ظہر کی نماز جلدی پڑھی جاتی تھی، پھر یہ عمل منسوخ ہو گیا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو دوپہر کے وقت ظہر کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا: گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے، نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

سو اس حدیث میں حضرت مغیرہ نے یہ خبر دی ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر کو اپنے وقت میں پڑھنے کے بعد اس کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا، لہٰذا شدید گرمی میں ظہر کو جلدی پڑھنے کا عمل منسوخ ہو گیا اور شدید گرمی میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا واجب ہو گیا، اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ سردیوں میں ظہر کو جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں ظہر کو مؤخر کرتے تھے، یہ ان متعدد سندوں سے ثابت ہے جن کو امام طحاوی نے ذکر کیا ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت جابر، حضرت انس اور حضرت ابی برزہ کی حدیث، حضرت المغیرہ کی حدیث کی تفسیر ہے۔

جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز کو مطلقاً جلدی پڑھنا چاہیے، وہ کہتے ہیں کہ جس حدیث میں سخت گرمی میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم ہے، وہ ظہر کو جلدی پڑھنے کی ناسخ نہیں ہے اور ظہر کا حکم یہ ہے کہ اس کو تمام زمانوں میں جلدی پڑھا جائے، یہ حکم اس کے لیے ہے جو افضل پر عمل کرنا چاہتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اکثر اوقات میں ظہر کو جلدی پڑھا کرتے تھے اور نبی ﷺ نے جو ان کو شدید گرمی میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا تھا، یہ ان پر شفقت کی وجہ سے رخصت تھی، میمون بن مہران نے کہا ہے کہ نصف النہار (دوپہر) کے وقت نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، وہ نصف النہار کے وقت نماز کو اس لیے مکروہ کہتے تھے کہ وہ مکہ میں نماز پڑھتے تھے اور وہاں بہت سخت گرمی ہوتی تھی اور وہاں سایہ نہیں تھا، اس لیے آپ نے فرمایا: ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں ظہر کی نماز پڑھی، جب سورج زائل ہو گیا تھا، پس انہوں نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، یہی نماز کا وقت ہے، یہ اس پر محمول ہے کہ تمام

زمانوں میں یہی ظہر کی نماز کا وقت ہے اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سورج کے زوال کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور بعض اوقات گرمی میں آپ اس کو مؤخر کر کے پڑھتے، یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ تمام گرمیوں میں آپ ظہر کو ٹھنڈے وقت میں نہیں پڑھتے تھے کیونکہ بعض اوقات کا لفظ تقلیل پر دلالت کرتا ہے، آپ اکثر اوقات ظہر کی نماز کو جلدی پڑھتے تھے اور ٹھنڈے وقت میں نہیں پڑھتے تھے اور اس میں امت کو اختیار ہے، وہ جس وقت میں چاہے ظہر کی نماز پڑھے۔

سو جو شخص افضل پر عمل کرنا چاہے وہ جلدی ظہر پڑھے اور جو شخص رخصت پر عمل کرنا چاہے، وہ ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھے، یہی معنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سمجھا تھا، لہٰذا انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ جب سورج (استواء سے) زائل ہو جائے تو ظہر پڑھو، پس ان کے نزدیک افضل یہی تھا کہ ظہر کو اول وقت میں پڑھا جائے اور انہوں نے اپنے اعمال کو یہی حکم دیا کہ جب ایک ہاتھ سایہ ہو جائے تو ظہر کی نماز پڑھو اور اس میں گرمیوں اور سردیوں کا کوئی استثناء نہیں کیا۔

فقہاء کا ظہر کے مختار وقت میں اختلاف ہے، امام مالک سے مدونہ میں منقول ہے کہ ظہر، عصر اور عشاء کو اپنے وقت پر پڑھنا مستحب ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جو ابو الفرج نے امام مالک سے روایت کی ہے، امام ابوحنیفہ سے بھی اس مسئلہ میں روایات مختلف ہیں، ابن القصاء نے از کرخی از امام ابوحنیفہ یہ روایت کی ہے کہ ان کے نزدیک ظہر کا وقت اس کے آخری وقت پر معلق ہے اور اول وقت میں نماز پڑھنا نفل ہے، پس اگر کسی شخص نے زوال کے وقت میں نماز پڑھی، پھر وہ ظہر کے آخری وقت تک صحیح و سلامت رہا تو وہ ظہر کی نماز کا مکلف ہو گیا اور اس نے جو اول وقت میں ظہر کی نماز پڑھی تھی، وہ نفل ہو گی اور تمام فقہاء امام ابوحنیفہ کے اس قول کے خلاف ہیں، اور کرخی نے امام ابوحنیفہ کی موافقت میں یہ دلیل دی ہے کہ اگر زوال آفتاب سے ظہر کی نماز واجب ہو جائے اور پھر کوئی شخص اس کو تاخیر سے پڑھے تو اس کو گناہ گار ہونا چاہیے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ وہ گناہگار نہیں ہو گا ابن القصاء نے کہا: یہ اعتراض ہم پر لازم نہیں آتا، اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ نماز کے وجوب میں توسیع ہے اور مکلف کو اختیار دیا ہے کہ وہ زوال کے بعد جس وقت چاہے، ظہر کی نماز ادا کر لے۔

دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے قول کے فاسد ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اس باب کی احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج کے زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھی ہے اور حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کے اول وقت میں نماز پڑھائی اور آپ نے فرمایا: مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے، پس یہ محال ہے کہ ظہر کا فرض آخر وقت کے ساتھ معلق ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کو اول وقت میں پڑھیں اور کسی شخص کے لیے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ گمان نہیں کرنا چاہیے جائز نہیں ہے، امام ابوحنیفہ کا یہ قول سنت ثابتہ کے مخالف ہے اور دلیل سنت میں ہے نہ کہ سنت کی مخالفت میں۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: ظہر کا آخری وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے، اس قول میں انہوں نے احادیث کی اور لوگوں کے اقوال کی مخالفت کی ہے اور اپنے اصحاب کی بھی مخالفت کی ہے اور امام طحاوی نے امام ابوحنیفہ کا ایک ایسا قول نقل کیا ہے جو جماعت کے قول کے موافق ہے اور وہ یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے، مگر اس وقت عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا، عصر کا وقت اس وقت داخل ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے، پھر انہوں نے ظہر اور عصر کے درمیان ایسا وقت چھوڑا جو ظہر اور عصر میں سے کسی نماز کی صلاحیت نہیں رکھتا، اور یہ ان کا ایسا قول ہے جس میں کسی نے ان کی متابعت نہیں کی۔

امام مالک نے یہ کہا ہے کہ ظہر کا آخری وقت وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے اور وہی بلافصل عصر کا اول وقت ہے اور یہی امام ابو یوسف، امام محمد، امام احمد بن حنبل اور دوسرے فقہاء کا قول ہے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ ظہر کے آخری وقت میں اور عصر کے اول وقت میں ایسا فاصلہ ہے، جس میں ظہر کا وقت مختار ہے نہ عصر کا وقت مختار ہے اور یہ وہ وقت ہے جب سایہ ایک مثال سے تھوڑا سا زیادہ ہو جائے اور انہوں نے اس پر حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ظہر کا وقت اس وقت تک ہے، جب تک عصر کا وقت نہیں آتا، اس حدیث سے ان کا قول ثابت نہیں ہوتا اور امام شافعی کے اس قول کی کسی نے موافقت نہیں کی۔ (۱)

علامہ ابن بطال کے اعتراض کا علامہ عینی کی طرف سے جواب:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال نے از کرخی از امام ابوحنیفہ یہ نقل کیا ہے کہ ظہر کے اول وقت میں نماز نفل ہوتی ہے اور تمام فقہاء اس کے خلاف ہیں، میں کہتا ہوں کہ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے اور امام ابوحنیفہ سے یہ منقول نہیں ہے کہ ظہر کے اول وقت میں نماز نفل ہوتی ہے اور ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ظہر کے اول وقت میں نماز واجب ہے اور اس وجوب میں توسیع ہے، یعنی ظہر کے آخر وقت تک جب بھی نماز ظہر پڑھی جائے گی، اس سے فرض نماز ادا ہوگی۔ (عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۳۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی کا بھی اس ضعیف قول کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے علامہ ابن بطال پر رد کرنا:

میں کہتا ہوں کہ اس ضعیف قول کو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی علامہ ابن بطال مالکی پر رد کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

۱۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۲۲۴۔۲۲۱

اس حدیث کا عنوان ہے: ظہر کے وقت کی ابتداء زوال کے وقت ہوتی ہے یعنی جب سورج استواء سے زائل ہو کر مغرب کی سمت کی طرف مائل ہوتا ہے، اس عنوان سے امام بخاری نے ان کوفیوں کے زعم کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ ظہر کے اول وقت میں نماز واجب نہیں ہوتی، اور علامہ ابن بطال نے نقل کیا ہے کہ تمام فقہاء اس نقل کے خلاف ہیں جو کرخی نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے کہ ظہر کی نماز اول وقت میں نفل ہوتی ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک معروف یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے اور بعض فقہاء احناف نے کہا ہے کہ ظہر کا اول وقت اس وقت ہوتا ہے جب زوال کا سایہ ایک تسمہ کی مقدار ہو جائے۔(۱)

ہمارے برصغیر کے اردو بولنے والوں میں معروف ہے کہ زوال کے وقت سجدہ جائز نہیں ہے دراصل اردو بولنے والے زوال سے مجازاً مراد استواء لیتے ہیں یعنی جب سورج سر پر ہوتا ہے اور اس وقت سجدہ جائز نہیں ہے اور احادیث میں زوال کا حقیقی معنی مراد ہے یعنی جب استواء سے سورج زائل ہو کر مغرب کی طرف مائل ہو اور اس وقت میں ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے۔

علامہ عینی کا علامہ سرخسی حنفی کی عبارت سے علامہ ابن بطال پر رد کرنا:

علامہ بدرالدین عینی نے ابن بطال پر رد کرنے کے لیے علامہ سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ کی یہ عبارت پیش کی ہے:

شمس الائمہ نے المبسوط میں کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ظہر کا اول وقت زوال آفتاب سے داخل ہوتا ہے۔(۲)

میں کہتا ہوں کہ علامہ عینی کا علامہ سرخسی کی عبارت سے علامہ ابن بطال پر رد کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ سرخسی کی وفات ۴۸۳ھ میں ہوئی ہے اور علامہ ابن بطال کی وفات ۴۴۹ھ میں ہوئی ہے اور علامہ ابن بطال، علامہ سرخسی سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ سو وہ المبسوط میں امام ابوحنیفہ کا مذہب کیسے پڑھ سکتے تھے، علامہ عینی پر لازم تھا کہ وہ ان فقہاء احناف کی عبارات سے استدلال کرتے جو علامہ ابن بطال پر مقدم تھے تاکہ یہ کہا جاسکتا کہ علامہ ابن بطال کو چاہیے تھا کہ وہ امام ابوحنیفہ کے قول کو فاسد کہنے سے پہلے فقہاء احناف کی کتابوں میں امام ابوحنیفہ کا مذہب پڑھ لیتے۔

علامہ سعیدی کا مقدم ائمہ احناف کی عبارات سے علامہ ابن بطال پر رد کرنا:

علامہ محمد بن الحسن الشیبانی الحنفی المتوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

میں نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا: ظہر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: زوال آفتاب سے لے کر یہاں تک (کہ سایہ ایک قامت کے برابر ہو جائے، یہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے) اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: عصر کا وقت اس وقت تک داخل نہیں ہوگا حتیٰ کہ سایہ دو قامتوں کے برابر ہو جائے اور جب سایہ دو قامتوں کے برابر ہو جائے گا تو عصر کو وقت داخل ہو جائے گا۔(۳)

۱۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۱۵۵ ۲۔ المبسوط، ج ۱، ص ۲۸۹، عمدۃ القاری، ج ۵، ص ۳۹

۳۔ المبسوط (کتاب الاصل) ج ۱، ص ۱۴۴

امام محمد روایت کرتے ہیں: ہمیں امام ابوحنیفہ نے خبر دی از حماد از ابراہیم کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر نماز کا وقت دریافت کر رہا تھا، آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازوں میں حاضر رہے، پھر آپ نے حضرت بلال کو اول وقت میں نمازوں کا حکم دیا، پھر دوسرے دن آپ نے تمام نمازوں کے آخر کا حکم دیا، پھر آپ نے پوچھا: نماز کا وقت دریافت کرنے والا کہاں ہے؟ پھر آپ نے فرمایا: ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے، امام محمد نے کہا: ہم اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں البتہ غروب آفتاب کے بعد مغرب میں تاخیر کو مکروہ کہتے ہیں، اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔(۱)

امام محمد روایت کرتے ہیں: ہمیں امام ابوحنیفہ نے خبر دی از حماد از ابراہیم از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، انہوں نے فرمایا: ظہر کی نماز کو جہنم کے جوش سے ٹھنڈے وقت میں پڑھو، امام محمد نے کہا: گرمیوں میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور سردیوں میں زوال آفتاب کے وقت ظہر کی نماز کو پڑھو اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔(۲)

امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے شرح معانی الآثار میں حدیث: ۱۰۶۶ سے لے کر ۱۰۸۰ تک ۱۴، احادیث روایت کی ہیں کہ نبی ﷺ زوال آفتاب کے وقت ظہر کی نماز پڑھتے تھے، پھر امام طحاوی نے ۱۰۸۱ سے لے کر ۱۰۹۱ تک ۱۰، احادیث روایت کی ہیں کہ گرمی کی شدت میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور آخر میں اس حدیث کو روایت کیا ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سردیوں میں ظہر کی نماز کو جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔(۳)

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک ظہر کی نماز میں یہی سنت ہے جیسا کہ حضرت ابومسعود اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ ﷺ کی نماز مروی ہے۔

علامہ ابن بطال نے فقہاء احناف کے ساتھ تعصب کی وجہ ایک یہ تحریف کی ہے کہ امام طحاوی کی طرف منسوب کر کے یہ لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے صرف مکہ میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔(۴)

حالانکہ امام طحاوی نے اس بات کا رد کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اس قائل سے کہا جائے گا کہ یہ محال ہے، اگر ایسا ہوتا جیسا کہ اس قائل نے کہا ہے تو رسول اللہ ﷺ سفر میں نماز کو مؤخر نہ کرتے، جس جگہ دھوپ سے بچنے کے لیے کوئی گھر تھا نہ سایا تھا، جیسا کہ حضرت ابوذر کی حدیث میں ہے اور چاہیے تھا کہ پھر وہاں رسول اللہ ﷺ اول وقت میں نماز پڑھتے حالانکہ آپ وہاں بھی ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔(۵)

لیکن علامہ ابن بطال نے امام طحاوی کی اس عبارت کو تو نقل کر دیا، جو بہ طور اعتراض تھی اور امام طحاوی کے اس جواب کو

۱۔ کتاب الآثار امام محمد: ۵۶، ص ۱۳ ۲۔ کتاب الآثار لامام محمد: ۶۶، ص ۱۳
۳۔ شرح معانی الآثار: ۱۰۹۷، صحیح البخاری: ۹۰۶، سنن النسائی: ۴۹۵ ۴۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۲۲۲
۵۔ صحیح بخاری: ۵۳۹، شرح معانی الآثار، ج ۱، ص ۲۴۴

ذکر نہیں کیا۔ علامہ ابن بطال سے ہمیں ایسی امید تو نہ تھی۔

علامہ محمد بن محمد ابو الفضل المروزی البلخی المشہور بالحاکم الشہید المتوفی ۳۳۴ھ لکھتے ہیں:

ظہر کا وقت زوال آفتاب سے لے کر اس وقت تک ہوتا ہے جب تک ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے۔ (۱)

اس عبارت کی شرح میں علامہ سرخسی نے لکھا ہے: یہ امام یوسف اور امام محمد کا قول ہے، اور امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ ظہر کا وقت اس وقت ختم ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جاتا ہے (علامہ ابن بطال نے اس قول کو نقل نہیں کیا حالانکہ فقہاء احناف کے اسی قول پر عمل ہے) اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب سایہ ایک قامت کے برابر ہو جائے تو ظہر کا وقت نکل جاتا ہے اور عصر کا وقت اس وقت تک داخل نہیں ہوتا جب تک کہ سایہ دو قامتوں کے برابر نہ ہو جائے اور ان دونوں کے درمیان مہمل وقت ہے، جس کو لوگ کہتے ہیں کہ یہ دو نمازوں کے درمیان وقت ہے، جیسا کہ فجر اور ظہر کے درمیان مہمل وقت ہے۔ (۲)

حسن بن زیادہ کی اس روایت کو امام ابوحنیفہ کا قول قرار دے کر علامہ ابن بطال نے امام ابوحنیفہ پر بہت لے دے کی ہے اور اس کا بہت رد کیا ہے، حالانکہ امام ابوحنیفہ کا یہ مختار قول نہیں ہے اور نہ ہی اس پر فقہاء احناف کا عمل ہے، امام ابوحنیفہ کا مختار قول وہ ہے جس کو امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ ظہر کی نماز کا وقت زوال آفتاب سے دو مثل سائے تک ہے اسی قول کے مطابق فقہاء احناف کا عمل ہے مگر افسوس علامہ ابن بطال نے اس قول کا بالکل ذکر نہیں کیا۔

ہم نے بتایا ہے کہ علامہ ابن بطال نے امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف منسوب کر کے یہ لکھا ہے کہ زوال آفتاب کے بعد اگر ظہر کی نماز پڑھی جائے تو وہ نفل ہوں گے، فرض نہیں ہوں گے حالانکہ یہ بات فقہاء احناف کی کسی کتاب میں نہیں ہے یہ خالص افتراء اور بہتان ہے، علامہ ابن بطال کے زمانہ میں امام محمد متوفی ۱۸۹ھ اور امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ (جن کی عبارت میں تحریف کر کے انہوں نے اس کو اپنی شرح میں درج کیا ہے) اور حاکم شہید متوفی ۳۳۹ھ کی تصانیف موجود تھیں، ان کے علاوہ امام ابو منصور ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ اور علامہ ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ کی بھی تصانیف موجود تھیں، علامہ ابن بطال کو چاہیے تھے کہ وہ امام ابوحنیفہ پر افتراء باندھنے سے پہلے ظہر کی نماز کے اول وقت کے متعلق ان کتابوں میں امام ابوحنیفہ کا مسلک پڑھ لیتے۔

امام ابو منصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ بنی اسرائیل: ۷۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''دلوك الشمس الی غسق اللیل'' سے مراد دن کی نمازیں ہیں اور ''دلوک شمس'' سے مراد زوال آفتاب ہے اور ''غسق اللیل'' سے مراد رات کے اندھیرے کی ابتداء ہے، پس اس میں ظہر اور عصر کی نمازیں داخل ہیں۔ (۳)

۱۔ الکافی مع المبسوط، ج ۱، ص ۲۸۹　۲۔ المبسوط، ج ۱، ص ۲۹۰۔۲۸۹　۳۔ تاویلات اہل السنۃ، ج ۷، ص ۹۵

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ظہر کا اول وقت زوال آفتاب سے ہے اور اس میں کسی اہل علم کا اختلاف نہیں ہے۔(۱)

علامہ ابن بطال کی وفات ۴۴۹ھ میں ہوئی ہے اور ہم نے ۱۸۹ھ سے لے کر ۳۷۰ھ تک کے وفات یافتہ ائمہ احناف کی تصریحات بیان کردی ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کے فرض کا اول وقت زوال آفتاب ہے، کاش علامہ ابن بطال اپنی شرح میں امام ابوحنیفہ پر بہتان باندھنے سے پہلے ان تصریحات کو دیکھ لیتے اور امام ابوحنیفہ کے قول کو فاسد کہنے سے احتراز کرتے۔

امام ابوحنیفہ پر علامہ ابن بطال کے اعتراضات کا اجمالی جائزہ اور ان اعتراضات کے جوابات:

علامہ ابن بطال نے اپنی طویل شرح میں امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے خلاف جو لکھا ہے، اس کا خلاصہ اس طرح ہے:

۱۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ سردیوں میں ظہر کی نماز کو جلدی پڑھا جائے اور شدید گرمی میں ظہر کی نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا جائے، اس کے خلاف علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ ہر زمانہ میں ظہر کی نماز کو اول وقت میں پڑھا جائے۔(۲)

علامہ ابن بطال کا یہ قول اس لیے فاسد ہے کہ صحیح بخاری: ۵۳۹۔۵۳۸۔۵۳۶۔۵۳۵۔۵۳۴۔۵۳۳ میں اور دیگر یہ کثرت کتب حدیث کے حوالوں سے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شدید گرمی میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اور امام طحاوی نے اس کے ثبوت میں ۱۷، احادیث ذکر کی ہیں اور آخری حدیث حضرت انس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردیوں میں ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے۔(۳) اور یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، پس امام ابوحنیفہ کے مذہب پر جو علامہ ابن بطال نے طعن کیا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی راجع ہوگا۔

۲۔ علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کی نماز آخری وقت میں واجب ہوتی ہے اور تمام فقہاء اس کے خلاف ہیں۔(۴)

اور ہم اکثر فقہاء احناف کے حوالوں سے واضح کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کی نماز کا اول وقت زوال آفتاب ہے۔

۳۔ علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص ظہر کے اول وقت میں نماز پڑھے گا، وہ نماز ہر حال میں نفل ہوگی فرض نہیں ہوگی۔(۵)

یہ امام ابوحنیفہ پر خالص افتراء اور محض بہتان ہے، فقہاء احناف کی کسی کتاب میں اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف فرضیت ظہر کی تصریح ہے جیسا کہ ہم متعدد حوالہ جات سے نقل کر چکے ہیں۔

۴۔ امام طحاوی کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے کہ ظہر کی نماز کو شدید گرمی میں ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کا حکم اہل مکہ کے لیے تھا۔(۶)

۱۔ احکام القرآن، ج ۲، ص ۲۶۸ ۲۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۲۲۲ ۳۔ صحیح البخاری: ۹۰۶، سنن نسائی: ۴۹۵

۴۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۲۲۳ ۵۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۲۲۳ ۶۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۲۲۲

حالانکہ امام طحاوی نے اس کا رد کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھنے کا حکم عام ہے کیونکہ آپ نے سفر میں بھی ٹھنڈے وقت میں نماز پڑھی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۳۹) سو یہ امام طحاوی کی عبارت میں خالص تحریف ہے۔

۵۔ علامہ ابن بطال نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت ایک مثل سائے تک ہے اور اس وقت عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا، عصر کا وقت دو مثل سائے کے بعد داخل ہوتا ہے اور ایک مثل سے دو مثل سائے تک مہمل وقت ہے، اس میں کسی نماز کا وقت نہیں ہے۔ (۱)

یہ حسن بن زیاد کی روایت ہے اور یہ امام اعظم کا مذہب نہیں ہے اور نہ اس پر فقہاء احناف کا عمل ہے، امام اعظم کا مذہب وہ ہے جس کو امام ابو یوسف نے نقل کیا ہے کہ زوال آفتاب سے لے کر دو مثل سائے تک امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظہر کا وقت ہے۔

سو یہاں بھی علامہ ابن بطال نے مغالطہ آفرینی کر کے امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے خلاف زہر آفرینی کی ہے۔ (۲)

سایہ اصلی کی پہچان کا طریقہ:

شیخ عبد العلی قاسمی دیوبندی لکھتے ہیں:

مالا بدمنہ میں سایہ اصلی کے پہچاننے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ ہموار زمین پر ایک دائرہ بنائیں اور ٹھیک درمیان میں قطر دائرہ کے چوتھائی سے نوکیلے سرے کی ایک بڑی لکڑی نصب کر دیں، جب سورج طلوع ہوگا تو اس لکڑی کا سایہ دائرہ سے بالکل باہر ہوگا جیسے جیسے سورج چڑھے گا سایہ کم ہوگا اور دائرہ کے اندر داخل ہونا شروع ہو جائے گا جب دائرہ کے محیط پر سایہ پہونچ جائے اور اندر داخل ہونا شروع ہو تو محیط پر اس جگہ ایک نشان لگا دیں جس جگہ سے سایہ اندر داخل ہو رہا ہے، پھر دو پہر بعد سایہ بڑھ کر محیط سے نکلنا شروع ہوگا۔ محیط سے سایہ کے نکلنے کی جگہ ایک نشان لگا دیں۔ پھر دونوں نشانوں کو ایک خط مستقیم کے ذریعہ ملا دیں۔ اب محیط دائرہ کے اس قوسی حصہ کے نصف پر جو کہ دونوں علامتوں کے درمیان ہے ایک نشان قائم کر کے اس کو خط مستقیم کے ذریعہ جو مرکز دائرہ پر گذرے محیط تک پہونچائیں۔ یہ نصف النہار کہلائے گا اور اس خط پر جو سایہ پڑھے گا وہ سایہ اصلی کہا جائے گا۔

سایہ اصلی کے نقشہ کو سمجھنے کے لیے ذیل کی اصطلاحات ذہن نشین کر لیں:

۱۔ قدم ہر شئی کے قد کے ساتویں حصہ کو کہتے ہیں۔ جو ساٹھ دقیقہ کا ہوتا ہے۔　　۲۔ دقیقہ۔ ساٹھ آن کا ہوتا ہے۔

۳۔ آن اتنا وقت جس میں گیارہ بار "اللہ" کہا جا سکے۔　　۴۔ ساعت یا گھڑی۔ ساٹھ پل کی ہوتی ہے

۵۔ پل۔ ساٹھ ریزے کی ہوتی ہے۔　　۶۔ ریزہ۔ اتنا وقت کہ جس میں دو حرفی لفظ مثلاً "رب" کہا جا سکے۔

مندرجہ ذیل نقشہ میں سات مہینے کا حساب اس طرح دیا ہے کہ ساون کا سایہ اصلی ڈیڑھ قدم بتایا ہے پھر اس سے پہلے تین مہینوں اور

۱۔ شرح ابن بطال: ۵۲۴　　۲۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۳۷۱۔۳۷۷

بعد کے تین مہینوں میں ایک ایک قدم اضافہ ہونا بتایا ہے جس کو اس سے دیکھا جائے گا۔

بیساکھ	جیٹھ	اساڑھ	ساون	بھادوں	کنوار	کاتک
۴-۱/۲	۳-۱/۲	۲-۱/۲	۱-۱/۲	۲-۱/۲	۳-۱/۲	۴-۱/۲

ان سات مہینوں کے علاوہ باقی ماندہ مہینوں میں دو دو قدم دونوں طرف سے زیادہ بڑھائے جائیں۔

چیت	پھاگن	ماگھ	پوس	اگہن
۶-۱/۲	۸-۱/۲	۱۰-۱/۲	۸-۱/۲	۶-۱/۲

(۱)

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمہ اللہ کا استدلال:

نماز ظہر کے اوقات میں امام نسائی رحمہ اللہ نے پانچ ابواب قائم کیے ہیں، اور ان کے تحت احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، آپ کے استدلالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ظہر کا ابتدائی وقت:

ظہر کا ابتدائی وقت زوال کے بعد سورج ڈھلنے کے ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔

۲۔ سفر اور سردی میں نماز ظہر جلدی ادا کرنا:

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت مستحبہ یہ ہے کہ سفر میں اور سردیوں میں نمازِ ظہر جلدی ادا کی جائے۔

۳۔ گرمیوں میں نمازِ ظہر کا دیر سے ادا کرنا:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ گرمیوں میں نمازِ ظہر تاخیر سے پڑھی جائے لیکن اتنی تاخیر نہ ہو کہ سایہ ایک مثل سے بڑھ جائے۔

۴۔ نماز ظہر کا آخری وقت:

ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے، البتہ اس میں سایہ اصلی شامل نہ ہوگا۔

سایہ اصلی:

سایہ اصلی سے مراد ہر چیز کا وہ سایہ ہے، جو نصف النہار کے وقت اور سورج ڈھلنے کی ابتداء کے وقت ہوتا ہے۔

۱۔ التکمیل الضروری شرح مختصر القدوری، ج ۱، ص ۷۲۔۷۳

وقتِ زوال معلوم کرنے کا طریقہ:

زوال معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس وقت سورج مشرق میں ہو اس وقت ہموار زمین میں ایک سیدھی لکڑی گاڑ دی جائے، جب تک لکڑی کا سایہ کم ہوتا رہے، سورج زوال سے پہلے ہے، اور جب لکڑی کا سایہ ختم ہو جائے یا اس کا کم ہونا رک جائے اس وقت پر کہ کم سے کم سایہ رہ جائے تو آفتاب وسطِ آسمان میں ہے اور یہی وہ وقت ہے جس میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، اور جب سایہ مغرب سے مشرق کی طرف آجائے اور بڑھنا شروع ہو جائے تو آفتاب وسط آسمان سے ڈھل چکا ہے اور ظہر کا وقت ہو گا۔(۱)

آئمہ اربعہ کے نزدیک ظہر کا ابتدائی وقت:

چاروں ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ظہر کا وقت زوال کے بعد سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے۔

آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک ظہر کا آخری وقت:

آئمہ ثلاثہ اور فقہاء احناف میں سے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ ظہر کا آخری وقت ہر چیز کا سایہ (اصلی کے علاوہ) ایک مثل ہونے تک ہے، اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے، ان کے دلائل وہی ہیں جو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کیے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا آخری وقت:

ظہر کے آخری وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں ایک قول شاذ ہے اور دوسرا راجح اور مفتی بہ ہے۔

ا۔قول شاذ:

حضرت اسد بن عمرو کی روایت کے مطابق امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظہر کا وقت تو سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے البتہ عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے، اور ان دونوں وقتوں کے درمیان وقت مہمل ہے۔ جیسا کہ فجر اور ظہر کے درمیان کا وقت ہے۔

۲۔قول راجح اور مفتی بہ:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ظہر کا وقت سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے تک ہے، متاخرین فقہاء احناف کے نزدیک یہی راجع اور مفتی بہ ہے، اور عصرِ حاضر میں بھی علماء وعوام احناف کا اسی پر عمل ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل دو روایات ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں:

ا۔ ا۔موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۷، ص ۲۴۰

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انما بمقائو کم فیما سلف قبلکم من الامم کما بین صلاۃ العصر الی غروب الشمس ، اوتی اهل التوراة التوارة فعملوا حتیٰ انتصف النهار عجزو ا ، فاعطو ا قیر اطا قیر اطا ، ثم اوتی اهل الا نجیل الانجیل فعملوا الی صلا ۃ العصر ثم جزوا فاعطوا قیر اطا قیر اطا ، ثم اوتینا القرآن ، فعملنا الی غروب الشمس فاعطینا قیراطین قیر اطین ، فقال :اهل الکتابین ای ربنا اعطیت هولا ء قیراطین قیراطین ، واعطیتنا قیراطا قیراطا ونحن کنا عملا ، قال :قال الله عزو جل :هل من اجر کم من شئی قالوا:لا قال :فهو فضلی اوتیه من اشاء ۔"

(تمہاری زندگی پچھلی امتوں کی زندگیوں کے مقابلہ میں بس اتنی ہے جتنا وقفہ نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیان ہے اہل توریت کو توریت دی گئی تو انہوں نے اس پر عمل کیا، جب دوپہر ہوئی تو وہ تھک گئے ۔ان کو ایک ایک قیراط ملا، پھر اہل انجیل کو انجیل دی گئی اور انہوں نے نماز عصر تک کام کیا پھر تھک گئے ان کو بھی ایک ایک قیراط دیا گیا، پھر ہم کو قرآن دیا گیا تو ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا، تو ہم کو دو قیراط دیئے گئے تو پہلے والے دونوں اہل کتاب نے عرض کیا: پروردگار! ان لوگوں کو آپ نے دو دو قیراط دیے اور ہم لوگوں کو ایک ایک قیراط، حالانکہ کام ہم نے زیادہ کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "کیا میں نے تمہاری اجرت میں کچھ کمی کی ہے ۔انہوں نے کہا نہیں؟ اللہ نے فرمایا؛ تو یہ میرا احسان ہے میں جس کو چاہوں دوں ۔)

حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ظہر سے کم ہے، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ظہر کا آخری وقت دو مثل تک رہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لیے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ابر دوا بالظهر ، فان شدة الحر من فیح جهنم "(۱)، (ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کی سانس کی وجہ سے ہے)اور ٹھنڈا وقت حجاز جیسے گرم ممالک میں سایہ کے دو مثل ہونے پر آتا ہے۔(۲)

ظہر کا مستحب وقت:

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز ظہر کا مستحب وقت یہی ہے کہ اسے مثل اول میں ادا کیا جائے۔

۱۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۱۸ ۲۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۷، ص ۲۴۱

أَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ

باب ۷: نمازِ عصر کا ابتدائی وقت

نماز عصر کا ابتدائی وقت ان مسائل میں سے ہے، جو فقہاء کے ہاں معرکۃ الآراء ہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کے ایک مثل سایہ پر ہے جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء احناف کے نزدیک راجح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے، تو یہی عصر کا ابتدائی وقت ہے نماز عصر کے تحت پندرہ احادیث طیبات سے استنباط فرمایا ہے، اس پہلے باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ ظہر کے آخری وقت کا بیان تھا اور اس باب میں نماز عصر کے ابتدائی وقت کا بیان ہے، چونکہ نماز ظہر ہی اسلام کی پہلی نماز ہے اور اس کے بعد نمازِ عصر آتی ہے اس لیے ظہر کے بعد نمازِ عصر کے مسائل کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ترتیب سے بیان فرما رہے ہیں

۵۰۳- أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا ثَوْرٌ، حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: صَلِّ مَعِي. فَصَلَّى الظُّهْرَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ، وَالْعَصْرَ حِينَ كَانَ فَيْءُ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ، وَالْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ، وَالْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ. قَالَ: ثُمَّ صَلَّى الظُّهْرَ حِينَ كَانَ فَيْءُ الْإِنْسَانِ مِثْلَهُ، وَالْعَصْرَ حِينَ كَانَ فَيْءُ الْإِنْسَانِ مِثْلَيْهِ، وَالْمَغْرِبَ حِينَ كَانَ قُبَيْلَ غَيْبُوبَةِ الشَّفَقِ - قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْحَارِثِ - ثُمَّ قَالَ: فِي الْعِشَاءِ أُرَى إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ"

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرما رہے ہیں: ایک شخص نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں پوچھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے ساتھ نماز پڑھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورج ڈھل گیا، تو ظہر کی نماز پڑھی، اور ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھائی، اور مغرب کی نماز سورج غروب ہونے پر پڑھائی، اور عشاء کی نماز شفق کے غائب ہونے پر پڑھائی حضرت جابر بن عبداللہ نے رضی اللہ عنہ بیان کیا۔ (اگلے دن) ظہر کی نماز پر انسان کا سایہ ایک مثل ہونے پر پڑھائی، اور عصر کی نماز انسان کا سایہ دو مثل ہونے پر پڑھائی، اور مغرب کی نماز شفق کے غائب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے پڑھائی۔ پھر فرمایا: اور عشاء کی نماز تہائی رات پر پڑھائی۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس درمیانی حصہ میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے پر عصر کی نماز پڑھائی۔

۲۔ اطراف:

ابوداود: ۳۹۵، احمد ۱۴۷۹۶، السنن الکبریٰ: ۱۵۰۶، تحفۃ الاشراف: ۲۴۱۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین راویان حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت ثور اور حضرت سلیمان بن موسیٰ کے حالات زندگی لکھے جاتے ہیں۔

۱۔عبیداللہ بن سعید:　　راجع:۱۵

۲۔عبداللہ بن حارث:

آپ کا نام ابومحمد عبداللہ بن حارث بن عبدالملک مخزومی مکی ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، امام مسلم اور ائمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۳۔ثور بن یزید:

آپ کا نام ابوخالد ثور بن یزید حمصی (م:۱۵۰ھ) ہے، آپ کے والد جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک ہوئے، اور شہید ہوئے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ ثابت راوی ہیں، آپ کی ثقاہت پر اہل علم متفق ہیں، البتہ آپ قدریہ عقائد کی طرف مائل تھے۔ سنن نسائی میں آپ سے نو (۹) احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام بخاری اور ائمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

۴۔سلیمان بن موسیٰ:

آپ کا نام سلیمان بن موسیٰ اشدق دمشقی (م:۱۱۵ھ/۱۱۹ھ) ہے، آپ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں، اور بعض کے نزدیک حضرت ابوالربیع یا حضرت ابوہشام کے آزاد کردہ غلام ہیں، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے صدوق فقیہ ہیں، البتہ بعض احادیث میں سقم ہے آپ عمر کے آخری حصہ میں معمولی اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ آپ کی ثقاہت و فقاہت پر اہل علم کا اتفاق ہے، حضرت سعید بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سلیمان بن موسیٰ اہل شام میں حضرت مکحول کے بعد سب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ شامی نوجوانوں کے سردار تھے۔ امام مسلم اور ائمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی (المجتبیٰ) میں آپ سے نو (۹) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۳)

۵۔عطاء بن ابی رباح:　　راجع:۴۰۱　　۶۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ:　　راجع:۱۳۸

۱۔　i۔الثقات، ج۸ص۳۳۶　　ii۔تقریب التھذیب، ج۱ص۳۸۷

۲۔　i۔تاریخ الدارمی، ص۲۰۵　　ii۔تاریخ الدوری، ج۲ص۷۲

۳۔　i۔التاریخ الصغیر (بخاری)، ج۱ص۳۰۴　　ii۔تہذیب الکمال، ج۱۲ص۹۳

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ حسن ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسوسات (۲۰۷) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری، دوسرے اور پانچویں راوی مکی، تیسرے حمصی، چوتھے دمشقی اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مدنی ہیں۔

☆ سند میں حضرت سلیمان بن موسیٰ نے صیغہ حدثنی، استعمال کیا ہے، جو اس بات کا بیان استحبابی ہے کہ آپ نے شیخ سے یہ حدیث اکیلے سماعت کی ہے وگرنہ جماعت کی صورت میں ''حدثنا استعمال ہوتا ہے، البتہ یہ امر استحبابی ہے، وجوبی نہیں ہے۔

☆ سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عارث، نور بن یزید اور سلیمان بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت جابر بن عبداللہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں اور آپ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ اور صیغہ تحدیث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

سئال رجل:	ایک شخص نے پوچھا	مواقیت الصلاۃ:	نماز کے اوقات
صل معی:	تم ہمارے ساتھ نماز پڑھو	صلی الظھر:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر پڑھائی
حین زاغت الشمس:	جب سورج ڈھل گیا	فئی:	سایہ
مثلہ:	اس کی ایک مثل	کل شئی مثلہ:	ہر چیز اس کی مثل
حین غابت الشمس:	جب سورج غائب ہوگیا۔	حین غاب الشفق:	جب شفق غائب ہوگئی۔
فی الانس:	انسان کا سایہ	مثلیہ:	اس کی دو مثل
کان قبیل:	تھوڑی دیر پہلے	غیبوبۃ الشفق:	شفق کا غائب ہونا
اری:	میں گمان کرتا ہوں	ثلث اللیل:	ایک تہائی۔

تَعْجِيلُ الْعَصْرِ — باب ۸: نمازِ عصر جلدی پڑھنا

نمازِ عصر کو جلدی پڑھنا سنت مستحبہ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل ہونے اور فقہاء احناف کے مطابق دو مثل سایہ ہونے پر نمازِ عصر پڑھنے میں جلدی کرنی چاہیے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے چھ احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ عصر کے ابتدائی وقت کا بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ عصر کا جلدی پڑھنے کا بیان ہے، اس طرح دونوں ابواب نمازِ عصر کے مسائل سے متعلق ہیں۔

۵۰۱۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر پڑھی، اور دھوپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تھی، اور سایہ ان کے حجرے سے نہیں نکلا تھا۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت یہ ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز کو اول وقت میں پڑھتے تھے، جب کہ دھوپ ابھی کافی تیز ہوتی تھی، اور اس سے آپ کی مراد ایک مثل سایہ ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۵۲۲، ۵۴۴، ۵۴۶، ۳۱۰۳، مسلم ۶۱۱، ابوداؤد: ۴۰۷، ترمذی: ۱۵۹، ابن ماجہ: ۶۶۸، جامع المسانید (ابن جوزی): ۷۴۶۵، السنن الکبریٰ ۱۴۹۴، احمد: ۲۴۱۵۰، تحفۃ الاشراف: ۱۶۵۸۵

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

ا۔ قتیبہ:	راجع: ۱۱۸	۲۔ لیث:	راجع: ۱۲۴
۲۔ ابن شہاب:	راجع ۱۱۶	۳۔ عروہ:	راجع: ۱۴۶
۵۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:	راجع: ۱۱۲		

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اسّی (۱۸۰) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (ابن شہاب) کی دوسرے تابعی (عروہ) سے راویت ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، اور آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

صلی : آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی　　　صلاۃ العصر : عصر کی نماز

الشمس : سورج۔ دھوپ مراد ہے۔　　　حجرتھا : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ

لم یظھر : ظاہر نہ ہوا　　　الفئی : سایہ

۵۰۵۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ مَالِكٍ قَالَ :حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ وَإِسْحَاقُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى قُبَاءٍ فَقَالَ أَحَدُهُمَا : فَيَأْتِيهِمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ .وَقَالَ الْآخَرُ :وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا فرماتے، پھر جانے والا قباء جاتا، دونوں (راویوں حضرت زہری اور اسحاق) میں سے ایک نے کہا: وہ ان کے پاس پہنچ جاتا، اور وہ ابھی نماز پڑھ رہے ہوتے تھے، اور دوسرے نے کہا: اور ابھی سورج بلند ہوتا تھا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے، مقام قباء مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا، آج کل اگرچہ قباء مدینہ منورہ کا حصہ ہے، لیکن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا فاصلہ تین میل ہی ہے۔ حدیث مبارکہ سے مراد یہ ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر جلدی ادا فرمالیتے تھے، یہی باب کے عنوان سے مطابقت ہے۔

اطراف:

بخاری: ۵۴۸، ۵۵۰، ۵۵۱، ۷۳۲۹، منصف عبدالرزاق: ۲۰۶۹، مسند ابویعلی: ۳۶۰۴، سنن بیہقی، ج ا، ص ۴۴۰، صحیح حبان: ۱۵۲۰، سنن دارقطنی: ج ا، ص ۲۵۳، شرالسنة: ۳۶۶، موطا امام مالک: ۱۱۔ ج ا، ص ۳۶، دار المعرفۃ: ۱۴۲۰، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۶۱، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۲۶۴۴۔ ج ۲۰، ص ۷۸،

تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ سوید بن نصر:	راجع: ۵۵	۲۔ عبداللہ:	راجع: ۲۲۹
۳۔ مالک:	راجع: ۱۱۷	۴۔ زہری:	راجع: ۱۱۶
۵۔ اسحاق بن عبداللہ:	راجع: ۶۸	۶۔ حضرت انس بن مالک:	راجع: ۱۳۱

حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اکیاسی (۱۸۱) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت سوید بن نصر سے امام ترمذی اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ ہی روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند میں لفظ ''عن انس'' سے پہلے ''کلاھما'' مقدر ہے، کیونکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ دو شیوخ حضرت امام زہری اور اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے سماعت فرمائی ہے، اور وہ دونوں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

☆ یہ بھتیجے کی اپنے چچا سے روایت ہے، کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی حدیث حضرت اسحاق بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے چچا ہیں۔ آپ سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) روایات مروی ہیں آپ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ نے سو سال سے زائد کی عمر پائی۔ اور ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں وفات پائی۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبانا، حدثنی ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

کان یصلی العصر:	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر ادا فرماتے تھے۔	یذهب الذاهب:	جانے والا جاتا۔
قباء:	مقامِ قباء	احدهما:	ان دونوں میں سے ایک
یا تیهم:	وہ ان کے پاس پہنچ جاتا۔	هم یصلون:	وہ نماز پڑھ رہے ہوتے۔
الاخر:	دوسرا	الشمس:	سورج
مرتفعة:	بلند۔ اونچا		

۵۰۶۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ، وَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ادا فرماتے تھے، جب کہ سورج ابھی بلند اور روشن ہوتا تھا، اور کوئی جانے والا مدینہ منورہ کے دیہاتوں میں چلا جاتا تھا، اور سورج ابھی تک بلند ہوتا تھا۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے عوالی سے مراد مدینہ منورہ کے اردگرد بلندی پر موجود دیہات ہیں، یہ دیہات دو تین میل سے لے کر آٹھ میل تک کی دوری پر واقع تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عصر جلدی ادا فرما لیتے تھے۔ یہی حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۵۵۱، مسلم: ۶۲۱، ابوداؤد: ۴۰۴، ابن ماجہ: ۶۸۲، احمد: ۱۳۲۳۴، السنن الکبریٰ: ۱۴۹۵، تحفۃ الاشراف: ۱۵۲۲

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔قتیبہ:	راجع: ۱۱۸	۲۔لیث:	راجع: ۱۲۴
۳۔ابن شہاب:	راجع: ۱۱۶	۴۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:	راجع: ۱۳۱

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ انیس (۱۹) ویں حدیث مبارکہ ہے۔
☆ رباعی سند امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ ترین سند ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی ایسے شیوخ ہیں، جن سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بغلانی، دوسرے مصری اور باقی دو مدنی ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

الشمس:	سورج	مرتفعة:	بلند
حیۃ:	روشن۔ تیز دھوپ	العوالی:	مدینہ منورہ کے اردگرد بلندی پر واقعہ دیہات

۵۰۷۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنْ أَبِي الْأَبْيَضِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُحَلِّقَةٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں عصر کی نماز پڑھاتے تھے، جبکہ سورج ابھی سفید اور بلند ہوتا تھا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

احمد: ۱۲۳۳۳، تحفۃ الاشراف: ۱۷۱۰

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو راوی حضرت ربعی بن حراش او

حضرت ابوالابیض رحمۃ اللہ علیہ کی سرگذشتِ حیات صفحہ قرطاس پر منتقل کی جارہی ہے۔

۱۔اسحاق بن ابراہیم: راجع: ۱۲۸　　۲۔جریر: راجع: ۲

۳۔منصور: ایضاً

۴۔ربعی بن حراش:

آپ کا نام ابومریم ربعی بن حراش عبسی کوفی (م ۱۰۰ھ) آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ، عابد مخضرم راوی ہیں آپ نے جابیہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سماع کیا ہے، جو کہ ملک شام کا علاقہ تھا۔امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ربعی تابعین کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ واقعہ جماجم کے بعد فوت ہوئے۔اور یہ حجاج بن یوسف کا گورنری کا زمانہ تھا، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ کوفہ کے عبادت گذاروں میں سے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے، تو حضرت ابوذر سے سماع میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے آپ سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے تیرہ (۱۳) احادیث مبارکہ ہے۔(۱)

۶۔ابولابیض:

آپ کا نام ابوالابیض عنسی شامی (م: ۸۸ھ) ہے بعض نے آپ کو مدنی بھی لکھا، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ تابعی شامی راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، بعض نے آپ کا نام عیسیٰ ذکر کیا ہے، یہ درست نہیں ہے، غالباً عنسی کو غلطی سے عیسیٰ لکھ دیا گیا ہے، حضرت علی بن ابی جمیلہ فرماتے ہیں: شام میں کوئی شخص حجاج بن یوسف پر اعلانیہ تنقید کی جراءت نہیں کرسکتا تھا، سوائے دو لوگوں کے، اور وہ حضرت بجیر بن ابی بجیر اور حضرت ابوالابیض عنسی تھے۔ حضرت یحییٰ بن ابی عمرو سیانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوالابیض عنسی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عباس بن ولید کے ہمراہ صائفہ سے نکلے، اور ابوالابیض نے حضرت عباس رحمۃ اللہ علیہ سے خواب بیان کیا، میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے کھجور اور مکھن دیا گیا ہے، وہ میں نے کھالیا اور پھر میں جنت میں داخل ہو گیا ہوں، حضرت عباس نے فرمایا: جلدی کیجیے آپ کے لیے کھجور اور مکھن ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! آپ جنتی ہیں۔پھر انہوں نے کھجور اور مکھن منگوایا، اور وہ حضرت ابوالابیض نے کھایا، پھر جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے۔حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت ابوالابیض عنسی جنگ طوانہ میں شہید ہوئے حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنگ طوانہ ۸۸ھ میں بپا ہوئی۔آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۲)

۱۔ i۔طبقات ابن سعد، ج ۲، ص ۱۲۷　　ii۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۲۳۶

۲۔ i۔تاریخ الثقات، ص ۴۸۹　　ii۔تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص ۳

۶۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع ۱۳۱

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو آٹھ (۲۰۸) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت ابوالابیض سے روایت لینے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔

☆ حضرت ربعی بن حراش اور حضرت ابوالابیض رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یصلی بنا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے تھے۔ بیضاء: سفید

محلقة: بلند

۵۰۸۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلٍ يَقُولُ :صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ، ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ قُلْتُ :يَا عَمِّ، مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ؟ قَالَ :الْعَصْرَ، وَهَذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّي

حضرت ابوامامہ بن سہیل رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ہم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی، پھر ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے دیکھا کہ وہ عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے پوچھا: اے چچا جان! یہ کون سی نماز آپ پڑھ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: عصر، اور یہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہے، جو ہم آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز جلدی پڑھی، جس سے پتہ چلا کہ عصر کی نماز جلدی پڑھنی چاہیے، یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان سے مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۵۴۹، مسلم: ۶۲۲، ابوداؤد: ۴۰۴، ابن ماجہ: ۴۸۲، مسند احمد: ج ۳، ص ۱۶۱ تحفۃ الاشراف: ۲۲۵

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت ابو بکر اور حضرت ابوامامہ (چچا، بھتیجا) کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جاتے ہیں۔

ا۔ سوید بن نصر: راجع: ۵۵ ۲۔ عبداللہ: راجع: ۲۲۹

۳۔ ابو بکر بن عثمان:

آپ کا نام حضرت ابو بکر بن عثمان بن سہل بن حنیف انصاری اوسی مدنی ہے، آپ حضرت ابوامامہ بن سہل کے بھتیجے ہیں آپ روایت کے چھٹے طبقہ سے مقبول، ثقہ راوی ہیں، امام بخاری، مسلم اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں آپ سے سنن نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں یہی ایک حدیثِ مبارکہ مروی ہے۔ (۱)

۴۔ ابوامامہ بن سہل:

آپ کا نام ابوامامہ اسعد بن سہل بن حنیف انصاری (م: ۱۰۰ھ) ہے۔ آپ نام کی بجائے کنیت سے مشہور ہیں، آپ کا نام نے نانا کے نام پر رکھا، آپ کی والدہ کا نام حبیبہ بنت اسعد رضی اللہ عنہا ہے آپ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا ہوئے، آقا کریم کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع ثابت نہیں ہے، آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک سے دو سال قبل پیدا ہوئے امام زہری بیان کرتے ہیں: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی، آپ نے ان کا نام رکھا، اور ان کو گھٹی دی تھی، آپ نے اٹھانوے (۹۸) سال کی طویل عمر پائی، آپ کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہے، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے سترہ (۱۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ ۲

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۳۱

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۱۔ i۔ الثقات، ج ۷، ص ۶۵۵ ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۴۰۶

۲۔ i۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۸۲ ii۔ تقریب التہذیب، ج ۱، ص ۷۶

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ خماسیاتِ کے اعتبار سے یہ ایک سو بیاسی (۱۸۲) ویں حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں البتہ حضرت سوید بن نصر سے امام ترمذی اور امام نسائی روایت کرتے ہیں، حضرت ابوبکر سے شیخین اور امام نسائی روایت کرتے ہیں۔ سند کے پہلے دو راوی مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ حضرت ابوبکر اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند میں دو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت، اخبرنا، انبانا، عنعنہ اور سمعت ایک ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

صلینا:	ہم نے نماز پڑھی	خرجنا:	ہم نکلے
دخلنا:	ہم داخل ہوئے۔	وجدناہ:	ہم نے انہیں پایا
یصلی العصر:	وہ عصر کی نماز پڑھ رہے تھے۔	قلت:	میں نے پوچھا
یاعم:	اے چچا!	ماھذہ الصلاۃ:	یہ کون سی نماز ہے۔
صلیت:	آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔	صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:	آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز
کنا نصلی:	ہم نماز پڑھتے تھے۔		

۵۰۹۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَلْقَمَةَ الْمَدَنِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ: صَلَّيْنَا فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، ثُمَّ انْصَرَفْنَا إِلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَنَا: صَلَّيْتُمْ؟ قُلْنَا: صَلَّيْنَا الظُّهْرَ. قَالَ: إِنِّي صَلَّيْتُ الْعَصْرَ. فَقَالُوا لَهُ: عَجَّلْتَ. فَقَالَ: إِنَّمَا أُصَلِّي كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يُصَلُّونَ

حضرت سلمہ کا بیان ہے:

ہم نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور (گورنری) میں نماز پڑھی پھر ہم حضرت انس بن مالک کے پاس گئے، تو ہم نے انہیں نماز پڑھتے ہوئے پایا، انہوں نے ہم سے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے بتایا: ہم نے ظہر کی نماز پڑھی ہے، انہوں نے کہا: میں نے عصر کی نماز پڑھی ہے۔ ہم نے کہا: آپ نے جلدی نماز پڑھ لی ہے، تو انہوں نے فرمایا: بے شک میں اس طرح نماز پڑھتا ہوں، جس طرح میں نے باقی صحابہ کرام کو نماز پڑھتے دیکھا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا نمازِ عصر جلد پڑھنا، اور صحابہ کرام کا جلدی پڑھنا، اس امر پر دلیل ہے کہ نمازِ عصر جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

تحفۃ الاشراف: ۱۷۱۸

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں چار کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت ابوعلقمہ مدنی کے حالاتِ زندگی لکھے جارہے ہیں۔

۱۔ اسحاق بن ابراہیم: راجع: ۱۲۸

۲۔ ابوعلقمہ المدنی:

آپ کا نام ابوعلقمہ عبداللہ بن محمد عبداللہ بن ابی فروہ اموی مدنی (م: ۱۹۰ھ) ہے آپ فروی کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ کثیر الحدیث، صدوق راوی ہیں آپ کو امام ابوحاتم، ابن معین، امام نسائی، ابن مدینی اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، علامہ ابن مدینی فرماتے ہیں: میں نے اہل مدینہ میں ان سے بڑھ کو کوئی پرہیزگار نہیں دیکھا۔

امام بخاری (ادب المفرد)، مسلم، ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے سو سال کی طویل عمر پائی۔ (۱)

۳۔ محمد بن عمرو: راجع: ۱۷ **۴۔ ابوسلمہ:** راجع: ۱۶۱

۵۔ حضرت انس بن مالک: راجع: ۱۳۱

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۵، ص ۱۵۵ ii۔ سوالات ابن جنید، ص ۱۵۳ iii۔ الثقات، ج ۷، ص ۶۱
iiii۔ طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۴۲۴ iiiii۔ تقریب التہذیب، ج ۱، ص ۴۱۹۔ ۴۲۰

- خماسیات کے لحاظ سے یہ ایک سو تراسی (۱۸۳) ویں حدیث مبارکہ ہے۔
- سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
- سند کے پہلے مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
- حضرت ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔
- سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ، قال ایک ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

صلینا: ہم نے نماز پڑھی۔

فی زمان عمر بن عبدالعزیز: حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ گورنری میں

الفرضنا: ہم چلے، ہم پھرے، ہم گئے یصلی: وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

وجدناہ: ہم نے انہیں پایا قال لنا: انہوں نے ہم سے پوچھا۔

صلیتم؟ کیا تم نے نماز (عصر) پڑھ لی ہے؟

صلینا الظھر: ہم نے ظہر کی نماز پڑھی ہے۔

انی صلیت العصر: بے شک میں نے عصر کی نماز پڑھی ہے۔

قالو الہ: لوگوں نے ان سے کہا۔ عجلت: میں نے جلدی کی ہے۔

اصلی: میں نے نماز پڑھی۔ کمارایت: جیسا کہ میں نے دیکھا۔

اصحابی یصلون: صحابہ کرام نماز پڑھتے تھے۔

بَابُ التَّشْدِيدِ فِي تَأْخِيرِ الْعَصْرِ باب ۹: نمازِ عصر کو دیر سے پڑھنے پر سخت وعید

نمازِ عصر کو اول وقت میں پڑھنا افضل و اعلیٰ مستحب ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ وقت ایک مثل سایہ ہے، اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مثل پر ہے۔ البتہ اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ سورج کا رنگ زرد ہونا شروع ہو جائے، یہ مکروہ ہے، اسی بارے میں احادیث مبارکہ میں سخت وعید آتی ہے، اس باب میں اسی سخت وعید کا ذکر ہے اس باب میں امام نسائی نے دو احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ پچھلے باب میں نمازِ عصر کی جلدی پڑھنے کے احتساب کا بیان تھا، اور اس باب میں تاخیر پر وعید کا بیان ہے۔ دونوں ابواب نمازِ عصر سے متعلق ہیں۔

۵۱۰۔ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرِ بْنُ إِيَاسِ بْنِ مُقَاتِلِ بْنِ مُشَمْرِجِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْعَلَاءُ أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فِي دَارِهِ بِالْبَصْرَةِ حِينَ انْصَرَفَ مِنَ الظُّهْرِ وَدَارُهُ بِجَنْبِ الْمَسْجِدِ، فَلَمَّا دَخَلْنَا عَلَيْهِ قَالَ: أَصَلَّيْتُمُ الْعَصْرَ؟ قُلْنَا: لَا. إِنَّمَا انْصَرَفْنَا السَّاعَةَ مِنَ الظُّهْرِ. قَالَ: فَصَلُّوا الْعَصْرَ. قَالَ: فَقُمْنَا فَصَلَّيْنَا، فَلَمَّا انْصَرَفْنَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ " تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ: جَلَسَ يَرْقُبُ صَلَاةَ الْعَصْرِ حَتَّى إِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا "

حضرت علاء بن عبد الرحمان کا بیان ہے: وہ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر شہر بصرہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کا گھر مسجد کے قریب ہی تھا، جب ہم ان کے پاس پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ہمیں پوچھا: کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے؟ ہم نے کہا ہم تو ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آئے ہیں، آپ نے فرمایا تم عصر کی نماز پڑھ لو۔ ہم اٹھے اور عصر کی نماز ادا کی، جب ہم فارغ ہوئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: منافق کی نماز ہے، وہ بیٹھا عصر کی نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سورج جب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے وہ کھڑا ہوتا ہے اور چار ٹھونگیں مارتا ہے، اور اس دوران اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کے آخری حصہ میں نمازِ عصر کی تاخیر پر وعید اور آپ کی ناراضگی کا بیان ہے، یہی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۶۲۲، ابوداؤد: ۴۱۳، ترمذی: ۱۶۰، السنن الکبریٰ: ۱۴۹۷، تحفۃ الاشراف: ۱۱۲۲۔

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔علی بن حجر:	راجع:۱۷	۲۔اسماعیل بن جعفر:	راجع:۱۷
۳۔العلاء:	راجع:۱۴۳	۴۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:	راجع ۱۳۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے اور امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیات امام نسائی میں سے ہے۔
☆ رباعی امام نسائی کی اعلیٰ ترین سند ہے۔
☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ بیس (۲۰) ویں حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

دخل:	وہ ایک مرد داخل ہوا۔	دار:	گھر
حین الفرف:	جب وہ لوٹا۔	جنب المسجد:	مسجد کا پڑوس
اصلیتم العصر؟:	کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے	الساعة:	گھڑی
صلوا:	تم نماز پڑھو۔	قمنا:	ہم کھڑے ہوئے۔
انصرفنا:	ہم پھرے۔ہم نے مکمل کیا۔	سمعت:	میں نے سنا
صلاة المنافق:	منافق کی نماز	جلس:	وہ بیٹھا
یرقب:	وہ انتظار کرتا تھا۔	قرنی الشیطان:	شیطان کے دوسینگ
قام:	وہ کھڑا ہوا۔	نقر:	اس نے ٹھونگا مارا
لا یذکر الله:	وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا	قلیلا:	تھوڑا

۵۱۱۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کی نمازِ عصر فوت ہوگئی، گویا کہ اس کا گھر بارلٹ گیا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۶۲۶،ابن ماجہ:۶۸۵،احمد:۴۵۴۵،السنن الکبریٰ:۱۴۹۸،تحفۃ الاشراف:۶۸۲۹

تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

ا۔اسحاق بن ابراہیم: راجع:۱۲۸ **۲۔سفیان:** راجع:۱۲۵

۳۔الزہری: راجع:۱۱۶ **۴۔سالم:** راجع:۴۸۹

۵۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ: راجع:۱۱۷

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چوراسی (۱۸۴) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے شیوخ ہیں جن سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (زہری) کی دوسرے تابعی (سالم) سے روایت ہے۔

☆ یہ بیٹے (سالم) کی اپنے باپ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔

- حضرت سالم ابن عبداللہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں
- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ اور فقہاء عبادلہ اربعہ میں سے ہیں۔
- سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

تفوت: رہ گئی، قضا ہو گئی — صلاۃ العصر: عصر کی نماز

وتر: اسے لوٹ لیا گیا۔ وہ لٹ گیا۔ — اھل: گھر والے۔ بیوی بچے

مال: مال

آخِرُ وَقْتِ الْعَصْرِ — باب ۱۰: نمازِ عصر کا آخری وقت

نمازِ عصر کا آخری وقت باتفاق فقہاء کرام غروب آفتاب سے ذرا پہلے ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسے ہی سورج غروب ہونا شروع ہوتا ہے، عصر کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس باب میں امام نسائی رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نماز عصر میں تاخیر پر وعید کا بیان تھا۔ اور اس باب میں نماز عصر کے آخری وقت کا بیان ہے۔

۵۱۲۔ أَخْبَرَنَا يُوسُفُ بْنُ وَاضِحٍ قَالَ: حَدَّثَنَا قُدَامَةُ يَعْنِي ابْنَ شِهَابٍ، عَنْ بُرْدٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، "أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُ مَوَاقِيتَ الصَّلَاةِ، فَتَقَدَّمَ جِبْرِيلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ، وَالنَّاسُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَصَلَّى الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ، وَأَتَاهُ حِينَ كَانَ الظِّلُّ مِثْلَ شَخْصِهِ فَصَنَعَ كَمَا صَنَعَ، فَتَقَدَّمَ جِبْرِيلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ، وَالنَّاسُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ أَتَاهُ حِينَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَتَقَدَّمَ جِبْرِيلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ،

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضرت جبریل امین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کے اوقات بتلانے کے لیے تشریف لائے۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام آگے کھڑے ہوئے، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اور باقی تمام صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے کھڑے ہو گئے، حضرت جبریل امین نے سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز پڑھائی، پھر ہر شخص کا سایہ جب ایک مثل ہو گیا، تو حضرت جبریل امین تشریف لائے اور ویسا ہی کیا، جیسا کہ پہلے کیا تھا، یعنی حضرت جبریل امین آگے کھڑے ہو گئے، آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے، اور صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے، اس طرح عصر کی نماز پڑھائی،

وَالنَّاسُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَتَاهُ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ فَتَقَدَّمَ جِبْرِيلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ، وَالنَّاسُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ أَتَاهُ حِينَ انْشَقَّ الْفَجْرُ فَتَقَدَّمَ جِبْرِيلُ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلْفَهُ، وَالنَّاسُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الْغَدَاةَ، ثُمَّ أَتَاهُ الْيَوْمَ الثَّانِيَ حِينَ كَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ مِثْلَ شَخْصِهِ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعَ بِالْأَمْسِ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَتَاهُ حِينَ كَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ مِثْلَ شَخْصَيْهِ فَصَنَعَ كَمَا صَنَعَ بِالْأَمْسِ فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ أَتَاهُ حِينَ وَجَبَتِ الشَّمْسُ فَصَنَعَ كَمَا صَنَعَ بِالْأَمْسِ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، فَنِمْنَا ثُمَّ قُمْنَا، ثُمَّ نِمْنَا ثُمَّ قُمْنَا، فَأَتَاهُ فَصَنَعَ كَمَا صَنَعَ بِالْأَمْسِ فَصَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ أَتَاهُ حِينَ امْتَدَّ الْفَجْرُ وَأَصْبَحَ وَالنُّجُومُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ فَصَنَعَ كَمَا صَنَعَ بِالْأَمْسِ فَصَلَّى الْغَدَاةَ، ثُمَّ قَالَ :مَا بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ وَقْتٌ "

پھر سورج غروب ہونے پر حضرت جبریل امین تشریف لائے پس وہ آگے کھڑے ہوئے، آقا کریم ﷺ ان کے پیچھے کھڑے ہو گئے، اور صحابہ کرام حضور کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ اس طرح نماز مغرب پڑھائی پھر وہ شفق غائب ہونے پر تشریف لائے، حضرت جبریل امین آگے کھڑے ہو گئے، آقا کریم ﷺ ان کے پیچھے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، اس طرح انہوں نے عشاء کی نماز پڑھائی، پھر حضرت جبریل امین صبح صادق کے وقت تشریف لائے وہ آگے کھڑے ہو گئے، آقا کریم ﷺ ان کے پیچھے، اور صحابہ کرام آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر وہ دوسرے دن اس وقت تشریف لائے، جب ہر شخص کا سایہ ایک مثل ہو گیا، اور اسی طرح کیا، جس طرح کل کیا تھا، اور ظہر کی نماز پڑھائی، پھر وہ اس وقت تشریف لائے جب ہر شخص کا سایہ دو مثل ہو گیا، اور اسی طرح کیا، جس طرح کل کیا تھا، پھر نماز عصر پڑھائی، پھر وہ سورج غروب ہونے پر تشریف لائے، اور اسی طرح کیا جس طرح کل کیا تھا، اور نماز مغرب پڑھائی، پھر ہم سو گئے، پھر بیدار ہوئے، پھر سو گئے، پھر بیدار ہوئے، پھر وہ تشریف لائے، اور اسی طرح کیا، جس طرح کل کیا تھا، اور عشاء کی نماز پڑھائی پھر وہ اس وقت تشریف لائے جب فجر کی روشنی پھیل چکی تھی، اور صبح ہو چکی تھی، اور ستاروں کے جھرمٹ صاف کھلے ہوئے تھے، اور ویسا ہی کیا، جیسا کہ کل کیا تھا، پھر فجر کی نماز پڑھائی، اور فرمایا: ان دو نمازوں کے درمیان ہر نماز کا وقت ہے۔

مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان سے مطابقت حسب ذیل ہے۔
حضرت جبرائیل امین نے نمازِ عصر پہلے دن ایک مثل سایہ پر اور دوسرے دن دو مثل سایہ پر پڑھائی، اور فرمایا: ان دو نمازوں کے درمیان نمازِ عصر کا وقت ہے، جس سے امام نسائی کے مسلک کی وضاحت ہوتی ہے، کہ نمازِ عصر کا مستحب وقت ایک مثل سایہ سے دو مثل سایہ (سایہ اصلی کے علاوہ) کے درمیان کا وقت ہی وقتِ مستحب ہے۔

باب کا عنوان کا قائم کرنے میں تسامح:

باب کے عنوان میں چونکہ نمازِ عصر کے آخری وقت کا بیان ہے، جب کہ حدیث مبارکہ میں نمازِ عصر کے مستحب وقت کا بیان ہے، اس لیے باب کا عنوان: نمازِ عصر کا مستحب وقت ہونا چاہیے تھا، یا نمازِ عصر کا آخری وقت مستحب ہونا چاہیے تھا، کیونکہ اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نمازِ عصر کا آخری وقت غروب آفتاب ہے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۔ اطراف:

مستدرک حاکم: ج۱ص۱۹۶، السنن الکبریٰ: ۱۵۰۷، تحفۃ الاشراف: ۲۴۰۱

۲۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت یوسف اور قدامہ کے حالاتِ زندگی لکھے جاتے ہیں:

۱۔ ابو یوسف:

آپ کا نام ابو یعقوب یوسف بن واضح المکتب ہاشمی بصری (م: ۲۵۰ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ (۱)

۲۔ قدامہ بن شہاب:

آپ کا نام قدامہ بن شہاب مازنی بصری ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے صدوق ثقہ راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرنے میں منفرد ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔ (۲)

۳۔ برد: راجع: ۲۲۱ **۴۔ عطاء بن ابی رباح:** راجع: ۱۵۴

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ راجع: ۱۳۸

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج۹ص۲۳۲ ii۔ المعجم المشتمل ص۱۱۹۰
۲۔ i۔ الثقات، ج۵ص۳۱۹ ii۔ تہذیب التہذیب، ج۳ص۴۳۳-۴۳۴

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے لحاظ سے یہ ایک سو پچاسی (۱۸۵) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری، تیسرے دمشقی، چوتھے مکی اور حضرت جابر بن عبداللہ مدنی ہیں۔

☆ حضرت یوسف اور حضرت قدامہ سے روایت لینے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔

☆ دونوں مذکورہ راویوں سے سنن نسائی میں یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت قدامہ بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے یہی ایک حدیثِ مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ تابعی (برد) کی دوسرے تابعی (عطاء) سے روایت ہے۔

☆ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں، اور آپ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

اتی: وہ آئے۔ یعلمہ: انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھلایا۔

مواقیت الصلاۃ: نماز کے اوقات تقدم: وہ آگے ہوئے۔

خلفہ: اس کے پیچھے الناس: لوگ، صحابہ کرام۔

صلی الظھر: انہوں نے نمازِ ظہر پڑھائی حین ذالت الشمس: جب سورج ڈھل گیا۔

اتاہ: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ الظل: سایہ

مثل شحصہ: شخص کی ایک مثل صنع: اس نے کیا:

صلی العصر: انہوں نے عصر کی نماز پڑھائی۔

حین وجبت الشمس: جب سورج غروب ہوگیا۔

صلى المغرب: انہوں نے مغرب کی نماز پڑھائی۔
حين غاب الشفق: جب شفق (سفیدی) غائب ہوگئی۔
صلى العشاء: انہوں نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ حين انشق الفجر: جب صبح صادق ہوئی۔

صلى الغداة:	انہوں نے فجر کی نماز پڑھائی۔	اليوم الثاني:	دوسرے دن۔
الرجل:	آدمی	الامس:	کل
مثل شخصيه :	ہر شخص کی دو مثل	نمنا :	ہم سو گئے۔
قمنا:	ہم اٹھے یعنی جاگے	هين امتدالفجر :	جب روشنی پھیل گئی۔
اصبح:	صبح ہوگئی	النجوم:	ستارے
بادية:	ظاهر۔ واضح	مشتبكة:	جھرمٹ
مابين هاتين:	ان دونوں کے درمیان	الصلاتين:	دو نمازیں

مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَتَيْنِ مِنَ الْعَصْرِ　　باب ۱۱: عصر کی دو رکعات پالینے والے کا حکم

اکثر کتب احادیث اور سنن نسائی کے بعض نسخوں میں بھی دو رکعتوں کی بجائے ایک رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، ان احادیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں، اور ان پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک ایک رکعت پڑھ لی، تو وہ باقی نماز بھی پوری کرے گا، اور اس کی یہ نماز ادا ہو جائے گی، دوسرا شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی سورج غروب ہونے یا طلوع ہونے سے اتنی دیر پہلے مسلمان ہوا کہ اس میں ایک رکعت پڑھی جاسکتی ہے، یا نابالغ بچہ یا بچی بالغ ہو گئے، یا کسی عورت کا ایک حیض یا نفاس ختم ہوا، اور اس نے ایک رکعت جتنا وقت پالیا، تو ان تمام پر یہ عصر یا فجر کی نماز فرض ہوگئی، اور اس نماز کا قضا کرنا ان پر لازم ہوگا، البتہ اگر کسی مسلمان نے سورج طلوع ہونے سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی، اور اس کے بعد سورج طلوع ہوگیا، تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسا شخص نماز مکمل کرے گا، جبکہ فقہاء احناف کے نزدیک ایسے شخص کی نماز باطل ہو جائے گی، اس باب میں غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالینے والے کا حکم بیان ہوا ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ احادیث مبارکہ سے استنباط فرمایا ہے، پچھلے باب میں نماز عصر کے آخری وقت کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز عصر کی دو رکعتیں پالینے والے کا بیان ہے، اس طرح دونوں ابواب میں نماز عصر سے متعلقہ مسائل کا بیان ہے۔

۵۱۳۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ :سَمِعْتُ مَعْمَرًا، عَنْ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَتَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ أَوْ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی دو رکعتیں پالیں، یا سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پالی، تو اس نے نماز پالی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ابتدائی حصہ میں بالکل واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۶۰۹، ابوداؤد:۴۱۲، احمد:۸۵۹۳، السنن الکبریٰ:۱۵۰۱، تحفۃ الاشراف:۱۳۵۷۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت عبداللہ بن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی سپرد قلم کیے جارہے ہیں، البتہ حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کی سرگذشتِ حیات دوبارہ تفصیل سے لکھی جارہی ہے۔

۱۔محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع:۵ ۲۔معتمر: راجع:۱۰

۳۔معمر: راجع:۱۶۱

۴۔عبداللہ بن طاؤس:

آپ کا نام ابو محمد عبداللہ بن طاؤس بن کیسان یمانی (م:۱۳۲ھ) ہے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، فاضل، عابد راوی ہیں، ائمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر تم کسی کی طرف علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا چاہتے ہو تو پھر حضرت عبداللہ بن طاؤس کی طرف جاؤ، پس میں آپ کی طرف عازم سفر ہوا اسی طرح حضرت ایوب نے یہ بھی فرمایا: میں نے کسی فقیہ کے بیٹے کو اتنا عالم نہیں پایا، جتنا ابن طاؤس ہیں، میں نے عرض کیا: کیا ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ بھی نہیں؟: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تیرے لیے حضرت ہشام کافی ہیں، لیکن میں نے ابن طاؤس کی مثل کسی کو نہیں پایا، وہ لوگوں میں سب سے بڑے عربی کے عالم اور اخلاق کے اعلیٰ ہیں، امام ابن حبان فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن طاؤس رحمۃ اللہ علیہ علم دین اور سخاوت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بہترین بندوں میں سے تھے۔ البتہ ان سے

رے میں بعض رافضی باتوں کا بیان کیا گیا ہے۔ سنن نسائی میں آپ سے پینتیس (۳۵) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۵۔ حضرت طاؤس بن کیسان:

نام ونسب:

طاؤس نام، عبدالرحمٰن کنیت بحیرین ریسان حمیری کے غلام تھے۔ ان کے والد نسلاً عجمی تھے لیکن آل حمدان سے تعلقات پیدا کر کے یمن کے شہر جند میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے طاؤس کا شمار کبار تابعین میں تھا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں:

طاؤس صاحب علم وفضل و کبار تابعین میں تھے، ان کی جلالت، فضلیت علم اور صلاح وحفظ پر سب کا اتفاق ہے۔(۲) ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور علم وعمل کے اعتبار سے علماء اعلام میں تھے۔(۳)

حدیث:

حدیث کے اعتبار سے وہ بڑے حافظ تھے۔ ان کا حفظ حدیث ارباب علم میں مسلم تھا۔(۴)۔ پچاس صحابہ کے دیدار کا شرف حاصل تھا، ان میں عبداللہ بن عمرو، عمرو بن عباس، ابن عمر بن العاص ابن زبیر، زید بن ارقم، زید بن ثابت، ابو ہریرہ، عائشہ صدیقہ، سراقہ بن مالک، صفوان بن مسعود سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ استفادہ کیا تھا۔(۵)

فقہ:

فقہ میں بڑا پایہ تھا۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں: كان فقيها جليل القدر رفيع الذكر۔(۶)

تلامذہ:

تلامذہ کا دائرہ بھی خاصا وسیع تھا، ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، آپ کے صاحبزادے عبداللہ، وہب بن میسرہ، حبیب بن ابی ثابت، اصم بن عتیبہ، حسن بن مسلم، سلیمان بن موسیٰ عبدالکریم حزری، عبدالملک بن میسرہ، عمرو بن شعیب، عمرو بن دینار، عمرو بن مسلم، قیس بن سعد مجاہد، لیث، ابوسلیم اور ہشام وغیرہ۔(۷)

۱۔ الجرح والتعدیل، ج ۵ ص ۸۸، الثقات: ج ۷، ص ۴
۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۱ ص ۲۵۱
۳۔ شذرات الذہب، ج ۱ ص ۱۳۳
۴۔ تہذیب الاسماء، ج ۱ ص ۲۵۱
۵۔ تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۹
۶۔ ابن خلکان، ج ۱ ص ۲۳۲
۷۔ ایضاً

معاصر علماء میں ان کا درجہ:

علمی اعتبار سے ان کا شمار اس عہد کے اکابر علماء کے زمرہ میں تھا۔ ابن عینیہ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن یزید سے پوچھا کہ تم کن لوگوں کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے تھے انہوں نے جواب دیا، عطاء اوران کی جماعت کے ساتھ میں نے کہا اور طاؤس، انہوں نے کہا وہ خواص کے ساتھ جاتے تھے۔ (۱)

ارباب علم کا اعتراف:

اس عہد کے تمام ارباب علم ان کے کمال علم کے معترف تھے۔ عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے کسی شخص کو طاؤس کے برابر نہیں دیکھا۔ بعض لوگوں کے نزدیک وہ یمن کے ابن سیرین تھے، سعید بن ابی سیرین کا بیان ہے کہ قیس بن سعد کہتے تھے کہ طاؤس ہمارے یہاں کے ابن سیرین ہیں۔ (۲) بعض علماء انہیں حضرت ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پایہ سمجھتے تھے۔ عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ آپ کو طاؤس زیادہ پسند ہیں یا سعید بن جبیر؟ انہوں نے کسی کو ترجیح نہیں دی۔ (۳)

زہد وعبادت:

اس علم کے ساتھ طاؤس میں اسی درجہ کا عمل تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ یمن کے عبادت گزار لوگوں میں تھے۔ (۴)، کثرت سے پیشانی پر نشانِ سجدہ تاباں تھا، بستر مرگ پر بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ (۵) چالیس حج کیے۔ (۶) طواف میں خاموش رہتے تھے کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ طواف نماز ہے۔ (۷)

انفاق فی سبیل اللہ:

خدا کی راہ میں بھی حسب استطاعت صرف کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک سزایاب کو اس کا جرمانہ ادا کر کے چھڑایا۔ (۸)

دولتِ دنیا سے بیزاری:

دنیا اور اس کی خواہشوں سے بالکل بے نیاز تھے۔ کبھی دنیاوی نعمتوں کی خواہش نہیں کی ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے، کہ "خدا مجھے مال اور اولاد سے محروم رکھ اور اس کے بدلہ میں ایمان وعمل کی دولت عطا فرما۔ (۹)

اہل دنیا سے بے تعلقی ارباب حکومت اور ثروت سے ہمیشہ گریز کرتے اور ان کو شر سمجھتے تھے۔ ابن عینیہ کا بیان ہے کہ حکومت اور حکمرانوں سے گریز کرنے والے تین آدمی تھے، ابوذر صحابی اپنے زمانے میں اور طاؤس وثوری اپنے زمانے میں (۱۰) فرماتے تھے ارباب شرف ودول سے زیادہ کسی کو شر نہیں دیکھا۔ (۱۱)

۱۔ تہذیب الاسماء، ج ۱، ص ۲۹۱ ۲۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۹۴ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۹

۴۔ ایضاً ۵۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۹۳، وص ۳۵۹ ۶۔ تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۹ ۷۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۹۳

۸۔ ایضاً، ص ۳۹۴ ۹۔ ایضاً ۱۰۔ تہذیب التہذیب، ج ۵، ص ۱۰ ۱۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۹۲

راء اور سلاطین کا معمول احسان اٹھانا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہب بن منبہ کے ہمراہ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد
یاں گئے۔ اس وقت سردی زیادہ تھی، اس لیے محمد بن یوسف نے ان کے اوپر ایک چادر ڈلوادی مگر انہوں نے کندھا ہلا کر گرا دیا۔
رکو یہ ناگوار ہوا، یہاں سے اٹھنے کے بعد ان کے ہمراہی وہب نے ان سے کہا کہ اگر تم کو چادر کی ضرورت نہ تھی تو بھی لوگوں کو محمد
کے غصہ سے بچانے کے لیے تم کو اس وقت لے لینا چاہیے تھا۔ زیادہ سے زیادہ اسے بیچ کر اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دیتے
انہوں نے جواب دیا، اگر اس کا خیال نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ میرے اس فعل کو سند جواز بنائیں گے تو ایسا کرتا۔(۱)

تحصیلداری کا عہدہ:

ایک مرتبہ محمد بن یوسف نے انہیں چند دنوں کے لیے تحصیلداری کے عہدہ پر مامور کر دیا، ان کے جیسے شخص کو اس عہدہ سے کیا مناسبت ہوسکتی تھی، وہ جس طرح اس کام کو کرتے تھے اس کی تفصیل خود ان کی زبان سے یہ ہے ابراہیم بن میسرہ نے ان سے پوچھا آپ تحصیلداری کے زمانہ میں کیا کرتے تھے فرمایا میں باقی دار سے کہتا تھا خدا تم پر رحم کرے اس نے تم کو جو عطا کیا، اس کو (شریعت کا حق دے کر) پاک کرو اگر وہ اس کہنے پر خراج دے دیتا تو لے لیتا تھا اور اگر کوئی اعراض کرتا تھا تو میں اسے بلاتا نہ تھا۔(۲)

خلفاء کو نصیحت:

قیام عدل وخدمت خلق کا دارومدار صالح عہدہ داروں پر ہے اس لیے طاؤس سلاطین اور خلفاء کو حکام کے انتخاب کے باب میں نصیحت کیا کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہیں لکھ بھیجا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے تمام کام اچھے ہوں تو اچھے لوگوں کو عہدہ دار بنائیں، انہوں نے جواب لکھا کہ میری بھلائی کے لیے آپ کی نصیحت کافی ہے۔(۳)

ان کے صاحبزادے عبداللہ بھی بالکل ان کے ہم رنگ تھے۔ ایک مرتبہ ابوجعفر منصور عباسی نے انہیں اور امام مالک کو بلا بھیجا یہ دونوں گئے، منصور نے عبداللہ سے کہا کہ اپنے والد کی کوئی حدیث سنائیے؟ انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ ''قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا جو خدا کی حکومت میں شرک کرے گا''، یعنی اس میں ظلم کو شریک بنائے گا۔ یہ نصیحت آموز حدیث سن کر منصور خاموش ہوگیا، تھوڑی دیر خاموشی کے بعد منصور نے تین مرتبہ عبداللہ سے دوات اٹھانے کے لیے کہا مگر انہوں نے تعمیل نہیں کی۔ منصور نے کہا دوات کیوں نہیں اٹھاتے؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ اگر تم اس سے کوئی ظالمانہ حکم لکھو گے تو اس میں میری شرکت بھی ہو جائے گی۔ ان کی یہ کھری باتیں سن کر منصور نے دونوں کو اٹھا دیا، عبداللہ نے کہا کہ ہم تو یہی چاہتے تھے، امام مالک کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے میں عبداللہ کے فضل کا معترف ہوگیا۔(۴)

۱۔ ابن سعد، ج۵، ص۳۹۴　　۲۔ ایضاً، ص۲۹۳
۳۔ ابن خلکان، ج۱، ص۲۳۳　　۴۔ ابن خلکان، ج۱، ص۲۳۳

قرآن کا احترام:

وہ کلام الٰہی سے مالی فائدہ اٹھانے کو نہایت برا اور قرآن کے منافی سمجھتے تھے، ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو قرآن مجید کا ہدیہ کرتے سنا تو انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنے لگے۔(۱)

نوجوانوں کی اصلاح:

نوجوانوں کی جدت آمیز وضع قطع اور چال ڈھال کو سخت ناپسند کرتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے چند خویش پوش اور جدت پسند نوجوانوں کو طواف کی حالت میں دیکھ کر ٹوکا کہ تم لوگ ایسا لباس پہنتے ہو جو تمہارے اسلاف نہ پہنتے تھے، اور ایسی اٹھلائی ہوئی چال چلتے ہو کہ ہیجڑے بھی نہیں چل سکتے۔(۲)

عید المؤمنین:

عید کی خوشی منانا ضروری سمجھتے تھے، اس دن اپنی تمام لونڈیوں کے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگواتے تھے اور فرماتے تھے یہ عید کا دن ہے۔(۳)

وفات:

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ وہ حج بکثرت کرتے تھے اس کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا، خدا نے ان کے اس ذوق کو حسن قبول بخشا چنانچہ ۱۰۶ھ کے حج کے موسم میں مکہ ہی میں ترویہ سے ایک دن پہلے انتقال کیا، اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے ارض مکہ میں مقیم ہو گئے۔(۴) حج کی وجہ سے جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ جنازہ لے جانا دشوار ہو گیا، ابراہیم بن ہشام مخزومی نے انتظام کے لیے پولیس بھیجی، پھر اتنا مجمع تھا کہ جنازہ اٹھانے والوں کے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، اور ہزاروں حاجیوں کے ہاتھوں مدفون ہوئے۔(۵)(۶)

۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس: راجع: ۱۳۲ **۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:** راجع: ۱۱۰

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسونو (۲۰۹) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۳۹۳ ۲۔ ایضاً ص ۳۹۵ ۳۔ ایضاً ص ۳۹۳

۴۔ ایضاً ص ۳۹۵ ۵۔ ابن خلکان، ج ۱، ص ۲۳۳ ۶۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۱۷۵۔۱۷۸

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں
☆ حضرت محمد بن عبد الاعلیٰ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ روایت نہیں کرتے، جبکہ امام ابوداؤد نے کتاب القدر میں روایت کیا ہے۔
☆ سند کے پہلے تین راوی بصری، اگلے دو یمانی، حضرت ابن عباس مکی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدنی ہیں۔
☆ یہ صحابی کی صحابی سے روایت ہے۔
☆ یہ بیٹے کی باپ سے روایت ہے۔
☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دونوں مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں۔
☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

من ادرک:	جو شخص پالے۔	رکعتیں:	دو رکعتیں
صلاۃ العصر:	عصر کی نماز	قبل ان تغرب الشمس:	سورج غروب ہونے سے پہلے
رکعۃ:	ایک رکعت	صلاۃ الصبح:	فجر کی نماز
قبل ان تطلع الشمس:	سورج طلوع ہونے سے پہلے		

۵۱۴۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَ :حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ :سَمِعْتُ مَعْمَرًا، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ، أَوْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْفَجْرِ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ فَقَدْ أَدْرَكَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جو شخص سورج غروب ہونے سے قبل عصر کی ایک رکعت پالے، یا سورج نکلنے سے قبل فجر کی ایک رکعت پالے، تو اس نے نماز کو پالیا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے سنن نسائی کے بعض نسخوں میں باب کا ایک دو رکعتوں کی بجائے ایک رکعت پانے والے کا حکم ہے اگر یہ عنوان ہو تو ابتدائی خلاصہ کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۱۶۳، ابن ماجہ:۷۰۰، احمد:۷۴۶۴، السنن الکبریٰ:۱۵۰۳، تحفۃ الاشراف:۱۵۲۷۴

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ محمد بن عبدالاعلی:	راجع: ۵	**۲۔ معتمر:**	راجع: ۱۰
۳۔ معمر:	راجع: ۱۶۱	**۴۔ الزھری:**	راجع: ۱۱۶
۵۔ ابوسلمہ:	راجع: ۱۶۱	**۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:**	راجع: ۱۱۰

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسودس (۲۱۰) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی کی دوسرے تابعی سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا سمعت ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

ان تغیب الشمس: سورج کا غائب ہونا: طلوع الشمس: سورج کا نکلنا

۵۱۵۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ أَوَّلَ سَجْدَةٍ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ، وَإِذَا أَدْرَكَ أَوَّلَ سَجْدَةٍ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو اسے چاہیے وہ نماز مکمل کرے، اور جب کوئی فجر کی ایک رکعت سورج نکلنے سے پہلے پالے، تو اسے بھی چاہیے کہ وہ نماز مکمل کرے۔

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۵۵۶، ۵۷۹، ۵۸۰، صحیح مسلم: ۶۰۸، الرقم المسلسل: ۱۳۴۹، سنن ترمذی: ۱۸۶، سنن ابن ماجہ: ۶۹۹، موطا امام مالک: ۵، ج ۱، ص ۳۴۔۳۵ دارالمعرفہ، بیروت، سنن دارمی: ۱۲۲۲، صحیح ابن خزیمہ: ۹۸۵، صحیح ابن حبان: ۱۵۸۳۔۱۵۵۷، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۳۶۸۔۳۶۷، شرح السنۃ: ۳۹۹، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۳۸۱، مسند احمد ج ۲، ص ۴۶۲ طبع قدیم، مسند احمد: ۹۹۵۴ ج ۱۶، ص ۳۷ مؤسسۃ الرسالۃ، جامع المسانید لابن الجوزی: ۴۸۳۹

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ عمرو بن منصور:	راجع: ۱۴۷	**۲۔ الفضل ابن دکن:**	راجع: ۴۲
۳۔ شیبان:	راجع: ۳۴۶	**۴۔ یحیٰ:**	راجع: ۲۴
۵۔ ابوسلمہ:	راجع: ۱۶۱	**۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:**	راجع: ۱۱۰

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیاتِ کے اعتبار سے یہ دوسو گیارویں (۲۱۱) ویں حدیث مبارکہ ہے، اور یہ مسلسل تیسری روایت سداسیاتِ میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت عمرو بن منصور رضی اللہ عنہ سے روایت لینے میں امام نسائی منفرد ہیں۔

☆ امام نسائی کے شیخ بھی نسائی نسبت رکھتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی نسائی، دوسرے کوفی، تیسرے بصری، چوتھے یمامی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (یحیٰ) کی دوسرے تابعی (ابوسلمہ سے روایت ہے۔

☆ حضرت ابو سلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

احد کم: تم میں سے کوئی ایک — اول سجدة: پہلا سجدہ، یہاں مرادی معنی پہلی رکعت ہے۔

فلیتم: اسے چاہیے کہ وہ مکمل کرے۔ — صلاۃ الصبح: فجر کی نماز

ان تطلع الشمس: سورج نکلنے سے پہلے — صلاته: اپنی نماز

۵۱۶۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، وَعَنِ الْأَعْرَجِ يُحَدِّثُونَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے سورج نکلنے سے پہلے ایک رکعت پالی، اس نے فجر کی نماز پالی، اور جس نے سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی، اس نے عصر کی نماز پالی۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کے دوسرے حصہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری:۵۷۹، مسلم:۶۰۸، ترمذی:۱۸۶، ابن ماجہ:۶۹۹، احمد:۱۰۱۳۵، السنن الکبریٰ:۱۵۰۴، تحفۃ الاشراف:۱۲۲۰۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، ان میں سے چھ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت بسر بن سعید کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں۔

۱۔قتیبہ: راجع:۱۱۸ — ۲۔مالک: راجع:۱۱۷

۳۔زید بن اسلم: راجع:۱۲۰ — ۴۔عطاء بن یسار: راجع:۸۰

۷۔ بسر بن سعید رضی اللہ عنہ:

نام ونسب:

بسر نام، والد کا نام سعید تھا، حضرمیوں کے غلام تھے، مدینۃ الرسول میں بنی حدیلہ کے محلہ میں رہتے تھے۔ زہد وورع کے اعتبار سے مدینہ کے ممتاز بزرگوں میں تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ان کا شمار علماء ربانیین میں تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: بسر بن سعید العالم الربانی المجاب الدعوۃ احد التابعین۔ (۱)

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معتد بہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی۔ ابن سعد لکھتے ہیں: کان ثقۃ کثیر الحدیث۔ (۲)

حدیث میں وہ حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر اور سعید بن مالک رضی اللہ عنہم جیسے اجلہ صحابہ سے فیض یاب ہوئے تھے، اور سالم ابو النصر بکر بن الاشج، محمد بن ابراہیم، یعقوب بن اشج، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور یزید بن خصیفہ وغیرہ کے خوشہ چینیوں میں تھے۔ (۳)

زہد وورع:

ان کے دستار فضلیت کا نمایاں طرہ زہد وورع تھا، ابن سعد لکھتے ہیں، ''کان بسر بن العباد المنقطعین واهل الزهد فی الدنیا'' (۴) ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں، ''بسر بن سعید المدنی الزهد العابد المجاب الدعوة'' (۵)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پر اثر:

ان کے زہد و ورع کے بڑے بڑے تقیاء اور صلحائے امت معترف تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز جیسے بزرگ انہیں تمام اہل مدینہ سے افضل سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ولید بن عبدالملک نے ان سے پوچھا کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل کون ہے، فرمایا بنی حضرمی کا غلام پسر۔ (۶)

وفات:

۱۰۰ھ میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وفات پائی انتقال کے وقت اٹھتر (۷۸) سال کی عمر تھی۔ زہد کا یہ عالم تھا کہ مرتے وقت کفن تک نہ چھوڑا، اسی زمانہ میں عبدالملک کے لڑکے عبداللہ کا انتقال ہوا تھا۔ اس نے اسی مدسونا چھوڑا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس تفاوت راہ پر فرمایا کہ اگر دونوں کے جانے کی جگہ ایک ہوتی تو میں دنیا میں عبداللہ کی جیسی عیش وآرام کی زندگی پسند کرتا۔ اس تعریض پر عبداللہ کے بھائی مسلمہ نے کہا امیر المومنین آپ نے اپنے خاندان پر چوٹ کی۔ فرمایا میں صاحب فضل کی

۱۔ دول الاسلام ذہبی، ج۱ص۵۱　۲۔ ابن سعد، ج۵ص۲۰۸　۳۔ تہذیب التہذیب، ج۱ص۴۳۷
۴۔ ابن سعد، ج۵ص۲۰۸　۵۔ شذرات الذہب، ج۱ص۱۱۸　۶۔ تہذیب التہذیب، ج۱ص۴۳۷

فضلیت کا ذکر نہیں چھوڑ سکتا۔(۱) (۲)

۶۔اعرض:　　راجع:۷　　۷۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ:　　راجع:۱۱۰

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چھیاسی (۱۸۶) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت زید بن اسلم خود تابعی ہیں، اور آگے تین تابعین سے روایت کرتے ہیں، اس طرح سند میں تابعی راوی ہیں۔

☆ حضرت بسر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے، اور کل اٹھارہ (۱۸) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۵۱۳

۵۱۷۔أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ :حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ نَصْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ جَدِّهِ مُعَاذٍ، أَنَّهُ طَافَ مَعَ مُعَاذِ ابْنِ عَفْرَاءَ فَلَمْ يُصَلِّ. فَقُلْتُ :أَلَا تُصَلِّي؟ فَقَالَ :إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ، وَلَا بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ

حضرت معاذ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:
کہ انہوں نے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کے ساتھ طواف کعبہ کیا، اور حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ نے طواف کے نفل ادا نہ کیے، میں نے پوچھا: آپ رضی اللہ عنہ نے نفل کیوں نہیں پڑھے؟ انہوں نے کہا؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عصر کے بعد نماز نہ پڑھی جائے۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے، اور نہ ہی فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج نکل جائے۔

۱۔ ابن سعد، ج ۵، ص ۲۰۸　　۲۔ سیر الصحابہ، ج ۷، ص ۶۰۔۶۱

۱۔مطابقت:

بظاہر حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں ہے، لیکن چونکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں نمازِ عصر کی ایک یا دو رکعتیں قبل از غروب آفتاب پڑھنے کی روایات کو جمع فرمایا ہے، اور اس حدیث مبارکہ میں بھی نمازِ عصر سے متعلق مسئلہ ہے، کہ عصر ادا کرنے کے بعد نفل پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لیے اس حدیثِ مبارکہ کو روایت کیا ہے۔

۲۔اطراف:

احمد: ۱۷۹۴۸، تحفۃ الاشراف: ۱۱۳۷۴

۳۔تعارف رجال:

اس رویت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی چار کا سپرد قلم کیا جارہا ہے۔

۱۔ابوداؤد: راجع: ۱۳۶

۲۔سعید بن عامر:

آپ کا نام ابومحمد بن عا ضبیعی بصری (م: ۲۰۸ھ) ہے آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، صالح راوی ہیں، آئمہ جرح اور تعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، البتہ امام ابوحاتم فرماتے ہیں: کبھی کبھی وہم کا شکار ہوئے ہیں۔

حضرت سعید بن عامر کے بارے میں علماء کے اقوال:

حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ چالیس سال تک شیخ مصر رہے۔

حضرت یحییٰ بن سعید مزید فرماتے ہیں:

مجھے آپ کا پڑوس انتہائی پسند ہے۔

امام مہدی نے اپنے بیٹے یحییٰ سے فرمایا:

حضرت سعید کی صحبت کو لازمی اختیار کرو، اگر وہ ہم سے ہر روز صرف ایک حدیث بھی بیان کریں، تو ہم ہر روز ان کے پاس ضرور حاضر ہوں، حضرت ابومسعود زیاد بن ایوب فرماتے ہیں: میں نے شہر بصرہ میں ان کی مثل کوئی اور نہیں دیکھا۔

امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ ثقہ صالح راوی اور بہترین علماء میں سے تھے۔

آئمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں، آپ نے چھیاسی سال کی

طویل عمر پائی، آپ کی تاریخ ولادت ۱۲۲ھ، ہے۔ (۱)

۳۔ شعبہ: راجع: ۱۱۰　　**۴۔ سعد بن ابراہیم:** راجع: ۱۲۴

۵۔ نصر بن عبدالرحمٰن:

آپ کا نام نصر بن عبدالرحمان قریشی حجازی مکی ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے مقبول ثقہ راوی ہیں، آپ سے روایت لینے میں امام نسائی منفرد ہیں، آپ سے سنن میں یہ ایک ایک حدیثِ مبارکہ مروی ہے۔ (۲)

۶۔ معاذ:

امام ابوالحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمہ مزّی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

معاذ بن عفراء یہی معاذ قرشی اور نصر بن عبدالرحمان کے دادا ہیں۔ (۳)

۷۔ معاذ بن عفراء:

نام ونسب:

معاذ نام ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

معاذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔ والدہ کا نام عفرا ابنت خویلد بن ثعلبہ بن عبیدہ بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار تھا۔

اسلام:

بیعتِ عقبہ سے قبل مکہ جا کر مسلمان ہوئے۔ ۵ آدمی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے ان چھ آدمیوں کے ناموں میں اختلاف ہے، ہم نے موسیٰ بن عقبہ اور ابوالاسواد۔ (۴) کی روایت پر اعتبار کیا ہے، جو بالترتیب زہری اور عروہ سے اس واقعہ کی روایت کرتے ہیں۔

مواخاۃ:

ہجرت کے بعد معمر بن حارث ان کے اسلامی بھائی بنائے گئے۔

غزوات:

بدر میں شریک تھے جب شیبہ، عتبہ اور ولید بن عتبہ نے مبارزطلبی کی تو سب سے پہلے یہی تینوں بھائی (معاذ، معوذ، عوف

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۴، ص ۴۸　ii۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۲۹۶　iii۔ الثقات، ج ۸، ص ۲۶۴　iv۔ تاریخ الثقات، ص ۱۸۳

۲۔ i۔ الثقات، ج ۵، ص ۴۷۵　ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۳۰۴

۳۔ i۔ تہذیب الکمال فی السماء الرجال، ج ۹، ص ۶۸۸　ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۲۶۴

۴۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۱۷۲

تیغ بکف میدان میں نکلے تھے لیکن آنحضرت محمد ﷺ نے ان کو واپس بلالیا اور حضرت حمزہ وغیرہ کو مقابلہ کے لیے بھیجا، لیکن ولولہ
جہاد کب دب سکتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ایک صف میں کھڑے تھے ان کے دائیں بائیں دونوں بھائی آ کر کھڑے
ہو گئے وہ ان کو پہچانتے نہ تھے اس بناء پر اپنے گرد دونوں جوانوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہوئے۔ اتنے میں ایک نے آہستہ سے کہا چچا!
ابوجہل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا برادر زادے! کیا کرو گے؟ کہا میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے، اس بناء پر خدا
سے عہد کر چکا ہوں کہ اس کو ضرور ماروں گا، پھر اس دھن میں اپنی جان قربان کروں گا، دوسرے نے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔
حضرت عبدالرحمٰن نہایت متعجب ہوئے اور اشارہ سے بتایا کہ دیکھو ابوجہل وہ گشت لگا رہا ہے۔ اتنا سن کر وہ دونوں باز کی طرح جھپٹے
اور ابوجہل کو قتل کر ڈالا۔ پھر آنحضرت محمد کو خوشخبری سنائی، پوچھا کہ کس نے قتل کیا، دونوں نے جواب دیا ہم نے، فرمایا تلوار دکھاؤ
چنانچہ دونوں کی تلواروں میں خون کا اثر موجود تھا۔

صحیح مسلم میں ان دونوں کا نام معاذ بن عمرو بن جموع اور معاذ بن عفراء مذکور ہے لیکن صحیح بخاری میں ابنائے عفراء ہے
جس سے صرف معاذ اور ان کے بھائی کا مارنا ثابت ہوتا ہے۔ ابوجہل پر حملہ کرتے وقت ابن ماعض نے جو قبیلہ زریق سے تھا، ان
پر حملہ کیا۔ چنانچہ زخمی ہو کر مدینہ آئے تھے۔

وفات:

بعضوں کے نزدیک تو اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی
اور ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ ۳۷ھ میں انتقال کیا۔ اس زمانہ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ میں لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔

اخلاق:

جب رسول اللہ ﷺ کا بہترین ثبوت بدر میں ابوجہل کا قتل ہے اس میں انہوں نے جانبازی کی جو اعلیٰ مثال پیش کی وہ
اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز ہے۔ فرائض کی بجا آوری میں اہتمام تھا۔ آنحضرت محمد ﷺ کے ہمراہ حج کرنے کے
علاوہ اور بھی حج کیے جن میں سے ایک تذکرہ سنن نسائی میں آیا ہے۔ (۱)

۴۔ حکم روایت:

یہ روایت اس سند کے مضطرب ہونے کی وجہ سے سنداً ضعیف ہے، جبکہ دوسرے شواہد اور متابعات کی بناء پر یہ بہت سارے
صحابہ سے صحیح اسناد سے مروی ہے۔

۱۔ سیر الصحابہ، ج ۳، ص ۵۳۱۔۵۳۲

حدیث مذکور کا باعتبار سند مضطرب ہونا:

یہ سند روایت دو سندوں سے مروی ہے، اور سندوں کے اختلاف کی وجہ سے مضطرب ہے، پہلے دونوں سندوں کو ذکر کیا جاتا ہے، پھر رفع اضطراب کی صورت کو بیان کیا جاتا ہے:

ا۔ سند اول:

امام نسائی، امام احمد بن حنبل، امام مزی کی اسناد حسب ذیل ہیں:

امام نسائی کی سند:

اخبرنا ،ابو دائود قال :حدثنا سعید بن عامر قال :حدثنا ، شعبة عن سعد بن ابراھیم ، عن نصر بن عبدالرحمن ، عن جده معاذ ، انه طاف مع معاذ بن عفراء(۱)

امام احمد بن حنبل کی سندیں:

امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے:

ا۔ حدثنا محمد بن جعفر ، حدثنا شعبة و حجاج قال :اخبرنا شعبة ، عن سعد بن ابراھیم ، عن نصر بن عبدالرحمن ، عن جده معاذ بن عفراء القرشی انه طاف بالبیت مع معاذ بن عفراء(۲)

۲۔ حدثنا عفان ، حدثنا شعبة ، قال سعد بن ابراھیم :اخبرنی ، قال :سمعت نصر بن عبدالرحمان ، عن جده معاذ بن عفراء ، انه طاف معاذ بن عفراء :(۳)

علامہ مزّی کی اسناد:

علامہ مزّی نے بھی اس حدیث کی دو سندیں ذکر کی ہیں:

ا۔ قال محمدبن جعفر غندر، وسعید بن عامر الصبعی ، عن شعبة ، عن سعدبن ابراھیم ، عن نصر بن عبدالرحمن القرشی ، عن جده معاذ القرشی،انه طاف بالبیت مع معاذ بن عفراء(۴)

۲۔ قال وھب بن جریر بن حازم، والنضربن شمیل، وابو عامر العاقدی، وابوالولید الطیالسی ، وابوعمر اکوفی، وسلیمانبن حرب ، عن شعبة، عن سعد بن ابراھیم ، عن نصربن عبدالرحمن ، عن جده معاذ بن عفراء انه کان......فقال له معاذ، رجل من قریش (۵)

ا۔ نسائی:۵۱۷ ۲۔ احمد:۱۷۹۴۹ ۳۔ احمد:۱۷۹۵۰

۴۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، ج۱۰،ص۲۸۱ ۵۔ ایضاً

جہ بحث:

مذکورہ بالا پانچوں اسناد سے واضح ہوتا ہے، کہ نصر بن عبدالرحمٰن کے جد حضرت معاذ بن عفراء ہی ہیں، اور وہ انہی سے یت کرر ہے ہیں۔

سند ثانی:

علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ فی تمییز الصحابہ میں علامہ بغوی کی سند جو مسند ذکر کی ہے، وہ ذرا مختلف ہے، وہ سند ب ذیل ہے:

م بغوی کی سند:

اخبر نا ابو دائود، حدثنا سعید بن عامر، حدثنا شعبة، عن سعد بن ابراهیم، عن نصر، عن معاذ، رجل من قریش، قال رأیت معاذ بن عفراء:(۱)

جہ بحث:

اس سند میں اضطراب ہے، کیونکہ معاذ کے بعد، ایک قریشی مرد، اور پھر وہ حضرت معاذ بن عفراء سے راویت کرر ہے ں، اسی کی وجہ سے یہ سند مضطرب ہے۔

ند مذکور سے رفع اضطراب کی صورت:

ہمارے نزدیک سند میں نصر بن عبدالرحمٰن کے جد سے مراد حضرت معاذ بن عفراء ہی مراد لیا جانا قرین قیاس ہے، اس کی دو وجوہ ہیں۔

۔ترجیح کی وجہ اول:

معاذ قریشی اور حضرت معاذ بن عفراء ایک ہی شخصیت ہیں، کیونکہ آئمہ جرح والتعدیل نے معاذ قریشی کا علیحدہ تذکرہ نہیں کیا، بلکہ علامہ مزی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے، کہ معاذ بن عفراء یہی معاذ قریشی ہیں۔(۲)

۲۔ترجیح کی وجہ ثانی:

اس قیاس کی دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں سندوں میں اور علامہ مزی نے ایک سند میں عن جدہ معاذ بن عفراء نقل کیا ہے، بلکہ امام احمد بن حنبل نے ایک سند میں عن جدہ معاذ بن عفراء القرشی ذکر کیا ہے۔

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۶، ص ۳۸۳

۲۔ ا۔تہذیب الکمال، ج ۹، ص ۲۸۸　　　اا۔تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۲۶۴

خلاصہ تحقیق:

لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر معاذ قریشی اور حضرت معاذ بن عفراء ایک ہی شخصیت ہیں، تو پھر سند کا اضطراب ختم ہو جاتا ہے۔

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی کا تسامح:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی لکھتے ہیں:

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ سند مضطرب ہے، کیونکہ جدہ نصر غیر معروف ہے، اور خود نصر بھی، سعد بن ابراہیم کے علاوہ ان سے کسی نے روایت ذکر نہیں کی۔ اس لیے یہ مجہول العین ہے۔ (۱)

ہمارے نزدیک علامہ اتیوبی لولوی کا یہی کہنا درست نہیں ہے، یہ دو وجہ سے ہے:

۱۔ علامہ حافظ جمال الدین مزی اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اور باقی ائمہ جرح وتعدیل نے لکھا ہے کہ جد نصر معاذ قریشی اور حضرت معاذ بن عفراء ایک ہی شخصیت ہیں۔ (۲)

۲۔ حضرت نصر بن عبدالرحمان کے حالات امام بخاری، امام ابن ابی حاتم علامہ جمال الدین مزی، علامہ ابن حبان اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھے ہیں، اور انہیں ثقہ، صدوق قرار دیا ہے، اور چوتھے طبقہ کے راویوں میں علامہ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے شمار کیا ہے۔ (۳)

خلاصہ تحقیق:

لہٰذا علامہ محمد بن علی اتیوبی لولوی کا جدہ نصر اور نصر بن عبدالرحمٰن کو غیر معروف اور مجہول العین قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ دونوں معروف اور ثقہ ومقبول راوی ہیں، ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وصل اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمٰن۔

خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے، کیونکہ معاذ قریشی اور حضرت معاذ بن عفراء ایک ہی شخصیت ہیں۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو بارویں (۲۱۲) حدیث مبارکہ ہے

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، حضرت نصر بن عبدالرحمان کو امام ابن حبان نے ثقہ اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صدوق قرار دیا ہے۔

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۶، ص ۳۸۳

۲۔ i۔ تہذیب الکمال، ج ۹، ص ۶۸۸ ii۔ تقریب التہذیب، ج ۲، ص ۶۴

۳۔ i۔ التاریخ الکبیر بخاری، ج ۸، رقم ۲۳۳۲ ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۸، رقم ۲۱۲۸ iii۔ الثقات، ج ۵، ص ۴۷۵

iv۔ تہذیب الکمال: ج ۹، ص ۲۸۰ v۔ تہذیب التہذیب: ج ۱۰، ص ۴۲۸۔۴۲۹

☆ حضرت نصر رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت معاذ بن عفراء سے روایت لینے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں، اور ان دونوں سنن نسائی سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی طائی، دوسرے اور تیسرے بصری پانچویں مکی اور باقی مدنی ہیں۔

☆ حضرت معاذ بن عفراء مقلین رواۃ صحابہ میں سے ہیں، اور ان سے صرف دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، دوسری روایت امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔ (۱)

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

لا صلاة:	نماز نہیں ہے۔	بعد العصر:	عصر کے بعد
حتی تغیب:	یہاں تک کہ غائب ہو جائے۔	الشمس:	سورج
لا بعد الصبح:	نہ ہی نمازِ فجر کے بعد	حتی تطلع:	یہاں تک کہ نکل آئے۔

۷۔ مسائل ونصائح:

نمازِ عصر کے مسائل کے لیے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ ابواب قائم کیے ہیں، جن میں نمازِ عصر کا اول وقت، نمازِ عصر کو جلدی پڑھنا، عصر میں تاخیر پر وعید نماز عصر کا آخری وقت اور غروب آفتاب سے پہلے عصر کی دو رکعتیں پا لینے کا حکم، بنیادی مسائل بیان ہوئے ہیں، اور پھر ان ابواب کے ضمن میں بہت سارے ذیلی مسائل بھی بیان ہوئے ہیں، ان مسائل میں ائمہ اربعہ کا مؤقف کیا ہے؟ اور عصری مسائل میں ان سے کیا رہنمائی ملتی ہے، ان سب کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

اس حدیث میں عصر کے وقت کا ذکر ہے کہ عصر پڑھ کر مدینہ کے آخر میں جا کر واپس آ جاتا ہے، اور یہ چار میل کی مسافت تھی اور بعض نے کہا ہے کہ دو یا تین میل کی مسافت تھی۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ عصر کی نماز اول وقت میں پڑھتے تھے کیونکہ نمازِ عصر پڑھ کر دو یا تین میل جا کر واپس آ جاتا تھا، اور سورج چمک رہا ہوتا تھا، یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ عصر کی نماز اول وقت میں پڑھیں اور اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد جمہور کی یہ دلیل ہے کہ عصر کا وقت تب داخل ہوتا تھا، جب سایا ایک مثل ہو جاتا تھا اور امام ابو حنیفہ نے یہ کہا ہے کہ عصر کا وقت اس وقت داخل ہوتا ہے، جب ہر چیز کا سایا دو مثل ہو جائے۔ (۲)

امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ نمازی مدینہ کے آخر تک

۱۔ الاصابۃ فی تمیز الصحابہ، ج ۹، ص ۲۲۲　　۲۔ صحیح مسلم بشرح النووی، ج ۳، ص ۱۹۸۵۔۱۹۸۴

پیدل جا کر واپس آ جاتا تھا، ہوسکتا ہے کہ وہ تیز رفتار گھوڑے سے یا تیز رفتار اونٹ پر بیٹھ کر جاتا ہو اور تیز رفتاری سواری سے جا کر واپس آئے اور ابھی سورج چمک رہا ہو یہ اس صورت میں ممکن ہے جب عصر کا وقت دو مثل سائے سے شروع ہوتا ہو، ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ حدیث میں ہے: جب ٹیلوں کا سایا ایک مثل ہوگیا، پھر آپ نے ظہر کی اذان دینے کا حکم دیا۔(۱) اور اس حدیث سے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ عصر کا وقت دو مثل سائے سے شروع ہوتا ہے اور اس باب کی حدیث سے زیادہ سے زیادہ اس کے خلاف شک ہوگا جیسا کہ علامہ نووی کو شک ہوا، اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا، سو یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ کے مذہب کے خلاف نہیں ہے۔

علامہ ابن بطال کا امام ابوحنیفہ پر دو مثل سائے او ظہر او عصر کے درمیان فاصلہ قرار دینے کا اعتراض اور علامہ غلام رسول سعیدی کی طرف سے اس کا جواب:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی لکھتے ہیں:

امام مالک نے اس حدیث کی یہ طویل کی ہے کہ ان نمازوں کو جمع کرنا بارش پر تھا، جیسا کہ ایوب نے اس حدیث کی تاویل کی ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز کے اوقات مشترک ہیں اور اس حدیث میں امام شافی کے اس قول کا رد ہے کہ ظہر کے آخر وقت اور عصر کے اول وقت کے درمیان فاصلہ ہے، جس میں ظہر کی کوئی نماز جائز ہے نہ عصر کی اور اس حدیث میں اس شخص کا بھی رد ہے جو کہتا ہے کہ عصر کا وقت اس وقت تک داخل نہیں ہوتا جب تک کہ ہر چیز جب تک ہر چیز کا سایا دو مثل نہ ہو جائے اور وہ امام ابوحنیفہ ہیں، اور رد کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان فاصلہ نہیں بیان فرمایا، اگر ان کے درمیان فاصلہ ہوتا تو اس فاصلہ کو نبی ﷺ بیان فرماتے۔(۲)

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر دو اعتراض کیے ہیں، ایک اعتراض اس پر کیا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عصر کا وقت اس وقت داخل ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایا دو مثل ہو جائے، اس پر اعتراض کرنا باطل ہے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول صحیح حدیث سے ثابت ہے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے ظہر کی اذان دینے کا حکم اس وقت دیا جب ٹیلوں کا سایا ایک مثل ہوگیا تھا۔(۳) اور جب ایک مثل سائے کے بعد ظہر کی اذان دی گئی تو متعین ہوگیا کہ ایک مثل سائے کے بعد عصر کا وقت داخل نہیں ہوتا جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے بلکہ دو مثل سائے کے بعد عصر کا وقت داخل ہوتا ہے جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ علامہ ابن بطال کا امام اعظم قدس سرہ پر دوسرا اعتراض بھی باطل ہے کیونکہ امام اعظم ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان فاصلہ اور مہمل وقت کے قائل نہیں ہیں، ہم صحیح البخاری: ۵۴۰ کی شرح میں لکھ چکے ہیں کہ امام اعظم کے

۱۔ صحیح البخاری: ۵۳۹　　۲۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۲۲۶　　۳۔ صحیح البخاری: ۵۳۹

دیک ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مثل سائے ک ظہر کا وقت رہتا ہے۔(۱) بلکہ خود علامہ ابن بطال نے بھی تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک دو مثل سائے تک ظہر کا ت رہتا ہے پس جب امام اعظم کے نزدیک ظہر کا وقت زوال آفتاب سے لے کر دو مثل سائے تک رہتا ہے تو پھر اس وقت میں ہر اور عصر کے درمیان فاصلہ کہاں سے آ گیا۔

عصر کا اول وقت دو مثل سایا ثابت کرنے کے لیے علامہ عینی ایک حدیث سے استدلال اور اس پر علامہ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ:

لامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی لکھتے ہیں:

علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ عصر کے وقت میں سب نے امام ابو حنیفہ کی مخالفت کی ہے حتیٰ کہ ان کے اصحاب نے بھی ان ی مخالفت کی ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ دو مثل سائے سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے، اور ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف اور ام محمد نے کہا ہے کہ ایک مثل سائے سے عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حدیث سے ہے تو لوگوں کی مخالفت ان کو مضر نہیں ہے، امام ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عصر کی نماز پڑھائی، جس وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا تھا، جتنی دیر میں کوئی اونٹ سوار ذوالحلفیہ کی طرف جاتا ہے۔(۲)

میں کہتا ہوں کہ یہ ایک طویل حدیث ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن پانچ نمازیں پڑھیں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں پڑھی اور دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں پڑھی سو پہلے دن عصر کی نماز ایک مثل سائے کے وقت پڑھی اور دوسرے دن دو مثل سائے کے عصر پڑھی۔ علامہ عینی نے صرف دوسرے دن عصر کی نماز پڑھنے کا وقت لکھا اور پوری حدیث ذکر نہیں کی اور اس سے یہ تاثر دیا ہے کہ دو مثل سایا عصر کا اول وقت ہے حالانکہ حدیث میں اس کو آخر وقت فرمایا ہے۔ امام اعظم کا مذہب دوسرے صحیح دلائل سے ثابت ہے لہٰذا علامہ عینی کو اس حدیث کے اس نامکمل ٹکڑے سے استدلال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

عصر کے اول وقت کے متعلق دو مثل سائے کی احادیث پر کلام:

عبداللہ بن رافع، حضرت ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے وقت کے متعلق سوال کیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تم کو بتاتا ہوں، ظہر کی نماز اس وقت پڑھو جب تمہارا سایا ایک مثل ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو، جب تمہارا سایا دو مثل ہو جائے اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب تمہارا سایا دو مثل ہو جائے، اور مغرب کی اس وقت پڑھو جب سورج غروب ہو جائے اور عشاء اس وقت پڑھو جب رات کا تہائی حصہ رہ جائے اور صبح کی نماز منہ اندھیرے پڑھو۔(۳)

۱۔ المبسوط، ج۱، ص۲۸۹۔۲۹۰ ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۲۲۶، عمدۃ القاری، ج۵، ص۴۹

۳۔ موطا امام مالک، ج۲، ص۳۶

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے وقت کے متعلق سوال کیا پس جب سورج ڈھل گیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی اذان دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تو انہوں نے اقامت کہی، پھر انہوں نے عصر کی اذان دی حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ آدمی کا سایا اس سے لمبا ہو چکا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت کا حکم دیا، پھر آپ نے نماز پڑھائی، پھر غروب آفتاب کے بعد مغرب کی اذان دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کہنے کا حکم دیا اور نماز پڑھائی، پھر جب دن کی سفیدی غائب ہوگئی جو کہ شفق ہے تو عشاء کی اذان دی، پھر آپ نے اقامت کا حکم دیا، پھر نماز پڑھائی پھر جب فجر طلوع ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی پھر آپ نے اقامت کا حکم دیا، پھر نماز پڑھائی پھر دوسرے دن سورج ڈھلنے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ظہر کی اذان دی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز کو موخر کیا حتیٰ کہ ہر چیز کا سایا ایک مثل ہو گیا، پھر حضرت بلال نے اقامت کہی، پس آپ نے نماز پڑھائی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی پس آپ نے نماز پڑھائی پھر حضرت بلال نے عصر کی اذان دی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز کو موخر کیا حتیٰ کہ ہر چیز کا سایا دو مثل ہو گیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کا حکم دیا، پس حضرت بلال نے اقامت کہی، پس آپ نے نماز پڑھا دی، (الیٰ قولہ) پھر آپ نے فرمایا: ان دو وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔(۱)

موخر الذکر حدیث جو موطا امام مالک کی روایت ہے اس کو بھی علامہ ابن عبدالبر مالکی متوفی نے دوسرے دن کی نمازوں پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں نماز کے آخری اوقات مستحبہ بتائے ہیں نہ کہ اوائل اوقات۔(۲)

خلاصہ یہ ہے کہ عصر کے اول وقت میں دو مثل سائے کی حدیث ہم کو صراحۃ نہیں مل سکی، شیخ ظفر احمد عثمانی نے اعلاء السنین، ج ۲ ص ۴۹۷۔ ۴۹۱۔ ۴۹۰ میں ان دو حدیثوں سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عصر کا اول وقت دو مثل سایا ہے، مگر حدیثوں کی اس پر دلالت نہیں ہے، تاہم دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ عصر کا اول وقت دو مثل سایا ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کے تاخیر سے عصر کی نماز پڑھنے کی توجیہ:

اس حدیث میں مذکور ہے: ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ان کا گھر مسجد کے پڑوس میں تھا، حضرت ابوامامہ نے ان کو تعظیم سے کہا: اے میرے چچا! ورنہ وہ آپ کے چچا نہ تھے، انہوں نے کہا: آپ اس وقت میں کونسی نماز پڑھ رہے ہیں؟

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح مسلم: ۶۲۱ اور ۶۲۲، اس باب میں صریح ہیں کہ عصر کی کو اول قت میں پڑھنا چاہیے اور اس کا وقت ایک مثل سائے پر داخل ہوتا ہے، اسی وجہ سے دوسرے فقہاء اس تک ظہر کو موخر کرتے ہیں، عمر بن عبدالعزیز نے نماز کو اس لیے موخر کیا تھا کہ ان سے

۱۔ المعجم الاوسط: ۶۷۸۳　　۲۔ التمہید، ج ۹ ص ۳۷۵

پہلے حکام کی یہی عادت تھی، اس وقت تک ان کو یہ سنت ہی پہنچی تھی کہ عصر کی نماز کو مقدم کرنا چاہیے اور جب ان کو یہ سنت پہنچ گئی تو وہ عصر کی نماز کو جلدی پڑھتے تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے کسی عذر یا مشغولیت کی وجہ سے نماز کو موخر کیا ہو، پہلی تاویل راجح ہے کیونکہ اس وقت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے حاکم تھے خلیفہ نہ تھے، کیونکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت سے نو سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔(۱)

''وتر'' کا معنی نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی اہمیت اور عصر کی نماز کی تعظیم کی خصوصیت:

علامہ احمد بن محمد خطابی شافعی متوفی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: جس کی نماز عصر فوت ہوگئی گویا اس کا اہل اور مال وتر ہوگیا۔

''وتر'' کا معنی ہے: نقصان ہونا یا چھن جانا، پس جس کے اہل اور مال چھن گئے یا اس کا نقصان ہوگیا، گویا وہ تنہاء اور اکیلا رہ گیا، لہذا نماز کے فوت ہونے سے انسان کو اس طرح ڈرنا چاہیے، جس طرح وہ اپنے اہل اور مال کے چھن جانے اور ان کے نقصان سے ڈرتا ہے۔(۲)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر المالکی الاندلسی التمہید میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں نماز کو اپنے وقت میں پڑھنے کی تعظیم اور اہمیت ہے، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یادرکھو! تمہارے اعمال میں سب سے افضل نماز ہے۔(۳)

اس حدیث میں دنیا کی تحقیر کا ثبوت ہے اور یہ کہ نیک عمل خواہ قلیل ہو وہ دنیا کی کثیر دولت سے افضل ہے، پس جو شخص عاقل اور عالم ہو، وہ اس حدیث کی وجہ سے عصر کی نماز کے فوت ہونے کی وجہ سے غم زدہ ہوگا، اگر اس نے آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے یا آفتاب کے زرد ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی نہیں پڑھی۔

اس حدیث سے ان علماء نے استدلال کیا ہے، جو کہتے ہیں کہ صلوٰۃ وسطی عصر کی نماز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ صلوٰۃ وسطی کا ذکر فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى (۴)

تمام نمازوں کی حفاظت کرو خصوصیت کے ساتھ صلوٰۃ وسطی کی۔

اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کو ذکر کرنے کے بعد خصوصیت کے ساتھ صلوٰۃ وسطی کو ذکر فرمایا تا کہ اس کی تعظیم ظاہر ہو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں تمام نبیوں کا ذکر کرنے کے بعد خصوصیت کے ساتھ ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

۱۔ صحیح مسلم بشرح النووی، ج ۳، ص ۹۸۶ ۲۔ معالم السنن مع مختصر المنذری، ج ۱، ص ۲۴۲

۳۔ سنن ابن ماجہ: ۲۷۷، مسند احمد: ج ۵، ص ۲۷۷، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۸۲، المستدرک، ج ۱، ص ۱۳۰ ۴۔ البقرہ ۲: ۲۳۸

ذکر فرمایا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ۔ (۱)

اور جب ہم نے تمام نبیوں سے پکا عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ ابن مریم سے۔

اس آیت میں انبیاء علیہ السلام کا عمومی ذکر کرنے کے بعد آپ کا اور دیگر اولوالعزم رسولوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نمازوں میں سے صرف نماز عصر کی اہمیت اور تعظیم بیان فرمائی کہ عصر کی نماز فوت ہونا اہل اور مال کی ہلاکت اور نقصان کی مثل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ وسطیٰ بھی نماز عصر ہی ہے۔

سو جس شخص کی عصر کی نماز فوت ہو جائے اس کو اس مصیبت پر اتنا رنج اور افسوس کرنا چاہیے جتنا رنج اور افسوس وہ اپنے اور مال کی ہلاکت پر کرتا ہے۔ عصر کی نماز کی اہمیت کی دیگر احادیث درج ذیل ہیں:

ابوالملیح بیان کرتے ہیں کہ ایک ابر آلود دن میں ہم حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، انہوں نے کہا: نماز کو اول وقت میں پڑھ لو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جس نے عصر کی نماز کو ترک کر دیا، اس کا عمل ضائع ہو گیا۔ (۲)

عمل ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس نماز کو بعد میں پڑھنے سے وہ اجر نہیں ملے گا، جو اس نماز کو وقت پر پڑھنے سے اجر ملتا ہے اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ساری نمازوں اور سارے نیک اعمال کا اجر ضائع ہو جائے گا کیونکہ سارے نیک اعمال کفر سے ضائع ہوتے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔ (۳)

اور جو شخص ایمان کے بعد کفر کرے، اور اس کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

یعنی جو کفر نہ کرے، اس کے نیک اعمال ضائع نہیں ہوتے۔ (۴)

قاضی عیاض بن موسی مالکی اندلسی لکھتے ہیں:

عصر کی نماز کی یہ خصوصیت اس لیے ہے کہ عصر کی نماز دن اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں، دن کو جانے والے فرشتے بھی اس عمل کو لکھ لیتے ہیں اور رات میں آنے والے فرشتے بھی اس عمل کو لکھ لیتے ہیں، نیز یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنی اغراض کو پورا کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور ایسے وقت میں اپنے دنیاوی معاملات کو چھوڑ کر اللہ کا حکم بجالانے کے لیے فرض عصر پڑھنے کے لیے مسجد میں جانا بڑی اہمیت اور بڑے حوصلہ کی بات ہے اور جس شخص نے اپنے دنیاوی معاملات کو مقدم رکھا اور نماز میں اتنی تاخیر کر دی کہ سورج زرد ہو گیا یا غروب ہو گیا تو یہ اس کا اخروی اتنا نقصان ہے جس پر اس کو

۱۔ الاحزاب ۳۳: ۷ ۲۔ صحیح البخاری: ۵۵۳، سنن نسائی: ۴۷۳، مسند احمد، ج ۵ ص ۳۵۰ ۳۔ المائدہ ۵: ۵

۴۔ امام مالک، ج ۱ ص ۱۷۲۔۱۷۰

اتنا رنج کرنا چاہیے جتنا رنج وہ جان اور مال کے ضیاع یا ان کی ہلاکت پر کرتا ہے۔(۱)

عمداً عصر کی نماز ترک کرنے والے کی مغفرت کیسے ہوگئی؟:

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی الاندلسی المالکی لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر سنت کے عقیدہ کے خلاف ہے کیونکہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اعمال ضائع نہیں ہوتے جو علماء یہ کہتے ہیں کہ جو شخص وقت نکلنے کے بعد بھی نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے ان کے لیے تو اس حدیث میں کوئی مشکل نہیں اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نیک اعمال صرف شرک سے ضائع ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر اس کی اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے یا رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے فوری مغفرت نہ ہوئی تو پھر وہ دوزخ میں اپنے گناہ کی سزا بھگت کر جنت میں چلا جائے گا۔(۲)

جن کو عصر یا فجر کی ایک رکعت کا وقت ملا، ان کی نماز پوری کرنے کے متعلق مذاہب آئمہ:

حافظ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر مالکی قرطبی متوفی تمہید میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں ادراک سے مراد ادراکِ وقت ہے اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ جس نے اس وقت میں نماز کی ایک رکعت کو پالیا تو وہ ایک رکعت اس کے لیے اس وقت کی نماز سے کافی ہوگئی۔

اس پر مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے کہ نمازی پر فرض ہے کہ وہ صبح کی پوری نماز پڑھے اور عصر کی پوری نماز پڑھے اور نبی ﷺ کا جو ارشاد ہے: اس نے اس نماز کو پالیا، اس سے مراد ہے کہ اس نے اس نماز کے وقت کو پالیا، ہاں! دوسرے دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں کہ نماز کا وقت مختار اس وقت کا غیر ہے۔

ان دلائل میں سے یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عصر کا آخر وقت وہ ہے جب تک سورج زرد نہ ہو۔(۳) یعنی آخری وقت مختار تاکہ احادیث متعارض نہ ہو۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ منافقین کی نماز ہے، ان میں سے کوئی شخص بیٹھا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جب سورج زرد ہو جاتا ہے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو وہ چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کا ذکر وہ بہت کم کرتا ہے۔(۴)

یہ تغلیظ اس شخص پر ہے جس نے اس وقت میں نماز پڑھنے کو ترک کر دیا، جس وقت کو رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز میں اپنی امت کے لیے اختیار فرمایا تھا اس نے بغیر کسی عذر صحیح کے اس وقت سے اعراض کیا۔

عصر کی نماز کو جلدی پڑھنے کے متعلق بہت آثار مروی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کی طرف لکھا کہ عصر کی نماز اس وقت

۱۔ اکمال المعلم بفوائد مسلم، ج ۲، ص ۵۹۱ ۲۔ القبس فی شرح موطا ابن انس، ج ۱، ص ۷۲۔۷۱

۳۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۲۱۰ ۴۔ صحیح مسلم: ۶۲۲، سنن ترمذی: ۱۶۰

پڑھو جب سورج سفید چک دار ہو اس سے پہلے کہ وہ زرد ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج زرد نہ ہو۔(۱)

فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ صبح کی نماز کا اول وقت وہ ہے جب فجر صادق طلوع ہوتی ہے، جب مشرق کے افق سے ہر طرف سفیدی پھیل جاتی ہے اور اس کے بعد اندھیرا نہیں ہوتا اور فجر کے آخر وقت میں اختلاف ہے، ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ فجر کا وقت طلوع فجر سے طلوع شمس تک ہے اور ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ فجر کا اول وقت وہ ہے جب اندھیرا ہو اور ستاروں کا جال بنا ہوا ہو اور آخری وقت وہ ہے جب سفیدی پھیل جائے۔

ابو عمر ابن البر کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ وقت مختار پر محمول ہے کیونکہ امام مالک کہتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عذر کی وجہ سے سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت پڑھ لی تو اس سے نماز ساقط ہو جائے گی جیسے کوئی حائضہ اس وقت میں حیض سے پاک ہو جائے جب فجر کا اتنا وقت رہتا ہو جس میں ایک رکعت نماز پڑھی جاسکے تو ایک رکعت کی مقدار وقت پانے کی وجہ سے اس پر فجر کی نماز واجب ہو جائے گی، خواہ وہ دوسری رکعت طلوعِ فجر کے ساتھ پڑھے یا اس کے بعد پڑھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب نے کہا: فجر کا آخری وقت سورج کے طلوع ہونے تک ہے، اسی طرح امام شافعی نے کہا ہے کہ فجر کا آخری وقت طلوع آفتاب تک ہے مگر ان کے نزدیک طلوعِ آفتاب سے اس شخص کی نماز فوت نہیں ہوگی، جو طلوع آفتاب سے پہلے دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت مکمل کر چکا ہو اور جس نے دو سجدوں کے ساتھ ایک رکعت طلوع آفتاب سے پہلے مکمل نہیں کی، اس کی نماز فجر فوت ہوگی۔ امام احمد بن حنبل کا قول بھی امام شافعی کی مثل ہے کہ جس نے کسی عذر صحیح کی وجہ سے طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی، وہ طلوع آفتاب کے بعد اپنی نماز پوری کرے اور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ کسی ضرورت یا عذر صحیح کی وجہ سے ایسا کرے تو جائز ہے ورنہ نہیں، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام اوزاعی کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک ضرورت اور عذر ہو یا نہ ہو، جس نے طلوع آفتاب سے پہلے صرف ایک رکعت نماز پڑھی، پھر آفتاب طلوع ہو گیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی، کیونکہ طلوع آفتاب کے بعد نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے۔(۲)

فجر اور عصر کی نماز پوری کرنے کے متعلق امام اعظم کے مذہب کی تفصیل:

اس حدیث میں یہ صریح دلیل ہے کہ جس نے عصر کی نماز کی ایک رکعت پڑھی، پھر اس کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے

۱۔ مسند احمد، ج۱، ص ۲۱۰، السنن الکبریٰ للبیہقی، ج۱، ص ۳۶۵ ۲۔ مؤطا امام مالک، ج۱، ص ۱۳۷۔ ۳۵

عصر کا وقت نکل گیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی بلکہ وہ اپنی نماز پوری کرے گا اور اس پر چاروں ائمہ متفق ہیں، اور صبح کی نماز کی جس شخص نے ایک رکعت نماز پڑھی اور پھر اس کے سلام پھیرنے سے پہلے سورج نکل آیا تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ بھی اسی طرح ہے اور وہ سورج نکلنے کے بعد اپنی نماز پوری کرے گا، کیونکہ باب مذکور کی حدیث میں فجر اور عصر دونوں نمازوں کا ایک حکم بیان فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے مذاہب ثلاثہ کے فقہاء نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی مخالفت کی ہے۔ (۱)

سورج طلوع ہونے کے بعد فجر کی نماز پوری کرنے میں احادیث کی مخالفت:

ہم کہتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کی مخالفت کی ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج نکلنے کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ ائمہ ثلاثلہ کہتے ہیں کہ فجر کی باقی ماندہ ایک رکعت نمازی سورج نکلنے کے بعد پڑھے، طلوع آفتاب کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے پسندیدہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ سورج چمکنے لگے اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔ (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سورج کی بھوں طلوع ہو جائے تو نماز کو موخر کر دو حتیٰ کہ سورج بلند ہو جائے اور جب سورج کی بھوں غائب ہو جائے تو نماز کو موخر کر دو حتیٰ کہ سورج غائب ہو جائے۔ (۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کی بیع دو قسم کے لباس اور دو قسم کی نمازوں سے منع فرمایا، آپ نے فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے منع فرمایا حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔ (الحدیث) (۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص طلوع شمس کے وقت قصد کر کے نماز نہ پڑھے اور نہ غروب شمس کے وقت: (۵)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کے بعد کوئی نماز نہیں ہے حتیٰ کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں ہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔ (۶)

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۵ ص ۷۱　۲۔ صحیح البخاری: ۵۸۲، صحیح مسلم: ۸۲۸، سنن نسائی: ۵۵۹، مسند احمد: ج ۲ ص ۱۹
۳۔ صحیح البخاری: ۵۸۳، صحیح مسلم: ۸۲۹۔۸۲۸، سنن نسائی: ۵۶۷، مسند احمد، ج ۲ ص ۱۳　۴۔ صحیح البخاری: ۵۸۴
۵۔ صحیح البخاری: ۵۸۵　۶۔ صحیح البخاری: ۶۸۶، صحیح مسلم: ۸۲۷، سنن نسائی: ۵۶۲

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نمازوں سے منع فرمایا: فجر کے بعد حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد حتیٰ کہ سورج غروب ہو جائے۔(۱)

طلوعِ آفتاب کے بعد نماز پوری نہ کرنے اور غروبِ آفتاب کے بعد نماز پوری کرنے کے فرق کی وضاحت:

باقی رہا یہ اعتراض کہ باب مذکور کی حدیث میں ہے کہ جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت کا وقت پالیا وہ عصر کی نماز کو پورا کرے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کرتے ہیں، کیونکہ عصر کا آخری وقت ناقص ہوتا ہے، جب سورج کا رنگ زرد پڑھ جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اور اس وقت کی نماز کے متعلق فرمایا: یہ منافقین کی نماز ہے۔(۲)، سو غروبِ آفتاب سے پہلے ناقص وقت ہوتا ہے، تو جس نے غروب سے پہلے ایک رکعت نماز کا وقت پایا، وہ غروب کے بعد نماز پوری کرلے، کیونکہ اس نے شروع بھی ناقص وقت میں کی تھی تو اس کو ختم بھی ناقص وقت میں کرے، اس کے برخلاف فجر کا پورا وقت کامل ہے، اگر طلوع شمس سے پہلے اس نے ایک رکعت نماز پڑھی اور طلوعِ شمس کے بعد بقیہ ایک رکعت پڑھے گا تو یہ نماز شروع تو کامل وقت میں ہوئی تھی اور وہ اس کو ختم ناقص وقت میں کر رہا ہے اس لیے یہ نماز فاسد ہو جائے گی اس وقت اور باریکی کی وجہ سے امام اعظم نے ان دونوں نمازوں میں فرق کیا ہے کہ غروبِ آفتاب سے پہلے نمازی نے ایک رکعت نماز کا وقت پایا تو وہ بعد میں نماز پوری کرے تو نماز ہو جائے گی اور طلوعِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھی اور آفتاب طلوع ہو گیا تو یہ نماز نہیں ہوگی۔

باب مذکور کی حدیث کا محمل:

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حدیث میں تو فجر اور عصر دونوں نمازوں کے متعلق فرمایا ہے کہ نمازی اپنی نماز پوری کرے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو کافر اس وقت مسلمان ہوا، جب آفتاب کے طلوع میں فجر کی ایک رکعت نماز کا وقت رہتا تھا یا کوئی لڑکا اس وقت بالغ ہوا، یا لڑکی اس وقت بالغ ہوئی یا کسی لڑکی کا حیض یا نفاس اس وقت ختم ہوا، جب سورج کے طلوع میں ایک رکعت نماز کا وقت تھا ان سب پر فجر کی نماز فرض ہو جائے گی اور وہ اس نماز کی قضاء کریں گے اسی طرح کوئی کافر اس وقت مسلمان ہوا، جب عصر کی نماز کی ایک رکعت کا وقت رہتا تھا یا کوئی لڑکی یا لڑکا اس وقت بالغ ہوا یا کسی عورت کا اس وقت حیض یا نفاس ختم ہوا، جب سورج غروب ہونے سے پہلے صرف ایک رکعت نماز پڑھنے کا وقت تھا تو ان کے ذمہ عصر کی نماز فرض ہو جائے گی اور وہ اس نماز کو پورا کریں گے۔(۳)

۱۔ صحیح البخاری: ۵۸۸ ۲۔ صحیح مسلم: ۶۲۲، سنن ترمذی: ۱۶۰

۳۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۳۷۸۔۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۳، ۳۸۴۔۳۸۵، ۳۸۶۔۳۸۷، ۳۸۸۔۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۵۔۳۹۷۔

نماز عصر کا وقت:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۳۔ عصر کا وقت ظہر کا وقت ختم ہو جانے پر شروع ہوتا ہے۔اور ظہر کا وقت اسی تفصیل اور اختلاف کے مطابق ختم ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا۔یعنی عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے جب کسی چیز کا سایہ اس کے ہم مثل سائے سے بڑھنا شروع ہو جائے۔جمہور کے ہاں تو ایک مثل سے ذرا سا بھی بڑھے تو عصر کا وقت شروع ہو جائے گا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جب تک دو مثل سائے سے نہ بڑھے وقت شروع نہیں ہوگا۔

اور عصر کا وقت تو باتفاق فقہاء سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے ختم ہو جاتا ہے، دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے جس شخص نے صبح کی نماز میں ایک رکعت بھی پالی سورج طلوع ہونے سے قبل تو اس نے صبح کی نماز پالی، اور جس نے عصر کی نماز میں سے ایک رکعت بھی سورج غروب ہونے سے پہلے پالی اس نے عصر کی نماز پالی۔(۱)

اکثر فقہاء سورج پیلا پڑھ جانے پر عصر کی نماز کو مکروہ گردانتے ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، یہ منافق کی نماز ہے جو بیٹھا سورج کو دیکھتا رہتا ہے، اور جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچتا ہے تو یہ کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مار دیتا ہے اللہ کو بالکل معمولی سا یاد کرتا ہے۔ (۲)

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے عصر کا وقت اس وقت تک ہے جب تک سورج پیلا نہ پڑ جائے۔

اور عصر کی نماز ہی صلاۃ وسطی ہے (جو قرآن کی اس آیت میں مذکورہ ہے۔(حافظوا علی الصلوٰتِ والصلاۃ الوسطی) دلیل اس کی وہ حدیث ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کی ہے کہ آپ نے پڑھا: حافظوا علی الصلوٰتِ والصلاۃ الوسطی سے عصر کی نماز مراد ہے۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت سمرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الصلاۃ الوسطی عصر کی نماز ہے۔(۳)

اور اس کو وسطی (درمیانی) اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ دو دن کی اور دو رات کی نمازوں کے بیچ میں پڑتی ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ فجر کی نماز صلاۃ وسطی ہے کیونکہ نسائی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کردہ حدیث اس کی مؤید ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ رات کو سفر کیا اور رات کو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا آپ کی آنکھ جب کھلی جب سورج تھوڑا یا پورا نکل آیا تھا۔آپ نے اس وقت تک نماز ادا نہ کی جب تک سورج بلند نہیں ہو گیا آپ نے نماز ادا فرمائی۔اور یہ صلاۃ وسطی ہے۔پہلی رائے زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس بارے میں منقول احادیث صحیح ہیں۔(۴)

۱۔ نصب الرایہ، ج ۱ ص ۲۲۸　　۲۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۳۰۷　　۳۔ نیل الاوطار، ج ۱، ص ۳۱۱

۴۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۴۲۔۴۴۳

نمازعصر:

عصر کا اطلاق چند معانی پر ہوتا ہے: سورج کے سرخ ہونے تک شام کا وقت اور یہ دن کی آخری گھڑی ہے، اسی طرح اس کا اطلاق دن کے آخری حصہ میں پڑھی جانے والی نماز پر بھی ہوتا ہے، فیومی نے کہا ہے کہ عصر، نماز کا نام ہے، صلاۃ کے ساتھ یہ مونث لفظ ہے، اور صلاۃ کے بغیر مذکر، مونث دونوں استعمال ہے۔(۱)

کہا جاتا ہے: ''ان العصر'' یعنی نماز عصر کے لیے اذان دی (۲)، نماز عصر کو ''عشی'' بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ عشیۃ (شام) میں ادا کی جاتی ہے۔(۳)

عصر کا اول اور آخری وقت:

جمہور فقہاء (مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں صاحبین) کی رائے ہے کہ عصر کا اول وقت ہوتا ہے: جب ہر چیز کا سایہ فی زوال کو چھوڑ کر اس کے برابر ہو جائے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت ہے۔(۴)

ان حضرات کا استدلال حضرت جبریل کی امامت والی حدیث سے ہے، جس میں وارد ہے: ''ثم صلى العصر حين كان كل شئى مثل ظله'' (پھر عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مشہور روایت ہے: عصر کا اول وقت: جب ہر چیز کا سایہ فئی زوال کو چھوڑ کر اس سے دوگنا ہو جائے۔(۵)

کیا ظہر کے آخری اور عصر کے اول وقت کے درمیان کوئی مہمل وقت پایا جاتا ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء سے مختلف روایات ہیں: بعض شافعیہ و حنابلہ نے عصر کے اول وقت کے داخل ہونے کے لیے شرط لگائی ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے، اور معمولی سا زیادہ ہو جائے، خرقی نے کہا ہے کہ جب تھوڑا سا زیادہ ہو جائے تو عصر واجب ہو جائے گی۔(۶)

اسی کے مثل شربینی نے بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے۔(۷)

ان کی عبارت ہے کہ عصر کا وقت: مثل پر معمولی زیادہ ہونے کے وقت سے ہے جو ظہر کے وقت سے ملا ہوا ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھیں گے، جیسا کہ ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں تحریر کیا ہے۔(۸)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول بھی مروی ہے: سایہ فئی زوال کو چھوڑ کر اپنی لمبائی کو پہنچ جائے تو ظہر کا وقت نکل جائے تا اور عصر

۱۔ القرطبی، ج۲، ص۸۷، کشاف القناع، ج۱، ص۲۲۱، امواہب الجلیل، ج۱، ص۳۷۷ ۲۔ القرطبی، ج۲، ص۸۷

۳۔ الحطاب، ج۱، ص۳۷۹ ۴۔ جواہر الاکلیل، ج۱، ص۳۲، الحطاب، مع التاج والاکلیل، ج۱، ص۳۸۲ مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۱، ۳۔ کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۲، المغنی، ج۱، ص۳۷۵ ۵۔ فتح القدیر، ج۱، ص۱۹۵ ۶۔ المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۴

۷۔ مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۲ ۸۔ المغنی، ج۱، ص۳۷۵

ام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے سے یہ قول بھی مروی ہے: سایہ فئی زوال کو چھوڑ کر اپنی لمبائی کو پہنچ جائے تو ظہر کا وقت نکل جائے تا اور عصر کا
ت دوگنا لمبائی تک داخل نہ ہوگا۔(۱)

بناء بریں ظہر وعصر کے درمیان ایک مہمل وقت ہے، جیسا کہ فجر اور ظہر کے درمیان ہے۔

شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عصر کے وقت اور ظہر کے وقت کے درمیان فصل کرنے والی زیادتی کا پایا جانا شرط نہیں ہے
یسا کہ شربنی نے کہا ہے۔(۲)، یہی بات ابن قدامہ نے خرقی کے علاوہ حنابلہ سے نقل کیا ہے۔(۳) بہوتی نے کہا ہے: دونوں
ے درمیان کوئی فصل یا مشترک وقت نہیں ہے۔(۴) مالکیہ کے یہاں مشہور ہے کہ عصر کا اول، اور ظہر کا آخر ان دونوں میں سے ایک
ے برابر مشترک ہے، یعنی حضر میں چار رکعات اور سفر میں دو رکعات کے بقدر لہٰذا ظہر کا آخری وقت یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ فی زوال
ہوڑ کر اس کے برابر ہو جائے، اور یہی بعینہ عصر کا اول وقت ہے، اس طرح دونوں کے لیے ایک مشترک وقت ہوگا۔(۵)

اس کی تائید، امامت جبریل والی حدیث کے ظاہر سے ہوتی ہے، جس میں آیا ہے: ''صلی المرة الثانية حين كان
ل كل شئى مثله لوقت العصر بالامس'' (دوسری بار انہوں نے ظہر اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا
س وقت کل عصر پڑھی تھی)

عصر کا آخری وقت:

جب تک آفتاب غروب نہ ہو یعنی غروب آفتاب سے کچھ پہلے تک رہتا ہے۔(۶)

عصر میں مستحب قرأت:

حنفیہ وشافعیہ نے صراحت کی ہے کہ نماز عصر میں اوساط مفصل پڑھنا مسنون ہے۔(۷)

مالکیہ نے کہا: اس میں قصار مفصل سورتیں پڑھے گا، مثلاً (والضحیٰ) او (انا انزلناه) وغیرہ۔(۸)

حنابلہ کے یہاں مستحب یہ ہے کہ عصر میں قرات ظہر کی آدھی ہو۔(۹)

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ عصر وظہر میں سری قرات مسنون ہے، جبکہ حنفیہ اس کو واجب کہتے ہیں۔(۱۰)

۱۔ فتح القدیر العنایہ علی الہدایہ، ج ۱، ص ۱۹۳ ۲۔ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۲ ۳۔ المغنی لابن قدامہ، ج ۱، ص ۳۷۵

۴۔ کشاف القناع، ج ۱، ص ۲۵۲ ۵۔ التاج والاکلیل مع الحطاب، ج ۱، ص ۳۹۰، الدسوقی، ج ۱، ص ۱۷۷

۶۔ ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۴۱ الفواکہ الدوانی، ج ۱، ص ۱۹۶، الحطاب مع المواق، ج ۱، ص ۳۹۰ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۲ المغنی، ج ۱، ص ۳۷۲۔ ۳۷۷، کشاف القناع، ج ۱، ص ۲۵۲ ۷۔ ابن عابدین، ج ۱، ص ۳۶۳، مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۶۳

۸۔ الفواکہ الدوانی، ج ۱، ص ۲۲۹ ۹۔ المغنی لابن قدامہ، ج ۱، ص ۵۷۲۔۵۷۳

۱۰۔ فتح القدیر، ج ۱، ص ۳۸۳ الفواکہ الدوانی، ج ۱، ص ۲۲۷ المجموع، ج ۱، ص ۳۹۰ المغنی، ج ۱، ص ۵۶۹

عصر کے بعد نفل نماز پڑھنا:

فی الجملہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل نماز پڑھنا ناجائز ہے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا صلاۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس: ''(۱) (عصر کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نماز نہیں ہے)۔

اگر عصر کی نماز وقت ظہر میں جمع تقدیم کر کے پڑھی جائے تو اس کو بھی یہ شامل ہے، جیسا کہ فقہاء مذاہب نے صراحت کی ہے۔(۲)

نمازِ عصر کا وقتِ مستحب اور وقتِ مکروہ:

امام احمد رضا خان قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نماز عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیے، نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہو جائے باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے۔ اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا لا نھا تعصر (یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے) حاکم و دارقطنی نے زیاد بن عبداللہ نخعی سے روایت کی کہ ''ہم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ مسجد جامع میں بیٹھے تھے موذن نے آکر عرض کی، یا امیر المومنین نماز۔ امیر المومنین نے فرمایا: بیٹھو وہ بیٹھ گیا۔ دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کے لیے عرض کی امیر المومنین نے فرمایا ھذا الکلب یعلمنا السنۃ (یہ کتا ہمیں سنت سکھاتا ہے) پھر اٹھ کر ہمیں نمازِ عصر پڑھائی، جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے فجشونا للرکب لنزول الشمس للغروب نترا ھا (ہم زانوؤں پر کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے کہ وہ غروب کے لیے نیچے اتر گیا تھا۔'' یعنی دیواریں اس زمانے میں نیچی نیچی ہوتیں آفتاب ڈھلک گیا تھا، بیٹھے سے نظر نہ آیا دیوار کے نیچے اتر چکا تھا گھٹنوں پر کھڑے ہونے سے نظر آیا، مگر ہرگز ہرگز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص متغیر ہو جائے اس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے یعنی جبکہ غبارِ کثیر یا ابر رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں اس قدرتی دائمی حیلولات کرہ بخار کے سبب کہ افق کے قرب میں نگاہ کو اس کا کثیر حصہ طے کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلوع و غروب کے قریب آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے جب اس سے اونچا ہوتا اور کرہ بخار قلیل حصہ حائل رہ جاتا ہے شاعین زیادہ ظاہر ہوتیں اور نگاہ جمنے سے مانع آتی ہیں، اور یہ حالت مشرق و مغرب دونوں میں یکساں ہے جس کا حال اس شکل سے عیاں ہے الف ب کرہ زمین الف موضع ناظر ہے۔ یعنی سطح زمین کی وہ جگہ جہاں دیکھنے والا شخص کھڑا ہے ح ء زمین کے سب طرف کرہ بخار ہے جسے عالم نسیم و عالم لیل و نہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر ہے تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصہ حاصل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا

۱۔ الفتح، ج ۲، ص ۶۱، مسلم، ج ۱، ص ۵۶۷ ۲۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۷، ص ۱۶۳۔۱۶۵

نگاہ زیادہ ٹھہرے گی ہ مرکز شمس ہے وہ ہر طرف وہ خطہ ہے جو نگاہ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے پہلے نمبر پر آفتاب افق شرقی سے
ع میں ہے اور دوسرے تیسرے نمبر پر چڑھتا ہوا ساتویں نمبر پر افق غربی پر غروب کے پاس پہنچا ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے
پر ہے تو خطہ الف ہ کا حصہ الف ر کرہ بخار میں گزارا دوسرے پر الف ح تیسرے پر الف ط چوتھے پر الف ح، اور اقلیدس
ثابت ہے کہ ان میں الف ر سب سے بڑا ہے اور آفتاب جتنا اونچا ہوتا ہے، الف ح الف ط وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے
کہ یہاں تک کہ نصف النہار پر خط الف ح سب سے چھوٹا رہ جاتا ہے ہم نے اپنے محاسبات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ خط
ح یعنی دوپہر کے وقت پانسو اٹھانوے میل سے بھی زائد ہے پھر جب آفتاب ڈھلکتا ہے وہ خطوط اسی نسبت پر بڑھ ہوتے
تے ہیں الف ی برابر الف ط کے پڑتا ہے، اور الف ک برابر الف ح کے اور الف ل بر برالف ر کے ہے یہاں سے واضح ہو گیا
یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنی انتہائی تیزی پر ہوتا ہے اور اس سے پہلے اور
دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے اس کی شاعیں دھیمی ہوتی ہے یہاں تک شرق وغروب میں ایک خد کے قریب
صلاً نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی مشرق میں جب تک اس حدس سے آفتاب نکل کر اونچا نہ ہو جائے اس وقت تک نماز منع اور وقت
راہت کا ہے اور مغرب میں جب آفتاب اس حد کے اندر آجائے اس و وقت سے غروب تک نماز منع ہے اور وقت کراہت کا ہے،
اس بیان سے سبب بھی ظاہر ہو گیا اور یہ بھی کھل گیا کہ مشرق اور مغرب دونوں جانب میں یہ وقت برابر ہے نہ یہ کہ مشرق کی طرف
ہو تو یہ وقت پندرہ بیس منٹ رہے جو تقریباً ایک نیزہ بلندی کی مقدار ہے اور مگرب میں ڈیڑھ دو گھنٹے ہو جائے جو اس سے کئی
بڑے زائد ہے تجربہ سے یہ وقت تقریباً بیس منٹ ثابت ہوا ہے تو جب سے آفتاب کی کرن چمکے اس وقت سے بیس منٹ گزرنے
تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقتِ کراہت آجائے گا، اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع
ہو جائے گی۔ ہاں یہ جو بعض کا خیال ہے کہ آفتاب متغیر ہونے سے مراد دھوپ کا میلا ہونا ہے یہ ہرگز صحیح نہیں، جاڑے کے موسم
میں تو آفتاب ڈھلکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کہ ابھی سایہ ایک مثل بھی نہیں پہنچتا اور بالا جماع وقتِ ظہر باقی ہوتا ہے یقیناً آفتاب
بہت متغیر ہو جاتا ہے اور بین طور پر دھوپ میں زردی پیدا ہو جاتی ہے تو چاہیے کہ عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی قتِ کراہت آ
جائے اور نماز بے کراہت مل ہی نہ سکے اور یہ صریح باطل ومحال ہے۔ ابو السعود علی الکنز الطحطاوی علی الدر میں ہے۔

المراد ان يذهب الضوء فلا يحصل للبصر به حيره و لا عبرة لتغير الضوء لان تغير الضوء يحصل بعدالزوال
۔ یعنی تغیر آفتاب سے مراد یہ ہے کہ اس کی روشنی جاتی رہے تو نگاہ کو اس سے خیرگی حاصل نہ ہو اور دھوپ کا تغیر کچھ معتبر نہیں کہ یہ تو
زوال کے بعد ہو جاتا ہے۔

بالجملہ سخت تحقیق وہ ہے جو ائمہ نے کتاب الاسرار الرائق وغیرہ ہما میں تصریح فرمائی کہ جس نماز میں تاخیر مستحب ہے جیسے فجر وعصر وغیرہ

ہما، وہاں تاخیر کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے دو حصے کریں نصف اول چھوڑ کر نصف آخر میں پڑھیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وقت سے مراد وقتِ مستحب ہے کہ وقتِ مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں، جب یہ قاعدہ معلوم ہو گیا اب تعین وقت کے لیے مثل ثانی کے وقت کا تخمینہ لکھیں جس سے ظہر و عصر کا اندازہ ہو سکے، وہ یہ کہ ۲۱ مارچ تحویل حمل اور ۲۳۔۲۴ ستمبر میزان میں ختم مثل ثانی یعنی شروع وقت عصر حنفی سے آفتاب کے غروب شرعی تک ان بلاد میں ایک گھنٹا ۴۱ منٹ باقی ہوتے ہیں، اور ب ۲۰۔۲۱ اپریل تحویل ثور اور ۲۳ ۲۴ اگست تحویل سنبلہ کو ایک گھنٹا ۵۰ منٹ ہوتے اور ۲۱۔۲۲ مئی تحویل جوزا اور ۲۳ جولائی تحویل اسد کو دو گھنٹا ایک منٹ اور ۲۳ جون تحویل سرطان کو دو گھنٹے ۶ منٹ، اور یہ سال میں سب سے بڑا وقت عصر ہے کہ اس سے زیادہ ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا اور ۲۴، اکتوبر تحویل عقرب اور ۱۹ فروری تحویل حوت کو ایک گھنٹا ۳۶ منٹ اور ۲۲۔۲۳ نومبر تحویل قوس سے ۲۲ دسمبر تحویل جدی اور پھر ۲۰۔۲۱ جنوری تحویل دلو تک دو مہینے برابر بلکہ اس سے بھی کچھ زائد ایک گھنٹا ۳۵ منٹ باقی ہوتا ہے اور یہ سال میں سب سے چھوٹا وقت عصر ہے کہ اس سے کم ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا، اسی حساب سے جس دن جتنا وقت عصر ہو اس کے آخر سے ۲۰ منٹ وقت مکروہ کے نکال کر باقی کے دو حصے کریں حصہ اول چھوڑ کر حصہ دوم سے وقت مستحب ہے اور حصہ اول میں بھی اصلاً کراہت نہیں ہاں اتنی تعجیل کہ دو مثل پورے ہونے میں شک ہو ضرور سخت خلاف احتیاط ہے اس سے بچنا چاہیے کہ اگر وہم خدشہ ہے تو کراہت ہے اور اگر واقعی شک ہے تو امام کے طور پر ہوگی ہی نہیں یونہی اتنی تاخیر نہ چاہیے کہ وقت کراہت آنے کا اندیشہ ہو جائے اور اس سے پہلے پہلے اصلاً کسی قسم کی کراہت کا نام و نشان نہیں، نہ وہ اللہ و رسول کے نزدیک کاہل ہے یہ محض غلط و باطل ہے جب شرع مطہر اس وقت کو مستحب فرما رہی ہے تو کیا وقت مستحب میں اور کرنا مکروہ اور فاعل کاہلی کے ساتھ منسوب ہو سکتا ہے، یہ نری نادانی ہے پھر اگر اس نے احتیاط کی اور نماز میں تطویل کی کہ وقتِ کراہت وسط نماز میں آ گیا جب بھی اس پر اعتراض نہیں، نہ کہ وقت کراہت آنے سے پہلے ختم کر دے اور اعتراض ہو، درمختار میں ہے۔ لو شرع فیه قبل التغیر فمده الیه لا یکرده واللہ تعالیٰ اعلم ۔سورج میں تغیر آنے سے پہلے نماز شروع کی پھر تغیر تک لمبی کر دی تو مکروہ نہیں ہوگی واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

مذکورہ بالا پانچوں ابواب کے قائم کرنے سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال حسب ذیل ہے:

ا۔نمازِ عصر کا اول وقت:

جب ہر شے کا سایہ ایک مثل ہو جائے (ماسوائے سایہ اصلی کے تو یہ نمازِ عصر کا ابتدائی وقت ہے۔

ا۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۱۳۶۔۱۳۹

نماز عصر کو جلدی پڑھنا:

نماز عصر کو ایک مثل سایہ (ماسوا سایہ اصلی) پر پڑھنا افضل و مستحب ہے۔

۳۔عصر کی تاخیر پر وعید:

نمازِ عصر میں اتنی تاخیر کرنا کہ سورج کی ٹکیہ کا رنگ متغیر ہونا شروع ہو جائے۔اس پر سخت وعید ہے،اور ایسا کرنا مکروہ ہے۔

۴۔نماز عصر کا آخری وقت:

نمازِ عصر کا آخری وقت غروب آفتاب ہے۔

۵۔غروب آفتاب سے پہلے عصر کی دو یا ایک رکعت کا پالینا:

سورج غروب ہونے سے پہلے اگر کسی نے دو رکعتیں یا ایک رکعت پڑھ لی،اس کی نمازِ عصر ادا ہو جائے گی۔

آئمہ اربعہ کے نزدیک عصر کا ابتدائی اور آخری وقت:

آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک نمازِ عصر کا ابتدائی وقت ہر چیز کا سایہ (ماسوا سایہ اصلی کے) ایک مثل ہونے پر شروع ہو جاتا ہے، جبکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور فقہاء احناف کے ہاں مفتی بہ اور اصح و راجح قول یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے پر نماز عصر کا وقت شروع ہوتا ہے،البتہ نمازِ عصر کا آخری وقت باتفاق ائمہ اربعہ غروب آفتاب سے، اور غروب آفتاب سے بیس منٹ قبل تک وقتِ کامل ہے اور پھر ناقص ہے، جو کہ غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

نمازِ عصر میں مستحب قرات:

نمازِ عصر میں مستحب قرات ہونے کے بارے میں فقہاء کرام کے تین مذاہب ہیں:

ا۔فقہاء احناف و شوافع کا مؤقف:

فقہاء احناف و شوافع کے نزدیک نماز عصر میں اوساطِ مفصل (سورج بروج سے سورہ بینہ تک) پڑھنا مسنون ہے۔

۲۔فقہاء مالکیہ کا مؤقف:

فقہاء مالکیہ کے نزدیک نمازِ عصر میں قصار مفصل (سورہ والضحیٰ سے سورۃ الناس تک) سورتیں پڑھنا مستحب ہے۔

فقہاء حنابلہ کا مؤقف:

فقہاء حنابلہ کے نزدیک عصر میں ظہر کی قرات سے آدھی قرات کرنا مستحب ہے۔

سرّی قرأت کا حکم:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ظہر اور عصر میں سری قرات کرنا مسنون ہے، جبکہ احناف کے نزدیک واجب ہے۔

نمازِ عصر کے بعد نفل پڑھنے کا حکم:

فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نمازِ عصر کے بعد غروب آفتاب تک نفل پڑھنا ناجائز ہے۔

نمازِ عصر کا مستحب اور مکروہ وقت:

آئمہ اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نمازِ عصر کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے، البتہ یہ اول وقت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک مثل سایہ (ماسوا سایہ اصلی) ہے، البتہ یہ اول وقت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک مثل سایہ (ماسوا سایہ اصلی) ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مثل سایہ (ماسوائے سایہ اصلی) پر ہے۔ اس پر بھی فقہاء اربعہ کا اتفاق ہے کہ جب سورج کی ٹکیہ کا رنگ زرد ہونا شروع ہو جائے، تو یہ وقت مکروہ ہے۔

غروب آفتاب سے قبل نمازِ عصر کی رکعت پالینا:

اس پر فقہاء اربعہ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت پڑھ لی، تو وہ بقیہ نماز پوری کرے گا، اور اس کی وہ نماز ادا ہو جائے گی، اسی طرح اگر کوئی کافر مسلمان ہوا، نابالغ بالغ ہو گیا، یا کوئی عورت حیض ونفاس سے فارغ ہوگئی، اور اس نے اتنا وقت پالیا، جس میں ایک رکعت پڑھی جا سکتی ہے، تو ان پر وہ نماز ادا کرنا فرض ہوگا۔

عوالی مدینہ سے کیا مراد ہے؟

عوالی سے مراد مدینہ منورہ کے اردگرد کے دیہات ہیں، اور عموماً دو میل سے لے کر آٹھ میل کے فاصلہ تک موجود تھے، یہ تمام دیہات موجودہ دور (۲۰۱۷ء) کے شہر مدینہ کا حصہ ہیں۔

أَوَّلُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ　　　باب ۱۲: نمازِ مغرب کا ابتدائی وقت

فقہاء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ مغرب کا ابتدائی وقت سورج کے چھپ جانے اور مکمل ڈوب جانے پر شروع ہوتا ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب کے اوقات پر پانچ ابواب قائم فرمائے ہیں، اور ان کے ذیل میں سات احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، اس باب میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ عصر سے متعلقہ مسائل بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ مغرب سے متعلق مسئلہ بیان ہوا ہے، چونکہ عصر کے بعد مغرب کی نماز آتی ہے، اس لیے اب نمازِ مغرب کے مسائل بیان کیے جا رہے ہیں۔

۵۱- أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ قَالَ: أَقِمْ مَعَنَا هَذَيْنِ الْيَوْمَيْنِ، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ عِنْدَ الْفَجْرِ، فَصَلَّى الْفَجْرَ، ثُمَّ أَمَرَهُ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَمَرَهُ حِينَ رَأَى الشَّمْسَ بَيْضَاءَ فَأَقَامَ الْعَصْرَ، ثُمَّ أَمَرَهُ حِينَ وَقَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَمَرَهُ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ أَمَرَهُ مِنَ الْغَدِ فَنَوَّرَ بِالْفَجْرِ، ثُمَّ أَبْرَدَ بِالظُّهْرِ وَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ، ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ وَأَخَّرَ عَنْ ذَلِكَ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَصَلَّاهَا، ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ وَقْتُ صَلَاتِكُمْ مَا بَيْنَ مَا رَأَيْتُمْ

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہمارے پاس دو دن ٹھہرو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کا وقت شروع ہوتے ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اقامت کہنے کا حکم دیا، اور فجر کی نماز پڑھائی پھر سورج ڈھلنے پر اقامت کا حکم اور ظہر کی نماز پڑھائی پھر سورج کے سفید ہونے ڈھلنے پر اقامت کا حکم دیا، اور عصر کی نماز پڑھائی، پھر سورج کے مکمل غروب ہونے پر انہیں اقامت کا حکم دیا، اور مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر اگلے دن انہیں حکم دیا، اور فجر روشنی میں پڑھائی، پھر ظہر خوب ٹھنڈا کر کے پڑھائی، پھر عصر کی نماز پڑھائی، اور سورج ابھی سفید تھا لیکن پہلے دن سے تاخیر کی۔ پھر نماز مغرب شفق غروب ہونے سے پہلے پڑھائی، پھر انہیں اقامت کا حکم دیا، اور عشاء کی نماز پڑھائی، اور اس وقت تہائی رات گذر چکی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: نمازوں کے اوقات پوچھنے والا کہاں ہے؟ (پھر اسے فرمایا) تمہاری نمازوں کے اوقات ان کے درمیان میں ہیں، جو تم نے دیکھے ہیں۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ حسب ذیل درمیانی حصہ ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج مکمل غروب ہونے پر اقامت کا حکم دیا، اور نماز مغرب پڑھائی۔

سورج کا غروب ہونا، مغرب کا ابتدائی وقت۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۶۱۳، ترمذی: ۱۵۲، ابن ماجہ: ۶۶۷، احمد: ۲۳۰۱۶، السنن الکبریٰ: ۱۵۱۵، ابن حبان: ۱۴۹۲، ۱۵۲۵، تحفۃ

الاشراف: ۱۹۳۱

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت مخلد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی لکھے جاتے ہیں:

۱۔ عمرو بن ہشام: راجع: ۲۲۱

۲۔ مخلد بن یزید:

آپ کا نام مخلد بن یزید قریشی حرمانی (م۔۱۹۳ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے کبار سے ثقہ صدوق راوی ہیں البتہ اوھام کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے، امام ترمذی کے علاوہ ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۳۔ سفیان ثوری: راجع: ۱۱۱ **۴۔ علقمہ بن مرثد:** راجع: ۱۳۳

۵۔ سلیمان بن بریدہ: ایضاً **۶۔ حضرت بریدہ اسلمی:** ایضاً

۴۔ حکمِ راویت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو تیرویں (۱۱۳) حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ عمرو بن ہشام رحمۃ اللہ علیہ سے روایت لینے میں امام نسائی منفرد ہیں، جبکہ حضرت سلیمان بن بریدہ رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابخاری روایت نہیں کرتے۔
☆ یہ بیٹے (سلیمان) کی باپ (بریدہ) سے روایت ہے۔
☆ سند کے پہلے دو راوی حرانی، اگلے دو کوفی، پانچویں مروزی اور آخری بصری ہیں۔
☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنی، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۸، ص ۳۴۸ ii۔ الثقات، ج ۹، ص ۱۸۶

لغات:

جاء رجل: ایک شخص آیا۔ فساله: اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

وقت الصلاۃ: نماز کا وقت۔ مراد ہے نمازوں کے اوقات اقم معنا: تو ہمارے ساتھ ٹھہر

هذين اليومين: آئندہ دو دن امر بلالا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا

اقام: انہوں نے اقامت کہی۔ عندالفجر: طلوع فجر کے وقت۔

صلى الفجر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی حين زالت الشمس: جب سورج ڈھل گیا

حين راى الشمس: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج دیکھا بيضاء: سفید

حين وقع: جب ہوا۔ واقع ہوا حاجب: مکمل چھپ جانا

حين غاب الشفق: جب شفق غائب ہوگئی۔ الغد: کل

نور: روشنی ہوئی ابرد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھنڈا کیا، یعنی دیر کی

انعم ان يبرد: کافی ٹھنڈا ہونا اخر عن ذلك: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تاخیر فرمائی۔

قبل ان يغيب: اس کے غائب ہونے سے پہلے حين ذهب: جب وہ چلا گیا، مراد ہے رات کا حصہ

ثلث الليل: تہائی رات اين السائل؟: پوچھنے والا کدھر ہے؟

وقت صلاتكم: تمہاری نمازوں کے اوقات بين: درمیان

ما رايتم: جو تم نے ملاحظہ کیے۔

تَعْجِيلُ الْمَغْرِبِ باب ۱۳: مغرب کو جلدی پڑھنا

اس امر پر فقہاء کا اجماع ہے کہ مغرب کو جلدی پڑھنا مستحب وافضل ہے، اس باب میں اس مسئلہ کو بیان کیا گیا، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ مغرب کے ابتدائی وقت کا بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ مغرب کو جلدی پڑھنے کے استحباب وفضیلت کا بیان ہے، دونوں ابواب نماز مغرب سے متعلق ہیں۔

۵۱۹۔ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ قَالَ :سَمِعْتُ حَسَّانَ بْنَ بِلَالٍ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَسْلَمَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ مَعَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ، ثُمَّ يَرْجِعُونَ إِلَى أَهَالِيهِمْ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَرْمُونَ وَيُبْصِرُونَ مَوَاقِعَ سِهَامِهِمْ

بنو اسلم، کے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ صحابہ کرام آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ مغرب پڑھتے، پھر مدینہ منورہ کے اطراف میں اپنے گھروں کو جاتے، وہ تیز چلتے، تو تیر چلنے کی جگہ دیکھ لیتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بطریق استدلال ہے۔

نماز مغرب کے ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ کے اطراف کے گھروں میں جاتے تھے، تو ابھی روشنی باقی ہوتی تھی، جس کی وجہ سے تیر گرنے کی جگہ بھی ملاحظہ کی جاسکتی تھی، جس سے واضح ہوا کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغرب کی نماز جلدی ادا فرما لیتے تھے۔ یہی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

احمد: ج ۵، ص ۳۷۱، تحفۃ الاشراف: ۱۵۵۴۷

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، آخری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مذکور نہیں، باقی دو شیوخ حضرت ابوبشر اور حضرت حسان بن بلال رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جاتے ہیں۔

۱۔ محمد بن بشار: راجع: ۲۷ ۲۔ محمد بن جعفر: راجع: ۲۳۹

شعبہ: راجع: ۱۱۰

۔ابو بشر:

آپ کا نام ابو بشر جعفر بن ابی وحشیہ ایاس لشکری واسطی (م: ۱۲۵ھ) ہے، آپ اصلاً بصری تھے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، البتہ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ یہ حبیب بن سالم اور حضرت مجاہد سے روایت کرنے میں ضعیف ہیں، کیونکہ ان کا ان دونوں شیوخ سے سماع ثابت نہیں ہے، امام ابن معین، ابوزرعہ، ابو حاتم، امام عجلی، امام نسائی اور ابن عدی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے، امام بردیجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ ثقہ حضرت ابوبشیر ہیں، آپ کی تاریخ وفات میں کافی اختلاف ہے، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے چونتیس (۳۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۔حسان بن بلال:

آپ کا نام حضرت حسان بن بلال مزنی بصری ہے، آپ روایت کے تیسرے طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، امام ترمذی نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۲)

۴۔رجل من اسلم:

قبیلہ بنو اسلم سے صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لیکن نام مذکور نہیں

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد و متابعات کی بناء پر صحیح ہے اس سند سے مرسل صحیح ہے، اور یہ تابعی کی مرسل روایت ہے، اور ثقہ راوی کی مرسل روایات قابل حجت ہیں، مرسل روایت کی مکمل بحث فیوض الراھی فی شرح سنن النسائی، ج ۲ ص ۶۱۷ ۔ ۶۳۹ گذر چکی ہے وہاں ابحاث کے عناوین حسب ذیل ہیں:

مرسل کی تعریف، مرسل کا قابل حجت ہونا، حجیت مرسل کے دلائل، اجماع صحابہ و تابعین، علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے، عقلی دلیل، ثقہ راوی کا ارسال تعدیل ہے علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے، علامہ قرائی کی رائے، مراسیل صحابہ حجت ہیں، خطیب بغدادی کی رائے، علامہ سیوطی کی رائے، حافظ عراقی کی رائے، راویت اور شہادت کا فرق، تواتر کا اعتراض، مرسل کی مشروط حجیت

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو چودہ (۲۱۴) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج ۲، ص ۴۷۳ ii۔تاریخ ابی زرعہ، ص ۵۳۹

۲۔ i۔الثقات، ج ۴، ص ۱۶۴ ii۔تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۱۶۳

☆ یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت حسان بن بلال سے شیخین اور امام ابوداؤد روایت نہیں کرتے۔

☆ سند میں صحابی مجہول ہیں، لیکن صحابی کی جہالت سے روایت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

☆ حضرت ابوبشر اور حضرت حسان بن بلال رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمعت ایک ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

رجل من اسلم:	بنو اسلم کا ایک شخص، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم	کانوا یصلون:	وہ نماز پڑھتے تھے۔
یرجعون:	وہ لوٹتے تھے۔	اھالیھم:	اپنے گھروں
اقصی المدینة:	مدینہ شہر کے کنارے۔اطراف	یرمون:	وہ پھینکتے تھے۔
یبصرون:	وہ دیکھ لیتے تھے	مواقع:	جگہیں
سھام:	تیر۔		

تَأْخِيرُ الْمَغْرِبِ
باب ۱۴: مغرب دیر سے پڑھنا

تمام فقہاء کے نزدیک مغرب کو جلدی پڑھنا افضل ہے، اور اس میں بلاوجہ تاخیر جائز نہیں ہے، البتہ عذر شرعی کی بناء پر تاخیر جائز ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے پچھلے باب میں مغرب جلدی پڑھنے کا حکم بیان ہوا تھا، اور اس باب میں مغرب تاخیر سے پڑھنے کا حکم بیان ہوا ہے،

٥٢٠ـ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَيْرِ بْنِ نُعَيْمٍ الْحَضْرَمِيِّ، عَنِ ابْنِ هُبَيْرَةَ، عَنْ أَبِي تَمِيمٍ الْجَيْشَانِيِّ، عَنْ أَبِي بَصْرَةَ الْغِفَارِيِّ قَالَ :صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ بِالْمُخَمَّصِ قَالَ :إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ عُرِضَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوهَا، وَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَهَا حَتَّى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ ، وَالشَّاهِدُ :النَّجْمُ

حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (مقام) مخمص میں عصر کی نماز پڑھائی اور فرمایا: یہ نماز تم سے پہلے لوگوں پر فرض کی گئی، لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا، جو مسلمان اس نماز کو ادا کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دوگنا ثواب عطا فرمائے گا عصر کے بعد نماز (نفل) جائز نہیں، یہاں تک کہ شاہد نکل آئے شاہد سے مراد ستارہ ہے۔

۱۔ مطابقت:

بظاہر حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت نہیں ہے علامہ محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی لکھتے ہیں:

یہاں پر حتی یطلع الشاھد: یہ سورج کے غروب ہونے سے کنایہ ہے، کیونکہ غروب آفتاب کے ساتھ یہ ستارہ نظر آتا ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ سے نمازِ مغرب میں تاخیر مراد لی ہے، یہ بہت دور کی تاویل ہے، کیونکہ یہاں پر زیادہ سے زیادہ تاخیر کا جواز نکلتا ہے، نہ کہ وجوب کا، اگر اسے وجوب پر محمول کیا جائے تو یہ غور و فکر کرنے والی ہے لہذا اس حدیث مبارکہ سے مغرب کی نماز تاخیر مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۲۔ اطراف:

مسلم: ۸۳۰، احمد: ۲۷۲۹۴، ابن حبان: ۱۴۷۱، ۱۷۴۴، تحفۃ الاشراف: ۳۴۴۵

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے دو کا تعارف گذر چکا ہے، جبکہ باقی چار شیوخ حضرت خیر، ابن ہبیرہ ابوتمیم اور حضرت ابو بصرہ کی سرگذشت حیات لکھی جا رہی ہے:

۱۔ قتیبہ: راجع: ۱۱۸　　　۲۔ لیث: راجع: ۱۲۴

۳۔ خیر بن نعیم:

آپ کا نام ابونعیم خیر بن نعیم بن مرہ بن کریب حضرمی مصری (م:۱۳۷ھ) ہے بعض نے آپ کی کنیت ابواسماعیل لکھی ہے، آپ شہر برقہ کے قاضی بھی رہے ہیں، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ صدوق، صالح راوی ہیں، امام مسلم، امام ابوداؤد، (المراسیل) اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے، حضرت یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں فرماتے ہیں: میں نے مصر کے قاضیوں میں ان سے بڑھکر کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔(۱)

۴۔ ابن ہبیرہ:

آپ کام نام ابو ہبیرہ عبداللہ بن ہبیرہ بن اسعد بن کہلان سبائی مضری مصری (م [illegible]) ہے، آپ روات کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام مسلم اور ائمہ سنن اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۴ھ ہے، آپ نے پچاس سال کی طویل عمر پائی۔(۲)

۵۔ ابوتمیم الجیشانی:

آپ کا نام ابوتیم عبداللہ بن مالک بن ابی الاسحم جیشانی مصری (م:۷۷ھ) ہے، آپ یمنی الاصل تھے آپ کی جیشانی نسبت یمن کے قبلہ جیشان کی وجہ سے ہے، آپ روات کے دوسرے طبقہ سے ثقہ، تابعی مخضرمی راوی ہیں، آپ اور آپ بھائی حضرت یوسف رحمۃ اللہ علیہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظاہری حیات میں پیدا ہوئے، لیکن زیارت وصحبت سے مشرف نہ ہو سکے، حضرت مرثد فرماتے ہیں: اہل مصر میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔ امام مسلم، ابوداؤد (القدر) ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۳)

۶۔ ابوبصرہ غفاری:

آپ کا نام ابوبصرہ حمیل بن بصرہ بن ابی بصرہ وقاص بن حاجب بن غفار غفاری مصری ہے، آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، حضرت مصعب زبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ حضرت حمیل، ان کے باپ اور دادا تینوں صحابی رسول ہیں، بعض نے آپ کا نام جمیل بھی ذکر کیا ہے، آپ نے غزوہ فتح مصر میں شرکت کی، پھر وہیں پر سکونت اختیار کی اور وہیں پر وفات پائی، امام بخاری (ادب المفرد) مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۴)

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۱۔ i۔ الجرح والتعدیل، ج ۳، ص ۴۰۴　　ii۔ الثقات، ج ۶، ص ۲۷۷

۲۔ i۔ الثقات، ج ۵، ص ۵۴　　ii۔ تقریب التہذیب، ج ۱، ص ۴۲۹　　۳۔ لب اللباب، ج ۱، ص ۲۲۹

۴۔ i۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج ۱، ص ۲۹۳　　ii۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۵۶

والشاھد :النجم کے الفاظ کا مرفوع یا مدرج ہونا:

شیخ محمد علی اتیوبی لولوی لکھتے ہیں:

حدیث مبارکہ کا آخری حصہ: الشاھد :النجم، میں دونوں احتمال ہیں:

۱۔ ایک احتمال یہ ہے کہ کہ یہ مرفوع حدیث کا ہی حصہ ہو، جیسا کہ امام مسلم، امام نسائی اور ابن حبان، سندرانی کی روایات ہیں

۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ کسی راوی کا ادراج ہو، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبرانی کی روایات سے واضح ہے،

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت:

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی مخمص میں ہمیں نماز عصر پڑھائی اور فرمایا: بے شک یہ نماز عصر تم سے پہلے امتوں پر لازم کی گئی ہے، لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا، خبردار جو اس نماز کی پابندی کرے گا، اس کے لیے ثواب دوگنا ہے، خبردار اس نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ تم شاہد دیکھ لو۔

حضرت یحیٰی بن ابن اسحاق کا فرمان:

میں نے حضرت ابن لہیعہ سے پوچھا کہ شاہد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ستارہ: کیونکہ اہل عرب ستاروں کو شاہد اللیل (رات کی نشاندی کرنے والے کو کہتے ہیں۔(۱)

شیخ اتیوبی کا تبصرہ:

حضرت یحیٰی بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے سوال سے یہ واضح ہے کہ یہ حضرت ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور یہ راجح ہے، اگر چہ ابن لہیعیہ رحمۃ اللہ علیہ متکلم ضعیف راوی ہیں۔

۲۔ امام طبرانی کی روایت:

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نمازِ عصر تم سے پہلے امتوں پر فرض کی گئی، لیکن انہوں نے اسے ضائع کر دیا، تم میں سے جو کوئی اس کی روزانہ حفاظت کرے گا، اس کو دو دفعہ ثواب عطا کیا جائے گا، اور اس کے بعد کوئی نماز نہیں ہے، یہاں تک کہ تم شاہد دیکھ لو، یعنی ستارہ دیکھ لو۔

شیخ اتیوبی کا تبصرہ:

اس روایت سے بھی واضح ہے کہ یہ مدرج ہے، اگر چہ اس میں ابن اسحاق کا عنعنہ سے روایت کر رہے ہیں۔(۲)

۱۔ مسند احمد: ۲۷۲۹۴ ۲۔ ذخیرۃ العقبی فی شرح المجتبی، ج ۷، ص ۱۹

خلاصہ تحقیق:

اس روایت کی سند کا مدار حضرت تمیم جیشانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں انہوں نے آگے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرت ابو بصرہ اور حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کیا ہے، اس کی مزید وضاحت حسب ذیل ہے۔

۱۔ امام مسلم، نسائی، ابن حبان اور احمد بن حنبل کی روایت حضرت ابو بصرہ غفاری سے ہے۔

۲۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی انتہا سند حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر ہے۔

اس طرح امام احمد اور طبرانی کی روایات میں دونوں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بصرہ اور حضرت ابوایوب انصاری کی روایات سے واضح ہے "کہ الشاهد النجم" کے الفاظ مدرج ہیں مرفوع نہیں ہیں، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مدارج کا مفہوم:

حدیثِ مذکور میں چونکہ مدرج کا ذکر آیا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مدرج کی معرفت حاصل کریں، مدرج کی وضاحت میں ڈاکٹر خالد علوی لکھتے ہیں:

المدرج:

لغوی معنی اور مفہوم:

مدارج ادرج سے اسم مفعول ہے جس معنی ملانا ہے ابن منظور کہتے ہیں:

الادراج: الف التشيئ فى الشيئ و ادرجت المراة صبيها فى معا وذها۔(۱)، المعوذ جمع معاوذ :عرقة يلف بها يلف بها المصبى ۔(۲)

ادراج کے معنی ایک شے کو دوسری سے ملانا۔ اور عورت نے اپنے بچے کو حفاظتی کپڑے میں لپیٹ لیا۔

ابن منظور ہی نے لکھا ہے:

درج الشئ فى الشيئ و ادرجه طواه وادخله (۳)

ادراج کا مطلب کسی شے کا دوسری شے میں شامل کرنا اور داخل کرنا ہے۔

اصطلاحی معنی:

اگر راوی حدیث کے ضمن میں متصلا ایسے الفاظ شامل کرے جو اصل روایت کا حصہ نہ ہو تو وہ مدرج کہلائے گی۔ شیخ السماح نے اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

۱۔ لسان العرب، ج ۲، ص ۲۶۹ ۲۔ لسان العرب، ج ۵، ص ۳۸۵ ۳۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۶۸

ما یدخله الراوی علی الاصل المروی متصلا به ، سواء کان الا تصال باخر المروی اویا وله او فی اثنا ئه دون فصل بنکر فائنه بحیث یلتبس علی من لم یعرف الحال ، فیتوهم ان الجمیع من ذلك الا صل المروی

مدرج سے مراد حدیث کا وہ حصہ ہے جو راوی اصل روایت کے ساتھ متصلا شامل کرتا ہے۔ یہ اتصال روایت کے آخر میں ابتداء میں یا درمیان میں اس طرح واقع ہو کہ دونوں میں کوئی فاصلہ نہ ہو اور کہنے والے کا ذکر بھی نہ ہوتا کہ جو واقف حال نہیں اس پر معاملہ ملتبس ہو جائے اور وہ سمجھے کہ سب کچھ اصل روایت کا حصہ ہے۔

مدرج کی اقسام:

حافظ ابن صلاح اور دیگر محدثین کے مطابق مدرج کا تعلق سند سے ہوگا یا متن (۱)، ان الا دراج تارۃ یقع فی المتن وتارہ یقع فی الاسناد۔ سے اور اسی لحاظ سے اس کی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ حافظ ابن اصلاح نے چار قسمیں بیان کی ہیں۔(۲) ، ایک مدرج المتن کی اور تین الاسناد کی اقسام ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خطیب نے اپنی تصنیف میں مدرج کی سات اقسام بیان کی ہیں اور میں نے اس کا ملخص لکھا ہے اور اسے ابواب اور مسانید کے لحاظ سے مرتب کیا ہے، اور خطیب کی اصل کتاب کے برابر اس میں اضافہ کیا ہے۔(۳)

مدرج الاسناد:

اگر سند میں تغیر واقع ہوتو وہ روایت مدرج الاسناد کہلائے گی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مدرج الاسناد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان کانت واقعة بسبب تفیتیر المساق ای سیاق الا سناد فالواقع فیه ذلك التفییر هو مدرج الاسناد ۔(۴)

اگر مخالفت ثقاہت اسناد کے سیاق کو تبدیل کرنے سے واقع ہوئی ہوتو یہ تبدیلی مدرج الاسناد کہلائے گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے مطابق مدرج الاسناد کی اقسام ہیں۔ شرح نخبۃ الفکر (۵) میں چار اقسام بیان کی گئی ہیں۔ جبکہ میں پانچ۔ ان اقسام کی تفصیل حسب ذیل ہے۔(۶)

۱۔ مختلف اسناد کا جمع کرنا:

ایک صورت یہ ہے کہ مطعون بالمخالفت راوی، اسناد کو ایک سند میں جمع کر دے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اول ان یروی جماعة الحدیث با سانید مختلفة فیرویه راو فجمع الکل علی اساد واحد من تلك الا

۱۔ النکت، ج ۲، ص ۸۱۱ ۲۔ ابن الصلاح، ص ۹۵ ۳۔ النکت، ج ۲، ص ۸۸۱ ۴۔ نزھۃ النظر، ص ۹۰
۵۔ ایضاً، ص ۹۰۔۹۱ ۶۔ النکت، ج ۲، ص ۸۲۳

سانید و لا یبین الا اختلاف۔(۱)، پہلی قسم یہ ہے کہ ایک جماعت حدیث کو مختلف اسانید سے روایت کرے، پھر ایک راوی تمام اسانید تمام اسانید کو ایک سند پر جمع کردے اور اختلاف کو واضح نہ کرے۔ حافظ اصلاح نے اس قسم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

ان یروی الراوی حدیثا عن جماعة بینهم اختلاف فی اسناده فلا ینکر الاختلاف فیه بل یدرج روایتهم علی الاتفاق۔(۲)

راوی ایک حدیث ایک ایسی جماعت سے روایت کرے جس کے درمیان اس کی سند میں اختلاف ہو اور راوی اس اختلاف کو بیان نہ کرے بلکہ ان کی روایت متفقہ حیثیت سے بیان کرے۔

ابن اصلاح نے اس کی مثال کے لیے مدرج ذیل روایت نقل کی ہے۔

عبدالرحمن بن مهدی ومحمد بن کثیر المبدی (۳) عن الثوری عن منصور (۴) والاعمش وواصل الاحدب (۵) عن ابی وائل (۶)، عن عمرو بن شرجیل (۷) عن ابن مسعود قال: قلت یا رسول الله ﷺ النغب اعظم عنه الله قال: ان تجعل الله نا و مو خلقك قلت: ثم قال ان تقتل اللك من ان یطعم معك قلت: ثم ای؟ قال: ان تزانی حلیة جارك (۸)

عبدالرحمن بن محمدی اور محمد بن کثیر العبدی سفیان ثوری سے وہ منصور اعمش اور واصل الاحدب کے ذریعہ ابو وائل سے اور وہ عمرو بن شرجیل کے واسطہ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ کا ہمسر مانے حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا: تو اپنے بچے کو اس لیے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہوگا ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے کہا پھر کونسا؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے۔

اس میں واصل کی روایت منصور اور اعمش کی روایت کی وجہ سے مدرج ہے اس لیے کہ واصل عمرو کا ذکر نہیں کرتے ہیں بلکہ "عن ابی وائل عن عبداللہ بیان کرتے ہیں۔ امام بخاری نے دونوں روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک میں عمرو بن علی عن یحییٰ عن سفیان عن منصور اور

۱۔ نزھۃ النظر، ص ۹۰، بمیز یتھانے ج ۲، ص ۸۳۲ ۲۔ ابن اصلاح، ص ۹۸ (الرشاد، ص ۱۰۴، المنھل الراوی، ص ۵۳، الخلاصہ، ص ۴۹ ۳۔ الجرح، ج ۸، ص ۷۰، شذرات، ج ۲، ص ۵۲، العبر، ج ۱، ص ۳۸۸، سیر، ج ۱۰، ص ۳۸۳ ۴۔ الجرح، ج ۸، ص ۱۶۷، میزان، ج ۴، ص ۱۸۷، تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۷ ۵۔ تہذیب، ج ۱۱، ص ۱۰۳ ۶۔ الجرح، ج ۱۔۱۱، ص ۳۷۱

۷۔ الحلیۃ، ج ۴، ص ۱۴۱، تاریخ بغاذ، ج ۹، ص ۶۸ وفیات، ج ۲، ص ۲۶۷، تہذیب، ج ۴، ص ۳۶۱، سیر ج ۴، ص ۱۶۱

۸۔ بخاری کتاب المحاربین باب اثم الزناۃ، ج ۸، ص ۱۲، مسلم کتاب الایمان باب کون المشرک، افتح الثوب، ج ۱، ص ۶۳، ابوداوذ، کتاب الطلاق، باب تعظیم الزنا، ج ۲، ص ۳۲۷، ترمذی کتاب التفسیر، باب سورۃ الفرقان، ج ۵، ص ۳۳۶

اعمش روایت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات ابو وائل سے اور وہ عمرو بن شرجیل کے ذریعہ عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔
دوسری روایت میں واصل عن ابی وائل عن عبداللہ کی سند سے روایت کرتے ہیں۔ اس میں عمرو شامل ہیں۔ امام بخاری لکھتے ہیں:

قال عمرو فنکرته لعبد الرحمن وكان حدثنا عن سفيان عن الا عمش و منصور وو اصل عن ابی وائل عن ابی میسرة قال :دعه دعه (۱)

عمرو علی کہتے کہ میں نے عبدالرحمٰن سے سفیان بذریعہ اعمش، منصور اور واصل کی روایت جو ابو وائل عن ابی میسرہ سے بیان کی ہے۔ جب ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ اسے چھوڑو۔ جب تینوں شیوخ کو ایک سند میں جمع کر دیا تو ان تمام طرق کے اتفاق کا گمان ہوا جو درست نہیں۔ (۲)

روایت کا حصہ دوسری سند سے بیان کرنا:

مطعون بالمخالفت راوی ایک متن جس کا کچھ حصہ ایک اسنادے ہوا اور کچھ دوسری سند سے ہو ایک ہی سند سے بان کر دے۔ مدرج السند کی اس قسم کو بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

الثانی :ان يكون المتن عند راو الا طوفامنه فانه عنده باستاو اخرفيرويه راوعنه تاما ساوالاول

(۲۳) دوسری قسم یہ ہے کہ ایک راوی کے ہاں متن کا ایک جز ہو اور اس کے پاس دوسری سند سے یہ روایت موجود ہو لیکن راوی اس سے پہلی سند کے ذریعہ پوری حدیث روایت کر دے۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الفاظ کے تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ اسے النکت میں بھی لکھا ہے۔ (۳)

حافظ ابن اصلاح نے اسے قدرے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان يكون متن الحديث عن الراوى له باسناد الا طرفا منه ، فانه عنده باسناد و ثان فيدرجه من رواه عنه على الا سناد د الا ول ويحذ الا سناد الثانى ويروى جمعيه بالا اسناد الاول (۴)

مدرج الاسناد کی ایک قسم یہ ہے کہ ایک راوی کے ہاں ایک سند سے حدیث ایک جز ہو جبکہ دوسری سند کے ساتھ روایت موجود ہو اس کو روایت کرنے والا پہلی سند میں ادراج کرے دوسری کو حذف کر دے اور پوری حدیث پہلی سند کے ساتھ روایت کرے۔

حافظ ابن الصلاح نے اس کی مثال کے لئے ابن عیینہ اور زائدہ بن قدامہ (۵) کی وہ حدیث بیان کی ہے جس کا تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بیان سے ہے اس حدیث کو ابوداؤد و نسائی اور ابن ماجہ نے اپنے ہاں تخریج کیا ہے ذیل میں ہم ابوداؤد سے اس کا متن نقل کرتے ہیں۔ عن عاصم بن كليب (۶) عن ابيه عن وائل بن حجر قال رايت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ بخاری کتاب المحاربین۔ باب اثم الزناۃ، ج ۸ ص ۲۱　　۲۔ تدریب الراوی، ج ۱ ص ۲۱۳

۳۔ النکت، ج ۲ ص ۸۳۲　　ابن الصلاح ص ۹۶　　۵۔ الجرح، ج ۳ ص ۶۱۳، تذکرہ ج ۱ ص ۲۱۵، تہذیب، ج ۳، ص ۳۰۶، شذرات، ج ۱ ص ۲۵۱، سیر، ج ۷ ص ۳۷۵

۶۔ تہذیب، ج ۵ ص ۵۵

حسین افتح الصلاۃ رفع یدیه حیال اذنیه قال :تم اتیتهم فرایتهم یرفعون ایدیهم انی صدورهم فی افتتاح الصلاۃ وعلیهم برانس واکیه (۱)

عاصم بن کلیب اپنے والد کے واسطہ سے وائل بن حجر سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھ کانوں کے برابر اٹھاتے۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر میں ان کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نماز کے آغاز میں اپنے ہاتھوں کو سینوں تک اٹھا رہے ہیں۔ اور انہوں نے ٹوپیوں والے لباس پہن رکھے تھے۔ اس حدیث کا ایک جز دیگر سند کے ساتھ مروی ہے۔

عاصم بن کلیب من علقمه بن وائل بن حجر (۲)

اتیت النبی فی الشتاء فرایت اصحابه یرفعون ایدیهم فی ثیابهم فی الصلاۃ ۔(۳)

عاصم بن کلیب علقمہ بن وائل کے واسطہ سے وائل بن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا: میں نے نبی کریم ﷺ کے پاس سردیوں کے موسم میں آیا اور میں نے آپ کے صحابہ کو نماز میں کپڑوں میں ہاتھ اٹھاتے دیکھا۔ حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل کی سند کے ساتھ صفت صلوۃ کی حدیث صحیح ہے۔(۴)

اس میں رفع یدین والا حصہ ایک سند سے ہے جبکہ ثم جئتھم الی آخرۃ والا حصہ اس سند سے نہیں بلکہ یہ حصہ عاصم بن عبدالجبار بن وائل عن بعض اھلہ عن وائل کی سند سے ہے۔ لہذا یہ ادراج ہے۔ اس طرح زھیر بن معاویہ (۵) نے بیان کیا اور موسیٰ بن ہارون الحمال نے اسے ترجیح دی۔(۶)

۳۔ راوی کا سند و متن میں تصرف کرنا:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تیسری قسم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الثالث ان یکون عند الراوی متنان مختلقان باسناد ین مختلفین فیرو یهما راوی عند مقتصرا علی احد الا سنا دین اویروی احد الحلیثین باسناد ہ الخاص به لکن یزیدفیه من المتن الا خر مالیس فی الاول ۔(۷)

تیسری قسم یہ ہے کہ ایک راوی کے ہاں حدیث کے دو متن مختلف سندوں کے ساتھ موجود ہوں اور اس سے کوئی راوی دونوں متنوں کو ایک سند سے روایت کرے یا ایک حدیث اس کے اپنے اسناد سے روایت کرے لیکن اس کے متن میں دوسرے متن سے ایسا اضافہ کرے جو پہلی حدیث کے متن میں نہیں۔

۱۔ الجرح، ج ۹، ص ۴۲، تہذیب، ج ۱۱، ص ۱۰۸ ۲۔ تہذیب، ج ۷، ص ۲۸۰ ۳۔ نسائی کتاب، الافتتاح، باب موضع الا بھامین عند الرفع، ج ۲، ص ۱۲۳ ۴۔ ابن الصلاح، ص ۹۷ ۵۔ الجرح، ج ۵، ص ۳۸۸، میزان، ج ۲، ص ۲۸۶، العبر، ج ۱، ص ۲۶۳، تہذیب، ج ۶، ص ۳۵۱ ۶۔ تدریب الراوی ۲۳۱ ۷۔ النکت، ج ۲، ص ۸۳۲

حافظ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے لکھا:

ومنها ان يدرج في متن حديث بعض متن حديث اخر مخالف للاول في الاسناد۔(۳۶) مدرج الاسناد کی ایک قسم یہ ہے کہ ایک حدیث کے متن میں دوسری ایک حدیث کے متن کا کچھ حصہ ملا دیا جائے جس کی سند میں پہلی حدیث کی سند سے مختلف ہے۔

حافظ ابن الصلاح نے اس کی مثال کے لیے مندرجہ ذیل حدیثیں پیش کی ہیں۔

سعيد بن ابن مريم (۱) عن مالك عن الزهري عن انس ان رسول الله قال: لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا (ولا تنافسوا) وكونوا عباد الله اخوانا۔ ولا يحل لمسلم ان يهاجر اخاه فوق ثلاث ليال۔(۲)

اس روایت میں لا تنافسوا کے الفاظ ابن مریم نے شامل کے ہیں۔ یہ الفاظ اس نے ایک اور حدیث کے متن سے لیے جسے امام مالک ہی نے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ ہیں:

عن مالك عن ابی الزناد (۳۹) عن الاعرج (۴۰) عن ابی هريرة: ان رسول الله ﷺ قال: اياكم والظن، فان الظن اكذب الحديث ولا تجسسوا ولا تحسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا۔(۳)

مالک ابوالزناد سے اور وہ بواسطہ اعرج ابوھریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بدگمان سے بچ کر رہو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹ کی بات ہے اور نہ کسی کی راز جوئی کرو اور نہ کسی کی جاسوسی کرو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ باہم روگردانی اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

حافظ ابن الصلاح کے مطابق سعید بن مریم کی روایت مدرج ہے۔(۴)

انہوں نے مدرج الاسناد کی یہی تین قسمیں بیان کی ہیں۔(۴۳) ایضاً، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن الصلاح کے حوالے سے انہیں تین اقسام کا ذکر کیا ہے۔(۵)

۴۔ بیان اسناد کے دوران ذاتی بات کا شامل ہو جانا:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کرتے ہوئے لکھا:

۱۔ الجرح، ج ۴، ص ۱۳، تہذیب، ج ۴، ص ۸۲، شذرات، ج ۲، ص ۵۳، سیر، ج ۱۰، ص ۳۲۷ ۲۔ الموطا، کتاب حسن الخلق، ج ۲، ص ۹۰۷، بخاری کتاب الادب، ج ۷، ص ۸۸ ۳۔ الموطا، کتاب حسن الخلق، ج ۸، ص ۱۰، بخاری کتاب عن التحاسد، ج ۷، ص ۸۹
۴۔ ابن الصلاح ص ۹۷ ۵۔ النکت، ج ۲، ص ۸۳۲

الرابع :ان یمسوق الا سناد فیعرض اے عارض فیقول کلا ما من قبل نفسه فیظن بعض سمعه ان ذلك اكلام مومتن الاسناد فیرویه عنه كذلك ۔ (۴۵) مدرج الاسناد کی چوتھی قسم یہ ہے کہ راوی اسناد بیان کرنے لگے تو اس دوران اسے کوئی رکاوٹ پیش آئی تو اس نے اپنی طرف سے کوئی بات کہی اور کسی سننے والے نے اس کلام کو اس سند کا متن سمجھا اور اسے اسی طرح روایت کر دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے النکت میں اسے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان لا ینکر الحدیث متن الحدیث بل یمسوق بل یمسوق اسناده فقط ، ثم یقطعه قاطع، فینکر کلاما ، طیظن بعض من سمعه ان ذلك اكلام هو متن ذلك الاسناد (۴۶) یہ کہ محدث حدیث کا متن ذکر نہ کرے بلکہ صرف اسناد بیان کر رہا ہو تو کوئی مانع اسے روک دے اور وہ کوئی اور بات کرے۔ اس موقع پر جس شخص نے اس کی بات سنی وہ یہ سمجھے کہ اس سند سے یہی متن مروی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثال کے لیے ثابت بن موسیٰ الزاھد (۴۷) کا واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس اثنا میں ثابت داخل ہوئے تو انہوں نے ثابت کے زہد وتقویٰ کے پیش نظر کہا: جس شخص کی رات کی نماز زیادہ ہوتی ہے اس کا چہرہ دن کے وقت حسین ہوتا ہے۔ (۱)

حافظ ابن الصلاح نے اسے شبہ الوضع میں شمار کیا ہے۔ (۲)

ابن ابی حاتم نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (۳)

۵۔ بالواسطہ متن کا بلاواسطہ بیان:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے النکت میں اسے چوتھی قسم کے طور پر بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان یکون المتن عند الراوی طرفا منه فانه لم یمسمعه من شیخه فیه وانما سمعه من واسطة بینه و بین شیخه فیدرجه بعض الرواة عنه۔

ایک راوی کے پاس متن کا کچھ حصہ ہو جس نے اپنے شیخ سے نہ سنا ہو بلکہ اسے اپنے شیخ سے بالواسطہ سنا ہو۔ کوئی راوی بغیر تفصیل کے اسے مکمل طور پر بیان کر دے۔

حافظ ابن حجر نے اسے شرح نخبۃ میں بیان کیا ہے لیکن اسے کوئی نمبر نہیں دیا، وہ لکھتے ہیں:

ومنه ان یمسمع الحدیث من شیخه الا طرفا منه فیسمعه عن شیخه بوا سطة فیرویه راو عنه تما ما بحذف الواسطة ۔ (۴)

۱۔ ابن ماجہ، ج ۱، ص ۴۲۲ ۲۔ ابن الصلاح، ص ۱۰۰ ۳۔ العلل، ج ۱، ص ۴۷ ۴۔ نزھۃ النظر، ص ۹۰

اور مدرج کی ایک قسم یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے حدیث کا صرف ایک حصہ سنے اور بقیہ اپنے شیخ سے بالواسطہ سنے مطعون بالمخالفت راوی اسے مکمل پر واسطہ کے بغیر بیان کرے۔

حافظ ابن حجر کے بقول یہ وہ قسم ہے ادراج اور تدلس میں مشترک ہے۔(۱)

اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے اسماعیل بن جعفر تاریخ بغداد، ج ۲، ص ۲۱۸، نے بواسطہ حمید انس سے قصۃ المعرنیین کے سلسلے میں روایت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

لو خر جتم الى ابلنا (۲)

تم اگر ہمارے اونٹوں کے تھان میں نکلو اور ان کے دودھ اور پیشاب پیو۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یزید بن ھارون محمد بن عدی مروان بن (۳) معاویہ اور دسرے اور دوسرے لوگوں نے اسے کیا ہے۔

(۴) شرح معنی الاثار، ج ۱، ص ۱۰۷، لیکن سب لوگ ''البانھا'' پر اکتفا کرتے ہیں حمید کہتے ہیں کہ قتادہ نے انس سے روایت کرتے ہوئے ''البانھا'' کے الفاظ کہے ہیں۔ لہٰذا اسماعیل کی روایت میں ادراج اور تسویہ ہے۔(۴)

مدرج المتن:

اگر تغیر متن حدیث واقع ہو تو وہ مدرج المتن کہلائے گی۔ حافظ ابن حجر اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

واما مدرج المتن :فهو ان يقع فی المتن كلام ليس فتارة يكون فی اوله وتارة فی اثناء وتارة فی آخره وهو الا كثر ، لانه يقع بعطف جملة على جملة اوبدمج موقوف من كلام الصحابة اومن بعدهم بموفوع من كلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غير فصل فهذا مدرج المتن (۵)

اور مدرج المتن یہ ہے کہ متن حدیث میں ایسا کلام واقع ہو جو اصل میں اس کا حصہ نہ ہو۔ یہ ادراج کبھ حدیث کی ابتدا میں کبھی درمیان مین اور کبھی آخر میں واقع ہوتا ہے زیادہ تر آخر میں ہوتا ہے اس لیے کہ وہ ایک جملہ پر جمہ کے عطف کے ذریعہ واقع ہوتا ہے۔ یا صحابہ تابعین کے موقوف کلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے ساتھ بلا فصل جوڑنے کا طریقہ اختیار کیا ہو تو یہ مدرج المتن ہوگا۔

مصنف نے الکنت میں اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔(۶)

اس میں انہوں نے نے تین مراتب کا ذکر کیا ہے جنہیں شرح نخبہ میں سادہ انداز میں بیان کر دیا گیا تھا، حافظ ابن الصلاح اس کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ النکت، ج ۲، ص ۸۳۴ ۲۔ تحریم الدم ذکر اختلاف الناقلین لخبر حمید، ج ۷، ص ۹۶

۳۔ میزان، ج ۳، ص ۶۴۷، تہذیب، ج ۹، ص ۱۲، ابن سعد، ج ۷، ص ۲۹۲، ۴۔ النکت، ج ۲، ص ۸۳۵، کتاب تحریم الدم، ج ۷، ص ۹۶

۵۔ نزھۃ النظر، ص ۹۱ ۶۔ النکت، ج ۲، ص ۸۰۲

منها ما ادرج فی حدیث رسول الله ﷺ من کلام بعض رواته بان یذکر الصحابی اومن بعده عقیب ما یرویه من الحدیث کلاما من عند نغسه فیرویه من بعده موصولا بالحدیث غیر فاصل بینهما بذکر فائله فیلتبس الا مرفیه علی من لا یعلم هقیقة الحال ویتوم ان الجمیع عن رسول الله۔(۱)

ایک قسم وہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کسی راوی کا کلام شامل ہو۔اس کی صورت یہ ہے کہ وہ حدیث کی روایت کے بعد اپنی بات کرے اوراس کے بعد صحابی یا تابعی کا ذکر کرے اورازاں بعد بقیہ حدیث کوموصول طریق پر بلافصل اور قائل کے ذکر کے بغیر بیان کرے۔اس طرح حقیقت حال سے ناواقف پر معاملہ ملتبس ہو جائے اور وہ یہ سمجھے کہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اختصار کرتے ہوئے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وهو :ان تزاد لفظة فی متن الحدیث من کلام الراوی فیحبها من یسمعها منه مرفوعة فی الحدیث فیرویها بذلك ،مدرج المتن یہ ہے کہ راوی کے کلام کے متن سے حدیث میں لفظ کا اضافہ ہواور سننے والا یہ سمجھے کہ مرفوع حدیث ہے اوراسے اسی طرح رویت کرے۔

حافظ ابن حجر اورابن الصلاح وغیرہ کی تعریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ تغیر کی دوصورتیں ہوسکتی ہیں۔

۱۔کوئی اجنبی کلام متن کے اول ،درمیان یا آخر میں شامل کر دیا جائے۔

۲۔صحابی ،تابعی یا تبع تابعی کے موقوف کلام کوآنخضرت محمد ﷺ کی مرفوع حدیث کے ساتھ بلا امتیاز ملا دیا جائے۔

سامع اسے کلام رسول اللہ ﷺ سمجھے اور مدرج کلام کومتن حدیث قرار دے۔حافظ ابن حجر نے مراتب اورالا درج کے تحت اسے مندرج ذیل طریق پر بیان کیا ہے۔

☆ ادراج متن کے آغاز میں ہواور یہ کم ہے۔

☆ ادراج متن کے آخر میں اور یہ بہت زیادہ ہے۔

☆ ادراج متن کے درمیان ہواور یہ کم ہے۔

☆ یہ کہ مدرج صحابی ،تابعی یا تبع تابعی کا قول ہو۔(۲)

ان میں سے ہرایک قسم کی مثال درج کی جاتی ہے۔

۱۔ ابن الصلاح ،ص ۹۵ ،الارشاد ،ص ۱۰۴ ۲۔ النکت ،ج ۲ ،ص ۸۱۲

آغاز متن اور ادراج کی مثال:

حافظ عراقی ابتدائے متن اور ادرج کی مثال کے لیے خطیب کے حوالے سے ابو ہریرہ کی روایت نقل کرتے ہیں: جس کے الفاظ یہ ہیں:

روایة ابی قطن وشبابة فرقهما عن شعبة عن محمد بن زیاد عن ابی هریره قال رسول الله ﷺ :اسبغوا الوضو وین للا عقاب من النار:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مکمل وضو کرو، ایڑیوں کے لیے آگ کی خبر ہے۔

خطیب کہتے ہیں کہ ابو قطن عمرو بن الھیثم اور شبابہ بن سوار کو یہ روایت شعبہ سے نقل کرنے میں وہم ہوا ہے۔ اس میں ''اسبغوا الوضوء'' ابو ہریرہ کا کلام ہے اور ''ویل للا عقاب من النار'' رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ اسے ابو داوَد الطیالسی نے بھی روایت کیا ہے اور ابن جریر آدم بن ایاس، عاصم بن علی، علی بن الجعد، غندر ہشیم یزید بن زریع، نضر بن شمیل وکیع عیسی بن یونس، معاذ بن معاذ سب نے شعبہ سے بیان کیا ہے اور سب نے پہلے حصہ کو ابو ہریرہ کا کلام اور دوسرے کو مرفوع حدیث کیا ہے۔

حافظ عراقی کہتے ہیں کہ بخاری نے اسے اس طرح بیان کیا ہے۔(۱)

حدثنا آدم بن بن ابی ایاس قال حدثنا شعبه قال حدثنا محمد بن زیاد ، قال سمعت اباهریره و کان یموبنا والناس یتوضاون من المطهرة قال :اسبغوا لوضو ء فان ابا القاسم قال :ویل للا عقاب من النار۔(۲)

آدم بن ابی ایاس شعبہ سے اور وہ محمد بن زیادہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہ کو جب کہ وہ ان کے پاس سے گذرے رہے تھے لو، لوگ وضو کر رہے تھے یہ کہتے سنا کہ اچھی طرح وضو کرو کیونکہ ابو القاسم نے فرمایا ہے کہ ایڑیوں کے لیے آگ کے عذاب کی خرابی ہے۔

لیکن کتب حدیث ''اسبغوا الوضوء'' کے الفاظ رسول اکرم ﷺ سے بھی ثابت ہیں۔(۳)

حدیث کے درمیان ادارج کی مثال:

حافظ عراقی نے اس کی مثال دار قطنی کی روایت (۴) میں نقل کی ہے۔ اور ابن دقیق العید کا قول نقل کیا کہ انہوں نے اس حدیث کو مدرج کہنے کی رائے کو ضعیف قرار دیا ہے۔(۵)

۱۔ التقیید والایضا ،ص ۱۲۸ ۲۔ بخاری، ج ۱، ص ۴۹، مسلم، ج ۱، ص ۱۴۸

۳۔ مسلم کتاب الطہارت۔ ج ۱، ص ۱۴۸، نسائی کتاب الطہارت، ج ۱، ص ۲۶، ابن ماجہ، کتاب الطہارت، ج ۱، ص ۱۵۴

۴۔ دار قطنی، ج ۱، ص ۱۴۸ ۵۔ التقیید والایضاح، ص ۱۳۰

حافظ ابن حجر نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔(۱) حافظ ابن حجر نے اس کی کئی مثالیں دی ہیں ہم یہاں صرف ایک نقل کرتے ہیں:

عن ابن شهاب عن عروة بن الزبير عن عائشة ام المومنين انها قالت: اول مابدی به رسول الله ﷺ من الوحی الرویا ء الصالحة فی النوم فكان لا یری رویا الا جاء ت مثل فلق الصبح ثم حبب الیه الخلاء و كان یخلوبغا ر حراء فیتحنث فیه و هو التعبد ـ اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اهله۔(۲)

ابن شہاب زہری عروہ زبیر سے اور وہ ام المومنین عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز سچے خوابوں سے ہوا۔ آپ جب کوئی خواب دیکھتے تو صبح کی روشنی کی طرح نمودار ہوتا۔ پھر آپ کی خلوت پسند آنے لگی۔ آپ غار حرا میں خلوت گزیں ہوتے اور وہاں تحنث فرماتے۔ تحنث سے مراد راتوں کی عبادت ہے۔ آپ کئی راتیں وہاں گذارتے قبل اس کے کہ آپ گھر تشریف لاتے۔

اس حدیث میں ''هو التعبد'' یہ امام زہری کا کلام ہے(۳) حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ ''هوالتعبد'' مدرج فی الخبر ہے۔ اور یہ امام زہری کی تفسیر ہے جیسا کہ علامہ طیبی نے یقین سے کہا ہے گو اس کی دلیل نہیں دی۔(۴)، لیکن حافظ نے خود اس کی دلیل مہیا کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تعبد کا ادراج ظاہر ہے کیونکہ اگر حضرت عائشہ کا کلام ہوتا تو اس میں ''قالت'' کا لفظ ہوتا اور اس بات کا احتمال بھی ہے کہ یہ کلام عروہ یا اس سے نیچے کسی شخص کا ہو۔(۵)

حافظ ابن حجر نے اس کی کئی دیگر مثالیں بھی دی ہیں، جنہیں النکت میں دیکھا جا سکتا ہے۔(۶)

آخری حدیث میں ادراج کی مثال:

آخر حدیث میں ادارج کی مثال وہ حدیث ہے جسے حافظ ابن الصلاح نے بطور مثال پیش کیا ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

ومن امثلة المشهور: ما روینا ه فی التشهد عن ابی خیشمه زهیر بن معاویة عن الحسن بن الحر (۷) عن القاسم بن مخیمرة (۸) عن علقمة عن عبدالله بن مسعود ان رسول الله ﷺ علمه التشهد فی الصلاة فقال: قل التحیات الله ـ فذكر التشهد وفی آخرة اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله فاذا قلت هذا فقد قضیت صلاتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد۔(۹)

۱۔ النکت، ج۲، ص۸۲۹۔۸۳۲　۲۔ بخاری باب بدء الوحی، ج۱، ص۳　۳۔ لنکت، ج۲، ص۸۲۵
۴۔ فتح الباری، ج۱، ص۲۳　۵۔ ایضا، ج۸، ص۷۱۷،　۶۔ النکت، ج۲، ص ۸۲۔۸۲۹
۷۔ الجرح، ج۳، ص۸، تہذیب، ج۲، ص۲۶۱　۸۔ الجرح، ج۷، ص۱۲۰، تہذب، ج۸، ص۲۳۷، شذرات، ج۱، ص۱۴۴،
۹۔ کتاب الصلاۃ، ج۱، ص۵۹۳، دارقطنی کاب الصلاۃ باب التشہد، ج۱، ص۳۵۳

اور اس کی مشہور مثالوں میں سے ایک وہ ہے جسے ہم نے تشہد میں ابوخیثمہ زھر ین معاویہ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حسن بن الحر سے انہوں نے قاسم بن مخیمرہ سے انہوں نے علقمہ سے اور علقمہ نے عبداللہ بن مسعود سے بیان سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نماز تشہد سکھاتے ہوئے فرمایا: تم کہو کہ تمام عبادتیں اللہ کے لیے ہیں پھر پورا تشہد ذکر کیا ہے اور اس کے آخر میں کلمہ شہادت بیان کیا ہے۔ پھر کہا: جب تم یہ کہہ چکو تو تم نے اپنی نماز پوری کر لی۔ اگر چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور اگر بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ۔

حافظ ابن الصلاح کہتے ہیں کہ ابوخیثمہ نے حسن الحر سے اس طرح روایت کیا ہے کہ اور اس میں ''فاذا قلت'' سے آخر تک کے حصہ کا ادراج کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ابن مسعود کا کلام ہے رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عبدالرحمن بن زاہد جو ایک ثقہ وزاہد شخص ہیں، اسے حسن الحر سے ایسے ہی روایت کرتے ہیں، اور حسین الجعفی (۱) اور ابن عجلان (۲) وغیرہ نے متفقہ طور پر حسن بن الحر سے آخر حصہ کے بغیر روایت کیا ہے۔ اور وہ تمام لوگ بھی ان کے ساتھ روایت میں متفق ہیں۔ جنہوں نے تشہد کے الفاظ کو علقمہ وغیرہ کے ذریعہ ابن مسعود سے روایت کیا ہے۔ شبابہ (۳) نے ابوخیثمہ سے اسے روایت کیا ہے اور اس میں آخر حصہ کو الگ بیان کیا ہے۔ (۴)

تابعین کی ادراج:

تابعین یا ان کے بعد کے لوگوں نے جو ادارج فی الحدیث کیا ہے ان کی مثالیں بھی حافظ ابن حجر نے دی ہیں۔ ہم ان میں سے دو ایک نقل کرتے ہیں۔ حدثنی صفوان بن صالح (۵)

حدثنا الولید بن مسلم، حدثنا شعیب بن ابن حمزة (٦) عن ابن الزناد عن الا عرج ابی ھریرہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان لله تسعة وتسعین اسما من احصا ھا دخل الجنة ھو الله الذی لا الاہ الا ھو الرحمن الرحیم الملك القدوس اسلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق الباری، المصور الغفار القھار الوھاب الرزاق الفتاح العلیم العظیم الغفور الشکور العلی لکبیر الحفیظ المقیقت الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المجیب الواسع الحکیم الودود المجید الباعث الشھیدا لحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحصی المبدی، المعید المحیی الممیت الحی القیم الواجد الماجد والواحد المصمد القادر المتقدر المقدم الموخر الاول الآخر الظاھر الباطن الولی المتعالی البر التواب المنتقم

۱۔ الجرح، ج ۳ ص ۵۳، تذکرہ، ج ۱ ص ۳۴۹، تہذیب، ج ۲ ص ۳۵۷،
۲۔ تہذیب، ج ۹ ص ۳۴۱

۳۔ تاریخ بغداد، ج ۹ ص ۲۹۵، العبر، ج ۱ ص ۳۴۹، تہذیب، ج ۴ ص ۳۰۰،
۴۔ دارقطنی کتاب الصلاۃ، ج ۱ ص ۳۵۳

۵۔ الجرح، ج ۴ ص ۴۲۵، تہذیب، ج ۴ ص ۴۲٦، العبر، ج ۱ ص ۴۳۰

٦۔ تذکرۃ، ج ۱ ص ۲۲۱، العبر، ج ۱ ص ۲۴۲، تہذیب، ج ۴ ص ۳۵۱، شذرات، ج ۱ ص ۳۵۷

العفو الرؤوف مالك الملك ذوالجلال و اکرام ، المقسط الجامع الغني المانع الضار النافع النور الهادی البديع الباقي الوارث الرشيد ، الصبور ،(۱)

امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ غریب حدیث ہے اور اسے صفوان بن صالح سے کئی لوگوں نے بیان کیا ہے۔ ہم اسے صفوان بن صالح کے واسطہ سے ہی جانتے ہیں اور اصحاب حدیث کے ہاں ثقہ ہے ابو ہریرہ سے کئی اور طریقوں سے بھی مروی ہے لیکن ہمیں علم نہیں ہے کہ ان میں سے اکثر روایات کی کوئی صحیح سند ہے۔ اور جہاں تک اسماء کے ذکر کا تعلق ہے تو وہ صرف اس حدیث میں ہیں۔(۲)

امام ترمذی نے ''سفیان بن عیینہ عن ابی الزناد عن ابی ہریرہ'' کی سند سے یہ رویت نقل کی ہے لیکن اس میں اسماء کا ذکر نہیں ہے اور اس کے بعد کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(۳)

حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ حدیث شعبہ عن ابی الزناد کے طریق سے بخاری میں موجود ہے۔ لیکن اس میں اسماء کا ذکر موجود نہیں ہے۔ جہاں تک اسماء کے ذکر کا تعلق ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ حصہ حدیث میں ولید بن مسلم کے کلام کا ادراج ہے۔ میں نے اس کے شواہد اپنی کتاب میں جمع کیے ہیں۔(۴)

۲۔حدثنا زهیر(۵)حدثنا يحيىٰ بن سعد عن ابن سلمه قال سمعت عائشة تقول : كان يكون على الصوم من رمضان فما استطيع ان اقضبه الا فى شعبان الشفل من رسول الله اوبر رسول الله(٦)

زہیر یحیٰ بن سعید سے اور وہ ابوسلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کہتے سنا ہے کہ میرے زمہ رمضان کے روزے ہوتے ہیں اور ان کی قضا شعبان میں ہی کر سکتی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مصروفیت ہوتی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث ''الشغل من رسول الله'' کا جمہ یحیٰ بن سعید کا قول ہے۔ عبدالرزاق نے ابن جریج عن یحیٰ بن سعید کے طریق سے اسے نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں کہا ہے:

'' قطنت ان ذلك لمكانها من النبى صلى الله عليه وسلم يحيىٰ يقوله ''(۷)

میرا خیال ہے کہ ایسا اس لیے تھا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ کے ہاں خصوصی مقام حاصل تھا۔ یہ بات یحیٰ نے کہی۔

۱۔ ترمذی، ج ۵، ص ۵۳۰۔۵۳۱، الدعاء، ص ۲، ص ۱۲۶۹۔۱۲۷۰،
۲۔ ترمذی، ج ۵، ص ۵۳۱
۳۔ ترمذی، ج ۵، ص ۵۳۱
۴۔ بخاری، کتاب التوحید، ج ۸، ص ۱۶۹
۵۔ الجرح، ج ۳، ص ۵۹۱، تاریخ بغداد، ج ۸، ص ۴۸۲، تہذیب، ج ۳، ص ۳۴۲
٦۔ مسلم کتاب الصیام، باب قضاء رمضان، ج ۳، ص ۱۵۴۔۱۵۵
۷۔ المصنف، کتاب الصیام باب تاخیر قضاء رمضان، ج ۴، ص ۲۴۵۔۲۴۶ مسلم کتاب الصیام، باب قضاء رمضان، ج ۳، ص ۱۵۵

بدالرزاق نے ثوری کے طریق سے یہ روایت کی ہے اور اس میں آخری حصہ مذکور نہیں۔(۱)

امام مسلم نے کہا ہے کہ عبدالوھاب اور سفیان دونوں نے یحییٰ سے بایں اسناد اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن حدیث ں ''الشغل برسول اللہ'' کے الفاظ ذکر نہیں کیے(۲)

درج کی معرفت:

ادراج فی الحدیث ایک مشکل مسئلہ ہے اس سے ایسی باتیں آنحضرت محمد ﷺ کی طرف منسوب ہوسکتی ہیں جو آپ نے ہیں کہیں۔علماء حدیث نے اسی لیے محنت کر کے مدرج عبارتوں کو تلاش کیا ہے۔اس سلسلے میں ہونے والی کاوشوں کے نتیجے میں درج احادیث کو متعین کرنے کی صورتیں بنی ہیں۔صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بڑی جانفشانی سے تحقیق کر کے ایسے اصول بنانے کی کوشش کی گئی ہے جن کے ذریعہ ادراج کی معرفت ہوسکتی ہے۔

حافظ ابن حجر نے انہیں ''وجوہ معرفۃ المدرج'' کا نام دیا ہے۔ النکت، ج ۲، ص ۸۲۱، مصنف شرح نخبۃ میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویدرك الا دراج بورود روایة مفصلة اللقدر المدرج فیه او بالتنصیص علی ذلك من الراوی او من بعض الائمة المطلعین اوبا ستحالة كون النبی ﷺ یقول ذلك۔(۳)

اور ادراج کا بوجوہ پتہ چل سکتا ہے۔جیسے ایسی روایت کا موجود ہونا جو مدرج کلام کو واضح کرے یا راوی یا صاحب علم ائمہ نے اس کی تصریح کی ہو اور یا یہ مستحیل ہو کہ آنحضور ﷺ اس طرح کی بات کریں۔

لہٰذا ادراج کی معرفت کے مندرجہ ذیل وجوہ ہوسکتے ہیں۔

۱۔ ایسی حدیث کا موجود ہونا اور ادراج سے محفوظ ہو اور اس سے واضح ہو جائے کہ اصل الفاظ یہ ہیں اور مدرج کلام یہ ہے۔ یہ ایک واضح ثبوت ہے۔

۲۔ راوی کی اپنی تصریح سے ادراج کا پتہ چلے۔

اس کی مثال عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے جسے احمد ابن عبدالجبار العطاردی(۴) نے ابوبکر ابن عیاش سے روایت کیا ہے۔قال رسول اللہ :من مات وھو لا یشرك باللہ شیئا دخل الجنة ومن مات وھو یشرك باللہ شیئا دخل النار۔(۵)

۱۔ المصنف، کتاب الصیام، باب تاخیر قضاء رمضان، ج ۴، ص ۲۴۶ ۲۔ مسلم کتاب الصیام، باب قضاء رمضان، ج ۳، ص ۱۵۵

۳۔ نزھۃ النظر، ص ۹۱ ۴۔ الجرح، ج ۲، ص ۶۲، تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۲۶۲، العبر، ج ۲، ص ۴۹،

۵۔ مسلم کتاب الایمان، ج ۱، ص ۶۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے کسی کو شریک نہیں کیا۔ جنت میں داخل ہوگا، جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک گردانا تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔ اسے اسود بن عامر شاذان وغیرہ نے ابو بکر بن عیاش سے بایں الفاظ روایت کیا ہے:

سمعت رسول الله يقول :من جعل الله ندا دخل النا ر و اخرى اقولها ولم اسمعها منه :من مات لا يجعل الله ندا ادخله الجنة:(۱)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا: ''جس شخص نے اللہ کے ساتھ شریک کیا وہ آگ میں داخل ہوا''۔ اور دوسری بات جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہتا ہوں: جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا وہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

امام مسلم نے اس حدیث کو ابن مسعود سے دیگر سند سے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

محمد بن عبداللہ بن نمیر (۲)

حدثنا ابى و وكيع عن الا عمش عن شفيق عن عبدالله قال وكيع قال رسول الله :وقال ابن نمير سمعت رسول الله ﷺ يقول من مات يشرك بالله شيئا دخل النار ، وقلت انا و من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة ـ(۳)

محمد بن عبداللہ بن نمیر اپنے والد اور وکیع سے وہ اعمش سے وہ شفیق سے اور شفیق عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وکیع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور ابن نمیر کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا: جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا وہ آگ میں داخل ہوا۔ اور میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک نہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بخاری نے اسے مندرجہ ذیل طریق سے نقل کیا ہے۔

عمر بن حفص حدثنا ابى قال حدثنا الا عمش حدثنا ، شفيق عن عبدالله قال قال رسول الله :من مات يشرك بالله شيئا دخل النار وقلت انا من مات لا يشرك بالله شيئا دخل الجنة ـ(۴)

۱۔ مسند، ج۱، ص۴۹۲۔ ۲۔ الجرح، ج۱، ص۳۲۰، تاریخ بغداد، ج۵، ص۴۶۹، تہذیب، ج۹، ۲۸۲، سیر، ج۱۱، ص۴۵۵

۳۔ مسلم کتاب الایمان، ج۱، ص۶۵ ۴۔ بخاری کتاب الجنائز، ج۲، ص۶۹، کتاب الایمان والنذور، ج۷، ص۲۳۰

ر بن حفص اپنے باپ سے روایت کرے ہیں، وہ اعمش سے وہ شقیق سے اور شقیق سے عبداللہ بن مسعود سے عبداللہ کہتے یں کہ
سول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی شرک کیا وہ آگ میں ہوگا، اور میں کہتا ہوں کہ جو شخص اس حال میں
را کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی شرک نہیں کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔
۔کوئی وسیع الاطلاع محدث ادراج کی نشاندہی کرے۔(۱)

النکت میں حافظ ابن حجر نے صرف رواۃ کی تصریح کا ذکر کیا اور اس کی مثالیں دی ہیں۔ اسے وہ تیسری قسم قرار دیتے
یں جبکہ نزہۃ النظر میں دونوں کو اکھٹے بیان کیا ہے۔ تیسری قسم کے بارے میں مزید گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ اس قسم کا
یصلہ محدث، حافظ ناقد کے ظن غالب پر ہوتا ہے اور یہ فیصلہ موجب قطع نہیں ہے۔(۲) اس قسم کا ادراج اکثر اوقات حدیث میں
اقع الفاظ کی تفسیر کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ جیسے احادیث شغار (۳) اس کی مثال ''ان بلالا یوذن بلیل'' کی حدیث ہے۔ اسے مسلم
نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ابن نمیر حدثنا عبید الله عن نافع عن عمر قال کان لرسول الله موذنا بلال ام مکتوم الا عمی فقال رسول
الله ان بلا لا یوذن بلیل فکلوا واشربوا حتی ابن ام مکتوم ۔ قال :ولم یکن بینهما الا ان ینزل هذا یرقی هذا ۔(۴)

ابن نمیر اپنے والد سے وہ عبیداللہ سے وہ نافع سے اور ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دو موذن تھے
بلال اور نابینا ابن ام مکتوم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلال رات کے وقت اذان دیتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت تک کھاؤ پیو جب ابن
ام کلثوم اذان دیں۔ وہ کہتے ہیں ان دونوں کے درمیان اتنا فرق تھا کہ ایک اتر رہا ہوتا اور دوسرا چڑھ رہا ہوتا۔
مسلم نے یہ روایت کئی سندوں سے ابن عمر سے روایت کی ہے۔(۵) ان میں سے صرف اس میں آخری جملہ نقل ہوا ہے۔
حدیث کا سیاق بتا رہا ہے کہ جملہ ''ولم یکن بیهنهما۔''
اس مفہوم کی روایت عبداللہ بن مسعود سے بھی منقول ہے۔(۶) لیکن اس میں بھی اس طرح کے الفاظ نہیں ہیں۔
حضور اکرم ﷺ سے اس قسم کے قول کا صادر ہونا ناممکن متصور ہو۔ اس کی مثال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل روایت ہے۔

اخبرنا یونس عن الزهری سمعت سعید بن المسیب یقول قال ابو هریره :قال رسول الله ﷺ للعبد
المملوك الصالح اجران والذی نفسی بیله لولا الجهاد فی سبیل الله والحج وبرا می لا حببت ان اموت وانا مملوك(۷)

۱۔ النکت، ج ۲ ص ۸۱۵ ۲۔ النکت، ج ۲ ص ۸۱۶،
۳۔ مسلم کتاب، ج ۴ ص ۱۳۹۔۱۴۰، موطا، ج ۲ ص ۵۳۵، الشغار، ج ۶ ص ۱۲۹، بخاری کتاب الحیل، ج ۸ ص ۶۱، فتح الباری، ج ۹ ص ۱۶۲،
بخاری کتاب البیوع، ج ۳ ص ۳۲، مسلم کتاب البیوع، ج ۵ ص ۲۱، ۴۔ مسلم کتاب، الصیام ج ۳ ص ۱۲۹، بخاری کتاب الصوم، ج ۲ ص ۲۳۱
۵۔ ایضاً، ج ۳ ص ۱۲۸۔ ۶۔ ایضاً، ج ۳ ص ۱۲۹ ۷۔ بخاری، ج ۳ ص ۱۲

یونس زہری سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب کو کہتے سنا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صالح غلام کے لیے دو اجر ہیں اور اس کی قسم جس قبضے میں میری جان ہے اور جہاد فی سبیل اللہ، حج مبرور اور والدہ سے حسن سلوک کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں پسند کرتا کہ میں اس حال میں مروں کہ میں غلام ہوں۔

یہ بات واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایان شان نہیں کہ آپ غلامی کی آرزو کریں۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ بھی بقید حیات نہ تھیں کہ ان کے ساتھ حسن سلوک سدراہ ہوتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ والذی نفسی بیدہ۔ حدیث نہیں بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مدرج کلام ہے۔ امام مسلم نے ابن وہب کی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔ امام مسلن نے ابن وہب کی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔ روایت کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں۔

ابن وهب اخبرنی یونس عن ابن شهاب قال سمعت سعید بن المسیب یقول قال ابو هریره :قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم للعبدی المملوك المصلح اجران والذی نفسی ابو هریره رضی اللہ عنہ :قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم للعبد المملوك المصلح اجران ۔ والذی نفس ابی هریره بیله لو لا الجهاد فی سبیل الله والحج وبرامی لا حببت لان اموت وانا مملوك ۔ قال : وبلغنا ان ابا هریره لم یکن یحج حتی ماتت امه لصحبتها ۔(۱)

ابن وہب بیان کرتے کہ مجھ سے یونس نے ابن شہاب سے روایت کہا کہ انہوں نے کہا میں نے سعید بن المسیب کو کہتے سنا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صالح غلام کے لیے دو اجر ہیں۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جان ہے اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور والدہ سے حسن سلوک کا معاملہ نہ ہوتا تو میں پسند کرتا کہ میں اس حال میں مروں کہ میں غلام ہوتا وہ کہتے ہیں کہ (زہری) کہ ہمیں خبری ملی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے والد کی خدمت کی وجہ سے اس وقت حج نہیں کیا جب فوت نہیں ہوئیں۔

مدرج کا حکم:

مدرج کا شمار ضعیف حدیث کی اقسام میں ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں کسی اور کے کلام کو داخل کرنے سے اس کی صحت متاثر ہوتی ہے ادراج اگر خطا وسہو سے واقع ہو تو صاحب ادراج پر کوئی مواخذہ نہیں ہاں اگر وہ زیادہ ادراج کرتا ہے تو اس کے ضبط پر حرف آتا ہے۔ عمداً ادراج کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ اور فقہاء ومحدثین کے نزدیک اس کی جملہ اقسام ممنوع ہیں۔ ابن السمعانی کا قول ہے: من تعمد الا دراج فهو ساقط العدالة ، وممن یحرف الکلم عن مواضعه وهو ملحق بالکنابین۔(۲)

۱۔ مسلم کتاب، الایمان، ج ۵، ص ۹۴　　۲۔ تدریب الراوی، ج ۱، ص ۲۳۱

جو شخص عمداً ادراج کرے اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو کلمات میں تحریف کرتے ہیں اور وہ شخص کذابوں سے ملتا جلتا ہے۔

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ میرے نزدیک غریب الفاظ کی تفسیر کرتے ہوئے ادراج کرنا ممنوع نہیں۔ اس لیے امام زہری اور دوسرے ائمہ نے ایسا کیا ہے۔(۱) لیکن ایسا کرنے میں بھی پسندیدہ عمل یہ ہے کہ صاحب کا کلام اپنی بات کی تصریح کر دے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ تفسیر کرتے ہوئے تفسیر کے اشارات ساقط کر دیتے تھے اس لیے ان کے بعض ہمعصران کہتے تھے۔ افصل کلامک من کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اپنی بات کو رسول اللہ کے ارشاد سے الگ بیان کرو۔(۲)(۳)

خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایات سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دو سو پندرہ ویں (۲۱۵) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل چوتھی حدیث مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ یہ تابعی (ابن ہبیرہ) کی دوسرے تابعی (ابوتیم) سے روایت ہے۔

☆ حضرت خیر، ابن ہبیر، ابوتیم اور حضرت ابوبصرہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیثِ مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت، اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

صلی بنا رسول ﷺ: ہمیں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی — المخمص: وادی مخمص۔ مقام کا نام

ھذہ الصلاۃ: یہ نماز — عرضت: پیش کی گئی، مراد ہے فرض کی گئی

قبلکم: تم سے پہلے — ضیعوا: انہوں نے ضائع کر دیا۔

من حافظ: جو حفاظت کرے گا۔ — اجر: ثواب۔ بدلہ

مرتین: دو مرتبہ — حتیٰ یطلع: یہاں تک کہ نکل آئے۔

الشاھد: ظاہر کرنے والا۔ وہ ستارہ جو غروب آفتاب کے فوراً بعد نکلتا ہے۔ النجم: ستارہ۔

۱۔ ایضاً ۲۔ النکت، ج ۲، ص ۸۲۹ ۳۔ اصول الحدیث، ج ۱، ص ۵۷۸۔۶۱۹

آخِرُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ　　　باب ۱۵: مغرب کا آخری وقت

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مغرب کا وقت اتنا ہی ہے کہ آدمی طہارت حاصل کرے ستر عورت کرے، اور نماز کے لیے اذان و اقامت کہے، پھر نماز پڑھے، شوافع کا جدید قول بھی یہی ہے، البتہ امام شافعی کا قدیم قول، حنابلہ اور احناف میں سے صاحبین کا قول یہ ہے کہ شفق کے غائب ہونے تک مغرب کا وقت ہے، اور ان حضرات کے نزدیک شفق سے مراد سرخی ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس شفق سے مراد شفق ابیض (سفیدی) مراد ہے، اور یہ سفیدی: سرخی کے تین درجے بعد یعنی بارہ منٹ بعد ہے، امام نسائی کا رجحان جمہور کی طرف ہے، اس باب میں آپ نے تین احادیث مبارکہ سے استنباط فرمایا ہے پچھلے باب میں مغرب میں تاخیر کا بیان تھا اور اس باب میں مغرب کے آخری وقت کا بیان ہے، دونوں ابواب نمازِ مغرب کے اوقات سے متعلقہ ہیں۔

۵۲۱۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ :سَمِعْتُ أَبَا أَيُّوبَ الْأَزْدِيَّ يُحَدِّثُ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ :شُعْبَةُ :كَانَ قَتَادَةُ يَرْفَعُهُ أَحْيَانًا، وَأَحْيَانًا لَا يَرْفَعُهُ -قَالَ :وَقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ مَا لَمْ يَحْضِرِ الْعَصْرُ، وَوَقْتُ صَلَاةِ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ، وَوَقْتُ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَسْقُطْ ثَوْرُ الشَّفَقِ، وَوَقْتُ الْعِشَاءِ مَا لَمْ يَنْتَصِفِ اللَّيْلُ، وَوَقْتُ الصُّبْحِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ

حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ظہر کی نماز کا وقت اس وقت تک باقی رہتا ہے، جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو، عصر کا وقت سورج کے زرد ہونے تک باقی رہتا ہے۔ مغرب کا وقت شفق کی تیزی کے ختم ہونے تک باقی رہتا ہے، عشاء کا وقت آدھی رات تک باقی رہتا ہے، اور فجر کا وقت سورج کے نکلنے تک باقی رہتا ہے۔

نقدِ سند:

حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو کبھی مرفوعاً اور کبھی موقوفاً بیان کرتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس درمیانی جملہ میں ہے نماز مغرب کا وقت شفق کی تیزی ختم ہونے تک باقی رہتا ہے۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۷۱۲، ۷۱۴، ابوداؤد: ۳۹۶، احمد: ۶۹۸۴، السنن الکبریٰ: ۱۵۰۰، تحفۃ الاشراف: ۸۹۴۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، ایک راوی حضرت ابوایوب ازدی کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں۔

۱۔عمرو بن علی:	راجع:۴	۲۔ابوداؤد:	راجع:۳۴۲
۳۔شعبہ:	راجع:۱۱۰	۴۔قتادہ:	راجع:۱۳۹

۵۔ابوایوب ازدی:

آپ کا نام ابوایوب یحییٰ مراغی ازدی (م:۸۰ھ ت) ہے بعض نے آپ کا نام حبیب بن مالک ذکر کیا ہے، مراغی کی نسبت کے بارے میں دو قول ہیں۔ایک یہ ہے کہ یہ قبیلہ ازد کی طرف نسبت ہے، اور بعض کے مطابق ازد عمان کے قریب ایک بستی کا نام ہے، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں امام ترمذی کے علاوہ ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ: راجع:۱۱۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیثِ مبارکہ سداسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو سولہویں (۲۱۶) حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند ایسے شیوخ پر مشتمل ہے، جن میں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، سوائے حضرت ابوایوب ازدی کے، ان سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے تمام راوی بصری ہیں۔

☆ یہ تابعی (قتادہ) کی دوسرے تابعی (ابوایوب) سے روایت ہے،

☆ حضرت ابوایوب ازدی سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

۱۔ i۔تہذیب الکمال، ج ۳۳، ص ۶۱ ii۔طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۲۲۶

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں، آپ کا شمار فقہاء عبادلہ اربعہ صحابہ میں ہوتا ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، سمعت ایک ایک، جبکہ حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یر فعه احیانا : کبھی وہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں احیانا لا یر فعه : کبھی مرفوعاً بیان نہیں کرتے۔

مالم یحضر العصر: جب تک عصر کا وقت شروع نہ ہو۔

مالم تصفر الشمس: جب تک سورج زرد نہ ہو۔

مالم یسقط: جب تک ختم نہ ہو۔ٹوٹ نہ جائے کم نہ ہو جائے۔

ثور: تیزی الشفق: سرخی یا سفیدی

مالم ینتصف اللیل: جب تک آدھی رات نہ ہو

مالم تطلع الشمس: جب تک سورج نہ نکلے۔

۵۲۲۔أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، وَأَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَا :حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، عَنْ بَدْرِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ إِمْلَاءً عَلَيَّ :حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَائِلٌ يَسْأَلُهُ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ بِالْفَجْرِ حِينَ انْشَقَّ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالظُّهْرِ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَالْقَائِلُ يَقُولُ :انْتَصَفَ النَّهَارُ وَهُوَ أَعْلَمُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالْعَصْرِ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالْمَغْرِبِ حِينَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَمَرَهُ فَأَقَامَ بِالْعِشَاءِ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ أَخَّرَ الْفَجْرَ مِنَ الْغَدِ حِينَ انْصَرَفَ وَالْقَائِلُ يَقُولُ :طَلَعَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَخَّرَ الظُّهْرَ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ وَقْتِ الْعَصْرِ بِالْأَمْسِ، ثُمَّ أَخَّرَ الْعَصْرَ حَتَّى انْصَرَفَ وَالْقَائِلُ يَقُولُ :احْمَرَّتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتَّى كَانَ عِنْدَ سُقُوطِ الشَّفَقِ، ثُمَّ أَخَّرَ الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، ثُمَّ قَالَ: الْوَقْتُ فِيمَا بَيْنَ هٰذَيْنِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور نمازوں کے اوقات کے بارے میں پوچھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا، جب پھر پو پھوٹی تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اور انہوں نے ظہر کی تکبیر کہی، جب کہ کہنے والا کہتا تھا، ابھی دوپہر ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب جاننے والے تھے، پھر آپ نے انہیں حکم دیا، اور انہوں نے عصر کی اقامت کہی، جب کہ سورج ابھی بلند تھا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا، اور انہوں نے مغرب کی تکبیر پڑھی، جب کہ سورج ڈوب چکا تھا، پھر آپ نے انہیں حکم دیا، اور انہوں نے اقامت کہی جب کہ شفق غائب ہو چکی تھی، پھر اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے، تو کہنے والا کہتا تھا سورج نکل چکا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کو کل کی عصر سے تھوڑی دیر پہلے تک موخر کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کو دیر سے ادا فرمایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مکمل کی، تو کہنے والا کہتا تھا

سورج سرخ ہو چکا ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کو اتنا موخر کیا کہ شفق غائب ہونے کے قریب تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کو تہائی رات تک موخر کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری حصہ میں ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کو اتنا موخر کیا، کہ شفق غائب ہونے کو تھی۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۶۱۴، ابوداؤد: ۳۹۵، احمد: ۱۹۷۵۴، السنن الکبریٰ: ۱۴۹۹، تحفۃ الاشراف: ۹۱۳۷

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے دو کا تعارف گذر چکا ہے، باقی چار شیوخ حضرت عبدہ ابوداؤد، بدر بن عثمان اور ابوبکر بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی بیان کیے جاتے ہیں:

ا۔ عبدہ بن عبداللہ:

آپ کا نام ابوسہل عبدہ بن عبداللہ صفار خزاعی بصرہ (م: ۲۵۸ھ) ہے، آپ نے شہر ہواز میں وفات پائی، آپ کی وفات کا ایک قول ۲۵۷ھ اور شہر بصرہ کا بھی ہے، آپ کوفی الاصل تھے۔ آپ رواۃ کے گیارہوں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، آپ کو امام نسائی دارقطنی اور ابن حبان نے ثقہ، جبکہ ابو حاتم نے صدوق قرار دیا ہے، آپ سے امام بخاری اور آئمہ سنن اربعہ روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے تیرہ (۱۳) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۲۔ احمد بن سلیمان:　　راجع: ۹۰

۳۔ ابوداؤد:

آپ کا نام ابوداؤد عمر بن سعد بن عبید خضری (م: ۲۰۳ھ) ہے، آپ نے کوفہ میں وفات پائی، بعض نے تاریخ وفات ۲۰۶، ذکر کی ہے۔

حضری نسبت شہر کوفہ کے ایک دیہات کہ وجہ سے ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ، عابد، صدوق، صالح راوی ہیں، آپ سے امام مسلم اور ائمہ اربعہ روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے بیس (۲۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

ا۔　i۔ الجرح والتعدیل، ج ۶ ص ۹۰　　ii۔ الثقات ج ۸، ص ۴۳۷

علماء کے تعریفی اقوال:

امام ابوداؤد حضری کے بارے میں علماء کرام کے تعریفی کلمات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ امام دوری فرماتے ہیں: امام ابن معین حضرت قبیصہ، ابواحمد اور محمد بن یوسف پر حضرت ابوسفیان سے روایت میں امام ابوداؤد حضری کو فوقیت دیتے تھے۔

۲۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے زمانہ میں سے اگر کسی شخصیت کا دفاع کیا جاتا ہے، تو وہ امام ابوداؤد حضری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳۔ علامہ ابن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل کوفہ میں سے میں کسی کو نہیں جانتا کہ وہ امام ابوداؤد حضری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر عبادت گذار ہو۔

۴۔ علامہ ابن سعد فرماتے ہیں: آپ عبادت گذار زاہد اور فضیلت والے بزرگ تھے۔اور مجسمہ تواضع وانکساری تھے۔

۵۔ حضرت ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم ان کے مکان پر حاضرِ خدمت ہوئے، وہ مکان شاگردوں سے بھرا ہوا تھا، جب وہ فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا: کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، (یہ مکان کرائے کا تھا۔)

۶۔ امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ نیک عبادت گذار شخصیت تھے، حدیث کے حافظ اور ثابت راوی تھے، فقر ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، آپ سے تقریباً تین ہزار احادیث مبارکہ مروی ہیں، امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور ان کی بہت تعظیم کرتے تھے، اور ان کے سامنے بہت کم کلام کرتے تھے، کیونکہ امام ابوداؤد کلام وزبان کے بہت ماہر تھے۔ حضرت حسین جعفی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کوفہ میں کوئی شخص ان سے افضل نہ تھا۔

۷۔ امام محمد بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ حضرت حسین جعفی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔حالانکہ دونوں ثقہ ہیں۔(۱)

امام ابوداؤد حضری اور امام ابوداؤد طیالسی کا فرق:

شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی لکھتے ہیں:

اس حدیث کے راوی امام ابوداؤد حضری ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے السنن الکبریٰ میں اس کی تصریح فرمائی ہے، اس لیے امام مزی نے ''تحفۃ الاشراف'' میں جو یہ لکھا ہے کہ اس کے راوی امام ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں وہ درست نہیں ہے، جیسا کہ اس بارے میں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی النکت الظراف: میں بھی اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔(۲)

۱۔ i۔ تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۴۸۲ ii۔ تاریخ الثقات، ص ۳۵۸ iii۔ الجرح والتعدیل، ج ۶، ص ۱۱۲

۲۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۷، ص ۳۳

۴۔ بدر بن عثمان:

آپ کا نام بدر بن عثمان اموی کوفی ہے، آپ بنوامیہ کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں ائمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام مسلم، نسائی اور ابن ماجہ (التفسیر) میں آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۵۔ ابوبکر بن ابی موسیٰ:

آپ کا نام ابوبکر عمر یا عامر بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (م:۱۰۶ھ) ہے آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ قلیل الحدیث راوی ہیں اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں آپ سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، ایک یہی اور دوسری حدیث نمبر ۵۶۰۲ ہے۔

حضرت ابوبکر کا اپنے باپ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سماع:

امام آجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے امام ابوداؤد حضری سے پوچھا کیا حضرت ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے باپ سے سماع کیا ہے؟ میرے نزدیک ان کا والد سے سماع ثابت ہے اور میرے نزدیک ابوبکر اپنے بھائی ابوبردہ سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ آپ عمر میں اپنے بھائی ابوبردہ سے بڑے تھے۔(۲)

۶۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ:　　　راجع: ۳۱۹

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو ستاسی (۱۸۷) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بصری، دوسرے رہاوی اور باقی سارے کوفی ہیں

☆ یہ بیٹے (ابوبکر) کی اپنے باپ (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔

۱۔ i۔ سوالات برقانی، ص ۴۶　　ii۔ الثقات، ج ۶، ص ۱۱۶

۲۔ i۔ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۶۹　　ii۔ الثقات، ج ۵، ص ۵۹۲

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

''واللفظ لہ'' کے لیے اصولِ حدیث کا قاعدہ:

سند میں ابتدائی دو شیوخ کے بعد ''واللفظ لہ'' کے الفاظ سے اس امر کی وضاحت کرنا مقصود ہے، کہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ دو شیوخ حضرت عبدہ بن عبداللہ اور احمد بن سلیمان سے سماعت کی ہے جن کی روایات کا مفہوم ایک ہی ہے، جبکہ یہ الفاظ حضرت احمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، جبکہ اس سے یہ بتلانا بھی مقصود ہوتا ہے، کہ دوسرے شیوخ کے الفاظ مختلف تھے البتہ دونوں کی روایات کا معنی ایک ہی ہے۔(۱)

املاء علی کا مفہوم:

یہاں پر املاء علی سے مراد ہے کہ امام ابوداؤد حضری کو حضرت بدر بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث مبارکہ لکھوائی ہے، املاء کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے، جب راوی شیخ کی ملاقات کو جائے، اور شیخ سے حدیث لکھ لے، یہ اداء تحمل کی اعلیٰ ترین قسم ہے، اور املاء کی مجالس کا انعقاد محدثین عام طور پر کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ ایک مستحب امر ہے کہ شیوخ حدیث کی املاء کروائیں۔

کیونکہ یہ روایت اور سماع کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے، اور تحمل حدیث کا بہترین اور مضبوط ترین ذریعہ ہے، حضرت ابن عدی اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خیاط کا یہ قول نقل کیا ہے، میں نے حضرت واثلہ بن اسقع کو دیکھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو حدیث لکھواتے تھے اور یہ کام وہ اپنی نگرانی میں کرواتے تھے۔(۲)

۶۔لغات:

اتی النبی علیہ السلام سائل: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سائل آیا۔

یساء له: اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مواقیت الصلاۃ: نماز کے اوقات

لم یرد علیه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا

اقام: حضرت بلال نے تکبیر کہی حین انشق: جب پو پھوٹ گئی۔

حین زالت الشمس: جب سورج ڈھل گیا والقائل یقول: کہنے والا کہہ رہا تھا۔

انتصف النهار: دوپہر ھو اعلم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جاننے والے تھے۔

مرتفعة: بلند حین غربت الشمس: جب سورج غروب ہو گیا

حین غائب الشفق: جب شفق غائب ہو گئی

۱۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۷، ص ۳۴ ۲۔ المدخل، ج ۲، ص ۱۳۲۔۱۳۳

الغد: کل
احمرت الشمس: سورج سرخ ہوگیا
ثلث اللیل: تہائی رات
انصرف: آپ ﷺ نے نماز مکمل کی
عند ستوط اشفق: شفق غروب ہونے کے قریب
فیحابین ھذین: ان دووقتوں کے درمیان

۵۲۳۔ أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ :حَدَّثَنَا زَيْدُ بْنُ الْحُبَابِ قَالَ :حَدَّثَنَا خَارِجَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ :حَدَّثَنِي الْحُسَيْنُ بْنُ بَشِيرِ بْنِ سَلَّامٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ :دَخَلْتُ أَنَا وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَلَى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ فَقُلْنَا لَهُ :أَخْبِرْنَا عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَاكَ زَمَنَ الْحَجَّاجِ بْنِ يُوسُفَ .قَالَ :خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَ الْفَيْءُ قَدْرَ الشِّرَاكِ، ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِينَ كَانَ الْفَيْءُ قَدْرَ الشِّرَاكِ، وَظِلِّ الرَّجُلِ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ حِينَ غَابَ الشَّفَقُ، ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ حِينَ طَلَعَ الْفَجْرُ، ثُمَّ صَلَّى مِنَ الْغَدِ الظُّهْرَ حِينَ كَانَ الظِّلُّ طُولَ الرَّجُلِ، ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ حِينَ كَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ مِثْلَيْهِ قَدْرَ مَا يَسِيرُ الرَّاكِبُ سَيْرَ الْعَنَقِ إِلَى ذِي الْحُلَيْفَةِ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى الْعِشَاءَ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ أَوْ نِصْفِ اللَّيْلِ -شَكَّ زَيْدٌ- ثُمَّ صَلَّى الْفَجْرَ فَأَسْفَرَ

حضرت بسر بن سلام رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:
میں اور امام باقر حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، ہم نے ان سے گذارش کی کہ وہ ہمیں آقا کریم ﷺ کی نماز کے بارے میں بتلائیں، یہ حجاج بن یوسف کی گورنری کا زمانہ تھا حضرت جابر نے بتلایا: آقا کریم ﷺ تشریف لائے، اور نمازِ ظہر ادا فرمائی، جب کہ سورج ڈھل چکا تھا، اور سایہ اصلی تسمہ کے برابر تھا، پھر عصر کی نماز پڑھائی جبکہ سایہ اصلی تسمہ کے برابر اور آدمی کے برابر تھا، پھر سورج غروب ہونے پر مغرب کی کی نماز پڑھائی، پھر عشاء اس وقت پڑھائی جب شفق غائب ہوچکی تھی پھر فجر اس وقت پڑھائی جب لو پھوٹ چکی تھی پھر اگلے دن ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی، جب انسان کا سایہ ایک مثل ہوگیا، پھر عصر کی نماز انسان کا سایہ دو مثل ہونے پر پڑھائی، اور اتنا وقت باقی تھا کہ ایک اونٹ سوار درمیان چال سے ذوالحلیفہ پہنچ سکتا تھا، (یعنی سورج غروب ہونے سے پہلے) پھر سورج ڈوبنے پر مغرب پڑھائی، پھر تہائی رات یا آدھی رات کو عشاء پڑھائی (راوی حدیث حضرت زید بن حباب کو شک ہے کہ تہائی رات کہا یا آدھی رات) پھر روشنی میں فجر کی نماز پڑھائی۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے: آقا کریم ﷺ نے دوسرے دن بھی مغرب کی نماز سورج کے ڈوبنے پر پڑھائی۔

اس حدیث مبارکہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید ہے کہ مغرب کا وقت اتنا ہی ہے کہ اس میں طہارت حاصل کی جائے، ستر عورت کیا جائے اور نماز پڑھی جائے، اور یہ نماز مغرب کا آخری بھی ہے۔

امام نسائی نے دونوں موقفات پر احادیث بیان فرما دی ہیں اس حدیث مبارکہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کے مطابق آخری وقت بھی مغرب کا وہی ہے جو اس کا ابتدائی وقت ہے۔

۲۔اطراف:

تحفۃ الاشراف: ۲۲۱۷

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے حضرت احمد بن سلیمان، زید بن حباب اور حضرت جابر بن عبداللہ کا تعارف گذر چکا ہے باقی تین شیوخ حضرت خارجہ بن عبداللہ، حسین بن بشیر اور بشیر بن سلام کے حالاتِ زندگی صفحہ قرطاس پر منتقل کیے جا رہے ہیں۔

احمد بن سلیمان: راجع: ۴۲ **۲۔زید بن حباب:** راجع: ۳۷

۳۔خارجہ بن عبداللہ:

آپ کا نام ابوزید خارجہ بن عبداللہ بن سلیمان بن زید بن ثابت انصاری مدنی (م: ۱۶۵ھ) ہے بعض نے آپ کی کنیت ابوذر کی ہے، آپ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے صدوق وہمی راوی ہیں، امام ترمذی اور امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ایک یہی حدیث الباب اور دوسری کتاب الصیام میں حدیث نمبر ۲۲۳۳ ہے۔(۱)

۴۔الحسین بن بشیر:

آپ کا نام ابوسلیمان بن حسین بن بشیر بن سلام مدنی انصاری ہے آپ انصارؓ کے آزاد کردہ غلام تھے، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۲)

۵۔بشیر بن سلام:

آپ کا نام بشیر بن سلام انصاری مدنی ہے، بعض ائمہ نے ولدیت سلیمان ذکر کی ہے، آپ حضرت صفیہ بنت عبدالرحمان کے آزاد کردہ غلام تھے۔آپ حسین کے باپ ہیں۔آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے صدوق راوی ہیں۔آپ سے

۱۔ i تاریخ الدوری، ج ۲، ص ۱۴۲ ii۔طبقات ابن سعد، ج ۵، ص ۲۶۲

۲۔ i۔الثقات، ج ۶، ص ۲۰۶ ii۔تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۱۷۴۔۱۷۵

روایت لینے میں امام نسائی منفرد ہیں سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

۶۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۳۸

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ اس سند میں سے حسن اور باقی شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے لحاظ سے یہ دوسوسترویں (۲۷۰) حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی ثقہ اور باقی صدوق ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی رہاوی، دوسرے کوفی اور باقی مدنی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (حسین) کی اپنے باپ (بشیر) سے روایت ہے۔

☆ حضرت خارجہ حسین اور بشیر بن سلام سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت تمام کے تمام صیغہ اتصال ہیں، اور عنعنہ بھی غیر مدلّس سے مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ اور قال ایک ایک دفعہ جبکہ صیغہ تحدیث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اخبرنا :	آپ ہمیں بتلائیں	ذاك زمن الحجاج:	حجاج بن یوسف کا زمانہ
الفئي:	سایہ اصلی	قدر الشراك:	تسمہ کی مقدار
ظل الرجل:	آدمی کا سایہ	طول الرجل:	آدمی کی لمبائی
قدر:	مقدار برابر	مايسيرا لراكب:	جو چلے اونٹ سوار
سير العنق:	درمیانی چال	ثلث الليل:	تہائی رات
نصف الليل:	آدھی رات	شك زيد:	حضرت زید بن حباب رحمۃ اللہ علیہ کو شک گذرا۔
اسفر:	روشنی		

۱۔　i۔الجرح والتعدیل، ج ۲، ص ۳۷۴　　ii۔تقریب التہذیب، ج ۱، ص ۱۱۱

كَرَاهِيَةُ النَّوْمِ بَعْدَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ   باب ۱۶: مغرب کے بعد سونے کی کراہت

مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان بہت کم وقت ہوتا ہے مغرب کے بعد سونے سے عشاء کی نماز باجماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے آقا کریم ﷺ مغرب کے بعد سونے کو ناپسند فرماتے تھے، اس باب میں اسی مسئلہ کو بیان کیا جارہا ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نماز مغرب کے آخری وقت کا بیان تھا، اور اس باب میں مغرب کے بعد سونے کی ممانعت کا بیان ہے۔

۵۲۴۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَيَّارُ بْنُ سَلَامَةَ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى أَبِي بَرْزَةَ فَسَأَلَهُ أَبِي: كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ؟ قَالَ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَكَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ حِينَ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ -وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ- وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ، وَكَانَ يَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ

حضرت سیار بن سلامہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

میں (اور میرے والد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، میرے والد محترم نے ان سے پوچھا کہ آقا کریم ﷺ فرض نمازیں کس وقت پڑھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: آقا کریم ﷺ ظہر کی نماز جسے تم پہلی یا پیشین کہتے ہو) سورج ڈھلنے پر پڑھتے تھے، عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے کہ ہم میں سے کوئی اپنے گھر پہنچ جاتا تھا، جبکہ وہ گھر مدینہ منورہ کے اطراف میں واقع ہوتا تھا، اور سورج کی تپش تیز ہوتی تھی، اور میں یہ بھول گیا ہوں کہ انہوں نے مغرب کے بارے میں کیا فرمایا آقا کریم ﷺ عشاء کو تاخیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے، یہ وہی نماز ہے جسے تم اندھیرے (عتمہ) کی نماز کہتے ہو، آقا کریم ﷺ جب نماز فجر سے فارغ ہوتے، تو ہر کوئی اپنے ہم نشین کو پہچان رہا ہوتا تھا، اور آپ ﷺ اس نماز میں ساٹھ سے سو آیات تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے آقا کریم ﷺ عشاء سے پہلے سونا ناپسند کرتے تھے۔
ظاہر ہے کہ عشاء سے پہلے مغرب کا وقت ہے یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۔اطراف:

راجع:۴۹۴

۲۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔محمد بن بشّار:	راجع:۲۷	**۲۔یحییٰ:**	راجع:۱۳۳
۳۔عوف:	راجع:۵۷	**۴۔سیّار بن سلامہ:**	راجع:۴۹۵
۵۔حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ:		ایضاً	

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اٹھاسی (۱۸۸) ویں حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی ایسے شیوخ ہیں، جن سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔
☆ سند کے تمام راوی بصری ہیں، یہ بہت کم ہوتا ہے کہ سارے راوی ایک ہی شہر سے تعلق رکھنے والے ہوں۔
☆ سند میں اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ اور صیغہ تحدیث تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

المکتوبۃ:	فرض	الھجیر:	دوپہر۔ظہر۔سورج ڈھلنے کا وقت
تدعون:	تم کہتے ہو۔	الاولیٰ:	پہلی پیشین
تدحض:	وہ ڈھلتا	یرجع:	وہ لوٹ جاتا

رحل: گھر۔مکان اقصیٰ المدینة: مدینہ منورہ کا آخری حصہ۔کنارہ۔طرف

حیة: چمک نسیت: میں بھول گیا۔

کان یستحب: آپ ﷺ پسند فرماتے تھے۔

العتمة: اندھیری۔عشاء کا نام یکرہ: آپ ﷺ ناپسند فرماتے تھے

الحدیث: بات چیت ینفتل: آپ ﷺ پھرتے۔یعنی نماز مکمل کرتے۔

۷۔مسائل ونصائح:

نمازِ مغرب کے وقت کے بارے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ ابواب قائم فرمائے ہیں، ان سے متعلقہ مسائل کے بارے میں فقہاء کرام کی آراء حسب ذیل ہے۔

مغرب کے وقت میں مذاہب اربعہ:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

مغرب کا وقت:

اس کا وقت بالا جماع سورج غروب ہونے سے شروع ہوتا ہے یعنی سورج کی ٹکیہ مکمل غائب ہو جانے پر اور جمہور فقہاء یعنی احناف اور حنابلہ اور اظہر قول شوافع کا بھی یہ ہے اور امام شافعی کا مذہب قدیم ہے، ان کے نزدیک اس کا وقت شفق کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔کیونکہ حدیث میں ہے مغرب کا وقت اس وقت تک ہے جب تک شفق غائب نہ ہو۔(۱)

صاحبین حنابلہ اور شوافع کے ہاں شفق سے مراد سرخ شفق ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ شفق سے مراد سرخی ہے۔احناف کے ہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے امام ابو حنیفہ کا رجوع اس قول کی طرف ثابت ہے۔امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس سے مراد سفیدی ہے جو افق میں ہوتی ہے اور عموماً سرخی ختم ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔اس کے بعد سیاہی آتی ہے۔ان دونوں شفق میں تین درجوں کا فرق ہے اور ہر درجہ چار منٹ کا ہوتا ہے گویا شفق ابیض شفق احمر سے بارہ منٹ موخر ہوتی ہے)ان کی دلیل نبی ﷺ کا یہ قول ہے اور مغرب کا آخری وقت جب ہوتا ہے جب افق سیاہ ہو جائے۔(۲) یہ بات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت معاذ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

مالکیہ کا مشہور قول ہے اور امام شافعی کا جدید مذہب جو کہ غیر اظہر ہے اور شوافع کے ہاں معمول بہ بھی یہی ہے کہ: مغرب کا وقت وضوء کرنے ستر عورت کا اہتمام کرنے اذان واقامت اور پانچ رکعات کی ادائیگی کے بقدر رہتا ہے۔یعنی اس وقت مضیق

۱۔ سبل السلام، ج۱، ص۱۰۶ ۲۔ نصب الرایہ، ج۱، ص۲۳۰

(تنگ) ہے لمبا نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں نماز پڑھائی جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے جو پہلے گزری۔ تو اگر مغرب کا کوئی اور آخری وقت ہوتا تو اس کو ضرور بیان فرماتے جیسے باقی نمازوں کے اوقات بیان فرمائے۔ تاہم اس بات کو دوسرے حضرات یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مختار اور فضیلت والا وقت بیان کیا اور وقت جواز جو کہ ہمارا اختلافی مسئلہ ہے تو حدیث میں اس سے کوئی تعرض نہیں۔ (۱)

☆ غلام رسول سعیدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مغرب کے وقت میں مذاہب اربعہ:

امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مغرب کی نماز کا وقت سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور شفق غائب ہونے کے بعد مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ شفق غروب آفتاب کے بعد سرخی کا نام ہے یا اس سرخی کے غائب ہونے کے بعد جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے اس کا نام شفق ہے۔ ائمہ ثلاثہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک سرخی کا نام شفق ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفیدی کا نام شفق ہے اور سفیدی غائب ہونے کے بعد جب مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے تو عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔ (۲)

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا شفق سرخی ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اخر وقت المغرب اذا سود الفق: ''مغرب کا آخری وقت اس وقت ہوتا ہے جب افق سیاہ ہو جائے۔'' (۳) اور افق پر سیاہی، سفیدی غائب ہونے کے بعد پھیلتی ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رایت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلی هذه الصلوٰة حین یسود الافق۔ (۴)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سیاہی پھیلنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے۔

ایک اور دلیل یہ ہے:

عن النعمان بن بشیر قال انا اعلم بهذه الصلوٰة صلوٰة العشاء الاخرة کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلیها لسقوط القمر الثالثه۔ (۵)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں تمام لوگوں کی بہ نسبت عشاء کے وقت کو زیادہ جانتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز اس وقت پڑھا کرتے تھے جب تیسری رات کا چاند ڈوب جاتا تھا۔

۱۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۴۳ ۲۔ مغنی ابن قدامہ ج ۱، ص ۲۳۱ ۳۔ ہدایہ مع فتح القدیر، ج ۱، ص ۱۹۶

۴۔ مغنی ابن قدامہ، ج ۱، ص ۲۳۱ ۵۔ سنن ابوداؤد، ج ۱، ص ۶۰

اور تیسری رات کا چاند افق کی سفیدی غائب ہونے کے بعد غروب ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مغرب کا وقت سفیدی غائب ہونے تک رہتا ہے، نیز کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی سفیدی کے وقت عشاء کی نماز پڑھی ہو البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی نماز پڑھنے میں تعجیل مستحب ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے میری امت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک وہ مغرب کی نماز میں ستاروں کے جالی دار بننے تک تاخیر نہ کرے۔ (۱)(۲)

وقتِ مغرب میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل:

نمازِ مغرب:

نماز مغرب کا وقت بالاتفاق غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے کہ نماز مغرب کا اول وقت سورج کے ڈوبنے سے شروع ہوتا ہے'' اسی طرح حضرت جبرائیل کی امامت والی حدیث میں بھی مذکور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں دن نماز مغرب سورج غروب ہونے کے بعد ایک ہی وقت میں پڑھائی گئی، حالانکہ پہلے دن کی نماز سے نماز کے اول وقت کا اور دوسرے دن کی نماز سے اس کے آخری وقت کا اظہار مقصود تھا۔ البتہ اس کے آخری وقت کے متعلق اختلاف ہے، ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا وقت غروب شفق تک باقی رہتا ہے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا وقت فقط اتنا ہوتا ہے کہ آدمی وضو کرے اذان دے، امامت کہے اور تین رکعات ادا کرے، حتیٰ کہ اگر کسی نے اس کے بعد نماز مغرب پڑھی تو اس کی یہ نماز ادا نہیں، بلکہ قضا ہو گی ان کی دلیل حضرت جبرائیل کی امامت والی حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت جبرائیل نے دونوں دن آپ کے ایک ہی وقت میں نمازِ مغرب پڑھائی، ہمارا استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں مروی ہے کہ مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہو کر اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ شفق نہ ڈوب جائے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ مغرب کی نماز وقت غروب شفق تک رہتا ہے اور غروب سے نماز کو موخر کرنا چونکہ مکروہ ہوتا ہے لہذا حدیث جبرائیل میں، حضرت جبرائیل نے نماز کو اس سے مؤخر نہیں کیا۔ ہاں البتہ اگر کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے حضرت جبرائیل چونکہ نماز کے جائز اوقات بتانے کے لیے تشریف لائے تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے عصر کی نماز کو غروب آفتاب تک موخر نہیں فرمایا حالانکہ بالاتفاق نماز عصر کا وقت اس وقت تک باقی رہتا ہے: اسی طرح عشاء کی نماز کو بھی تہائی رات کے بعد تک موخر نہیں فرمایا حالانکہ اس کے بعد بھی بالاجماع عشاء کی نماز کا وقت رہتا ہے، لہذا یہاں حدیث جبرائیل سے استدلال درست نہ ہو گا۔ (۳)

۱۔ ایضاً　　۲۔ شرح صحیح مسلم، ج۲، ص۲۵۹　　۳۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج۱، ص۳۲۳۔۳۲۴

شفق سے مراد سفیدی ہے یا کہ سرخی؟ اور مغرب کا وقت:

مولانا محمد امجد علی اعظمی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

شفق ہمارے مذہب میں اس سپیدی کا نام ہے، جو جانب مغرب میں سرخی ڈوبنے کے بعد جنوباً شمالاً صبح صادق کی طرح پھیلی ہوئی رہتی ہے۔(۱)

اور یہ وقت ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹا اٹھارہ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا ۳۵ منٹ ہوتا ہے۔(۲)

(فتاوی رضویہ) فقیر نے بھی بکثرت اس کا تجربہ کیا۔

فائدہ: ہر روز کے صبح اور مغرب دونوں کے وقت برابر ہوتے ہیں۔(۳)

مغرب کی نماز کے اول وقت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ غروب شمس ہے اور آخری وقت غیوب شفق ہے۔ دین کے ضروری مسائل سے آگہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ لہذا خوب اہتمام اور ذوق شوق سے انہیں سیکھنا چاہیے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ ہر نماز کا ایک افضل وقت ہے اور ایک وقت جواز واختیار عملی مشق وضاحت کا بلیغ ترین نمونہ ہے۔ کسی مصلحت شرعیہ کے پیش نظر نماز کو اول وقت سے موخر کرنا جائز ہے۔

اس حدیث سے جس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز سورج غروب ہوتے ہی شروع کر دینی چاہیے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھنی چاہئیں ورنہ نماز پڑھتے پڑھتے اندھیرا ہو سکتا ہے۔ یہاں افضل مدینہ شہر مراد ہے، اردگرد کی بستیاں نہیں کیونکہ وہ تو کئی کئی میل دور تھیں۔

مولف رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ ستارے غروب سے کچھ دیر بعد نظر آنے لگتے ہیں، لہٰذا مغرب کو دیر سے بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ مگر اس استدلال میں کمزوری ہے، اس لیے کہ اگر یہ مطلب مراد ہو تو مغرب کی نماز کو دیر سے پڑھنا واجب ہوگا کیونکہ اس سے قبل نماز کی نفی کی گئی ہے۔

لہٰذا اس حدیث مبارکہ میں طلوع شاہد سے غروب شمس کا وقت مراد ہے کیونکہ غروب شمس ستاروں سے نظر آنے کا سبب ہے، نیز (ستارہ) سے مراد بھی تمام ستارے نہیں بلکہ وہ چمک دار ستارہ مراد ہے جو غروب شمس کے ساتھ ہی نظر آنے لگتا ہے۔ واللہ اعلم اس حدیث سے نماز عصر کی فضیلت اور عظمت معلوم ہوتی ہے کہ گزشتہ امتوں پر بھی یہ فرض کی گئی اور انہیں اس کی محافظت کا حکم دیا گیا۔ نماز عصر کو پابندی سے وقت پر ادا کرنے والے کے لیے دہرا اجر ہے۔

عصر کی نماز کے وقت یہی تسمہ مثل اول سے زائد تھا یعنی معمولی سا زائد سایہ جو تسمے کی موٹائی کے برابر تھا۔ مغرب کی نماز

۱۔ البدایۃ، کتاب الصلوۃ، ج ۱، ص ۴۰ ۲۔ الفتاوی الرضویۃ کتاب الصلوۃ، ج ۵، ص ۱۵۳

۳۔ بہار شریعت، ج ۱، ص ۴۵۱

کا آخری وقت غروب شفق ہے جیسا کہ گزشتہ احادیث میں صراحت سے ذکر ہے مگر چونکہ مغرب کا وقت مختصر ہوتا ہے، اس لیے عموماً غروب شمس ہی کے ساتھ پڑھ لی جاتی ہے جیسا کہ اس حدیث میں دوسرے دن بھی غروب شمس ہی کے ساتھ پڑھنے کا ذکر ہے، اس لیے بعض فقہاء نے کہہ دیا کہ مغرب کی نماز اول وآخر وقت ایک ہی ہے لیکن صحیح بات وہ ہے جو پیچھے بیان ہوئی۔

مغرب کی نماز کے بعد سونا اس لیے منع ہے کہ اس سے عشاء کی نماز فوت ہو جانے کا خطرہ ہے اور بعد میں باتیں کرنا اس لیے منع ہے کہ اس سے فجر کی نماز وقت یا جماعت سے رہ جانے کا خدشہ ہے۔ظہر کو بعض لوگ اولیٰ کہتے تھے اور عصر کو آخرہ کیونکہ عصر بعد میں پڑھی جاتی ہے اور ظہر پہلے۔ فارسی میں بھی ظہر کو اسی ''پیشین'' اور عصر کو ''دیگر'' کہا جاتا ہے۔عشاء چونکہ اندھیرے میں پڑھی جاتی ہے۔اس لیے بعض لوگ اسے عتمہ (اندھیرے کی نماز) کہتے تھے، پھر وہ مغرب کو عشاء کہہ دیتے تھے۔اس سے آپ نے سختی سے منع فرمادیا ہے۔ کیونکہ اس سے مغرب اور عشاء کے احکام میں اشتباہ پیدا ہوتا ہے۔(۱)

وقت مغرب اور اور شفق کے مفہوم میں امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

۸۔خلاصہ:

امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ سوالات کے جواب میں لکھتے ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نماز مغرب کا وقت افق شرقی کی جڑ سے سیاہی نمودار ہوتے ہی معاً ہو جاتا ہے یا جب سیاہی بلند ہو جاتی ہے اس وقت آفتاب ڈوبتا ہے برتقدیر ثانی وہ بلندی کتنے گز ہوتی ہے اور آبادیوں میں سیاہی شرق سے نظر آنے پر نماز کا وقت سمجھا جائے گا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اقول وباللہ التوفیق (اللہ کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) افق شرقی سے سیاہی کا طلوع قرص شمس کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہوتا ہے سیاہی کئی گز بلند ہو جاتی ہے اس وقت آفتاب ڈوبتا ہے جس طرح قرص شمسی کے شرعی طلوع سے سیاہی غربی کا غروب بہت بعد ہوتا ہے آفتاب مرتفع ہو جاتا ہے اس وقت تک سواد مرئی رہتا ہے اس پر عیان و بیان و برہان سب شاہد عدل ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس الخبر کالمعاینه**۔(۲)

(خبر مشاہدہ کی طرح نہیں۔) جسے شک ہو طلوع وغروب کے وقت جنگل میں جا کر جہاں سے دونوں جانب افق صاف نظر آئیں مشاہدہ کرے جو کچھ مذکور ہوا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جائے گا الحمد للہ عجائب قرآن منتہی نہیں۔

کمافی حدیث الترمذی عن امیر المومنین علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تنقضی عجائبه۔

۱۔ سنن نسائی (دار السلام)، ج ۱ ص ۵۸۱۔۵۸۷ ۲۔ الجامع الصغیر مع فیض القدیر: ۷۵۲/۲

یسا کہ ترمذی کی حدیث میں امیر المومنین علی، نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔

ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیۂ کریمہ تولج الیل فی النھار و تولج النھار فی الیل (تو، رات کو دن میں اور دن کو ات میں داخل کرتا ہے۔) مطالعہ رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں رات یعنی سایۂ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر ز جلالہ دن میں داخل فرماتا ہے ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے ابھی ظلمت شبینہ موجود ہے کہ روس خاور نے نقاب اٹھائی۔

فان ایلاج شئی فی شئی یقتفی وجودھما، لا ان یعدم احد ھما فیعقبه الا خر والليل والنهار بمعنى لملوين متضاد ان لا يجتمعا ن فلابدمن العجوز ومن اقرب وجوهه ماذكر العبد، من حمل الليل على لسواد، فيبقى النهار على حقيقته ويظهر الا يلاج من دون كلفة، ولا يتجاوز التجوز قدر الحاجة و يمكن لعكس ايضاً، بان يحمل النهار على الاشعة الشمسية والليل على حقيقته فيكون اشارة الى ظهور نور لشمس فى الافق الشرقى والليل باق بعد، كما فى الصبح الا ول وان اريد الليل العر فى فاظهر واكمل۔ والى حصول الليل مع بقاء الضوء الشمسى فى الافق الغربى من لاالشفقين الاحمر والا بيض و ان كان الا مام الفخر الرازى رحمه الله لا يرضى ان يجعل تلك الا نوار من الشمس حتىٰ الصبح الصادق ايضا، كما اطال الكلام فيه فى سورة الا نعام، تحت قوله عز وجل فالق الا صباح وليس الا مر كما ظن واغتر بقوله العلامة الزر قانى فظن ان هذا مذهب منقول فنسبه لا هل السنة مع انه ليس الا من تو سعات الا مام فى البحث والكلام ولم يستدل له الا ببحث عقلى لا تام ولا جلى، ومن البديهى عند كل احدان الشفق والصبح اختان وما امر هما الا واحدا وقدا خرج ابى شيبة عن العوام بن حوشب قال، قلت لمجاهد، ماالشق؟ قال: ان الشق من الشمس ذكره فى الدار المنثور، تحت قوله تعالىٰ فلا اقسم بالشفق، بل فى التفسير الكبير تحت الكريمة، اتفق العلماء على انه اسم للا ثر الباقى من الشمس فى الافق بعد غر وبها۔ اما دليله العقلى فقد رده العبد الضعيف بكلا م لطيف ذكرته على هامشه و بالله التوفيق۔

کیونکہ ایک چیز دوسری میں تبھی داخل کی جاسکتی ہے جب دونوں موجود ہوں، نہ کہ ایک ختم ہو جائے اور اس کے بعد دوسری آئے۔ اور لیل و نہار بمعنی رات دن آپس میں متضاد ہیں اکٹھے نہیں ہو سکتے، تو مجازی معنی مراد لینا ضروری ہے، اور اس کا اقرب طریقہ وہی ہے جو بندے نے بیان کیا ہے کہ لیل سے مراد تاریکی لی جائے اور نہار اپنے حقیقی معنی میں ہو۔ اور اس طرح داخل کرنے کا مفہوم بغیر کسی تکلف کے ظاہر ہو جائے گا اور مجاز کی طرف ضرورت سے زیادہ نہیں جانا پڑے گا۔ اور اس کا عکس بھی

ممکن ہے، یعنی نہار سے مراد سورج کی شعاعیں لی جائیں اور لیل اپنے حقیقی معنی میں ہو اس صورت میں آیت کے اندر اشارہ ہوگا کہ مشرقی افق میں سورج کی روشنی نمودار ہو جاتی ہے اور رات ابھی باقی ہوتی ہے جیسا کہ صبح کاذب کے وقت ہوتا ہے اور اگر لیل سے مراد لیل عرفی لی جائے تو یہ مفہوم مزید واضح اور کامل ہو جاتا ہے۔ نیز اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہوگا کہ مغربی افق میں شفق احمر اور ابیض کے دوران سورج کی روشنی باقی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود رات ہو جاتی ہے، اگر چہ امام فخر الدین الرازی ان روشنیوں کو، حتیٰ کہ صبح صادق کی روشنی کو بھی سورج کی روشنی ماننے پر بھی راضی نہیں ہیں، جیسا کہ سورہ انعام کی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فالق الاصباح'' کے تحت انہوں نے اس موضوع پر لمبی گفتگو کی ہے، حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح انہوں نے سمجھا ہے، ان کی گفتگو سے علامہ زرقانی کو دھوکہ ہوا اور انہوں نے رازی کی رائے کو مذہب منقول سمجھ کر اہل سنت کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ یہ ان توسعات میں سے ہے جو امام رازی بحث اور کلام میں اختیار کرتے رہتے ہیں، امام رازی نے اس پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی صرف ایک عقلی بحث کی ہے، جو نہ تام ہے نہ واضح۔ اور یہ تو سب کے لیے بدیہی ہے کہ شفق اور صبح دونوں بہنیں ہیں اور ان کا معاملہ ایک جیسا ہے اور ابن ابی شیبہ نے عوام ابن حوشب سے تخریج کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے پوچھا ''شفق کیا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''شفق سورج ہے'' یہ روایت در منثور میں اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فلا اقسم بالشفق'' کے تحت مذکور ہے۔ بلکہ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ شفق سورج کے اس اثر کو کہتے ہیں جو غروب آفتاب کے بعد افق پر باقی رہتا ہے۔ رہی امام رازی کی عقلی دلیل، تو اس کو عبد ضعیف نے ایک لطیف کلام کے ساتھ رد کر دیا ہے، جو تفسیر کبیر کے حاشیے پر مرقوم ہے، وباللہ التوفیق۔

قرآن عظیم کا نائب کریم کلام صاحب جوامع الکلم ﷺ ہے صحیح بخاری مسلم وسنن ابی داؤد و جامع ترمذی و مسند امام احمد میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اذا اقبل اللیل من ھھنا وادبر النھار من ۔ ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم ۔(۱)

جب ادھر سے رات آئے اور ادھر سے دن پیٹھ دکھائے اور سورج پورا ڈوب جائے تو روزہ دار کا روزہ پورا ہو چکا ہے۔

لیل سے مراد سیاہی ہے اور نھار سے مقصود وضوء فان الاقبال من ھھنا و الا د بار من ھھنا انمایکون لھما کیونکہ تاریکی اور روشنی ہی ادھر سے آتی ہیں اور اُدھر جاتی ہیں۔ تیسیر میں ہے۔ اذا اقبل اللیل ، یعنی ظلمة ، وادبر النھار ای ضوئو ہ (جب کہ رات آئے یعنی اس کی تاریکی، اور دن واپس جائے یعنی اس کی روشنی)۔

عالم ماکان وما سیکون ﷺ نے تینوں لفظ اسی ترتیب سے ارشاد فرمائے جس ترتیب میں واقع ہوتے ہیں، پہلے سیاہی

۱۔ جامع الترمذی، ج ۱، ص ۸۸

اٹھتی ہے، اس وقت تک اگر افق صاف اور غبار و بخار سے پاک ہو آفتاب کی چمک باقی رہتی بلکی قلل جبال واعالی اغصان شجر پر عکس ڈالتی ہے پھر جب قرص چھپنے پر آیا تکا ثف ابخرہ افقیہ و کثرت بعد عن الا بصار و طول مرور شعاع البصر فی ثخن کرۃ البخار کے باعث روشنی بالکل محجب ہو جاتی ہے مگر ہنوز قدرے قرص بالائے افق مرئی شرعی باقی ہے اس کے بعد آفتاب ڈوبتا اور وقت افطار رونماز آتا ہے اس صاف ونفیس و بے تکلف معنی پر بحمد اللہ تعالیٰ انتظام کلام اسی اعلیٰ جلالت پر جلوہ فرما ہے جو صاحب جوامع الکلم ﷺ کی شان رفیع بلاغت بے مثل کو شایاں و بجا ہے کلمات علمائے کرام بھی ان نفیس معنی کے ایما سے خالی نہ رہے امام ابن حجر مکی شرح مشکوۃ المصابیح میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

ای وقد يقبل الليل ولا تكون غربت حقيقة فلا بد من حقيقة الغرب۔(۱)

یعنی کبھی رات آجاتی ہے اور ابھی حقیقۃً غروب نہیں ہوا ہوتا، اس لیے حقیقی غروب ضروری ہے۔

حفنی علی الجامع الصغیر میں ہے:

قوله، وغربت الشمس، لم يكتف بما قبله عن ذلك اشارة الى انه قد يو جد اقبال الظلمة وادبارا لضوء ولم يوجد غروب الشمس (۲)

نبی ﷺ کا فرمان ہے ''اور سورج ڈوب جائے'' آپ نے سیاہی کے آنے اور روشنی کے جانے پر اکتفا نہیں کیا اور غروب کی تصریح فرمائی کیونکہ کبھی سیاہی آجاتی ہے اور روشنی چلی جاتی ہے مگر غروب آفتاب نہیں ہوتا ہے۔

اور اگر حدیث میں لیل ونہار معنی حقیقی پر رکھے تو اگر چہ اتنا ضرور ہے کہ مجاز مرسل کی جگہ مجاز عقلی ہوگا۔

لما علمت ان اسناد الا قبال والا د بار من ههنا وههنا ليس اليهما على الحقيقة۔ کیونکہ تم جان چکے ہو کہ ادھر سے اُدھر آنے جانے کی نسبت لیل ونہار کی طرف حقیقۃً نہیں ہے۔

مگر اب تین الفاظ کریمہ کے جمع ہونے سے سوال متوجہ ہوگا شک نہیں کہ اس معنی پر امور ثلاثہ متلازم ہیں اور ایک کا ذکر باقی سے مغنی،

وهذا اماقاله الا مام النووی فی المنهاج، قال العلماء كل واحد من هذه الثلثة يتضمن الا خرين ويلاز مهما۔(۳)

یہ وہی بات ہے جو امام نووی نے منہاج میں کہی ہے علماء نے کہا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک، باقی دو کا یا تو متضمن ہوتا ہے یا ان کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔

۱۔ مرقات المفاتیح، ج ۴، ص ۲۵۲　　۲۔ الجامع الصغیر مع السراج المنیر، ج ۱، ص ۹۷　　۳۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۱

اس کی اطیب توجیہ وہ ہے علامہ طیبی نے شرح مشکوۃ میں افادہ کی کہ

انما قال وغربت الشمس ، مع الا ستغناء عنه لبيان كمال الغروب، كيلا يظن انه اذا غرب بعض الشمس جاز الا فطار ۔(۱)

آپ نے فرمایا: ''اورسورج ڈوب جائے ''حالانکہ بظاہراس کی ضرورت نہیں تھی ،تا کہ مکمل غروب کا بیان ہو جائے اور کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ سورج کا کچھ حصہ غروب ہونے سے افطار جائز ہو جاتا ہے۔

علامہ مناوی وغیرہ نے بھی ان کی تبعیت کی ۔تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے۔

وز اد (وغربت الشمس) مع ان ماقبله كاف اشارة الى اشتراط تحقق كمال الغروب ۔(۲)

آپ نے فرمایا''اورسورج ڈوب جائے'' حالانکہ پہلے الفاظ کافی تھے،اس میں اشارہ ہے کہ کامل غروب کا پایا جانا شرط ہے۔

اقول: یہ توجیہ وجیہ صراحۃً ہمارے مدعائے مذکور کی طرف ناظر ہے نظر غائر میں بروجہ جلی اور تدبر میں من طرف خفی یعنی اگر چہ لیل ونہار حقیقی مراد ہونے پر ذکر غروب کی حاجت نہ تھی کہ رات جبھی آئے گی کہ سورج ڈوب چکے گا مگر سواد وضیا پر ان کا حمل بعید نہیں خصوصاً جبکہ اقبال من ههنا وا د بار من ههنا اس پر قرینہ ظاہرہ ہیں تو اگر اس قدر پر قناعت فرمائی جاتی احتمال تھا کہ مجرد اقبال سواد و بار ضیا پر وقت افطار سمجھ لیا جاتا حالانکہ اقبال لیل در کنار ہنوز بعض قرص غروب کو باقی ہوتا ہے کہ ضیا بھی معدوم ہو جاتی ہے لہذا وغربت الشّمس (سورج ڈوب جائے) زائد فرمایا کہ کوئی غروب بعض قرص کا کافی نہ سمجھ لے پر ظاہر کہ اگر یہ اقبال وادبار اسی وقت ہوتے ہیں جب پورا قرص ڈوب لیتا تو اس احتمال وظن کا کیا محل تھا ذکر غروب سے استغنا بدستور باقی رہتا اور جواب محض مہمل جاتا تو صاف ثابت ہوا کہ سیاہی اٹھنا اور شعاع چھپنا دونوں غروب شمس سے پہلے ہو لیتے علامہ علی قاری نے بھی اس کلام طیب طیبی کو تحقیق بتایا اور حسن قبول سے تلقی فرمایا،

حيث قال بعد نقله ، وقال بعض العلماء انما ذكر هذين ليبين ان غروبها عن العيون لا يكفى لانها قد تغيب ولا تكون غربت حقيقةً فلا بد من اقبال الليل (۳)

ثم رده بقوله فيه ان القيد الثانى مستغن عنه حينئذ ،وانما كان يتم كلامهم لو كان غربت مقدما ۔ (۲)مرقات المفاتیح، ج۴،ص۲۵۲ اى انما كان يحتاج اذذاك الى دفع ذلك الوهم بذكر اقبال الليل ، اما اذا ذكراولا ماهو القاطع للوهم فاى حاجة بعده الى ذكر الغروب الموهم ؟ ثم قال :فيرجع الحكم الى ماحققه الطيبى (۴)۔فقد رجع الى ما يفيد ، تحقيق كلام الا مام ابن حجر كما علمت ، غيران المولى الفاضل رحمة الله عليه شديد

۱۔ شرح الطیبی، ج۴،ص۱۵۱　　۲۔ التیسیر شرح جامع الصغیر، ج۱،ص۷۶
۳۔ مرقات المفاتیح، ج۴،ص۲۵۲　　۴۔ مرقات المفاتیح، ج۴،ص۲۵۲

الا يلاع بالرد عليه في شرحيه للشكوة الشمائل ، حتىٰ في الواضحات الجلائل مع انه من تلامذته ، رحمۃ اللہ علیہ وعلى سائر العلماء الكرام ۔

چنانچہ علی قاری نے طیبی کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے ''علماء نے کہا ہے کہ آپ نے اقبال لیل اور ادبار نہار کا اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ واضح کر دیں کہ سورج کا آنکھوں سے غروب ہو جانا کافی نہیں ہے، کیونکہ کبھی آنکھوں سے تو غائب ہو جاتا ہے مگر حقیقۃً ڈوبا نہیں ہوتا، پھر علی قاری نے اس کو یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ اس پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں دوسری قید (یعنی و غربت الشمس) کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ علماء کی یہ بات تو تب تام ہو سکتی تھی جب ''غربت'' (اقبال و ادبار سے) پہلے مذکور ہوتا۔ علی قاری کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ چونکہ آنکھوں سے غائب ہونا کافی نہیں ہے اس لیے اس کو ہم کو دور کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اقبال لیل کا ذکر کیا ہے مگر جب تو ہم کو قطع کرنے والی چیز (یعنی اقبال لیل) کا ذکر پہلے ہی ہو چکا تھا، تو پھر اس کے بعد تو ہم پیدا کرنے والی چیز (یعنی غروب) کو لانے کی کیا ضرورت تھی، پھر علی قاری نے کہا ہے کہ آخر کار بات ادھر ہی لوٹ جاتی ہے جس کی تحقیق طیبی نے کی ہے۔ اس طرح علی قاری اسی فائدے کی طرف لوٹ آئے جو امام ابن حجر کے کلام کی تحقیق سے حاصل ہوتا ہے، جیسا کہ تم جان چکے ہو، لیکن علی قاری مشکوٰۃ اور شمائل کی دونوں شرحوں میں ابن حجر کی ہر بات کی تردید کرنے سے خصوصی شغف رکھتے ہیں، حتیٰ کہ انتہائی واضح باتوں میں بھی (ابن حجر کی تردید کر دیتے ہیں) حالانکہ وہ ابن حجر کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اور تمام علماء کرام پر رحمت نازل فرمائے۔

ہاں شہروں باغوں خصوصاً نخلستان وکوہستان کی آبادیوں جنگلوں میں جہاں افق نظروں سے دور رہتا ہے، غالباً یہ شرق سے اٹھتی ہوئی تاریکی خوب بلند ہو کر نظر آتی ہے اور یہ وقت خاص غروب کا ہوتا ہے بلکہ بہت جگہ اس سے بھی پہلے غروب ہو چکتا ہے کلمات علماء مثل قول امام ابوزکریا۔

قال بعد ما نقلنا سابقا ، وانما جمع بينهما لا نه قد يكون في واد و نحوه بحيث لا يشاهد غروب الشمس فيعتمد اقبال الظلام وادبار الضياء۔(۱)

ابوزکریا نے، بعد اس کے جو ہم پہلے نقل کر آئے ہیں، کہا ہے کہ (اقبال لیل اور غروب کو) جمع اس لیے کیا ہے کہ کبھی روزہ دار کسی وادی وغیرہ میں ہوتا ہے جہاں غروب کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا تو تاریکیوں کے آنے اور روشنی کے جانے پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔

وقول امام قاضی عیاض فی شرح صحیح مسلم:

قد لا يتفق مشاهدة عين الغروب ويشاهد هجوم الظلمة حتى يتيقن الغروب بذلك فيحل الافطار۔

۱۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۱

کبھی غروب کا مشاہدہ کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا لیکن تاریکی چھا جانے کا مشاہدہ ہو جاتا ہے جس سے غروب ہونے کا یقین ہو جاتا ہے، تو اس وقت افطار جائز ہے۔

وقول امام عینی فی عمدۃ:

ثم بین ما یعتبره من لم یتمکن من روئویة جرم الشمس ، وهو اقبال الظلمة من المشرق ، فانها لا تقبل منه الا قد سقط القرص ۔(۱)

پھر اس چیز کو بیان کیا جس کو وہ آدمی بھی جان لیتا ہے جس کے لیے سورج کی ٹکیہ کو دیکھنا ممکن نہ ہو یعنی مشرق کی جانب تاریکی کا آ جانا، کیونکہ وہ تب ہی آتی ہے جب سورج کی ٹکیہ غائب ہو چکی ہوتی ہے۔

وقول جامع الرموز:

ای وقت غیبة جرم الشمس کله اذا ظهر الغروب والا فالی وقت اقبال الظلمة من المشرق کما فی التحفة ۔(۱) یعنی افطار اس وقت کرے جب سورج کی پوری ٹکیہ غائب ہو جائے، اگر غروب اس کے لیے ظاہر ہو، ورنہ جب مشرق کی جانب تاریکی آ جائے (تو افطار کرلے) جیسا کہ تحفہ میں ہے۔

وامثال ذلک کہ صراحۃً انہیں مواضع سے متعلق ہیں جہاں افق ظاہر اور روایت مقدور نہ ہو ایسے ہی عدم تمکن پر محمول ورنہ جب یا اجماع امت اور خود انہیں علماء اور ان کے امثال کی تصریحات قطعیہ سے مدار حکم غروب جمیع جرم شمس ہے اور اصل افق سے ارتفاع سواد بشہادت مشاہدہ قبل غروب حاصل تو مجرد اقبال پر ادارت حکم کیونکہ معقول اور حدیث موطا:

مالك عن ابن شهاب عن حمید بن عبدالرحمن ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کا نا یصلیان المغرب حین ینظر الی اللیل الا سود قبل ان یفطر ا ، ثم یفطر ان بعد الصلاة ،و ذلك فی رمضان۔(۲)

مالک، ابن شہاب سے، وہ حمید ابن عبدالرحمٰن سے راوی ہیں کہ عمر ابن خطاب اور عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہما رمضان میں اس وقت مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے جب افطار سے پہلے سیاہ رات کو دیکھ لیتے تھے، پھر نماز کے بعد افطار کیا کرتے تھے۔

تو ان عبارات سے بھی قریب تر ہے، شہر اور شہر کا بھی وسط اور وہ بھی نخلستان اور ملک کوہستان، پھر امامین جلیلین رضی اللہ عنہما کا حسن احتیاط خود عبارتِ حدیث سے ظاہر کہ حین ینظران الی اللیل لا اسود ، مجرد ذکر لیل یعنی سواد پر قناعت نہ کی بلکہ تاکیداً صفت اسود بڑھائی یعنی جب سیاہ سیاہی گہری ظلمت دیکھ لیتے اس وقت نماز پڑھتے، حدیث صحیحین اذا ایتم اللیل قد اقبل من ھھنا فقد افطر الصائم ۔(۳)

۱۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج ۱۱ ص ۴۳ ۲۔ موطا امام مالک، ص ۲۲۸ ۳۔ الصحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۱

(جب تم رات کو دیکھو کہ ادھر سے آگئی ہے تو روزہ دار افطار کر لے۔) میں اقبال لیل پر اقتصار بعض رواۃ کا اقتصار ہے کہ بکثرت معہود خود اسی حدیث کی دوسری روایت میں صرف اذا غابت الشمس من ھھنا فقد افطر الصائم۔

(جب ادھر سے سورج غائب ہو جائے تو روزہ دار افطار کر لے۔) تیسری میں اذا غابت الشمس من ھھنا وجاء اللیل من ھھنا فقد افطر الصائم (۱)

(جب ادھر سے سورج غائب ہو جائے اور ادھر سے رات آ جائے تو روزہ دار افطار کر لے۔) کلتاھما فی صحیح مسلم وغیرہ (دونوں صحیح مسلم اور دیگر کتابوں میں ہیں۔) اور اگر نہ بھی ہوتا تو بعد ارادہ لیل حقیقی اصلاً مفید متوہم نہ رہتی اور علی التنزیل یہ بھی نہ سہی تو انہیں مواضع سے متعلق سمجھی جاتی بالجملہ خلاف پر اصلاً کوئی لفظ ایسا بھی نہیں جسے صریح مفسر کہے نہ کہ ایسا جس کے سبب مشاہدات و حسیات کو باطل کر دیجئے کہ ان کے ابطال میں معاذ اللہ ابطال شرائع ہے تلقی کتاب وروٴیت معجزات آخر بذریعہ حاسہ سمع وبصر ہی ہوں گے فقیر غفر اللہ لہ نے اس مطلب پر برہان ہندسی قائم کی ہے اگرچہ بعد بیان سابق کسی دلیل عقلی کی حاجت نہیں مگر اس سے زیادت تایید وتشیید کے علاوہ یہ مقدار معلوم ہوگی کہ غروب شمس سے کتنے پہلے سیاہی چمک آئیگی نیز اس سے مقدار بلندی سیاہی وقت غروب کے حساب میں بھی مدد ملے گی جسے اس پر اطلاع منظور ہو فقیر کی کتاب زیج الاوقات للصوم والصلوات'' کی طرف رجوع کرے وباللہ التوفیق، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ از شہر کہنہ مسولہ خیاط وہابی ۲۹ ربیع الآخر شریف

تنگ وقت نماز ادا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ویل فرماتا ہے اور آپ خود تنگ وقت ادا فرماتے ہیں اس کی تفصیل بیان فرمائیے گا۔

الجواب:

تنگ وقت نماز ادا کرنے پر قرآن عظیم میں ویل کہیں نہ فرمایا ساھون کے لے ویل آیا ہے، جو وقت کھو کر نماز پڑھتے ہیں حدیث میں اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے بزار وابویعلیٰ وابن جریر وابن المنذر وابن حاتم اور طبرانی اور ابن مردویہ تفسیر اور بیہقی سنن ومحی السنہ بغوی معالم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی۔

قال سالت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن قول اللہ تعالیٰ الذین ھم عن صلوتھم ساھون، قال ھم الذین یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا۔(۲)

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماتا ہے ''خرابی ہے ان

۱۔ الصحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۵۱ ۲۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۲، ص ۲۱۴

نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں'' فرمایا وہ لوگ جو نماز وقت گزار کر پڑھیں۔
بغوی کی روایت یوں ہے:

عن مصعب بن سعد عن ابیہ رضی اللہ عنہ انہ قال سئل رسول صلی اللہ علیہ وسلم عن الذین ھم فی صلوتھم ساھون ، قال ؛ اضاعۃ الوقت۔(۱)

مصعب بن سعد سے ان کے والد رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: اس سے مراد وقت کھونا ہے۔

کھونا ہے بعینہ یہی معنی ابن جریر نے عبداللہ بن عباس اور ابن ابی حاتم نے مسروق اور عبدالرزاق وابن المنذر نے بطریق مالک بن دینار امام حسن بصری رضی اللہ عنہم سے روایت کیے روایت اخیرہ یوں ہے کہ ابوالعالیہ نے کہا ساھون وہ لوگ جنھیں یاد نہ رہے کہ رکعتیں دو پڑھیں یا تین۔ اس پر امام حسن نے فرمایا: ھوالذی یسھو عن میقاتھا حتیٰ تفوت (ہائیں وہ وہ ہیں جو اس کے وقت سے غافل رہیں یہاں تک کہ وقت نکل جائے) فقیر کے یہاں بحمداللہ نماز تنگ وقت نہیں ہوتی بلکہ مطابق مذہب حنفی ہوتی ہے عوام بیچارے اپنی ناواقفی سے غلط سمجھتے ہیں، مذہب حنفی میں سوا مغرب اور جاڑوں کی ظہر کے سب نمازوں میں تاخیر افضل ہے اس حد تک کہ وقت کراہت نہ آنے پائے اور وہ عصر میں اس وقت آتا ہے جب قرص آفتاب پر بے تکلف نگاہ جمنے لگے اور تجربے سے ثابت کہ یہ بیس منٹ دن رہے ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے جو نماز عصر اس کے وقت کا نصف اول گزار کر نصف آخر میں ہو وہ وقت مستحب ہے مثلاً آج کل تقریباً سات بجے غروب ہے اور پانچ کے عصر کا وقت ہو جاتا ہے تو وقت مستحب یہ ہے کہ پانچ بج کر پچاس منٹ سے چھ بج کر چالیس منٹ تک نماز عصر پڑھیں اور عشاء میں وقت کراہت آدھی رات کے بعد ہے، یہ حالتیں بحمداللہ تعالیٰ میرے یہاں نہیں مجھے پابندی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے احکام کی ہے نہ جاہلوں کے خیالات واوہام کی دارقطنی سنن اور حاکم صحیح مستدرک میں بطریق عباس بن ذریح، زیاد بن عبداللہ نخعی سے راوی:

قال کنا جلوسا مع علی رضی اللہ عنہ فی المسجد الاعظم فجاء الموذن فقال :یا امیر المومنین افقال اجلس فجلس ثم عاد فقال لہ ذلک فقال رضی اللہ عنہ ھذا الکلب یعلمنا السنۃ ، فقام علی فصلی بنا العصر ، ثم انصرفنا ، فرجعنا الی المکان الذی کنا فیہ جلوسا ، فجثونا للرکب لنزول الشمس للغروب نتراآھا ۔(۲)

ہم کوفہ کی جامع مسجد میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے پاس بیٹھے تھے، موذن آیا اور عرض کی یا امیر المومنین (یعنی نمازِ عصر کو تشریف لے چلیے) امیر المومنین نے فرمایا بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا، پھر دوبارہ حاضر ہوا اور وہی عرض کی۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ

۱۔ تفسیر البغوی مع تفسیر الخازن، ج۷، ص۲۹۹ ۲۔ سنن الدارقطنی، ج۱، ص۲۵۱

وجہہ نے فرمایا: یہ کتا ہمیں سنت سکھاتا ہے، بعدہ مولا علی کھڑے ہوئے اور ہمیں عصر پڑھائی پھر ہم نماز کا سلام پھیر کر مسجد میں جہاں بیٹھے تھے وہیں آئے تو گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے اس لیے کہ وہ ڈوبنے کو اتر گیا تھا۔

حاکم نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے:

اما ان زیاد الم یرو عنه غیرا لعباس (۱) قاله الدار قطنی، فاقول؛ عباس ثقة و غایته جهالة عین، فلا تضر عند نا، لا سیما فی اکابرالتابعین۔ قال فی المسلم، لا جرح بان له را ویافقط و هو مجهول العین بالصطلاح (۲) قال فی الفواتح، وقیل لا یقبل عنه المحدثین وهو تحکم۔ (۳)

رہی یہ بات کہ زیاد سے سوائے عباس کے کسی نے روایت نہیں کی جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے تو میں کہتا ہوں: عباس ثقہ ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں "جہالت عین" پائی جاتی ہے اور یہ ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے، خصوصاً اکابر تابعین میں مسلم میں ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے کہ فلاں سے ایک ہی راوی ہے اور وہ اصطلاح طور پر "مجہول العین" ہے، فواتح میں ہے کہ بعض نے کہا کہ ایسا راوی قابل قبول نہیں ہے، لیکن یہ بے دلیل بات ہے۔

اگر یہ بات مولیٰ علی کا صرف اپنا فعل ہوتا جب بھی حجت شرعی تھا نہ کہ وہ اسے صراحۃً سنت بتا رہے ہیں اور موذن پر جو جلدی کا تقاضا کرتا تھا ایسا شدید غضب فرما رہے ہیں، اس کی مثل امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے نماز صبح میں مروی امام طحاوی بطریق داود بن یزید الاودی عن ابیہ روایت فرماتے ہیں:

قال کان علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ یصلی بنا الفجر ونحن نترااى الشمس مخافة ان تکون قد طلعت۔

مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہمیں نماز صبح پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں طلوع نہ کر آیا ہو۔

مناقب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ للامام حافظ الدین الکردری میں ہے:

ذکرا لا مام الدیلمی عن زهیربن کیسان قال صلیت مع الرضا العصر ثم انطلقت مسجد الا مام فاخر العصری حتیٰ خفت فوات الوقت ثم انطلقت الی مسجد سفیان فاذ اهو لم یمل العصر فقلت رحمہ اللہ ابا حنیفة ما اخر ها مثل اکر سفیان۔ (۴)

یعنی امام دیلمی نے زہیر بن کیسان سے روایت کی کہ میں رصافی کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر مسجد امام اعظم رضی اللہ عنہ میں گیا امام نے عصر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ مجھے خوف ہوا کہ وقت جاتا رہے گا پھر میں مسجد امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کی طرف گیا تو کیا دیکھوں

۱۔ سنن الدارقطنی، ج ۱، ص ۲۵۱ ۔ ۲۔ مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت، ج ۲، ص ۱۴۹

۳۔ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، ج ۲، ص ۱۴۹ ۔ ۴۔ مناقب امام اعظم ابوحنیفہ، ج ۱، ص ۱۵۲

کہ انہوں نے ابھی نماز پڑھی بھی نہیں میں نے کہا اللہ ابو حنیفہ پر رحمت فرمائے انہوں نے اتنی تاخیر بھی نہیں کی جتنی سفیان نے۔

فقیر کے یہاں سوا گھنٹہ دن رہے اذان عصر ہوتی ہے اور گھنٹا بھر دن رہے نماز ہوتی ہے اور پون گھنٹا دن رہے سے پہلے ہو چکتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ریاست رام پور متصل تالاب کنڈ امحلہ میاں نگاناں مکان جناب سید غلام چشتی صاحب مرسلہ جناب مولنا مولوی محمد یحییٰ صاحب، ۱۲ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ قطع نظر شفق سرخ و سپید کے باتفاق علمائے حنفیہ بعد غروب آفتاب کے ایک گھنٹے بیس منٹ کے بعد ہمیشہ وقت عشاء کا آجاتا ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:

عشاء متفق علیہ کا وقت ہمیشہ ایک گھنٹہ بیس منٹ بعد ہو جانے کا جبروتی حکم کہ بعض بے علموں نے محض جزافا لکھ دیا اور گنگوہ دیو بند کے جاہل و ناواقف ملاؤں نے اس کی تصدیق وتوثیق کی۔ بریلی، بدایوں، رامپور، شاہجہاں پور، مراد آباد بجنور، بلند شہر پیلی بھیت، دہلی میرٹھ، سہارنپور، دیو بند، گنگوہ وغیرہا بلاد شمالیہ بلکہ عامہ ومواضع واضلاع ممالک مغربی وشمالی واودھ و پنجاب و بنگال و وسط ہند، وراجپوتانہ غرض معظم آبادی ہندوستان میں محض غلط و باطل اور حلیہ صدق وصواب سے عاری عاطل ہے ہمارے بلاد اور ان کے قریب العرض شہروں میں عشا کا اجماعی وقت غروب شرعی شمس کے ایک گھنٹا انیس منٹ بعد سے ایک گھنٹا پچیس منٹ بعد تک ہوتا ہے پھر جس قدر شمال کو جایئے وقت بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اقصائے شمالی ہند میں تحویل سرطان کے آس پاس بعد غروب شمس پونے دو گھنٹے سے بھی زائد ایک گھنٹا اڑتالیس منٹ تک پہنچتا ہے، دو منٹ کم آدھے گھنٹے کی غلطی سے کہ شفق احمر وابیض میں اختلاف آئمہ بھی اس کی جھونک نہیں اٹھا سکتا ہم اپنے بلاد میں سب سے جلد آنے والی عشا کہ حوالی اعتدالین یعنی ۲۱ مارچ و ۲۴ ستمبر کے اردگرد ہوتی ہے۔

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وقت ظہر کا عصر کا مغرب وعشاء وفجر کا کب تک رہتا ہے۔

الجواب:

وقت ظہر کا اس وقت تک رہتا ہے کہ سایہ اصلی کے جو اس روز ٹھیک دو پہر کو پڑا ہو دو مثل ہو جائے اور عصر کا وقت غروبِ آفتاب تک یعنی سورج کی کوئی کرن بالائے افق نہ رہے اور اس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ آفتاب کے قرص پر نظر اچھی طرح نہ جمے جب بغیر کسی عارض بخار یا غبار وغیرہ کے نگاہ قرص آفتاب پر جمنے لگی وقتِ کراہت آ گیا اور یہ وقت فقیر کے تجربہ سے اس وقت آتا ہے جب سورج ڈوبنے میں بیس منٹ رہ جاتے ہیں مغرب کا وقت سپیدی ڈوبنے تک ہے یعنی چوڑی سپیدی کہ جنوباً شمالاً

پھیلی ہوتی اور بعد سرخی غائب ہونے کے تادیر باقی رہتی ہے جب وہ نہ رہی وقتِ مغرب گیا اور عشاء آئی دراز سپیدی کہ صبح کاذب کی طرح شرقاً غرباً ہوتی ہے معتبر نہیں اور یہ وقت ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹا اٹھارہ منٹ بعد غروب آفتاب ہوتا ہے آخر مارچ وآخر ستمبر میں اور زیادہ سے ایک گھنٹا ۳۵ منٹ ہوتا ہے آخر جون میں اور موسم میں بڑھ سے بڑھ ایک گھنٹا چوبیس منٹ ہوتا ہے آخر دسمبر میں اور اس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ ستارے خوب ظاہر نہ ہو جائیں اتنی دیر کرنی کہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی چمک آئیں مکروہ ہے عشاء کا وقت طلوعِ فجر صادق تک ہے اور وقتِ مستحب آدھی رات سے پہلے پہلے۔ یہ تمام اوقات درجات شمس ودرجات عرض البلاد کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں ان کے لیے ایک وقت، معین بتانا ممکن نہیں۔ مغرب کو سائل نے بالخصوص دریافت کیا تھا اس کے لیے وہ قریب تخمینہ کہ ان شہروں میں ہے گزارش ہوا یہی تخمینہ مقدار صبح صادق کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

امام نسائی کا استدلال:

نمازِ مغرب کے اوقات کے بارے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ ابواب قائم فرمائے ہیں، ان سب کا خلاصہ واستدلال امام حسب ذیل ہے:

۱۔ نماز مغرب کا ابتدائی وقت:

نمازِ مغرب کا ابتدائی وقت غروب آفتاب ہے، اس پر تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔

۲۔ نمازِ مغرب کو جلدی پڑھنا:

نمازِ مغرب کو جلدی پڑھنا مستحب ہے، اور اس میں بغیر شرعی عذر تاخیر جائز نہیں ہے اس پر بھی ائمہ اتفاق کرتے ہیں۔

۱۔ نماز مغرب میں تاخیر کرنا:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مغرب کو تاخیر سے بھی پڑھا جا سکتا ہے، جبکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاخیر جائز نہیں ہے، اور ائمہ حنابلہ اور احناف کے نزدیک عذرِ شرعی کی بناء پر شفق کے غروب ہونے تک تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔

۴۔ مغرب کا آخری وقت:

نمازِ مغرب کے آخری وقت کے بارے میں فقہاء کرام کے تین نقطہ ہائے نظر ہیں۔

۱۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نماز مغرب کا ابتدائی وقت اور انتہائی وقت اتنا ہی ہے کہ وہ طہارت حاصل کرے، ستر عورت کرے اور نماز پڑھے۔ اتنے وقت کے بعد مغرب قضاء ہوگی۔

۱۔ فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۱۴۰۔۱۵۳

۲۔ فقہاء حنابلہ اور فقہاء احناف کے نزدیک نمازِ مغرب وقت شفق ڈوبنے پر ہے۔

۳۔ شفق کا مفہوم:

یہ تیسرا مفہوم اصل میں فقہاء حنابلہ اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق کے تعین میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔

الف: فقہاء حنابلہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک شفق سے مراد مغربی افق پر ابھرنے والی سرخی ہے، اس سرخی کے ختم ہونے پر وقتِ مغرب ان کے نزدیک ختم ہو جاتا ہے

ب: امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور متاخرین فقہاء احناف کے نزدیک شفق سے مراد مغربی افق پر ابھرنے والی سرخی کے بعد سفیدی ہے، اور یہ سفیدی سرخی کے تقریباً بارہ منٹ بعد ختم ہوتی ہے، اس طرح فقہاء احناف کے نزدیک مغرب کا وقت اس سفیدی کے ختم ہونے پر ہوگا، اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

۵۔ نمازِ مغرب کے بعد سونے کی کراہت:

نماز مغرب کے بعد عشاء کی نماز ادا کیے بغیر سونا مکروہ ہے۔

نمازِ مغرب اور نمازِ فجر کا کل وقت:

نماز مغرب اور عشاء کے درمیان پاک و ہند میں وقت ایک گھنٹہ انیس (۰۱:۱۹) سے ایک گھنٹہ پینتیس (۰۱:۳۵) کے درمیان رہتا ہے، یہ وقت شمالی علاقہ جات میں ایک گھنٹہ اڑتالیس (۰۱:۴۸) منٹ تک جاتا ہے، جتنا وقت نمازِ مغرب کا ہوتا ہے، بعینہ اتنا وقت پورا سال نمازِ فجر کا ہے۔

☆ ائمہ اربعہ کے نزدیک مغرب کا وقت افضل غروب آفتاب کے فوراً بعد ہے، البتہ فقہاء حنابلہ و احناف کے نزدیک عذرِ شرعی کی بناء پر شفق کے غروب ہونے تک وقتِ جواز ہے ضرورت کے تحت نماز کو موخر کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت بتلانے کے لیے نماز مغرب کو شفق کے غائب ہونے سے کچھ دیر پہلے پڑھایا۔

☆ احکامِ دین سمجھنے کے لیے اہتمام واجب ہے

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس بات پر بہت حریص رہتے تھے کہ نماز آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کریں، اگرچہ انہیں دور دراز علاقوں سے سفر کر کے آنا پڑتا تھا۔

تعلیم بالعمل تبلیغ کا بلیغ ترین انداز ہے، اور تفہیم کے زیادہ قریب ہے۔ اس لیے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلانے کی بجائے عمل کے ذریعہ تعلیم فرمائی۔

☆ حدیث نمبر ۵۱۹: میں تیروں کا ذکر ہے، جس سے مترشح ہوتا ہے، کہ مسلمانوں کو جنگی ساز و سامان کی تیاری میں رہنا

پاہیے، اور اسی سے جدید ترین اسلحہ کی تیاری بھی مترشح ہوتی ہے، تاکہ مسلمانوں کو دوسری اقوام پر رعب ودبدبہ حاصل رہے۔
عصرِ حاضر کے مسلمان ممالک کو جدید ترین ایٹمی اسلحہ ومیزائل نظام تیار کرنے اور حاصل کرنے کی کوششیں کرنی چاہیے، اکہ مسلمانوں کو وقت وبرتری حاصل ہو۔

☆ نمازِ عصر کی پابندی کرنے والوں کو دوگناہ ثواب ملے گا۔

أَوَّلُ وَقْتِ الْعِشَاءِ — باب ۱۷: نمازِ عشاء کا ابتدائی وقت

فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ عشاء کا ابتدائی وقت شفق کے غروب ہونے پر ہے البتہ شفق کی تعیین میں اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد سرخی ہے، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے مراد سفیدی ہے اور یہ سفیدی سرخی کے بعد آتی ہے، اور تقریباً بارہ منٹ کی تاخیر سے غروب ہوتی ہے، متاخرین احناف نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اپنایا ہے۔ اس لیے احناف کے ہاں مفتیٰ بہ، راجح اور اصح قول سفیدی کا ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے نمازِ عشاء کے اوقات کے بارے میں چھ ابواب قائم فرمائے ہیں پھر ان ابواب کے تحت سترہ احادیث مبارکہ کا اپنا مستدل بنایا ہے، ان میں سے پہلا باب نمازِ عشاء کے ابتدائی وقت کے بارے میں ہے، پچھلے باب میں نمازِ مغرب کے بعد سونے کی کراہت کا بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ عشاء کے ابتدائی وقت کا بیان ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ مغرب کے اوقات سے فارغ ہونے کے بعد نمازِ عشاء کے اوقات کو بیان فرمارہے ہیں، نمازوں کے بعد عشاء کے اوقات بیان کیے جارہے ہیں، اس باب میں امام صاحب نے ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے۔

۵۲۵- أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ قَالَ :أَخْبَرَنِي وَهْبُ بْنُ كَيْسَانَ قَالَ :حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: "جَاءَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ :قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ الظُّهْرَ حِينَ مَالَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ مَكَثَ حَتَّى إِذَا كَانَ فَيْءُ الرَّجُلِ مِثْلَهُ جَاءَهُ لِلْعَصْرِ فَقَالَ :قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ الْعَصْرَ، ثُمَّ مَكَثَ حَتَّى إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ جَاءَهُ فَقَالَ :قُمْ فَصَلِّ الْمَغْرِبَ، فَقَامَ فَصَلَّاهَا حِينَ غَابَتِ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:
حضرت جبریل امین آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں سورج ڈھلنے پر حاضر ہوئے، اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیے! اور سورج ڈھلنے پر ظہر کی نماز ادا کیجیے، پھر وہ ٹھہرے یہاں تک کہ ہر شخص کا سایہ ایک مثل ہو گیا، تو وہ عصر کے لیے آئے اور کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اٹھیے اور عصر کی نماز پڑھیے، پھر وہ ٹھہرے، یہاں کہ سورج ڈوب گیا، تو وہ آئے اور کہا: (اے محمد!) اٹھیے، اور مغرب کی نماز ادا کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور سورج غروب ہونے کے متصل

الشَّمْسُ سَوَاءً، ثُمَّ مَكَثَ حَتَّى إِذَا ذَهَبَ الشَّفَقُ جَاءَهُ فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّ الْعِشَاءَ فَقَامَ فَصَلَّاهَا، ثُمَّ جَاءَهُ حِينَ سَطَعَ الْفَجْرُ فِي الصُّبْحِ فَقَالَ: قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ، فَقَامَ فَصَلَّى الصُّبْحَ، ثُمَّ جَاءَهُ مِنَ الْغَدِ حِينَ كَانَ فَيْءُ الرَّجُلِ مِثْلَهُ فَقَالَ: قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ جَاءَهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِينَ كَانَ فَيْءُ الرَّجُلِ مِثْلَيْهِ فَقَالَ: قُمْ يَا مُحَمَّدُ فَصَلِّ، فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ جَاءَهُ لِلْمَغْرِبِ حِينَ غَابَتِ الشَّمْسُ وَقْتًا وَاحِدًا لَمْ يَزُلْ عَنْهُ فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ جَاءَهُ لِلْعِشَاءِ حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْأَوَّلُ فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّ، فَصَلَّى الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَهُ لِلصُّبْحِ حِينَ أَسْفَرَ جِدًّا فَقَالَ: قُمْ فَصَلِّ، فَصَلَّى الصُّبْحَ، فَقَالَ: مَا بَيْنَ هَذَيْنِ وَقْتٌ كُلُّهُ"

ہی مغرب کی نماز ادا فرمائی، پھر وہ ٹھہرے، حتیٰ کہ شفق غروب ہوگئی، تو آئے اور عرض کیا: اٹھیے اور عشاء کی نماز پڑھیے، آپ اٹھے اور عشاء کی نماز ادا فرمائی، پھر وہ پو پھوٹنے پر آئے اور کہا: اے محمد! اٹھیے اور نماز ادا فرمایئے، آپ اٹھے اور فجر کی نماز ادا فرمائی، پھر وہ اگلے دن اس وقت تشریف لائے، جب انسان کا سایہ ایک مثل ہوگیا، اور کہا: اے محمد ﷺ! اٹھیے اور نماز پڑھیے، پس آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی،، پھر جبریل امین اس وقت تشریف لائے، جب آدمی کا سایہ دو مثل ہوگیا اور کہا: اے محمد ﷺ! اٹھیے اور نماز پڑھیے، پس آپ ﷺ نے عصر کی نماز ادا فرمائی پھر وہ مغرب کے لیے عین اسی وقت تشریف لائے، جب سورج غروب ہوگیا، اور کہا: اٹھیے اور نماز ادا فرمایئے پس آپ ﷺ نے مغرب کی نماز ادا فرمائی، پھر عشاء کے لیے اس وقت تشریف لائے، جب رات کی پہلی تہائی گذر چکی تھی اور کہا: اٹھیے اور نماز پڑھیے، پس آپ ﷺ نے عشاء کی نماز ادا فرمائی، پھر فجر کے لیے اس وقت تشریف لائے، جب روشنی خوب ہو چکی تھی اور کہا: اٹھیے اور نماز پڑھیے، پس آپ ﷺ نے فجر کی نماز ادا فرمائی، پھر حضرت جبریل امین نے فرمایا: ان دونوں وقتوں کے درمیان ساری نمازوں کا وقت ہے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس درمیانی حصہ میں ہے:

پھر ٹھہرے، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی، پھر آئے اور کہا: اٹھیے اور نمازِ عشاء پڑھیے، پس آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور عشاء کی

نماز ادا فرمائی، یہ نمازِ عشاء کا ابتدائی وقت ہے، یعنی شفق کے غائب ہونے پر۔

۲۔اطراف:

ترمذی: ۱۵۰، المعجم الاوسط، (طبرانی): ۶۷۸۳، مجمع الزوائد: ج ۱ ص ۳۰۴، تحفۃ الاشراف: ۳۱۲۸

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت وہب بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں:

۱۔سوید بن نصر: راجع: ۵۵　　**۲۔عبداللہ بن مبارک:** راجع: ۲۲۹

۳۔حسین بن علی:

آپ کا نام حضرت حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہاشمی مدنی (م: ۱۶۰ھ) ہے آپ شہید کربلا سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے اور امام زین العابدین کے صاحبزادے ہیں آپ حسین اصغر کے لقب سے مشہور ہیں امام ترمذی اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔(۱)

۴۔وہب بن کیسان:

آپ کا نام ابونعیم وہب بن کیسان محلم قریشی مدنی (م: ۱۲۷ھ) ہے، آپ آلِ زبیر کے غلام تھے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ کبار سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ جرح وتعدیل آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چھ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۲)

۵۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۳۸

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ دیگر شواہد کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو انانوے (۱۸۹) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، اور اکثر اجل فقیہ ہیں،

۱۔ i۔تہذیب الکمال، ج ۶ ص ۳۹۵، ii۔الثقات: ج ۶ ص ۲۰۵

۲۔ i۔تاریخ الثقات، ص ۴۶۷ ii۔الثقات، ج ۵ ص ۴۹۰

☆ سند کے پہلے دوراوی مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند کے تیسرے راوی ائمہ اہل بیت میں سے ہیں، اور آپ کا لقب حضرت حسین اصغر ہے۔

☆ حضرت حسین اصغر، خلیفہ راشد چہارم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے پڑپوتے، حضرت امام حسین کے پوتے اور حضرت امام زین العابدین علیہ الرحمۃ کے صاحبزادے ہیں۔

☆ حضرت حسین اصغر اور وہب بن کیسان علیہ الرحمۃ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت انبأنا، عنعنہ، حدثنا ایک ایک دفعہ اور صیغہ اخبار، دو دفعہ استعمال ہے۔

۶۔لغات:

مالت الشمس: سورج ڈھل گیا۔ مکث: وہ ٹھہر

قم: اٹھیے، سطح: وہ ظاہر ہوا

الغد: کل، اگلا دن وقتا واحدا: ایک وقت

لم یزل عنه: انہوں نے وقت نہیں بدلا یعنی اسی وقت پر

حین ذهب: جب وہ گیا، ثلث اللیل الاول: رات کا پہلا تہائی حصہ

حین اسفر جدا: جب روشنی خوب ہوگئی۔

تَعْجِيلُ الْعِشَاءِ　　　باب: ۱۸ عشاء کی نماز جلدی پڑھنا

نمازِ عشاء میں تہائی رات تک تاخیر کرنا مستحب، آدھی رات تک مباح اور اس کے بعد بلا عذر مکروہ ہے، البتہ اگر نیند وغیرہ کا اندیشہ ہو، تو پھر جلد از جلد نماز پڑھ کر سونا مستحب ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ عشاء کے ابتدائی وقت کا بیان تھا، اور اس باب میں جلدی پڑھنے کا بیان ہے، یہی دونوں ابواب میں مناسبت ہے۔

۵۲۶۔ أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَسَنٍ قَالَ: قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتِ الشَّمْسُ، وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا كَانَ إِذَا رَآهُمْ قَدِ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ، وَإِذَا رَآهُمْ قَدْ أَبْطَئُوا أَخَّرَ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز دو پہر کے وقت پڑھتے تھے، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے، جب کہ سورج صاف چمکدار ہوتا تھا، مغرب کی نماز سورج ڈوبنے پر پڑھتے تھے، عشاء کی نماز کبھی لوگ اکٹھے ہو جاتے تو جلدی پڑھتے اور کبھی لوگ دیر سے آتے تو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز دیر سے پڑھتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۵۶۰، ۵۶۵، صحیح مسلم: ۶۴۶، الرقم المسلسل: ۱۴۳۳، سنن ابوداؤد: ۳۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۱۸، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۱۷۲۲، سنن دارمی: ۱۱۸۴، مسند ابویعلیٰ: ۲۰۲۹، صحیح ابن حبان: ۱۵۲۸، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۴۴۹، شرح السنۃ: ۳۵۱، مسند احمد، ج ۳، ص ۳۶۹ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۴۹۶۹۔ ج ۲۳ ص ۲۲۲۔ (۱) (نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۴۰۲)

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گذر چکا ہے، حضرت محمد بن عمرو بن حسن کے حالاتِ زندگی لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ عمرو بن علی:　راجع: ۴　　۲۔ محمد بن بشار:　راجع: ۲۷

۳۔محمد بن جعفر: راجع:۲۳۹ ۴۔شعبہ: راجع:۱۱۰

۵۔سعد بن ابراہیم: راجع:۱۲۴

۶۔محمد بن عمرو بن حسن:

آپ کا نام ابوعبداللہ بن محمد بن عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالب ہاشمی مدنی ہے، آپ امام حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، ائمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، شیخین، امام ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، ایک یہی حدیث الباب اور دوسری کتاب الصیام میں حدیث نمبر ۲۲۶۱ مروی ہے۔(۱)

۷۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: راجع:۱۳۸

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، شیخین نے اسے رویت کیا ہے۔

۵۔خصوصاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے لحاظ سے یہ دوسو اٹھارہ ویں (۲۱۸) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری، اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (سعد) کی دوسرے تابعی (محمد) سے روایت ہے۔

☆ سند کے چھٹے راوی محمد بن عمر، خلیفہ راشد چہارم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔

☆ پچھلی دونوں احادیث حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے پڑپوتوں سے مروی ہے۔

☆ حضرت محمد بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، قال ایک ایک دفعہ، جبکہ حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۸،ص۲۹ ii۔تہذیب الکمال، ج۲۶،ص۲۰۶

۱۔لغات

قدم الحجاج:	حجاج بن یوسف آیا	سالنا :	ہم نے ان سے سوال کیا۔
الهاجرة:	دوپہر	بیضاء:	سفید
نقية:	صاف	اذاواجبت الشمس:	جب سورج ڈوب گیا۔
احيانا:	کبھی کبھی	اذا راهم:	جب آپ ﷺ انہیں دیکھتے۔
قدا جتمعوا:	وہ جمع ہوجاتے۔	عجّل:	آپ ﷺ جلدی فرماتے۔
قدا بطئوا:	وہ تاخیر کرتے۔	اخر:	آپ ﷺ موخر کرتے۔

الشَّفَقُ

باب نمبر۱۹: شفق (سفیدی) کا مفہوم

شفق سے مراد سفیدی ہے یا کہ سرخی؟ یہ مسئلہ فقہاء کرام کے درمیان معرکۃ الآرا مسائل میں سے ہے آئمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک شفق سے مراد سورج غروب ہونے کے بعد افق پر پھیلنے والی سرخی ہے جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور متاخرین احناف کے نزدیک اس سے مراد سرخی کے بعد ابھرنے والی سفیدی ہے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ والا ہے کیونکہ مجتبیٰ میں تو آپ نے صرف شفق کا عنوان قائم کیا ہے جبکہ السنن الکبریٰ میں عنوان ہے اس کا ذکر جس نے شفق سے مراد سفیدی لی ہے جس سے واضح ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شفق سے مراد سفیدی ہے اس باب میں امام نسائی نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے پچھلے باب میں عشاء جلدی پڑھنے کا بیان تھا اور اس باب میں شفق کا بیان ہے ابواب میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ عشاء کا وقت شفق کے غروب ہونے پر شروع ہوتا ہے اس لئے عشاء کو جلدی پڑھنے کیلئے خود شفق کی وضاحت ہونا ضروری ہے اس لئے امام صاحب نے اس باب کو قائم فرمایا ہے۔

۵۲۷۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ رَقَبَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ إِيَاسٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ :أَنَا أَعْلَمُ النَّاسِ بِمِيقَاتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ عِشَاءِ الْآخِرَةِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا لِسُقُوطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ

حضرت نعمان بن بشیر کا فرمان ہے (میں عشاء کے وقت کے بارے میں باقی لوگوں سے زیادہ جاننے والا ہوں' حضور نبی کریم ﷺ اس نماز کو تیسری رات کے چاند غروب ہونے پر پڑھتے تھے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بطریقہ استنباط حسب ذیل ہے۔

تیسری رات کا چاند سرخی کے بعد سفیدی ختم ہونے پر ڈوبتا ہے اس لئے شفق سے مراد سفیدی ہے
(شفق سے متعلقہ اسباق آگے مسائل ونصائح میں آرہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ابوحماد سندرانی)

۲۔اطراف:

ابوداؤد:۴۱۹،ترمذی:۱۶۵،۱۶۶،احمد:۱۸۴۰۵،مستدرک حاکم: ۷۲۶،دارقطنی:۱۰۴۶،۱۰۴۷،سنن الدارمی:۱۲۱۱،تحفۃ الاشراف:۱۱۶۱۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں جن میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے باقی دو حضرات حضرت حبیب بن سالم اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی سرگذشتِ حیات صفحہ قرطاس پر منتقل کی جاتی ہے

ا۔محمد بن قدامہ: راجع ۱۳ **۲۔جریر:** راجع:۲

رقبہ: راجع:۴۰۲ **۴۔جعفر بن ایاس:** راجع:۵۱۹

۵۔حبیب بن سالم

آپ کا نام حبیب بن سالم انصاری ہے آپ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے غلام اور کاتب تھے آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ ثقہ راوی ہیں۔امام ابوحاتم ابن حبان ابوداؤد اور نسائی نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔جبکہ امام بخاری نے محل نظر قرار دیا ہے اور امام ابن عدی اور ابن حجر عسقلانی نے ان کی تعدیل فرمائی ہے امام مسلم اور ائمہ اربعہ آپ سے روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے آٹھ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ:

نام ونسب

نعمان نام۔ابوعبداللہ کنیت قبیلہ خزرج سے ہیں،سلسلہ نسب یہ ہے۔
نعمان ابن بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن خلاس بن زید بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن الخزرج الاکبر۔والدہ کا نام عمرۃ بنت رواحہ تھا۔جن کا سلسلہ نسب مالک اغر پر حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے آباء سے مل جاتا ہے۔
حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے والد بشیر رضی اللہ عنہ بن سعد بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔عقبہ میں ۷۰ انصار کے ہمراہ مکی جا کر بیعت کی تھی۔بدر،احد اور تمام غزوات میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے،سقیفہ بنی ساعدہ میں سب سے پہلے انہی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

۱۔ i۔الجرح والتعدیل،ج ۳،ص ۱۰۳ ii۔التاریخ الکبیر،ج ۲،ص ۳۰۵ iii۔الکامل،ج ۲،ص ۴۰۵

سے بیعت کی تھی ۱۲ھ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسلیمہ کذاب کے مقابلہ کو نکلے اور واپسی کے وقت عین التمر کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ والدہ بھی جو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کی ہمشیرہ تھیں، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا شرف حاصل کر چکی تھیں۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ ہجرت کے چودھویں مہینے ربیع الثانی ۲ھ میں اس مقدس گھر میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد انصار میں یہ سب سے پہلے بچے تھے ان کی ولادت کے چھ ماہ بعد حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے۔

اسلام کی تاریخ میں ۲ھ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ آغازِ سال ہی سے قریش اور دیگر ہمسایہ قبائل سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی تھی جس کا نتیجہ چند ماہ کے بعد غزوہ بدر کی صورت میں رونما ہوا۔ اس سال جو لڑکے پیدا ہوئے سب میں انقلاب انگیز زمانہ کا اثر موجود تھا۔ چنانچہ نعمان رضی اللہ عنہ جو بدر کے وقت ۳۔۴ مہینے کے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو اسی سال پیدا ہوئے اپنے اپنے وقت میں بڑے بڑے انقلابات کے بانی ہیں۔

عام حالات:

باپ، ماں کو ان سے بڑی محبت تھی۔ باپ ان کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے اور دعا کراتے تھے۔ ماں کو اس قدر محبت تھی کہ اپنی باقی تمام اولاد کو محروم کر کے جائداد واملاک انہی کے نام منتقل کر دینا چاہتی تھیں۔ ایک روز شوہر کو مجبور کر کے اس پر آمادہ کر لیا اور گواہی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا، حضرت بشیر رضی اللہ عنہ ان کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور عرض کی کہ آپ گواہ رہیں میں فلاں زمین اپنے اس لڑکے کو دیتا ہوں، فرمایا اس کے دوسرے بھائیوں کو بھی حصہ دیا ہے؟ بولے نہیں ارشاد ہوا تو پھر میں ظلم پر گواہی نہیں دیتا۔ یہ سن کر بشیر رضی اللہ عنہ اپنے ارادہ سے باز آئے۔ (۱)

چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے ایک مرتبہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس طائف سے انگور آئے، آپ نے ان کو دو خوشے عنایت کیے، اور فرمایا کہ ایک تمہارا ہے اور ایک تمہاری والدہ کا نعمان رضی اللہ عنہ راستہ میں دونوں خوشے چٹ کر گئے اور ماں کو خبر تک نہ کی، چند دنوں کے بعد آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اپنی ماں کو انگور دیئے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں آپ نے ان کی گوشمالی کی اور کہا یا غر! کیوں مکار۔ (۲)

اسی زمانہ سے نماز وغیرہ کی طرف توجہ کی، آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات دیکھتے تو ان کو یاد رکھنے کی کوشش کرتے منبر کے قریب بیٹھ کر وعظ سنتے، (۳)، ایک مرتبہ انہوں نے دعوے سے کہا کہ آنحضرت محمد کی رات کی نماز کے متعلق میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ واقف ہوں۔ (۴)

شب قدر کی راتوں میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جاگے تھے، اور نمازیں پڑھیں تھیں۔ (۵)

۱۔ مسند، ج ۴، ص ۲۶۸　　۲۔ استیعاب، ج ۱، ص ۳۱۰　　۳۔ مسند، ج ۴، ص ۲۶۹۔۷۱

۴۔ ایضاً ص ۲۷۰۔ مسند، ج ۴، ص ۲۷۲

ربیع الاول اا ھ میں آنحضرت محمد ﷺ نے انتقال فرمایا۔ اس وقت حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا سن ۸ سال ۷ ماہ کا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ چھڑی تو نعمان رضی اللہ عنہ نے ان ہی کا ساتھ دیا اور یہ عجیب بات تھی کہ انصاری میں یہی ایک دو صاحب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرفدار تھے، چنانچہ نعمان رضی اللہ عنہ کے متعلق صاف طور پر مذکور ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتے تھے چنانچہ صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں۔(۱)

وکان ھواہ مع معاویۃ و صیلہ الیہ والی ابنہ یزید۔ یعنی وہ معاویہ اور یزید دونوں کی طرف مائل تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے سلسلے میں ان کو جلیل القدر عہدے دیئے عین التمر میں جناب امیر رضی اللہ عنہ طرف سے مالک بن کب ارجبی حاکم تھے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو بھیج کر وہاں اسلحہ خانہ پر حملہ کر دیا۔(۲)

فجالہ بن عبید کے بعد دمشق کا قاضی مقرر کیا۔(۳)

اور جب یمن پر تسلط ہوا تو عثمان ابن ثقفی کے بعد وہاں کا ولی بنایا۔ اس بنا پر یہ یمن کے (سلطنت بنی امیہ) تیسرے امیر تھے۔(۴)

۵۹ ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو کوفہ کا حاکم بنایا اور تقریباً ۹ ماہ تک اس منصب پر مامور رہے، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بیعت کے لیے مجبور کیا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے بیعت سے صاف انکار کیا، ادھر کوفہ سے شیعیان علی کے خطوط پہنچنے لگے، جن میں ان کی خلافت تسلیم کرنے پر بڑی آمادگی کا اظہار تھا۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو تفتیش حالات کے لیے کوفہ روانہ فرمایا، مسلم رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے تو شہر کا بڑا حصہ ان کے ساتھ، ۱۲ ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو یہ تمام خبریں پہنچ رہی تھیں، لیکن انہوں نے جگر گوشہ بتول کے معاملہ میں خاموشی ہی کو ترجیح دی۔

لیکن جب مختار ابن ابی عبید کے مکان پر شیعیوں کا اجتماع ہوا اور نقض بیعت کی تیاریاں ہوئیں تو نعمان نے منبر پر ایک پرزور خطبہ دیا، جو درج ذیل ہے۔

امام بعد ! فاتقوا اللہ عباد اللہ ولا تسار عوالی الفتۃ والفرقۃ فان فیھا بھلگ الرجال و تسفك الدماء وتغصب الال موال انی لم اقاتل من لم یقاتلنی ولا ائب علی من یشب علی ولا اثاتمکم ولا اتحرش بکم ولا اخذ بالقذف ولا الطنہ ولا التھمۃ ولکنکم ان ابدیتم صفحکم لی ونکثتکم بیعتکم وخالفتم امامکم فواللہ الذی لا لہ غیرہ لا ضر بنکم یسیفی مابنت قائمہ فی یدی ولو لم یکن لی منکم ناصر امانی ارجوان یکون من

۱۔ اسد الغابہ، ج ۵، ص ۲۳ ۲۔ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۲۸ ۳۔ ایضاً، ص ۲۲۸ ۴۔ ایضاً، ص ۲۷۸

یعرف الحق منکن اکثر ممن یر دیہ الباطل۔

لوگوں! خدا سے ڈرو اور فتنہ اور اخلاف پیدا کرنے میں جلدی نہ کرو، کیونکہ اس میں آدمی ضائع ہوتے ہیں خونریزیاں ہوتی ہیں اور مال غصب کے جاتے ہیں جو شخص مجھ سے نہ لڑے گا میں بھی اس سے نہ لڑوں گا نہ تم کو بُرا کہوں گا، نہ آپس میں جنگ وجدل برپا کروں گا نہ سوء ظن اور تہمت میں ماخوذ کروں گا، لیکن اگر تم نے اعلانیہ میری نافرمانی کی بیعت توڑی اور بادشاہ سے مخالفت کی خدا کی قسم جب جب تک میرے ہاتھ میں تلوار رہے گی تم کو ماروں گا، خواہ تم میں ایک شخص بھی میری مدد نہ کرے ہاں مجھے امید ہے کہ تم میں باطل کے بہ نسبت حق کے پہچاننے والے زیادہ موجود ہیں۔

عبداللہ بن مسلم حلیف بنی امیہ بھی مجمع میں موجود تھا، والی حکومتوں کا یہ تساہل دیکھ کر جوش میں اٹھا اور کہا ''کہ آپ کی رائے اس معاملہ میں نہایت کمزور ہے، یہ نرمی کا وقت نہیں ہے اس وقت آپ کو دشمن کے مقابلہ میں سخت ہونا چاہیے''۔ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں خدا کی معصیت میں قوی ہونے سے اس کی اطاعت میں کمزور رہنا زیادہ پسند کرتا ہوں، اور جس پردہ کو خدا نے لٹکا دیا ہے، میں اس کو چاک کرنا مناسب نہیں سمجھتا، عبداللہ نے وہاں سے واپس آ کر یزید کو خط لکھا کہ ''مسلم نے کوفہ آ کر تسلط کرلیا ہے اگر آپ کو یہاں حکومت کی ضرورت ہے تو کسی قوی شخص کو بھیجیے کہ آپ کے احکام نافذ کر سکے نعمان بالکل بودے شخص ہیں، یا عمداً کمزور بن رہے ہیں'' عبداللہ کے ساتھ عمارہ بن عقبہ بن سعد بن ابی وقاص نے بھی اسی مضمون کے خطوط روانہ کیے، یزید نے نعمان رضی اللہ عنہ کے بجائے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم بنایا اور وہ شام چلے گئے۔ (۱)، یہ سن ۶۰ ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے حمص کے امیر مقرر ہوئے اور یزید کی وفات تک اسی عہد پر قائم رہے ۶۴ ھ میں جب معاویہ بن یزید کا انتقال ہوگیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اہل شام کو دعوت دی اور ان کی طرف سے حمص کے حاکم مقرر ہوئے بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے پہلے تو ابن زبیر کی رضی اللہ عنہ کی بیعت لی اس کے بعد خود اپنی بیعت لینا شروع کردی۔ (۲)، لیکن یہ روایت قرین قیاس نہیں، اگر یہ واقعہ ہوتا تو تاریخ اور رجال مین اس کا تذکرہ ہوتا لیکن اکثر تذکرے اس ذکر سے بالکل ساکت ہیں۔ نعمان رضی اللہ عنہ کی طرف اور لوگ بھی شام میں ابن زبیر کے طرفدار ہو گئے تھے مروان نے یہ دیکھ کر شام کا سفر کیا، اور ایک لشکر فراہم کر کے ضحاک بن قیس کے مقابلہ کو بھیجا ضحاک ابن زبیر کی طرف سے بعض اضلاع شام کے حاکم تھے، نعمان کو خبر ہوئی تو شرجیل بن ذوالکلاع کے ماتحت کچھ فوج ضحاک کی مدد کے لیے روانہ کی مرج رہط ایک مقام پر لڑائی پیش آئی جس میں ضحاک کو شکست ہوئی، نعمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو خوف کی وجہ سے رات کو حمص سے کوچ کیا، مروان نے خالد بن عدی الکلاعی کو چند سوار دے کر تعاقب کے لیے بھیجا۔

۱۔ طبری، ج ۷، ص ۲۲۸، ۳۸، ۳۹ ۲۔ اصابہ، ج ۶، ص ۲۴۰

وفات:

حمص کے نواح میں بیران ایک گاؤں ہے وہاں سامنا ہوا، خالد نے نعمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے سر کاٹ لیا اور ان کے اہلو عیال کو گرفتار کر کے مروان کے پاس حاضر ہوا بیوی اپنے شوہر کے پر عبرت انجام کا تماشہ دیکھ چکی تھی، درخواست کی کہ ان کا سر میری گود میں دے دو، کیونکہ میں اس کی سب سے زیادہ مستحق ہوں لوگوں نے سر ان کی گود میں ڈال دیا، یہ اوائل ۶۵ ھ کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کی عمر ۶۴ سال کی تھی۔

اہل وعیال:

ان کی بیوی جن کا ابھی ذکر ہوا، خاندان کلب سے تھیں، ان کا عجیب قصہ مشہور ہے۔ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے محل میں تھیں کہ انہوں نے ایک روز یزید کی ماں مبسون سے کہا کہ تم اس عورت کو جا کر دیکھو، مبسون نے دیکھ کر بیان کیا کہ حسن جمال کے لحاظ سے اپنا نظیر نہیں رکھتی لیکن اس کی ناف کے نیچے ایک تل ہے، اس لیے یہ اپنے شوہر کا سر اپنی گود میں لے گی۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ نے ان سے نکاح کیا اور پھر طلاق دے دی۔ پھر نعمان نے نکاح کیا اور قتل ہونے کے بعد جیسا کہ مبسون نے پیشن گوئی کی تھی، ان کا سر ان کی گود میں رکھا گیا۔(۱)

اولاد میں تین لڑکے مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔ محمد، بشیر، یزید

فضل وکمال:

حضرت نعمان کو حدیث وفقہ سے کامل واقفیت تھی، اور اگر چہ نظم ونسق ملک واقامتِ امن اور دوسری ذمہ داریوں اور مصروفیتوں میں ان علوم کا موقع نہ ملتا تاہم دار لامارت فقہ وحدیث کا مخزن بن گیا تھا۔ ہزاروں مقدمات فیصلہ کے لیے پیش ہوتے تھے۔ جن کو انہی علوم کی وساطت سے وہ فیصل کرتے تھے۔

حضرت نعمان اگر چہ عہد نبوت میں ہشت سالہ تھے تاہم بہت سی حدیثیں یاد ہو گئی تھیں، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فیض صحبت سے مستفیض ہوئے اپنے ماموں ابن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی حدیث سنی تھی۔

اس معاملہ میں اگر چہ نہایت محتاط تھے تاہم ان کی سند سے ۱۲۴ روایتیں منقول ہیں، فیصلے کے وقت حدیث کا حوالہ دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک مقدمہ پیش ہوا تو فرمایا کہ میں تیرا فیصلہ اسی طرح کروں گا جس طرح آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا فیصلہ کیا تھا۔(۲)

بعض وقت مسائل بھی بتاتے تھے اور اس کا زیادہ تر خطبوں میں اتفاق ہوتا تھا، خطبے میں مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کے

۱۔ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۰۵، واستیعاب، ج ۱، ص ۳۱۰　　۲۔ مسند ابن حنبل، ج ۴، ص ۲۷۲

وتے تھے اور نہایت فصیح و بلیغ ہوتے تھے طرز اور انداز تعبیر پر قدرت تھی، اس کو سماک بن حرب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔''

ں نے جن لوگوں کے خطبے سنے ان میں نعمان رضی اللہ عنہ کو سب سے بڑھ کر پایا۔'' (۱)

خطبہ میں محل و مقام کے مناسب اعضاء کو حرکت دیتے تھے، ایک مرتبہ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو اس

نظ پر انگلی سے کانوں کی طرف اشارہ کیا۔ (۲)

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے زبان کی معاشرت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا۔

ماكان نبيكم يشبع منه الدقل وما تر صنون دون الوان التمر والزبد۔ (۳)

تم مختلف اقسام کے چھوہاروں اور مکھن پر بھی راضی نہیں حالانکہ پیغمبر صاحب ردی چھوہاروں سے بھی سیر نہ ہوئے۔

ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دیا اور اس میں جماعت کو رحمت اور تفریق کو عذاب بنا کر پیش کیا تو یہ اثر ہوا کہ ابوامام باہلی اٹھے اور

مجمع کا مخاطب کر کے کہا علیکم بالسواد الاعظم۔ (۴)

تم پر سواد اعظم کا اتباع فرض ہے۔

ان مواقع پر جن لوگوں کو حدیثیں سننے کا اتفاق ہوا، ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے لیکن وہ لوگ جو تلامذہ خاص کا

درجہ رکھتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

شعبی، حمید، بن عبدالرحمٰن، خثیمہ، سماک بن حرب، سالم بن ابی الجعد، ابواسحٰق سبیعی بن عبداللہ بن عقبہ، عردہ بن زبیر، ابو

قلابہ الجرمی، ابوسلام الاسود غیراز بن حریث، مفصل بن مہلب، بن ابی صفرہ، از ہر بن عبداللہ حزاری۔

نثر کے ساتھ نظم میں بھی دخل تھا، یہ اشعار انہی کی طرف منسوب ہیں۔

وانى الا عطى المال من ليس سائلا	وادرك المولى المعاند بالظلم
وانى متى مايلقضى صادر ماله	فما بيننا عند الشدئد من حرم.
فلا تعدد المولى شريكك فى الغنى	ولكنما الولى شريك فى العدم
اذامت ذو القربى ، اليك برحمة	غشك استغنى فليس بذى رحم
ومن ذالك للمولى الذى يستخفنه	اذا ك ومن يرمى المدو الذى توم

اخلاق:

حضرت نعمان شوروشر، فتنہ و فساد اور دیگر انقلابات میں گھر رہنے کے باوجود جبر و ظلم روا نہیں رکھتے تھے، وہ نہایت نرم

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۱۰، ص ۴۴۸　۲۔ مسند، ج ۴، ص ۲۶۹　۳۔ مسند، ج ۴، ص ۲۶۸　۴۔ ایضاً، ص ۱۷۸

دل اور رحیم تھے اور شورش کے مواقع پر سختی کے بجائے لطف و کرم سے کام لیتے تھے، مورخ طبری لکھتے ہیں:

كان حليما نا سكا يحب العافية — وہ بردبار، عابد، اور عافیت پسند تھے۔

مسلم بن عقیل کا واقعہ اور اس کے متعلق حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا خطبہ اوپر نقل ہو چکا قیس بن الہیثم کو ایک خط لکھا تو اس میں تحریر فرمایا ''تم نہایت بد بخت بھائی ہو، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ سے حدیث سنی تم نے نہ دیکھا نہ حدیث سنی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب بہت سے تیرہ و تار فتنے اٹھیں گے جن میں آدمی صبح کو مسلمان ہوگا تو شام تک کافر ہو جائے گا اور لوگ دنیا کی تھوڑی منفعت کے لیے اپنا مذہب بیچ ڈالیں گے۔(۱)

لیکن یہ نرمی طبع یہ نرم جبن و بزدلی کی نتیجہ نہ تھی وہ علم وہ حلم و تحمل میں جس طرح یکتا تھے شجاعت و بسالت میں بھی نظیر نہیں رکھتے تھے۔

سخاوت کا بھی یہی حال تھا۔حمص کے والی ہوئے تو اعشی ہمدانی پہنچا اور کہا کہ میں نے یزید سے مدد کی درخواست کی لیکن اس نے نہ سنی اب تمہارے پاس آیا ہوں کہ کچھ قرابت کا پاس کرو اور میرا قرض ادا کرو۔نعمان رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ نہ تھا، قسم کھا کر کہا میرے پاس کچھ نہیں پھر کچھ سوچ کر کہا ''ہنہ'' اور منبر پر کھڑے ہو کر ۲۰ ہزار کے مجمع میں ایک خطبہ دیا جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔

''لوگو! اعشی ہمدانی تمہارے ابن عم ہیں۔مسلمان اور عالی خاندان ہیں۔ان کو روپیہ کی ضرورت ہے اور تمہارے پاس اسی غرض سے وار ہوئے۔اب تمہاری کیا رائے ہے؟ تمام مجمع نے ایک زبان ہو کر کہا ''جو آپ کا حکم ہو''، نہیں دو شخصوں میں ایک دینار''۔سب نے منظور کیا تو کہا کہ سردست میں ان کو بیت المال سے دیے دیتا ہوں جب تنخواہ کا روپیہ برآمد ہوگا تو وضع کر لیا جائے گا۔حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے ۱۰ ہزار دینار (۵۰ ہزار روپیہ) دیئے، تو اعشی سراپا شکر و امتنان تھا۔''

چنانچہ حسب ذیل اشعار مدح میں کہے۔

فلم ار للحاجات عندی انكما شها

كنعمان اعنى ذالندى ابن بشير

حاجتوں کے پیش آنے کے وقت میں نے سخی نعمان بن بشیر کی طرح کسی کو نہیں دیکھا۔

اذاقال اونی بالمقال ولم یكن

كمدل الى الاقوال حيل غروے

جب وہ کچھ کہتے ہیں تو اپنے قول کو ایفا کرتے ہیں اس شخص کی طرح نہیں جو لوگوں کی طرح دھوکے کی ڈوری لٹکاتے ہیں۔

فلولا اخو الا نصار کنازل

ثوی لم ینقلب بنقیر

اگر یہ انصاری نہ ہوتے تو میں اس شخص کی طرح ہوتا جو کہیں اتر کر ٹھہرے اور کچھ لے کر نہ لوٹے

متی اکفر النعمان لم اك شاکرا

ولا خیر فیمن لم یکن بشکور

جب میں نعمان کا کفران کروں تو مجھ میں احسان مندی کا مادہ نہیں کہ جو شکر گذار نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں۔(۱)

۴۔حکیم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے لحاظ سے یہ دوسوانیس (۲۱۹) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مصیصی اگلے دوکوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (جعفر) کی دوسرے تابعی (حبیب) سے روایت ہے۔

☆ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ سے کل ایک سو چوبیس (۱۲۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں جبکہ سنن نسائی میں تیس (۳۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حبیب بن سالم سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا' حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

☆ سند میں تمام صیغے اتصال کے استعمال ہوئے ہیں کیونکہ عنعنہ سے روایت کرنے والا کوئی راوی مدلس نہیں ہے۔

۶۔لغات:

انا اعلم الناس: میں لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والا ہوں   میقات: وقت

عشاء الاخرۃ: دواندھیرے کی دوسری نماز عشاء   یصلیھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء ادا فرماتے

۱۔ سیر الصحابہ، ج ۳، ص ۵۳۹۔۵۴۶

سقوط: ڈوبنا غروب ہونا

القمر: چاند

ثلاثۃ: تیسری تیسری رات مراد ہے

۵۲۸۔أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ :حَدَّثَنَا عَفَّانُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ بَشِيرِ بْنِ ثَابِتٍ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ سَالِمٍ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ: وَاللَّهِ إِنِّي لَأَعْلَمُ النَّاسِ بِوَقْتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا لِسُقُوطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم میں نماز عشاء کے وقت کے بارے میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اسے تیسری رات کے چاند غروب ہونے میں پڑھتے تھے۔

۱۔مطابقت:

راجع: ۵۲۷

۲۔اطراف:

ایضاً

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گزر چکا ہے۔حضرت بشیر بن ثابت کے حالات زندگی لکھے جارہے ہیں:

۱۔عثمان بن عبداللہ: راجع ۱۵۵ — **۲۔عفان:** راجع: ۴۲۶

۳۔ابوعوانہ: راجع ۱۳۹ — **۴۔ابوبشیر:** راجع: ۵۱۹

۵۔بشیر بن ثابت:

آپ کا نام بشیر بن ثابت انصاری مدنی ہے آپ کا تعلق طبقہ غلاماں سے تھا آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں۔علامہ ابن حبان کہتے ہیں کہ بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کا نام بشر ذکر کیا ہے یہ صحیح نہیں ہے امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں اور تینوں ائمہ کرام نے یہی ایک حدیث مبارکہ روایت کی ہے۔(۱)

۶۔حبیب بن ثابت: راجع ۵۲۷ — **۷۔حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ:** ایضاً

۱۔ i۔تاریخ الدارمی، ص۱۹۴ ii۔الثقات، ج۶، ص۹۹

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے

۵۔ خصوصیات سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی ؒ میں سے ہے

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ نوے (۹۰) ویں حدیث مبارکہ ہے اور چوتھے سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دو راوی بصری' تیسرے واسطی اور آخری دونوں مدنی ہیں۔

☆ حضرت بشیر بن ثابت ﷺ سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے اور آپ ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ صحاح ستہ میں مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ' حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

راجع: ۵۲۷

مَا يُسْتَحَبُّ مِنْ تَأْخِيرِ الْعِشَاءِ

باب ۲۰: نمازِ عشاء دیر سے پڑھنے کا استحباب

جمہور فقہاء کے نزدیک تہائی رات تک نمازِ عشاء میں تاخیر کرنا مستحب ہے فقہاء احناف کے نزدیک آدھی رات تک تاخیر مندوب اور اس کے بعد طلوع فجر تک جواز ہے امام نسائی کا رجحان بھی جمہور فقہاء کی طرف ہے اس باب میں امام صاحب نے پانچ احادیث مبارکہ سے استخراج کیا ہے پچھلے باب میں شفق کے معنی کا بیان تھا اور اس باب میں عشاء تاخیر سے پڑھنے کے استحباب کا بیان ہے چونکہ غروب شفق پر ہی عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے اس طرح پچھلے باب میں ابتدائی وقت کا بیان تھا اور اس باب میں وقت مستحب کا بیان ہے۔

۵۲۹۔ أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :أَنْبَأَنَا عَبْدُ اللَّهِ، عَنْ عَوْفٍ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ :دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي :أَخْبِرْنَا كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ؟ قَالَ :كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ، وَكَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ - قَالَ :وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ -قَالَ :وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ تُؤَخَّرَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ . قَالَ :وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ، وَكَانَ يَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ

حضرت سیار بن سلامہ بیان کرتے ہیں:
میں اپنے والد گرامی کے ساتھ حضرت ابو برزہ اسلمی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا میرے والد محترم نے ان سے پوچھا آپ ہمیں بتلائیے آقا کریم ﷺ فرض نمازیں کیسے پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آقا کریم ﷺ ظہر کی نماز جسے تم پہلے پیشین کی نماز کہتے ہو اس وقت ادا فرماتے جب سورج ڈھل جاتا تھا اور عصر کی نماز پڑھتے جب کہ ہم میں سے کوئی شخص مدینہ منورہ کے اطراف میں اپنے گھر کو چلا جاتا دراں حالانکہ سورج ابھی خوب چمک رہا ہوتا تھا۔ راوی کہتے ہیں انہوں نے مغرب کے بارے میں کیا بتلایا تو انہوں نے فرمایا یہ میں بھول گیا ہوں آقا کریم ﷺ عشاء کی نماز جسے تم اندھیرے کی نماز کہتے ہو دیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ اور آپ ﷺ نماز سے پہلے سونا اور بعد میں بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ آقا کریم ﷺ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو آدمی اپنے ہم نشیں کو پہچان لیتا تھا اور آپ ﷺ ساٹھ سے سو آیات تلاوت فرماتے تھے۔

مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس درمیانی حصہ کے اس جملہ میں ہے:

کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز دیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے۔

اطراف:

راجع: ۴۹۴

تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہے، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔سوید بن نصر: راجع: ۵۵　　**۲۔عبداللہ:** راجع: ۲۳۹

۳۔عوف: راجع: ۵۷　　**۴۔سیار بن سلامہ:** راجع ۴۹۴

۵۔حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ: ایضاً

حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سونوے (۱۹۰) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے دوراوی مروزی اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور صحابی کی یہ کنیت نہیں ہے اور آپ نام کی بجائے کنیت سے مشہور ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، انبأنا قال ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۴۹۴

۵۳۰۔ أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ، وَيُوسُفُ بْنُ سَعِيدٍ، وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَا: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ: أَيُّ حِينٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ: أَنْ أُصَلِّيَ

حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا آپ کو کون سا وقت پسند ہے؟ جس میں میں عشاء کی نماز پڑھوں خواہ

الْعَتَمَةَ إِمَامًا أَوْ خِلْوًا؟ قَالَ :سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ بِالْعَتَمَةِ حَتَّى رَقَدَ النَّاسُ وَاسْتَيْقَظُوا وَرَقَدُوا وَاسْتَيْقَظُوا، فَقَامَ عُمَرُ فَقَالَ :الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ -قَالَ عَطَاءٌ :-قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :خَرَجَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى شِقِّ رَأْسِهِ .قَالَ - :وَأَشَارَ فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ - فَأَوْمَأَ إِلَيَّ كَمَا أَشَارَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَبَدَّدَ لِي عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ بِشَيْءٍ مِنْ تَبْدِيدٍ، ثُمَّ وَضَعَهَا فَانْتَهَى أَطْرَافُ أَصَابِعِهِ إِلَى مُقَدَّمِ الرَّأْسِ، ثُمَّ ضَمَّهَا يَمُرُّ بِهَا كَذَلِكَ عَلَى الرَّأْسِ حَتَّى مَسَّتْ إِبْهَامَاهُ طَرَفَ الْأُذُنِ مِمَّا يَلِي الْوَجْهَ، ثُمَّ عَلَى الصُّدْغِ وَنَاحِيَةِ الْجَبِينِ لَا يُقَصِّرُ وَلَا يَبْطُشُ شَيْئًا إِلَّا كَذَلِكَ، ثُمَّ قَالَ :لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ لَا يُصَلُّوهَا إِلَّا هَكَذَا

امامت کرواؤں یا اکیلے پڑھوں؟ انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ ایک رات آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو مؤخر کیا یہاں تک کہ لوگ سو گئے پھر جاگے پھر سو گئے پھر جاگے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کی (اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نماز (یعنی نماز کیلئے تشریف لائے) حضرت عطاء نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے گویا کہ وہ منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرانور سے پانی ٹپک رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ اپنے سر کی ایک جانب رکھا ہوا تھا اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اشارہ کر کے بتلایا میں ابن (جریج) نے حضرت عطاء سے مزید وضاحت چاہی کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پر ہاتھ کیسے رکھا ہوا تھا؟ حضرت عطاء نے میرے سامنے ویسے ہی اشارہ کیا جیسے ان کے سامنے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ پس حضرت عطاء نے اپنی انگلیوں کو ذرا کھول کر سر پر رکھا آپ کی انگلیوں کے پورے سر کے اگلے حصہ پر آ گئے اس طرح پھر انہیں ملا کر سر پر پھیرا کہ انگوٹھے نے کان کی لو کو چھوا جس طرف سے کان چہرہ کے قریب ہے کنپٹی پر اور پیشانی ایک کونے پر گئے وہ (عطاء) اس میں کمی بیشی نہیں کرتے تھے بلکہ بالکل اسی طرح پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں اسی وقت نماز عشاء پڑھنے کا حکم دیتا۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مقدم: ۵۳۱، بخاری ۵۷۱، ۲۳۹، ۷ صحیح مسلم: ۶۶۲ ۔ ۶۳۹، الرقم المسلسل: ۱۴۲۵ ۔ ۱۴۱۹، سنن ابو داؤد: ۴۲۰ مسند الحمیدی: ۴۹۲، مسند ابو یعلی: ۲۳۹۸، صحیح ابن خزیمہ: ۴۴۲، سنن دارمی: ۱۲۱۵، صحیح ابن حبان: ۱۵۳۳، مصنف عبد الرزاق: ۲۱۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۳۱، المعجم الکبیر: ۱۱۳۹۰، مسند احمد، ج ۱، ص ۲۲ طبع قدیم، مسند احمد: ۱۹۲۶، ج ۳، ص ۴۰۳

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔ابراہیم بن حسن:	راجع: ۶۵	۲۔یوسف بن سعید:	راجع: ۱۹۷
۳۔حجاج:	راجع: ۳۲	۴۔ابن جریج:	ایضاً
۵۔عطاء:	راجع: ۱۵۴	۶۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما:	راجع: ۱۳۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اکیانوے (۱۹۱) ویں حدیث مبارکہ ہے

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ حضرت یوسف سے روایت لینے میں امام نسائی منفرد ہیں اور حضرت ابراہیم امام نسائی کے علاوہ امام ابو داؤد اور ترمذی بھی روایت کرتے ہیں جبکہ باقی راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت لیتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی مصیصی اور آخری تین مکی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس مفسر قرآن اور حبر الامۃ کے لقب سے مشہور ہیں آپ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے بھی ہیں آپ سے ایک ہزار چھ سو چھیانوے (۱۶۹۶) احادیث مبارکہ مروی ہیں آپ طائف میں وفات پانے والے آخری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، حدثنا، عنعنہ، قال اور سمعت ایک ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

قلت لعطاء : میں نے حضرت عطا رضی اللہ عنہ سے پوچھا ای حین؟: کون ساوقت؟

احب الیك: آپ کا پسندیدہ ہے ان اصلی: میرانماز پڑھنا

العتمة: اندھیرا عشاء اماما: امامت کروانے کی حالت

خلوا: اکیلا نماز پڑھنے والا

اعتم رسول الله: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر فرمائی

ذات لیلة: ایک رات، رات کا کچھ حصہ رقدالناس: لوگ سو گئے

استیقظوا: وہ جاگے

قام عمر : حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے

خرج نبی الله: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔

کانی انظر الیك: گویا کہ میری آنکھیں آپ کا نظارہ کر رہی ہیں۔

یقطر راسه مآء: آپ کے سرِ انور سے پانی ٹپک رہا تھا۔

واصغا یده: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔

شق: جانب اشار: اس نے اشارہ کیا۔

استثبت: میں نے مزید وضاحت چاہی۔

اومالی: انہوں نے مجھے اشارہ سے سمجھایا۔

بدّدلی: انہوں نے میرے لئے علیحدہ کیا۔ بین اصابعه: اپنی انگلیوں کے درمیان

فانتهی: وہ پہنچی اطراف: کنارے

مقدمه: آگے صنم: انہوں نے ملایا

یمّر: انہوں نے پھیرا کذلك: اسی طرح

حتی مست : یہاں تک کہ اس نے چھوا۔ البهاماه ان کے دونوں انگوٹھے

طرف الاذن: کانوں کی لو مایلی الوجه: جو چہرہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

الصدغ: کنپٹی الجبین: پیشانی ماتھا

لایقصر:	انہوں نے کمی نہ کی	لایبطش:	انہوں نے زیادتی نہ کی
لو لا:	اگر نہ ہوتا	ان اشق:	مشکل میں پڑنا۔گراں گزرنا
امتی:	میری امت	لامرتھم:	میں انہیں حکم دینا
ھکذا:	اسی طرح		

۵۳۱۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ الْمَكِّيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّى ذَهَبَ مِنَ اللَّيْلِ، فَقَامَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَنَادَى :الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، رَقَدَ النِّسَاءُ وَالْوِلْدَانُ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمَاءُ يَقْطُرُ مِنْ رَأْسِهِ وَهُوَ يَقُولُ :إِنَّهُ الْوَقْتُ، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء کی نماز کافی مؤخر کی یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ بیت گیا پھر حضرت عمر فاروق نے کھڑے ہوکر گزارش کی! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نماز کے لئے تشریف لایئے عورتیں اور بچے سوگئے ہیں پس آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور پانی کے قطرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمبارک سے ٹپک رہے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے۔یہ نماز عشاء کی ادائیگی کا وقت اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عشاء دیر سے پڑھنا پسند تھا' یہی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے

۲۔اطراف:

راجع:۵۳۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

ا۔محمد بن منصور مکی:	راجع:۲۱	۲۔سفیان:	راجع:۱۲۵
۳۔عمرو:	راجع:۱۵۳	۴۔ابن جریج:	راجع:۳۲
۵۔عطاء:	راجع ۱۵۳	۶۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:	راجع ۱۳۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو بانوے (۱۹۲) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی مکی ہیں یہ خصوصیت بہت کم اسناد میں ہے کہ تمام راویوں کا تعلق ایک ہی علاقہ سے ہو۔

☆ ''وعن ابن جریج'' کا عطف ''عن عمرو'' پر ہے جس کا مفہوم ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ یہ حدیث مبارکہ دو شیوخ حضرت عمرو بن دینار اور حضرت ابن جریج سے سماعت کی ہے۔

☆ سند میں تحویل ہے جو کہ سند کی تقویت کی علامت ہے اور بعض کے نزدیک یہ سند کی کمزوری ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چھ دفعہ استعال ہوا ہے یہ غالباً سنن نسائی کی پہلی روایت ہے جس میں عنعنہ چھ دفعہ آیا ہے۔

۶۔ لغات:

راجع: ۵۳۰

۵۳۲۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ سِمَاكٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز دیر سے پڑھا کرتے تھے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے

۲۔ اطراف:

مسلم: ۶۴۳، احمد: ۲۰۸۶۸، تحفۃ الاشراف: ۲۱۷۰

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں جس میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی سپرد قلم کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ قتیبہ: راجع: ۱۱۸　　**۲۔ ابوالاحوص:** راجع ۹۶

۲۔سماک:　　راجع: ۳۲۴

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام حضرت جابر بن سمرہ سوائی رضی اللہ عنہ (م: ۷۰ھ) ہے آپ خود بھی صحابی ہیں اور آپ کے والد گرامی بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے شہر کوفہ میں وفات پائی ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆　یہ روایت رباعیات امام نسائی میں سے ہے۔

☆　رباعیات کے اعتبار سے یہ اکیس (۲۱) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆　رباعیات امام نسائی کی اعلیٰ ترین سند ہے۔

☆　سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆　سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے کوفی ہیں۔

☆　سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆　حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے، آپ صحابی ابن صحابی ہیں۔

☆　سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یئوخر:　آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر کرتے تھے۔　　العشاء: اندھیری۔رات، نمازِ عشاء مراد ہے

الاخرۃ:　دوسری۔(پہلی نماز مغرب، اور دوسری عشاء ہے۔

۱۔　i۔تقریب التہذیب، ج،ص ۱۲۷　　ii۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج ۷، ص ۷۶

۵۳۳۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنْ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر مجھے امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا، تو میں انہیں عشاء کی نماز دیر سے پڑھنے، اور ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے:

۲۔اطراف:

مسلم:۲۵۲،ابوداؤد:۴۶،ابن ماجہ:۶۹۰،احمد:۷۴۲۶،تحفۃ الاشراف:۱۳۶۷۳،

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں،ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

ا۔محمد بن منصور:	راجع:۲۱	۲۔سفیان:	راجع:۱۲۵
۳۔ابوالزناد:	راجع:۲۲۱	۴۔اعرج:	راجع:۷
۵۔حضرت ابوہریرہ:	راجع:۱۱۰		

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایتِ خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سوترانوے (۱۹۳) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ شیخ محمد بن منصور جواز سے روایت لینے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ منفرد ہیں۔

☆ سند کے پہلے دوراوی مکی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی کی دوسرے تابعی سے روایت ہے، کیونکہ حضرت ابوالزناد اور امام اعرج دونوں تابعی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت، اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لولا :	اگر نہ ہوتا	ان اشق :	مشکل میں پڑنا
لامر تهم :	میں انہیں ضرور حکم دیتا	تاخیر :	دیر
العشاء:	نمازِ عشاء:	السواك:	مسواک
عند كل صلاة:	ہر نماز کے وقت		

آخِرُ وَقْتِ الْعِشَاءِ — باب ۲۱: نمازِ عشاء کا آخری وقت

نمازِ عشاء کا افضل وقت تہائی رات تک ہے، مندوب وقت آدھی رات ہے دن اور وقتِ جواز طلوع فجر تک ہے، ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ نمازِ عشاء کی ادائیگی کا آخری وقت طلوع فجر سے پہلے تک ہے البتہ امام نسائی کا رجحان اس طرف کہ عشاء کا آخری وقت رات ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پانچ احادیثِ مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں عشاء کو موخر کر کے پڑھنے کے استحباب کا بیان تھا، اور اس باب میں آخری وقت کا بیان ہے، اس طرح دونوں ابواب میں نمازِ عشاء کے اوقات کے بارے میں ہیں، یہی باب کی باب کے ساتھ مناسبت ہے۔

۵۳۴۔أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ قَالَ :حَدَّثَنَا ابْنُ حِمْيَرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَبْلَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَأَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ قَالَ :حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ شُعَيْبٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِالْعَتَمَةِ، فَنَادَاهُ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ :مَا يَنْتَظِرُهَا غَيْرُكُمْ. وَلَمْ يَكُنْ يُصَلِّي يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ، ثُمَّ قَالَ: صَلُّوهَا فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَاللَّفْظُ لِابْنِ حِمْيَرٍ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات نمازِ عشاء میں تاخیر فرمائی حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باآواز بلند گذارش کی، عورتیں اور بچے سو گئے ہیں پس آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا: ابھی تمہارے علاوہ کوئی اور اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا، (اور ان دنوں میں اہل مدینہ کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھتا تھا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نماز کو سفیدی (شفق) غائب ہونے سے تہائی رات کے درمیان پڑھو۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی وضاحت:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث کے الفاظ حضرت محمد بن حمید کے ہیں۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:

اس نماز (عشاء) کو سفیدی (شفق) غائب ہونے سے تہائی رات تک پڑھو۔

چونکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس طرح ہے کہ نمازِ عشاء کا آخری وقت تہائی رات ہے، اس لیے یہ نمازِ عشاء کا آخری وقت ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۵۶۶، ۵۶۹، ۸۶۲، ۸۶۴، تعمۃ الباری، ج ۲، ص ۴۰۶، صحیح مسلم: ۲۳۸، الرقم المسلسل: ۱۴۱۶، السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۸۹، سنن دارمی: ۱۲۱۳، صحیح ابن حبان: ۱۵۳۵، مسند لاشامیین: ۳۰۹۵۔۷۶، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۳۷۴، شرح السنۃ: ۳۷۵، مسند احمد، ج ۶، ص ۳۴، طبع قدیم، مسند احمد، ج ۴۰، ص ۲۵، موسسۃ الرسالۃ بیروت جامع المسانید لابن الجوزی: ۲۱۲: ۷۷

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، باقی تین شیوخ حضرت عمر بن عثمان، محمد بن حمیر اور ابراہیم بن ابی عبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی سرگذشتِ حیات لکھی جاتی ہے۔

ا۔عمرو بن عثمان:

آپ کا نام ابوحفص عمرو بن عثمان بن سعید بن کثیر بن دینار قریشی حمصی (م ۲۰۵ھ) ہے، آپ روات کے دسویں طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں۔ امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آپ ابن صفی سے بڑے حافظ الحدیث تھے، میں آپ کو ابن صفی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ پسند کرتا ہوں، امام بو داؤد نسائی اور ابن ماجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے پینسٹھ (۶۵) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔ (۱)

۲۔محمد بن حمیر:

آپ کا نام ابوعبدالحمید محمد بن حمیر بن انیس قضاعی سلیحی حمصی (م: ۲۰۰ھ) ہے بعض نے آپ کی کنیت ابوعبداللہ لکھی ہے آپ روات کے نویں طبقہ سے ثقہ صدوق راوی ہیں، آپ کی امام احمد بن حنبل، ابن معین، علامہ دخیم، محمد بن یعقوب، امام مرحیہ، امام نسائی، ابن حبان دارقطنی، اور ابن قانع نے تعدیل فرمائی ہے، امام بخاری، ابوداؤد (المرسل)، نسائی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ

ا۔ ا۔الثقات، ج ۸، ص ۴۸۸ ۱۱۔الجرح والتعدیل، ج ۶، ص ۴۴۹

آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے سات (۷) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۳۔ ابراہیم بن ابی عبلہ:

آپ کا نام ابو اسماعیل ابراہیم بن ابی عبلہ شمر بن لقظان بن عبداللہ مرتحل رملی دمشقی شامی (م: ۱۵۲ھ ت) ہے بعض نے کنیت ابو سعید ذکر کی ہے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں آپ کی ثقاہت پر اہل علم متفق ہیں، امام ترمذی کے علاوہ ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، ایک یہی حدیث الباب اور دوسری حدیث نمبر ۳۵۶۰ ہے۔

اہل علم کے توصیفی کلمات:

حضرت ابراہیم بن ابی عبلہ کے بارے میں علماء کرام کے بہت سارے توصیفی کلمات ہیں، جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

۱۔ امام ابن مذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ ثقہ راویوں میں سے ہیں۔

۲۔ علامہ مذہبی فرماتے ہیں:

آپ بہت شان والے انسان تھے۔

۳۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ کی طرف اسناد کے طرق بہت مشکل ہیں، لیکن آپ ثقہ ہیں، آپ ثقات کی اور ثقات آپ کی مخالفت نہیں کرتے ہیں۔

۴۔ امام منرہ بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے آپ سے زیادہ کسی کو فصیح و بلیغ نہیں پایا۔

۵۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

آپ کا حضرت عبداللہ بن عمر سے سماع ثابت ہے۔

۶۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا اپنا قول نقل فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو جمعہ والے دن وعظ (تختی کہتے ہوئے دیکھا تھا۔

۱۔ i۔ العلل، ج ۲، ص ۲۶ ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۷، ص ۲۳۹ iii۔ الثقات، ج ۷، ص ۴۴۱

iv۔ سوالات برقانی، ص ۴۲۶

۷۔ علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ اہل شام میں سے تابعی ثقہ راوی ہیں، آپ کی بیان کردہ احادیث کو جمع کیا جاتا ہے۔

۸۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں:

آپ ثقہ فاضل راوی ہیں، آپ ادب و معرفت کے پیکر اور بہت اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں۔(۱)

۴۔عثمان بن سعید: راجع:۸۵ **۵۔شعیب:** ایضاً

۶۔زھری: راجع:۱۱۶ **۵۔عروہ:** راجع:۱۴۶

۸۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: راجع:۱۱۲

۴۔حکم روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسوبیس (۲۲۰) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث مبارکہ دوطریقوں سے روایت کی ہے جوکہ حسب ذیل ہے:

۱۔ عمرو بن عثمان، از محمد بن حمید، از ابراہیم بن ابی عبلہ، از زہری

۲۔ عمرو بن عثمان، از عثمان، از شعیب بن ابی حمزہ، از زہری۔

☆ سند میں تحویل اس کی تقویت کی علامت ہوتی ہے۔

☆ سند کے پہلے پانچ راوی شامی، اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ یہ بیٹے (عمرو) کی باپ (عثمان) سے اور بھانجے (عروہ) کی اپنی خالہ (حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عمرو بن عثمان، محمد بن حمیر اور ابراہیم بن ابی عبلہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

۱۔ i۔تاریخ الدوری، ج۲،ص۱۱ ii۔میزان الاعتدال، ج۱،ص۴۷ iii۔تہذیب الکمال، ج۲،ص۱۴۳

iv۔تاریخ بغداد، ج۶،ص۱۳۳

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، اور آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ اداء روایت اخبرنی دو دفعہ، صیغہ تحدیث تین دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اعتم رسول الله ﷺ: آقا کریم ﷺ نے اندھیر کیا، یعنی دیر فرمائی۔

لیلة: ایک رات الععمة: اندھیری۔عشاء کا نام ہے۔

فناداه عمر: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کا پکارا۔

نامر النآء: عورتیں سوگئی۔ الصبیان: بچے

خرج: آپ ﷺ باہر تشریف لائے

قال: آپ ﷺ نے فرمایا ماینتظر ھا: کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کر رہا۔

غیر کم: تمہارے علاوہ لم یکن: کوئی نہیں تھا۔

یصلی: وہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے۔

یو مئذ: ان دنوں، اس وقت۔اس دن

بالمدینة: مدینہ منورہ صلوھا: تم اسے پڑھو

مابین: جو درمیان ان یغیب: غائب ہونا

اشفق: سفیدی اور بعض کے نزدیک ایک سرخی

ثلث اللیل: تہائی رات

۵۳۵۔أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْحَسَنِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ، وأَخْبَرَنِي يُوسُفُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي الْمُغِيرَةُ بْنُ حَكِيمٍ، عَنْ أُمِّ كُلْثُومِ ابْنَةِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّى ذَهَبَ عَامَّةُ اللَّيْلِ، وَحَتَّى نَامَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى وَقَالَ: إِنَّهُ لَوَقْتُهَا لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے:

آقا کریم ﷺ نے ایک رات عشاء کی نماز ادا کرنے میں دیر فرمائی، یہاں تک کہ رات کا زیادہ حصہ گذر گیا، اور مسجد میں موجود نمازی سونے لگے، پھر آپ ﷺ تشریف لائے، نماز پڑھائی اور فرمایا: بے شک اس نماز (عشاء) کا وقت (مستحب) یہی ہے: اگر مجھے اپنی امت پر ہر مشکل کا خوف نہ ہوتا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

آقا کریم ﷺ رات کا زیادہ حصہ گزارنے کے بعد تشریف لائے۔

اس عبارت کے دو مفہوم ہیں:

ا۔ اکثر رات سے مراد تہائی رات ہے، جیسا کہ دوسری احادیث مبارکہ میں اس کی صراحت ہے، اور خود حدیث میں: انہ لو قتھا سے مستحب وقت کی طرف اشارہ ہے، اور تمام ائمہ کے نزدیک مستحب وقت تہائی رات ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔(۱)

۲۔ اس عبارت سے مراد آدھی رات کے بعد کا وقت ہے، تو اس سے وقتِ جواز مراد ہے، جیسا کہ فقہاء احناف کا موقف ہے۔

امام نسائی کا رجحان ہے موقف کی جانب ہے، اس طرح اس سے مراد تہائی رات ہے اور یہی اس نماز کا مستحب وقت اخیر ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصوب

۲۔اطراف:

مسلم: ۶۳۸، احمد: ۲۵۲۲۷، تحفۃ الاشراف: ۱۷۹۸۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی اور دو روایات ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گذر چکا ہے، ایک راوی حضرت مغیرہ بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایہ حضرت ام کلثوم بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی لکھے جاتے ہیں:

ا۔ابراہیم بن الحسن:	راجع: ۶۴	**۲۔یوسف بن سعید:**	راجع: ۱۹۷
۳۔حجاج:	راجع: ۳۲	**۴۔ابن جریج:**	ایضاً

۵۔مغیرہ بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام مغیرہ بن حکیم صنعانی انباولی ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں امام بخاری (تعلقاً) مسلم، ترمذی نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو ہی احادیث مبارکہ مروی ہیں ایک یہی حدیث الباب اور دوسری حدیث نمبر ۲۹۷۹ مروی ہے۔

ا۔ شرح مسلم نوری، ج ۵، ص ۱۳۸

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وثوق:

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کیا شہد پر بھی زکوٰۃ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: مجھے حضرت مغیرہ بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا ہے کہ شہد پر زکوٰۃ نہیں ہے، اور آپ نے اس کا تحریری حکم بھی دیا۔(۱)

۶۔ام الکلثوم بنت ابی بکر صدیقہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا نام ام کلثوم بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا ہے، آپ کی ولادت سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تھا، آپ کی والدہ کا نام حضرت حبیبہ بنت خارجہ رضی اللہ عنہا ہے، آپ رواۃ کے دوسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، امام بخاری (ادب المفرد) مسلم، نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی اور ابن ماجہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، ایک یہی حدیث الباب اور دوسری حدیث نمبر ۲۳۲۸ ہے۔(۲)

۷۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ رویت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دو سو اکیس (۲۲۱) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے تین راوی مصیصی، چوتھے مکی، پانچویں صنعانی اور آخری دو مدنی روایات ہیں۔

☆ حضرت مغیرہ اور ام کلثوم سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہیں، دونوں سے صرف دو دو احادیث مبارکہ اس کتاب میں مروی ہیں۔

☆ یہ تابعی (مغیرہ) کی تابعیہ (ام کلثوم) سے روایت ہے۔اور پھر یہ بہن کی بہن سے روایت ہے۔

☆ سند میں تحویل ہے جو کہ سند کی تقویت کی علامت ہے، اور بعض کے نزدیک یہ ضعف کی علامت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت صیغہ اخبار چار دفعہ، حدثنا دو دفعہ، عنعنہ تین دفعہ اور قال ایک دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۸،ص۲۲۰　ii۔تاریخ الثقات، ص۴۳۶　iii۔الثقات، ج۵،ص۴۰۶

۲۔ i۔تقریب التہذیب، ج۲،ص۵۳۵　ii۔ذخیرۃ العقبیٰ، ج۷،ص۸۶

۶۔لغات:

حتی ذھب: یہاں تک کہ چلا گیا۔ چلی گئی۔ گذر گئی۔

عامة اللیل: رات کا اکثر حصہ۔ کافی رات

۵۳۶۔أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَنْبَأَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعِشَاءِ الْآخِرَةِ، فَخَرَجَ عَلَيْنَا حِينَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ أَوْ بَعْدَهُ فَقَالَ حِينَ خَرَجَ: إِنَّكُمْ تَنْتَظِرُونَ صَلَاةً مَا يَنْتَظِرُهَا أَهْلُ دِينٍ غَيْرُكُمْ، وَلَوْلَا أَنْ يَثْقُلَ عَلَى أُمَّتِي لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هَذِهِ السَّاعَةَ، ثُمَّ أَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَأَقَامَ ثُمَّ صَلَّى

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

ایک رات ہم کافی دیر تک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تہائی رات یا اس کے بھی بعد تشریف لائے، اور آتے ہی فرمایا: بے شک تم ایسی نماز کا انتظار کر رہے ہو، جس کا انتظار تمہارے علاوہ کسی اور دین والے نہیں کیا، اگر میری امت پر اس کا پڑھنا بوجھل نہ ہوتا تو میں انہیں اسی وقت نماز پڑھاتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موذن کو حکم دیا اس نے اقامت کہی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی رات یا اس کے بعد نماز پڑھائی۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سے مقصود نمازِ عشاء کا آخری وقت (مستحب) بیان کرنا ہے، یہی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم: ۶۳۹، ابوداؤد: ۴۲۰، احمد: ۵۶۱۵، تحفة الاشراف: ۷۶۴۹

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

ا۔اسحاق بن ابراہیم: راجع: ۱۲۸ ۲۔جریر: راجع: ۲

۳۔منصور: ایضاً ۴۔حکم: راجع:۲۵۵

۵۔نافع: راجع:۲۵۹ ۶۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما: راجع:۱۱۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے۔امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ حدیثِ مبارکہ سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو بائیس (۲۲۲) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ سداسیات، میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، اجل، نبلاء ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں البتہ امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے ابن ماجہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری، اگلے تین کوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ یہ روایت تابعی (حکم) کی دوسرے تابعی (ابن عمر) سے ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فقہاء عبادلہ اربعہ اور مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

مکثنا: ہم ٹھہرے رہے۔ تنتظر: ہم انتظار کرنے والے تھے۔

اھل دین: دین والے ان یثقل: بوجھل ہونا گراں ہونا

لصلیت بھم: میں انہیں ضرور نماز پڑھاتا۔ ھذہ الساعة: اس وقت

۵۳۷۔ أَخْبَرَنَا عِمْرَانُ بْنُ مُوسَى قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ :حَدَّثَنَا دَاوُدُ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ :صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ لَمْ يَخْرُجْ إِلَيْنَا حَتَّى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ، فَخَرَجَ فَصَلَّى بِهِمْ، ثُمَّ قَالَ :إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَنَامُوا، وَأَنْتُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ، وَلَوْلَا ضَعْفُ الضَّعِيفِ وَسَقَمُ السَّقِيمِ لَأَمَرْتُ بِهَذِهِ الصَّلَاةِ أَنْ تُؤَخَّرَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان:
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات تک گھر سے باہر تشریف نہ لائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور نماز پڑھائی، پھر فرمایا: بلاشبہ لوگوں نے نماز پڑھی اور سو گئے اور تم جتنی دیر نماز کا انتظار کرتے رہے، نماز میں ہی تھے، اگر مجھے کمزوروں اور بیماروں کا خیال نہ ہوتا، تو میں اس نماز (عشاء) کو آدھی رات تک موخر کرنے کا حکم دیتا۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت حسب ذیل ہے:

میں اس نماز کو آدھی رات تک موخر کرنے کا حکم دیتا۔

اس سے واضح ہوا کہ نماز آدھی رات تک موخر کرنا جائز ہے، اور یہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے رجحان کے مطابق نمازِ (عشاء) کا آخری وقت ہے۔ یہی حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت ہے۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد:۴۲۲،،ابن ماجہ:۶۹۳،احمد:۱۱۰۱۵،تحفۃ الاشراف:۴۳۱۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت داؤد اور ابونضرہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی سپرد قلم کیے جاتے ہیں۔

۱۔عمران بن موسیٰ: راجع:۶ **۲۔عبدالوارث:** راجع:۱۶۲

۳۔داؤد بن دینار رحمۃ اللہ علیہ:

نام ونسب:

داؤد نام، ابوبکر کنیت، طہمان القسیری کے غلام تھے۔ اصل وطن سرخس تھا، لیکن بصرہ میں سکونت اختیار کی۔

فضل وکمال:

داؤد کا پیشہ خیاطی تھا۔(۱)، لیکن یہ پیشہ انہیں تحصیل علم اور کسب کمائی سے نہ روک سکا، انہوں نے خیاطی کے ساتھ قرآن، حدیث اور فقہ میں اتنا کمال کرلیا کہ حافظ ذہبی انہیں امام حافظ اور مفتی لکھتے ہیں۔(۲)

تعلیم القرآن:

قرآن کے ساتھ انہیں خاص شغف تھا، اس شغف کا باعث ایک خاص واقعہ ہوا جو خود انہی کی زبان میں یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ طاعون میں مبتلا ہوا، بے ہوشی کی حالت میں مجھے نظر آیا کہ میرے پاس دو آدمی آئے ہیں، ان میں سے ایک نے میری زبان کی جڑ کو اور دوسرے نے میرے تلوے کو دبا کر ایک نے دوسرے سے پوچھا کیا چیز معلوم ہوتی ہے دوسرے نے جواب دیا تسبیح تکبیر اور کچھ مسجد کی طرف چلنا اور تھوڑی سی قرآن کی قرات میں نے اس وقت تک قرآن حاصل نہ کیا تھا، بیماری سے اٹھنے کے بعد ہم تن تعلیم قرآن کی طرف متوجہ ہوگیا اور اس کو حاصل کرلیا۔(۳)

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقہ کثیر الحدیث، حافظ ذہبی امام حافظ اور ثبت لکھتے ہیں، (٦) ایضا، حدیث میں انہوں نے ابو العالیہ سعید بن میسب ابوعثمان نہدی شعبی عکرمہ، عزرہ بن عبدالرحمٰن، محمد بن سیرین، ابولزبیر، مکحول شامی وغیرہ سے سماع کیا تھا اور شعبہ ثوری، مسلمہ بن علقمہ ابن جریج، حماد، وہیب بن خالد، عبدالوارث ابن سعید، عبدالووارث ابن سعید، عبدالاعلیٰ، ابن الاعلی یحییٰ القطان، یزید بن زریع اور یزید بن ہارون وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔(۴)

ان کے مرویات کی تعداد دوسو تک پہنچتی ہے۔(۵)، کیفیت کے اعتبار سے ان کی مرویات کے متعلق آئمہ فن کی یہ رائے تھی، امام احمد ابن حنبل فرماتے تھے کہ وہ ثقہ ہے، ایک مرتبہ کسی نے داؤد کے بارے میں آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا: داؤد جیسے شخص کے متعلق بھی پوچھنے کی ضرورت ہے۔(٦)، ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقنین فی الروایہ میں تھے۔(۳) ایضاً، عجلی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ جید الاسناد اور رفیع تھے۔(۴) ایضاً، ان کی روایات صحاح کی تمام کتابوں میں ہیں۔

فقہ:

ان کے تفقہ کے لیے یہ سند کافی ہے کہ بصرہ جیسے علمی مرکز کے مفتی تھے۔(۷)

قوت استدلال:

اس علم کے ساتھ ان کا دماغ نہایت عقلی تھا، قوت استدلال ایسی زبردست تھی کہ بڑے سے بڑے معترضین کو دو جملوں

۱۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۲۰۴ ۲۔ تذکرہ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۳۱ ۳۔ ابن سعد، ج ۷، ص ۲۰
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۳۱ ۵۔ تہذیب الکمال، ص ۱۱ ٦۔ تہذیب التہذیب، ج ۳، ص ۲۰۴
۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۱۳۱

میں خاموش کر دیتے تھے۔ایک مرتبہ شام گئے، وہاں غیلان قدری سے ملاقات ہوئی اس نے کہا میں آپ سے چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں، آپ نے جواب دیا تم پچاس مسائل پوچھ سکتے ہو، لیکن مجھے دوسوالوں کی اجازت دو غیلان نے کہا فرمائیے۔

آپ نے سوال کیا خدا نے انسان کو سب سے افضل کون سے شے عطا کی ہے۔غیلان نے کہا عقل۔فرمایا اچھا بتاؤ عقل اختیاری شے ہے کہ جس کا دل چاہے لے اور جس کا دل چاہے نہ لے، یا خدا کی جانب سے تقسیم ہوتی ہے غیلان ان چند جملوں کو سن کر خاموشی سے چلا گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

اس وقت داؤد نے کہا عقل ہی کی طرح خدا نے ایمان و مذہب ہر شے تقسیم فرمائی ہے۔خدا ہی کی قوت اصل ہے۔(۱)، اور جب تمام امور خدا کی طرف سے ہوئے تو پھر قدر کہاں رہ گیا۔

عمل:

اس علم کے ساتھ داؤد نے عمل کی دولت سے بھی وافر حصہ پایا تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ اس فی العلم والعمل تھے۔ (۲)، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں وہ صالح آدمی تھے (۳)، راستہ چلتے بھی خدا کا ذکر جاری رہتا (۴)، چالیس سال تک مسلسل روزے رکھے اور لوگوں کو خبر تک نہ ہونے پائی، صبح کو گھر سے کھانا لے کر دکان پر چلے جاتے اور راستہ میں اس کو خیرات کر دیتے تھے اور شام کو گھر واپس ہو کر افطار کرتے تھے (۵)

وفات:

۱۳۹ھ میں حج سے واپسی پر راستہ میں وفات پائی۔(۶)(۷)

۴۔ابونضرہ:

آپ کا نام ابونضرہ منذر مالک بن قطعہ عبدی عوقی بصری (م: ۱۰۸، ۱۰۹ھ) ہے، آپ کنیت سے مشہور ہیں، آپ رواۃ کے تیسرے طبقہ سے ثقہ، تابعی کثیر الحدیث راوی ہیں، ائمہ جرح وتعدیل پر متفق ہیں، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ائمہ صحاح ستہ آپ سے رویت کرتے ہیں، البتہ امام بخاری نے تعلقاً روایت کیا ہے سنن نسائی میں آپ سے بائیس (۲۲) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

حضرت ابونضرہ کے بارے میں تعریفی کلمات:

حضرت ابونضرہ کے بارے میں علماء کرام کے توصیفی کلمات حسب ذیل ہیں:

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۳۱ ۲۔ ایضاً، ص۱۳۱ ۳۔ تہذیب التہذیب، ج۳، ص۲۰۴
۴۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۱۳۲ ۵۔ ایضاً، ص۱۳۱ ۶۔ ایضاً وابن سعد، ج۷، ص۲۰ ۷۔ سیر الصحابہ، ج۷، ص۹۵۔۹۶

۱۔حضرت صالح بن احمد اپنے والد کا قول نقل فرماتے ہیں:

میں حضرت ابونضرہ کے بارے میں خیر ہی خیر جانتا ہوں۔

۲۔امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا: آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ حضرت ابونضرہ ہیں، یا کہ حضرت عطیہ؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے حضرت ابونضرہ زیادہ پسند ہیں۔

۳۔علامہ ابن سعد فرماتے ہیں:

آپ ثقہ کثیر الحدیث راوی ہیں، لیکن سارے ائمہ آپ سے روایات نہیں لیتے۔

۴۔علامہ ابن حبان فرماتے ہیں:

آپ اپنے زمانہ کے فصیح و بلیغ انسان تھے، اور آپ کو آخری عمر میں فالج ہو گیا تھا۔

۵۔علامہ عقیلی فرماتے ہیں:

آئمہ جرح و تعدیل میں سے کسی ایک نے بھی آپ پر جرح نہیں کی

۶۔امام ابن عدی فرماتے ہیں:

آپ اپنی قوم کی پہچان اور سردار تھے۔

۷۔امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

آپ ثقہ راوی ہیں۔(۱)

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیات سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیاتِ کے اعتبار سے یہ ایک سو چورانوے (۱۹۴) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔

☆ سند کے پہلے چار راوی بصری اور حضرت ابوسعید خدری مدنی ہیں۔

۱۔ i۔الجرح والتعدیل، ج ۸، ص ۲۴۲۔ ii۔ الثقات، ج ۵، ص ۴۲۰ iii۔طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۲۰۸

☆ یہ تابعی (داؤد) کی دوسرے تابعی ابونضرہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت داؤد اور حضرت نضرہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ابوسعید خدری کا شمار مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں ہوتا ہے، اور آپ سے ایک ہزار ایک سوستر (۱۱۷۰) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا اور عنعنہ دو دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

صلی بنا رسول الله ﷺ: آقا کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی

لم يخرج الينا: آپ ﷺ نے پاس جلوہ افروز نہ ہوئے۔

حتى ذهب: یہاں تک کہ چلا گیا

شطر الليل: رات کا آدھا حصہ، آدھی رات

الناس: لوگ

قد صلوا: وہ نماز پڑھ چکے۔

ناموا: وہ سو گئے

لم تزالوا: تم ہو

انتظرتم: تم انتظار کرتے ہو

ضعيف الصنعيف: کمزور کی کمزوری

سقم السقیم: مریض کی بیماری

۵۳۸۔أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، وَأَنْبَأَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ :حَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَا :حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ قَالَ :سُئِلَ أَنَسٌ هَلِ اتَّخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا؟ قَالَ :نَعَمْ .أَخَّرَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ شَطْرِ اللَّيْلِ، فَلَمَّا أَنْ صَلَّى أَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا قَالَ أَنَسٌ: كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ

حضرت حمید ابی حمید کا بیان ہے:
حضرت انس بن مالک پوچھا گیا: کیا حضور اکرم ﷺ نے انگوٹھی پہنی تھی؟ آپ نے جواب دیا: ہاں ایک رات آقا کریم ﷺ نے عشاء کی نماز تقریباً آدھی رات تک موخر فرمائی، پھر جب آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، تو چہرہ انور ہماری طرف کیا، اور فرمایا: تمہارا اس وقت نماز میں ہوتا رہا، جب تک تم اس کا انتظار کرتے رہے۔حضرت انس فرماتے ہیں: گویا کہ میں آپ ﷺ کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں۔

نقدِ حدیث:

امام نسائی فرماتے ہیں: حضرت علی ابن حجر کی روایت میں الی قریب من شطر اللیل کی بجائے الی شطر اللیل: کے الفاظ ہیں۔

۱۔ مطابقت:

نقدِ حدیث میں مذکور دونوں جملوں کے ساتھ باب کے عنوان کی مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف

بخاری: ۵۷۲، ۶۰۰، ۶۶۱، ۸۴۷، ۵۸۶۹، سنن ابن ماجہ: ۶۹۲، مسند ابویعلیٰ: ۳۸۰۰، صحیح ابن حبان: ۲۰۳۳، سنن بیہقی، ج ۱ ص ۳۷۵، مسند احمد، ج ۳ ص ۱۸۲، طبع قدیم مسند احمد: ۱۲۸۸۰، ج ۲۰ ص ۲۴۰، موسۃ الرسالۃ بیروت جامع المسانید لابن الجوزی: ۱۷۱

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ علی بن حجر:	راجع: ۱۳	**۲۔ اسماعیل:**	راجع: ۱۷
۳۔ محمد ابن المثنیٰ:	راجع: ۸۰	**۴۔ خالد:**	راجع: ۴۷
۵۔ حمید:	راجع: ۱۰۸	**۶۔ حضرت انس بن مالک**	راجع: ۱۳۱

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے، امام بخاری نے رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ رباعیات کے لحاظ سے یہ بائیس (۲۲) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ تنبیہ: شیخ محمد بن علی اتیوبی لولوی نجدی لکھتے ہیں:

☆ یہ تیئیس (۲۳) حدیث مبارکہ رباعیات میں سے ہے۔ (۱) یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ بائیس (۲۲) رباعیات سے ہے۔ شیخ اتیوبی نے حدیث نمبر ۵۱۱ کو بیسویں (۲۰) رباعی لکھا ہے (۲) اور اس کے بعد حدیث نمبر ۵۳۳ کو بائیس (۲۲) ویں رباعی لکھا ہے۔ (۳) جب کہ ان مذکورہ رقوم کے درمیان کوئی اور رباعی نہیں ہے، اس طرح یہ شیخ اتیوبی کا تسامح ہے۔ (۱)

۱۔　i۔ ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، ج ۷، ص ۹۶　　ii۔ ایضا، ج ۶ ص ۳۴۷　　iii۔ ایضاً، ج ۷، ص ۷۶

امام نسائی کی رباعی اعلیٰ ترین سند ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسری مدنی اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ سند میں تحویل ہے، یعنی یہ روایت دو سندوں سے حضرت حمید تک مروی ہے۔ تحویلِ سند تقویتِ سند کی علامت ہے، اور بعض کے نزدیک یہ سند کا ضعف ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، انباءنا، قال ایک ایک اور حدثنا تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

سئل: ان سے سوال کیا گیا۔　　هل اتخذ النبي ﷺ: کیا نبی کریم ﷺ پہنتے تھے۔

خاتما: انگوٹھی۔　　نعم: ہاں

قريب من شطر الليل: آدھی رات کے قریب۔ تقریباً آدھی رات

اقبل النبي علينا: آقا کریم ﷺ نے چہرہ انور ہماری طرف کیا۔

كاني انظر: گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔　　وبيص: چمک۔ روشنی۔ خوبصورتی

الرُّخْصَةُ فِي أَنْ يُقَالَ لِلْعِشَاءِ الْعَتَمَةُ　　باب ۲۲: عشاء کو عتمہ کہنے کی اجازت

عتمہ کا معنی:

سخت اندھیرا ہے، چونکہ عشاء کی نماز اندھیرے میں پڑھی جاتی ہے، اس لیے بعض دیہات کے رہنے والے صحابہ اسے عتمہ کہتے تھے۔

عشاء کو عتمہ کہنے سے روکنے کی وجہ: ابتداءً آقا کریم ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہا، جس سے واضح ہے کہ نہی تنزیہی ہے، اور غالباً دو قسم کے اشتباہات سے بچنے کے لیے تھا:

ابتدائی زمانہ اصطلاحات کے وضع کرنے کا زمانہ تھا، اس لیے اس سے منع فرمایا، کہ اصطلاحات وہی قبول کی جائیں، جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے استعمال فرمائی ہیں، اور جاہل و کم علم لوگوں کی اصطلاحات کو نہ اپنایا جائے، بعد میں جب اصطلاحات پختہ ہو گئیں، تو اس کی اجازت دے دی۔

۲۔ اندھیرے میں دو نمازیں آگے پیچھے پڑھی جاتی ہیں، ایک مغرب اور دوسری عشاء، اس لیے آپ ﷺ نے مغرب و عشاء

کے مغالطہ سے بچنے کے لیے منع فرمایا۔
امام نسائی نے اس باب میں ایک حدیثِ مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ عشاء کے آخری وقت کا بیان تھا؛ اور اس باب میں عشاء کو عتمہ کہنے کی رخصت کا بیان ہے۔ دونوں ابواب نمازِ عشاء سے متعلقہ ہیں۔

۵۳۹۔أَخْبَرَنَا عُتْبَةُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ :قَرَأْتُ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ وَالْحَارِثُ بْنُ مِسْكِينٍ قِرَاءَةً عَلَيْهِ وَأَنَا أَسْمَعُ، عَنِ ابْنِ الْقَاسِمِ قَالَ :حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ عَلِمُوا مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے، کہ اذان دینے میں اور پہلی صف میں نماز پڑھنے کا کتنا اجر ہے، پھر انہیں قرعہ اندازی کے بغیر اس کا موقع نہ ملے، تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں، اگر انہیں معلوم ہو جائے کہ ظہر کی نماز پڑھنے کا کتنا ثواب ہے، تو وہ ضرور اس کے لیے آگے بڑھیں، اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عشاء (عتمہ) اور فجر کی نمازوں کا کتنا ثواب ہے، تو وہ ضرور حاضر ہوں، خواہ انہیں گھسٹ کر ہی آنا پڑے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے، کہ عشاء (عتمہ) اور فجروں کی نمازوں کا کتنا ثواب ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کو ''عتمہ'' کہا ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۶۱۵، ۶۵۴، ۷۲۱، ۲۶۸۹

تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت سمی کا تذکرہ لکھا جا رہا ہے۔

۱۔عتبہ بن عبداللہ: راجع: ۹۸ ۲۔حارث بن مسکین: راجع: ۹
۳۔عبدالرحمٰن: راجع: ۱۶۳ ۴۔مالک: راجع: ۱۱۷

۵۔سمی:

آپ کا نام سمی (م:۱۳۰ھ) ہے، آپ حضرت ابوعبداللہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی مدنی کے غلام ہیں، آپ رواۃ تیسرے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں اہل علم کا آپ کی ثقاہت پر اتفاق ہے۔ائمہ صحاح ستۃ آپ سے روایت کرتے ہیں سنن نسائی میں آپ سے پندرہ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آپ نے جنگِ قدید میں حروریوں کے ہاتھوں شہادت پائی۔بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کا سن شہادت ۱۳۱ھ اور ۱۳۵ھ بھی لکھا ہے۔(۱)

۶۔ابوصالح: راجع:۴۰ **۷۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما:** راجع:۱۱۰

۴۔حکمِ روایت:

یہ روایت مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت بیک وقت خماسی اور سداسی ہے، حضرت عتبہ کے طریق سے خماسی اور حضرت حارث بن مسکین کے طریق سے سداسی ہے۔

☆ یہ روایت خماسیات کے اعتبار سے ایک سو پچانوے (۱۹۵) ویں اور سداسیات کے اعتبار سے دوسو تیئس (۲۲۳) ویں ہے۔

☆ مذکورہ اسناد میں پہلی سند عالی ہے، کیونکہ اس میں امام مالک کے درمیان ایک واسطہ اور دوسری سند نازل ہے جس میں امام مالک اور امام نسائی کی درمیان دو واسطے ہیں۔

قراءۃ علیہ وانا اسمع کا مفہوم:

امام نسائی اور شیخ حارث بن مسکین کے درمیان مناقشہ ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے امام نسائی، شیخ حارث بن مسکین کی مجلس میں حاضری نہیں دے سکتے تھے، اس لیے آپ ایسی جگہ بیٹھ کر حدیث سماعت کرتے تھے، جہاں پر شیخ حارث بن مسکین کی نظروں سے اوجھل ہوتے تھے، اس لیے آپ ایسی صورتِ حال میں جو حدیث سماعت کرتے تھے، اس کے لیے ''قراءۃ علیہ وانا اسمع'' کے الفاظِ روایت ذکر کرتے ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، صدوق ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی، اگلے دو مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، قراءت، اسمع، حدثنی ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۱۔ i۔الثقات، ج۶، ص۴۳۵ ii۔تقریب التھذیب، ج۱، ص۳۲۱

۶۔لغات:

لویعلم الناس :اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

النداء :	اذان	الصف الاول:	پہلی صف
لم یجدوا :	وہ نہیں پاتے۔	ان یستھموا:	ان کا قرعہ اندازی کرنا۔
التھجیر :	دوپہر۔ظہر کا نام	لاستبقوا:	وہ سبقت حاصل کریں۔
العتمۃ:	عشاء کا نام	الصبح :	فجر
لاتوھما:	وہ ان دونوں کی طرف ضرور آئیں۔	حبوا:	گھٹنوں کے بل۔

الْكَرَاهِيَةُ فِي ذَلِكَ　　باب ۲۳: عشاء کو عتمہ کہنے کی کراہت

عشاء کو عتمہ کہنا مکروہ تنزیہی ہے، ابتداءً اس کو منع کیا گیا، بعد میں آپ ﷺ نے خود بھی عشاء کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا۔جیسا کہ ماقبل باب میں ہے۔امام نسائی نے اس باب میں دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں عشاء کو عتمہ کہنے کی رخصت کا بیان تھا، اور اس باب میں عشاء کو عتمہ کہنے کی کراہت کا بیان ہے۔دونوں ابواب عشاء کو عتمہ کہنے سے متعلق ہیں۔

۵۴۰۔أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ هُوَ الْحَفَرِيُّ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي لَبِيدٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمْ هَذِهِ؛ فَإِنَّهُمْ يُعْتِمُونَ عَلَى الْإِبِلِ وَإِنَّهَا الْعِشَاء

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیہاتی لوگ تم پر اس نماز کے نام پر ہرگز غالب نہ آئیں، کیونکہ وہ اونٹوں کی وجہ سے اندھیرا کرتے ہیں، بلاشبہ اس نماز کا نام عشاء ہے۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

تقدم:۵۴۱،مسلم:۶۴۴،ابوداؤد:۴۹۸۴،ابن ماجہ:۷۰۴،احمد:۴۶۸۸،السنن الکبریٰ:۱۵۲۲،تحفۃ الاشراف:۸۵۸۲

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے پانچ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت عبداللہ بن ابی لبید رضی اللہ عنہ

کے حالاتِ زندگی سپردِ قلم کیے جا رہے ہیں:

۱۔احمد بن سلیمان: راجع:۴۲　　**۲۔ابوداؤد:** راجع:۵۲۲

۳۔سفیان: راجع:۱۱۱

۴۔عبداللہ بن ابی لبید:

آپ کا نام ابو المغیرہ عبداللہ بن ابی لبید مدنی کوفی (م:۱۳۰ھ ت) ہے، آپ حضرت اخنس بن شریق کے غلام تھے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، قدری عقائد کی طرف مائل تھے۔ ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ البتہ امام ترمذی روایت نہیں کرتے، سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن ابی لبید کے بارے میں اقوال ائمہ:

آپ کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال توصیفی حسب ذیل ہیں:

۱۔امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

آپ مدنی راوی ہیں، البتہ کوفہ میں رہائش اختیار فرمائی تھی، مجھے آپ کے بارے میں کسی ناپسندیدہ بات کا علم نہیں ہے۔

۲۔حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں:

آپ اہل مدینہ کے عبادت گزاروں میں سے تھے۔

۳۔امام دراوردی فرماتے ہیں:

آپ قدریہ عقائد کی طرف مائل تھے، اسی وجہ سے امام صفوان بن سلیم نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی تھی۔

۴۔علامہ ابن سعد فرماتے ہیں:

آپ کی روایت کردہ بعض احادیث کی مخالفت کی گئی ہے، البتہ آپ عبادت گزار مجتہدین میں سے تھے۔(۱)

۵۔ابوسلمہ: راجع:۱۶۱　　**۶۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:** راجع:۱۱۷

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

۱۔ i۔تاریخ الدارمی، ص۱۴۸۲　　ii۔الجرح والتعدیل، ج۵، ص۱۴۸　　iii۔الثقات، ج۵، ص۴۶

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو چوبیس (۲۲۴) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند میں حدثنا ابوداؤد کے بعد۔ھوالخضر ی۔کا اضافہ راوی کی طرف سے ہے شیخ کی طرف سے اضافہ نہیں ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی رُہاوی، دوسرے خُضری، اگلے دو کوفی اور آخری دو مدنی ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن ابی لبید سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں، اور بعض کے نزدیک ایسا نہیں ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر فقہاء عبادہ اربعہ صحابہ میں سے ہیں، اور آپ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے بھی ہیں، اور آپ سے دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۳۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت، اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

لاتغلبنکم: ہرگز تم پر غالب نہ آئیں۔　　الاعراب: دیہاتی لوگ۔دیہات کے رہنے والے صحابہ

اسم: نام　　یعتمون: وہ اندھیرا کرتے ہیں۔

الابل: اونٹ　　العشاء: نمازِ عشاء کا نام

۵۴۱۔أَخْبَرَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي لَبِيدٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ ": لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمْ أَلَا إِنَّهَا الْعِشَاء

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر فرماتے ہوئے سنا: ہرگز ہرگز دیہاتی لوگ تم پر تمہاری نماز کے نام کے بارے میں غالب نہ آجائیں، خبردار! اس نماز کا نام عشاء ہے۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع: ۵۴۰

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے:

۱۔سوید بن نصر: راجع: ۵۵ — **۲۔عبداللہ بن مبارک:** راجع: ۲۲۹

۳۔سفیان بن عیینہ: راجع: ۱۲۵ — **۴۔عبداللہ:** راجع: ۵۴۰

۵۔ابوسلمہ: راجع: ۱۶۱ — **۶۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما** راجع: ۱۱۷

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو پچیس (۲۲۵) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری حدیثِ مبارکہ سداسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل نبلاء ہیں۔

☆ سند کے پہلے دوراوی مروزی، تیسرے مکی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۵۴۰

۷۔مسائل ونصائح:

امام نسائی نے نماز عشاء کے اوقات کے حوالے سے سات ابواب قائم فرمائے ہیں، اور پھر ان کے تحت حسب ذیل موضوعات کو زیر بحث لائے ہیں:

عشاء کا ابتدائی وقت، عشاء جلدی پڑھنے کا استحباب، شفق کا مفہوم، عشاء میں تاخیر کرنے کا استحباب، عشاء کو عتمہ کہنا۔ اس کے علاوہ کچھ مسائل ضمناً بیان ہوئے ہیں، جیسا کہ قرعہ اندازی، وتر کا وقت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت اور رعایت وغیرہ۔ ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان تمام مسائل کو تفصیلاً بیان کر رہے ہیں۔

۔عشاء کا ابتدائی وقت:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

عشاء کا وقت:

مذاہب کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق یہ وقت شفق احمر کے غائب ہونے کے بعد سے شروع ہو کر صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے تک رہتا ہے مذہب حنفی میں مفتی بہ قول یہی ہے۔ دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے، شفق سے سرخی مراد ہے جب یہ غائب ہو جائے تو نماز واجب ہو جاتی ہے۔ اور حضرت ابوقتادہ والی حدیث بھی اس کی دلیل ہے جو امام مسلم نے روایت کی ہے کہ کوتاہی سو جانے میں نہیں ہے کوتاہی کا اعتبار اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت داخل ہو جائے۔ یہ حدیث وضاحت سے یہ بتاتی ہے کہ ہر نماز کا وقت دوسری نماز کے وقت شروع ہونے تک رہتا ہے تاہم اس کلیے سے باتفاق واجماع امت فجر کی نماز کا وقت خارج ہے۔ (کہ وہ دوسری نماز یعنی ظہر تک نہیں ہوتا ہے)

عشاء کا افضل اور مختار وقت ایک تہائی رات یا آدھی رات ہے دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اگر میری امت پر بھاری نہ ہوتا تو میں انہیں حکم دیتا کہ وہ عشاء رات کے تہائی یا نصف تک موخر کر دیں۔ (۱)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کو آدھی رات تک موخر کیا پھر اسے ادا فرمایا۔ (۲)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کہ عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہوتا ہے۔ (۳)

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات کافی تاخیر فرمائی یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا اور اہل مسجد سو گئے پھر آپ تشریف لائے اور نماز پڑھی اور فرمایا: بے شک یہ اس کا وقت ہے اگر میں اپنی امت پر اس کو بھاری نہ سمجھتا (۴) تو اس حدیث میں اگرچہ اس کا ارشاد ہے کہ عشاء کے مختار اور افضل وقت کو آدھی رات کے بعد بھی ہونا چاہیے لیکن اس حدیث کی تاویل کی گئی ہے اور عامۃ اللیل رات کے بڑے حصے سے مراد بہت سا حصہ ہے اکثر حصہ شب مراد نہیں۔ (۵)

عشاء کا اول اور آخری وقت:

فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ عشاء کا اول وقت شفق غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے (۶)، البتہ شفق کے بارے میں اختلاف ہے: جمہور کے نزدیک اس سے مراد: سرخی ہے، امام ابوحنیفہ اور زفر کہتے ہیں اس سے مراد: سرخی کے بعد سفیدی ہے۔ عشاء کا آخری وقت فجر صادق ہے۔ (۷)، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ نیل الاوطار، ج ۲، ص ۱۱ ۲۔ نیل الاوطار، ج ۲، ص ۳۰۶ ۳۔ امام ابوداؤد، احمد، مسلم، اور نسائی،

نیل الاوطار، ج ۲، ص ۳۰۶ ۴۔ بروایت امام مسلم، ونسائی حوالہ بالا ج ۲ ص ۱۲ ۵۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۴۳۔۴۴۴

۶۔ ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۴۱ مواہب الجلیل للحطاب، ج ۱، ص ۳۹۷، مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۳۔۱۲۴، المغنی لابن قدامہ، ج ۱، ص ۳۸۲۔۳۸۳

۷۔ مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۴، المغنی، ج ۱، ص ۳۸۴

کا ارشاد ہے کہ: "آخر وقت العشاء مالم يطلع الفجر" (۱)، (عشاء کا آخری وقت جب تک فجر طلوع نہ ہو جائے) علاوہ ازیں جمہور فقہاء نے وقت کو اختیاری وضروری میں تقسیم کیا ہے۔ (۲)

۲۔ عشاء میں تاخیر کا استحباب:

جس پر نیند کا غلبہ ہو اس کے لیے عشاء پڑھنے سے پہلے سونے کا جواز تہائی رات تک نماز موخر کرنے کا استحباب اور دیگر مسائل:

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں:

(۱) جس شخص پر نیند کا غلبہ ہو یا جس شخص کو کسی ضرورت کی وجہ سے جلد سونا ہو یا کسی تھکاوٹ یا کسی بیماری کی وجہ سے وہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے سو سکتا ہے، بہ شرطیکہ اس کو یہ اعتماد ہو کہ وہ وقت کے اندر اٹھ کر نماز پڑھ لے گا۔

(۲) اس حدیث میں عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنے کی فضلیت پر دلیل ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو اسی وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دیتا۔

(۳) اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ احکام شرعیہ آپ کی طرف مفوض ہیں، کیونکہ آپ نے فرمایا: اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں اپنی امت کو اس وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دیتا۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ امام کو نماز پڑھانے کی طرف متوجہ کرنا اور نماز کو یاد دلانا جائز ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہ آواز بلند کہا: نماز (کے لیے آئیے)۔

(۵) اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ بچوں اور عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا جائز ہے، البتہ بہت چھوٹے بچوں کو مسجد میں نہیں لانا چاہیے، جن سے یہ خطرہ ہو کہ وہ مسجد میں پیشاب کر دیں گے یا قے کر دیں گے یا جماعت میں نمازیوں کے آگے پھرتے رہیں گے یا ابا ابا کہہ کر مسجد میں شور کرتے پھریں گے۔

(۶) اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر بیٹھے بیٹھے نیند آ جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا بہ شرطیکہ مقعد زمین پر جمی رہے کیونکہ اس حدیث میں نمازیوں کے سونے کا ذکر ہے اور یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ اٹھ کر وضو کرنے کے لیے گئے۔ (۳)(۴)

نماز عشاء کی تاخیر:

جمہور فقہاء حنفیہ حنابلہ کی رائے اور شافعیہ کے یہاں ایک قول ہے کہ عشاء کو تہائی رات تک موخر کرنا مستحب ہے۔ (۵) زیلعی نے کہا: عشاء کی تاخیر میں بہت سی صحیح روایات منقول ہیں، یہی صحابہ وتابعین میں سے اکثر اہل علم کا مذہب ہے۔ (۶)

۱۔ نصب الرایہ، ج۱، ص۲۳۴　۲۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج۲۷، ص۳۴۳　۳۔ عمدۃ القاری، ج۵، ص۱۰۱

۴۔ نعمۃ الباری، ج۲، ص۴۱۱　۵۔ ابن عابدین، ج۱، ص۲۴۶، البدائع، ج۱، ص۱۲۴، امغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۶، المجموع، ج۳، ص۴۰، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۳۹۳۔　۶۔ الزیلعی، ج۱، ص۸۴

تاخیر عشاء کے استحباب کے لیے جن احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے: ''لو لا ان شق علی امتی لا مرتھم ان یؤخر وا العشاء الی ثلث اللیل او نصفه'' (۱)، (اگر مجھے اپنی امت پر بار محسوس نہ ہوتا تو نہیں حکم دیتا کہ عشاء کو تہائی رات یا آدھی رات تک موخر کریں)۔ بعض حنفیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ جاڑے میں عشاء کو مؤخر کرنا مستحب ہے، گرمی میں ان کے نزدیک جلدی پڑھنا مندوب ہے۔ (۲)، مالکیہ کی رائے ہے کہ منفرد اور اس جماعت کے حق میں جسے دوسروں کا انتظار نہیں نمازوں کو اول مختار وقت میں ادا کرنا افضل ہے اگر چہ عشاء کی نماز ہو بشرطیکہ وقت یقینی طور پر داخل ہو چکا ہو۔ (۳)، عشاء کو تہائی رات تک موخر نہیں کرنا چاہیے، مگر کوئی شخص کسی اہم کام جیسے اپنے پیشہ کے کام یا کسی عذر، مثلاً مرض وغیرہ کے سبب اس کو موخر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، البتہ مسجد والوں کے لیے مستحب ہے کہ اس کو تھوڑا سا مؤخر کریں، تا کہ نمازی جمع ہو جائیں۔ (۴)

عام نمازوں کو حتیٰ کہ عشاء کو اول وقت میں پڑھنے کا افضل ہونا، شافعیہ کا بھی دوسرا قول ہے، نووی نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب کے یہاں دونوں اقوال میں اصح، ان کو اول وقت میں پڑھنا افضل ہے، پھر موصوف نے کہا: تاخیر کو افضل قرار دینا، دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے۔ (۵)

نماز عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کی کراہت:

فقہاء کی رائے ہے کہ نماز عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد گفتگو کرنا مکروہ ہے۔ (۶)، اس لیے کہ ابو برزہ کی روایت ہے کہ ''کان النبی ﷺ یکرہ النوم قبلھا، والحدیث بعدھا'' (۷) رسول اللہ ﷺ اس سے پہلے سونے اور اس کے بعد گفتگو کرنا پسند نہیں کرتے تھے) نفراوی نے کہا ہے کہ عشاء کے بعد گفتگو کرنے میں اس سے قبل سونے سے زیادہ کراہت ہے۔ (۸)

عشاء سے قبل سونے کی کراہت کی دلیل: عشاء کے وقت کے چھوٹنے یا اس میں جماعت کے چھوٹنے کا اندیشہ ہے۔ (۹)، البتہ حنفیہ نے کہا ہے کہ اگر کسی کو عشاء کے وقت میں جگانے کے لیے مقرر کر دے تو اس کے لیے سونا مباح ہے، جیسا کہ زیلعی نے طحاوی سے نقل کیا ہے۔ (۱۰) مالکیہ نے نماز عشاء سے قبل سونے کو مکروہ کہا ہے، اگر چہ کسی کو جگانے کے لیے مقرر کر دے، اس لیے کہ جس کو مقرر کیا ہے، ہوسکتا ہے، وہ خود سو جائے یا بھول جائے، جس کے نتیجہ میں وقت مختار چھوٹ جائے گا۔ (۱۱)

۱۔ سنن ترمذی، ج ا، ص ۳۱۰-۳۱۲، سنن ابن ماجہ، ج ا، ص ۲۲۶، احمد بن حنبل، ج ۲، ص ۲۵۰، مستدرک، ج ا، ص ۱۴۶

۲۔ ابن عابدین، ج ا، ص ۲۴۶ ۳۔ الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی، ج ا، ص ۱۸۰ ۴۔ الفواکہ الدوانی، ج ا، ص ۱۹۷

۵۔ مغنی المحتاج، ج ا، ص ۱۲۵-۱۲۶، المجموع للنووی، ج ۳، ص ۵۷ ۶۔ تبیین الحقائق للزیلعی، ج ا، ص ۸۴، الفواکہ الدوانی للنفراوی، ج ا، ص ۱۹۷، المجموع للنووی، ج ۳، ص ۴۲ ۷۔ فتح الباری، ج ۲، ص ۷۳، مسلم، ج ا، ص ۴۴۷، سنن ترمذی، ج ا، ص ۳۱۲-۳۱۳

۸۔ الفواکہ الدوانی، ج ا، ص ۱۹۷ ۹۔ الزیلعی، ج ا، ص ۸۴، الفواکہ الدوانی، ج ا، ص ۱۹۷

۱۰۔ تبیین الحقائق، ج ا، ص ۸۴ ۱۱۔ الفواکہ الدوانی للنفراوی، ج ا، ص ۱۹۷

نمازعشاء کے بعد گفتگو کی کراہت اس لیے ہے کہ یہ چیز بسا اوقات رات کوایسے جاگنے کا باعث بن جاتی ہے جس کی وجہ سے صبح کی نماز چھوٹ جاتی ہے، نیز تاکہ لغویات میں نہ پڑے، لہذا لغویات پر بیداری کو ختم کرنا مناسب نہیں، یا اس لیے کہ اس شخص کی قیام لیل چھوٹ جائے گی جس کو اس کی عادت ہے، نیز تاکہ نماز جو سب سے افضل عمل ہے، اس کا آخری عمل رہے، نیند موت کی طرح ہے، ہو سکتا ہے سونے میں مرجائے۔ (۱) یہ بلاضرورت گفتگو کا حکم ہے، اگر کسی اہم ضرورت سے ہو تو مکروہ نہیں ہے، اسی طرح تلاوت قرآن وحدیث پڑھنا، فقہ کا مذاکرہ، صالحین کے واقعات، مہمان کے ساتھ گفتگو اور سفر سے آنے والے سے گفتگو وغیرہ اس سے کوئی بھی مکروہ نہیں ہے، اس لیے کہ فوری بھلائی ہے، جس کو ایک وہمی فساد کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ نووی نے کہا ہے۔ (۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کان النبی ﷺ یسمر مع ابی بکر فی امر من امور المسلمین وانا معهما'' (۳) (رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے امور میں ابوبکر کے ساتھ عشاء کے بعد گفتگو کرتے تھے اور میں ان دونوں کے ساتھ ہوتا تھا۔) (۴)

۳۔ عشاء کو عتمہ کہنا کیسا ہے؟

''اعتم'' کا معنی احکام اسلام کا ظہور کہاں نہیں ہوا تھا؟ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے سونے کا جواز اور دیگر فوائد حدیث:

حدیث میں مذکور ہے: ''اعتم'' اس کا معنی ہے: اندھیرے میں داخل ہو جائے، اور اس سے مراد ہے: آپ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی۔

حدیث میں مذکور ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب اسلام کے احکام پھیلے نہیں تھے۔ اس سے مراد ہے: مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں اسلام کے احکام کا ظہور فتح مکہ کے بعد ہوا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روئے زمین پر تمہارے سوا اس نماز کا کوئی اور انتظار نہیں کر رہا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت مدینہ کے سوا اور کہیں نماز نہیں پڑھی جا رہی تھی اور دوسرے ادیان اور مذاہب میں اس وقت نماز نہیں تھی۔

حدیث میں مذکور ہے کہ ایک رات نبی ﷺ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ عام طور پر عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر نہیں کرتے تھے، نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس پر نیند کا غلبہ ہو وہ عشاء کی نماز سے پہلے سو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: عورتیں اور بچے سو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھانے کے لیے امام کو گھر سے بلانا جائز ہے، نیز اس حدیث میں نبی ﷺ کے لطف و کرم اور آپ کی تواضع کا بیان ہے کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے کہا: بچے اور عورتیں سو گئے تو آپ نے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا۔ (۵) (۶)

۱۔ الزیلعی، ج۱، ص۸۴، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۷، المجموع، ج۳، ص۴۲، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۵

۲۔ المجموع، ج۳، ص۴۲　　۳۔ الزیلعی، ج۱، ص۸۴　　۴۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج۲۷، ص۳۴۴۔۳۴۵

۵۔ عمدۃ القاری، ج۵، ص۹۴۔۹۳　　۶۔ نعمۃ الباری، ج۲، ص۴۰۷

نماز عشاء:

عشاء (عین کے کسرہ اور مد کے ساتھ) غروب آفتاب سے مکمل اندھیرا ہونے تک کی ابتدائی تاریکی کا نام ہے، نماز کا یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اس وقت میں ادا کی جاتی ہے، اور عشاء (عین کے فتحہ و مد کے ساتھ) اسی وقت کا کھانا (۱)

اس نماز کو ''آخری عشاء'' یا لفظ آخری کے بغیر صرف ''عشاء'' کہنا جائز ہے۔ (۲)

فرمان باری ہے: وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاء

(عشاء کی نماز کے بعد سے) (۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''ایماامراة اصابت بخورا فلاتشهد معنا العشاء الآخرة (۴)، (جو عورت کسی خوشبو کی دھونی لے، وہ ہمارے ساتھ ''آخری عشاء'' میں شریک نہ ہو)۔

نماز عشاء کو عتمہ کہنا:

اکثر فقہاء نے عشاء کو ''عتمہ'' کہنا جائز قرار دیا ہے، اس لیے کہ یہ بہت سی احادیث میں وارد ہے، مثلاً ''بخاری'' میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لو يعلمون مافی العتمة والصبح لا توهما ولو حبوا'' (۵)

(اگر یہ جانتے کہ عتمہ (عشاء) اور فجر میں کیا اجر ہے، تو ان دونوں نمازوں میں آتے، اگر چہ سرین کے بل آنا پڑتا)، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''كانوا يصلون العتمة فيما بين ان يغيب الشفق الى ثلث الليل الاول'' (۶)، (لوگ عتمہ شفق ڈوبنے سے لے کر پہلی تہائی رات گذرنے تک پڑھا کرتے تھے) عتمہ سخت تاریکی کو کہتے ہیں، جیسا کہ بہوتی نے کہا ہے۔ (۷)

بعض شافعیہ اور مالکیہ نے اس کو عتمہ کہنا مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے مسلم میں ابن عمر کی حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لا تغلبنكم الا عراب على اسم صلاتكم، الا انها العشاء وهم يعتمون، بالابل، '' (۸)، (ایسا نہ ہونے دو کہ گنوار تمہاری نماز کا کچھ اور نام رکھ دیں، سنو! اس کا نام عشاء ہے، وہ اونٹوں کے دودھ دوہنے میں دیر کیا کرتے ہیں،) مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو عتمہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اونٹوں کا دودھ دوہنے میں دیر کرتے ہیں، یعنی اس قدر تاخیر کرتے ہیں، کہ سخت تاریکی آجاتی ہے۔ (۹)

۱۔ المصباح المنیر مادہ ''عشی'' الحطاب، ج۱، ص۳۹۶، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۴، المجموع، ج۳، ص۳۶ ۲۔ المجموع، ج۳، ص۴۲، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۴، الحطاب، ج۱، ص۳۹۷ ۳۔ سورہ نور: ۲۴:۵۸ ۴۔ مسلم، ج۱، ص۳۲۸، ابو داؤد، ج۴، ص۴۰۱

۵۔ فتح الباری، ج۲، ص۱۳۹، صحیح مسلم، ج۱، ص۳۲۵، الموطا، ج۱، ص۱۳۱ ۶۔ فتح الباری، ج۲، ص ل۳۴۷

۷۔ مواہب الجلیل للحطاب، ج۱، ص۳۹۶، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴۔۱۲۵ المجموع للنووی، ج۳، ص۳۶، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۴

۸۔ مسلم، ج۱، ص۴۴۵، سنن ابی داؤد، ج۵، ص۲۶۱۔۲۶۲ ۹۔ الحطاب، ج۱، ص۳۹۶، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴۔۱۲۵، المجموع للنووی، ج۳، ص۳۶

بعض شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔(۱) نووی نے کہا: یہ استعمال، بیان جواز کے لیے نادر حالات میں آیا ہے، یہ حرام نہیں ہے، یا اس کا مخاطب ایسا شخص جس کو عشاء اور مغرب میں اشتباہ ہو سکتا تھا کہ اگر عشاء کہا جاتا تو اس کو مغرب مراد ہونے کا وہم ہو جاتا، اس لیے کہ یہ ان کے یہاں عشاء کے نام سے مشہور تھی، رہا عتمہ تو آخری عشاء کے بارے میں صریح ہے۔(۲) یہ نام رکھنے کے بارے میں مالکیہ کے یہاں دو اور اقوال ہیں: اول: بلا کراہت جائز ہے۔ دوم: حرام ہے۔(۳)(۴)

قرعہ اندازی:

قرعہ اندازی کا یہ طریقہ ہے کہ لوگ مختلف پرچیوں پر اپنا نام لکھتے ہیں، پھر کسی ایک پرچی کو اٹھا لیتے ہیں، پھر اس میں جس کا نام ہوتا وہ غائب ہو جاتا ہے، اور قرعہ اصول شریعت میں سے ایک اصل ہے جب کسی چیز کے متعلق متعدد لوگوں کے دعوے ہوتے تو کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے قرعہ اندازی کی جاتی ہے، لہذا جب کئی لوگ اذان کے لیے امیدوار ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کے لیے بھی قرعہ اندازی کی جائے گی۔

اذان کی فضلیت، حضرت سعد بن ابی وقاص کے قرعہ اندازی کرنے کا واقعہ اور قرعہ اندازی کی شرعی حیثیت:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی متوفی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابو جعفر الداؤدی نے کہا: نبی ﷺ نے فرمایا: اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان میں اور صفِ اول میں نماز پڑھنے کا اجر ہے۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ اگر ان کو اس کے عظیم ثواب کا پتا چل جائے تو وہ اس کی طرف سبقت کریں گے یعنی سب اذان دیں گے، پھر ان میں جمعہ پڑھانے والا کوئی نہیں رہے گا، کیونکہ جمعہ کا امام موذن نہیں ہوتا بلکہ جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے، تب اس کے سامنے اذان دی جاتی ہے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: اگر مجھے مخالفت کا خطرہ نہ ہوتا تو میں اذان دیتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جو قرعہ اندازی کرائی تھی، اس کا قصہ یہ ہے کہ امام طبری نے ذکر کیا ہے کہ جب القادسیہ فتح ہو گیا تھا اور لوگ دشمن کا پیچھا کر رہے تھے، جب وہ واپس آئے تو ظہر کا وقت آ چکا تھا، اور موذن شہید ہو چکا تھا، پھر لوگ اذان کے لیے آپس میں جھگڑنے لگے حتیٰ کہ قریب تھا کہ تلواریں نکل آتیں، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور جس کے نام کا قرعہ نکلا، اس نے اذان دی۔

''القرعۃ'' اسلام کے اصول میں سے ایک اصول ہے، کہ جب کسی چیز کی ابتداء کرنے کے متعلق کئی دعوے دار ہوں تو پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔

۱۔ مغنی المحتاج، ج۱، ص ۱۲۵ ۲۔ المجموع للنووی، ج ۳، ص ۴۱-۴۲ ۳۔ الحطاب، ج۱، ص ۳۹۷

۴۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۲۷، ص ۳۴۲-۳۴۳

صفِ اوّل میں نماز پڑھنے کی فضیلت کی وجہ اور دو پہر کو نماز پڑھنے کی فضیلت کی وجہ:

اس حدیث میں صف اول میں نماز پڑھنے کی فضیلت ہے کیونکہ صفِ اول کے نماز کو جب امام جہراً نماز پڑھتا ہے تو قرآن مجید اور تکبیرات سننے کا موقع ملتا ہے اور سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ صف اول سے مراد مسجد میں جلد پہنچنا ہے اس لیے کہ جو شخص پہلے مسجد میں پہنچا اور اس نے نماز کا انتظار کیا، وہ اس سے افضل ہے جو دیر سے مسجد میں پہنچا خواہ اس نے صف اول میں نماز پڑھی ہو کیونکہ جو نماز کا انتظار کرتا ہے، اس کا نماز میں شمار ہوتا ہے۔

اور دو پہر کے وقت ظہر پڑھنے کی اس لیے فضیلت ہے کہ جس نے اپنے قیلولہ کو ترک کیا اور مسجد میں ظہر کی نماز پڑھنے کا ارادہ کیا اور نماز کا انتظار کرتا رہا، اس کا نماز میں شمار ہوتا ہے، اور وہ اس مجاہد کی طرح ہے جو دشمنانِ اسلام کیخلاف سرحدِ اسلام پر کھڑا ہوا پہرا دیتا ہے۔

عشاء اور فجر کی فضیلت کی وجہ:

اس حدیث میں عشاء اور فجر کی نماز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ ان کے اوقات نفس پر بہت دشوار ہیں، عشاء کا وقت تھکاوٹ سے آرام کے لیے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے رات سکون کا سبب بنایا ہے اور رات کو عشاء پڑھنے کے لیے جانے میں حشرات الارض خوف کے ساتھ اندھیرے میں چلنے کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ اور فجر کے وقت میں سخت نیند کا دباؤ ہوتا ہے اس وقت آرام دہ بستر میں نیند چھوڑ کر اٹھنے میں نفس کے ساتھ سخت جہاد ہوتا ہے، پھر صبح وضوء کر کے نماز کے لیے جانے میں جو مشقت ہوتی ہے وہ کسی اور وقت کی نماز میں نہیں ہوتی، اس لیے آپ نے فرمایا ہے کہ منافقین پر سب سے زیادہ دشوار نماز عشاء اور فجر کی ہے۔ (۱) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ ہم جس شخص کو عشاء اور فجر کی نماز میں موجود نہیں پاتے تھے اس کے متعلق بُرا گمان کرتے تھے۔ (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے نزدیک تمام رات قیام کرنے سے بہتر یہ ہے کہ میں فجر کی نماز با جماعت پڑھوں (۳) اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص عشاء کی نماز میں حاضر ہوا، گویا کہ اس نے آدھی رات قیام کیا اور جو شخص فجر کی نماز میں حاضر ہوا گویا کہ اس نے پوری رات قیام کیا۔ (۴) آپ نے فرمایا: اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ عشاء اور صبح میں کتنا اجر ہے تو وہ ان کو پڑھنے کے لیے ضرور آئیں گے خواہ وہ گھسٹتے ہوئے آئیں جیسے اپاہج وغیرہ۔ (۵)

وتر کا وقت:

وتر کا ابتدائی وقت نمازِ عشاء کے بعد اور آخری وقت طلوع فجر سے پہلے تک ہے۔

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۵۲ ۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۵۳ ۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۶۰
۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۵۷ ۵۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۴۸۰۔۴۸۱۔۴۸۲

وتر کا مستحب وقت:

جو شخص رات کو نوافل پڑھنے کا عادی ہو (یعنی تہجد پڑھنے کا) اور رات کو جاگنے کا اس کو بھروسہ ہو اس کے لیے وتر کو آخر رات تک مؤخر کرنا افضل ہے۔ اور اگر اپنے جاگنے کا بھروسہ نہ ہو تو سونے سے قبل پڑھ لینا چاہیے۔ کیونکہ حدیث میں ہے جو شخص خدشہ محسوس کرے کہ وہ رات کے آخر میں نہیں اٹھ سکے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ پہلے ہی وتر ادا کر لیے اور جو آخر میں اٹھ کر ادا کرنے کرنے کا خواہشمند ہو تو وہ رات کے آخر میں ادا کرے کیونکہ رات کی نماز حاضر کی جاتی ہے (یعنی مقبول ہوتی ہے یا فرشتے اس کے پڑھنے والے کے پاس آتے ہیں) اور یہ افضل ہوتی ہے۔(۱)(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت اور رعایت:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس باب کی احادیث میں بار بار گزرا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز اسی وقت پڑھتا اور اس سے پہلے وضوء کے ابواب میں یہ احادیث گزر چکی ہے، کہ اگر مجھے مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ (۳) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین راتیں تراویح پڑھائیں چوتھی رات صحابہ کرام تراویح کے شوق میں اس قدر آئے کہ مسجد تنگ پڑ گئی، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم تراویح پڑھانے کے لیے نہ آئے۔) حتیٰ کہ صبح کی نماز پڑھانے تشریف لائے۔ نماز پڑھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے، کلمہ شہادت پڑھا، اس کے بعد فرمایا: **اما بعد فانه لم يخف علی مكانكم ولكنی خشيت ان تفترض عليكم فتعجزوا عنها۔**(۴)

(تراویح کے لیے تمہارا اشتیاق مجھ سے مخفی نہیں ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر تراویح فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کی رعایت کس قدر مطلوب تھی، وہ **عزيز عليه ما عنتم** (۵) "جو کام تمہارے لیے مشکل ہیں وہ ان پر بھاری ہیں" کا مصداق تھے بلکہ دیکھا جائے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نکموں اور ناکارہ لوگوں کی ہی رعایت مطلوب تھی، کیونکہ صحابہ کرام تو عبادت کے میدان میں بے قابو ہو کر دوڑتے تھے، اور متعدد احادیث میں ہے کہ سرکار ان کو زیادہ عبادت کرنے سے روکتے تھے بسا اوقات ناراض ہوتے تھے اگر سرکار تراویح پڑھاتے رہتے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دلی مراد بر آتی انہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں بیش از بیش تراویح پڑھنے کا شرف حاصل ہوتا اور انہیں اجرِ آخرت حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ موقع نصیب ہوتا لیکن سرکار کو صحابہ کرام کے شرف اور اجر کی بہ نسبت ہم نکموں کی تکلیف اور مشقت کا زیادہ خیال تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ صحابہ عزت و کرامت کی بازی لے جائیں اور بعد کے لوگ تراویح

۱۔ نصب الرایہ، ج ۱، ص ۲۴۹　　۲۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۴۵　　۳۔ صحیح مسلم، ج ۱، ص ۱۲۸

۴۔ صحیح بخاری، ج ۱، ص ۲۶۹　　۵۔ توبہ: ۲۸

فرض ہونے سے مصیبت کی وادی میں گر جائیں، آپ نے ان کا نہیں ہمارا خیال رکھا، دیکھیں ہم آپ کا کتنا خیال رکھتے ہیں! آپ کو ہماری رعایت اس قدر عزیز تھی ہم آپ کی کتنی رعایت کرتے ہیں، وہ جو رات بھر قیام کر کے ہمارے لیے دعائے مغفرت کرتے پاہائے مبارک پر ورم آجاتا، رات بھر آنکھوں سے جھڑی لگی رہتی یہی کہتے کہتے رات گزر جاتی۔ " إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ " (۱)

ان کی اس محبت، شفقت، رحمت اور مشقت اٹھانے کا ہم کیا صلہ دے رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت اور سنن کو اپنانا آج ہم نے اپنے لیے باعث فخر بنایا ہوا ہے یا سبب ننگ و عار! یہ بات ان لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی جو ڈاڑھی رکھنے میں کراہت محسوس کرتے ہیں اور ڈاڑھی منڈوانے میں خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں جو ٹخنوں سے اونچے لباس کو رجعت پسندی اور عورتوں کے پردہ کو غلام سے تعبیر کرتے ہیں اور تمام اسلامی آداب معاشرت کو مُلّا کے ڈھکوسلے گردانتے ہیں۔

سرکار جب راتوں کو اٹھ کے رو رو کر امت کے لیے دعا کرتے تو اللہ تعالیٰ سے آپ کی یہ گریہ و زاری دیکھی نہ گئی، جبرائیل کو بھیجا جاؤ جا کر محمد ﷺ سے پوچھو تمہیں کیا چیز رلاتی ہے۔ جبریل نے آ کر اپنے رب کا پیغام سنایا۔ سرکار نے امت کی مغفرت کے لیے) پریشانی بیان کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل جا کر محمد ﷺ سے کہو انا سنرضيك في امتك ولا تسوئك۔ "ہم تم کو تمہاری امت کے مسئلہ میں راضی کر دیں گے اور رنجیدہ ہونے نہیں دیں گے۔ (۲)

اللہ اللہ وہ رب ہو کر ان کے آنسو نہیں دیکھ سکتا، انہیں غمگین نہیں دیکھ سکتا، ہم خود کو ان کے غلام کہلا کے کیونکر ان کی آنکھوں میں اشکوں کا سیلاب گوارہ کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ وصال کے بعد قبر میں آپ پر امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور یہ بھی کہ ہماری بداعمالیوں کو دیکھ کر آپ ﷺ غمگین ہوتے ہیں (۳)، مکہ اور طائف کے مشرکوں نے تو آپ کو صرف زندگی میں اذیت دی تھی ہم اپنی بداعمالیوں سے آج تک آپ کو قبر میں رلاتے ہیں۔

منصب رسالت اور تشریح احکام:

اس باب کی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا منصب شریعت مقرر کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شارع بنا کر بھیجا ہے آپ جس چیز کو چاہیں فرض کر دیں اور جس کو چاہیں حرام کر دیں البتہ بات ضروری ہے کہ آپ کا چاہنا کبھی اللہ تعالیٰ کو مشیت کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ آپ وہی چاہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

اس باب کی احادیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں عشاء کی نماز کو اس وقت تک موخر کر دیتا (بعض روایات میں تہائی رات تک بھی فرمایا ہے) اسی طرح فرمایا اگر مسلمانوں پر دشوار نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے

۱۔ مائدہ ۵: ۱۱۸　　۲۔ شرح صحیح مسلم، ج ۱ ص ۱۱۳　　۳۔ کنز العمال، ج ۵ ص ۱۷۴۔ ۴۰۷

لیے مسواک کا حکم دیتا، ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کے موخر کرنے یا مسواک کرنے سے آپ کو صرف امت کی دشواری مانع تھی ورنہ چاہتے تو ایسا کر دیتے۔

قرآن کریم کی درج ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام کی مشروعیت آپ کو مفوض فرما دی تھی۔

۱۔ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ۔(۱)

(رسول) مسلمانوں کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

۲۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔(۲)

رسول جو حکم تم کو دیں اس کو قبول کرو اور جس چیز سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔

۳۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْراً أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ۔(۳)

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اللہ اور رسول کے حکم دینے کے بعد اس حکم پر عمل (کرنے یا نہ کرنے) کا اختیار نہیں ہے۔

۴۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ۔(۴)

ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اس کی اطاعت کی جائے۔

۵۔ مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ۔(۵)

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شارع ہونے پر بعض احادیث کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کچھ اور احادیث سطور ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں۔

عن ابی هریره رضی اللہ عنہ قال خطبنا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایها الناس قد فرض علیکم الحج فحجوا فقال رجل اکل عام یا رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فسکت حتیٰ قالها ثلاثا فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لو قلت نعم لو جبت ولما استطعتم ثم قال ذرونی ماتر کتم فانما هلك من کان قبلکم بکثرة سوالهم واختلافهم علی انبیائهم فاذا امر تکم بشئی فاتوا منه ما ستطعتم واذا نهیتکم عن شئی فدعوه۔(۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا ہے پس حج کرو ایک شخص نے کہا "کیا ہر سال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس نے تین مرتبہ کہا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو حج ہر سال واجب ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے پھر فرمایا جس چیز کو میں چھوڑ دوں اس کے بارے میں مت پوچھو تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہو گئیں کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتی تھیں اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرتی تھیں

۱۔ اعراف ۷:۱۵۷ ۲۔ حشر ۵۹:۷ ۳۔ احزاب ۳۳:۳۶ ۴۔ نساء ۴:۶۴
۵۔ نساء ۴:۸۰ ۶۔ صحیح مسلم، ج۱ص ۴۳۲

جب میں کسی چیز کا حکم دوں تو اس کو حسب استطاعت کرو اور جب کسی چیز سے منع کردوں تو اس سے رک جاؤ۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر منصب رسالت بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو احکام کی حلت اور حرمت کا اور ایجاب اور تحریم کا اختیار دے کر بھیجتا ہے یعنی نبی کا یہ منصب ہے کہ وہ جس چیز کو چاہے فرض کردے اور جس کو چاہے تو حرام کردے امت پر بلا چون و چرا اس کی اتباع لازم ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ کو مزید واضح فرمادیا ہے:

عن المقدام بن معد یکرب قال قال رسول اللہ ﷺ الا انی اوتیت القران ومثلہ معہ الا یو شک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذالقران فما وجد تم فیہ من حلال فاحلوہ وماوجدتم من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا لقطۃ مُعاھد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا و من نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فلہ ان یعقبھم بمثل قراہ ۔(۱)

حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو! مجھے قرآن کے ساتھ اس کی مثل دی گئی ہے۔سنو!عنقریب ایک شکم سیر آدمی مسند پر بیٹھ کر کہے گا صرف اس قرآن پر عمل کرو جو اس میں حلال ہے اس کو حلال قرار دو اور جو اس میں حرام ہے اس کو حرام قرار دو۔لاریب جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا وہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو سنو! تمہارے لیے پالتو گدھے حلال نہیں ہیں۔اور نہ پھاڑنے والے درندے نہ ذمی کی گری ہوئی چیز الا یہ کہ اس کا مالک اس چیز سے مستغنی ہو اور جو شخص کسی قوم کے ہاں مہمان ہو اس پر اس کی ضیافت لازم ہے اگر وہ اس کی ضیافت نہ کریں تو وہ ان سے بقدر ضیافت تاوان وصول کرسکتا ہے۔

قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں ایسے بے شمار احکام ہیں جو صرف زبان رسالت سے مشروع ہوئے ہیں، نماز کی ہیئت کذائی اور اس کی ترتیب و تفصیل، زکوٰۃ، عشر اور قربانی کے تمام احکام اور آداب، حج و عمرہ کے تمام ارکان اور سنن جہاد کے تمام احکام قرآن کریم نے بیان نہیں کیے ہیں۔یہ تمام احکام آپ نے مشروع فرمائے ہیں، علاوہ ازیں جو احکام اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان میں بھی تخصیص اور استثناء کا اختیار عطا فرمایا، مثلاً اللہ تعالیٰ نے دو گواہوں کا قاعدہ بیان فرمایا لیکن آپ نے خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی کو دو گواہوں کے قائم مقام فرمایا، قرآن کریم نے حالت جنگ میں نماز کو (چار کی جگہ دو رکعات) کرنے کی رخصت دی ہے لیکن آپ نے اس کو حالت امن کے سفر میں بھی عام کردیا، قرآن مجید نے ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنے کا حکم دیا لیکن آپ نے عرفات میں عصر کو ظہر کے وقت میں اور مزدلفہ میں مغرب کو عشاء کے وقت میں مشروع

۱۔　مشکوۃ المصابیح، ص ۲۹

کردیا۔ قرآن مجید نے ہر مسلمان کو چار نکاح کی اجازت دی لیکن آپ نے حضرت علی کو حیات فاطمہ (رضی اللہ عنہا) میں دوسرے نکاح سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بیٹی کو اس کے باپ کے ترکہ سے نصف میراث عطا کی ہے ازواج کو اولاد کی موجودگی میں آٹھواں حصہ دیا ہے چچا کو عصبہ بنایا ہے لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کے ترکہ سے آپ کے کسی وارث نے حصہ نہیں پایا۔ ان مثالوں کے بیان کرنے سے العیاذ باللہ یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے احکام نافذ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں متوازی اور مستقل شارع تھے نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محض پیغام رساں اور ایلچی بنا کر نہیں بھیجا تھا، آپ اللہ تعالیٰ کے سفیر محض نہیں، اس کی مرضی اور مشیت کے نمائندے تھے، اسرار الوہیت کے محرم اور مزاج خداوندی کے شناسا تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اذن سے شارع بنا کر بھیجا تھا اور آپ کو بنایا ہوا قانون اور قاعدہ رضائے الٰہی کا مظہر تھا! یونہی تو نہیں کہہ دیا تھا۔

مَنْ یُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰہَ۔ (۱)

جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرلی۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

وقد اقام اللہ مقام نفسہ فی امرہ ونھیہ واخبارہ وبیانہ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے امر اور نہی، اخبار اور بیان میں اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے۔

مدینہ کے منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یُخَادِعُونَ اللّٰہَ۔ (۳)

یہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: واللہ یرید الاخرۃ۔ (۴)

اللہ آخرت کا ارادہ کرتا ہے، آپ نے اصحاب عقبہ سے جنت کے عوض ان کے مالوں اور جانوں کو خریدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰہَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (۵)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنت کے بدلہ میں ان کے مالوں اور جانوں کو خرید لیا صحابہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰہَ (۶) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں آپ کا ہاتھ صحابہ کے ہاتھوں پر ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يَدُ اللّٰہِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ (۷)

خلاصہ یہ کہ آپ کی اطاعت اللہ کی اطاعت، آپ کا ارادہ اللہ کا ارادہ، آپ کو ایذاء دینا اللہ کو ایذاء دینا، آپ کا خریدنا اللہ کا خریدنا اور آپ کا بیچنا اللہ کا بیچنا ہے۔

۱۔ نساء۴: ۸۰ ۲۔ الصارم المسلول، ج۱، ص۴۱ ۳۔ بقرہ۲: ۹ ۴۔ انفال ۸: ۶۸
۵۔ توبہ۹: ۱۱۱ ۶۔ فتح۴۸: ۱۰ ۷۔ فتح۴۸: ۱۰

حق یہ ہے کہ آپ کائنات میں اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں پھر آپ کے شارع ہونے میں اور احکام آپ کی طرف مفوض ہونے میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے۔ البتہ فرق مراتب ضروری ہے۔

علامہ شعرانی فرماتے ہیں:

فان ما فرضه الله تعالیٰ اشد ممافرضه رسول الله ﷺ من ذات نفسه ۔(۱)

جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے وہ اس سے زیادہ اہم ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے فرض قرار دیا۔

علامہ شعرانی کی اس عبارت میں رسول اللہ ﷺ کے شارع ہونے کا واضح اور کافی ثبوت ہے:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

احکام مفوض است بآں حضرت ہرچہ خواہد کند و ہر چہ خواہد نکند ہر کرا خواہد تخصیص نماید۔(۲)

احکام رسول اللہ ﷺ کی طرف مفوض ہیں جو چاہیں حکم دیں چاہیں نہ دیں اور جس کو جس حکم سے چاہیں خاص فرمالیں۔(۳)

شفق کی بنیادی طور پر دو قسمیں:

۱۔ شفق احمر　　　۲۔ شفق ابیض

شفق حمرہ سے مراد سرخی ہے، اور شفق ابیض سے مراد سفیدی ہے، جیسا کہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

عن عبادة بن الصامت و شداد بن اوس قال :الشفق شفقان :الحمر والبياض ۔(۴)

حضرت عبادہ بن صامت اور حضرت شداد بن اوس فرماتے ہیں: شفق کی دو قسمیں ہیں: سرخی اور سفیدی۔

شفق کے بارے میں امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق:

شفقین دو ہیں: احمر و ابیض، ان روایات قبل میں سپید مراد ہے ان روایات بعد میں سرخ۔ یوں بھی تعارض مندفع اور سب طرق مجتمع ہوگئے۔ حاصل یہ نکلا کہ شفق احمر ڈوبنے کے بعد شفق ابیض میں نماز مغرب پڑھی اور انتظار فرمایا جب سپیدی ڈوبی عشاء پڑھی۔ یہ بعینہ ہمارا مذہب مہذب اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طور پر جمع صوری ہے حقیقی تو جب ہوتی کہ مغرب بعد غروب سپیدی پڑھی جاتی اس کا ثبوت تم ہرگز نہ دے سکے۔ یہ جواب بنگاہ اولیں ذہن فقیر میں آیا تھا پھر دیکھا کہ امام ابن الہمام قدس سرہ نے یہی افادہ فرمایا:

۱۔ میزان الشریعت الکبریٰ، ج۱، ص۱۲۴　　۲۔ اشعۃ اللمعات، ج۴، ص۱۲۳
۳۔ شرح صحیح مسلم، ج۲، ص۲۶۵۔۲۶۹　　۴۔ سنن دارقطنی: ۱۰۴۲

رہی روایت ہفتم سار حتی ذھب بیاض الافق و فحمة العشاء (چلتے رہے یہاں تک کہ افق کی سفیدی اور عشا کی سیاہی ختم ہوگئی۔) جس میں افق کی سپیدی جانے کے بعد نزول ہے۔

اقول و باللہ استعین اولا یہ بھی کب رہی اس میں بھی وہی تقریر جاری جیسے غاب الشفق بمعنے کا دان یغیب یوں ہی ذھب البیاض بمعنے کا دان یذھب۔

ثانیا حدیث میں بیاض افق ہے نہ بیاض شفق، کنارہ شرقی بھی افق ہے، بعد غروب شمس مشرق سے سیاہی اٹھتی اور اس کے اوپر سپیدی ہوتی ہے جس طرح طلوعِ فجر میں اس کا عکس ہے، جسے قرآن عظیم میں حتی یتبین لکم الخیط الا بیض من الخیط الا سود من الفجر (۱)، (یہاں تک کہ فجر کے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا تمہارے لیے واضح ہو جائے) فرمایا جب فجر بلند ہوتی ہے وہ خیط اسود جاتا رہتا ہے، یونہی جب مشرق سے سیاہی بلند ہوتی ہے سپیدی شرقی جاتی رہتی ہے اور ہنوز وقت مغرب میں وسعت ہوتی ہے اور اس پر عمدہ قرینہ یہ کہ بیاض کے بعد فحمہ عشاء سر شام کا دھندلکا ہے کہ موسم گرما میں تیزی نور شمس کے سبب بعد غروب نظر کو ظاہر ہوتا ہے جب تارے کھل کر روشنی دیتے ہیں زائل ہو جاتا ہے جیسے چراغ کے سامنے سے تاریکی میں آکر کچھ دیر سخت ظلمت معلوم ہوتی ہے پھر نگاہ ٹھہر جاتی ہے، زہر الربیٰ میں ہے فحمة العشاء، ھی اقبال اللیل واول سوادہ (فحمة العشاء رات کے آنے کو اور اس کی ابتدائی سیاہی کو کہتے ہیں) شرح جامع اصول للمصنف میں ہے۔

ھی شدة سواد للیل فی اولہ، حتی اذا سکن فورہ، قلت بظھور النجوم و بسط نور ھا ولا ن العین اذا نظرت الی الظلمة ابتداء لا تکاد تری شیاء۔ جامع الاصول للمصنف وہ رات کا ابتدائی حصے میں بہت سیاہ ہونا ہے۔ پھر جب اس کا جوش ٹھہر جاتا ہے تو تاروں کے نکلنے اور ان کی روشنیاں پھیلنے سے سیاہی کم ہو جاتی ہے اور اس لیے بھی کہ آنکھ جب ابتداء میں تاریکی کی طرف نظر کرتی ہے تو کچھ نہیں دیکھ پاتی۔

ظاہر ہے کہ اس کا جانا بیاض، شفق کے جانے سے بہت پہلے ہوتا ہے تو بیاض شفق جانا بیان کر کے پھر اس کے ذکر کی کیا حاجت ہوتی ہے، ہاں بیاض شرقی اس سے پہلے جاتی ہے تو اس معنی صحیح پر فحمہ عشاء کا ذکر عبث ولغو نہ ہوگا۔

ثالثا یہی حدیث اس طریق مذکور میں سفین سے امام طحاوی نے یوں روایت فرمائی ہے۔

حدثنا فھد ثنا الحمانی ثنا ابن عیینة عن ابن ابی نجیح عن اسمعیل بن ابی ذویب قال: کنت مع ابن عمر رضی اللہ عنہما فلما غربت الشمس ھبنا ان نقول: الصلاة فسار حتی ذھب فحمة العشاء وراینا بیاض الا فق، فنزل فصلی ثلثا المغرب، واثنتین العشاء، وقال ھکذا رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل۔

۱۔ القرآن، ج ۲، ص ۱۸۷

حدیث بیان کی ہم سے فہد نے حمانی سے اس نے ابن عیینہ سے، اس نے ابن ابی نجیح سے اس نے اسمٰعیل بن ابی ذویب سے کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب سورج ڈوب گیا تو ان کی ہیبت کی وجہ سے ہم انہیں نماز کا نہ کہہ سکے وہ چلتے رہے یہاں تک عشاء کی سیاہی ختم ہوگئی اور ہم نے افق کی سفیدی دیکھ لی۔ اس وقت اتر کر مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی دو رکعتیں پڑھیں اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

یہ بقائے شفق ابیض میں نص صریح ہے کہ سرشام کا دھندلکا جاتا رہا اور ہمیں افق کی سپیدی نظر آئی۔ اس وقت نماز پڑھی اور کہا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

رابعاً ملا جی! آپ تو بہت محدثی میں دم بھرتے ہیں صحیح حدیثیں بے وجہ محض تو رد کرتے آئے ہیں بخاری و مسلم کے رجال ناحق مردود الروایہ بنائے اب اپنے لیے یہ روایت حجت بنالی جو آپ کے مقبول اصول محدثین پر ہرگز کسی طرح حجت نہیں ہوسکتی اس کا مدار ابن ابی نجیح پر ہے وہ مدلس تھا اور یہاں روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے اسی آپ کی مبلغ علم تقریب میں ہے:

عبدالله بن ابن نجيح يسار المكي ابو يسار الثقفي ، مولا هم ثقة رمي بالقدر ، و ربمادلس ۔

عبداللہ ابن ابی نجیح یسار مکی ابو یسار ثقفی، بنی ثقیف کا آزاد کردہ، ثقہ ہے، قدری ہونے سے متہم ہے بسا اوقات تدلیس کرتا ہے۔

وہ قسم مرسل سے ہے تقریب وتدریب میں ہے:

الصحيح التفصيل ، فمارواه بلفظ محتمل لم يبين فيه السماع ، فمرسل لا يقبل وما بين فيه كسمعت ، وحدثنا و اخبرنا ، وشبهها ، فمقبول يحتج به۔

صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے، یعنی مدلس کی وہ روایت جو ایسے لفظ سے ہو جو سماع کا احتمال تو رکھتا ہو مگر سماع کی تصریح نہ ہو، تو وہ مرسل ہے اور غیر مقبول ہے، اور جس میں سماع کی صراحت ہو، جیسے سمعت حدثنا، اخبرنا اور ان جیسے الفاظ، تو وہ مقبول ہے اور قابل استدلال ہے۔

اور مرسل کی نسبت آپ خود فرما چکے روایت مرسل حجت نہیں ہوتی نزدیک جماعت فقہاء و جمہور محدثین کے یہ آپ نے اس حدیث صحیح متصل کو مردود و مرسل بنا کر فرمایا تھا جس کا ذکر لطیفہ وہم میں گزرا جھوٹے ادعائے ارسال پر تو یہ جوش و خروش اور سچے ارسال میں یوں گنگ و خاموش، یہ کیا مقتضائے حیا و دیانت ہے۔

جواب سوم: حدیث مذکور کے اصلاً کسی طریق میں نہیں کہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد شفق ابیض نماز مغرب پڑھی نہ ہرگز کسی روایت میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد زسفر وقت حقیقۃً قضا کر کے دوسری نماز کے وقت میں پڑھنے کو فرمایا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا

مذہب یہ ہے کہ وقت مغرب شفق احمر تک ہے۔

الدار قطنی عن ابن عمر رفعه و الصحیح وقفه، افاده البیهقی و النووی، انه قال الشفق الحمرة۔

دارقطنی نے ابن عمر سے مرفوعاً روایت کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے، جیسا کہ بیہقی اور نووی نے افادہ کیا ہے کہ ابن عمر نے کہا ہے کہ شفق سرخی کو کہتے ہیں۔

اور ہمارے نزدیک شفق ابیض تک ہے هو الصحیح روایة و الرجیح درایة و قضیة الدلیل فعلیه التعویل (یہی روایۃ صحیح ہے، اسی کو درایۃ ترجیح ہے اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے اس پر اعتماد ہے) ہمارا مذہب اجلائے صحابہ افضل مثل الخلق بعد الرسل صدیق اکبر و ام المومنین صدیقہ و امام العلما معاذ بن جبل و سید القراء ابی بن کعب و سید الحفاظ ابو ہریرہ و عبداللہ بن زبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم واکابر تابعین مثل امام اجل محمد باقر و امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز و اجلائے تبع تابعین مثل امام الشام اوزاعی و امام الفقہاء و المحدثین و الصالحین عبداللہ بن مبارک و زفر بن الہذیل و ائمہ لغت مثل مبرد و ثعلب و فراء و بعض کبرائے شافعیہ مثل ابو سلیمان خطابی و امام مزنی تلمیذ خاص امام شافعی وغیرہم رحمہم اللہ سے منقول کما فی عمدۃ القاری و غنیۃ المستملی وغیرھا۔ اب اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صراحۃً ثابت بھی ہو کہ انہوں نے بعد غروب ابیض مغرب پڑھی تو صاف متحمل کہ انہوں نے کسی سفر میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد شفق احمر شفق ابیض میں مغرب اور اس کے بعد عشاء پڑھتے دیکھا اور اپنے اجتہاد کی بنا پر یہی سمجھا ہو کہ حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے وقت قضا کر کے جمع فرمائی اب چاہے ابن عمر سے ثابت ہو جائے کہ انہوں نے پہر رات گئے بلکہ آدھی رات ڈھلے مغرب پڑھی، یہ ان کے اپنے مذہب پر مبنی ہوگا کہ جب وقت قضا ہو گیا تو گھڑی اور پہر سب یکساں مگر ہم پر حجت نہ ہو سکے گا کہ ہمارے مذہب پر وہ جمع صوری ہی تھی جسے جمع حقیقی سے اصلا علاقہ نہ تھا یہ تقریر بحمد اللہ تعالیٰ وافی و کافی اور مخالف کے تمام دلائل و شبہات کی دافع و نافی ہے اگر ہمت ہے تو کوئی حدیث صحیح صریح ایسی لاؤ جس سے صاف صاف ثابت ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حقیقۃً شفق ابیض گزار کر وقت اجتماعی عشاء میں مغرب پڑھی یا اس طور پڑھنے کا حکم فرمایا، مگر بحول اللہ تعالیٰ قیامت تک کوئی حدیث ایسی دکھا سکو گے بلکہ احادیث صحیحہ جن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جمع فرمانا اور اس کا حکم دینا آیا ہے وہ صراحۃً ہمارے موافق اور جمع صوری میں ناطق ہیں جن کا بیان واضح ہو چکا ہے پھر ہم پر کیا جبر ہے کہ ایسی احتمالی باتوں میں مذبذب خیالوں پر عمل کریں اور ان کے سبب نمازوں کی تعیین و تخصیص اوقات کہ نصوص قاطعہ قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے چھوڑ دیں۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

تیسری رات کے چاند کا وقتِ غروب:

حدیث نمبر ۵۲۷ اور ۵۲۸ میں ہے: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاء تیسری رات کا چاند غروب ہونے پر پڑھتے تھے۔

۱۔　　فتاویٰ رضویہ، ج ۵، ص ۲۴۳۔۴۶

تیسری رات کا چاند کب غروب ہوتا ہے؟ اور اس کا وقت کیا ہے؟ اس کی تعین میں علماء کرام کا اختلاف ہے، ہم پہلے علماء کی آراء نقل کرتے ہیں، اور آخر میں اپنا نقطہ نظر پیش کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

غروب قمر کے بارے میں ائمہ کرام کی آراء:

اس بارے میں فقہاء احناف کی آراء حسب ذیل ہیں:

۱۔ علامہ ابو محمد بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

تیسری رات کا چاند سورج غروب ہونے کا بعد بائیس درجات گذرنے پر غروب ہوتا ہے۔۔ جبکہ دوسری رات کا چاند غروب آفتاب کے بعد سولہ درجات گذرنے پر ڈوبتا ہے۔ (۱)

۲۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری حنفی لکھتے ہیں:

ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے: کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: کہ اس رات کو غالباً چاند شفق احمر غروب ہونے کے قریب ڈوبتا ہے، اور قس میں مذہب شافعی کے لیے بڑی واضح دلیل ہے، کہ نماز افضل وقت میں پڑھنا افضل ہے، حتیٰ کہ نماز عشاء بھی علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ شفق احمر کے قریب دوسری رات کا چاند ڈوبتا ہے، نہ کہ تیسری رات کا چاند۔ اس پر غور وفکر کرنا چاہیے، کیونکہ یہ امر مشاہدہ ہے۔ (۲)

۳۔ شیخ محمد انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کشمیری لکھتے ہیں:

یہ حدیث نمازِ عشاء کی تاخیر پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ چاند ہر رات ۹/۷ گھنٹے بڑھتا ہے، اس طرح تیسری رات کے غروب چاند کا وقت اڑھائی گھنٹے یا پونے تین گھنٹے ہوگا۔ (۳)

۴۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہ وقت سردیوں میں تقریباً ساڑھے نو بجے شب بنتا ہے، جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ (۴)

۵۔ شیخ محمد تقی عثمان حنفی رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی لکھتے ہیں:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز تیسری رات کے چاند کے غروب ہونے کے وقت پڑھا کرتے تھے، اس سے بہت زیادہ تاخیر ثابت ہوتی ہے، اس لیے کہ اہل ہیت کہتے ہیں کہ چاند ہر رات میں پہلی رات کے مقابلہ میں ایک گھنٹہ کا چھ بٹہ سات حصہ ۶/۷ (تقریباً اڑتالیس منٹ) آسمان پر زیادہ رہتا ہے، اس طرح تیسری تاریخ کو چاند کا غروب سورج کے غروب کے تقریباً ڈھائی یا پونے تین گھنٹہ بعد ہوگا، اس سے تاخیر الی ثلث اللیل کے استحباب پر دلیل بن سکتی ہے، البتہ چاند غروب ہونے کی یہ مدت

۱۔ شرح سنن ابی داوود، ج ۲ ص ۴۲ ۲۔ بذل المجهود فی حل ابی داود، ج ۳ ص ۱۴۶

۳۔ العرف الشذی شرح جامع الترمذی، ج ۱ ص ۱۸۴ ۴۔ مراۃ المصابیح مشکوۃ المصابیح، ج ۱ ص ۳۶۶

موسموں اور ممالک کے اختلاف سے تھوڑی بہت بدلتی رہتی ہے۔لہٰذا تاخیر کے لیے کوئی ایک معین وقت مقرر کرنا مشکل ہے۔(۱)

۶۔ملا علی بن سلطان محمد قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

حضرت نعمان بن بشیر کا قول انا اعلم: کی توجیح:

''قال انا اعلم بوقت هذه الصلاة'' یہ تحدیث نعمت کے قبیل سے ہے کہ انہوں نے اس بارے میں اپنے علم کے اضافے کو بتایا حالانکہ سامعین کو ان کی مرویات پر اعتماد تھا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس جملہ کا اضافہ ان اکابر صحابہ کی وفات کے بعد کیا گیا ہو جو اس بارے میں ان سے زیادہ علم رکھتے تھے ''صلاة العشاء'' جر کے ساتھ بدل ہے، ایک قول کے مطابق اعنی کو مقدر مانتے ہوئے یہ منصوب ہے ''الاخرة'' ایک نسخہ میں یہ صلاۃ کی صفت ہے ''کان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم یصلیها لسقوط القمر'' یعنی غروب کے وقت یا سقوطِ غروب کے وقت ''لثالثة'' یعنی مہینے کی تیسری شب کو۔امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ سقوط القمر سے بدل ہے یعنی بوقت غروب اس میں بحث ہے، ظاہر یہی ہے کہ سقوط القمر سے متعلق ہے، اس کی تائید اس نسخے سے ہوتی ہے جس میں لیلۃ الثالثۃ نصب ساتھ ہے۔میرک نے ازہار سے نقل کیا ہے کہ لیل کی اضافت ثالثہ کی جانب عشیہ کی تاویل سے ہوگی تاکہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ لازم نہ آئے البتہ کوفیین کے رائے کے مطابق اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالباً اس شب چاند کا سقوط شفق احمر کی غیبوبت کے قریب قریب ہوتا ہے، اس حدیث میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی خاص طور پر تصریح ہے کہ عشاء سمیت تمام نمازوں میں تعجیل افضل ہے اور یہاں یہ بات بھی کہ یہ قول غیر محرر ہے، کیونکہ دوسری میں غیبوبت شفق کے قریب قریب سورج کا سقوط ہوتا ہے نہ کہ تیسری شب میں فتدبر۔کیونکہ یہ امر مشاہد ہے:'' روا ابوداؤد والدارمی'' اور میرک کا کہنا ہے کہ اس روایت کو امام ترمذی اور نسائی نے بھی نقل کیا ہے اور امام ابوداؤد اور امام منذری نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند عمدہ اور صحیح ہے۔(۲)

۷۔　شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:(۳)

پاکستان میں تیسری رات کے چاند کی تعیین اوقات:

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق تیسری رات کا غروب قمر پانچواں حصہ رات گزرنے پر ہوتا ہے۔(۴)، ہمارے نزدیک یہ صائب رائے ہے، کیونکہ مختلف ممالک اور شہروں کے اعتبار سے دن اور رات کا فرق ہے، اسی طرح راتیں بھی بڑی چھوٹی ہیں، اس لحاظ سے یہی ایک قابل عمل رائے ہے، اس رائے کے مطابق چاند کی عمر بھی راتوں کے اعتبار سے کم زیادہ ہوگی، تو تیسری رات کی غیبوبت میں بھی اسی اعتبار سے فرق ہوگا۔

۱۔ درس ترمذی، ج ۱، ص ۴۲۴　　۲۔ مرقاۃ المفاتیح مشکوۃ المصابیح، ج ۲، ص ۴۷۱

۳۔ اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، ج ۲، ص ۴۵　　۴۔ اشعۃ اللمعات، ج ۲، ص ۲۵

پاکستان (لاہور ۲۰۱۷) میں شمسی سال کی سب سے چھوٹی رات موسم گرما میں ۲۱ اور ۲۲ جون کی درمیانی شب ہے، اور سب سے طویل شب موسم سرما میں ۲۱ اور ۲۲ دسمبر کی درمیانی رات ہے، ان دونوں راتوں میں بالفرض اگر تیسری رات کا چاند غروب ہو تو اس کی عمر اور رات کا وقت حسب ذیل ہوگا، ہم ان اوقات کو نہار شرعی کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ درج کر رہے ہیں:

ا۔نہارِ شرعی کے اعتبار سے تعیین اوقات:

نہار عرفی سے مراد طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک دن ہے اور غروب آفتاب سے طلوعِ آفتاب تک رات ہے، اس اعتبار سے شمسی سال کی سب سے چھوٹی رات ۲۱،۲۲ جون کی درمیانی شب ہے اور سب سے طویل ۲۱۔۲۲ دسمبر کی درمیان رات ہے، نہار عرفی کے اعتبار سے تعیین اوقات حسب ذیل ہے:

نہار عرفی کے کے اعتبار سے چھوٹی رات کے اوقات		نہار عرفی کے اعتبار سے بڑی رات کے اوقات	
۲۱،۲۲ جون ۲۰۱۷ء		۲۱،۲۲ دسمبر ۲۰۱۷ء	
غروب آفتاب:	۷:۱۳ بجے شب	غروب آفتاب:	۰۵:۰۶ بجے شب
طلوعِ آفتاب:	۴:۵۸ بجے	طلوعِ آفتاب:	۰۶:۵۸ بجے صبح
شفق احمر:	۸:۳۷ بجے شب	شفق احمر:	۶:۱۹ بجے شب
شفق ابیض:	۸:۴۹ بجے شب	شفق ابیض:	۶:۳۱ بجے شب
رات کا دورانیہ:	۱۰:۱۱ گھنٹے	رات کا دورانیہ:	۱۳:۵۲ گھنٹے
تیسری کے رات چاند کی عمر:	۰۲:۰۲ گھنٹے	تیسری رات کے چاند کی عمر:	۲:۴۶ گھنٹے
۳ قمر کا وقتِ غروب:	9:15	۳ قمر کا وقت غروب:	۷:۵۲ بجے شب
رات کی پہلی تہائی:	۱۰:۲۸ بجے شب	رات کی پہلی تہائی:	۹:۴۳ بجے شب

۲۔نہارِ شرعی کے اعتبار سے تعین اوقات:

نہارِ شرعی سے مراد دن کے وہ اوقات جن کا اعتبار شریعت روزہ وغیرہ میں کرتی ہے، اور یہ طلوعِ فجر سے غروب آفتاب تک دن، اور غروب آفتاب سے طلوعِ فجر سے پہلے تک رات ہے، نہارِ شرعی میں بھی چھوٹی اور طویل رات وہی ہے، جو نہارِ عرفی میں ہے نہارِ شرعی کے اعتبار سے اوقات کی تعیین حسب ذیل ہے:

نہار شرعی کے کے اعتبار سے چھوٹی رات کے اوقات		نہار شرعی کے اعتبار سے بڑی رات کے اوقات	
۲۲،۲۱ جون ۲۰۱۷ء		۲۲،۲۱ دسمبر ۲۰۱۷ء	
غروب آفتاب:	۷:۱۳ بجے شب	غروب آفتاب:	۰۵:۰۶ بجے شب
طلوعِ فجر:	۰۳:۱۵ بجے صبح	طلوعِ فجر:	۰۵:۲۸ بجے صبح
شفق احمر:	۰۸:۳۷ بجے شب	شفق احمر:	۰۶:۱۹ بجے شب
شفق ابیض:	۰۸:۴۹ بجے شب	شفق ابیض:	۰۶:۳۱ بجے شب
رات کا دورانیہ:	۱۱:۱۰ گھنٹے	رات کا دورانیہ:	۱۲:۲۲ گھنٹے
تیسری کے رات چاند کی عمر:	۰۱:۳۶ گھنٹہ	تیسری رات کے چاند کی عمر:	۰۲:۲۸ گھنٹے
تیسری قمر کا وقتِ غروب:	۰۸: ۶۹	۳ قمر رات کا وقتِ غروب:	۰۷:۳۴ بجے شب
رات کی پہلی تہائی:	۱۰:۲۸ بجے شب	رات کی پہلی تہائی:	۹:۱۳ بجے شب

۸۔ تیسری رات کے چاند کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ عمر کا تعین:

نہار عرفی ورنہارِ شرعی کے اعتبار سے رات کے چاند کی کم از کم عمر ایک گھنٹہ چھتیس منٹ (۰۱:۳۶) اور زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے چھیالیس منٹ (۰۲:۴۶) بنتی ہے، اور پورا سال اسی کے درمیان عمر رہتی ہے۔

۹۔ شفق ابیض اور تیسری رات کے چاند کی غیبوبت کا وقت ایک ہونا:

ہمارے ہاں ملکِ پاکستان (لاہور) میں نہارِ شرعی کے اعتبار سے مئی، جون اور جولائی میں شفق ابیض اور تیسری رات کے چاند کی غیبوبت تقریباً ایک ہی وقت میں ہے، پیچھے ماہِ جون کے اوقات میں دیکھا جا سکتا ہے، کہ ۲۲ جون کو شفق ابیض کے غائب ہونے کا وقت بھی ۰۸:۴۹ بجے شب ہے، اور تیسری رات کے چاند کی غیبوبت کا وقت بھی ۰۸:۴۹ بجے شب ہے، اب ہم ماہِ مئی اور جولائی کے اوقات دیکھتے ہیں:

۲۲،۲۱ مئی ۲۰۱۷ء		۲۲،۲۱ جولائی ۲۰۱۷ء	
غروب آفتاب:	۰۶:۵۹ بجے شب	غروب آفتاب:	۰۷:۰۸ بجے شب
طلوعِ فجر:	۰۳:۲۴ بجے صبح	طلوعِ فجر:	۰۳:۳۴ بجے صبح
شفق احمر:	۰۸:۲۰ بجے شب	شفق احمر:	۰۸:۲۹ بجے شب

شفق ابیض:	۰۸:۳۲ بجے شب	شفق ابیض:	۰۸:۴۱ بجے شب
رات کا دورانیہ:	۰۸:۲۳ گھنٹے	رات کا دورانیہ:	۰۸:۲۶ گھنٹے
تیسری رات کے چاند کی عمر:	۰۱:۴۲ گھنٹہ	تیسری رات کے چاند کی عمر:	۰۱:۴۳ گھنٹہ
۳ قمر کا وقتِ غروب:	۰۸:۴۱ بجے شب	۳ قمر کا وقتِ غروب:	۰۸:۵۱ بجے شب
رات کی پہلی تہائی:	۰۹:۴۷ بجے شب	رات کی پہلی تہائی:	۰۹:۵۸ بجے شب

ان دونوں مہینوں کی بائیس تاریخ کو شفق ابیض کے تقریباً دس منٹ بعد تیسری رات کے چاند کی غیبوبت ہے، جبکہ مئی کے بعد والے دنوں اور جولائی کی پہلی تاریخوں میں یہ وقت تقریباً ساتھ ساتھ ہی رہتا ہے، لہٰذا نہارِ شرعی کے اعتبار سے مذکورہ بالا مہینوں میں شفق ابیض اور تیسری رات کے چاند کی غروبت تقریباً ایک ساتھ ہے۔

۱۰۔ تہائی رات اور تیسری رات کے چاند کی غیبوبت کا فرق:

تیسری رات کے چاند کی غیبوبت اور تہائی رات پورے سال میں کبھی بھی ایک ساتھ نہیں ہوتی، کیونکہ تہائی رات کا وقت رات کا تیسرا حصہ اور تیسری رات کے چاند کی غیبوبت رات کے پانچویں حصہ پر ہوتی ہے، اور ان میں تقریباً سوا گھنٹہ سے پونے دو گھنٹے کا فرق ہوتا ہے اس لیے حدیثِ مذکور کو تہائی رات پر محمول کرنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ سابقہ تحقیق سے واضح ہو چکا۔

۱۱۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت کا محمل:

ہمارے نزدیک حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت کا صحیح محمل یہ ہے کہ اسے مئی تا جولائی کے مہینوں پر محمول کیا جائے، کیونکہ ان مہینوں میں نہارِ شرعی کے اعتبار سے تیسری رات کے چاند کی غیبوبت اور شفقِ ابیض کی غیبوبت تقریباً برابر ہی ہوتی ہے، پاکستان (لاہور) اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کا موسم بھی تقریباً ایک جیسا ہے۔ اسی طرح شمس و قمر کے طلوع و غروب میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

۱۲۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید:

مذکورہ بالا تحقیق انیق سے یہ بات بھی واضح ہوئی، کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت امام اعظم ابوحنیفہ کے موقف کی بالصراحت موید ہے، اور یہ بھی کہ شفق سے مراد شفق ابیض ہے، شفق احمر مراد نہیں ہے۔ فقیر پر تقصیر (ابوحماد سندرانی) نے فقہاء احناف کے متقدمین اور متاخرین علماء کی کتب میں اس مسئلہ کو کافی تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن کافی وشافی جواب نہ پایا۔ اس لیے اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے، تاکہ اہل علم کو اس سے فائدہ تامہ حاصل ہو، اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۸۔ خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سات ابواب کے تحت سترہ احادیث مبارکہ ذکر کی ہیں، اور ان سے حسب ذیل استدلات کیے ہیں۔

ا۔ عشاء کا ابتدائی وقت:

عشاء کا ابتدائی وقت شفق کے غائب ہونے پر ہے، اس پر علماء کا اتفاق ہے، البتہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شفق سے مراد شفق ابیض ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی شفق ابیض ہی مراد ہے۔

۲۔ عشاء کو جلدی پڑھنے کا استحباب:

اگر لوگ جلدی اکٹھے ہو جائیں، تو نمازِ عشاء جلدی پڑھنا مستحب ہے، اور اگر لوگ تاخیر سے جمع ہوں، تو دیر سے پڑھنا مستحب ہے۔

۳۔ شفق کا مفہوم:

شفق سے مراد ابیض (سفیدی) ہے، جو کہ سرخی کے بعد افق سے غائب ہوتی ہے۔

۴۔ عشاء کو دیر سے پڑھنے کا استحباب:

نمازِ عشاء کو تہائی رات تک دیر سے پڑھنا مستحب ہے اس پر باقی ائمہ کا بھی اتفاق ہے۔

۵۔ نمازِ عشاء کا آخری وقت:

نماز کا آخری وقت نصف شب ہے، باقی ائمہ کرام کے نزدیک نماز عشاء کا مستحب وقت تہائی رات، وقتِ جواز آدھی رات اور وقتِ ادا طلوع فجر (پو پھٹنا) تک ہے۔

۶۔ عشاء کو عتمہ کہنا:

اس بارے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو ابواب قائم فرمائے ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

نمازِ عشاء کو عتمہ کہنا جائز ہے، جیسا کہ آپ نے خود بھی اس نماز کو عتمہ کہا۔ اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے، البتہ بعض مالکی اور شافعی علماء نے اسے مکروہ قرار دیا ہے، اور شافعی علماء کے نزدیک یہ کراہت تنزیہی ہے، اور مالکی علماء کے نزدیک ایک قول تنزیہی کا اور دوسرا تحریمی کا ہے، علماء احناف وحنابلہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ نمازِ عشاء سے پہلے سونا اور بعد میں گفتگو کرنا مکروہ ہے۔

۷۔ قرعہ اندازی:

جائز کاموں کے لیے قرعہ اندازی کرنا سنت مبارکہ ہے۔

۸۔ وتر کا وقت:

وتر کا وقتِ ادا نمازِ عشاء کے بعد اور طلوعِ فجر سے پہلے تک ہے۔

۹۔ حضور اکرم ﷺ کی امت پر مہربانی:

حضور اکرم ﷺ امت پر نہایت شفیق و مہربان ہیں، اور امت کا مشکل میں پڑنا آپ ﷺ پر گراں گزرتا تھا، جیسا کہ قرآن مجید نے بھی اسے بیان فرمایا ہے: لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ (۱)

اے اہل عرب! میری عزت وجلال کی قسم! تمہارے پاس تم میں سے وہ عظیم رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بڑا گراں ہے، وہ تمہاری ہدایت کے بڑے ہی چاہنے والے، مومنوں پر بہت ہی مہربان اور بہت رحم فرمانے والے ہیں۔

۱۰۔ شفق کی اقسام:

شفق کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ شفق احمر　　۲۔ شفق ابیض

☆ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک مغرب کا آخری وقت اور عشاء کا ابتدائی وقت شفق احمر کے غائب ہونے پر ہے۔

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور متاخرین فقہاء احناف کے نزدیک مغرب کا آخری وقت اور عشاء کا ابتدائی وقت شفقِ ابیض (سفیدی) کے غائب ہونے پر ہے۔

☆ شفقِ ابیض (سفیدی) شفقِ احمر (سرخی) کے تقریباً بارہ منٹ بعد غائب ہوتی ہے۔

۱۱۔ تیسری رات کے چاند کا وقتِ غروب:

تیسری رات کے چاند کا وقتِ غروب اور شفق ابیض کے غائب ہونے کا وقت گرمیوں میں تقریباً ایک ہی ہوتا ہے، خاص طور پر مئی، جون، جولائی کے مہینوں میں وقت قریب قریب ہے، اور جون کے مہینہ میں دونوں کے غروب ہونے کا ایک ہی وقت ہے، اور باقی مہینوں میں تھوڑا فرق زیادہ ہے یہ نہار شرعی کا اعتبار ہے۔

۱۲۔ پاکستان میں تیسری رات کے چاند کی تعیین اوقات:

پاکستان (لاہور) میں شمسی سال کے اعتبار سے سب سے چھوٹی رات ۲۱۔۲۲ جون کی درمیانی شب اور سب سے بڑی

۱۔ التوبہ ۹: ۱۲۸

رات ۲۱۔۲۲ دسمبر کی درمیانی شب ہے، نہارِ شرعی کے اعتبار سے شفق ابیض اور تیسری رات کے چاند کے غائب ہونے کا وقت (بالفرض) حسب ذیل ہے۔

۲۱۔۲۲ جون ۲۰۱۷ء		۲۱۔۲۲ دسمبر ۲۰۱۷ء
غیوبت شفقِ ابیض:	۰۸:۴۹	۰۶:۳۱ بجے شب
۳ قمر کا وقتِ غروب:	۰۸:۴۹	۰۷:۳۴ بجے شب

۲۱۔۲۲ مئی ۲۰۱۷ء		۲۱۔۲۲ جولائی ۲۰۱۷ء
غیوبت شفق ابیض:	۰۸:۳۲ بجے شب	۰۸:۴۱ بجے شب
۳ قمر کا وقتِ غروب:	۰۸:۴۱ بجے شب	۰۸:۵۱ بجے شب

۱۳۔ تہائی رات اور غیوبتِ قمر کا فرق:

تہائی رات اور تیسری رات کے چاند کی غیوبت پورے سال میں کبھی بھی ایک وقت میں نہیں ہوتی، اور ان میں تقریباً سوا گھنٹہ سے پونے دو گھنٹے کا فرق ہوتا ہے۔

۱۴۔ حضرت نعمان بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا محمل:

حضرت نعمان بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا محمل مئی تا جولائی کے مہینوں کی راتیں ہیں، اور ان میں نہارِ شرعی کے اعتبار سے تیسری رات کے چاند شفقِ ابیض (سفیدی) کی غیوبت تقریباً ایک ساتھ ہوتی ہے، اور پاکستان (لاہور) اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ میں راتوں کا دورانیہ بھی تقریباً ایک جیسا ہی ہے۔

۱۵۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے مؤقف کی تائید:

حضرت نعمان بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ احادیث الباب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی موید ہیں، اور اس بارے میں واضح نص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

أَوَّلُ وَقْتِ الصُّبْحِ　　باب ۲۴: نمازِ فجر کا ابتدائی وقت

امام نسائی نمازِ عشاء کے اوقات بیان کرنے کے بعد اس باب سے نمازِ فجر کے اوقات بیان کر رہے ہیں نہار شرعی کے اعتبار سے نماز فجر پہلی نماز ہے جبکہ ترتیب جبریلی کے مطابق یہ آخری نماز ہے امام نسائی ترتیب جبریلی کے مطابق اوقات بیان فرما رہے ہیں۔ اوقاتِ فجر کے بارے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سات ابواب قائم فرمائے ہیں، اور ان کے ذیل میں سولہ احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، نماز فجر کا ابتدائی وقت صبح صادق ہے، اور اس سے مراد مشرقی افق پر چوڑائی میں پھیلنے والی روشنی ہے، روزہ کا ابتدائی وقت اور انتہا بھی صبح صادق سے ہی ہوتی ہے، آئمہ کرام کا نماز فجر کے ابتدائی وقت پر اتفاق ہے پہلے باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے پچھلے باب میں نماز عشاء کو عتمہ کہنے کی کراہت کا بیان تھا، اور اس باب میں نماز فجر کے ابتدائی وقت کا بیان ہے، ترتیب جبریلی کے مطابق نماز عشاء کے بعد نمازِ فجر آتی ہے، اسی بناء پر امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نمازِ عشاء کے بعد نمازِ فجر کے اوقات بیان فرما رہے ہیں۔

۵۴۲- أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ هَارُونَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ

حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز اس وقت پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واضح ہو گیا کہ پو پھٹ چکی ہے۔

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

مسلم: ۱۲۱۸، السنن الکبریٰ: ۱۵۲۵، تحفۃ الاشراف: ۲۶۲۷

۳۔ تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت ابراہیم بن ہارون، اور حضرت حاتم بن اسماعیل کے حالاتِ زندگی لکھے جا رہے ہیں:

۱۔ ابراہیم بن ہارون:

آپ کا نام ابراہیم بن ہارون عابد بلخی ہے، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، آپ سے امام

ترمذی (الشمائل)، امام نسائی اور حکیم ترمذی روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے سات احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۲۔حاتم بن اسماعیل:

آپ کا نام ابواسماعیل حاتم ابن اسماعیل حارثی کوفی مدنی (م:۱۸۶ھ ۱۸۷) ہے آپ طبقہ غلاماں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ اصلاً کوفہ کے رہنے والے تھے، بعد میں مدینہ منورہ منتقل ہو گئے تھے، اور پھر وہیں پر وفات پائی، آپ روات کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ، مامون، صدوق اور کثیر الحدیث راوی تھے، البتہ آپ وہم کا شکار ہو گئے تھے، آپ صاحب تصنیف شیخ تھے۔ جو روایات کتاب سے بیان کیں، وہ صحیح ہیں، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پندرہ احادیث مبارکہ مروی ہیں، علامہ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ آپ نے ۹ جمادی الاول جمعۃ المبارک کی رات کو وفات پائی تھی۔

حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اقوالِ ائمہ:

۱۔امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

مجھے آپ امام دراوردی سے زیادہ پسند ہیں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت حاتم میں غفلت موجود تھی، لیکن ان کی کتاب میں موجود احادیث صالح ہیں۔

۲۔امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مجھے حضرت سعید بن سالم سے امام حاتم رحمۃ اللہ علیہ زیادہ پسند ہیں۔

۳۔امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ کی روایات لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ کا اصل وطن کوفہ تھا، لیکن آپ مدینہ منورہ منتقل ہو گئے تھے، پھر وہیں پر وفات پائی۔ آپ ثقہ مامون، کثیر الحدیث راوی تھے۔

۵۔امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ ثقہ راوی ہیں۔(۲)

۳۔تعارفِ رجال:

۳۔امام جعفر صادق: راجع:۱۸۲ **۴۔امام محمد باقر:** ایضاً

۱۔ i۔تہذیب الکمال، ج۲،ص۲۳، ii۔ تقریب التہذیب، ج۱،ص۶۰

۲۔ i۔الجرح والتعدیل، ج۳،ص۲۵۸ ii۔طبقات ابن سعد، ج۵،ص۴۲۵ iii۔ تاریخ الثقات،ص۱۰۱ iv۔تاریخ الدوری، ج۲،ص۹۱

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۳۸

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت طویل ہے، جبکہ یہ مختصر ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو چھیانوے (۱۹۶) ویں حدیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی بلخی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ حضرت ابراہیم بن ہارون اور حاتم بن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ حضرت جابر بن عبداللہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں، اور آپ سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔
☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، عنعنہ، قال ایک ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی

الصبح: نمازِ فجر حین: جب

تبین لہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے واضح ہوگئی۔ الصبح: صبح صادق۔ پو پھٹنا

۵۴۳۔ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ :أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ عَنْ وَقْتِ صَلَاةِ الْغَدَاةِ، فَلَمَّا أَصْبَحْنَا مِنَ الْغَدِ أَمَرَ حِينَ انْشَقَّ الْفَجْرُ أَنْ تُقَامَ الصَّلَاةُ فَصَلَّى بِنَا، فَلَمَّا كَانَ مِنَ الْغَدِ أَسْفَرَ، ثُمَّ أَمَرَ فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى بِنَا، ثُمَّ قَالَ :أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ وَقْتٌ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز فجر کے وقت کے بارے میں پوچھا؟ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی صبح پو پھٹنے پر اقامت کہنے کا حکم دیا، اور ہمیں نماز پڑھائی، پھر اس سے اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روشنی ہونے دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اقامت کہی گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ نماز کے وقت کے بارے میں پوچھنے والا کدھر ہے؟ (پھر فرمایا): ان دو وقتوں کے درمیان نمازِ فجر کا وقت ہے۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی صبح پو پھٹنے پر اقامت کہنے کا حکم فرمایا: اور ہمیں نماز (فجر) پڑھائی۔

یہ نمازِ فجر کا ابتدائی وقت ہے۔

۲۔ اطراف:

احمد: ۱۲۹۶۲، السنن الکبریٰ: ۱۵۲۶، تحفۃ الاشراف: ۵۹۲

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چار راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

ا۔ علی بن حجر: راجع: ۱۳ ۲۔ اسماعیل: راجع: ۱۷

۳۔ حمید: راجع: ۱۰۸ ۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۳۱

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، اور اس کے شواہد کثیر ہیں۔

۵۔ خصوصاتِ سند:

☆ یہ روایت رباعیاتِ امام نسائی میں ہے۔

☆ رباعی امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی اعلیٰ ترین سند ہے۔

☆ رباعیات کے اعتبار سے یہ تیئیس (۲۳) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت علی بن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابوداؤد اور ابن ماجہ روایت نہیں کرتے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں اور بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا، عنعنہ ایک ایک دفعہ اور حدثنا دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اتی:	وہ ایک شخص آیا۔	سئال:	اس نے پوچھا۔
صلاۃ الغد:	نمازِ فجر	لما اصبحنا:	جب ہم نے صبح کی۔
امر:	آپ ﷺ نے حکم دیا۔	انشفق الفجر:	پو پھٹی، صبح صادق ہوئی۔
ان تقام:	اقامت کہنا۔	صلی بنا:	آپ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔
اسفر:	روشنی ہوگئی۔	این السائل:	پوچھنے والا کدھر ہے؟
وقت الصلاۃ:	نماز کا وقت	مابین:	جو درمیان ہے۔
ھذین:	ان دونوں	وقت:	وقت

التَّغْلِيسُ فِي الْحَضَرِ　　باب ۲۵: مقیم کا فجر اندھیرے میں پڑھنا

غلس: کا معنی ہے: صبح کی روشنی کا رات کی تاریکی سے مل جانا، اور تغلیس سے یہاں پر مراد ہے کہ نمازِ فجر کو اندھیرے میں ادا کرنا، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے، جبکہ فقہاء احناف کے نزدیک فجر کو روشنی میں پڑھنا مستحب ہے، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ فجر کے ابتدائی وقت کا بیان تھا، اور اس باب میں اندھیرے میں پڑھنے کا بیان ہے۔

۵۴۴۔أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز پڑھاتے، پھر عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مڑتیں، اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی نہیں پہچانتا تھا۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے۔ اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی نہیں پہچانتا تھا۔ یعنی آقا کریم ﷺ نمازِ فجر اندھیرے میں ادا فرماتے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۳۷۲، ۵۷۸، ۸۶۷، ۸۷۲، صحیح مسلم: ۶۴۵، الراقم المسلسل: ۱۴۳۰، سنن نسائی: ۵۴۶، سنن ابن ماجہ: ۶۶۹،

السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۴۴۳، مسند الحمیدی: ۱۷۴، سنن دارمی: ۱۲۱۹، صحیح ابن خزیمہ: ۳۵۰، مسند ابو داؤد الطیالسی: ۱۴۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۱، ص ۳۲۰، مسند ابو یعلیٰ: ۴۴۱۵، صحیح ابن حبان: ۱۴۹۹۔۱۵۰۰، المعجم الاوسط: ۸۷۵۴، سنن بیہقی، ج ۱، ص ۴۵۴، مسند احمد: ج ٦، ص ۳۳ طبع قدیم، مسند احمد: ۲۴۰۵۱، ج ۲، ص ۵٦

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں تین راوی ہیں اور دو روایات ہیں، ان سب کا تعارف گذر چکا ہے۔

۱۔ قتیبہ: راجع: ۱۱۸ **۲۔ مالک:** راجع: ۱۱۷

۳۔ یحییٰ بن سعید: راجع: ۳۴۸ **۴۔ عمرہ:** راجع: ۲۰۳

۵۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: راجع: ۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

☆ خماسیاتِ کے اعتبار سے یہ ایک سو ستانوے (۱۹۷) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی ایسے اجل شیوخ ہیں، جن سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (یحییٰ) کی تابعیہ (عمرہ) سے روایت ہے۔

☆ سند میں دو عورتیں راویہ ہیں۔

☆ یہ تابعیہ (عمرہ) عورت کی صحابیہ وام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

☆ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکثرین سبعہ رواۃ میں سے ہیں، اور آپ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

٦۔لغات:

لیصلی الصبح: آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر ادا فرماتے۔

ینصرف النسآء : عورتیں مڑتیں، واپس جاتیں۔

متلفحات: لپٹی ہوتیں مروط: اون یا سوت کی موٹی چادریں

مایعرفن: وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ الغلس: اندھیرا

۵۴۵۔أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :كُنَّ النِّسَاءُ يُصَلِّينَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، فَيَرْجِعْنَ فَمَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: عورتیں آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر پڑھتی تھیں، جو اپنی چادروں میں لپٹی ہوتی تھیں، پھر وہ اپنے گھروں کو لوٹتیں، تو اندھیرے کی وجہ سے انہیں کوئی نہیں پہچانتا تھا۔

۱۔مطابقت:

راجع:۵۴۴

۲۔اطراف:

ایضاً

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔اسحاق بن ابراہیم: راجع:۱۲۸ **۲۔سفیان:** راجع:۱۲۵

۳۔الزہری: راجع:۱۱۶ **۴۔عروہ:** راجع:۱۲۶

۵۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: راجع:۱۱۲

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ ایک سو اٹھانوے (۱۹۸) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، اجل، ائمہ حدیث و رجال ہیں۔

☆ سند ایسے رواۃ پر مشتمل ہے، جن سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی نیشاپوری، دوسرے کوفی مکی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (زھری) کی دوسرے تابعی (عروہ) سے روایت ہے۔

☆ یہ بھانجے (عروہ) کی اپنی خالہ (عائشہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عروہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۵۴۴

التَّغْلِيسُ فِي السَّفَرِ　　　باب ۲۶: مسافر کا نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا

اس باب میں بھی اسی امر کا بیان ہے، کہ نمازِ فجر جس طرح مقیم کے لیے اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے، اسی طرح حالتِ سفر میں پڑھنا بھی افضل ہے، یہ ائمہ ثلاثہ کا موقف ہے، البتہ فقہاء احناف اسفار میں پڑھنے کے قائل ہیں، اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے پچھلے باب میں حالتِ اقامت میں نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنے کا بیان تھا، اور اس باب میں حالتِ سفر سے پڑھنے کا بیان ہے، اس طرح دونوں ابواب میں نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنے کا بیان ہے۔

۵۴۶۔أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :أَنْبَأَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ :صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِغَلَسٍ وَهُوَ قَرِيبٌ مِنْهُمْ، فَأَغَارَ عَلَيْهِمْ، وَقَالَ :اللَّهُ أَكْبَرُ خَرِبَتْ خَيْبَرُ مَرَّتَيْنِ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (غزوہ) خیبر کے دن فجر کی نماز اندھیرے میں ادا فرمائی آپ اس وقت (خیبر کے) بالکل قریب تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حملہ کیا، اور نعرہ تکبیر (اللہ اکبر) خیبر ویران ہو گیا دو دفعہ لگایا، (پھر فرمایا:) جب ہم کسی قوم کے میدانوں میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بری حالت میں ہوتی ہے۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس ابتدائی جملہ میں ہے:

آ قا کریم ﷺ نے (غزوہ) خیبر کے دن فجر کی نماز اندھیرے پرادا فرمائی۔ کیونکہ آ قا کریم ﷺ حالتِ سفر میں تھے۔ اس لیے باب کی عنوان سے مطابقت ہے۔

۲۔ اطراف:

بخاری: ۳۷۱، اطراف الحدیث: ۶۱۰۔ ۹۴۷۔ ۲۲۳۵۔ ۲۲۲۸۔ ۲۸۸۹۔ ۲۸۹۳۔ ۲۹۴۳۔ ۲۹۴۴۔ ۲۹۴۵۔ ۲۹۹۱۔ ۳۰۸۵۔ ۳۰۸۶۔ ۳۳۶۷۔ ۳۶۴۷۔ ۴۰۸۳۔ ۴۰۸۴۔ ۴۱۹۷۔ ۴۱۹۸۔ ۴۲۰۰۔ ۴۲۰۱۔ ۴۲۱۱۔ ۴۲۱۲۔ ۵۱۵۹۔ ۵۱۶۹۔ ۵۳۸۷۔ ۵۴۲۵۔ ۶۳۶۳۔ ۶۳۶۹۔ ۶۳۶۹،) صحیح مسلم: ۱۸۰۲، الرقم المسلسل: ۴۵۸۴، سنن نسائی: ۳۳۸۰، سنن ابوداؤد: ۱۹۹۸، السنن الکبریٰ للنسائی: ۶۵۹۹، صحیح ابن خزیمہ: ۳۵۱، مسند ابوداؤد الطیالسی: ۲۱۲۷، صحیح ابن حبان: ۶۵۲۱، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۰۲، طبع قدیم، مسند احمد: ۱۱۹۹۲۔ ج ۱۹، ص ۵۰ موسسۃ الرسالۃ، بیروت جامع المسانید لابن الجوزی: ۴۴۳

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔ اسحاق بن ابراہیم:	راجع: ۱۲۸	۲۔ سلیمان بن حرب:	راجع: ۲۸۸
۳۔ حماد بن زید:	راجع: ۲۲۳	۴۔ ثابت:	راجع: ۲۸۷
۵۔ حضرت انس بن مالک:	راجع: ۱۳۱		

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیاتِ کے اعتبار سے یہ ایک سوننانوے (۱۹۹) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ یہ مسلسل تیسری حدیثِ مبارکہ خماسیات میں سے ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ، اجل ہیں ائمہ حدیث ورجال میں سے ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ ابن راھویہ سے امام ابن ماجہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے راوی مروزی نیشاپوری اور باقی سارے بصری ہیں۔

☆ حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر رہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، انبانا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ دو دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یوم خیبر:	غزوہ خیبر کے دن		
و ھو قریب منھم:	اور آپ ﷺ ان کے قریب تھے۔		
فاغار علیھم:	آپ ﷺ نے ان پر حملہ کیا	خربت خیبر:	خیبر خراب ہو گیا
اذا نزلنا:	جب ہم اترتے ہیں		
ساحة قوم:	کسی قوم کا صحن۔ میدان جنگ مراد ہے۔	سآء:	وہ خراب ہوا
صباح:	صبح	المنذرین:	ڈرائے گئے

الْإِسْفَارُ باب ۲۷: نمازِ فجر روشنی میں پڑھنا

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پچھلے باب دونوں ابواب میں ان احادیث کو لائے ہیں، جن میں نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنے کے استحباب کا بیان تھا، اور اس باب میں ایسی احادیث کو بیان کر رہے ہیں، جن میں فجر کو روشنی میں پڑھنے کا استحباب کا بیان ہے، اس طرح آپ نے ائمہ ثلاثہ اور فقہاء احناف دونوں مذاہب کے دلائل کو بیان فرمایا ہے۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو احادیث طیبات کو اپنا مستدل بنانا ہے۔

۵۴۷۔ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ قَالَ :حَدَّثَنِي عَاصِمُ بْنُ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ

حضرت رافع بن خدیج کا بیان ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نمازِ فجر کو روشنی میں ادا کرو۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے۔

۲۔اطراف:

ابوداؤد: ۴۲۴، ابن ماجہ: ۶۷۲، ترمذی: ۱۵۴، ابن حبان: ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، سنن دارمی، ج ۱، ص ۲۷۷، احمد: ۲۳۶۹۷، السنن الکبریٰ: ۵۳۰۔۵۳۱، تحفة الاشراف: ۳۵۸۲، ۱۰۶۷۰

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گذر چکا ہے، باقی دو راویوں حضرت عاصم اور محمود بن بسید رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی ضبطِ تحریر میں لائے جا رہے ہیں۔

۱۔عبداللہ بن سعید: راجع:۱۵ ۲۔یحییٰ بن سعید: راجع:۱۳۳

۳۔محمد بن عجلان: راجع:۳۹۶

۴۔عاصم بن عمر بن قتادہ:

آپ کا نام ابوعمر عاصم بن عمر بن قتادہ بن نعمان بن زید بن عامر بن سوادہ بن کعب ظفری اوسی انصاری (م:۱۲۰ھ) ہے آپ کی تاریخ وفات بعض نے ۱۱۹ھ، ۱۲۶ھ، ۱۲۷ھ اور ۱۲۹ بھی ذکر کی ہے، اسی طرح ااپ کی کنت ابوعمر و اور ابومحمد بھی ذکر کی گئی ہے، آپ رواۃ کے چوتھے طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ مغازی وسیر کے بہت بڑے عالم تھے، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

حضرت عاصم بن عمر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اقوال ائمہ:

۱۔۳۔ امام ابن معین، ابوزرعہ اور امام نسائی فرماتے ہیں:

آپ ثقہ راوی ہیں۔

۴۔ علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ علم حدیث کے راوی ہیں، اور مغازی وسیر کے بہت بڑے عالم تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو جامع مسجد دمشق میں مجلس علم کا حکم دیا تھا، لہٰذا آپ اس حکم کی تعمیل میں مغازی، سیر اور مناقب صحابہ سے متعلق لوگوں کو احادیث بیان کیا کرتے تھے آپ ثقہ کثیر الحدیث راوی ہیں۔

۵۔۶۔ علامہ عبدالحق فرماتے ہیں:

آپ امام ابوزرعہ اور ابن معین کے نزدیک ثقہ ہیں، جب کہ ان دو کے علاوہ باقی لوگوں نے آپ کو ضعیف قرار دیا ہے، حضرت یحییٰ بن سعید قطان نے علامہ عبدالحق کا رد فرمایا ہے، اور کہا ہے کہ حضرت عاصم امام ابوزرعہ بن معین کے نزدیک بھی ثقہ ہیں، اور باقی ائمہ رجال کے نزدیک بھی ثقہ ہیں میرے علم میں نہیں، کہ کسی ایک نے بھی ان کو ضعیف قرار دیا ہو۔ یا ان کا شمار ضعفاء میں کیا ہو۔(۱)

۱۔ i۔الثقات، ج۵ ص۲۳۴ ii۔الجرح والتعدیل، ج۶ ص۳۴۶

۵۔حضرت محمود بن بسید رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام ابونعیم محمود بن بسید بن عقبہ بن رافع اوسی الشھلی مدنی (م:۹۶ھ) ہے، بعض نے سن وفات ۹۷ھ لکھا ہے، آپ نے ننانوے سال کی عمر میں وفات پائی، آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم طبقہ صغار سے ہیں۔آپ کی رویت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے، البتہ روایت ثابت نہیں ہے۔آپ قلیل الحدیث رواۃ صحابہ میں سے ہیں امام بخاری (ادب المفرد) اور باقی ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں۔آپ نے اجل صحابہ کرام سے روایت کی ہے۔(۱)

۶۔رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ:　　راجع:۱۵۵

۴۔حکم روایت:

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث مبارکہ حسن صحیح ہے۔

۴۔خصوصاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسوچھبیس (۲۲۶) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی سرخسی، دوسرے بصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ یہ صحابی کی صحابی سے روایت ہے، اور تابعی کی تابعی سے روایت ہے۔
☆ حضرت عاصم اور حضرت محمود بن بسید رضی اللہ عنہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔
☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ، صیغہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

اسفروا: تم روشن کرو۔روشنی کرو۔　　الفجر: نمازِ فجر، صبح کی نماز

۵۴۸۔أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو غَسَّانَ قَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ، عَنْ رِجَالٍ مِنْ قَوْمِهِ مِنَ الْأَنْصَارِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ بِالْأَجْرِ

حضرت محمود بن بسید رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم انصار کے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم فجر کی نماز جتنی روشنی میں پڑھو گے، اتنا ہی ثواب زیادہ ہوگا۔ii

۱۔　i۔تقریب التھذیب، ج ۲، ص ۲۴۱　ii۔ذخیرۃ العقبی، ج ۷، ص ۱۳۰

۱۔ مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

راجع: ۵۴۷

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت ابن ابی مریم اور ابو غسان رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ لکھا جاتا ہے۔

۱۔ ابراہیم بن یعقوب:　　راجع: ۱۷۴

۲۔ ابن ابی مریم:

آپ کا نام ابو محمد بن سعید بن حکم بن محمد بن سالم بن ابی مریم مصری (م: ۲۲۴ھ) ہے آپ طبقہ غلاماں سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی آپ روات کے دسویں طبقہ سے ثقہ، ثابت فقیہہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت وفقاہت پر متفق ہیں۔ ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے گیارہ (۱۱) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

حضرت سعید بن حکم کے بارے میں ائمہ کے اقوال:

۱۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

میرے نزدیک ابن ابی مریم حجت ہیں۔

۲۔ حضرت حسین بن حسن رازی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے:

میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: آپ مصر میں سے کسی محدث کی روایات لکھتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں ابن ابی مریم سے روایات اخذ کرتا ہوں۔

۳۔ امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت سعید بن حکم رحمۃ اللہ علیہ بہت دانا آدمی تھے، میں نے مصر میں ان سے بڑھ کر کوئی اہل دانش نہیں دیکھا۔

۴۔ امام ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ فقیہہ عالم تھے، ۱۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ (۱)

۱۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۱۸۲　　ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۴، ص ۱۳　　iii۔ الثقات، ج ۸، ص ۲۶۶

۳۔ ابو غسان:

آپ کا نام ابوغسان محمد بن مطرف بن داود لیثی مدنی (م: ۱۶۰ھ) ہے، آپ نے عسقلان میں رہائش اختیار کر لی تھی، آپ رواۃ کے ساتویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔

حضرت ابوغسان کے بارے میں ائمہ کے تعریفی اقوال:

۱۔ امام علی بن سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ وادی قری کے اہل علم میں سے تھے، خلیفہ مہدی کے زمانہ میں بغداد میں قدم رنجہ فرمائے ہیں، آپ کو امام یزید بن ہارون، امام احمد بن حنبل، امام ابو حاتم، امام جوزجانی اور حضرت یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

۲۔ امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے آپ کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے ان کے بارے میں تعریفی کلمات فرمائے۔ (۲)

۴۔ زید بن اسلم:　راجع: ۱۲۰　　۵۔ عاصم:　راجع: ۵۴۷

۶۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ: ایضاً

۴۔ حکم روایت:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ اکیانوے (۹۱) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی جوزجانی، دوسرے مصری اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابن ابی مریم اور ابوغسان سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کے شیوخ مجہول ہیں، لیکن یہ جہالت روایت کے لیے نقصان دہ نہیں ہے، کیونکہ پچھلی روایت میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا نام ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ تمام صحابہ ہیں، اور قوم انصار میں سے ہیں، اس لیے ذکر نہ کرنے

۱۔ i۔ تاریخ الثقات، ص ۱۸۲　ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۴، ص ۱۳　iii۔ الثقات، ج ۸، ص ۲۶۶

۲۔ i۔ العلل (ابن حنبل)، ج ۱، ص ۳۴۵　ii۔ تاریخ بغداد، ج ۳، ص ۲۹۵　iii۔ تاریخ الدارمی، ص ۲۶ ۷

سے روایت کی صحت پر کوئی فرق نہیں ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت صیغہ اخبار، صیغہ تحدیث دو دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

لغات:

مااسفرتم : جو تم روشنی کرو۔ یعنی روشنی میں پڑھو۔ الفجر : نمازِ فجر

اعظم : زیادہ، بڑا۔ اضافہ الاجر : ثواب

بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ

باب ۲۸: نمازِ فجر کی ایک رکعت سورج نکلنے سے پہلے پانے والے کا حکم

سورج نکلنے سے قبل اگر کوئی ایک رکعت نمازِ فجر کی پڑھ لے، اس کی نماز ادا ہو جائے گی یا کہ نہیں؟ اس بارے میں فقہاء اربعہ کا اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ایسا شخص دوسری رکعتیں بھی پڑھ لے، اور اس کی نماز ادا ہوگی، جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص کی نماز وقتِ زوال کی وجہ سے ختم ہو جائے گی، اور اسے بعد میں قضاء کرنی ہوگی اور حدیث مبارکہ میں جو ایک رکعت پانے والے کا بیان ہے، اس سے مراد کافر سے مسلمان ہونے والا، مدہوشی سے ہوش میں آنے والا، یا حیض ونفاس سے فارغ ہونے والی عورتیں مراد ہیں، کہ اگر ان کو اتنا وقت مل جائے، کہ اس میں ایک رکعت پڑھی جا سکتی ہے، تو ان پر وہ تمام نماز فرض ہوگی، (دلائل مسائل ونصائح میں آرہے ہیں۔ ابوحماد سندرانی)

اس باب میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے پچھلے باب میں نمازِ فجر روشنی میں پڑھنے کا بیان تھا، اور اس باب میں نمازِ فجر کی ایک رکعت قبل از طلوع آفتاب پا لینے کا بیان ہے، دونوں ابواب نمازِ فجر کے اوقات سے متعلقہ ہیں۔

۵۴۹۔ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَاللَّفْظُ لَهُ قَالَا: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا، وَمَنْ أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے سورج نکلنے سے پہلے ایک سجدہ پالیا، اس نے نمازِ فجر پالی اور جس نے سورج ڈوبنے سے پہلے ایک سجدہ پالیا، اس نے عصر کی نماز پالی۔

ا۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ پہلے حصہ میں مطابقت واضح ہے۔

۲۔ اطراف:

راجع: ۵۱۵

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دوشیوخ حضرت ابراہیم اور حضرت عبداللہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی رقم طراز کیے جا رہے ہیں:

ا۔ ابراہیم بن محمد:

آپ کا نام ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن عبداللہ بن عبیداللہ بن معمر تیمی معمری بصری (م: ۲۵۰ھ) ہے آپ شہر بصرہ کے قاضی تھے، آپ ۲۳۹ھ میں قاضی مقرر ہوئے، اور وفات تک اس عہدہ پر برقرار رہے، آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، آئمہ رجال آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے سات احادیثِ مبارکہ مروی ہیں۔

حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کا باغبانی کرنا:

امام احمد بن کامل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آپ جب قاضی بھی تھے، تو اپنے باغ میں خود کام کرتے تھے، اور پودوں کو پانی لگاتے، جب کوئی کیس آپ کے پاس آتا، تو آپ وہیں پر ان دونوں کا موقف سن کر فیصلہ سناتے، پھر دوبارہ باغبانی میں مصروف ہو جاتے تھے، آپ نہایت دیندار آدمی تھے۔ (۱)

۲۔ محمد بن المثنیٰ: راجع: ۸۰ ۳۔ یحییٰ بن سعید: راجع: ۱۳۳

۴۔ عبداللہ بن سعید:

آپ کا نام ابو بکر عبداللہ بن سعید بن ابی ھند فزاری مدنی (م: ۱۴۶ھ۔ ۱۴۷ھ) ہے، آپ طبقہ غلاماں سے تعلق رکھتے تھے، آپ رواۃ کے چھٹے طبقہ سے ثقہ، صدوق، کثیر الحدیث راوی ہیں، امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اوقات وہم کا شکار ہو جاتے تھے، آپ کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، ابن معین، ابو داؤد، نسائی، ابن حبان، ابن سعد اور عجلی رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا

۱۔ i۔ تاریخ بغداد، ج ۶، ص ۱۵۱ ii۔ الثقات، ج ۴، ص ۵

ہے، جبکہ امام ابو حاتم نے ضعیف قرار دیا ہے، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے سات احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۵۔عبدالرحمان اعرج: راجع:۷ ۶۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: راجع:۱۱۰

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔اس کے شواہد و متابعات کثیر ہیں البتہ اس روایت میں ان الفاظ کے ساتھ امام نسائی منفرد ہیں۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ دوسو (۲۰۰) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت ابراہیم بن محمد سے روایت لینے میں امام ابوداؤد ،نسائی منفرد ہیں۔

☆ حضرت ابراہیم اور عبداللہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ سند کے پہلے تین راوی بصری اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ کے بھی سرخیل ہیں، اور آپ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ ''والـلـفـظ لـه'' سے مراد ہے کہ یہ روایت دو شیوخ حضرت ابراہیم بن محمد اور حضرت محمد بن المثنیٰ سے مروی ہے۔البتہ حدیث کے الفاظ حضرت محمد بن المثنیٰ کے ہیں، اور حضرت ابراہیم کی روایت بالمعنیٰ ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، صیغہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۵۱۵

۱۔ i۔العلل، (ابن حنبل) ج۱،ص۱۳۰ ii۔الجرح والتعدیل، ج۵،ص۷۰

۵۵۰۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ قَالَ :حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا بْنُ عَدِيٍّ قَالَ :أَنْبَأَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ يُونُسَ بْنِ يَزِيدَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْفَجْرِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَهَا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے سورج نکلنے سے پہلے فجر کی ایک رکعت پا لی، اس نے نماز فجر پالی اور جس نے سورج ڈوبنے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالی، اس نے عصر کی نماز پالی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ پہلے حصہ سے مطابقت بالکل واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم:۶۰۹،ابن ماجہ:۷۰۰،السنن الکبریٰ:۱۵۳۳،تحفۃ الاشراف:۱۶۷۰۵

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت زکریا بن عدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی لکھے جاتے ہیں:

ا۔محمد بن رافع: راجع:۱۱۴

۲۔زکریا بن عدی:

آپ کا نام ابو یحییٰ زکریا بن عدی بن زریق بن اسماعیل تیمی کوفی بغدادی (م:۲۱۱ھ) ہے آپ نے بغداد شریف میں رہائش اختیار کر لی تھی، اور وہیں پر بروز جمعرات جمادی الاول یا جمادی الاخری میں وفات پائی۔ آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، جلیل کثیر الحدیث راوی ہیں، آپ طبقہ غلاماں سے تعلق رکھتے تھے، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں البتہ امام بخاری نے ادب المفرد اور امام ابوداؤد نے ''المراسیل'' میں روایت کیا ہے، سنن نسائی میں آپ سے صرف تین احادیث مبارکہ مروی ہیں، آپ کے والد گرامی یہودیت سے مسلمان ہوئے تھے، اور آپ کے بھائی حضرت یوسف بھی راویان حدیث میں سے ہیں، البتہ آپ کا رتبہ ان سے بڑا ہے۔(۱)

۳۔ابن مبارک: راجع:۲۲۹ **۴۔یونس بن یزید:** راجع:۹

۱۔ i۔تاریخ الدارمی، ص ۱۷۸ ii۔تاریخ الثقات، ص ۱۶۵

۵۔ زھری: راجع:۱۱۶ ۶۔ عروہ: راجع:۱۴۶

۷۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: راجع:۱۱۲

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیات، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سباعیات کے اعتبار سے یہ بانوے (۹۲) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راویوں سے ائمہ صحاح ستہ روایت کرتے ہیں، البتہ حضرت محمد بن رافع رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابن ماجہ روایت نہیں کرتے۔

☆ سند کے پہلے راوی نیشاپوری، دوسرے کوفی بغدادی، تیسرے مروزی چوتھے ایلی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ یہ تابعی (زہری) کی دوسرے تابعی (عروہ) سے روایت ہے۔

☆ حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ یہ بھانجے کی اپنی خالہ سے روایت ہے۔

☆ سند میں الفاظ روایتِ اخبرنا، حدثنا، انبانا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶ لغات:

راجع:۵۱۴، ۵۱۶

آخِرُ وَقْتِ الصُّبْحِ　　باب ۲۹: نمازِ فجر کا آخری وقت

اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، کہ نماز کا آخری وقت سورج نکلنے سے پہلے تک ہے، امام نسائی کا بھی یہ مؤقف ہے، امام صاحب نے اس باب میں ایک حدیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں سورج نکلنے سے پہلے نمازِ فجر کی ایک رکعت پانے والے کا حکم بیان ہوا تھا، اور اس باب میں نمازِ فجر کے آخری وقت کا بیان ہے:

۵۵۱۔أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مَسْعُودٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْأَعْلَى قَالَا: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي صَدَقَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ " : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ، وَيُصَلِّي الْعَصْرَ بَيْنَ صَلَاتَيْكُمْ هَاتَيْنِ، وَيُصَلِّي الْمَغْرِبَ إِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، وَيُصَلِّي الْعِشَاءَ إِذَا غَابَ الشَّفَقُ -ثُمَّ قَالَ عَلَى إِثْرِهِ - :وَيُصَلِّي الصُّبْحَ إِلَى أَنْ يَنْفَسِحَ الْبَصَرُ "

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سورج ڈھلنے پر پڑھتے تھے، عصر کی نماز تمہاری ظہر، اور عصر کے درمیان پڑھتے تھے، مغرب کی نماز سورج کے ڈوبنے پر پڑھتے تھے، عشاء کی نماز شفق (سفیدی) غائب ہونے پر پڑھتے تھے، پھر اس کے بعد متصل فرمایا: اور فجر کی نماز نظر پھیل جانے پر پڑھتے تھے، (یعنی خوب روشنی ہو جانے پر پڑھتے تھے۔)

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس آخری جملہ میں ہے:
آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز نظر پھیل جانے پر پڑھتے تھے۔ نظر پھیل جانے سے مراد ہے، ہر چیز دور دور تک واضح نظر آنے لگتی تھی، اور اس وقت خوب روشنی ہو چکی ہوتی تھی، یہ بالکل سورج نکلنے سے تھوڑی دیر پہلے کی نظر کشی ہے، اور یہ سورج نکلنے سے استعارہ کے طور پر بیان ہوا ہے، اس طرح بطریقہ استنباط امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کے تحت حدیث مذکور کو بیان کیا ہے۔

۲۔ اطراف:

احمد، ج ۳، ص ۱۲۹، ۱۶۹، السنن الکبریٰ: ۱۵۳۲، ۱۵۰۹، تحفۃ الاشراف: ۲۵۹

۳۔ تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں جن میں سے پانچ کا تعارف گزر چکا ہے، حضرت ابوصدقہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی لکھے جاتے ہیں:

۱۔ اسماعیل بن مسعود: راجع: ۴۷　　۲۔ محمد بن عبدالاعلیٰ: راجع: ۵

۳۔خالد: راجع: ۱۴۵ ۴۔شعبہ: راجع: ۱۱۰

۵۔ابوصدقہ:

آپ کا نام ابوصدقہ توبہ انصاری ہے، آپ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نسبتِ ولاء رکھتے تھے، آپ رواۃ کے پانچویں طبقہ سے، ثقہ صدوق راوی ہیں، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت لینے میں منفرد ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مبارکہ مروی ہے۔(۱)

شیخ ناصرالدین البانی کا تسامح:

شیخ محمد بن اتیوبی لولوی سلفی لکھتے ہیں:

شیخ البانی نے لکھا ہے کہ علامہ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے، اور ان کے باپ کا نام کیسان باہلی ہے، اور یہ شعبہ اور مطیع بن راشد سے روایت کرتے ہیں۔(۲)

یہ شیخ البانی کی خطا ہے، کیونکہ یہ دوسرے راوی ہیں، ان کا نام ابوالمورع عنبری ہے، جو کہ عباس بن عبدالعظیم کے دادا ہیں اور شیخ ابوصدقہ دوسرے راوی ہیں، علامہ ابن حبان نے ان کا تذکرہ کیا ہی نہیں ہے۔(۳)

۶۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۳۱

۴۔حکم روایت:

یہ حدیثِ مبارکہ صحیح ہے، اس کے شواہد کثیر ہیں۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت خماسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ دوسو ایک (۲۰۱) ویں حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے تمام راوی بصری ہیں، بہت کم اسناد ایسی ہیں جن کے تمام راوی ایک ہی علاقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں۔

☆ حضرت ابوصدقہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہی ایک روایت مروی ہے۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ میں سے ہیں، آپ بصرہ شہر میں وفات پانے والے آخری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ نے ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں وفات پائی، اور اس وقت آپ کی عمر مبارک سو سال سے زائد تھی۔

۱۔ i۔الکاشف، ج۱، ص۱۶۹ ii۔تقریب التہذیب، ج۱، ص۱۲۰ ۲۔ الدرر واء التعلیل، ج۱، ص۲۸۰

۳۔ i۔تہذیب التہذیب، ج۱، ص۵۱۵۔۵۱۶ ii۔ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ ج۷، ص۱۴۱

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا، حدثنا ایک ایک دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

یصلی الظھر :	آپ ﷺ ظہر پڑھتے تھے۔
اذا زالت الشمس:	جب سورج ڈھل جاتا تھا۔
بین صلاتیکم :	تمہاری دو نمازوں کے درمیان
اذاغربت الشمس:	جب سورج ڈوب جاتا تھا۔
اذاغاب الشفق:	جب شفق (سفیدی) غائب ہو جاتی تھی۔
ان یفسح البصر:	جب نظر پھیل جاتی ہے۔

مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ باب۳۰: کسی نماز کی ایک رکعت پالینے والے کا حکم

اس امر پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی کافر مسلمان ہوا، مدہوش کو ہوش آ گئی، حائضہ ونفاسہ نے مدت پوری کر لی، اور ابھی وقتی نماز کا اتنا وقت باقی ہے؛ کہ اس وقت میں ایک رکعت پڑھی جا سکتی ہے، تو اس پر یہ وقتی نماز کا ادا کرنا فرض ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے اس باب کے قائم کرنے کا مقصد بھی اسی مسئلہ کو بیان کرنا ہے، کیونکہ آپ نے باب مطلقاً نماز کی رکعت پانے والے کے بارے میں قائم فرمایا ہے۔

اس باب میں آپ نے چھ احادیث مبارکہ سے استنباط کیا ہے، پچھلے باب میں نمازِ فجر کے آخری وقت کا بیان تھا، اور اس باب میں تمام نمازوں کے آخری وقت پالینے والے کا حکم بیان ہوا ہے، اس طرح دونوں ابواب آخری اوقات کے بارے میں ہیں۔

۵۵۲۔ أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا:
جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے ساری نماز پالی۔

ا۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

بخاری: ۵۸۰، مسلم: ۶۰۷، ابوداؤد: ۱۱۲۱، احمد: ۷۲۸۸، مؤطا مالک، ج ا، ص ۱۰، السنن الکبریٰ: ۱۵۳۷، تحفۃ الاشراف: ۱۵۲۴۳

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں پانچ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

ا۔قتیبہ: راجع: ۱۱۸ ۲۔مالک: راجع: ۱۱۷

۳۔ابن شہاب: راجع: ۱۱۶ ۴۔ابوسلمہ: راجع: ۱۶۱

۵۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: راجع: ۱۱۰

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث مبارکہ خماسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ خماسیات کے اعتبار سے یہ دوسودو (۲۰۲) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے پہلے راوی بغلانی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ سند کے دوسرے راوی امام مالک ہیں، جو کہ ائمہ اربعہ میں سے ہیں، اور فقہ مالکی کے بانی ہیں۔

☆ حضرت ابوسلمہ فقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں دو تابعی اور تین فقیہہ راوی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۵۱۵

۵۵۳۔ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ إِدْرِيسَ قَالَ :حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَهَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے ساری نماز پالی۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

مسلم: ۶۰۷، احمد: ۷۷۰۰، السنن الکبریٰ: ۱۵۳۶، تحفۃ الاشراف: ۱۵۲۱۴

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، ان سب کا تعارف گزر چکا ہے۔

۱۔اسحاق بن ابراہیم:	راجع: ۱۲۸	۲۔عبداللہ بن ادریس:	راجع: ۱۰۲
۳۔عبیداللہ بن عمر:	راجع: ۱۵	۴۔زہری:	راجع: ۱۱۶
۵۔ابوسلمہ:	راجع: ۱۶۱	۶۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:	راجع: ۱۱۰

۴۔حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔
☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسوستائیس (۲۲۷) ویں احادیث مبارکہ ہے۔
☆ سند کے تمام راوی ثقہ اجل ہیں۔
☆ سند کے پہلے راوی مروزی، دوسرے کوفی اور باقی سارے مدنی ہیں۔
☆ سند کے تیسرے راوی خلیفہ راشد دوم حضرت عمر بن خطاب کے لکڑ پوتے ہیں۔
☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ صحابہ کے بھی سرخیل ہیں، اور آپ سے سب سے زیادہ روایات مروی ہیں۔

☆ سند میں الفاظ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۵۱۴۔۵۱۶

۵۵۴۔ أَخْبَرَنِي يَزِيدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الصَّمَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ الْعَطَّارُ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ وَهُوَ ابْنُ سَمَاعَةَ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَعْيَنَ، عَنْ أَبِي عَمْرٍو الْأَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے پوری نماز پالی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۵۵۲

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں آٹھ راوی ہیں، جن میں سے چھ کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت یزید بن محمد اور ہشام عطار کے حالاتِ زندگی قلم بند کیے جا رہے ہیں۔

ا۔یزید بن محمد بن عبد الصمد:

آپ کا نام ابوالقاسم یزید بن محمد بن عبد الصمد بن عبداللہ قریشی دمشقی (م:۲۷۷ھ) ہے، آپ کا تعلق طبقہ غلامان سے تھا، آپ رواۃ کے گیارہویں طبقہ سے ثقہ، صدوق راوی ہیں، امام ابوداؤد اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، ایک یہی حدیث الباب اور دوسری حدیث نمبر ۱۸۱۱ ہے۔ آپ کا سن پیدائش ۱۹۸ھ ہے۔ آپ نے اناسی (۷۹) سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت یزید بن محمد کے بارے میں اقوالِ ائمہ:

ا۔　امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت جوصاء رحمۃ اللہ علیہ دو محدثین پر بڑا اعتماد کرتے تھے، ایک یزید بن محمد اور دوسرے ابوزرعہ دمشقی پر۔

۲۔ امام ابن یونس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ تشریف لائے، لکھا اور مصر تشریف لے گئے، اور وہیں پر ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔

۳۔ علامہ ابوبکر بن فطیس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ نے ۲۷۵ھ یا ۲۷۶ھ میں وفات پائی۔(۱)

۲۔ ہشام عطار:

آپ کا نام ابوعبدالملک ہشام بن اسماعیل بن یحییٰ بن سلیمان عطار دمشقی (م: ۲۱۷ھ) ہے، آپ رواۃ کے دسویں طبقہ سے ثقہ، فقیہ، عابد راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، امام ابوداؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو ہی احادیث مروی ہیں، جو اس سے ماقبل تذکرہ میں مذکور ہے۔

امام ہشام عطار کے بارے میں اہل علم کی آراء:

۱۔ امام عبدالسلام بن عتیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے شہر میں ان کی مثل کوئی اور شخصیت نہ تھی، آپ ثقہ شیخ الحدیث تھے، آپ کی امام قعنبی کے ساتھ مشابہت تھی۔

۲۔ شیخ ابن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے تھے، میں نے شہر دمشق میں ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔

۳۔ امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ بہت دور اندیش اور عقل مند شخصیت کے مالک تھے، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پابند تھے، اور اہل دمشق میں سے کوئی ان کے زمانہ میں ان سے افضل واعلیٰ نہ تھا۔

۴۔ امام ابوزرعہ دمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ دمشق کے اہل فتویٰ میں سے تھے۔

۵۔ امام ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں ۲۱۶ھ میں دمشق گیا، اس وقت آپ بیمار تھے، اور اسی بیماری میں آپ نے وفات پائی۔(۲)

۱۔ i۔ تاریخ الدارمی، ص ۸۸۲ ii۔ الثقات، ج ۷، ص ۶۲۷

۲۔ i۔ تہذیب الکمال، ج ۳، ص ۱۷۶ ii۔ الجرح والتعدیل، ج ۹، ص ۵۲

۳۔اسماعیل بن سماعہ: راجع:۲۰۱ ۴۔موسیٰ بن اعین: راجع:۴۱۴

۵۔ابو عمرو اوزاعی: راجع:۱۷۴ ۶۔زہری: راجع ۱۱۶

۷۔ابوسلمہ: راجع:۱۶۱ ۸۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: راجع:۱۱۰

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت ثمانیاتِ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ ثمانیات کے اعتبار سے یہ اٹھارویں (۱۸) حدیثِ مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں

☆ سند کے پہلے پانچ راوی دمشقی اور آخری تین مدنی ہیں۔

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابو مسلم اور امام زہری سے یہ مسلسل تیسری حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ حضرت یزید بن محمد اور ہشام ابن اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔ اور دونوں شے صرف دو ہی حدیث مبارکہ مروی ہیں۔ ایک یہی حدیث الباب اور دوسری حدیث نمبر ۱۸۱۱ مروی ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنی، ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ پانچ دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۵۵۲

۵۵۵۔أَخْبَرَنِی شُعَیْبُ بْنُ شُعَیْبِ بْنِ إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِیرَةِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِیُّ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَهَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے (پوری) نماز پالی۔

۱۔مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۵۵۴

۳۔تعارف رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو شیوخ حضرت شعیب اور حضرت ابوالمغیرہ کے حالاتِ زندگی لکھے جا رہے ہیں: آپ کا نام ابومحمد شعیب بن شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمان اموی دمشقی (۱۹۰ھ۔ ۲۶۴ھ) ہے، آپ بنو امیہ سے تعلق ولاء رکھتے تھے، آپ ابھی ماں کے پیٹ میں تھے، تو والد کی وفات ہوگئیں تھی، اس لیے آپ کا نام باپ کے نام پر رکھا گیا تھا، آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے صدوق، ثقہ راوی ہیں، ائمہ صحاح ستہ میں سے صرف امام نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چھ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۱)

۲۔ابوالمغیرہ:

آپ کا نام ابوالمغیرہ عبدالقدوس بن حجاج خولانی حمصی (م:۲۱۲ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں ثقہ راوی ہیں، اہل علم آپ کی ثقاہت پر متفق ہیں، آپ کی نماز جنازہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی تھی۔ ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے پانچ احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۲)

۳۔الاوزاعی: راجع:۱۷۴　　**۴۔الزہری:** راجع:۱۱۶

۵۔سعید بن المسیب: راجع:۱۶۰　　**۶۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ:** راجع:۱۱۰

۴۔حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے۔

۵۔خصوصیاتِ سند:

☆ یہ حدیث سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دوسو پچیس (۲۲۵) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی اور تیسرے راوی دمشقی، دوسرے حمصی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

۱۔i۔ الجرح والتعدیل، ج۴،ص۳۴۷،　ii۔ تقریب التہذیب، ج۱،ص۳۳۹

۲۔i۔ الجرح والتعدیل، ج۵،ص۵۶،　ii۔ الثقات، ج۸،ص۴۱۹

☆ حضرت شعیب اور ابوالمغیرہ سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہیں۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ رواۃ کے سرخیل ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنی ایک دفعہ، حدثنا، دو دفعہ اور عنعنہ تین دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع:۵۱۴۔۵۱۶

۵۵۶۔أَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ سُلَيْمَانَ بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ :حَدَّثَنَا بَقِيَّةُ، عَنْ يُونُسَ قَالَ :حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ أَوْ غَيْرِهَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے جمعہ یا کسی اور نماز کی ایک رکعت پالی، تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

۱۔مطابقت:

حدیثِ مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

تقدیم:۵۵۷، ابن ماجہ:۱۱۲۳، دارقطنی: ۱۵۹۰۔۱۵۹۳، السنن الکبریٰ:۱۵۴۰، تحفۃ الاشراف:۷۰۰۱

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں چھ راوی ہیں، جن میں سے چار کا تعارف گزر چکا ہے، باقی دو کا تعارف لکھا جا رہا ہے۔

۱۔موسیٰ بن سلیمان بن اسماعیل بن القاسم:

آپ کا نام موسیٰ بن سلیمان بن اسماعیل بن القاسم منبجی ہے آپ رواۃ کے دسویں طبقہ صغار سے صالح الحدیث مقبول راوی ہیں، امام ابن حبان فرماتے ہیں: جب یہ حضرت بقیہ کے علاوہ کسی اور سے روایت کریں، تو درست ہے، اسی طرح امام ابن حاتم فرماتے ہیں: ان کی روایت بقیہ سے قبول نہیں کی جائے گی، اور بقیہ کے علاوہ باقی شیوخ سے قبول کی جائے گی، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ آپ سے روایت لینے میں منفرد ہیں، سنن نسائی میں آپ سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔(۱)

۲۔بقیہ:

آپ کا نام ابو محمد بقیہ بن ولید بن صائد بن کعب کلاعی حمصی (۱۱۵۔۱۹۷ھ) ہے، آپ رواۃ کے آٹھویں طبقہ سے ثقہ،

۱۔ i۔المعجم المشتمل، ص۱۰۶۶ ii۔الثقات، ج۹، ص۱۶۳

صدوق، کثیر التدلیس راوی ہیں۔ ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں۔ البتہ امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے سنن نسائی میں آپ سے باون (۵۲) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔

حضرت بقیہ کے بارے میں ائمہ رجال کی تعدیل وتجریح:

۱۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ صدوق راوی ہیں، لیکن اپنے سے پہلے اور بعد والے دونوں قسم کے راویوں سے روایت کرتے ہیں۔

۲۔ علامہ محمد بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہ اگر ثقہ راویوں سے روایت کریں، تو روایت ثقہ ہے، اگر غیر ثقہ سے روایت کریں، تو ضعیف ہے۔

۳۔ امام عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر معروف راویوں سے روایت کریں تو ثقہ ہیں، اور اگر مجہولین سے روایت کریں، تو کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۴۔ امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت بقیہ عجب شان کے مالک ہیں: جب یہ ثقہ راویوں سے روایت کریں تو ثقہ ہیں، میرے نزدیک ان میں مجہول راویوں سے کثرتِ روایت کے علاوہ کوئی عیب نہیں ہے۔

۵۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب یہ حدثنا۔ اخبرنا۔ کے صیغوں کے ساتھ روایت کریں، تو ثقہ ہیں، اور جب عنعنہ سے روایت کرتے ہیں، تو ان کی روایت قبول نہ کی جائے، کیونکہ پھر پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کس سے روایت کر رہے ہیں۔

۶۔ امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علامہ بقیہ نے بعض روایات میں ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہے، اس لیے جب یہ اہل شام سے روایت کریں، تو ثابت راوی ہیں اور اگر اہل شام کے علاوہ، دوسرے سے روایت کریں، تو اختلاط کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور اگر مجہولین سے روایت کریں، تو پھر ان سے روایت نہ لی جائے گی، حضرت بقیہ راوی حدیث ہیں، اور آپ بڑوں اور چھوٹوں سب سے روایت کرتے ہیں، اور آپ سے بزرگ روایت کرتے ہیں، یہ شان صرف حضرت بقیہ کی ہے۔ (۱)

۳۔ یونس: راجع: ۹　　**۴۔ الزھری:** راجع: ۱۱۶

۵۔ سالم: راجع: ۴۹۰　　**۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر:** راجع: ۱۱۷

۱۔ i۔ طبقات ابن سعد، ج ۷، ص ۴۶۹　　ii۔ الکامل، ج ۲، ص ۷۲

۴۔ حکم روایت:

یہ حدیث مبارکہ اس سند سے ضعیف، جبکہ دیگر اسناد اور شواہد و متابعات کی بناء پر صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سداسیات امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ہے۔

☆ سداسیات کے اعتبار سے یہ دو سو انتیس (۲۲۹) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ حضرت بقیہ جب ثقات کے علاوہ روایت کریں، تو متکلم فیہ ہیں۔

☆ یہ تابعی کی دوسرے تابعی سے روایت ہے، کیونکہ امام زہری اور حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ دونوں تابعین میں سے ہیں۔

☆ یہ بیٹے کی باپ سے روایت ہے، حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ مکثرین سبعہ اور فقہاء عبادلہ اربعہ صحابہ میں سے ہیں۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنی ایک دفعہ، صیغہ تحدیث دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔ لغات:

من ادرك:	جس نے پالی،	ركعة:	ایک رکعت
الجمعة:	جمعہ مبارک	غيرها:	اس کے علاوہ
قدتمت:	تحقیق پوری ہوگئی	صلاته:	اس کی نماز

۵۵۷۔أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ التِّرْمِذِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ فَقَدْ أَدْرَكَهَا إِلَّا أَنَّهُ يَقْضِي مَا فَاتَهُ

حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص کسی بھی نماز کی ایک رکعت پالے، اس نے وہ نماز پالی وہ رہ جانے والی رکعت پڑھ لے۔

۱۔ مطابقت:

حدیث مبارکہ کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔

۲۔اطراف:

راجع:۵۵۶

۳۔تعارفِ رجال:

اس روایت کی سند میں سات راوی ہیں، جن میں سے تین کا تعارف گزر چکا ہے، باقی چار شیوخ حضرت محمد بن اسماعیل ایوب بن سلیمان، ابوبکر اور سلیمان بن بلال کا تذکرہ لکھا جاتا ہے:

ا۔محمد بن اسماعیل:

آپ کا نام ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل بن یوسف سلمی ترمذی (م:۲۸۰ھ) ہے، آپ نے شہر بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ آپ رواۃ کے گیارھویں طبقہ سے ثقہ، حافظ، صدوق، مامون راوی ہیں، امام ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے دو احادیث مبارکہ مروی ہیں، ایک یہی حدیث الباب اور دوسری حدیث نمبر ۳۸۳۸ مروی ہے۔

حضرت محمد بن اسماعیل کے بارے میں اقوال ائمہ:

ا۔ علامہ ابوبکر خلال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آپ مشہور راوی حدیث ہیں، آپ ثقہ اور کثیر الحدیث راوی ہیں، آپ فقیہ راوی ہیں۔

۲۔ علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل ذی شعور، معاملہ فہم، قابل اعتماد مشہور راوی حدیث ہیں، آپ سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر سختی سے عمل کرنے والے تھے۔

۳۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آپ ثقہ، حافظ راوی ہیں اور ابن ابی حاتم نے جو آپ کے بارے میں جرح کی ہے، وہ درست نہیں ہے۔(۱)

۲۔ایوب بن سلیمان:

آپ کا نام ابو یحییٰ بن سلیمان بن بلال قریشی مدنی (م:۲۲۴ھ) ہے، آپ رواۃ کے نویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کو علامہ ازدی اور ساجی نے بلا دلیل لیّن کہا ہے، یہ ان کا کہنا درست نہیں ہے، آپ کو امام ابو داؤد اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے، امام بخاری، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی آپ سے روایت کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں۔(۲)

۱۔ i۔الثقات، ج۹، ص۱۵۰ ii۔تاریخ بغداد، ج۲، ص۴۲

۲۔ i۔الثقات: ج۴، ص۲۸ ii۔میزان الاعتدال، ج۱، ص۲۸۷

۳۔ابو بکر:

آپ کا نام عبدالحمید بن ابی اویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس اصبحی مدنی اعشی (م:۲۰۲ھ) ہے، آپ اپنے والد کی طرح نام کی بجائے کنیت سے مشہور ہیں، آپ روایت کے نویں طبقہ سے ثقہ راوی ہیں، ائمہ صحاح ستہ آپ سے روایت کرتے ہیں، البتہ امام ابن ماجہ آپ سے روایت نہیں کرتے ہیں، سنن نسائی میں آپ سے چار احادیث مبارکہ مروی ہیں، آپ کو امام ابن حبان، ابن معین، یحییٰ، حاکم اور دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۴۔سلیمان بن بلال:

نام ونسب:

سلیمان نام اور ابو محمد اور ابو ایوب کنیت اور والد کا نام بلال تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کے غلام تھے، جو نسبا تیم قریش سے تعلق رکھتے تھے، اسی طرف منسوب ہو کر سلیمان بھی تیمی اور قریشی مشہور ہوئے۔(۱)

وطن:

مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے، پوری زندگی اسی کی جاروب کشی میں گزاری۔

فضل وکمال:

علم ودانش اور فضل وکمال میں یکتائے عصر تھے، بالخصوص فقہ میں ان کا تجر وتفوق مسلم تھا، حدیث کے بھی ممتاز حافظ تھے، ماہر نقد وجرح عبدالرحمن بن مہدی (المتوفی ۱۹۸ھ) تاحیات اس بات پر کف افسوس ملتے رہے کہ وہ سلیمان سے زیادہ احادیث کا سماع حاصل نہ کر سکے۔(۲)، علامہ ذہبی الحافظ المفتی لکھتے ہیں۔(۳) ابن سعد رقمطراز ہیں، کان ثقۃ کثیر الحدیث (۴)، ذھلی کا بیان ہے کہ مدنی شیوخ کی مرویات میں انہیں خاص تجر حاصل تھا۔(۵)

شیوخ واساتذہ:

انہیں جن علماء کبار سے روایت کی سعادت نصیب ہوئی ان میں عبداللہ بن دینار، زید بن اسلم، خثیم بن عراک، ابو حازم الاعرج، ربیعۃ الرائے، اسماعیل بن ابی صالح، ابی عجلان، موسیٰ بن انس، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، یحییٰ بن سعید، یزید بن حصیفہ، ثور بن زید الدیلی، جعفر الصادق، سہیل بن ابی صالح، عتبہ بن مسلم اور یونس بن یزید لائق ذکر ہیں۔

خود ان کے فضل وکمال سے مستفید ہونے والوں میں مشاہیر فن علماء کے نام شامل ہیں، چند یہ ہیں: عبداللہ بن مبارک، خالد بن مخلد یحییٰ بن یحییٰ النیشاپوری محمد بن سلیمان لوین، سعید بن ابی مریم، عبدالعزیز بن ابی اویس، سعید بن عفیر، عبداللہ بن وہب ابو

۱۔ طبقات ابن سعد، ج ۵ ص ۳۱۱، اللباب فی تہذیب الانساب، ج ۱ ص ۱۹۰　　۲۔ تہذیب التہذیب، ج ۴ ص ۱۷۶
۳۔ تذکرۃ الحفاظ، ج ۱ ص ۲۱۱　　۴۔ طبقات ابن سعد، ج ۵ ص ۳۱۱　　۵۔ تہذیب التہذیب، ج ۴ ص ۱۷۶

سلمہ الخزاعی، بشر بن عمر الزہرانی قعنبی، سب سے آخری راوی لوین ہیں۔(۱)

فقہ وافتاء:

کمال تفقہ کے باعث مدینہ منورہ میں ان کی ذات افتاء کا مرکز ومرجع بن گئی تھی، یہاں تک کہ ''مفتی مدینہ'' ان کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔

وصولی خراج کی افسری:

اس کی دیانت وتقویٰ عوام اور خواص میں اس درجہ مسلم تھا کہ اپنے شہر مدینہ کے تمام خراج کے ذمہ دار افسر بھی مقرر کیے گئے تھے۔(۲)

ثقاہت:

ان کی عدالت وثقاہت پر تمام ائمہ فن متفق ہیں۔ یحییٰ بن معین خلیلی، عبدالرحمٰن بن مہدی، ابن عدی، ابن حبان اور ابن شاہین، سب برملا ان کو ثقہ اور صالح الحدیث قرار دیتے ہیں، ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں۔ کان من الثقات الاثبات۔(۳)، یعنی وہ ثقہ اور ثبت علماء میں تھے، علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھ کر ان کے علم وفضل کو سراہتے ہیں۔(۴)، سلمان کی وفات کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان سے روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فاکھی کی کتاب مکہ میں امام صاحب کی اس روایت کو خود دیکھ کر اس کی شہادت دی ہے۔(۵)

وفات:

۱۷۲ ہجری ہارون الرشید کے ایام خلافت میں بمقام مدینہ طیبہ رحلت فرمائی اور عالم جاوداں ہوئے۔(۶)(۷)

۵۔ **یونس:**　راجع:۹　　۶۔ **ابن شہاب:**　راجع:۱۱۶

۷۔ **سالم:**　راجع:۴۹۰

۴۔ حکمِ روایت:

یہ حدیث مبارکہ اس سند سے مرسل صحیح ہے، جبکہ باقی شواہد ومتابعات کی بناء پر مرفوع صحیح ہے۔

۵۔ خصوصیاتِ سند:

☆ یہ روایت سباعیاتِ امام نسائی میں سے ہے۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۱۱　۲۔ طبقات ابن سعد، ج۵، ص۳۱۱　۳۔ شذرات الذہب، ج۱، ص۲۸۱
۴۔ طبقات ابن سعد، ج۵، ص۳۱۱　۵۔ تہذیب التہذیب، ج۴، ص۱۷۶
۶۔ العرفی خبر من عنبر، ج۱، ص۶۱، وتذکرۃ الحفاظ، ج۱، ص۲۱۲، وشذرات الذہب، ج۱، ص۲۸۱　۷۔ سیر الصحابہ، ج۹، ص۱۵۵۔۱۵۶

☆ سباعیات کے لحاظ سے یہ ترانوے (۹۳) ویں حدیث مبارکہ ہے۔

☆ سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

☆ سند کے پہلے راوی ترمذی، بغدادی، پانچویں ایلی اور باقی سارے مدنی ہیں۔

☆ حضرت محمد بن اسماعیل، ایوب بن سلیمان، ابوبکر اور سلیمان بن بلال سے سنن نسائی میں یہ پہلی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ امام محمد بن مسلم شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مسلسل چھٹی حدیث مبارکہ مروی ہے۔

☆ یہ روایت، باعتبار سند مرسل ہے، کیونکہ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں، اور وہ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، البتہ اس سے حدیث کی صحت پر فرق نہیں، کیونکہ جمہور ائمہ رجال کے نزدیک ثقہ تابعی کی روایت قابل قبول ہے۔

☆ سند میں الفاظِ روایت اخبرنا ایک دفعہ، حدثنا دو دفعہ اور عنعنہ چار دفعہ استعمال ہوا ہے۔

۶۔لغات:

راجع: ۵۵۶

۷۔مسائل ونصائح:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حسب ذیل سات عناوین قائم کیے ہیں، نماز فجر کا ابتدائی وقت، نمازِ فجر کے اوقات کے متعلق، مقیم کا فجر اندھیرے میں پڑھنا، مسافر کا فجر اندھیرے میں پڑھنا، نمازِ فجر روشنی میں پڑھنا، نمازِ فجر کی ایک رکعت پانے والے کا حکم، نماز فجر کا آخری وقت، کسی نماز کی ایک رکعت پالینے والے کا حکم، مذکورہ ابواب کے تحت عورتوں کا مسجد میں جا کر نماز پڑھنا اور غزوہ خیبر کا ذکر بھی آیا ہے، اس لیے ان ذیلی عنوانات پر بھی بحث ہوگی، ان تمام موضوعات پر تفصیلی ابحاث حسب ذیل ہیں:

نماز فجر کا ابتدائی اور آخری وقت:

اس بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ نمازِ فجر کا وقت طلوع فجر سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ہے۔

نمازِ فجر:

فجر دراصل شفق ہے، اس سے مراد صبح کی روشنی ہے، اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں سورج کی سرخی کے سبب اس روشنی سے تاریکی پھٹ جاتی ہے، آخر رات میں فجر، شروع رات میں شفق کی طرح ہے۔(۱)

فجر اول:

فجر کاذب، یعنی لمبائی میں پھیلنے والی سفیدی، جو آسمان کی سمت میں ظاہر ہوتی ہے، عرب والوں نے اس کو ذنب

۱۔ القرطبی، ج ۲، ص ۲۸، المصباح المنیر، لسان العرب متن اللغہ، کشاف القناع، ج ۱، ص ۲۵۵

سرحان (بھیڑیئے کی دم) کہا جاتا ہے۔ پھر یہ روشنی ختم ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے اس کو فجر کاذب کہتے ہیں، اس لیے کہ اس کی روشنی ظاہر ہونے کے بعد پھر تاریکی آجاتی ہے۔

فجر ثانی: یا فجر صادق:

افق میں چوڑائی میں پھیلنے والی سفیدی، جس کی روشنی طلوع آفتاب تک بڑھتی جاتی ہے، اس کو فجر صادق اس لیے کہتے ہیں، کہ جب اس کی روشنی ظاہر ہوتی ہے، تو افق میں پھیل جاتی ہے۔(۱)

حدیث میں ہے: ''لایمنعنکم من سحوز کم اذان بلال و لا الفجر المستطیل ، ولکن الفجر المستطیر فی الافق''(۲)

(تم کو بلال کی اذان سحری سے نہ روک دے، اور نہ لمبی فجر، مگر ہاں وہ فجر جو افق میں پھیلی ہوئی ہو)۔

نووی نے کہا: سارے احکام کا تعلق فجر ثانی سے ہے، اسی سے نمازِ فجر کا وقت داخل ہوتا ہے، عشاء کا وقت نکل جاتا ہے، روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے، اسی سے رات ختم ہوتی ہے، اور دن شروع ہوتا ہے۔(۳)

فجر کا اطلاق:

نماز فجر پر بھی ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ اسی وقت ادا کی جاتی ہے،(۴)، یہ نام قرآن مجید میں آیا ہے: ''قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهودا ''(۵)(اور صبح کی نماز بھی بیشک صبح کی نماز حضوری کا وقت ہے)، اسی طرح اس نماز کا نام: صبح و فجر احادیث میں آیا ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''من ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح''(۶)

(جس کو طلوع آفتاب سے قبل صبح کی ایک رکعت مل گئی، اس کو صبح مل گئی)۔

نماز فجر کا غداۃ نام رکھنا:

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ نمازِ فجر کا غداۃ (سویرے کی نماز) نام رکھنا مکروہ نہیں ہے جیسا کہ مالکیہ، حنابلہ اور محققین شافعیہ نے صراحت کی ہے۔(۷)

۱۔ المصباح المنیر، متن اللغہ، ہدایہ مع فتح القدیر، ج۱، ص۱۹۲، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی، ج۱، ص۱۲۲، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۲ کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۵

۲۔ سنن ترمذی، ج۳، ص۸۶، سنن ابوداؤد، ج۲، ص۷۵۹

۳۔ المجموع للنووی، ج۳، ص۴۴

۴۔ الکفایہ مع الہدایہ و فتح القدیر، ج۱، ص۱۹۲

۵۔ سورہ اسراء : ۷۸

۶۔ فتح الباری، ج۲۷، ص۵۶، صحیح مسلم، ج۱، ص۴۲۴

۷۔ الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۱۹۲، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴، المجموع، ج۳، ص۴۶، کشاف القناع، ج۱، ص۲۵۶،

نووی نے ''الام'' سے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے: مجھے پسند ہے کہ اس نماز کو صرف ان دو (فجر وصبح کے) ناموں میں سے کسی ایک سے ذکر کیا جائے، مجھے پسند نہیں کہ اس کو ''غداۃ'' کہا جائے، نووی نے کہا: اس سے کراہت معلوم نہیں ہوتی، اس لیے کہ مکروہ وہ ہے جس کے بارے میں ایسی نہی (مخالفت) ثابت ہو جو قطعی نہ ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ نماز فجر کے لیے لفظ ''غداۃ'' کا استعمال حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام سے مشہور ہے، البتہ فجر وصبح کہنا افضل ہے۔ (۱) بعض کتب شافعیہ، مثلاً ''المہذب'' وغیرہ میں لکھا ہے کہ یہ نام رکھنا مکروہ ہے۔ (۲)

فجر کو نماز وسطیٰ کہنا:

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ فرمان باری: ''حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی''(۳) (سب ہی نمازوں کی پابندی کرو (خصوصاً) درمیانی نماز کی)، میں نماز وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے، جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔

مالکیہ کے یہاں مشہور اور یہی امام شافعی کا قول ہے، جس کی صراحت ''الام'' میں ہے نماز وسطیٰ: نماز فجر ہے حتیٰ کہ مالکیہ اس کو وسطیٰ کہتے ہیں نفراوی نے کہا: اس کے چار نام ہیں: صبح، فجر، وسطیٰ اور غداۃ (۴)(۵)

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

فجر ابتدائی وقت:

یہ صبح صادق کا طلوع ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک رہتا ہے، اور صبح صادق سے مراد وہ سفیدی ہے جو افق میں عرضاً (چوڑائی) میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں کاذب ہوتی ہے، یہ وہ صبح ہوتی ہے، جو مستطیل شکل اوپر کی طرف اٹھی ہوئی آسمان کے بیچ میں ظاہر ہوتی ہے، جیسے سرحان (بھیڑیے) کی دم اس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے، پہلی قسم (یعنی صبح کاذب) سے کوئی حکم، شرعی متعلق نہیں ہوتا ہے۔ دلیل اس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے صبح دو طرح کی ہیں، ایک وہ جو کھانے پینے کو ممنوع کر دیتی ہے اور نماز کو حلال کر دیتی ہے۔ دوسری وہ جس میں نماز حرام ہو جاتی ہے یعنی فجر کی نماز اور کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ (۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں جو امام مسلم نے روایت کی ہے منقول ہے صبح کی نماز کا وقت فجر کے طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے جب تک کہ سورج نہ نکلے، اور سورج کے بعد سے ظہر تک کا وقت مہمل کہلاتا ہے، اس میں کوئی فرض ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ (۷)

۱۔ المجموع، ج ۳، ص ۴۶ ۲۔ المذہب، ج ۱، ص ۶۰ ۳۔ سورہ بقرہ ۲: ۲۳۸

۴۔ ابن عابدین، ج ۱، ص ۲۴۰، الحطاب، ج ۱، ص ۳۹۸۔ ۴۰۰، الفواکہ الدوانی، ج ۱، ص ۱۹۲، المجموع، ج ۳، ص ۶۰، مغنی المحتاج، ج ۱، ص ۱۲۴، کشاف القناع، ج ۱، ص ۲۵۶ ۵۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۲۷، ص ۱۶۹۔ ۱۷۱

۶۔ سبل السلام، ج ۱، ص ۱۱۵ ۷۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۴۱

فجر کا ابتدائی وآخری وقت:

فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نماز کا اول وقت طلوع فجر ثانی، یعنی فجر صادق ہے، اور اس کا آخری وقت طلوع آفتاب تک ہے۔(۱)

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ان للصلاۃ اولا و آخرا وان اول وقت الفجر حین یطلع الفجر وان آخر وقتھا حین تطلع الشمس''(۲) (نماز کا اول وآخری وقت ہوتا ہے، فجر کا اول وقت طلوع فجر ہے، اور اس کا آخری وقت طلوع آفتاب ہے۔) بعض فقہاء نے فجر کے وقت کو: وقت مختار وضرورت وغیرہ تقسیم کیا ہے۔(۳)(۴)

مقیم کا نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا:

فقہاء کرام نے نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے مقیم یا مسافر کا فرق نہیں کیا، البتہ فقہاء احناف فجر کی روشنی میں ادا کرنے کو افضل کہتے ہیں، اور باقی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جلدی اور اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔ سب کے نقلی وعقلی دلائل حسب ذیل ہیں:
ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

نمازوں کے افضل یا مستحب وقت کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں احناف فرماتے ہیں(۵)، کہ مردوں کے لیے فجر کی نماز (اسفار) روشنی میں پڑھنا مستحب ہے (یعنی جب تھوڑی بہت روشنی ہو جائے) کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھو یہ بڑے اجر کا باعث ہے۔(۶)

اور اس کی حد یہ ہے کہ سفیدی اور روشنی ہونے کے بعد جب نماز شروع کی جائے تو قرات مسنونہ کے ساتھ ادا کی جاسکے۔ قرات مسنونہ کا مطلب ہے ترتیل کے ساتھ چالیس سے ساٹھ کے قریب آیات تلاوت کی جاسکیں، اور اتنا وقت بچے کہ نماز خراب ہونے کی صورت میں طہارت کے ساتھ اس کو دوبارہ ادا کیا جائے اور دوسری وجہ روشنی میں پڑھنے کے افضل ہونے کی یہ ہے کہ اس حالت میں پڑھنے سے نمازی زیادہ شریک ہوسکیں گے، اور جلدی پڑھ لینے سے نمازی کم شریک ہو پائیں گے، اور نمازیوں کی تعداد بڑھانے والا عمل بہر حال افضل عمل ہے، اور ایک اور بات یہ ہے کہ اس فضیلت کا حاصل کرنا آسان ہوسکے گا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور حدیث حسن ہے کہ جو شخص فجر کی نماز باجماعت ادا کرے پھر بیٹھ کر اللہ کے ذکر میں مشغول رہے سورج طلوع ہونے تک پھر دو رکعت ادا کرے تو اس کو ایک مکمل حج ایک مکمل عمرے کا ثواب ملے گا۔(۷)

۱۔ فتح القدیر مع الہدایہ، ج۱، ص۱۹۲، الفواکہ الدوانی، ج۱، ص۹۴، مغنی المحتاج، ج۱، ص۱۲۴، المغنی لابن قدامہ، ج۱، ص۳۸۵
۲۔ سنن الترمذی، ج۱، ص۲۸۳۔۲۸۴　　۳۔ سابقہ مراجع الدسوقی، ج۱، ص۱۸۹، حاشیۃ الجمل، ج۱، ص۲۷۳
۴۔ فقہیہ کویتیہ، ج۲۷، ص۳۴۷　　۵۔ اللباب، ج۱، ص۶۱　　۶۔ نصب الروایۃ، ج۱، ص۳۵
۷۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص۴۴۴

فجر میں تغلیس یا اسفار:

جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ تغلیس، یعنی نمازِ فجر کو اندھیرے میں پڑھنا (ا) اسفار) (اجالے میں پڑھنے) سے افضل ہے (۲)، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''افضل الاعمال الصلاۃ فی اول وقتھا'' (ا) سنن ابوداؤد، ج ا ص ۲۹۶ (افضل عمل نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے)۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ فجر کو اسفار تک موخر کرنا مندوب ہے۔ (۳)

اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: '' اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر '' (۴) (صبح کی نماز روشنی میں پڑھو، اس سے اجر زیادہ ملتا ہے) زیلعی نے کہا ہے کہ اس قدر تاخیر نہ کرے کہ طلوع آفتاب کا شک ہونے لگے بلکہ اس قدر اجالے میں پڑھے کہ اگر معلوم ہو کہ نماز فاسد ہوگئی ہے تو پھر سے دوبارہ وقت کے اندر مستحب قرات کے ساتھ اس کو پڑھنا ممکن ہو، نماز فجر میں اسفار کرنے سے قربانی کے دن مزدلفہ میں نماز فجر مستثنی ہے کہ اس میں تمام حضرات کے نزدیک تغلیس مستحب ہے۔ (۵) (۶)

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فجر کے مستحب وقت میں مذاہب ائمہ:

فجر کی نماز کا وقت بالاتفاق صبح صادق سے طلوع آفتاب تک رہتا ہے، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، (۷)، امام شافعی (۸) اور امام احمد بن حنبل (۹) کے نزدیک منہ اندھیرے فجر کی نماز پڑھنا مستحب ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۰) کے نزدیک فجر روشن ہونے کے بعد نماز فجر پڑھنا مستحب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل اس باب کی وہ احادیث ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ اندھیرے نماز پڑھتے تھے اور اندھیرے کی وجہ سے نمازی ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے تھے، امام اعظم کی طرف سے ان احادیث کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لیے فجر کے اول وقت میں بھی نماز پڑھائی۔ تاہم افضل یہ ہے کہ صبح روشن ہونے کے بعد نماز فجر پڑھی جائے کیونکہ اس باب میں حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب نمازی (روشنی کی وجہ سے) ایک دوسرے کو پہچان لیتے تھے اور یہ روایت اس لیے راجح ہے کہ متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز اس وقت پڑھنے کا حکم دیا جب سفیدی پھیل جائے۔ سطور ذیل میں احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ الدوانی، ج ا ص ۱۹۳۔۱۹۴ ۲۔ الفواکہ الدوانی، ج ا ص ۱۹۳، مغنی المحتاج، ج ا ص ۱۲۶، کشاف القناع، ج ا ص ۲۵۶،
المغنی الابن قدامہ، ج ا ص ۳۹۴۔۳۹۵ ۳۔ تبیین الحقائق، ج ا ص ۸۲ ۴۔ سنن ابوداؤد، ج ا ص ۲۹۴، سنن
نسائی، ج ا ص ۲۷۲، سنن الترمذی، ج ا ص ۲۸۹ ۵۔ تبیین الحقائق، ج ا ص ۸۲ ۶۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۲۷، ص ۳۴۸
۷۔ اکمال اکمال المعلم، ج ۴ ص ۲۱۸ ۸۔ شرح صحیح مسلم، ج ا ص ۲۳۰
۹۔ مغنی ابن قدامہ، ج ا ص ۲۳۷ ۱۰۔ ہدایہ مع فتح القدیر، ج ا ص ۱۹۷

(۱) عن رافع بن خدخدیج قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للا جر۔(۱)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح روشن پڑھو، کیونکہ اس میں زیادہ اجر ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے جواب میں کہتے ہیں کہ اسفار کا معنی یہ ہے کہ فجر کا وقت متحقق ہو جائے اور اس میں شک نہ رہے: امام ابن ہمام نے اس جواب پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اسفار کا معنی فجر کے وقت کا تحقق ہو تو حدیث شریک کا معنی یہ ہوگا کہ فجر کا وقت متحقق ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے زیادہ اجر ملتا ہے، جو اس بات کو مستلزم ہے کہ اگر وقت سے پہلے فجر پڑھ لی جائے تو پھر بھی اجر ملے گا اور یہ بداہۃً باطل ہے۔(۲)

۲۔ عن رافع حذیج قال قال رسول الله ﷺ اصبحوا با بصح فانه اعظم لا جورکم اواعظم للاجر ۔(۳)

حضرت رافع خدیج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز صبح کے وقت پڑھو۔ کیونکہ اس میں زیادہ اجر ہے۔

۳۔ عن محمود بن لبید عن رجال من قومه من الانصار ات رسول الله ﷺ قال ما اسفر تم بالصبح قانه اعظم ۔بالا اجر ۔(۴)

محمود بن لبید اپنی قوم کے لوگوں سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح کی نماز روشن کر کے پڑھنے سے زیادہ اجر ملتا ہے۔

۴۔عن ابی طریف انه کان شاھد امع رسول الله ﷺ حصن الطائف فکان یصلی بنا صلوٰة الفجر حتیٰ لوان انسانا ر می بنبله ابصر مواقع نبله ۔(۵)

حضرت ابوطریف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (وہ رسول اللہ کے ساتھ طائف کے قلعہ میں حاضر تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز اس وقت پڑھائی کہ اگر کوئی انسان تیر پھینکتا تو وہ اپنے تیر گرنے کی جگہ دیکھ سکتا تھا

عن ابراھیم قال ما اجتمع اصحاب محمد ﷺ علی شئی ما اجتمعوا علی التنویر ۔(۶)

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے جتنا صبح کی نماز روشن کر کے پڑھنے میں اتفاق کیا ہے کسی مسئلہ میں نہیں کیا۔(۷)

۱۔ جامع ترمذی، ص۴۹ ۲۔ فتح الباری، ج۱، ص۱۹۸ ۳۔ سنن ابوداؤد، ج۱، ص۶۱
۴۔ سنن نسائی، ج۱، ص۵۸ ۵۔ شرح معانی الاثار، ج۱، ص۱۰۵ ۶۔ شرح معانی الاثار، ج، ص۱۰۹
۷۔ شرح صحیح مسلم، ج۲، ص۲۷۲-۲۷۳

نمازِ فجر میں مسنون قرات:

اس پر فقہا کا اتفاق ہے کہ فجر میں لمبی قرات کرنا یعنی طوال مفصل پڑھنا مسنون ہے۔(۱)، ابو برزہ نے کہا کہ ''کان النبی ﷺ یقرا فی الفجر مابین الستین الی المائۃ آیۃ''(۲)، (رسول اللہ ﷺ فجر میں ساٹھ سے سو آیات تک پڑھتے تھے۔) شربینی نے کہا: اس کی حکمت یہ ہے کہ صبح کا وقت لمبا ہے، نماز دو ہی رکعات ہیں، لہٰذا اس کو لمبی کرنا اچھا ہے۔(۳)

یہ حکم حضر میں ہے، سفر میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت پڑھ سکتا ہے، یہ ثابت ہے کہ ''ان النبی ﷺ قرا فی الصلاۃ الصبح فی سفرہ بالمعوذتین''(۴)، (رسول اللہ ﷺ نے سفر میں نماز صبح میں (۵) رسول اللہ ﷺ نے سفر میں نماز صبح میں، معوذتین پڑھی)

نماز فجر کے بعد اور اس سے قبل نفل کی ممانعت:

فقہاء کے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نمازِ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نفل پڑھنا ناجائز ہے، اسی طرح جمہور فقہاء نماز فجر سے پہلے بھی فجر کی دو رکعات سنت کے علاوہ، نفل پڑھنا جائز نہیں کہتے۔(۵) اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے کا ارشاد ہے: ''اذا طلع الفجر فلا صلاۃ الا رکعتی الفجر''(۶) (جب فجر طلوع ہو جائے تو فجر کی دو رکعات کے علاوہ کوئی نماز نہیں۔(۷)

نماز فجر میں قنوت:

مالکیہ وشافعیہ کی رائے ہے کہ صبح میں قنوت مشروع ہے، مالکیہ نے کہا: صرف صبح کی نماز وں میں نہیں رکوع سے قبل، قرات، کے بعد سراً قنوات پڑھنا مندوب ہے، اس سے قبل تکبیر نہیں ہے۔(۸) شافعیہ نے کہا ہے صبح کی دوسری رکعت کے اعتدال میں قنوت مسنون ہے۔(۹)، یعنی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد، اس میں انہوں نے کسی حادثہ کی قید نہیں لگائی ہے۔

حنفیہ وحنابلہ نے کہا ہے کہ نماز فجر میں صرف حوادث میں قنوت ہے۔(۱۰) ، اس لیے کہ حضرت ابن مسعود اور ابو ہریرہ کی روایت ہے:

''ان النبی ﷺ قنت شھرا یدعو اعلی احیاء من احیا العرب ثم ترکہ''(۱۱)

۱۔ ابن عابدین، ج۱ص۳۶۲-۳۶۳
۲۔ فتح الباری، ج۲ص۲۵۱، صحیح مسلم، ج۱ص۳۳۸
۳۔ مغنی المحتاج، ج۱ص۱۶۳، ابن عابدین، ج۱ص۲۶۳، الفواکہ الدوانی، ج۱ص۲۲۵، المغنی لابن قدامہ، ج۱ص۵۷۰
۴۔ نسائی، ج۲ص۱۵۸، المستدرک، ج۱ص۲۴۰
۵۔ الزیلعی، ج۱ص۷۸، الحطاب، ج۱ص۴۱۶، المجموع، ج۴ص۱۶۴، المغنی، ج۲ص۱۱۳-۱۱۴
۶۔ مجمع الزوائد، ج۲ص۲۱۸، فیض القدیر، ج۱ص۲۹۸
۷۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج۲۷ص۳۴۷-۳۴۸
۸۔ جواہر الاکلیل، ج۱ص۵۱، حاشیۃ الدسوقی، ج۱ص۲۴۸
۹۔ مغنی المحتاج، ج۱ص۱۱۶، القلوبی، ج۱ص۱۵۷
۱۰۔ الہدایہ مع فتح القدیر، ج۱ص۳۷۸-۳۷۹، المغنی لابن قدامہ، ج۲ص۱۵۴-۱۵۵، حاشیۃ ابن عابدین، ج۱ص۲۵۱
۱۱۔ الاحسان، بترتیب صحیح ابن حبان، ج۳ص۲۲۰

(رسول اللہ ﷺ نے ایک ماہ قنوت پڑھی، عرب کے کچھ قبائل پر بددعا کر رہے تھے، پھر آپ ﷺ نے ترک کر دیا)، حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے: ''ان رسول الله ﷺ لا يقنت في صلاة الصبح الا ان يدعو لقوم او على قوم ''(۱)، (رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں قنوت نہیں پڑھتے تھے، مگر یہ کہ کسی قوم کے لیے دعا یا کسی قوم پر بددعا کرنی ہوتی)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حوادث کے علاوہ میں فجر میں قنوت کی مشروعیت منسوخ ہوگئی ہے۔ علاوہ ازیں قنوت کے الفاظ اور اس کے طریقہ میں اختلاف و تفصیل ہے۔ (۲)

نمازِ پنجگانہ کے اوقاتِ مستحبہ:

پروفیسر ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ افضل وقت اول وقت ہے احناف فجر میں اسفار (روشنی میں کر کے پڑھنا) کو افضل سمجھتے ہیں، جمہور اس کو جلدی پڑھنے کو افضل کہتے ہیں، اور سب حضرت ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، احناف عصر کو موخر کر کے پڑھنے کو افضل سمجھتے ہیں مالکیہ اس شخص کے لیے تاخیر کو مستحب قرار دیتے ہیں، جو جماعت کے انتظار میں ہو۔ اور حنابلہ عشاء کو موخر کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں، اسی طرح ابر آلود موسم میں بارش کے خدشے کے پیش نظر ظہر اور مغرب کو جمع بین الصلاتین دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کے لیے) مستحب قرار دیتے ہیں۔

۷۔ کسی نماز کی ایک رکعت پالینے والے کا حکم:

پروفیسر ڈاکٹر زحیلی لکھتے ہیں:

نماز کس وقت میں اداشدہ شمار ہوگی؟ اس لیے شریعت کی طرف سے خاص کردہ یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ نماز اگر اپنے وقت میں سے کسی بھی حصے میں ادا کر لی جائے تو وہ ادا شمار ہوتی ہے، اور اگر وقت کے دوران ہی اسے پہلی دفعہ کسی خلل یا فساد واقع ہونے کی بناء پر دوبارہ ادا کیا جائے تو اس کو اعادہ (نماز لوٹانا) کہا جاتا ہے اور وقت مقرر گزر جانے کے بعد ادا کی جانے والی نماز قضاء کہلاتی ہے، تو قضا کی تعریف ہوئی، واجب چیز کو وقت گزرنے کے بعد انجام دینا اور اگر نمازی کو وقت میں نماز کا صرف کچھ حصہ ہی مل سکا تو کیا وہ نماز ادا شمار ہوگی یا نہیں؟ فقہاء کی اس بارے میں دو قسم کی آراء ہیں پہلی رائے احناف کی ہے اور حنابلہ کی بھی راجح قول کے مطابق یہی رائے ہے دوسری رائے مالکیہ اور شوافع کی ہے۔ (۳)

پہلی رائے:

احناف کے نزدیک اور اور امام احمد بن حنبل سے منقول دو روایتوں میں راجح قول کے مطابق (۴)

۱۔ نصب الرایہ، ج ۲، ص ۱۳۰ ۲۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، ج ۲۷، ص ۳۴۸۔۳۴۹

۳۔ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۴۷ ۴۔ الدر المختار، ج ۱، ص ۴۷۷

حنابلہ کے نزدیک بھی نماز کے خاص مقررہ وقت میں اگر تکبیر تحریمہ کہہ دی تو اس کی نماز اداء شمار ہوگی، خواہ اس شخص نے عذر کی وجہ سے نماز موخر کی ہو جیسے حائضہ جو بالکل آخر وقت میں پاک ہوئی یا پاگل کو بالکل آخرت وقت میں افاقہ ہوا ہو اور خواہ اس شخص نے بلا عذر اتنا موخر کیا ہو۔ دلیل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے عصر کا ایک سجدہ سورج غروب ہونے سے قبل پالیا یا فجر کی نماز ایک سجدہ سورج طلوع ہونے سے قبل پالیا تو اس نے نماز کو پالیا۔ اور بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں، فلیتم صلاتہ (تو وہ اپنی نماز پوری کرلے) اور یہ ایسے ہی درست ہے جیسے مسافر کا مقیم کی نماز کو پالینا یا جماعت کو پانا، اور اس لیے بھی درست ہے کہ بقیہ نماز اس کے تابع شمار ہوگی، جو وقت میں ادا ہوا ہے۔

دوسری رائے:

یہ مالکیہ کی اور اصح قول کے مطابق شوافع کی رائے ہے۔ (۱)، ان کے ہاں نماز تب ادا شمار ہوگی جب ایک مکمل رکعت دو سجدوں سمیت وقت میں ادا ہوئی ہو اور اگر ایک رکعت سے کم وقت میں ادا ہوئی ہو تو وہ قضا شمار ہوگی، دلیل اس کی بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص نماز کی ایک رکعت پالے اس نے پوری نماز پالی۔ (۲)، مراد ہے اس نے اداء نماز پالی، اور اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جس نے پوری رکعت نہ پائی اس کی نماز ادا شمار نہیں ہوگی ان دونوں معاملوں میں فرق یہ ہے کہ رکعت نماز کے اکثر افعال پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے بعد افعال اسی کی طرح ہوتے ہیں، گویا ان کو مقرر انجام دیا جا رہا ہوتا ہے۔ تو یہ اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ اور بظاہر یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ سجدے سے مراد رکعت ہے۔ دلیل اس کی وہ بات ہے جو امام مسلم نے ذکر کی اور صحاح ستہ کے حضرات کی روایت ان الفاظ سے جس شخص نے صبح کی نماز میں سے ایک رکعت نماز پالی اس نے نماز پالی۔ (۳)

طلوع شمس سے قبل اور غروبِ شمس سے قبل نماز پڑھنے میں مذاہب فقہاء اور علامہ ابن بطال کے فقہاء احناف پر اعتراضات:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ فجر اور عصر کی نماز پڑھنے کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت کی علت کیا ہے، امام مالک نے کہا ہے کہ اس سے مراد نفل پڑھنے کی ممانعت ہے، فرض پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے، اور جو فوت شدہ فرائض ہیں، وہ کسی وقت بھی پڑھے جا سکتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے طلوع شمس سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی یا غروب شمس سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی، اس نے نماز کو پالیا۔ (۴) اور یہ بات معلوم ہے کہ جس نے ان اوقات میں ایک رکعت نماز پڑھ لی تو وہ دوسری رکعت اسی وقت پڑھے گا، جس وقت میں نماز پڑھنا ممنوع ہے، اور یہ ہمارے قول پر دلالت کرتا ہے، اور یہی امام احمد اور امام اسحاق کا قول ہے۔

۱۔ الشرح الصغیر، ج ۱، ص ۲۳۱ ۲۔ نیل لاوطار، ج ۳، ص ۱۵۱

۳۔ الفقہ اسلامی وادلتہ، ج ۱، ص ۴۴۷۔ ۴۴۸ ۴۔ صحیح البخاری: ۵۵۶، صحیح مسلم: ۶۰۸

امام شافعی نے کہا ہے: اس ممانعت سے ابتداء نوافل پڑھنے کی ممانعت مراد ہے لیکن مفروضہ اور مسنونہ نمازیں یا جن نوافل کو وہ دائما پڑھتا ہو ان کی ممانعت نہیں ہے، اور امام شافعی نے اس اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھی۔ (۱)

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اس ممانعت سے نفل پڑھنے کی ممانعت مراد ہے، اور ان وقتوں میں فرائض کی قضا پڑھ سکتا ہے۔ لیکن جب سورج بلند ہونے سے پہلے ظاہر ہوا اور غروب ہونے سے پہلے غروب کی طرف مائل ہو اس وقت کوئی فرض پڑھنا جائز ہے نہ نفل اور نہ نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، صرف اس دن کی عصر کی نماز پڑھنا جائز ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے غروبِ آفتاب سے پہلے ایک رکعت پڑھی تو وہ اپنی نماز پوری کرے۔ (۲)، اس باب کے شروع میں ہم فقہاء احناف کا رد کر چکے ہیں۔

جن فقہاء نے ان دو وقتوں میں فرض نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم اپنی نمازوں میں طلوع شمس کا قصد کرو نہ غروب شمس کا۔ (۳)، اس حدیث میں اس شخص کے لیے نماز پڑھنے کی ممانعت ہے جو طلوعِ شمس یا غروب شمس کا قصد کر کے نماز پڑھتا ہے، لیکن جو شخص اس وقت نیند سے بیدار ہوا یا جو شخص نماز پڑھنا بھول گیا اور اس کو اس وقت نماز پڑھنا یاد آیا تو وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا، جس نے نماز سے غفلت کی یا نماز کے وقت سو گیا؟ آپ نے فرمایا: اس کو جس وقت نماز یاد آئے، اس وقت نماز پڑھ لے۔ (۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی نماز کو بھول گیا پس وہ اس نماز کو اس وقت پڑھ لے جب اس کو یاد آئے، اس کے سوا اس نماز کا اور کوئی کفارہ نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اقم الصلوٰۃ لذکری (۵)، اور آپ مجھے یاد کرنے کے لیے نماز قائم کریں۔ (۶)

یہ احادیث طلوعِ شمس کے وقت نماز کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت سے معارض ہیں، اور ان احادیث سے معلوم ہوا جو شخص خصوصیت سے ان اوقات میں نماز پڑھنے کا قصد نہ کرے، اس کے لیے اوقات میں فرائض اور نوافل پڑھنا جائز ہیں المہلب نے کہا ہے کہ ان دو وقتوں میں نماز پڑھنے کی کراہت کا معنی یہ ہے کہ کچھ لوگ طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت قصداً نماز پڑھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سورج کی عبادت کا قصد کرتے تھے، لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تا کہ ان لوگوں کی مشابہت نہ ہو۔ (۷)

۱۔ صحیح البخاری: ۵۹۱، صحیح مسلم: ۸۳۵　۲۔ صحیح البخاری: ۵۵۶، صحیح مسلم: ۶۰۸　۳۔ صحیح البخاری: ۵۸۲

۴۔ صحیح مسلم: ۶۸۴، سنن ابن ماجہ: ۶۹۵، مسند احمد: ۱۲۹۰۸　۵۔ طٰہٰ: ۱۴　۶۔ صحیح البخاری: ۵۹۷، صحیح مسلم: ۶۸۴، سنن ابوداؤد: ۴۴۲، سنن ترمذی: ۱۷۸، سنن نسائی ۶۱۲، سنن ابن ماجہ: ۶۹۶، مسند احمد، ج ۳، ص ۱۰۰　۷۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۲۷۴-۲۷۳،

فقہاء احناف پر اعتراضات کے علامہ سعیدی کی طرف سے جوابات:

علامہ ابن بطال نے کہا کہ حدیث میں ہے: جس نے طلوع شمس سے پہلے یا غروب سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی، وہ اس نماز کو پورا کرے اور یہی امام مالک اور امام احمد کا مسلک ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کثرت احادیث میں تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور یہ حدیث طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنے کے لیے محرم ہے اور جس حدیث سے علامہ ابن بطال نے استدلال کیا ہے، وہ مبیح ہے اور جب مبیح اور محرم میں تعارض ہو تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے۔

علامہ ابن بطال نے امام شافعی کا مذہب نقل کیا ہے۔ کہ ان کے نزدیک فجر اور عصر کے بعد نوافل پڑھنا جائز ہیں اور صحیح بخاری کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمیشہ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے تھے اس کا جواب یہ کہ اس حدیث سے بھی استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث بھی عصر کے نوافل کی اباحت پر دلالت کرتی ہے اور امام ابوحنیفہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور تحریم کی احادیث کو اباحت کی احادیث پر ترجیح ہوتی ہے، ثانیا یہ کہ عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا نبی ﷺ کی خصوصیت ہے اور ہمیں آپ نے منع فرمایا ہے۔

علامہ بن ابن بطال نے کہا ہے کہ طلوع شمس اور غروب شمس کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو قصداً ان وقات میں نماز پڑھے لیکن جو شخص اس وقت نیند سے بیدار ہو یا جس کو اسی وقت نماز یاد آئی ہو، وہ طلوع شمس کے وقت نماز پڑھ سکتا ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل بھی صحیح نہیں ہے، یہ احادیث عام مخصوص عنہ البعض ہیں، ان احادیث سے مراد طلوع شمس کے علاوہ دیگر اوقات ہیں یعنی طلوع شمس کے علاوہ بھی جس وقت کوئی شخص نیند سے بیدار ہو یا اس کو اس وقت نماز یاد آئے تو وہ اس وقت نماز پڑھ لے اور جن اوقات میں نبی ﷺ نے مطلقاً نماز پڑھنے سے منع فرمادیا ہے، ان اوقات میں آپ کی ممانعت کی خلاف ورزی کی جرات نہ کرے۔(۱)

نماز کے لیے عورتوں کا مسجد میں جانا:

علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو تفصیلاً ائمہ اربعہ کے دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے، ہم انہی کے فیوضیات علمیہ سے خوشہ چینی کرتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

نماز پڑھنے کے لیے عورتوں کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ:

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

۱۔ نعمۃ الباری، ج ۲، ص ۴۱۸۔۴۲۰

عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند یا سرپرست کی اجازت کے بغیر مسجد میں جائے اور خاوند کو چاہیے کہ وہ عورت کو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جانے سے اور جس کام میں اس کی دینی منفعت ہو، اس سے اس کو منع نہ کرے، یہ اس صورت میں محمول ہے جب عورت پر فتنہ کا خطرہ نہ ہو اور اس زمانہ کے حالات میں فتنہ اور فساد کا غلبہ ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب فتنہ اور فساد کا غلبہ ہو تو خواتین کو مسجد کی طرف نہیں جانا چاہیے۔

اس حدیث میں جو عورتوں کے مسجد میں جانے کا ذکر ہے، امام مالک کے نزدیک اس سے مراد بوڑھی عورتیں ہیں اشہب نے امام مالک سے روایت ہے کیا ہے کہ بوڑھی عورتیں مسجد میں جائیں، لیکن بہ کثرت آنا جانا نہ رکھیں اور جوان عورتیں ایک دو مرتبہ چلی جائیں اور وہ اپنے گھر والوں کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے جا سکتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے کہا: میں عورتوں کے نمازِ جمعہ اور فرض نمازوں کے لیے مسجد جانے کو مکروہ قرار دیتا ہوں اور بوڑھی عورتوں کے لیے فجر اور عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت دیتا ہوں، اس کے علاوہ نہیں۔

امام ابو یوسف نے کہا: بوڑھی عورتوں کے لیے تمام نمازوں کے لیے مسجد میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جوان عورت کے نکلنے کو میں مکروہ قرار دیتا ہوں، الثوری نے کہا: عورت خواہ بوڑھی ہو، اس کے گھر سے نکلنے میں کوئی خیر نہیں ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: عورت چھپائی جانے والی چیز ہے، اللہ کے نزدیک اس کی مقرب نماز گھر کی کوٹھڑی میں ہے، جب وہ گھر سے نکلتی ہے شیطان اس کو جھانک کر دیکھتا ہے۔

ابراہیم النخعی اپنے گھر کی خواتین کے جمعہ اور جماعت کے لیے مسجد میں جانے کو مکروہ کہتے ہیں۔ (۱)

نماز کے لیے خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کے نظریہ:

علامہ زین الدین بن شہاب الدین ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں:

مردوں کے ساتھ جماعت میں خواتین کے مسجد میں نماز پڑھنے کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اس کو ہر حال میں مکروہ کہا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی موقف ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کہا: میں اس زمانہ میں عورتوں کے نکلنے کو مکروہ کہتا ہوں، کیونکہ وہ فتنہ اور آزمائش ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ عیدین کے سوا گھروں سے نہ نکلیں۔

بعض فقہاء نے بوڑھی عورتوں کو نکلنے کی اجازت دی، اور جوان عورتوں کو منع کیا ہے، یہ امام مالک کا قول ہے اور ایک روایت کے مطابق امام شافعی، امام یوسف اور امام محمد کا قول ہے، اور ہمارے اصحاب حنبلیہ کا بھی یہی قول ہے۔ (۲)

۱۔ شرح ابن بطال، ج ۲، ص ۴۴۳ ۲۔ فتح الباری، ج ۵، ص ۳۰۹

نماز کے لیے خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ:

علامہ یحیٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں:

عورتوں پر جماعت فرض نہیں ہے فرض عین نہ فرض کفایہ لیکن ان کے لیے جماعت سے نماز پڑھنا مستحب ہے، پھر اس میں دو صورتیں ہیں، ان کے حق میں مردوں کی طرح جماعت سے نماز پڑھنا مستحب ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ ان کے حق میں مردوں کی طرح جماعت سے نماز پڑھنا موکدہ نہیں ہے، اس لیے ان کا جماعت کو ترک کرنا مکروہ نہیں ہے، اور مردوں کے حق میں جماعت کو ترک کرنا مکروہ ہے، اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ ان کے حق میں جماعت سے نماز پڑھنا سنت ہے اور گھروں میں ان کا جماعت سے نماز پڑھنا افضل ہے، اور اگر وہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ارادہ کریں تو جوان عورتوں کے لیے مکروہ ہے اور بوڑھی عورتوں کے لیے مکروہ نہیں ہے۔ (۱)

نماز کے لیے خواتین کے مسجد میں جانے کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ:

علامہ بدرالدین محمود احمد عینی حنفی لکھتے ہیں:

صاحب ھدایہ نے کہا ہے کہ عورتوں کے حق میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں حاضر ہونا مکروہ ہے ور شارحین نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے: جوان عورتوں کا جانا مکروہ ہے، اس سے تمام جماعات مراد ہیں: خواہ جمعہ کی جماعت ہو عید کی جماعت ہو نماز کسوف کی جماعت ہو یا نمازِ استسقاء کی جماعت ہو۔ امام شافعی نے کہا ہے کہ ان کا گھر سے نکلنا مباح ہے، ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ ان کے گھر سے نکلنے میں فتنہ کا خوف ہے، اور حرام کا سبب ہے اور جو حرام کا سبب ہو وہ حرام ہے اور خاص طور پر اس زمانہ میں جب کہ فساد اور بے راہ روی عام ہو چکی ہے، صاحب ھدایہ نے کہا ہے کہ بوڑھی عورت فجر، مغرب، اور عشاء میں گھر سے نکلے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس وقت امن ہوتا ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا موقف ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ بوڑھی عورت تمام نمازوں کے لیے گھر سے نکلے کیونکہ اس کی طرف رغبت کم ہوتی ہے، اور حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک یہ روایت بیان کی ہے کہ خواتین نماز کے لیے گھر سے نکلیں اور آخری صفوں میں کھڑی ہوں اور مردوں کے ساتھ نماز پڑھیں کیونکہ وہ جماعت کی اہل ہیں اور مردوں کے تابع ہیں، اور امام ابو یوسف نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ خواتین نمازیوں کی تعداد میں اضافہ کے لیے مسجد میں آئیں اور مسجد کے ایک کونے میں کھڑی ہوں اور نماز نہ پڑھیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ عورتوں کو اسی طرح کا حکم دیا ہے۔ (یعنی نماز نہ پڑھنے کا) کیونکہ وہ نماز کی اہل نہیں۔ (۲)

حدثنا عبدالله بن موسیٰ حنظلة عن سالم بن عبدالله عن ابن عمر و رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا استاذنکم

۱۔ روضۃ الطالبین، ج ۱، ص ۴۴۴ ۲۔ عمدۃ القاری، ج ۶، ص ۲۲۴

نسائو كم بالليل الى المسجد فاذنو لهن ، تابعة شعبة عن الاعمش عن مجاهد عن ابن عمر عن البنى ﷺ ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبید اللہ بن موسیٰ نے حدیث بیان کی از حنظلہ از سالم بن عبد اللہ از حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما از نبی ﷺ آپ نے فرمایا: جب تم سے تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو ان کو اجازت دے دو۔ شعبہ نے اس حدیث کی متابعت کی ہے از الاعمش از مجاہد از ابن عمر از نبی ﷺ (۱)

اطراف الحدیث:

۸۷۳۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۵۲۳۸، صحیح مسلم: ۴۴۲، الرقم: ۹۷۱، سنن نسائی: ۷۰۶، مسند ابو یعلیٰ: ۵۵۵۹، مسند ابو حنیفہ: ۱۳۴، المعجم الکبیر: ۱۳۲۵۵، مسند احمد، ج ۲، ص ۷، طبع قدیم، مسند احمد: ۴۵۲۲۔ ج ۸، ص ۷، موسستہ الرسالۃ، بیروت، جامع المسانید لابن الجوزی: ۳۴۲۸، متکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۸، مسند الطحاوی: ۳۸۹۴

حدیث مذکور کے رجال:

۱۔ عبد اللہ بن موسیٰ العبسی الکوفی (۲) حنظلہ بن ابی سفیان الجمحی، یہ اہل مکہ سے ہیں اور ابو سفیان کا نام اسود بن عبد الرحمان ہے۔ (۳) سالم بن عبد اللہ (۴) حضرت عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ (۱)

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ عورتوں کو اجازت دینا واجب نہیں ہے کیونکہ اگر مردوں پر اجازت دینا واجب ہوتا تو مردوں سے اجازت طلب کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ (۲)

عورتوں کے مسجد میں جانے سے متعلق حسب ذیل احادیث اور آثار ہیں:

عورتوں کے مسجد میں جانے کی اجازت کے متعلق احادیث اور آثار:

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی صبح اور عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے کے لیے مسجد میں جاتی تھیں۔ ان سے کہا گیا: آپ کیوں گھر سے نکلتی ہیں حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا نکلنا حضرت عمر کو ناپسند ہے اور ناگوار ہے انہوں نے کہا: پھر حضرت عمر کو مجھے منع کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ تو لوگوں نے کہا: ان کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مانع ہے، آپ نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد میں جانے سے منع نہ کرو۔ (۳)، حضرت عمر کی اس زوجہ کا نام عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو ان کو چاہیے کہ وہ بغیر بناؤ سنگھار کے گھر سے نکلیں۔ (۴)

۱۔ عمدۃ القاری، ج ۶ ص ۲۲۵　۲۔ عمدۃ القاری، ج ۶ ص ۲۴۵　۳۔ صحیح البخاری: ۹۰۰، مسند احمد، ج ۲ ص ۲، مصنف عبد الرزاق: ۵۱۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۰ مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۰۸، مسند احمد، ج ۲، ص ۳۸

۴۔ سنن ابو داؤد: ۵۶۶، سنن دارمی: ۱۲۷۹، صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۷۹، صحیح ابن حبان: ۲۲۱۴ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۹۱ مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۱۰

ابراہیم النخعی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی عشاء کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھیں۔(۱)

عورتوں کے مسجد میں جانے کی کراہت کے متعلق احادیث اور آثار:

ابوعمر شیبانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جس عورت نے اپنے گھر میں نماز پڑھی ہے اس سے افضل کسی عورت نے نماز نہیں پڑھی، ماسوا اس عورت کے جس نے مسجد حرام میں نماز پڑھی، وہ بوڑھی عورت جس نے اپنے پرانے موزوں میں نماز پڑھی (۲)

سند بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عورت نے مسجد میں جمعہ پڑھنے کے متعلق سوال کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تمہاری کوٹھری میں نماز پڑھنا تمہارے گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور تمہارا گھر میں نماز پڑھنا تمہارے حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے، اور تمہارا حجرہ میں نماز پڑھنا تمہارا محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔(۳)

ام حمید بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے خاوند ہمیں آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور ہم آپ کے ساتھ نماز پڑھنے سے محبت کرتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا گھروں میں نماز پڑھنا تمہارے حجروں میں نماز پڑھنے سے افضل ہے تمہارا حجروں میں نماز پڑھنا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔(۴)

غزوہ خیبر کے مختصر حالات:

خیبر کا لغوی معنی، جغرافیائی محل وقوع، تاریخ اور غزوہ خیبر کے اہم واقعات:

خیبر ایک نخلستان، (سطح سمندر سے ۲۸۰۰ فٹ بلند اور) جو مدینہ منورہ سے ۱۸۴ کلومیٹر (کچھ کم سوا سو میل) شمال میں بری راستے سے آنے والے حجاج کی شاہراہ پر واقع ہے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں غابہ یعنی جبل احد کے مغرب سے گزرتے تھے اب جدید ہوائی اڈے سے (مطار سے اتصال کی خاطر مشرق سے گزرتے ہوئے تقریباً ایک سو کلومیٹر تک یہ راستہ تنگ اور پیچ دار دروں میں سے ہوتا ہوا جاتا ہے، جس کے دونوں طرف بلند پہاڑ ہیں، اس ساری مسافت میں پتھر ہوں یا مٹی حرہ یعنی آتش فشانی سے جلے ہوئے عناصر پر مشتمل ہیں، درخت اور پانی نام کو نہیں، اکا دکا بکریاں کہیں چرتی نظر آتی ہیں، جو بہت پست قد ہوتی ہیں، ان کے دودھ نہیں ہوتا، البتہ ان کا گوشت کھاتے ہیں، مدینے سے خیبر تک مشکل سے دو آبادیاں ملتی ہیں، پہلی صلصال ہے جو ۱۲۸ کلومیٹر واقع ہے، اور کافی سرسبز ہے متامی لوگوں کا بیان ہے کہ بستی کے نصف حصے میں کنوؤں کا پانی کڑوا ہے اور نصف حصے میں شیریں ہے ممکن ہے خدک یہی ہو اس سے آگے ایک دوسرے چھوٹی اور ویران سی بستی ہے۔

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۷۶۹۴ ۲۔ المعجم الکبیر: ۹۴۷۱، ج ۹، المعجم الکبیر: ۷۴۱۴ ۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۷۶۹۷

۴۔ مسند احمد، ج ۶ ص ۳۷۱، صحیح ابن خزیمہ: ۱۶۸۹، صحیح ابن حبان: ۲۲۱۷، المعجم الکبیر: ۳۵۶۔ ج ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۷۷۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۶۰

خیبر بھی ایک حرہ (رک باں) ہے، مدینے سے آئیں تو شہر کے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر سفید اور قابل کاشت لیکن افتادہ زمینیں ملتی ہیں، جو دس بارہ کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہیں، بعدازاں پھر وہ حرہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس حرے میں شاہراہ کے دائیں جانب قدیم (یہودی) کھنڈر میلوں تک پھیلے ہوئے ہیں، جن میں کچھ تالابوں کے منہدم سے بند نظر آتے ہیں۔ گرمی میں پانی خشک ہو جاتا ہے، تو ان کی تہہ میں جمی ہوئی مہین مٹی دور دور تک نظر آتی ہے، امریکی انجینئر ٹوئچل۔۔۔ نے سعودی عرب کی زرعی پیمائش کی رپورٹ میں یہاں سدالحصید اور پانچ دیگر تالابوں کا ذکر کیا ہے، غزوہ خیبر میں آتے اور جاتے دونوں وقت رسول اللہ ﷺ نے سدالصہبار میں قیام فرمایا تھا؛ وہ شاید یہیں کہیں ہو اس کے آگے ایک پست اور وسیع وادی ہے جس میں شہر خیبر آباد ہے۔ یہ نخلستانوں سے سے اس قدر پٹا ہوا ہے کہ کسی بلندی پر سے بھی شہر کے خط وخال بالکل نظر نہیں آتے۔ عہد نبوی ﷺ میں محلہ الکتیبۃ میں کھجور کے چالیس ہزار پیڑ بیان کیے گئے ہیں۔ (۱)

آج کل بھی شہر کے جنوب میں ایک بلند پہاڑ کے دامن میں کئی میل لمبا ایک گھنا نخلستان ہے۔ خیبر میں اب (۱۹۶۴) عنیزہ قبیلے کے عرب آباد ہیں۔ کہتے ہیں کہ فصل کٹنے کے زمانے میں ہنگامی آبادی پچیس تیس ہزار ہو جاتی ہے ورنہ مستقل آبادی پانچ ہزار کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے، شہر میں کئی بلند ٹیلے اور پہاڑیاں ہیں جن میں سب سے ممتاز وہ سے جسے قصر مرحب کہا جاتا ہے اور یہودی عہد کی یادگار سمجھا جاتا ہے ترکی دور میں غالباً یہاں فوجی چھاؤنی تھی اب اس میں سعودی گورنر رہتا ہے۔ بعض مولفوں کی رائے میں خیبر کے یہودیوں کی بولی میں ''خیبر'' کے معنی قلعے کے تھے، البکری نے سہل بن محمد الکاتب سے اور یاقوت نے الزجاجی سے روایت کیا ہے کہ یہ اس بستی کے بانی خیبر بن قانیہ بن مہلا ییل کے نام سے منسوب ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ اسباط یہود کے گم گشتہ قبائل نے یہاں اور پشاور سے آگے درہ خیبر میں بھی اپنی نشاندہی کے لیے یہ نام دیا ہو؟

خیبر کا قدیم ترین ذکر بابل کے آخر کلدانی بادشاہ بنونعد (نبونید) (۵۵۶۔۵۳۹ ق م) کے میخی کتبے میں جو حران کی منہدم جامع مسجد کے فرش کے ایک پتھر پر ملا تھا (میونخ کی موتمر مستشرقین عالم کی روداد، ص ۱۲۳ لکھا ہے کہ جب اس بادشاہ نے تیماء میں اپنا زی تخت بسایا تو خیبر وفدک وغیرہ سے ہوتے ہوئے یثرب تک کی ساحت کی ایک دوسرا کعبہ بھی حران کے قریب لجبہ میں دستیاب ہوا ہے جو سیاقی ہندسوں کے ساتھ عربی میں ہے کہ ''میں نے یعنی شرحیل بن ظلمو نے ذالمرطول کو ۴۶۳ھ میں خیبر کی تباہی (مفسد) کے ایک سال بعد تعمیر کرایا۔'' ۱۹۱۱، ۱۹۱۲، ص ۱۶۳ ابعد) کے مطابق اس تاریخ سے مراد ۵۶۸ ع ہے ابن قتیبہ: کتاب المعارف، (ص ۳۱۳) کے مطابق غسانی حکمران الحارث بن ابی شمر جبلہ (۵۲۸ء تا ۵۷۰ء) نے اس رخ حملہ کیا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ خیبر والوں نے ایرانیوں اور حیرہ کے حکمران سے کچھ سازش کی ہو اور اس پر بوزنطی قیصر روم نے اپنے ماتحت حکمران کو ادھر روانہ کیا تھا۔ معلوم

۱۔ ابن الاثیر: البدایہ ۴: ۲۰۲

نہیں اس وقت خیبر میں کون لوگ تھے، لیکن ساٹھ سال بعد جب پیغمبر اسلام ﷺ یہاں تشریف لائے تو یہاں صرف یہودی بستے تھے جو بہت خوش حال تھے، چنانچہ مکے میں شادی بیاہ کے موقع پر یہیں سے دیگیں اور زیور کرائے پر لیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ زیور کھو گئے تو اہل مکہ نے دس ہزار دینار کا ہرجانہ ادا کیا (۱) بہت ممکن ہے کہ معاشی روابط نے شادی بیاہ تک نوبت پہنچادی ہوا اور یہاں کی یہودنیں بے جھجک عربوں سے نکاح کرتی ہوں، چنانچہ آنحضرت محمد ﷺ کے پردادا ہاشم اور ان کے بھائی المطلب نے ایسا ہی کیا (۲) یہاں کھجوریں بہت ہوتی ہیں لیکن زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ یہاں کے ملیریا سے بہت گھبراتے تھے۔ (۳) یہود خیبر کے لباس میں طیلسان بہت مشہور ہے (۴)، عبدالمطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے تو وہ ایک کی قربانی دیں گے۔ قرعہ فال نبی ﷺ کے والد عبداللہ پر پڑا۔ اس سلسلے میں جس کاہنہ سے مشورہ کیا گیا تھا وہ سال کچھ عرصہ مدینے میں اور کچھ خیبر میں رہتی تھی۔ (۵) یاقوت نے معجم البدان میں مشاہی خیبر میں سے ابن القاہر الخیبری محدث کا کاص طور پر ذکر کیا ہے، لیکن عہد اسلامی کے جغرافیہ نگاروں سے البکری (۶) نے کتاب السکونی کا جو اقتباس دیا ہے وہ واقف حال شخص کا بیان معلوم ہوتا ہے، یہ مدینے سے آٹھ بدید پر ہے۔ پیدل تین دن میں آسکتے ہیں۔ مدینے سے نکلو تو پہلے غابہ غلیہ، پھر سفلی کے بعد نقب یر دوج آتا ہے، جہاں ایک مسجد نبوی ہے۔ پھر وادی الدومہ آتی ہے جہاں کنوئیں ہیں پھر جبل اشمد، پھر حرۃ الشقۃ، پھر نمار آتا ہے، جو خیبر سے اٹھ میل پر علاقہ خیبر کی سرحد پر واقع ہے۔ اس سے آگے خیبر اور اس کے قلعے ہیں، خیبر کا بازار لمرطلہ ہے، جسے حضرت عثمان نے بسایا تھا۔ وہاں کے قلعے میں کچھ پرانے لوگ باقی ہیں، جو حضرت عمر کی نسل سے ہیں۔ اس سے آگے حصن وجدہ ہے جس میں کھجور وغیرہ کے درخت ہیں یہ صرف خاص نبوی رہا ہے، پھر السلالم ہے، جس کا بڑا حصہ صرف خاص نبوی تھا، پھر جبل الاہیل آتا ہے، جس میں یہودی برج (آطام) ہیں پھر مزرعے اور باغات ہیں، جن سے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور بنو المطلب کے روز ینے مقرر تھے۔ اس کو الوطیح کہتے ہیں وطیح سے متصل خلص تک ایک وادی جاتی ہے جسے الکتیبہ کہتے ہیں، یہ سب کی سب صرف خاص نبوی رہی ہے۔ یہ کتیبہ خیبر کے قلعہ بند مقاموں میں سے ہے یہیں الصہباء ہے جہاں آنحضرت ﷺ نے پڑاؤ ڈال کر رات گذاری تھی یہ خیبر سے ایک برید کی مسافت پر ہے خیبر کا سب سے بڑا قلعہ القموص ہے جسے حضرت علی نے فتح کیا تھا، اسی کے دامن میں مسجد نبوی ہے وہیں نطارہ اور الشق دو وادیاں ہیں، ان دونوں کے مابین جو رقبہ ہے اسے السبخہ اور المخاضۃ کہتے ہیں۔ وہ اس بڑی مسجد نبوی تک جاتا ہے جہاں خیبر میں آنحضرت محمد ﷺ کا قیام رہا ہے۔ یہ مسجد عیسیٰ بن موسیٰ نے زر کثیر خرچ کر کے بنوائی اس کی بناء طاقات معقودہ پر ہوئی ہے، اس میں بڑے صحن بھی ہیں، وہاں چٹان بھی ہے جسے سترہ (رک باں) بنا کر حضرت نبی کریم ﷺ

۱۔ ابن سعد، ج ۲، ص ۱، السرخی: شرح السیر الکبیر، ج ۱، ص ۱۸۶ ۲۔ ابن حبیب: المنمق، مخطوط لکھنؤ، ص ۳۲۵

۳۔ بعض قصے القزوینی: الآثار، ج ۲، ص ۶۰ تا ۶۱ اور ابن قتیبہ: الانواء ص ۳۰ تا ۳۱ ۴۔ صحیح البخاری، کتاب ۲۴، باب ۴۰، حدیث ۱۲

۵۔ ابن ہشام: السیرۃ، ص ۹۸، تا ۹۹ ۶۔ معجم، ص ۳۳۱ تا ۳۳۳

نماز پڑھا کرتے تھے، آج کل یہاں عید کی نمازیں پڑھی جاتی ہیں، نطاۃ میں مرحب کا قلعہ اور قصر ہے، یہ قصر حضرت الزبیر بن العوام کے حصے میں آیا تھا، الشق میں الحمۃ نامی چشمہ ہے جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''قسمۃ الملائکۃ'' کا نام دیا تھا، اس کا دو تہائی پانی ایک نالے میں جاتا ہے اور ایک تہائی دوسرے میں، حالانکہ نکلتا ایک ہی جگہ سے ہے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک یہ ایک عجوبہ رہا ہے، اس چشمے میں تین کھجوریں یا لکڑی کے تین ٹکڑے ڈالو تو دو اس نالے میں چلے جاتے ہیں، جس میں دو تہائی پانی جاتا ہے اور ایک دوسرے نالے میں یہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ اس میں تہائی سے زیادہ پانی لایا جائے۔ اگر کوئی اس نالے میں کھڑا ہو جائے جس میں دو تہائی پانی جاتا ہے تاکہ اسے دوسرے نالے میں لایا جائے تو پانی اس پر غالب آ کر بہہ نکلتا ہے اور دوسرے نالے میں تہائی سے زیادہ پانی نہیں آ سکتا۔ رہا نطاۃ، وہاں کا بڑا چشمہ اللحیۃ کہلاتا ہے، خیبر میں سب سے پہلے دار بنی قمۃ فتح ہوا، جو نطاۃ میں ہے اور اسی میں مرحب کا بھائی الیاس رہتا تھا، اسی کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ دار بنی قمۃ کو فتح سے قبل آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی اور کھجور پیٹ بھر کر نہیں کھائی تھی۔''

قصر مرحب کے دامن میں آج کل ایک چھوٹی سی مسجد رہ گئی ہے اس کے قریب جو چشمہ ہے وہ اب حضرت علی سے منسوب ہے کہ مرحب پر وار کرنے میں ان کی تلوار زمین میں اتر گئی اور یہ چشمہ پھوٹ بہا۔ اس سے کچھ فاصلے پر دوسرا بڑا چشمہ بھی باقی ہے دونوں سے نخلستان کی آبپاشی ہوتی ہے۔

تاریخ اسلام میں خیبر کی شہرت ۷ھ/ ۶۲۸ء کے غزوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث ہے، مدینے سے نکلے ہوئے بنو النضیر کے یہودی یہاں بسے تھے محاصرہ خندق (رک باں) انہیں کی انگیخت پر ہوا تھا، یہ مسلمانوں کی نئی مملکت کے لیے ایک مستقل خطرہ بن گئے تھے، انھی سے نپٹنے کی خاطر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ (رک باں) میں قریش کی منہ مانگی شرطوں پر صلح کی تھی اور قریش سے صرف یہ خواہش کی تھی کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار ہیں، اس معاہدے کی تکمیل کے بعد کے واپس آتے ہی آپ نے خیبر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں اور بمشکل ایک مہینہ گزرا تھا کہ پندرہ سو کی جمعیت لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے روانہ ہوئے جب الصہباء تک پہنچ گئے تو قبیلہ غطفان کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں حائل ہوئے کیونکہ وہ خیبر کے یہودیوں کی امداد کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الصہباء سے وادی (الرجیع (دیار غطفان) کا رخ کیا تو وہ گھبرا کر فوراً اپنے مال و عیال کی حفاظت کے لیے خیبر سے واپس آ گئے اور پھر انہیں نقل و حرکت کرنے کی جرات نہ ہوئی تین دن الرجیع میں ٹھہر کر آپ خیبر آ گئے۔

اہل خیبر آپ کی پیش قدمی سے واقف اور مقابلے کے لیے تیار تھے، اس زمانے کی عربی بستیوں کی طرح خیبر بھی متعدد چھوٹے چھوٹے قبائلی محلوں پر مشتمل تھا۔ ہر محلہ دوسرے سے کچھ فاصلے پر آباد تھا، اور ہر ایک کا نظام معیشت، یعنی کھیت، چراگاہیں قلعے اور گڑھیاں مستقل تھیں، جہاں تک دفاع کا تعلق ہے وہ ایک تو اپنے سات بڑے اور متعدد چھوٹے قلعوں میں محفوظ تھے، جن

میں سے بعض میں منجنیقیں بھی نصب تھیں، دوسرے الیعقوبی کے مطابق خیبر میں بیس ہزار مقاتل (جنگجو سپاہی) تھے (المقریزی (الامتاع) کے مطابق دس ہزار کا مقابلہ پندرہ سو مسلمانوں کو کرنا تھا، تیسرے وہ اپنے مرکز اور گھر میں ہونے کی وجہ سے حربی فوقیت بھی رکھتے تھے، آزوقہ اور ساز و سامان بھی ان کے پاس بہت تھا۔ السرخسی (سرح السیر الکبیر، باب خامس الرایات والانویۃ) نے لکھا ہے کہ خیبر کے ہر قلعے کو تین تین فصیلوں سے اس طرح گھیرا گیا تھا کہ سوار و فوج ان سامنے بے بس تھی۔

پرانے نام اب بھلا دیے گئے ہیں، اس لیے معلوم نہیں قلعہ ناعم کہاں تھا جو مورخوں کے مطابق سب سے پہلے سر ہوا پھر اندرون شہر کا قلعہ قموص فتح ہوا، جو خاندان ابوالحقیق (اور ام المومنین حضرت صفیہ) کا مسکن تھا۔ اس کی فتح میں حضرت علی نے خاص کارگزاری دکھائی تھی، پھر حصن الشق اور حصن النطاۃ اور حصن الکتیبہ سر ہوئے۔ اس کے بعد حصن الوطیح اور حصن السلالم دو آخری قلعے) کوئی دو ہفتوں کی کش مکش کے بعد فتح ہوئے بظاہر انہیں آخری دو قلعوں میں سارے یہودی باشندے جمع ہو گئے تھے اگر یہودیوں کے ساتھ انہی کی توریت کے احکام کے مطابق برتاؤ کیا جاتا تو سارے بالغ مرد قتل اور عورتیں بچے غلام بنائے جا سکتے تھے مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے رحم دلی اور درگذر سے کام لیا، سب کی جان بخشی کی کہ مال چھوڑ کر جسم کے کپڑوں کے ساتھ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ سیرۃ الشامی کے مطابق مدینے میں بنو نضیر کے پاس ایک کنز تھا یعنی وہ مال جو وہ اتفاقی ضروریات (نوائب) کے لیے جمع کیا کرتے تھے' شہر بدری پر نضیری یہ کنز خیبر میں ساتھ لائے تھے حسب معاہدہ جب یہ مسلمانوں کے سپرد نہ ہوا تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب طلبی کی تو صاحب الکنز نے یہ بہانہ کیا کہ جنگ کی تیاری میں ختم ہو گیا ہے، لیکن رات کو اسے کھنڈروں میں ادھر ادھر پھرتے دیکھ کر شبہ ہوا کہ چنانچہ وہاں کھدائی کی گئی تو خزانہ برآمد ہو گیا اور صاحب الکنز کو فریب کاری کی سزا بھگتنی پڑی۔

ابتدائی ناکامیوں نے یہودیوں کا جو صلہ پست کر دیا تھا۔ سیرت نگار لکھتے ہیں کہ حصن الزبیر اپنے استحکام کے باعث اس اس لیے بآسانی فتح ہو گیا کہ پانی کے ذخیرے تک اس کا جو زمین دوز راستہ تھا اس کا پتا ایک مقامی یہودیوں ہی نے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا۔

جب قبضہ مکمل ہو گیا تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے شرائط صلح میں مزید رعایت منظور فرمائی اور اجازت دی کہ وہ تا حکم ثانی خیبر ہی میں رہیں اور بٹائی پر کاشت کر کے نصف پیداوار لگان میں دیا کریں۔

یاقوت (معجم البلدان نے صراحت کی ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف علاقہ بحق حکومت محفوظ کر دیا اور اس میں کتیبہ اور سلالم داخل ہوئے، باقی فاتحوں میں بانٹ دیا اور شق و نطاۃ و متعلقات اس میں آئے (لشکر اسلام یں بارہ سو پیدل او تین سو گھڑ سوار تھے سواروں کو چونکہ دگنی غنیمت ملتی ہے اس لیے سارا علاقہ چھبیس حصوں میں بانٹا گیا، آدھا حکومت کے لیے وقف رہا۔ باقی اٹھارہ حصوں میں سے ہر ایک حصہ سو پیدل سپاہیوں یا پچاس سواروں میں بانٹا گیا الزہری کا جو بیان ابن کثیر (۱)، نے نقل

۱۔ البدایہ، ج۴، ص۲۰۲

کیا ہے کہ کچھ خیبر بروز شمشیر فتح ہوا او کچھ پر امن طور سے، اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کہ بغیر جنگ فتح شدہ علاقہ بحق حکومت وقف کر دیا گیا لیکن عام مورخ یہ کہتے ہیں کہ زمین کو فاتحوں میں تقسیم کرتے ہوئے حسب معمول خمس حکومت کے لیے لیا گیا اور یہ کتیبہ کا نخلستان تھا۔ یہاں کے لگان میں ہر سال جو کھجوریں وغیرہ آتی تھیں ان سے کچھ روز ینے بھی مستقل طور پر مقرر ہوئے جس کی ابن ہشام وغیرہ نے تفصیل دی ہے۔ یہودیوں کا بٹائی پر کام کرنا حضرت عمر کی خلافت تک باقی رہا، پھر جب ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ کے قتل کا اقدام کیا تو ان کو وہاں سے شام منتقل کر گیا اور مسلمان کسان ہی یہاں کاشت کرنے لگے، ابن ہشام نے لکھا ہے کہ کسی خیبری یہودی کے حبشی غلام نے جو چرواہا تھا، اسلام قبول کیا تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تقاضائے دیانت یہ ہے کہ ریوڑ کو مالک کے قلعے تک لے جا کر چھوڑ دو تا کہ وہ عادت کے مطابق خود ہی مالک کے گھر پہنچ جائے۔

المقریزی نے الامتاع ہی میں لکھا ہے کہ مال غنیمت میں توریت کے جو نسخے ملے وہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو واپس لا دیے۔

اس جنگ سے یہودی سردار حیی بن اخطب کی بیٹی صفیہ بھی جنگی قیدیوں میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت دحیہ کو بخش دیا، مگر پھر بعض صحابہ کے مشورے سے سات قیدیوں کے معاوضے میں انہیں واپس لے لیا اور عدت پوری ہونے تک حضرت ام سلمہ کے پاس رکھا صفیہ مسلمان ہو گئیں، اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا) اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ مسلمان سپاہیوں کا برتاؤ اپنے نبی کے سسرالیوں سے نرم ہو گیا، بظاہر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بھی نکاح سے یہی تھا۔ حضرت صفیہ اپنے غیر مسلم میکے والوں سے ہمیشہ عزیزانہ سلوک کرتی رہیں، اور وفات پر وصیت کی کہ ان کے متروکے ایک تہائی، یعنی ایک لاکھ درہم، ان کے غیر مسلم بھانجے کو دیے جائیں، بعض مسلمانوں نے مخالفت کی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دخل دے کر وصیت کا نفاذ کرایا کہ اسلامی قانون ایسا ہی حکم دیتا ہے۔ (۱)

صلح ہو جانے اور یہودیوں کو اپنے باغوں میں آجانے کی اجازت ملنے کے بعد بھی مسلمان سپاہی وہاں جا کر پھل ترکاری چھیننے لگے، اور شکایت آئی تو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً روکا اور بتایا کہ اب وہ غیر کا مال ہے جو بلا اجازت کھانا حرام ہے (فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت زینب الحارث زوجہ اسلام بن مشکم نے ایک بریاں بکری آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور اس میں زہر ملا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لقمہ اٹھایا اور چبا کر تھوک دیا اور فرمایا کہ یہ زہر آلود ہے آپ کے ساتھ حضرت بشیر بن البراء بن معرور نے زہر آلود گوشت کھا لیا جس کے اثر سے وہ مر گئے، پھر آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی عورت کو بلا بھیجا۔ اس نے جرم اقرار کر لیا مگر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل نہ کیا۔ ایک اور روایت (۲) میں آیا ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بشیر کے رشتہ داروں

۱۔ ابن سعد: طبقات، ج ۸، ص ۹۱، ۹۲ ۲۔ الامتاع، ص ۳۲۲

کے حوالے کر دیا جنہوں نے اسے قتل کر دیا۔(۱)

۸۔خلاصہ:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال:

امام نسائی نے اوقاتِ فجر کے بارے میں سات ابواب قائم کیے ہیں، ان سب مسائل میں امام صاحب اور دیگر ائمہ مذاہب کا استدلال حسب ذیل ہے۔

ا۔نمازِ فجر کا ابتدائی وقت:

نمازِ فجر کا ابتدائی وقت طلوعِ فجر (پو پھٹنا) ہے اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

۲۔مقیم کا فجر اندھیرے میں پڑھنا:

حالت قامت میں فجر اندھیرے میں پڑھنا افضل و مستحب ہے، ائمہ ثلاثہ کا موقف بھی یہی ہے البتہ فقہاء احناف کے نزدیک فجر روشنی میں پڑھنا افضل ہے۔

۳۔مسافر کا فجر اندھیرے میں پڑھنا:

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حالت سفر میں نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا افض رحمہم اللہ ائمہ اربعہ مقیم و مسافر کی تقسیم نہیں کرتے۔

۴۔نمازِ فجر روشنی میں پڑھنا:

نمازِ فجر روشنی میں پڑھنا بھی سنت ہے فقہاء احناف بھی نماز فجر کو روشنی میں پڑھنے کو افضل و مستحب کہتے ہیں، امام نسائی چونکہ محدث ہیں، اس لیے دونوں موضوعات پر احادیث کو جمع فرما رہے ہیں، البتہ اپنا پسندیدہ موقف پہلے بیان کر دیا ہے، کہ نمازِ فجر اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔

۵۔نمازِ فجر کی ایک رکعت (سورج نکلنے سے پہلے) پانے والے کا حکم:

اگر کسی شخص نے سورج نکلنے سے قبل فجر کی ایک رکعت پالی، تو اس کی فجر ادا ہو جائے گی، ور وہ نماز کو جاری رکھتے ہوئے دوسری رکعت بھی پوری کرے گا، ائمہ ثلاثہ بھی اس کے قائل ہیں، البتہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص کی نماز نہ ہوگی بلکہ وہ بعد میں قضاء کرے گا، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس میں وقتِ کامل اور وقتِ ناقص کی تقسیم کرتے ہیں۔

۶۔نمازِ فجر کا آخر وقت:

نمازِ فجر کا آخری وقت طلوعِ شمس تک ہے، اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔

ا۔شرح صحیح مسلم، ج۵، ص۵۸۸۔۵۹۳

۷۔ کسی نماز کی ایک رکعت پالینے والے کا حکم:

اگر کسی شخص نے کسی بھی نماز کا وقت نکلنے سے پہلے ایک رکعت پڑھ لی، یا کوئی کافر مسلمان ہوا، مدہوش کو ہوش آ گئی، مجنون صحیح ہو گیا، یا حائضہ ونفاسہ نے مدت، پوری کر لی، تو ان تمام صورتوں میں ائمہ اربعہ کے نزدیک ایسے شخص پر یہ نماز پڑھنا فرض ہو گئی ائمہ اربعہ کے نزدیک وقت نکلنے سے پہلے ایک رکعت پڑھ لینے والا دوسری رکعت بھی پڑھے گا، اور اس طرح اس کی نماز ادا ہو جائے گی، ائمہ احناف نمازِ فجر کو جاری رکھنے کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک نمازِ فجر میں ایسا نہیں ہو گا، بلکہ اسے شخص کی فجر قضاء ہو جائے گی، کیونکہ اس نے کامل وقت میں نماز شروع کی ہے اور ناقص وقت داخل ہونے پر نماز ختم ہو جائے گی، جبکہ نمازِ عصر اس لیے ادا ہو جائے گی، کیونکہ وہ شروع وقتِ ناقص میں ہوتی ہے، اور مکمل وقت کامل مین ہو رہی ہے۔

۸۔ نماز کے لیے عورتوں کا مسجد میں جانا:

عورتوں کے لیے مسجد میں جا کر نماز ادا کرنے کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے، ان سب کا موقف حسب ذیل ہے۔

ا۔ فقہاء احناف کا نظریہ:

عورتوں کا نماز باجماعت کے لیے مسجد میں جانا مکروہ ہے۔

۲۔ فقہاء شافعیہ کا موقف:

بوڑھی عورتوں کے لیے نماز باجماعت کے لیے مسجد جانا جائز اور جوان عورتوں کے لیے مکروہ ہے۔

۳۔ فقہاء مالکیہ کا نقطہ نظر:

اگر خاوند، یا سرپرست اجازت دے تو، جائز ہے وگرنہ نہیں، یہ بھی اس صورت میں ہے کہ فتنہ اور فساد کا خطرہ نہ ہو، اور اگر فتنہ کا غلبہ ہو تو پھر عورت کو مسجد میں نہیں جانا چاہیے۔

۴۔ فقہاء حنابلہ کا موقف:

امام احمد بن حنبل کے نزدیک عورتوں کا نماز کے لیے مسجد میں جانا مکروہ ہے۔

۹۔ غزوہ خیبر:

خیبر کا مقام مدینہ منورہ سے جانب شمال ۱۸۴ کلو میٹر اور تقریباً ایک سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں پر یہودیوں کا مختلف قبائل آباد تھے، اور یہ قبائل یہاں پر مختلف قلعوں میں رہائش پذیر تھے، مدینہ منور سے نکلے ہو بنو نضیر کے یہودی بھی یہیں پر آباد تھے، یہ غزوہ ۷ھ میں پیش آیا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح غزوہ عطا فرمائی۔ حضرت علی کے ہاتھوں قلعہ ناعم فتح ہوا، اور مرحب واصل جہنم ہوا، اس غزوہ سے مسلمانوں کو بہت سارا مال غنیمت ہاتھ آیا، اور وہاں کی زمین اور نخلستان بھی مسلمان کے قبضہ

میں آ گئے ، ام المومنین حضرت صفیہ بنت حی بھی اسی غزوہ میں قیدی ہو کر آئیں ، اور آقا کریم ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا۔

۱۰۔ فجر کاذب:

پو پھٹنے سے پہلے مستطیل شکل میں جو روشنی پھیلتی ہے اور کچھ دیر کے بعد یہ شعاعیں غیب ہو جاتی ہیں، اسے فجرِ کاذب کہتے ہیں۔

۱۱۔ فجر صادق:

روشنی کی وہ سفید پٹی جو افق کے ساتھ پھیلی ہوئی ہوتی ہے اسے فجر صادق کہتے ہیں۔

۱۲۔ دشمن پر اچانک حملہ:

حدیث نمبر ۵۴۷ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام دشمنوں پر اچانک حملہ جائز ہے، لیکن اس کے لیے شرط ہے کہ پہلے انہیں دعوت اسلام دی جا چکی ہو، وگرنہ پہلے ان پر دعوت اسلام پیش کی جائے۔

سنن نسائی کی کتاب الصلاۃ وکتاب المواقیت اور فیوض الزاھی فی شرح سنن انسائی کی جلد پنجم کی تکمیل:

اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل وکرم حسانِ محض اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے آج مورخہ ۱۳ شوال المکرّم ۱۴۳۸ھ/۸ جولائی ۲۰۱۷ء ۲۴ ہاڑ ۲۰۷۴ب بروز ہفتہ، بوقت شام ۵:۳۰ بجے فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی کی پنجم جلد (حدیث نمبر ۴۴۷۔۵۵۷) مکمل ہوگئی ہے۔ اس جلد میں سنن نسائی کی دو کتابیں (کتاب الصلاۃ، کتاب المواقیت) شامل ہیں، پانچویں جلد بقیہ کتاب المواقیت (حدیث نمبر:۵۵۸) سے شروع ہوگی (انشاء اللہ)۔ اللہ رب العزت جل جلالہ سے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا ہے! یا رب العالمین! جس طرح تو نے محض اپنے فضل وکرم کے سہارے اس ناکارہ، گناہ گار، عاجز اور فقیر سے پانچ جلدیں تحریر کروائی ہیں، اسی طرح اس شرح کی باقی جلدیں تحریر کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اس شرح کو مسلمانوں کے لیے نافع بنا۔ میرے لیے توشۂ آخرت بنا اس کے ناشر اور ہمدردوں کو دنیا اور آخرت میں بھلائی عطا فرما۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم برحمتك یاارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا و مولا نا محمد واله واصحابه اجمین

ابوحماد محمد کریم خان سندرانی لاہوری عفی عنہ

جامعہ علیمیہ متصل جامع مسجد حنفیہ

انوار مدینہ، ونڈسر پارک، اچھرہ، لاہور

۱۳ شوال المکرّم ۱۴۳۸ھ ۸ جولائی ۲۰۱۷ء بمطابق ۲۴ ہاڑ ۲۰۷۴ب

بروز ہفتہ۔ بوقت صبح ۵:۳۰ بجے

جدول احادیث

جدول احادیث جلد پنجم

رباعیات	خماسیات	سداسیات	سباعیات	ثمانیات
۳۶۸، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۸،	۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۲،	۴۴۷، ۴۵۱، ۴۵۳، ۴۵۵،	۴۵۰، ۴۵۹،	۵۰۰، ۵۵۴
۵۰۶، ۵۱۰، ۵۳۲، ۵۳۸،	۴۵۴، ۴۵۷، ۲۵۸،	۴۵۶، ۴۶۱، ۴۶۶، ۴۶۷،	۴۶۰، ۴۶۴،	
۵۴۳،	۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۹،	۴۷۱، ۴۷۴، ۴۷۶، ۴۷۷،	۴۶۵، ۴۷۲،	
	۴۷۰، ۴۷۸، ۴۸۴،	۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳،	۴۷۳، ۴۷۵،	
	۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸،	۴۸۵، ۴۸۹، ۴۹۳، ۴۹۶،	۴۷۹، ۵۲۸،	
	۴۹۰، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۷،	۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۷، ۵۱۳،	۵۴۸، ۵۵۰،	
	۴۹۹، ۵۰۱، ۵۰۴، ۵۰۵،	۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۷، ۵۱۸،	۵۵۷،	
	۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۱، ۵۱۲،	۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۳،		
	۵۱۶، ۵۲۲، ۵۲۴، ۵۲۵،	۵۲۶، ۵۲۷، ۵۳۴، ۵۳۵،		
	۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۳،	۵۳۶، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱،		
	۵۳۷، ۵۳۹، ۵۴۲،	۵۴۷، ۵۵۳، ۵۵۵،		
	۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶،	۵۵۶،		
	۵۴۹، ۵۵۱، ۵۵۲،			

کل تعداد:

رباعیات: ۹

خماسیات: ۴۴

سداسیات: ۴۴

سباعیات: ۱۳

کل احادیث: ۱۴۴

نوٹ:

حدیث نمبر ۵۳۹، بیک وقت خماسی اور سداسی ہے، اسی طرح مجموعی تعداد ایک سو گیارہ (۱۱۱) ہے۔

اطراف الحدیث

أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ، فَإِنَّ الَّذِی تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ مِنْ فَیْحِ جَهَنَّمَ--- ۶۴۵

إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ أَوَّلَ سَجْدَةٍ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ--- ۷۱۰

إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ--- ۶۴۴

أَسْفِرُوا بِالْفَجْرِ--- ۸۷۶

لَّذِی تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ--- ۶۹۸

الْعَصْرَ، وَهَذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الَّتِی كُنَّا نُصَلِّی--- ۶۹۱

الْوَقْتُ فِیمَا بَیْنَ هَذَیْنِ--- ۷۶۸

أَقِمْ مَعَنَا هَذَیْنِ الْیَوْمَیْنِ--- ۷۳۹

أمَرَتْنِی عَائِشَةُ أَنْ أَكْتُبَ لَهَا مُصْحَفًا--- ۴۷۱

أناأَعْلَمُ النَّاسِ بِمِیقَاتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ عِشَاءِ الْآخِرَةِ--- ۸۰۱

أَنَّ الصَّلَوَاتِ فُرِضَتْ بِمَكَّةَوَأَنَّ مَلَكَیْنِ--- ۴۴۷

إِنَّ الْعَهْدَ الَّذِی بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمِ الصَّلَاةُ--- ۴۰۵

إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَنَامُوا--- ۸۳۰

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِینَةِ أَرْبَعًا--- ۴۷۵

أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :بَیْنَا أَنَا عِنْدَ الْبَیْتِ بَیْنَ النَّائِمِ وَالْیَقْظَانِ--- ۸۸

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِینَ زَاغَتِ الشَّمْسُ --- ۶۳۳

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ فِی حُجْرَتِهَا--- ۶۸۵

أنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :أُتِیتُ بِدَابَّةٍ فَوْقَ الْحِمَارِ--- ۹۸

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ یُصَلِّی الْعَصْرَ--- ۶۸۶

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ --- ۶۸۸

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ ذٰلِكَ فِي ذٰلِكَ الْمَكَانِ --- ۵۰۵

إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّى الصُّبْحَ --- ۸۷۱

إِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا --- ۵۳۴

إِنَّمَا أُصَلِّى كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يُصَلُّونَ --- ۶۹۳

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ --- ۴۲۲

إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ بِصَلَاتِهِ --- ۴۱۹

إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ عُرِضَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوهَا --- ۷۴۵

إِنَّهُ الْوَقْتُ، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِى --- ۸۱۷

إِنَّهُ لَوَقْتُهَا لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِى --- ۸۲۵

إِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُصَلِّى هَذِهِ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ --- ۵۱۳

أَنَّهُمْ كَانُوا يُصَلُّونَ مَعَ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ --- ۷۴۲

أَوَّلَ مَا فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ --- ۲۵۱

أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ صَلَاتُهُ --- ۴۲۴

أَيْنَ السَّائِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَاةِ؟ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ وَقْتٌ --- ۸۶۹

بَيْنَمَا النَّاسُ بِقُبَاءَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ جَاءَهُمْ آتٍ --- ۵۸۲

تَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ --- ۴۳۱

تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمْعِ عَلَى صَلَاةِ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا --- ۵۲۴

تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ: جَلَسَ يَرْقُبُ صَلَاةَ الْعَصْرِ --- ۶۹۶

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ --- ۲۹۷

حِينَ خَرَجَ إِنَّكُمْ تَنْتَظِرُونَ صَلَاةً مَا يَنْتَظِرُهَا أَهْلُ دِينٍ غَيْرُكُمْ --- ۵۲۸

خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ --- ۴۳۸

خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ --- ۷۷۳

خَمْسُ صَلَوَاتٍ كَتَبَهُنَّ اللَّهُ عَلَى الْعِبَادِ --- ۳۵۰

رَأَيْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ صَلَّى بِجَمْعٍ فَأَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا --- ۵۱۹

رَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ --- ۳۹۸

سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم --- ۳۱۲

سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَوَاقِيتِ الصَّلَاةِ؟ --- ۶۸۲

شَغَلُونَا عَنِ الصَّلَاةِ الْوُسْطَى حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ --- ۴۴۷

شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّ الرَّمْضَاءِ فَلَمْ يُشْكِنَا --- ۶۳۴

صَلَاةٌ مَنْ فَاتَتْهُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ --- ۴۹۱

صَلُّوهَا فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ --- ۸۲۱

صَلَّى بِنَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ بِجَمْعٍ الْمَغْرِبَ ثَلَاثًا بِإِقَامَةٍ --- ۵۱۸

صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا و --- ۴۳۵

صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ حِينَ تَبَيَّنَ لَهُ الصُّبْحُ --- ۸۶۷

صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ صَلَاةَ الصُّبْحِ بِغَلَسٍ --- ۸۷۴

صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا --- ۵۳۵

فَرَضَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الصَّلَاةَ عَلَى رَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم --- ۲۵۳

فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ --- ۲۵۸

فُرِضَتِ الصَّلَاةُ عَلَى لِسَانِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا --- ۲۵۹

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :فَرَضَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً ۔ ۹۵

قَالَ لِابْنِ عُمَرَ كَيْفَ تَقْصُرُ الصَّلَاةَ --- ۲۶۱

قَالَ :لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْتُهِيَ بِهِ إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى --- ۱۰۶

قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ --- ۵۳۷

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا لَمْ يَرْتَحِلْ مِنْهُ ـــــ ۶۴۰
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ ـــ ۶۴۲
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَبِّحُ عَلَى الرَّاحِلَةِ قِبَلَ أَيِّ وَجْهٍ تَتَوَجَّهُ ـــ ۵۵۲
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ ـــ ۸۸۶
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ ـــ ۷۹۹
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ بَيْضَاءُ مُحَلِّقَةٌ ـــ ۶۸۹
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى دَابَّتِهِ وَهُوَ مُقْبِلٌ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ ـ ۵۵۸
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي عَلَى رَاحِلَتِهِ فِي السَّفَرِ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ بِهِ ـــ ۵۸۹
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ فِي الظُّهْرِ ـــ ۴۸۳
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ ـــ ۸۱۸
كَانَ لَا يُبَالِي بَعْضَ تَأْخِيرِهَا -يَعْنِي الْعِشَاءَ ـــ ۶۲۸
كَانَ قَدْرُ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ـــ ۶۵۸
كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ ـــ ۷۷۶
كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ ـــ ۴۸۰
كُنَّ النِّسَاءُ يُصَلِّينَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ ـــ ۸۷۳
كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـــ ۳۲۰
لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمْ هَذِهِ ـــ ۸۳۹
لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمْ أَلَا إِنَّهَا الْعِشَاءُ ـــ ۸۴۱
لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ ـــ ۷۱۴
لَا يَلِجُ النَّارَ أَحَدٌ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ ـــ ۵۲۶
لَنْ يَلِجَ النَّارَ مَنْ صَلَّى قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ـــ ۴۴۱
لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ لَا يُصَلُّوهَا إِلَّا هَكَذَا ـــ ۸۱۴

لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ--- ۸۲۰
لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ---- ۸۳۷
لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ إِلَّا تَرْكُ الصَّلَاةِ--- ۴۰۹
مَا أَسْفَرْتُمْ بِالْفَجْرِ فَإِنَّهُ أَعْظَمُ بِالْأَجْرِ--- ۸۷۸
مَا بَيْنَ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ وَقْتٌ--- ۶۹۹
مَا بَيْنَ هَذَيْنِ وَقْتٌ كُلُّهُ --- ۷۹۶
مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ أَوْ غَيْرِهَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ--- ۸۹۵
مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْفَجْرِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ--- ۸۸
مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ--- ۷۱۳
مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ--- ۷۰۹
مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَتَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ--- ۷۰
مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنْ صَلَاةٍ مِنَ الصَّلَوَاتِ--- ۸۹۷
مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ--- ۸۸۸
مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَهَا--- ۸۹۰
مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ--- ۸۹۱
مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلَاةِ رَكْعَةً فَقَدْ أَدْرَكَهَا--- ۸۹۳
مَنْ أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنَ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ--- ۸۸۱
مِنَ الصَّلَاةِ صَلَاةٌ مَنْ فَاتَتْهُ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ--- ۳۹۰
مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ--- ۳۵۰
مَنْ فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ فَكَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ--- ۳۸۶
نَزَلَ جِبْرِيلُ فَأَمَّنِي فَصَلَّيْتُ مَعَهُ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ--- ۶۰۳
وَاللَّهِ إِنِّي لَأَعْلَمُ النَّاسِ بِوَقْتِ هَذِهِ الصَّلَاةِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ--- ۸۱۰

وَقْتُ صَلَاةِ الظُّهْرِ مَا لَمْ يَحْضرِ الْعَصْر۔۔۔ ۲۶۶
وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا۔۔۔ ۸۱۲
هَذَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَاءَكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ۔۔۔ ۶۵۶
يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ۔۔۔ ۵۲۲

اشاریہ اسماءرجال

اشاریہ اسماء رجال

ابراہیم بن ابی عبلہ ۸۲۳
ابراہیم بن محمد ۸۸۲
ابراھیم بن میسرہ ۴۳۶
ابراہیم بن ہارون ۸۶۷
ابن ابی مریم ۸۷۹
ابن حزم ۹۶
ابن محیریز ۳۵۱
ابن ہبیرہ ۷۴۶
ابوالعوام ۴۲۳
ابوالصدیق ناجی ۴۸۲
ابوالمغیرہ ۸۹۴
ابوامامہ بن سہل ۶۹۲
ابوایوب ازدی ۷۶۷
ابوبکر بن عثمان ۶۹۲
ابوبشر ۷۴۳
ابوبصرہ غفاری ۷۵۴
ابوبکر ۸۹۹
ابوبکر بن ابی موسیٰ ۷۷۱
ابوبکر بن عمارہ ۴۴۳
ابوتمیم الحیثانی ۷۴۶

ابوحسان	۴۴۸
ابوداوٗد	۷۶۹
ابوسعید	۶۴۲
ابوسہیل	۲۹۸
ابوصدقہ	۸۸۷
ابوعبدالرحمان عبداللہ بن محمد اذری	۶۵۹
ابوعلقمہ المدنی	۶۹۴
ابوغسّان	۸۸۰
ابولابیض	۶۹۰
ابولید بن مسلم	۴۸۲
ابومسلم الخولانی	۳۲۵
ابومسھر	۳۲۱
ابونضرہ	۸۳۲
ابویوسف	۷۰۱
ابویونس	۴۴۶
امیہ بن عبداللہ	۲۶۲
ازرق بن قیس	۴۲۴
اسحاق بن یوسف	۵۳۸
اسمٰعیل بن ابی خالد احمسی	۴۴۲
الحسن بن عبیداللہ	۶۵۴
الحسین بن بشیر	۷۷۴
الحسین بن واقد	۴۰۸

الفضل بن موسیٰ سینانی	۴۰۵
المخدجی	۳۵۱
ام اکلثوم بنت ابی بکر صدیق	۸۲۷
ایوب بن سلیمان	۸۹۸
بدر بن عثمان	۷۷۱
بختری بن ابی البختری	۴۴۳
بسر بن سعید	۷۱۳
بشیر بن ابی مسعود	۶۰۳
بشیر بن ثابت	۸۱۰
بشیر بن سلام	۷۷۴
بقیہ	۸۹۵
بکیر بن اخنس	۲۶۰
ثابت بن قیس	۶۵۴
ثور بن یزید	۶۸۳
حاتم بن اسماعیل	۸۶۸
حبیب بن سالم	۸۰۲
حریث بن قبیصہ	۴۲۱
حسان بن بلال	۷۴۳
حسین بن علی	۷۹۷
حضرت ابو برزہ اسلمی	۶۳۰
حضرت ابو محمد	۳۵۲
حضرت ابو مسعود	۶۰۳

حضرت جابر بن سمرہ	۸۱۹
حضرت خباب بن ارت	۶۳۵
حضرت زبیر بن عدی	۱۰۷
حضرت سالم بن عبداللہ	۵۵۳
حضرت سعید بن عبدالعزیز	۱۰۰
حضرت طاؤس بن کیسان	۷۰۵
حضرت طلحہ	۲۹۸
حضرت عبادہ بن صامت	۳۵۲
حضرت عمارہ بن رویبہ	۴۴۴
حضرت مالک بن صعصعہ	۹۱
حضرت نعمان بن بشیر	۸۰۲
حضرت مرہ بن شراحیل	۱۰۷
حضرت نوفل بن معاویہ	۴۸۸
حضرت محمود بن بسید	۸۷۸
حضرت ولید بن مسلم	۲۵۵
حضرت یحییٰ بن یعمر	۴۲۵
حمزہ عائذی	۶۴۱
حمید بن عبدالرحمان	۶۳۵
حیوۃ بن شریح	۴۸۷
خارجہ بن عبداللہ	۷۷۴
خالد بن دینار	۶۴۳
خالد بن قیس	۳۱۳

خیر بن نعیم ۷۴۶
داؤد بن دینار ۸۳۰
ربعی بن حراش ۶۹۰
رجل من اسلم ۷۴۳
زکریا بن عدی ۸۸۴
سعید بن عامر ۷۱۵
سعید بن وہب ۶۳۵
سلیمان بن بلال ۸۹۹
سلیمان بن موسیٰ ۶۸۳
سمی ۸۳۸
سیار بن سلامہ ۶۲۹
شعیب ۴۲۳
عاصم بن عمر بن قتادہ ۸۷۷
عبداللہ بن ابی بکر ۲۶۲
عبداللہ بن ابی لبید ۸۴۰
عبداللہ بن حارث ۶۸۳
عبداللہ بن سعید ۸۸۲
عبداللہ بن طاؤس ۷۰۴
عبدربہ بن سعید ۲۴۷
عبدہ بن عبداللہ ۷۶۹
عبیداللہ بن سعد بن ابراہیم بن سعد ۴۹۲
عبیدہ ۴۴۸

عثمان بن عبداللہ ۴۳۲
عمر بن حفص ۶۴۶
عمرو بن عثمان ۸۲۲
مالک ۲۹۸
معاذ ۷۱۶
معاذ بن عفراء ۷۱۶
محمد بن اسحاق ۴۹۲
محمد بن اسماعیل ۸۹۸
محمد بن اسماعیل بن ابراہیم ۵۳۷
محمد بن حمیر ۸۲۲
محمد بن عبداللہ ۲۶۲
محمد بن عثمان ۴۳۲
محمد بن عثمان بن عبداللہ ۴۳۲
محمد بن عمرو بن حسن ۸۰۰
محمد بن ربیعہ ۴۱۰
محمد بن ہاشم ۲۵۳
مخلد بن یزید ۷۴۰
مغیرہ بن حکیم رحمۃ اللہ علیہ ۸۲۶
موسیٰ بن سلیمان بن اسماعیل بن القاسم ۸۹۵
موسیٰ بن طلحہ ۴۳۲
منصور بن زاذان ۴۸۱
قدامہ بن شہاب ۷۰۱

کثیر بن مدرک	۶۵۹
نوح بن قیس	۳۱۳
ہارون بن اسماعیل	۴۲۰
ہمام بن یحیٰ	۴۲۰
ہشام عطار	۸۹۲
یحیٰ بن معین	۶۴۶
یزید بن اوس	۶۵۴
یزید بن ابی مالک	۱۰۴
نصر بن عبدالرحمٰن	۷۱۶
وہب بن کیسان	۷۹۷
یزید بن محمد بن عبدالصمد	۸۹۱

مصادر ومراجع

قرآن حکیم

۱۔ ابراھیم بن عمر، ابوالحسن، بقاعی، علامہ، نظم الدرر فی تناسب الایات والسور، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۔ ابراھیم بن محمد، ابواسحق، الزجاج، امام، معانی القرآن واعرابہ، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۔ ابن ابوحاتم، عبدالرحمن، ابومحمد رازی، الجرح والتعدیل، مطبوعہ مجلس دائرہ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ط۱، 1952ء

۴۔ ایضاً، المراسیل، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ط2، 1982ء

۵۔ ابن اثیر، عزالدین علی بن محمد، ابوالحسن الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ط2، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۶۔ ایضاً، الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۰ھ

۷۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد، ابوبکر، الاشرف علی مناقب الاشراف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۸۔ ابن ابی الدنیا، عبداللہ بن محمد، ابی بکر، التواضع والخمول لابن ابی الدنیا، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۹۔ ابن ابی الدنیا، ضوء الشموع شرح کتاب الجوع، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۱۰۔ ابن ابی شامہ، عبدالرحمن، ابومحمد، شھاب الدین، تاب الباعث علی انکار البدع والحوادث، دار الرایۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۱۱۔ ابن ابی شیبۃ، عبداللہ بن محمد، ابوبکر، امام، المصنف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۱۲۔ ایضاً، المسند، دار الوطن، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۱۳۔ ایضاً، کتاب الایمان، المکتب الاسلامی، بیروت، ط2، ۱۴۰۳ھ

۱۴۔ ابن بطال، علی بن خلف، ابوالحسہ قرطبی، شرح ابن بطال علی صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۱۵۔ ابن اثیر جزری، علی بن محمد، ابوالحسن، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۶۔ ایضاً، الکامل فی التاریخ، بیت الافکار الدولیۃ، الاردن۔

۱۷۔ ایضاً اللباب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۱ء

۱۸۔ ایضاً، النھایۃ فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۱۹۔ ابن اسحاق، محمد، ابن یسار، کتاب المبدأ والمبعث والمغازی (سیرۃ)، (تحقیق، ڈاکٹر حمید اللہ)، دار النفائس، لاہور، پاکستان، ط۱، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۲۰۔ ابن تیمیہ، احمد، عبدالحلیم، مقدمۃ فی اصول التفسیر، دار القرآن الکریم، لاہور، ط۱، ۱۹۷۱ء

۲۱۔ ایضاً، الصارم المسلول علی شاتم الرسول، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۲۔ ایضاً، الفرقان بین اولیاء الرحمان واولیاء الشیطان، مطبوعۃ دار ابن حزم بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۲۳۔ ایضاً، مجموعۃ الفتاوی: ، دار ابن حزم، بیروت، الطبعۃ ط۲، ۱۴۲۲ھ

۲۴۔ ابن جوزی، عبد الرحمان بن علی، المنتظم، دار الفکر، بیروت، لبنان ۱۴۱۵ھ

۲۵۔ ایضاً، کشف المشکل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۴ھ

۲۶۔ ایضاً، جامع المسانید، ایضاً

۲۷۔ ایضاً، ابو الفرج، احکام النساء، دار الفکر بیروت، ط۳، ۱۴۱۶ھ

۲۸۔ ایضاً، ابو الفرج، بحر الدموع، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۹۔ ایضاً، ابو الفرج، صفوۃ الصفوۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۳۰۔ ایضاً، مناقب امام احمد بن حنبل، مکتبہ الخانجی، مصر، ط۱، ۱۳۹۹ھ

۳۱۔ ایضاً، تاریخ عمر بن الخطاب، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۳۲۔ ایضاً، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ

۳۳۔ ایضاً، اخبار الظراف والمتماجنین دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۳۴۔ ایضاً، کتاب الاذکیاء، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع ط۱، ۱۴۰۸ھ

۳۵۔ ایضاً، تلقیح فھوم اھل الاثر فی عیون التاریخ والسیر، شرکۃ دار ارقم بن ابی الارقم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۶۔ ایضاً، حنبلی، زاد المسیر فی علم التفسیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۳۷۔ ایضاً، الوفا باحوال المصطفیٰ ﷺ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۳۸۔ ابن حبان، محمد، ابو حاتم البستی، المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۹۲ء

۳۹۔ ایضاً، الثقات، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ۱۹۷۳ء

۴۰۔ ابن حبان، محمد، ابو حاتم خراسانی، صحیح ابن حبان، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۲۰۰۴ء/ ۱۴۲۵ھ

۴۱۔ ابن حجر، احمد بن علی، عسقلانی تقریب التھذیب، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء

۴۲۔ ایضاً، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۴۳۔ ایضاً، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۴۔ ایضاً، تھذیب التھذیب، دار الفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۴۵۔ ایضاً، القول المسدد فی الذب عن المسند للامام احمد، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۴۶۔ ایضاً، النکت، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۴۷۔ ایضاً، فتح الباری شرح صحیح البخاری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۴ھ/ ۲۰۰۳

۴۸۔　ایضاً، لسان المیزان، مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد، ط۱، ۱۹۶۷ء

۴۹۔　ایضاً، نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۵۰۔　ایضاً، الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۱۔　ایضاً، حافظ، مختصر زوائد مسند البزار، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۵۲۔　ایضاً، المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، دارالباز، عباس احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۵۳۔　ایضاً، موافقۃ الخبر الخبر فی تخریج احادیث المختصر، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۳، ۱۴۱۹ھ

۵۴۔　ابن حجر، احمد بن محمد علی، مکی، الفتاویٰ الحدیثۃ، داراحیاء التراث العربی، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۵۔　ابن حجر مکی، احمد، علامہ، الصواعق المحرقۃ، مکتبۃ القاھرۃ، مصر، ۱۳۸۵ھ

۵۶۔　ابن حنبل، احمد، ابوعبداللہ، العلل ومعرفۃ الرجال، مطبوعہ الدار السلفیہ بومبائی، الھند، ط۱، ۱۹۸۸ء

۵۷۔　ایضاً، المسند، بیت الافکار الدولیۃ، عمان، اردن، ط۱، ۲۰۰۴ء

۵۸۔　ایضاً، نشر السنہ، ملتان، س ن

۵۹۔　ابن حمزۃ الحسینی، ابراھیم بن محمد الشھیر، البیان والتعریف فی اسباب ورود الحدیث الشریف، دارالمعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۰۔　ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق، ابوبکر، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ط۳، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۶۱۔　ایضاً، کتاب التوحید، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۶، ۱۴۱۸ھ

۶۲۔　ابن خلدون، عبدالرحمان بن محمد، مقدمۃ ابن خلدون، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۶۳۔　ابن خلکان، احمد بن محمد، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، بیروت، مصر، ۱۳۱۰ھ

۶۴۔　ابن خیاط، ابوعمرو، خلیفہ، الطبقات، مطبوعہ دارطیبۃ الریاض، السعودیۃ، ط۱، ۱۹۸۲ء

۶۵۔　ابن رجب، عبدالرحمان بن احمد، ابوالفرج، لطائف المعارف فیما لمواسم العام من الوظائف، دارابن کثیر، دمشق، ط۴، ۱۴۱۹ھ

۶۶۔　ایضاً، شرح علل الترمذی، عالم الکتب، بیروت، ط۲، ۱۴۰۵ھ

۶۷۔　ایضاً، جامع العلوم والحکم فی شرح خمسین حدیثاً من جوامع الکلم، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۳ھ

۶۸۔　ابن رشد، محمد بن احمد، اندلسی مالکی، بدایۃ المجتھد، دارالفکر، بیروت۔

۶۹۔　ابن زنجویہ، اسماعیل بن علی، مختصر کتاب الموفقۃ بین اھل البیت والصحابۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۷۰۔　ابن سعد، محمد، ابوعبداللہ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ دارصادر، بیروت، لبنان، ۱۹۶۰ء

۷۱۔　ابن صلاح، عثمان بن عبدالرحمان، حافظ، رسالۃ فی وصل البلاغات الاربع فی الموطاء، دارالاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۸ھ/۱۳۳۲ھ

۷۲۔　ایضاً، مقدمۃ ابن الصلاح، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ط۴، ۱۴۱۶ھ

۷۳۔ ابن عباس، عبد اللہ، تنویر المقیاس، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۷۴۔ ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، ابو عمر، التمھید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، المکتبۃ التجاریۃ مصطفی احمد الباز بمکۃ المکرمۃ، السعودیۃ العربیۃ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۷۵۔ ایضاً، الاستذکار، دار الوعی، القاہرہ، مصر، ط۱، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۷۶۔ ایضاً، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۶ء

۷۷۔ ایضاً، حافظ، التمھید المافی الموطا من المعانی والمسانید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۷۸۔ ابن عدی، عبد اللہ، ابو احمد الجرجانی، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۸۴ء

۷۹۔ ابن عربی، محمد بن عبد اللہ، ابو بکر قاضی اندلسی مالکی، القبس فی شرح موطا ابن انس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۸۰۔ ایضاً، عارضۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۲۵ھ۔۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۸۱۔ ایضاً تفسیر ابن عربی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۸۲۔ ایضاً، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۶ھ

۸۳۔ ایضاً، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۸۴۔ ابن عربی، ابو بکر، قاضی، العواصم من القواصم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۲۵ھ

۸۵۔ ابن عربی، ابو عبد اللہ محمد، الفتوحات المکیۃ، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۴ھ

۸۶۔ ابن عساکر، عبد الصمد بن عبد الوہاب، ابو الیمن، اتحاف الزائر واطراف المقیم السائر، دار ارقم بن ابی الارقم، بیروت

۸۷۔ ابن عساکر، علی بن حسین، ابو القاسم، تاریخ دمشق، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ

۸۸۔ ابن عماد، عبد الحئی، ابو الفلاح حنبلی، شذرات الذھب، مصر، ۱۳۵۰ھ

۸۹۔ ابن قانع، عبد الباقی، ابو الحسین، معجم الصحابہ، مکتبہ الغرباء الاثریہ، مدینہ منورہ، سعودی عرب، ۱۴۱۸ھ

۹۰۔ ابن قتیبۃ، عبد اللہ بن مسلم، المعارف لابن قتیبۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت، ط۲، ۱۴۲۴ھ

۹۱۔ ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، ابو محمد حنبلی، المغنی، دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ

۹۲۔ ابن قیم، محمد، شمس الدین ابو عبد اللہ جوزی، کتاب الروح، حیدرآباد، دکن، ط۲، س ن

۹۳۔ ایضاً، اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابو عبد اللہ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۱۸ھ

۹۴۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر عماد الدین ابو الفداء، تفسیر القرآن العظیم، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۹۸۵ء

۹۵۔ ایضاً، اختصار علوم الحدیث، مکتبہ، دار التراث، قاھرہ۔

۹۶۔ ایضاً، البدایۃ والنھایۃ، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

۹۷۔ ایضاً، السیرۃ النبویۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۹۸۔ ایضاً، الفصول فی سیرۃ الرسول: ، دار التراث المدینۃ المنورۃ، ط۶، ۱۴۱۳ھ

۹۹۔ ایضاً، مناقب الامام الشافعی، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۰۰۔ ابن کثیر، احمد بن ابراھیم، ابی عبداللہ، امام، دورقی، البغدادی، مسند سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۱۰۱۔ ابن کثیر، صلابی، علی محمد، دکتور، اسمی المطالب فی سیرۃ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۱۰۲۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابوعبداللہ قزوینی، السنن، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۱۰۳۔ ابن مدینی، علی بن عبداللہ بن جعفر، ابوالحسن السعدی، العلل، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۹۸۰ء

۱۰۴۔ ابن معین، یحییٰ، ابوزکریا، معرفۃ الرجال، مطبوعہ مجمع اللغۃ العربیہ، دمشق، ط۱، ۱۹۸۵ء

۱۰۵۔ ابن منبہ، ھمام، الصحیفۃ الصحیحہ، (تحقیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ)، کرمانوالہ بک شاپ، لاہور، ط۱، ۲۰۰۷ء

۱۰۶۔ ابن مندہ، عبدالوھاب بن محمد، العبدی، حافظ، الفوائد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۱۰۷۔ ابن مندۃ، محمد بن اسحاق، حافظ، کتاب الایمان، دار الفضیلۃ، الریاض، ط۴، ۱۴۲۱ھ

۱۰۸۔ ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۱۰۹۔ ایضاً، مختصر تاریخ دمشق، دار الفکر، دمشق، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۱۱۰۔ ابن ناصر الدین، محمد بن ابی بکر، دمشقی، مجالس فی تفسیر قولہ تعالیٰ "لقد من اللہ علی المؤمنین الخ، مؤسسۃ الریان، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۱۱۱۔ ابن نجیم، زین الدین، حنفی، البحر الرائق، مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ، س ن

۱۱۲۔ ابن المبارک، عبداللہ، امام، الزھد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۱۱۳۔ ابن السنی، احمد بن محمد، ابوبکر، عمل الیوم واللیلۃ، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، الصنائع، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۱۱۴۔ ابن معین، یحییٰ، ابوزکریا، تاریخ، الھیئۃ المصریۃ العامۃ، قاھرہ، ۱۹۷۸ھ

۱۱۵۔ ابن الملقن، عمر بن علی، ابی حفص، امام، غایۃ السول فی خصائص الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۱۱۶۔ ابن ندیم، محمد بن اسحاق، ابوالفرج وراق، الفہرست، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ط۲، ۱۹۹۰ء

۱۱۷۔ ابن النجار، محمد بن محمود، ابوعبداللہ، الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینۃ، مکتبہ دار الزمان المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۱۱۸۔ ابن ھشام، عبدالملک، ابومحمد، السیرۃ النبویۃ، وحیدی کتب خانہ، پشاور، ط۲، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۱۱۹۔ ابن ہمام، کمال الدین، فتح القدیر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، س ن

۱۲۰۔ ابوبکر، احمد بن عمرو، امام، الآحاد والمثانی، دار الرایۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۱ھ۔

۱۲۱۔ ابوحیان، اندلسی، محمد بن یوسف، النھر الماد من البحر المحیط: دار الجنان، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۱۲۲۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، حافظ سجستانی، سنن ابوداؤد، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۵-۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۱۲۳۔ ابو زرعۃ، عبد الرحمن بن عمرو، الدمشقی، تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی، مطبوعۃ جامعہ بغداد، عراق، ۱۹۷۳ء

۱۲۴۔ ابوشھبۃ، محمد بن محمد، اسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر، مکتبہ السنۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۱۲۵۔ ابوعوانہ، یعقوب بن اسحاق، اسفرائنی، المسند، دار الباز للنشر والتوزیع، مکہ مکرمہ

۱۲۶۔ ابوغدۃ، عبد الفتاح، شیخ، الاسناد من الدین، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۲۷۔ ابوغدۃ، عبد الفتاح، لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث، مطبوعۃ دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۱۲۸۔ ابوالشیخ، عبد اللہ بن محمد، ابومحمد، ذکر الأقران وروایاتھم عن بعضھم بعضاً، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۲۹۔ ابوالشیخ، عبد اللہ بن محمد جعفر، امام، کتاب العظمۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۱۳۰۔ ابوالفداء، اسماعیل بن کثیر، شافعی، حافظ، جامع المسانید والسنن، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۱۳۱۔ ابونعیم، احمد بن عبد اللہ، اصفہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۱۳۲۔ ابویعلیٰ، احمد بن علی، تمیمی، المسند، دار المامون تراث، بیروت، ۱۴۰۴ھ

۱۳۳۔ ابویوسف، یعقوب بن ابراھیم، امام، کتاب الخراج، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان

۱۳۴۔ اتیوبی، علی بن آدم، لولوی، ذخیرۃ العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، دار ابن جوزی للنشر والتوزیع، قاھرہ، ط۳، ۱۴۳۲ھ

۱۳۵۔ اثری، ابن الدبیع، عبد الرحمان بن علی، تمیز الطیب من الخبیث، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۲۴ھ

۱۳۶۔ احمد بن ادریس، مصری، شھاب الدین، الاحکام فی تمییز الفتاویٰ عن الاحکام، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۲، ۱۴۱۶ھ

۱۳۷۔ احمد بن اسماعیل، ابوجعفر، نحاس، امام، اعراب القرآن: عالم الکتب، بیروت، ط۲، ۱۴۰۵ھ

۱۳۸۔ احمد بن حنبل، امام، الزھد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ

۱۳۹۔ ایضاً، السنۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ

۱۴۰۔ ایضاً، زوائد مسند احمد، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۱۴۱۔ ایضاً، المسند، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۱۴۲۔ احمد بن ستیوی، الدکتور، دیوان الامام علی رضی اللہ عنہ: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ: جمع وتعلیق، دار الغد الجدید، مصر، ط۱، ۱۵۲۴ھ

۱۴۳۔ احمد بن عمر، قرطبی، ابوالعباس، امام، مفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم، دار ابن کثیر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۱۴۴۔ احمد بن عمرو، ابوبکر، امام، کتاب الاوائل، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۱۴۵۔ احمد بن فارس، ابوالحسین، معجم المقاییس فی اللغۃ، دار الفکر، بیروت، ط۲، ۱۴۱۸ھ

۱۴۶۔ احمد رضا، امام، حدائق بخشش، پروگریسو بکس، لاہور

۱۴۷۔ ایضاً، فتاویٰ رضویۃ، مطبوعۃ مکتبہ رضویۃ آرام باغ کراچی، رضا فاؤنڈیشن جامعۃ نظامیۃ رضویۃ، لاہور۔

۱۴۸۔ احمد رضا، معجم متن اللغۃ، مطبوعہ دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۵۸ء

۱۴۹۔ احمد شھاب الدین، مصری، خفاجی، حنفی، علامہ، عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۵۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، ط۱، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء

۱۵۱۔ الازہری، کرم شاہ، محمد پیر، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۴۰۵ھ

۱۵۲۔ ایضاً، سنت خیر الانام، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۵۳۔ اسفرائینی، عبد القاھر بن طاھر، الفرق بین الفرق، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۵۴۔ اسماعیل بن عمر، عماد الدین، حافظ، شافعی، تفسیر القرآن العظیم، دار المعرفۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۰۶ھ

۱۵۵۔ اشعری، علی بن اسماعیل، ابو الحسن، الابانۃ عن اصول الدیانۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۵۶۔ ایضاً، مقالات الاسلامیین واصلاح المصلین، تحقیق محی الدین عبد الحمید، مکتبۃ النھضۃ المصریۃ۔

۱۵۷۔ اصبھانی، احمد بن موسیٰ، ابو بکر، جزء فیہ ما انتقاء ابو بکر بن مردویہ من حدیث الطبرانی لاھل البصرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۱۵۸۔ اصبھانی، اسماعیل بن محمد، ابو القاسم، دلائل النبوۃ، دار العاصمۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۵۹۔ اصفھانی، ابو نعیم، مسند الامام ابو حنیفۃ، مکتبۃ الکوثر، الریاض، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۱۶۰۔ اصفھانی، احمد بن عبد اللہ، ابو نعیم، دلائل النبوۃ، دار النفائس، بیروت، ط۳، ۱۴۰۶ھ

۱۶۱۔ ایضاً، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۱۶۲۔ اصلاحی، امین احسن، مبادی تدبر حدیث، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ط۳، ۲۰۰۸ء

۱۶۳۔ ایضاً، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ط۱۱، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۵ء

۱۶۴۔ اعظمی، امجد علی، بہار شریعت، مکتبۃ المدینۃ، کراچی، ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

۱۶۵۔ اکرم ورک، محمد، ڈاکٹر، متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات (ایک تحقیقی مطالعہ)، الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ، ط۱، ۲۰۱۲ء

۱۶۶۔ امجدی، شریف الحق، محمد، نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، فرید بک سٹال، لاہور، ط۱، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء

۱۶۷۔ امین، محمد، حافظ، سنن نسائی (فوائد ومسائل)، دار السلام، لاہور، ۱۴۳۲ھ

۱۶۸۔ امین، محمد ترقی، المعجم الوسیط، مطبوعہ اشرف علی الطبع حسن علی عطیہ دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۵ء

۱۶۹۔ آمدی، علی بن ابی علی، سیف الدین، الاحکام فی اصول الاحکام، مطبع محمد علی واولادہ، مصر، ۱۳۴۷ھ

۱۷۰۔ اندلسی، ابو حیان بن محمد، علامہ، البحر المحیط، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۱۷۱۔ اندلسی، عبد الحق بن غالب، ابو بکر، قاضی، علامہ، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۱۷۲۔ اندلسی، علی بن احمد، ابی محمد، جمھرۃ انساب العرب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۱۷۳۔ اندلسی، یوسف بن عبد البر، ابی عمر، الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۱۷۴۔ آجری، محمد بن حسین، ابوبکر، الشریعۃ، دار الکتب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۲۰ھ

۱۷۵۔ آلوسی، محمود احمد، ابو الفضل، روح المعانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط۴، ۱۴۱۸ھ

۱۷۶۔ الیاس، انطون، الیاس، قاموس الیاس، المصر، بیروت، لبنان، ۱۹۷۲ء

۱۷۷۔ انصاری، عبد اللہ، خواجہ، کشف الاسرار وعدۃ الابرار، مطبوعہ شہر، طہران، ط۵، ۱۳۷۱ھ

۱۷۸۔ بابرتی، محمد بن محمود، عنایۃ شرح ھدایۃ، نوریہ رضویہ، سکھر

۱۷۹۔ باجوری، محمد بن عفیفی، اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء، دار ابن حزم، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۱۸۰۔ الباجی، سلیمان بن خلف، ابو الولید قاضی اندلسی، کتاب المنتقی شرح موطاء، دار الکتب العربی، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۳۳۲ھ

۱۸۱۔ ایضاً، سنن الصالحین وسنن العابدین، دار ابن حزم بیروت ط۱، ۱۴۲۴ھ

۱۸۲۔ باقلانی، ابوبکر، محمد بن طیب، امام، اعجاز القرآن، مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۴۔

۱۸۳۔ البانی، ناصر الدین، محمد، حجیت حدیث، مکتبہ محمدیہ، لاہور، ط۱، ۲۰۰۸ء

۱۸۴۔ البستانی، بطرس، المعلم، قطر المحیط، ساحۃ ریاض الصلح، بیروت، لبنان، ۱۸۶۹ء

۱۸۵۔ بجنوری، احمد رضا، سید، انوار الباری شرح صحیح البخاری، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۵ھ

۱۸۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ، دار السلام، الریاض، ط۲، ۱۴۱۹ھ

۱۸۷۔ ایضاً، خلق افعال العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۱ھ

۱۸۸۔ ایضاً، الادب المفرد، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۱۸۹۔ ایضاً، الضعفاء الصغیر، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ط۱، ۱۹۸۶ء

۱۹۰۔ ایضاً، کتاب التاریخ الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۱۹۱۔ برق، غلام جیلانی، ڈاکٹر، دو اسلام، اتحاد پریس، لاہور، ۱۹۵۰ء

۱۹۲۔ برقانی، احمد بن محمد، ابوبکر، سؤالات البرقانی للدارقطنی، مطبوعہ نشرۃ احمد میاں تھانوی، لاہور، پاکستان، ط۱، ۱۹۸۴ء

۱۹۳۔ برھان الدین، شیخ، الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح، مکتبۃ الرشد، الریاض ط۱، ۱۴۱۸ھ

۱۹۴۔ برھانپوری، علی متقی بن حسام الدین، علامۃ، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۱۹۵۔ بریلوی، احمد رضا، اعلیٰ حضرت، فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ط۱، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۱۹۶۔ بزار، احمد بن عمرو، ابوبکر الدخار، مسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۱۹۷۔ ایضاً، البحر الزخار المعروف بمسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۱۹۸۔ برزنجی، سید محمد حسینی، الاشاعۃ لاشراط الساعۃ: ، دار الکتاب العربی، بیروت، الطبعۃ ۱۴۲۵ھ

۱۹۹۔ بستی، محمد بن حبان، ابو حاتم، ابو حاتم، السیرۃ النبویۃ واخبار الخلفاء، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، الصنائع، ط۲، ۱۴۱۱ھ

۲۰۰۔ بشطونی، علی بن یوسف، ابو الحسن، بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۲۰۱۔ بصری، علی بن محمد، ادب الدنیا والدین ، دار ابن کثیر ط۳، ۱۴۲۳ھ

۲۰۲۔ بغدادی، ابی الحسین بن قانع، قاضی، معجم الصحابۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۲۰۳۔ بغدادی، احمد بن علی، ابی بکر، حافظ، امام، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۲۰۴۔ ایضاً، الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ، مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۴۰۳ھ

۲۰۵۔ ایضاً، اشرف اصحاب الحدیث ، عالم الکتب بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۲۰۶۔ ایضاً، الرحلۃ فی طلب الحدیث ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۳۹۵ھ

۲۰۷۔ بغوی، حسین بن مسعود، امام، معالم التنزیل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۰ھ

۲۰۸۔ ایضاً، مصابیح السنۃ ، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۲۰۹۔ ایضاً، امام، شرح السنۃ، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۲۱۰۔ ایضاً، الانوار فی شمائل النبی المختار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۲۱۱۔ بغوی، عبد اللہ بن محمد، ابو القاسم، مسند ابن الجعد، مؤسسۃ النادر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۲۱۲۔ بلاذری، احمد بن یحیٰی، ابو جعفر، کتاب البلدان دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۲۱۳۔ بلیاوی، عبد الحفیظ، ابو الفضل، مصباح اللغات، مدینۃ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ط۱، ۱۹۸۲ء

۲۱۴۔ بیسونی، حامد بن احمد، ابو انس طاہر، مقدمۃ، مؤطا امام مالک، دار الفجر للتراث، قاہرہ، مصر، ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء

۲۱۵۔ بیضاوی، عبد اللہ بن عمر، ناصر الدین قاضی، انوار التنزیل واسرار التاویل، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۹ھ

۲۱۶۔ بوصیری، احمد بن ابی بکر، اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، دار الوطن، الریاض، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۲۱۷۔ ایضاً، زوائد ابن ماجۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۱۸۔ بیہقی، احمد بن حسین، الحافظ ابو بکر، السنن الکبریٰ، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

۲۱۹۔ ایضاً، شعب الایمان، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء

۲۲۰۔ ایضاً، الآداب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ

۲۲۱۔ ایضاً، السنن الصغریٰ، دار الجیل، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۲۲۔ ایضاً، السنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۲۲۴۔ ایضاً، معرفۃ السنن والآثار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۲۲۵۔ ایضاً، دلائل النبوۃ و معرفۃ احوال صاحب الشریعۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۲۲۶۔ ایضاً، الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد، الیمامۃ، دمشق، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۲۲۷۔ پانی پتی، ثناء اللہ، قاضی، التفسیر المظھری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۲۸۔ پٹنی، محمد طاھر، علامۃ، تذکرۃ الموضوعات، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۲۲۹۔ تاذفی، محمد بن یحییٰ، قلائد الجواھر فی مناقب عبد القادر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط۳، ۱۴۳۷ھ

۲۳۰۔ تبریزی، عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، خطیب، امام، مشکاۃ المصابیح، دار الارقم، بیروت، لبنان۔

۲۳۱۔ تحقیقات اسلامی، ادارہ تحقیق و تصنیف، علی گڑھ، بھارت، جنوری، ۲۰۰۹ء

۲۳۲۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ، امام، الجامع المختصر من السنن عن رسول اللہ ﷺ و معرفۃ الصحیح والمعلول وما علیہ العمل، دار السلام، الریاض، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۲۳۳۔ ایضاً علل الترمذی، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۹۸۹ء

۲۳۴۔ ایضاً، الشمائل المحمدیۃ، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۴، ۱۴۱۶ھ

۲۳۵۔ ترمذی، محمد، ابو عبد اللہ، امام، نوادر الاصول فی احادیث الرسول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۲۳۶۔ تفتازانی، سعد الدین، شرح عقائد نسفی، نور محمد اصح المطابع، کراچی، س ن

۲۳۷۔ ایضاً، التوضیح والتلویح، منشی نولکشور، لکھنو

۲۳۸۔ ایضاً، درس ترمذی (مرتب: رشید اشرف)، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء

۲۳۹۔ تقی عثمانی، محمد، حجیت حدیث، ادارہ اسلامیات، لاہور، ط۱، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء

۲۴۰۔ ایضاً، انعام الباری دروس صحیح البخاری، مکتبہ الحراء، کراچی

۲۴۱۔ ایضاً، تکملۃ فتح الملھم بشرح صحیح الامام مسلم، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ط۱، ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء

۲۴۲۔ ایضاً، علوم القرآن، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۳ء

۲۴۳۔ تلمسانی، احمد بن محمد، ابو العباس، شھاب الدین، فتح المتعال فی مدح النعال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۷ھ

۲۴۴۔ تلیدی، عبد اللہ، شیخ، تھذیب الخصائص النبویۃ الکبریٰ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۰ھ

۲۴۵۔ ایضاً، الانوار الباھرۃ بفضائل اھل البیت النبوی والذریۃ الطاھرۃ، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۴۶۔ تمیمی، احمد بن علی، المثنی، امام، مسند ابی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۴۷۔ تمیمی، عبد الکریم بن محمد: ابی سعد، امام، ادب الاملاء والاستملاء، دار و مکتبۃ الھلال، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۲۴۸۔ تونجی، ابو طالب بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، دیوان ابی طالب عم النبی ﷺ، سنۃ نبوت، تحقیق و تشریح: الدکتور محمد، دار الکتب العربی ط۴، ۱۴۲۳ھ

۲۴۹۔ تھانوی، شیخ محمد، التقریرات الرائحۃ علی النسائی، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۲۵۰۔ تھانوی، اشرف علی، جمال الاولیاء، مکتبۃ اسلامیۃ، بلال گنج، لاہور

۲۵۱۔ ایضاً، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ﷺ، تاج کمپنی، کراچی

۲۵۲۔ ایضاً، بیان القرآن، تاج کمپنی لاہور، الطبعۃ ۲۰۰۱ء

۲۵۳۔ ثعالبی، عبد الرحمن محمد بن مخلوف، شافعی، الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۵۴۔ ایضاً، الانوار فی آیات النبی المختار ﷺ، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۲۵۵۔ ثعلبی، احمد بن ابراہیم، ابو اسحاق، الکشف والبیان، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۲۲ھ

۲۵۶۔ ایضاً، عرائس المجالس فی قصص الانبیاء، مطبع الحیدری، بمبئی، ہند، ۱۲۹۵ھ

۲۵۷۔ جادر، سالم العبد، مساعد، معالی الرتب لمن جمع بین شرفی الصحبۃ والنسب، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۵۸۔ جرجانی، عبد اللہ بن عدی، ابی احمد، الکامل فی ضعفاء الرجال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۵۹۔ جرجانی، علی بن محمد، میر سید شریف، کتاب التعریفات، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۶۰۔ جزری، عبد الرحمان، کتاب الفقہ المذاہب الاربعۃ، علماء اکیڈمی، لاہور، ط۷، ۲۰۰۶ء

۲۶۱۔ جعفر مصطفیٰ، سید، سبیر، دکتور، (المعاصر)، موسوعۃ سیرۃ سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام: المکتبۃ المکیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۲۶۲۔ جمال رجب، سیدبی، الدکتور، رسائل الجنید، دار اقرا، دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۲۶۳۔ جمعۃ، احمد خلیل، نساء اھل البیت فی ضوء القرآن والحدیث، دار الیمامۃ، دمشق، ط۵، ۱۴۲۳ھ

۲۶۴۔ جمل، سلیمان بن عمیر عجیلی، الفتوحات الالٰھیۃ بتوضیح تفسیر الجلالین للدقائق الخفیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ۱۴۱۶ھ

۲۶۵۔ جوز جانی، ابراہیم، ابو اسحاق، احوال الرجال، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ط۱، ۱۹۸۵

۲۶۶۔ جوز قانی، ابو عبد اللہ بن ابراہیم، الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاہیر، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ۔

۲۶۷۔ جوزی، ابن قیم محمد بن ابی بکر، حادی الارواح الی بلاد الافراح، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۶۸۔ ایضاً، اعلام الموقعین عن رب العالمین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳ء

۲۶۹۔ ایضاً، روضۃ المحبین ونزھۃ المشتاقین، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۷۰۔ ایضاً، الوابل الصیب من الکلم الطیب، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۷۱۔ ایضاً، بدائع الفوائد، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۷۲۔ ایضاً، الفوائد مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۷۳۔ ایضاً، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۹ھ

۲۷۴۔　ایضاً، الطرق الحکمیۃ فی السیاسیۃ الشرعیۃ، المکتبۃ التجاریۃ مصطفیٰ احمد الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۷۵۔　ایضاً، جلاء الافہام فی الصلاۃ والسلام علی خیر الأنام، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۱۷ھ

۲۷۶۔　ایضاً، الروح، دار الفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ ودار احیاء العلوم، بیروت، ط۲، ۱۴۱۴ھ

۲۷۷۔　ایضاً، فضائل الصحابۃ، الدمام، ط۳، ۱۴۲۶ھ

۲۷۸۔　ایضاً الفقۃ الاسلامی وادلتہ (مترجم)، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۱۲ء

۲۷۹۔　جولیس ولہاوزن الخوارج (مترجم: علی محسن صدیقی) ادارہ قرطاس، کراچی، ط۲، ۲۰۰۹ء

۲۸۰۔　جوھری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، مطبوعہ دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۲۸۱۔　جوینی، عبد الملک بن عبد اللہ، کتاب الارشاد الی قواطع الادلۃ فی اصول الاعتقاد، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۲۱۲۔　جیلانی، عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ شیخ، فتوح الغیب، مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، بمصر ط۲، ۱۳۹۲ھ

۲۸۳۔　الجزائری، طاہر بن صالح، توجیہ النظر الی اصول الاثر، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۲۸ھ

۲۸۴۔　حازمی، محمد بن موسیٰ، ابوبکر، شروط الآئمۃ الخمسۃ، رحیم اکیڈمی، کراچی

۲۸۵۔　حاکم، محمد بن عبد اللہ، ابوعبد اللہ نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، دار المعرفہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۲۸۶۔　ایضاً، سوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی، مطبوعہ مکتبۃ المعارف، الریاض، ط۱، ۱۹۸۴ء

۲۸۷۔　ایضاً، المدخل الی کتاب الاکلیل، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ

۲۸۸۔　ایضاً، المدخل فی اصول الحدیث، دار ابن حزم، ط۱، ۱۴۲۸ھ

۲۸۹۔　ایضاً، معرفۃ علوم الحدیث، المکتبۃ العلمیۃ، المدینۃ المنورۃ، ط۲، ۱۳۹۷ھ

۲۹۰۔　حسین بن محمد، شرف الدین، طیبی، الکاشف عن حقائق السنن، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۲۹۱۔　حصکفی، محمد بن علی، علامہ حنفی، الدر المختار، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۷ھ

۲۹۲۔　حصری، روضۃ الجمال، دکتورۃ، حیاۃ الحسن البصری، دار الکلم الطیب، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۲۹۳۔　حصنی، محمد بن عبد المومن، تقی الدین، قمع النفوس ورقیۃ المایوس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۲۹۴۔　حضرمی، محمد بن عمر، حدائق الأنوار ومطالع الانوار ومطالع الاسرار فی سیرۃ النبی المختار مطبوعۃ دار الحاوی، بیروت ط۱، ۱۴۱۹ھ

۲۹۵۔　ایضاً، رشفۃ الصادی من بحر فضائل بنی النبی الھادی صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۲۹۶۔　حکیم ترمذی، محمد بن علی، ابوعبد اللہ، نوادر الاصول، دار الجیل، بیروت، لبنان، ۱۹۹۲ء

۲۹۷۔　حلبی، علی بن برھان الدین، انسان العیون فی سیرۃ الامین المآمون (السیرۃ الحلبیۃ)، دار المعرفۃ، بیروت۔

۲۹۸۔　حماد، عبد الستار، ابومحمد، حجیت حدیث، دار السلام، الریاض، السعودیۃ، ب ن

۲۹۹۔ حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ط۹، ۲۰۰۳ء

۳۰۰۔ حمیدی، محمد بن فتوح، الجمع بین الصحیحین، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۰۱۔ حمیدی، عبداللہ بن الزبیر، امام، المسند، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۳۰۲۔ حنیف، سراج الاسلام، ڈاکٹر ابوسلیمان، معرفت علوم الحدیث، دار النوادر، لاہور، ط۴، ۲۰۱۱ء

۳۰۳۔ حنیف، عطاء اللہ، محمد، التعلیقات السلفیۃ علی سنن النسائی، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، س ن

۳۰۴۔ خازن، علی بن محمد، بغدادی، لباب التاویل فی معانی التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۰۵۔ خالد علوی، ڈاکٹر، حفاظت حدیث، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۸ء

۳۰۶۔ ایضاً، اصول الحدیث، ایضاً، ط۲، ۲۰۰۱ء

۳۰۷۔ ختلی، ابراھیم بن عبداللہ، ابواسحاق، سؤالات ابن جنید، مطبوعہ مکتبۃ الدار، المدینۃ المنورۃ، السعودیۃ، ۱۹۸۸ء

۳۰۸۔ خرکوشی، عبدالملک بن ابی عثمان محمد، حافظ، ابوسعد، امام، اشرف المصطفیٰ ﷺ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۳۰۹۔ خزرجی، احمد بن عبداللہ، صفی الدین، خلاصۃ التذھیب، دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۱ء

۳۱۰۔ خضری بک، محمد، اصول الفقہ، مکتبۃ التجاریۃ الکبری، بیروت، لبنان، ۱۹۲۹ء

۳۱۱۔ خطابی، حمد بن محمد، ابوسلیمان بستی، معالم السنن شرح سنن ابی داؤد، مکتبۃ العارف للنشر والتوضیع، الریاض، ط۱، ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

۳۱۲۔ خطیب بغدادی، احمد بن علی، ابوبکر، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۷ھ

۳۱۳۔ ایضاً، تاریخ بغداد، مطبوعہ مکتبۃ الخانجی، القاھرۃ، ط۱، ۱۹۳۰ء

۳۱۴۔ خفاجی، احمد شہاب الدین، علامۃ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء القاضی عیاض: المطبعۃ الازھریۃ المصریۃ، ط۱، ۱۳۲۷ھ

۳۱۵۔ خلف بن عبدالمالک، ابوالقاسم، امام، کتاب الغوامض والمبھمات: دار الاندلس الخضراء، جدۃ، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۱۶۔ خوارزمی، محمد بن اسحاق، اثارۃ الترغیب والتشویق الی المساجد الثلاثۃ والبیت العتیق، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۱۷۔ ایضاً، مناقب الامام ابی حنیفۃ، دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ

۳۱۸۔ خوارزمی، محمد بن محمود، ابوالمؤید، امام، جامع المسانید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۳۱۹۔ خوارزمی، جلال الدین، کفایہ، نوریہ رضویہ، سکھر

۳۲۰۔ خیضری، قطب الدین، حافظ، اللفظ المکرم بخصائص النبی المعظم ﷺ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۲۱۔ داراشکوہ، شہزادہ، سفینۃ الاولیاء، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع ہفتم ۱۹۸۶ء

۳۲۲۔ دارقطنی، علی بن عمر، ابوالحسن، السنن، دار المحاسن، قاھرۃ، ۱۹۶۶ء

۳۲۳۔ ایضاً، الضعفاء والمتروکین، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۴ء

۳۲۴۔ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن، حافظ، سنن الدارمی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۳۲۵۔ دارمی، عثمان بن سعید، تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن ابن معین، مطبوعہ مرکز البحث العلمی، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۹۸۰ء

۳۲۶۔ دحلان، احمد بن زینی، سید، السیرۃ النبویۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۳۲۷۔ ایضاً، الفتح المبین فی فضائل الخلفاء الراشدین واھل البیت الطاھرین، دارالفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۳۲۸۔ دشتانی، محمد بن خلفہ، ابوعبداللہ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ

۳۲۹۔ دمیری، محمد بن موسیٰ، کمال الدین، حیات الحیوان الکبریٰ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر۔

۳۳۰۔ دمشقی، علی بن ابراھیم، علاؤالدین، فتاویٰ امام نووی، دارالفکر، دمشق، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۳۱۔ دولابی، محمد بن احمد، ابوبشر، الذریۃ الطاھرۃ النبویۃ، الدارالسلفیۃ الکویت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۳۳۲۔ دیاربکری، حسین بن محمد، شیخ، امام، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ علیہ وسلم، دارصادر، بیروت

۳۳۳۔ دینوری، احمد بن مروان، ابوبکر، المجالسۃ وجواھر العلم، دارابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۳۳۴۔ دینوری، احمد بن داود، ابوحنیفہ، الاخبار الطوال، دارالمسیرہ، بیروت

۳۳۵۔ دینوری، عبداللہ بن مسلم، امام، تاویل مختلف الحدیث، دارالفکر بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۳۶۔ ایضاً، التفسیر المنیر، دارالفکر، دمشق، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۳۳۷۔ ذہبی، احمد بن عثمان، ابوعبداللہ، تذکرۃ الحفاظ، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ء

۳۳۸۔ ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، مکتبۃ عیسیٰ البابی الحلبی، القاھرہ، ط۱، ۱۹۶۳ء

۳۳۹۔ ایضاً، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء

۳۴۰۔ ایضاً، الموقظۃ فی علم مصطلح الحدیث، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۱۲ھ

۳۴۱۔ ایضاً، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، مطبوعۃ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۴۲۔ ایضاً، تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۴۳۔ ایضاً، معرفۃ القراء الکبار علی الطبقات والاعصار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ

۳۴۴۔ ذھبی، محمد حسین، دکتور، التفسیر والمفسرون، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۲، ۱۹۹۶ھ

۳۴۵۔ رازی، عبدالرحمن بن محمد ادریس، امام، تفسیر القرآن العزیز، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۲، ۱۴۱۹ھ

۳۴۶۔ رازی، فخرالدین محمد بن عمر، بکری، مفاتیح الغیب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۱ھ

۳۴۷۔ راغب، حسین بن محمد، اصفھانی، المفردات فی غریب القرآن، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۴۸۔ زرقانی، محمد بن عبدالباقی، ابوعبداللہ، شرح موطا الامام مالک، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط۱، ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

۳۴۹۔ رسالہ "تدبر" لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء

۳۵۰۔ رضوی، لیاقت علی، محمد، فیوضات الرضویۃ فی تشریحات الھدایۃ، شبیر برادر، لاہور، ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

۳۵۱۔ رضوی، محمود احمد، سید، فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری، مکتبہ رضوان، لاہور، س ن

۳۵۲۔ رودانی، ابوعبداللہ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۲ء

۳۵۳۔ زبیدی، مرتضیٰ حسینی، سید، حافظ، امام، بلغۃ الاریب فی مصطلح آثار الحبیب، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ

۳۵۴۔ زبیر علی زئی، حافظ، انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃ من السنن الاربعۃ، المکتبۃ الاسلامیۃ، لاہور، ط۱، ۱۴۳۳ھ

۳۵۵۔ ایضاً، تاج العروس من جواھر القاموس، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۳۵۶۔ ایضاً، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۳۵۷۔ زرقانی محمد عبدالباقی، اشراق مصابیح السیرۃ المحمدیۃ بمزج اسرار المواھب اللدنیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۵۸۔ زرکشی، محمد بن عبداللہ، امام، التذکرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۵۹۔ ایضاً، البرھان فی علوم القرآن، در المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۶۰۔ زرکلی، خیر الدین، الاعلام قاموس تراجم لاشھر الرجال والنساء من العرب والمستعربین والمستشرقین، بیروت، ط۲

۳۶۱۔ زمخشری، محمود بن عمر، علامۃ، الکشاف عن حقائق التاویل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۶۲۔ ایضاً، الفائق فی غریب الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۳۶۳۔ زحیلی، وھبۃ، دکتور، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق، ط۳، ۱۴۰۹ھ

۳۶۴۔ زیلعی، عبداللہ بن یوسف، جمال الدین، حافظ، نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ، دار الکتب العلمیۃ، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۳۶۵۔ زین الدین، عبدالرحیم بن حسین، عراقی، امام، التقیید والایضاح لما اطلق واغلق من مقدمۃ ابن الصلاح، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ط۴، ۱۴۱۶ھ

۳۶۶۔ ایضاً، المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الاخبار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ط۱، ۱۴۱۹ھ

۳۶۷۔ ایضاً، الفیۃ السیرۃ النبویۃ، در المنھاج، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۶۸۔ سبط ابن جوزی، علی بن عبداللہ، تذکرۃ الخواص، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۶۹۔ سبکی محمد خطاب، محمود، المنھل العذب المورود شرح سنن الامام ابی داؤد، مطبوعہ مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۲ھ

۳۷۰۔ سبکی، علی بن کافی تقی الدین، السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ، دار ابن حزم، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۳۷۱۔ ایضاً، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، لاہور، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۳۷۲۔ سبکی، عبدالوھاب بن علی، طبقات الشافعیۃ الکبری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۳۷۳۔ ستانی محمد بن عبدالکریم، ابی الفتح، الملل والنحل، مطبوعۃ دار المعرفۃ، بیروت، ط۹، ۱۴۲۹ھ

۳۷۴۔ سجاد ظہیر، نگار، ڈاکٹر، خوارج ایک مطالعہ، قرطاس، پبلشرز، کراچی، ط۱، ۲۰۱۲ء

۳۷۵۔ سجستانی، عبداللہ بن ابی داؤد، ابوبکر، کتاب المصاحف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۷۶۔ سخاوی، محمد بن عبدالرحمن، شمس الدین، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۳۷۷۔ ایضاً، الأجوبۃ المرضیۃ من الاحادیث النبویۃ، دار الریۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۷۸۔ ایضاً منحۃ الکرام بشرح بلوغ المرام، دار الامام الطبری، بیروت، ۱۴۱۲ھ

۳۷۹۔ ایضاً، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ ومؤسسۃ الریان، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۳۸۰۔ سراج الدین، محمد بن عبدالرشید، سجاوندی حنفی، السراجی فی المیراث، المیزان، لاہور ۲۰۰۴ء

۳۸۱۔ سرخسی، محمد بن احمد، ابوبکر، المبسوط، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۳۸۲۔ سرھندی، وارث، علمی اردو لغات جامع علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۹۰ء

۳۸۳۔ سعید بن منصور، مکی، خراسانی، امام، سنن سعید بن منصور، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۳۸۴۔ سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور، ط۳، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۳۸۵۔ ایضاً، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور، ط۱۰، ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء

۳۸۶۔ ایضاً، نعمۃ الباری فی شرح صحیح بخاری، فرید بک سٹال، لاہور، ط۲، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

۳۸۷۔ سلیمان حسیم، فرھنگ بزرگ، فرھنگ معاصر، تہران، ط۵، ۱۳۷۹ھ

۳۸۸۔ سلیم اللہ خان، مولانا، کشف الباری، عمانی صحیح الباری، مکتبہ فاروقیہ، کراچی، ۱۴۵۳ھ/ ۲۰۱۴

۳۸۹۔ سمرقندی، ابواللیث، نصر بن محمد، امام، بحر العدوم (تفسیر سمرقندی)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۳۹۰۔ سمعانی، عبدالکریم بن محمد، ابوسعد، الانساب، مجلس دار المعارفۃ، ھند، ۱۳۸۲ھ،

۳۹۱۔ سمھودی، علی بن عبداللہ، نورالدین، جواھر العقدین فی فضل الشرفین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۳۹۲۔ ایضاً، خلاصۃ الوفا، دار احیاء الکتاب العربی، بیروت

۳۹۳۔ ایضاً، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۹۴۔ سندھی، محمد بن عبدالھادی، ابوالحسن، حاشیۃ السندھی علی النسائی، دار المعرفۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۳۹۵۔ ایضاً، کفایۃ الحاجۃ فی شرح سنن ابن ماجہ، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۳۹۶۔ سنکی، زکریا بن محمد، شیخ، حافظ، انصاری، التبصرۃ والتذکرۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت

۳۹۷۔ سہارنپوری، خلیل احمد، علامہ محدث، بذل المجھود فی حل ابی داؤد، قدیمی کتب خانہ کراچی، س ن

۳۹۸۔ سہروردی، شھاب الدین، عوارف المعارف، پروگریسو بکس، لاہور، ط۲، ۲۰۱۰ء

۳۹۹۔ سہیلی، عبد الرحمن بن عبد اللہ، ابو القاسم، علامۃ، الروض الانف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۸ھ

۴۰۰۔ سیالوی، عبد العلیم، مفتی محمد، فتاویٰ دار العلوم نعیمیہ لاہوری، ادارہ منشورات نعیمیہ، لاہور، ط ۱، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

۴۰۱۔ سیوہاروی، حفظ الرحمان، محمد، قصص القرآن، مکتبہ رحمانیہ لاہور، معلوم ندارد

۴۰۲۔ سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ط ۸، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء

۴۰۳۔ ایضاً، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء

۴۰۴۔ ایضاً، زہر الربی علی ھامش سنن النسائی، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی، معلوم ندارد

۴۰۵۔ ایضاً، الاکیل فی استنباط التنزیل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۸ھ

۴۰۶۔ ایضاً، الباھر فی حکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الباطن والظاھر، دار السلام، القاھرۃ، ط ۱، ۱۴۰۷ھ

۴۰۷۔ ایضاً، البدور السافرۃ فی احوال الآخرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۶ھ

۴۰۸۔ ایضاً، تاریخ الخلفاء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۹ھ

۴۰۹۔ ایضاً، التعظیم والمنۃ فی ان ابوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۹ھ

۴۱۰۔ ایضاً، جامع الاحادیث الکبیر، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۴ھ

۴۱۱۔ ایضاً، جمع الجوامع، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۱ھ

۴۱۲۔ ایضاً، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر صلی اللہ علیہ وسلم، مکتبۃ نزار المصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط ۱، ۱۴۱۸ھ

۴۱۳۔ ایضاً، الحاوی لفتاوی ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۲ھ وطبع دار الکتاب العربی، بیروت الطبعۃ ۱۴۲۵ھ

۴۱۴۔ ایضاً، الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ

۴۱۵۔ ایضاً، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، دار الفکر، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۴ھ

۴۱۶۔ ایضاً، ذیل اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ، مطبع علوی لمحمد علی بخش خاں لکھنوی، ۱۳۰۳ھ

۴۱۷۔ ایضاً، زھر الربی علی المجتبیٰ (شرح سنن النسائی): ، دار المعرفۃ، بیروت، ط ۳، ۱۴۱۴ھ

۴۱۸۔ ایضاً، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، دار المعرفۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۷ھ

۴۱۹۔ ایضاً، طبقات الحفاظ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۳ھ

۴۲۰۔ ایضاً، قطف الازھار المتناثرۃ فی الاحادیث المتواترۃ، المکتب الاسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ

۴۲۱۔ ایضاً، کفایۃ الطالب اللبیب فی خصائص الحبیب صلی اللہ علیہ وسلم (الخصائص الکبریٰ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۵ھ

۴۲۲۔ ایضاً، الکنز المدفون والفلک المشحون، او الکشکول، مؤسسۃ النعمان، بیروت الطبعۃ ۱۴۱۲ھ

۴۲۳۔ ایضاً، لباب النقول فی اسباب النزول، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

۴۲۴۔ ایضاً، مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ، مکتبۃ الصحابۃ جدۃ، ط۲، ۱۴۱۳ھ

۴۲۵۔ ایضاً، مسالک الحنفاء فی والدی المصطفیٰ ﷺ من مجموعۃ الرسائل العشر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۴۲۶۔ ایضاً، نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۹ھ

۴۲۷۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، ابواسحاق، الموافقات فی اصول الشریعۃ، المطبعۃ الرحمانیۃ، القاہرۃ، مصر، ۱۴۰۲ھ

۴۲۸۔ شافعی، محمد بن ادریس، امام، الرسالۃ، مصطفیٰ البابی الحلبی، القاہرہ، المصر، ط۳، ۱۹۸۳ء

۴۲۹۔ ایضاً، المسند، دارالثقافۃ، العربیۃ، دمشق، ۱۴۲۳ھ

۴۳۰۔ شامی، محمد امین، ابن عابدین، ردالمحتار علی درالمختار، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۳۱۔ شاہ عبدالحق، محدث دھلوی، ماثبت بالسنۃ عن اعمال السنۃ عربی واردو، دارالاشاعت، کراچی ۱۴۰۳ھ

۴۳۲۔ ایضاً، اشعۃ اللمعات، فرید بک سٹال، لاہور، ط۲، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

۴۳۳۔ شاہ عبدالعزیز، دھلوی، محدث، فتاویٰ عزیزی، کتاب فروشی حاجی محمد علیم و پسران، بازار کتاب فروشی کابل افغانستان

۴۳۴۔ ایضاً، بستان المحدثین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۴۳۵۔ ایضاً، تحفہ اثناء عشر، حضرت میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

۴۳۶۔ شاہ، ولی اللہ، محدث، دہلوی، المسوّی شرح الموطا، دارلکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲ء

۴۳۷۔ ایضاً، حجۃ اللہ البالغۃ، داراحیاء العلوم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۴۳۸۔ ایضاً، المصفی شرح موطا محمد علی کارخانہ، کراچی، س ن

۴۳۹۔ ایضاً، المسوّی شرح مؤطا، ایضاً

۴۴۰۔ ایضاً، ازالۃ الخفاء فی تاریخ الخلفاء، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۴۴۱۔ ایضاً، الانتباء فی سلاسل اولیاء، ایضاً

۴۴۲۔ ایضاً، القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، سندھ ساگر اکادمی، لاہور

۴۴۳۔ شبلنجی، مومن بن حسن، نورالابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار ﷺ، شرکۃ مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر الطبعۃ الاخیرۃ ۱۳۲۷ھ

۴۴۴۔ شبیر احمد، ڈاکٹر، اسلام کے مجرم، گلیکسی پبلیکیشنز، فلوریڈا، امریکہ، ۲۰۰۱ء

۴۴۴۔ شبیر احمد، عثمانی، تفسیر عثمانی، مجمع الملک فھد الطباعۃ المصحف الشریف، مدینۃ منورۃ، الطبعۃ ۱۴۰۹ھ

۴۴۵۔ شعرانی، عبدالوہاب، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ط۱، ۱۳۵۹ھ

۴۴۶۔ شعرانی، عبدالوہاب، امام، البدر المنیر فی احادیث البشیر النذیر ﷺ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۴۴۷۔ ایضاً، کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، دارالفکر بیروت، الطبعۃ ۱۴۰۸ھ

۴۴۸۔ ایضاً، الکبریت الاحمر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ودار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ ۱۰۱ھ

۴۴۹۔ ایضاً، لواقع الانوار وطبقات الاخیار (الطبقات الکبریٰ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۴۵۰۔ ایضاً، المنن الکبریٰ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۰ھ

۴۵۱۔ ایضاً، الیواقیت والجواھر، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ودار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۴۵۲۔ شمس الحق، محمد، ابوطیب عظیم آبادی، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۴۵۳۔ شنقیطی، تجانی، مختار بن احمد، رسالۃ البیان والتبیان فی ان الصوفیۃ مذھبھا السنۃ والقرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۳ھ

۴۵۳۔ شوکانی، محمد بن علی، قاضی، فتح القدیر، دار ابن کثیر، دمشق، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۴۵۴۔ ایضاً، الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۶ھ

۴۵۵۔ ایضاً، قطر الولی علی حدیث الولی: العلامۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۴۵۶۔ ایضاً، تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین، دار الجیل، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۵۷۔ ایضاً، نیل الاوطار شرح منتقی الاخیار، دار المعرفۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۵۸۔ شیبانی، محمد بن الحسن، مؤطا الامام مالک (مؤطا محمد)، دار القلم دمشق، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۴۵۹۔ شیبانی، احمد بن عمرو، امام، الزھد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۲، ۱۴۰۸ھ

۴۶۰۔ ایضاً، السنۃ، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۳، ۱۴۱۳ھ

۴۶۱۔ شیخ نظام، مولانا، الفتاویٰ العالمگیریۃ، المکتبۃ الرشید، کوئٹہ، س ن

۴۶۲۔ شیرویہ بن شھر، حافظ، فردوس الاخبار، دار ابن شیرویہ الدیلمی، دار الریان، القاھرۃ، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۴۶۳۔ صاغرجی، محمد سعید، اسعد، الفقہ الحنفی وادلتہ، وحیدی کتب خانہ، پشاور

۴۶۴۔ صالحی، محمد بن طولون، الشذرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۴۶۵۔ صالحی، محمد بن یوسف، امام، سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ

۴۶۶۔ صاوی، احمد بن محمد، حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۴۶۷۔ صدیق حسن خان، نواب، بھوپالی، فتح البیان فی مقاصد القرآن، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۲ھ

۴۶۸۔ ایضاً، مسک الختام، مکتبہ عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، س ن

۴۶۹۔ صدیقی محمد سعد، ڈاکٹر، علم حدیث اور پاکستان میں اس کی خدمت، شعبہ تحقیق قائداعظم لائبریری، لاہور، ط۱، ۱۹۸۸ء

۴۷۰۔ صلابی، علی محمد، الدکتور، خامس الخلفاء الراشدین امیر المؤمنین الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، دار ابن کثیر دمشق، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۴۷۱۔ صلاح الدین، ڈاکٹر، العبر فی خبر من عنبر، کویت

۴۷۲۔ صنعانی، عبدالرزاق بن ھمام، امام، تفسیر عبدالرزاق، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ
۴۷۳۔ صنعانی، محمد بن اسماعیل، سبل السلام شرح بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، مطبعۃ الاستقامۃ، مصر، ۱۳۵۷ھ
۴۷۴۔ ایضاً، المصنف، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ
۴۷۵۔ طاہر القادری، محمد، ڈاکٹر، تحفظ ناموس رسالت، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ط۴، ۲۰۰۴ء
۴۷۶۔ ایضاً، الدرۃ البیضاء فی مناقب فاطمۃ الزہراء، ایضاً، ط۲، ۲۰۰۳ء
۴۷۷۔ ایضاً، فتنہ خوارج اور دہشت گردی، ایضاً، ط۱، ۲۰۱۲ء
۴۷۸۔ ایضاً معارج السنن للنجاۃ من الضلال والفتن، ایضاً، ط۱، ۲۰۱۴ء
۴۷۹۔ ایضاً المفاج السوی من الحدیث النبوی، ایضاً، ط۴، ۲۰۰۵ء
۴۸۰۔ ایضاً الامۃ علی منہاج القران والسنۃ، ایضاً، ط۶، ۲۰۱۳ء
۴۸۱۔ طبرانی، سلیمان بن احمد، ابوالقاسم، امام، جزء فیہ طرق حدیث من کذب علی متعمدا، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۴۸۲۔ ایضاً، کتاب الدعا، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۳ھ
۴۸۳۔ ایضاً، معجم الاوسط، مکتبۃ المعارف، الریاض ۱۴۰۵ھ
۴۸۴۔ ایضاً، معجم الکبیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ودارالکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۸ھ
۴۸۵۔ ایضاً، المعجم الصغیر (الروض الدانی)، مکتب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ
۴۸۶۔ طبری، ابن جریر، ابوجعفر، تاریخ الامم والملوک، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ
۴۸۷۔ ایضاً، جامع البیان، دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۰۹ھ
۴۸۸۔ ایضاً، تھذیب الآثار تفصیل الثابت عن رسول اللہ ﷺ من الاخیار، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۹ھ
۴۸۹۔ ایضاً، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، دارالفکر، بیروت الطبعۃ ۱۴۱۵ھ
۴۹۰۔ ایضاً، خلاصۂ سیر سید البشر، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۴۹۱۔ طبری، احمد بن عبداللہ، محب الدین، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، دارالغرب الاسلامی، بیروت، ط۱، ۱۹۹۶ء
۴۹۰۔ ایضاً، السمط الثمین فی مناقب امہات المؤمنین، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ
۴۹۲۔ طحاوی، احمد بن محمد، ابوجعفر، امام، شرح معانی الآثار، عالم الکتب، بیروت، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۴۹۳۔ ایضاً، تحفۃ الاخیار بترتیب شرح مشکل الآثار، داربلنسیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۲۰ھ
۴۹۴۔ الطحان، محمود، الدکتور، تیسیر مصطلح الحدیث، دارالقرآن الکریم، بیروت، لبنان، ۱۹۷۹ء
۴۹۵۔ طرابلسی، القاوقجی، محمد بن خلیل، اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل لہ او باصلہ موضوع، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۴۹۶۔ طوسی، عبداللہ بن علی، ابونصر، اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ
۴۹۷۔ طہٰ محمد، الساکت، شیخ، علامہ، من ذخائر السنۃ النبویۃ، دار نور المکتبات، ط۱، ۱۴۱۴ھ
۴۹۸۔ طیالسی، سلیمان بن داؤد، امام، المسند، دار الکتب العلمیۃ، ط۱، ۱۴۲۵ھ
۴۹۹۔ ظہری، محمد بن سعد، امام، الطبقات الکبریٰ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۵۰۰۔ عامری، یحییٰ بن ابی بکر، ابوزکریا، عماد الدین بھجۃ المحافل وبغیۃ الاماثل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ
۵۰۱۔ عبدالباقی، محمد فواد، مناقب علی والحسنین وامھما فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم، دار الحدیث، القاہرۃ، سنۃ الطبع ۱۴۲۳ھ
۵۰۲۔ عبدالمنعم، قضاء علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، مکتبۃ الرشد، السعودیۃ، ط۱، ۱۴۲۷ھ
۵۰۳۔ عبدالمجید، خواجہ، جامع اللغات، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ط۱، ۱۹۸۹ء
۵۰۴۔ عتر، نور الدین، منہج النقد فی علوم الحدیث، دار الفکر، دمشق، شام، ۱۹۸۱ء
۵۰۵۔ عثمانی، شبیر احمد، علامہ، فتح الملہم بشرح صحیح مسلم، مکتبہ دار العلوم کراچی، کراچی، ۱۴۲۳ھ
۵۰۶۔ ایضاً، تفسیر عثمانی، پاک کمپنی، لاہور، س ن
۵۰۷۔ عثمانی، ظفر احمد، تھانوی، شیخ، اعلاء السنن، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ
۵۰۸۔ عجاج، محمد، الخطیب، السنۃ قبل التدوین، مکتبہ وھبہ، القاہرہ، مصر، ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء
۵۰۹۔ عجلونی، اسمٰعیل بن محمد، علامۃ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ
۵۱۰۔ عجلی، احمد بن عبداللہ، ابوالحسن، تاریخ الثقات، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط۱، ۱۹۸۴ء
۵۱۱۔ عصفری، خلیفۃ بن خیاط، ابی عمرو، تاریخ خلیفہ بن خیاط، تحقیق اکرم ضیاء العمری، دار طیبۃ الریاض، ط۲، ۱۴۰۵ھ
۵۱۲۔ العطار، صدقی جمیل، حاشیہ سنن ابی داؤد، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۲۶۔۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء
۵۱۳۔ عطار، فرید الدین، شیخ، تذکرۃ الاولیاء، لاہور
۵۱۴۔ عقاد، عباس محمود، العبقریات الاسلامیۃ، المکتبۃ، العصریۃ، بیروت
۵۱۵۔ عقیلی، محمد بن عمرو، ابوجعفر، الضعفاء الکبیر، مکتبہ علمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۹۸۴ء
۵۱۶۔ عکبری، عبیداللہ بن محمد، ابوعبداللہ، الابانۃ عن شریعۃ الفرق الناجیۃ ومجانبۃ الفرق المذمومۃ، دار الریۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۰۹ھ
۵۱۷۔ عکری، احمد بن محمد، شذرات الذھب فی اخبار من ذھب، دار ابن کثیر، دمشق، ط۱، ۱۴۰۶ھ
۵۱۸۔ علائی، خلیل بن کیکلدی، کتاب تحقیق منیف الرتبۃ لمن ثبت لہ شرف الصحبۃ، دار العاصمۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۰ھ
۵۱۹۔ علوی، محمد ابن السید، مالکی مکی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم الانسان الکامل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۹ھ
۵۲۰۔ عمر بن علی، ابوحفص، حنبلی، اللباب فی علوم الکتاب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۲۱۔ عیاض مالکی، قاضی، ابوالفضل بن موسیٰ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء

۵۲۲۔ ایضاً، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، دارالکتب العربی، بیروت، لبنان

۵۲۳۔ عینی، محمود بن احمد، بدرالدین، ابومحمد، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، دارالحدیث، ملتان، ط۱، س ن

۵۲۴۔ ایضاً، العلم الھیب من الکلم الطیب، مکتبۃ الرشد، الریاض، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۲۵۔ غامدی، جاوید احمد، میزان، المورد، لاہور، ط۳، ۲۰۰۹ء

۵۲۶۔ غربان محمد شفیق، الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ، قاھرہ، مصر، ۱۹۶۵ء

۵۲۷۔ غزالی، محمد بن محمد، امام، احیاء علوم الدین، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۲۸۔ ایضاً، المستصفیٰ من علم الاصول، امیریہ کبری، بولاق، مصر، ۱۲۹۴ھ

۵۲۹۔ غیاث الدین، محمد، غیاث اللغات، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، معلوم ندارد

۵۳۰۔ فاسی، محمد مہدی، امام، مطالع المسرات بجلاء دلائل الخیرات، المکتبۃ المکرمۃ الرضویۃ، لائلپور (فیصل آباد)

۵۳۱۔ فزاری، ابراھیم بن محمد، ابواسحاق، کتاب السیر، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۵۳۲۔ فتنی، محمد طاہر، مجمع بحارالانوار، مکتبۃ دارالایمان المدینۃ المنورۃ، ط۳، ۱۴۱۵ھ

۵۳۳۔ الفلاح، محمد عبدہ، تفسیر الحدیث المسمیٰ اشرف الحواشی، شیخ محمد اشرف ناشران، لاہور، س ن

۵۳۴۔ فیروزآبادی، محمد بن یعقوب، مجدالدین، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۳، ۱۴۱۳ھ

۵۳۵۔ فیروزالدین، مولوی، فیروزاللغات، فیروزسنز، لاہور، س ن

۵۳۶۔ قاسمی، وحیدالزمان، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، ط۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۵۳۷۔ قاسمی، جمال الدین، قواعد التحدیث، مکتبہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، ۱۳۵۸ھ

۵۳۸۔ ایضاً، محاسن التاویل (التفسیر القاسمی)، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۳۹۔ قاضی، زین العابدین، قاموس القرآن، دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۷۸ء

۵۴۰۔ قرطبی، احمد بن عمر، ابوعباس ابراہیم مالکی، المفھم، دارابن کثیر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۷ھ

۵۴۱۔ قرطبی، محمد بن احمد، ابوعبداللہ مالکی، الجامع لاحکام القرآن، دارالفکر، بیروت، ۱۴۱۵ھ

۵۴۲۔ ایضاً، التذکرۃ فی احوال الموتی وامورالآخرۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۴۳۔ قرطبی، یوسف بن عبداللہ، ابوعمرو، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۴۴۔ ایضاً، جامع بیان العلم وفضلہ، دارابن الجوزی، الدمام، ط۴، ۱۴۱۹ھ

۵۴۵۔ قسطلانی، احمد بن محمد، ابوالعباس شہاب الدین، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط۲، ۲۰۰۹ء

۵۴۶۔ ایضاً، المواھب الدنیۃ بالمنح المحمدیۃ، مکتب الاسلامی بیروت، ط أ،۱۴۱۲ھ

۵۴۷۔ قشیری، عبدالکریم بن ھوازن، ابوالقاسم، امام، لطائف الاشارات، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ا، ۱۴۲۰ھ

۵۴۸۔ قضاعی، محمد بن سلامۃ، ابی عبداللہ، دستور معالم الحکم ومأثور مکارم الشیم، شرکۃ دار ارقم بن ابی الارقم بیروت، ط ا، ۱۴۱۸ھ

۵۴۹۔ قطب شہید، سید، فی ظلال القران، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، ط۴، ۱۹۹۸ء

۵۵۰۔ قنوجی، محمد صدیق حسین، سید، البلغۃ فی اصول اللغۃ، دارالبشائر الاسلامیۃ بیروت، ط ا، ۱۴۰۸ھ

۵۵۱۔ ایضاً، تکریم المؤمنین بتقویم مناقب الخلفاء الراشدین، قادری کتب خانہ، سیالکوٹ۔

۵۵۲۔ ایضاً، التاج المکلل من جواھر مآثر الطراز الآخر والاولی، مکتبۃ دارالسلام الریاض، ط ا، ۱۴۱۶ھ

۵۵۳۔ ایضاً، الدین الخالص، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ا، ۱۴۱۵ھ

۵۵۴۔ کاسانی، ابوبکر بن مسعود، علاؤالدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مطبوعہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، ۱۴۰۰ھ

۵۵۵۔ کاظمی، احمد سعید، سید، مقالات، بزم سعید، ملتان، ط ۷، ۲۰۰۰ء

۵۵۶۔ کاندھلوی، محمد ادریس، حجیت حدیث، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ط۲، ۱۹۹۶ء

۵۵۷۔ ایضاً، التعلیق الصبیح علی مشکاۃ المصابیح، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط ا، ۱۴۲۵ھ

۵۵۸۔ کاندھلوی، محمد زکریا، شیخ، اوجز المسالک الی موطا مالک، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء

۵۵۹۔ ایضاً، بذل المجھود فی حل ابی داؤد، مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء

۵۶۰۔ کاندھلوی، محمد یوسف، حیاۃ الصحابۃ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط ا، ۱۴۰۶ھ

۵۶۱۔ الکائی، ھبۃ اللہ بن حسن، ابوالقاسم، شرح اصول اعتقاد اھل السنۃ والجماعۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ا، ۱۴۲۳ھ

۵۶۲۔ کتانی، محمد بن جعفر، الرسالۃ المستطرفۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط ا، ۱۴۱۶ھ

۵۶۳۔ کدیری، احسان محمد دحلا جمفسی سراج الطالبین، مکتبۃ الحرمین، جدۃ

۵۶۴۔ کریم خان، محمد، ڈاکٹر، امثال الحدیث، ہجویری بک شاپ، لاہور، ط ا، ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

۵۶۵۔ ایضاً، نظریات سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ، ایضاً

۵۶۶۔ ایضاً، ہمارے فکری و عملی مسائل اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، پروگریسو بکس، لاہور، ط ا، ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء

۵۶۷۔ کشمیری، محمد انورشاہ، التصریح بما تواتر فی نزول المسیح، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ بحلب، ط۵، ۱۴۱۲ھ

۵۶۸۔ ایضاً، العرف الشذی شرح جامع الترمذی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ط ا، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

۵۶۹۔ ایضاً، فیض الباری علی صحیح البخاری، المکتبۃ الرشیدیۃ، کوئٹہ

۵۷۰۔ گردیزی، شاہ حسین، سید الذنب فی القرآن، زم زم پرنٹنگ پریس، کراچی، ط ا، ۱۴۲۷ھ ۲۰۰۶ء

۵۷۱۔ لکھنوی، عبدالحی محمد، الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل، مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ، بحلب، ط۳، ۱۴۰۸ھ

۵۷۲۔ ایضاً، الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، بحلب، ط۳، ۱۴۱۴ھ

۵۷۳۔ لکھنوی، محمد عبدالحلیم بن محمد امین، قمر الاقمار لنور الانوار فی شرح المنار، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۷۴۔ ماتریدی، محمد بن محمود، ابی منصور، سمرقندی، حنفی، تاویلات اھل السنۃ، مؤسسۃ الرسالۃ ط۱، ۱۴۲۵ھ

۵۷۵۔ مالک، ابن انس، امام، المؤطا، دار الفجر للتراث، القاہرہ، مصر، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۵۷۶۔ مالینی، احمد بن محمد، ابوسعید، امام، کتاب الاربعین فی شیوخ الصوفیۃ، دار البشائر الاسلامیۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۷۷۔ ماوردی، علی بن محمد، علی بن محمد، علامۃ، اعلام النبوۃ: مطبوعۃ دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۵۷۸۔ ایضاً، النکت والعیون، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۲ھ

۵۷۹۔ مبارکپوری، عبدالرحمٰن، ابوالعلی محمد، تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی، بیت الافکار الدولیۃ، عمان، اردن، س ن

۵۸۰۔ ایضاً، الرحیق المختوم، دارالسلام، الریاض، الطبعۃ ۱۴۱۴ھ

۵۸۱۔ مجاھد بن جبر، قرشی، مخزومی، التفسیر الکبیر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۶ھ

۵۸۲۔ محمد امین، حافظ، سنن نسائی (فوائد و مسائل)، دارالسلام، لاہور، ۱۴۳۲ھ

۵۸۳۔ محب طبری، احمد بن عبداللہ، ابوجعفر، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، مکتبہ الصحابہ، جدہ، سعودی عرب، ۱۴۱۵ھ/ 1995ء

۵۸۴۔ محمد بن علی، ابوعلی، الصوری، الحافظ، الفوائد المنتقاۃ والغرائب الحسان عن شیوخ الکوفیین، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۰۷ھ

۵۸۵۔ محمد بن سلامۃ، الشافعی، القضاعی، امام، مسند الشھاب، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۵۸۶۔ محمد بن ہارون، ابوبکر، رویانی، امام، مسند الصحابۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۸۷۔ محمد بن محمد، ابوالسعود، عمادی، حنفی، ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۸۸۔ محمد امین بن محمد مختار، جکنی، علامۃ، اضواء البیان فی ایضاح القرآن: داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۵۸۹۔ محمد بن یعقوب، مجدالدین، فیروزآبادی، امام، بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، المکتبۃ العلمیۃ، بیروت

۵۹۰۔ محمد بن خطیب، شربینی، السراج المنیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۲۵ھ

۵۸۹۔ محمد علی، شیخ، صابونی، صفوۃ التفاسیر، دارالحیا التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۹۱۔ محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء

۵۹۲۔ محمد بن خلیفۃ، ابوعبداللہ، وشتانی، ابی المالکی، علامۃ، اکمال اکمال المعلم، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۵۹۳۔ محمد بن احمد، ابوالقاسم، کلبی، التسھیل لعلوم التنزیل، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۹۴۔ محمد زکریا، سہارنپوری، مولانا، لامع الدراری علی جامع البخاری، مکتبۃ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۵۹۵۔ محمد بن محمد، سنوسی، مالکی، علامہ، مکمل اکمال الاکمال، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۵۹۶۔ محمد بن محمد، ابو الفتح، حافظ، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مکتبۃ دار التراث، المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۱۳ھ

۵۹۷۔ محمد بن احمد، ابو البقاء، تاریخ مکۃ المشرفۃ والمسجد الحرام والمدینۃ الشریفۃ والقبر الشریف، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۵۹۸۔ محمد بن عمر، کتاب المغازی للواقدی، عالم الکتب بیروت، ط۳، ۱۴۰۴ھ

۵۹۹۔ محمد بن ادریس، دیوان امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، تحقیق محمد عبد الرحیم، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۶۰۰۔ محمد شفیق، ابو سعید، حنفی کشمیری، فضل الودود فی شرح سنن ابی داود، دار قمر الاسلام، برمنگھم، لندن، ط۱، ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

۶۰۱۔ محمد نافع، مولانا، سیرت امیر معاویہ، دار الکتاب، لاہور

۶۰۲۔ مراد آبادی، نعیم الدین، سید محمد، خزائن العرفان، حافظ کمپنی، لاہور، س ن

۶۰۳۔ مراغی، زین الدین ابی بکر بن الحسین، کتاب تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الھجرۃ، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۰۴۔ مروزی، خزاعی، نعیم بن حماد، حافظ، الفتن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۶۰۵۔ مروزی، اسحاق بن ابراھیم، امام، مسند اسحاق بن راھویۃ، مکتبۃ الایمان، المدینۃ المنورۃ، ط۱، ۱۴۱۰ھ و دار الکتاب العربی، بیروت ط۱، ۱۴۲۳ھ

۶۰۶۔ مروزی، محمد بن نصر، امام فقیہ شیخ الاسلام، المسند، مکتبہ مصطفیٰ البابی، بولاق، مصر، ۱۴۰۲ھ

۶۰۷۔ مزی، جمال الدین یوسف، ابو الحجاج، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۹۹۲ء

۶۰۸۔ مرغینانی، علی بن ابی بکر، ابو الحسن، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۶۰۹۔ ایضاً، اللباب فی شرح الکتاب، ایضاً

۶۱۰۔ مرجانی، محمد بن عبد الملک، بھجۃ النفوس والاسرار، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۶۱۱۔ مسلم، ابن حجاج، ابو الحسین قشیری، صحیح مسلم، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء

۶۱۲۔ ایضاً، الانتفاع بجلو د السباع، دار الفکر، بیروت

۶۱۳۔ مصری، عمر بن شبۃ، ابو زید، تاریخ مدینۃ، دار التراث، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۶۱۴۔ مصطفیٰ خیری، منصوری، علامۃ، المقتطف من عیون التفاسیر، دار القلم، دمشق، ط۲، ۱۴۱۷ھ

۶۱۵۔ مطلبی، محمد بن اسحاق، مدنی، السیرۃ النبویۃ، درا لکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۱۶۔ مغلطائی، ابو عبد اللہ بن قلیج، علاء الدین، حافظ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ، دار القلم، دمشق، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۶۱۷۔ مقاتل بن سلیمان، ابو الحسن، ازدی، امام، تفسیر مقاتل بن سلیمان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۱۸۔ مقدسی، یوسف بن یحیٰی، عقد الدرر فی اخبار المنتظر وھو المھدی، مکتبۃ المنار، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۶۱۹۔ مقدسی، محمد بن عبد الواحد، ضیاء الدین، الاحادیث المختارۃ مما لیس فی الصحیحین، مکتبۃ النھضۃ الحدیثیۃ، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۶۲۰۔ مقدسی، محمد بن طاھر، ابوالفضل، حافظ، اطراف الغرائب والافراد للدارقطنی، دارالتدمریۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۲۸ھ

۶۲۱۔ ایضاً، الجمع بین رجال الصحیحین، دائرۃ معارف عثمانیہ، حیدرآباد، دکن، ۱۳۲۳ھ

۶۲۲۔ ایضاً، شروط القدیمۃ السنۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۴ء

۶۲۳۔ مقریزی، احمد بن علی، ابی العباس المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار، الطبعۃ بدون تاریخ، مکتبۃ الدینیۃ، القاھرۃ۔

۶۲۴۔ مقری، احمد بن محمد علی، المصباح المنیر، مطبوعۃ دارالکتب العلمیۃ، بیروت ط۱، ۱۴۱۴ھ

۶۲۵۔ ملاعلی القاری، علی بن سلطان محمد، الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۶۲۶۔ ایضاً، جمع الوسائل فی شرح الشمائل، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

۶۲۷۔ ایضاً، شرح مسند ابی حنیفۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۶۲۸۔ ایضاً، شرح الفقہ الاکبر، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۰۴ھ

۶۲۹۔ ایضاً، شرح الشفاء، دارالکتب العلمیۃ، بیروت

۶۳۰۔ ایضاً، فتح باب العنایۃ بشرح النقایۃ، دارارقم، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۶۳۱۔ ایضاً، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، المکتبۃ التجاریۃ، مکۃ المکرمۃ

۶۳۲۔ ایضاً، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، دارالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط۵، ۱۴۱۴ھ

۶۳۳۔ ملاجیون، احمد، نورالانوار، محمد سعید اینڈ سنز، کراچی، س ن

۶۳۴۔ مناوی، عبدالرؤف، علامۃ، شرح الشمائل، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی

۶۳۵۔ ایضاً، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۸ھ

۶۳۶۔ ایضاً، الکواکب الدریۃ فی تراجم السادۃ الصوفیۃ، دارصادر، بیروت، ط۱، ۱۹۹۹ء

۶۳۷۔ منذری، زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی، امام، الترغیب والترھیب، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۳۸۔ منصور بن الحسن، عمادالدین، گازرونی، شافعی، حاشیۃ الگازرونی علی البیضاوی: دارالفکر، بیروت، الطبعۃ ۱۴۱۶ھ

۶۳۹۔ منصور پوری، محمد سلیمان سلمان، قاضی، رحمۃ للعالمین، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور ۱۹۹۱ھ

۶۴۰۔ مودودی، ابوالاعلی، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ط۴۰، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۶۴۱۔ ایضاً، سنت کی آئینی حیثیت، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ط۲۰، ۲۰۰۰ء

۶۴۲۔ موسیٰ شاھین، لاشین، پروفیسر ڈاکٹر، فتح المنعم شرح صحیح مسلم، دارالشروق، القاھرہ، مصر، ط۲، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء

۶۴۳۔ مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ، مہر منیر، فیض احمد فیض رحمۃ اللہ علیہ، قطب عالم، پاکستان، انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ لاہور ۱۴۰۶ھ

۶۴۴۔ ایضاً، تصفیۃ ما بین سنی وشیعۃ رحمۃ اللہ علیہ پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور ۱۴۰۶ھ

۶۴۵۔ ناصر الدین، محمد البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، وشئ من فقھھا وفوائدھا، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، الریاض، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء

۶۴۵۔ ایضاً، ظلال الجنۃ فی تخریج السنۃ: ، المکتب الاسلامی، ط۳، ۱۴۱۳ھ

۶۴۷۔ ایضاً، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، والموضوعۃ واثرھا السئ فی الامۃ، ایضاً، ط۱، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء

۶۴۸۔ نبھانی، یوسف بن اسماعیل، امام، الانوار المحمدیۃ من المواھب اللدنیۃ ، الطبعۃ الادبیۃ، بیروت ۱۳۲۱ھ

۶۴۹۔ ایضاً، جامع کرامات اولیاء ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۵۰۔ ایضاً، جواھر البحار فی فضائل النبی المختار، مصر ۱۳۷۹ھ، ودار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۵۱۔ ایضاً، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ﷺ ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۵۲۔ ایضاً، حزب الاستغاثات بسید السادات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۶۵۳۔ ایضاً، سعادۃ الدارین فی الصلاۃ علی سید الکونین ﷺ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۵۴۔ ایضاً، شواھد الحق فی الاستغاثۃ بسید الخلق، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر، ودار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۵۵۔ نجدی، محمد بن عبد الوھاب، مختصر زاد المعاد ، المکتب الاسلامی، بیروت، ط۴، ۱۴۰۳ھ

۶۵۶۔ ایضاً مختصر سیرۃ الرسول ، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط۱، ۱۴۱۹ھ

۶۵۷۔ نجم الدین، محمد بن محمد، الغزی، الاتقان ما یحسن من الاخبار الواردۃ علی الالس، دار الکتب العلمیۃ، بیروت ط۱، ۱۴۲۵ھ

۶۵۸۔ ندوی، سید سلمان، سیرۃ النبی ﷺ، الفیصل ناشران، لاہور، ۱۹۹۱ء

۶۵۹۔ ندوی، علی، ابو الحسن، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، دار ابن کثیر دمشق، ط۴، ۱۴۲۶ھ

۶۶۰۔ ایضاً، المرتضیٰ سیرۃ امیر المامنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ، دار القلم دمشق، ط۲، ۱۴۱۹ھ

۶۶۱۔ ندوی، سید رضوان علی، الدکتور، خانوادۂ نبوی وعھد بنی امیہ، حقائق واوھام عربی ادارۂ تصنیف ونشر کراچی

۶۶۲۔ نسائی، احمد بن علی بن شعیب، ابو عبد الرحمٰن، الضعفاء والمتروکین، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۶ء

۶۶۳۔ ایضاً، سنن النسائی المسمیٰ بالمجتبیٰ، دار الفکر، بیروت، لبنان، ط۱، ۱۴۲۵ھ۔۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۶۶۴۔ ایضاً تفسیر النسائی، مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۰ھ

۶۶۵۔ ایضاً، خصائص امیر المؤمنین علی بن ابی طالب، دار الکتاب العربی، بیروت، ط۲، ۱۴۱۷ھ

۶۶۶۔ ایضاً، السنن الکبریٰ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۲۱ھ

۶۶۷۔ نسفی، احمد بن محمد، ابو البرکات، علامۃ، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، دار القلم، بیروت، ط۱، ۱۴۰۸ھ

۶۶۸۔ نظام الدین بن محمد قمی، علامۃ، غرائب القرآن وغرائب الفرقان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۶۶۹۔ نعمانی، شبلی، سید سلیمان، ندوی، علامۃ، سیرۃ النبی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور

۶۷۰۔ نعمانی، محمد عبدالرشید، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر بهتان: علامۃ مکتبۃ الحسن، لاہور

۶۷۱۔ ایضاً، شهداء کربلاء پر افتراء، مکتبۃ الحسن، لاہور

۶۷۲۔ ایضاً، یزید کی شخصیت اهل سنت کی نظر میں، مکتبۃ الحسن، لاہور

۶۷۳۔ نعیمی، احمد یار خان، مفتی، مرأۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، مکتبہ اسلامیہ، لاہور

۶۷۴۔ نقوی، علی رضا، سید دکتر، فرهنگ جامع (فارسی بہ انگلیسی واردو)، قرایزنی فرهنگی سفارت، جمهوری اسلامی ایران، اسلام آباد، ط۲، ۱۳۸۲ھ

۶۷۵۔ نواب صاحب، ظفر اللاضی بما یجب فی القضاء علی القاضی، دار ابن حزم بیروت، ط۱، ۱۴۲۲ھ

۶۷۶۔ نووی، یحیی بن شرف، ابوزکریا محی الدین، المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، بیت الافکار الدولیۃ، اردن، ط۵، ۲۰۰۷ء

۶۷۷۔ ایضاً، تهذیب الاسماء واللغات، دار الفکر، بیروت، ط۱، ۱۴۱۶ھ

۶۷۸۔ ایضاً، تقریب النواوی مع تدریب الراوی، مکتبۃ الکوثر، الریاض، ط۲، ۱۴۱۵ھ

۶۷۹۔ ایضاً، المنتخبۃ من کلام سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم، دار ابن کثیر، دمشق، ط۶، ۱۴۱۳ھ۔

۶۸۰۔ ایضاً، المجموع شرح المهذب، دار الفکر، بیروت

۶۸۱۔ نیشاپوری، حسن بن محمد، عقلاء المجانین، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط۱، ۱۴۰۵ھ

۶۸۲۔ نیشاپوری، عبداللہ بن علی، امام، المنتقی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۸۳۔ نیشاپوری، محمود بن ابی الحسن، ایجاز البیان عن معانی القرآن، مکتبۃ التوبۃ، الریاض، ط۱، ۱۴۱۷ھ

۶۸۴۔ ایضاً، الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار القلم، دمشق، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۶۸۵۔ ایضاً، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۵ھ

۶۸۶۔ ایضاً، اسباب نزول القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط۱، ۱۴۱۱ھ

۶۸۷۔ وحید الزمان، علامۃ، تیسیر الباری شرح صحیح البخاری: تاج کمپنی پاکستان

۶۸۸۔ ایضاً، لغات الحدیث، نور محمد کتب خانہ، کراچی، س ن

۶۸۹۔ وحید الزمان خان، فوائد سنن ابن ماجہ علی هامش سنن ابن ماجہ، مطبوعہ مهتاب کمپنی، لاہور، س ن

۶۹۰۔ ایضاً فوائد سنن نسائی، اسلامی کتب خانہ، لاہور، س ن

۶۹۱۔ وکیع بن الجراح، امام، کتاب الزهد، دار الصمیعی، الریاض، ط۲، ۱۴۱۵ھ

۶۹۲۔ هاشمی، عبدالمنعم، عصر الصحابۃ، دار ابن کثیر بیروت، ط۱، ۱۴۲۴ھ

۶۹۳۔ هانزویر، معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرہ، مطبوعہ مکتبہ لبنان، بیروت، ۱۹۸۰ء

۶۹۴۔ هجویری، علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ، کشف المحجوب، نوائے وقت پرنٹرز، لاہور، الطبعۃ ۱۳۸۷ھ

۶۹۵۔ هروی، احمد بن محمد، ابوعبید، الغریبین فی القران والحدیث، مکتبۃ نزار مصطفیٰ الباز، مکۃ المکرمۃ، ط ۱، ۱۴۱۹ھ

۶۹۶۔ هروی، علی بن سلطان محمد، امام، شرح شرح نخبۃ الفکر فی مصطلحات اهل الأثر، شرکۃ دار الارقم بن ابی الارقم، بیروت

۶۹۷۔ ہمام بن منبہ، الصحیفۃ الصحیحہ (مترجم: محمد رضاء الحسن)، کرمانوالہ بک شاپ، لاہور، ط ۱، ۲۰۰۷ء

۶۹۸۔ همدانی، محمد بن محمد، ابوالفتوح، الطائی، کتاب الاربعین، درالبشائر الاسلامیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۰ھ

۶۹۹۔ ہندی، علی بن ابی بکر، ابوالحسن نورالدین، کنز العمال فی سنن الافعال والاقوال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

۷۰۰۔ هیتمی، ابن حجر، احمد بن محمد، امام، اسنی المطالب فی صلۃ الاقارب، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ط ۱، ۱۴۲۴ھ

۷۰۱۔ ایضاً، اشرف الوسائل الی فهم الشمائل، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۹ھ

۷۰۲۔ ایضاً، الدر المنضود فی الصلاۃ والسلام علی صاحب المقام المحمود ﷺ، دار المدینۃ المنورۃ، ط ۲، ۱۴۱۶ھ

۷۰۳۔ ایضاً، الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اهل البدع والزندقۃ، مطبوعۃ مکتبۃ القاهرۃ، مصر، ط ۲، ۱۳۸۵ھ

۷۰۴۔ هیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر، حافظ، بغیۃ الباحث فی زوائد مسند الحارث، تحقیق: مسعد السعدنی، دار الطائع القاهرۃ

۷۰۵۔ ایضاً، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ط ۱، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

۷۰۶۔ ایضاً، کشف الاستار عن زوائد البزار، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۰۴ھ

۷۰۷۔ ایضاً، مجمع البحرین فی زوائد المعجمین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۹ھ

۷۰۸۔ ایضاً مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الفکر، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۴ھ

۷۰۹۔ ایضاً، المقصد العلی فی زوائد مسند ابی یعلی الموصلی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۱۹ھ

۷۱۰۔ ایضاً، موارد الظمآن، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

۷۱۱۔ یافعی، عبداللہ بن اسعد، یمنی، خلاصۃ المفاخر فی مناقب شیخ عبدالقادر، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور

۷۱۲۔ ایضاً، روض الریاحین، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۱ھ

۷۱۳۔ ایضاً، مرآۃ الجنان، مؤسسۃ الاعلمی مطبوعات، بیروت، ۱۳۹۰ھ

۷۱۴۔ یاقوت حموی، ابوعبداللہ، شهاب معجم البلدان والجبال والاودیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ء

۷۱۵۔ یحصبی، عیاض بن موسیٰ، ابوالفضل، مشارق الانوار علی صحاح الآثار، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط ۱، ۱۴۲۳ھ

۷۱۶۔ یسوعی، لویس معلوف، المنجد، المطبعۃ الکاثولیکیۃ، لبنان، الطبعۃ، لبنان، ط ۱۲، ۱۳۹۴ھ

۷۱۷۔ یمنی، ابوبکر بن علی، الحداد، الجوهرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن

۷۱۸۔ یوسف فرحات، الدکتور، دیوان الامام علی بن ابی طالب: علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، دار الکتاب العربی، ط ۶، ۱۴۲۰ھ

۷۱۹۔ یوسف بن عبداللہ، الوابل، اشراط الساعۃ، دار ابن الجوزی، الدمام، ط ۹، ۱۴۱۸ھ ۱۹۷۵ء

۷۲۰۔ دروس البلاغۃ، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۷۲۱۔ سیر الصحابۃ، اسلامی کتب خانہ، لاہور، ۱۳۵۶ھ

۷۲۲۔ فتاوی عالمگیری، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

۷۲۳۔ موسوعہ فقہیہ کویتیہ، وزارت اوقاف واسلامی امور، کویت

تحقیقی و تصنیفی کام

(ڈاکٹر محمد کریم خان، لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ گجرات، گجرات)

۱۔مقالات :

1۔ قصص الحدیث (تعلیمی، معاشرتی، سیاسی اور معاشی پہلو) کا تجزیاتی مطالعہ اور عصر حاضر میں اس کا اطلاق (مقالہ۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

2۔ امثال الحدیث۔۔۔عبر و نصائح (مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ)

3۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔۔۔ایک عظیم مدبر حکمران (مقالہ ایم اے)

4۔ قانون وراثت ایکٹ اور شریعت اسلامیہ کا تجزیاتی مطالعہ (مقالہ علماء اکیڈمی)

۲۔کتب :

نمبر	کتاب	ناشر	سال
5	امثال صحیح بخاری	مکتبہ حنفیہ، لاہور	2012ء
6	امثال الحدیث	ہجویری بک شاپ، لاہور	2013ء
7	امثال صحیح مسلم	ہجویری بک شاپ، لاہور	2013ء
8	نظریات سید ہجویر رحمۃ اللہ علیہ	ہجویری بک شاپ، لاہور	2013ء
9	امثال جامع ترمذی	پروگریسو بکس، لاہور	2014ء
10	فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی (جلد اول)	پروگریسو بکس، لاہور	2015ء
11	کتاب المناقب	پروگریسو بکس، لاہور	2015ء
12	کتاب الخصائص	پروگریسو بکس، لاہور	2015ء
13	کتاب الفضائل	پروگریسو بکس، لاہور	2015ء
14	مسند معاویہ	مکتبہ حنفیہ، لاہور	2015ء
15	فیوض الزاھی فی شرح النسائی (جلد دوم)	پروگریسو بکس، لاہور	2015ء
16	ہمارے فکری و عملی مسائل اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	پروگریسو بکس، لاہور	2015ء
17	فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی (جلد سوم)	پروگریسو بکس، لاہور	2015ء
18	علم وراثت اور قانون وراثت ایکٹ	مکتبہ حنفیہ، لاہور	2016ء
19	قصص الحدیث (عصر حاضر میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے اصول و ضوابط)	پروگریسو بکس، لاہور	2016ء
20	فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی (جلد چہارم)	پروگریسو بکس، لاہور	2016ء
21	فیوض الزاھی فی شرح سنن النسائی (جلد پنجم)	پروگریسو بکس، لاہور	2017ء

۳۔HEC سے منظور شدہ رسائل میں Articles:

نمبر شمار	عنوان	مجلہ	جلد نمبر	شمارہ نمبر	صفحات	سال
22	غرائب ترمذی پر تحقیق کی ضرورت	اسلامک ریسرچ جرنل، BZU ملتان	8	1	01-24	2011ء

24	دین کی تفہیم میں امثال کی اہمیت	ضیائے تحقیق، GCU، فیصل آباد	2	4	111-99	2012ء
25	قصص الحدیث کے معاشرتی پہلو سے عصر حاضر میں رہنمائی کی ضرورت	اسلامک ریسرچ جرنل، BZU ملتان	10	2	35-45	2013ء
26	قصص الحدیث کا اقتصادی پہلو (عصر حاضر میں رہنمائی)	جہات الاسلام، PU، لاہور	9	2	102-117	2016ء
27	منصب خطابت کے بنیادی تقاضے	ضیائے تحقیق، GCU فیصل آباد	5	9	116-132	2015ء
28	کشف المحجوب میں مباحث سیرت اور سید ہجویر کا منہج واستدلال	الاحسان، GCU فیصل آباد	1	5	219-240	2016ء
29	The Education and Learning (In the light of Quraan and Sunnah)	پاکستان جرنل آف سوشل سائنسز، BZU، ملتان	1	37	170-185	2016ء
30	حضور اکرم ﷺ کا تشریعی مقام	العرفان، منہاج یونیورسٹی، لاہور	1	2	97-108	2016
31	قیام امن اور فروغ رواداری میں صوفیہ کا کردار	الاحسان، GCU، فیصل آباد	1	6	201-218	2016
32	قصص الحدیث کی فنی اور شرعی حیثیت	ضیائے تحقیق، GCU فیصل آباد	5	10	70-87	2016
33	حرمت مصاہرت میں ائمہ اربعہ کے دلائل کا تجزیاتی مطالعہ	ضیائے تحقیق، GCU فیصل آباد	6	11	155-170	2017
34	المنہاج السوی من الحدیث النبوی کا منہج واسلوب	العرفان، منہاج یونیورسٹی، لاہور	2	1	202-219	2017

Non HEC Articles -۴

35	سیدنا عیسیٰ علیہ السلام (قرآن وحدیث اور بائبل کی روشنی میں) (i)	عرفات، لاہور	46	12	12-20	2004ء
36	سیدنا عیسیٰ علیہ السلام (قرآن وحدیث اور بائبل کی روشنی میں) (ii)	عرفات، لاہور	47	1	17-38	2005ء
37	دینی مدارس (i)	النعیمیہ، لاہور	2	10	50-61	2005ء
38	دینی مدارس (ii)	النعیمیہ، لاہور	2	11	31-39	2005ء
39	جدید فقہی مسائل میں تحقیق کے اصول	عرفات، لاہور	49	7	49-56	2007ء
40	سرگزشت مفتی محمد عبد العلیم سیالوی	فتاویٰ نعیمیہ، لاہور	1	1	21-36	2008ء
41	روزہ......چند احادیث کا مطالعہ	روح بلند، لاہور	5	1	53-57	2009ء
42	احادیث کشف المحجوب کا معاشرتی پہلو	معارف اولیاء، لاہور	7	3	45-90	2009ء
43	اجتہاد	روح بلند، لاہور	5	3	43-59	2009ء
44	امثال الحدیث اور آپ ﷺ کی ذات	النظامیہ، لاہور	9	12	30-39	2009ء
45	جامع ترمذی کی مثالیں	روح بلند، لاہور	5	4	39-55	2009ء
46	علم میراث کی عصری وشرعی اہمیت	عرفات، لاہور	52	1	27-32	2010ء
47	سوال کرنے کے آداب......کشف المحجوب کا مطالعہ	معارف اولیاء، لاہور	7	4	95-110	2009ء
48	امثال بخاری اور اخلاقیات	روح بلند، لاہور	5	7	47-53	2010ء
49	سید ہجویر کا نظریہ علم	معارف اولیاء، لاہور	8	1	53-70	2010ء
50	اخلاقی تعلیمات......احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں	النظامیہ، لاہور	10	5	11-18	2010ء
51	احادیث ترمذی میں وجوہ غرابت	عرفات، لاہور	52	8	42-51	2010ء
52	قرآنی نظام وراثت کے بنیادی اصول	النظامیہ، لاہور	10	8	34-41	2010ء

53	سورۃ العصر..... دین وحکمت کی اساس	روح بلند، لاہور	5	12	10-13	2010ء
54	اولاد کے لئے قرآنی احکام وراثت	النظامیہ، لاہور	10	9-10	25-30	2010ء
55	اصحاب فروض سے متعلق قانون وراثت ایکٹ اور شریعت اسلامیہ کا تجزیاتی مطالعہ	عرفات، لاہور	53	01	48-54	2011ء
56	والدین کے لئے قرآنی احکام وراثت	روح بلند، لاہور	06	07	30-35	2011ء
57	سید ہجویر کا نظریہ توحید	روح بلند، لاہور	07	04	17-24	2011ء
58	سید ہجویر کا نظریہ سماع	معارف اولیاء، لاہور	10	02-03	27-60	2012ء
59	سید ہجویر کا نظریہ تصوف	معارف اولیاء، لاہور	10	04	45-70	2012ء
60	نبی کریم ﷺ کے علمی دنیا پر احسانات	معارف اولیاء، لاہور	11	01	123-174	2012ء
61	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ.....حیات وتعلیمات	معارف اولیاء، لاہور	11	03	93-120	2013ء
62	احادیث شب برأت کی فنی حیثیت	معارف اولیاء، لاہور	11	02	69-102	2013ء

۵۔ قومی وبین الاقوامی کانفرنسز میں شرکت:

الف: بین الاقوامی:

نمبر شمار	عنوان کانفرنس	مقام	تاریخ
63	مطالعہ سیرت کی معنویت اور عصر حاضر	GCU فیصل آباد	6 اپریل 2013ء

ب۔ قومی:

64	عصر حاضر کے معاشی چیلنجز کا حل، اسلام کا معاشی نظام ہی ہے	کراچی یونیورسٹی، کراچی	14 اپریل 2012ء
65	متون حدیث پر جدید ذہن کے اشکالات	دار العلوم نعیمیہ، کراچی	15 اپریل 2012ء
66	تحقیق آگہی سیمینار	اسلامک سنٹر، کراچی	16 اپریل 2012ء
67	عصر حاضر کے تحقیقی چیلنجز اور امت مسلمہ	ایمبیسڈر ہوٹل، لاہور	30 جون 2012ء
68	سماجی بہبود کا نبوی منہاج	GIFT یونیورسٹی، گوجرانوالہ	13 اپریل 2013ء
69	اخلاقی اقدار کا فقدان اور کرپشن (تدارک اور علاج)	ایوان صدر، اسلام آباد	28 مارچ 2015ء
70	عظمت حدیث سیمینار	ایمبیسڈر ہوٹل، لاہور	14 نومبر 2015ء
71	فروغ تحمل وبرداشت میں علماء، آئمہ وخطباء کا کردار	ایوان اقبال، لاہور	2-3 مئی 2016ء

۶۔ نگرانی Ph.d مقالہ جات:

72	سیرت نبوی ﷺ کے تہذیبی اور ثقافتی پہلو کا تحقیقی جائزہ	امپیریل یونیورسٹی، لاہور	2015-2016ء
73	حرمت مصاہرت میں ائمہ اربعہ کے دلائل اور عصر حاضر میں ضرورت	امپیریل یونیورسٹی، لاہور	2016-2017ء

۷۔ نگرانی M.Phil مقالہ جات:

74	حدیث ضعیف کے قبول ورد میں محدثین کا منہج واسلوب	گجرات یونیورسٹی، گجرات	2014-2016ء
75	ماہنامہ عرفات کی علمی ودینی خدمات	GCU، فیصل آباد	2015-2016ء

77	امثال الحدیث کا بلاغی پہلو	امپیریل یونیورسٹی، لاہور	2015-2016ء
78	خواجہ سراؤں کے شرعی احکامات	امپیریل یونیورسٹی، لاہور	2015-2016ء
79	قصص النساء کے عائلی پہلو سے رہنمائی (صحیح بخاری کا خصوصی مطالعہ)	گجرات یونیورسٹی، گجرات	2015-2016ء
80	قصص النساء کے فقہی پہلو سے رہنمائی (اردو تفاسیر کی روشنی میں)	گجرات یونیورسٹی، گجرات	2015-2016ء
81	نوجوانوں کی سیرت سازی: سورۃ کہف کی روشنی میں	گجرات یونیورسٹی، گجرات	2015-2016ء
82	ماہنامہ ملت کا ترجمان ''جام نور'' کے مضامینِ تصوف کا تحقیقی جائزہ	جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد	2015-2016ء
83	لاہور میں علوم سیرت پر ہونے والے کام کا تنقیدی جائزہ	امپیریل یونیورسٹی، لاہور	2015-2016ء
84	کتاب الآثار (امام ابو یوسف) کا منہج و اسلوب	امپیریل یونیورسٹی، لاہور	2016-2017ء

۸۔Reports and Vivas/ایم فل مقالہ جات:

85	عرف و عادت کے تغیر سے احکام میں تبدیلی	GCU، فیصل آباد	27-09-2016
86	ماہنامہ ''نور اسلام'' میں مباحثِ تصوف	GCU، فیصل آباد	27-09-2016